تاریخِ احمدیت

جلد دہم

تعلیم الاسلام کالج قادیان کے قیام سے لے کر
حضرتِ امیر المومنین سیّدنا المصلح الموعودؓ کی
ہجرت پاکستان تک

مؤلفہ
دوست محمّد شاہد

الناشر
ادارۃ المصنّفین ۔ ربوہ

نام کتاب	:	تاریخ احمدیت جلد نہم
مرتبہ	:	مولانا دوست محمد شاہد
طباعت موجودہ ایڈیشن	:	2007
تعداد	:	2000
شائع کردہ	:	نظارت نشر و اشاعت قادیان
مطبع	:	پرنٹ ویل امرتسر

ISBN - 181-7912-116-x

TAAREEKHE-AHMADIYYAT

(History of Ahmadiyyat

Vol-9 (Urdu)

By: Dost Mohammad Shahid

Present Edition : 2007

Published by: Nazarat Nashro Ishaat Qadian-143516

Distt.Gurdaspur (Punjab) INDIA

Printed at : Printwell Amritsar

ISBN - 181-7912-116-x

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل فرماتے ہوئے اس زمانہ کے مصلح امام مہدی و مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے کی توفیق عطا کی۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں نے کس طرح دُنیا کی کایا پلٹ دی اس کا تذکرہ تاریخ اسلام میں جا بجا پڑھنے کو ملتا ہے۔ تاریخ اسلام پر بہت سے موٴرّخین نے قلم اٹھایا ہے۔

کسی بھی قوم کے زندہ رہنے کیلئے اُن کی آنے والی نسلوں کو گذشتہ لوگوں کی قربانیوں کو یاد رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے تا وہ یہ دیکھیں کہ اُن کے بزرگوں نے کس کس موقعہ پر کیسی کیسی دین کی خاطر قربانیاں کی ہیں۔ احمدیت کی تاریخ بہت پرانی تو نہیں ہے لیکن خدا تعالیٰ کے فضل سے الٰہی ثمرات سے لدی ہوئی ہے۔ آنے والی نسلیں اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھ سکیں اور اُن کے نقشِ قدم پر چل کر وہ بھی قربانیوں میں آگے بڑھ سکیں اس غرض کے مدنظر ترقی کرنے والی قومیں ہمیشہ اپنی تاریخ کو مرتب کرتی ہیں۔

احمدیت کی بنیاد آج سے ایک سو اٹھارہ سال قبل پڑی۔ احمدیت کی تاریخ مرتب کرنے کی تحریک اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں پیدا فرمائی۔ اس غرض کیلئے حضور انور رضی اللہ عنہ نے محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد کو اس اہم فریضہ کی ذمہ داری سونپی جب اس پر کچھ کام ہو گیا تو حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اشاعت کی ذمہ داری ادارۃ المصنفین پر ڈالی جس کے نگران محترم مولانا ابوالمنیر نورالحق صاحب تھے۔ بہت سی جلدیں اس ادارہ کے تحت شائع ہوئی ہیں بعد میں دفتر اشاعت ربوہ نے تاریخِ احمدیت کی اشاعت کی ذمہ داری سنبھال لی۔ جس کی اب تک 19 جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

ابتدائی جلدوں پر پھر سے کام شروع ہوا اس کو کمپوز کر کے اور غلطیوں کی درستی کے بعد دفتر اشاعت ربوہ نے

اس کی دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۱۰ کو جلد نمبر ۹ بنایا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے قادیان سفر کے دوران تاریخِ احمدیت کی تمام جلدوں کو ہندوستان سے بھی شائع کرنے کا ارشاد فرمایا چنانچہ حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد پر نظارت نشر واشاعت قادیان بھی تاریخِ احمدیت کے مکمل سیٹ کو شائع کر رہی ہے ایڈیشن اول کی تمام جلدوں میں جو غلطیاں سامنے آئی تھیں ان کی بھی تصحیح کر دی گئی ہے۔ موجودہ جلد پہلے سے شائع شدہ جلد کا عکس لیکر شائع کی گئی ہے چونکہ پہلی اشاعت میں بعض جگہوں پر طباعت کے لحاظ سے عبارتیں بہت خستہ تھیں اُن کو حتی الوسع ہاتھ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی خستہ عبارت درست ہونے سے رہ گئی ہو تو ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اس وقت جو جلد آپ کے ہاتھ میں ہے یہ جلد نہم کے طور پر پیش ہے۔ دُعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس اشاعت کو جماعت احمدیہ عالمگیر کیلئے ہر لحاظ سے مبارک اور بابرکت کرے۔ آمین۔

خاکسار

برہان احمد ظفر درّانی

(ناظر نشر واشاعت قادیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

وعلی عبدہ المسیح الموعود

تاریخ احمدیت کی دسویں جلد

(رقم فرمودہ مکرم و محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب)

الحمد للہ کہ تاریخ احمدیت کی دسویں جلد طبع ہو کر احباب کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے پہلی نو جلدوں کی طرح اس کا ہر باب بھی گوناگوں دلچسپیوں کا مخزن ہے۔ اس جلد کے ابتدائی حصے میں سلسلہ احمدیہ کی تعلیمی اقدار اور مقاصد تعلیم کی وضاحت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشادات سے کی گئی ہے جن کا ہر وقت پیش نظر رہنا سلسلے کی تعلیمی ترقی اور ارتقاء کے لئے لازم ہے اور جو ہر قدم پر ہمارے معلمین اور متعلمین کے لئے شمع ہدایت اور مشعل راہ ہیں۔

بیشتر حصہ اس جلد کا جہاں سلسلہ احمدیہ کی تاریخ کا ایک اہم جزو ہے ساتھ ہی پاکستان کے معرض وجود میں آنے کی تاریخی داستان کا بھی ایک نہایت دلچسپ اور ناقابل فراموش باب ہے۔ ان واقعات پر بیس بائیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ پاکستان کی نئی پود جسے ان دردانگیز ہنگاموں کا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ نہیں ہوا جن میں سے گزر کر پاکستان معرض وجود میں آیا۔ آہستہ آہستہ ان مساعی اور اس جدوجہد کی تفاصیل سے نا آشنا ہوتی چلی جا رہی ہے جن کا مطالبہ قیام پاکستان کی خاطر برصغیر کے مسلمانوں سے ہوا اور جن میں امام جماعت احمدیہ اور جماعت احمدیہ نے اپنی بساط سے بہت بڑھ کر حصہ لیا۔ اس جلد میں ان مساعی کا مرقع بھی پیش کیا گیا ہے

اللہ تعالیٰ اپنے کمال فضل سے اس جلد کی تالیف میں حصہ لینے والوں کی محنت کو قبولیت سے نوازے اور انہیں اجر سے متمتع فرمائے آمین والسلام

خاکسار ظفر اللہ خاں ۲۴ دسمبر ۱۹۶۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے ہم امسال تاریخ احمدیت کی دسویں جلد احباب کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ جلد ۱۹۴۶ء سے اگست ۱۹۴۷ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ قادیان سے ہجرت فرما کر پاکستان تشریف لے آئے اور جماعت احمدیہ کا نیا دور شروع ہوا

ہندوستان کی آزادی اور پاکستان کے بننے کا جونہی اعلان ہوا۔ قادیان کے اردگرد فسادات کا سلسلہ شروع ہوا اور نہتے مسلمانوں کو تہ تیغ کیا جانے لگا۔ اور امن ختم ہوگیا۔ اس بات کو دیکھ کر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جماعت کے اکابرین کے مشورہ سے یہ فیصلہ فرمایا کہ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواتین مبارکہ کو فوراً پاکستان بھجوا دیا جائے۔ چنانچہ ۲۵ اگست کو بسوں کا انتظام ہوا اور یہ قافلہ صبح ۸ بجے روانہ ہو کر شام کو لاہور پہنچا۔ اس قافلہ میں سیدہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا اور خاندان مسیح موعود علیہ السلام کی خواتین شامل تھیں۔ مردوں میں سے حضرت نواب محمد عبد اللہ خان صاحب اور مکرم و محترم مرزا منصور احمد صاحب اس قافلہ کے ہمراہ تھے۔ حضور نے فسادات کے پیش نظر جہاں یہ فرمایا کہ خواتین مبارکہ کو بحفاظت پاکستان پہنچا دیا جائے۔ وہاں یہ بھی فیصلہ فرمایا کہ خاکسار حضور رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مسودات لے کر اس قافلہ کے ساتھ لاہور چلا جائے۔ بعد ازاں حضور نے مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب، مکرم مولوی محمد صدیق صاحب اور مکرم مولوی محمد احمد صاحب جلیل کے متعلق بھی حکم دیا کہ وہ بھی اس قافلہ میں لاہور چلے جائیں

ہمارا قافلہ صبح ۸ بجے قادیان سے چلا اور فوجی اسکورٹ کے ساتھ لاہور پہنچا۔ راستہ نہایت ہی پُر خطر تھا۔ کیونکہ سکھ احباب کے ہجوم ہر جگہ جمع تھے۔ ہمارے قافلے کے اوپر مکرم میر محمد احمد صاحب ہوائی جہاز پر پرواز کرتے رہے۔ تا قافلہ کا حال دیکھتے رہیں۔ اور واپس جا کر قادیان حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کو قافلہ کے بخیریت پہنچنے کی اطلاع کر سکیں۔ الحمد للہ کہ یہ قافلہ بخیریت لاہور پہنچ گیا۔

۳۱ اگست ۱۹۴۷ء کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کر کے لاہور تشریف لے آئے اور از سر نو صدر انجمن احمدیہ پاکستان کا قیام فرمایا۔ اور جودھامل بلڈنگ میں دفاتر کا کام شروع ہوگیا۔ اور باوجود افراتفری اور پریشان کن حالات کے پھر سے جماعت کا نظام اور شیرازہ قائم ہوگیا اور جماعت کا شجرہ عظیم جو خوفناک آندھی سے بظاہر اکھڑا ہوا نظر آتا تھا اپنی جڑوں سمیت نئے سرے سے پھر سے قائم ہوگیا۔ بعد ازاں مرکز ربوہ کی بنیاد پڑی۔ اور احمدیت کی ترقی کا نیا دور شروع ہوگیا۔

یہ جلد پہلی جلدوں کی نسبت حجم میں زیادہ ہوگئی ہے۔ کیونکہ ہجرت تک کے واقعات پر اس جلد کو ختم کرنا تھا۔ مؤلف کتاب مکرم مولانا دوست محمد صاحب۔ اور جن احباب نے اس جلد کے مواد کے لئے ان کی امداد فرمائی۔ ان کو اور ان احباب کا جنہوں نے کتابت حیاعت پروف ریڈنگ میں محنت شاقہ برداشت کی۔ ان کا شکر گزار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری سعی کو قبول فرمائے اور اپنی جناب سے اجر عظیم عطا فرمائے آمین والسلام

خاکسار:- ابو المنیر نور الحق منیجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین ربوہ ۲۵ ۱۲/۶۹

فہرست مضامین "تاریخ احمدیت" جلد دہم

عنوان	صفحہ
پہلا باب	
حضرت مسیح موعودؑ کی دعاؤں سے قائم شدہ تعلیم الاسلام کالج کا سیدنا المصلح الموعود کے مبارک ہاتھوں سے احیاء اور پے درپے مشکلات کے باوجود مثالی ترقی	۱
فصل اول	
(حضرت مسیح موعود کے عہد مبارک کا تعلیم الاسلام	۲
سکول و کالج۔ مدرسہ کی پریشان کن مالی حالت)	۳
بے نفس اور ایثار پیشہ اساتذہ	۴
خالص دینی ماحول میں پرورش پانیوالے شاگرد	۵
قیام کالج کے لئے تحریک	۷
کالج کے افتتاح کی تقریب	۹
حضرت نواب محمد علی خانصاحب کی طرف سے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں درخواست دعا اور حضور کی طرف سے جواب۔	۱۳/۱۴
تعلیم الاسلام کالج کے ابتدائی کوائف	۱۴
فصل دوم	
(دور مصلح موعودؓ میں کالج کا از سر نو قیام اور دوبارہ افتتاح)	۱۷
کالج کمیٹی کا تقرر	۱۹

عنوان	صفحہ
اخراجات کا تخمینہ اور ابتدائی انتظامات	۳۰
اخراجات کالج کی تحریک اور مخلصین جماعت کی قربانی	۰
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی نظر میں کالج کا تاریخی پس منظر۔	۲ / ۲۱
تعلیم الاسلام کالج کیلئے طلبہ بھجوانے کی تحریک	۲۲
حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کا تقرر بحیثیت پرنسپل	۲۳
پہلے پراسپیکٹس، داخلہ فارم اور پوسٹر کی اشاعت	۲۵
فضل عمر ہوسٹل کا قیام۔	۲۶
کالج کا باقاعدہ افتتاح	۲۸
حضرت پرنسپل صاحب کالج کی رپورٹ	۲۹
حضرت المصلح الموعود کا علم و معرفت سے لبریز خطاب	۳۲
فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام اور اغراض و مقاصد اور ابتدائی تاریخ۔	۵۲
فصل سوم	
(قادیان میں تعلیم الاسلام کالج کی علمی و تربیتی سرگرمیوں کی تفصیلات)	۵۸
فزکس اور کیمسٹری کی تجربہ گاہوں کا قیام	//
طلباء کی دینی تعلیمی اور اخلاقی نگرانی کے لئے اقدامات	٦۰
علمی تقریروں کا مفید سلسلہ	٦۱
کالج یونین کی بنیاد	٦۲
احمدی طلباء کے لئے دینی نصاب	//
حضرت پرنسپل تعلیم الاسلام کالج پنجاب یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل میں	٦۳

عنوان	صفحہ
مجلس مذہب وسائنس کا قیام	۶۴
تعلیم الاسلام ریسرچ سوسائٹی کی بنیاد	۶۷
فضل عمر ہوسٹل کی نئی عمارت کا افتتاح	״
یونیورسٹی کمیشن کی طرف سے تعلیم الاسلام کالج کا معائنہ	۷۰
توسیع کالج کے لئے حضرت امیرالمومنین کی اپیل	۷۱
قادیان کے بزرگ صحابہ کی فضل عمر ہوسٹل میں تشریف آوری	۷۲
بی۔ ایس۔ سی کیلئے علم طبیعات کی لیبارٹری کی بنیاد اور اس کی تعمیر۔	۷۴
فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح اور اس کا جریدہ پیپر میں	۷۵/۷۹
ایف۔ اے۔ اور ایف۔ ایس۔ سی کلاسوں کا پہلا امتحان اور پہلا نتیجہ	۸۰
طلبہ کے نام موسمی تعطیلات کے دوران نہایت اہم مکتوب	۸۱
کالج میں فضائی تربیت	۸۲
قادیان میں کالج کی تعلیمی سرگرمیوں کا آخری دن	۸۳
حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی پاکستان میں ہجرت	۸۴
فصل چہارم	
(سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کے خصوصی فیصلہ پر پاکستان میں کالج کی از سرنو بنیاد۔ لاہور میں اسکی زندگی کا ہفت سالہ دور)	
سیدنا المصلح الموعود کا تاریخی فیصلہ	۸۶
لاہور میں تعلیم الاسلام کالج کا سٹاف	۹۱
ڈی۔ اے۔ وی کالج کے کھنڈرات پر قبضہ	۹۲
شاندار نتائج اور حضرت مصلح موعود کا اظہار خوشنودی اور اہم ہدایات	۹۴
تعلیم الاسلام کالج کے ہر شعبہ میں روز افزوں ترقی	۹۵
لاہور کے اداروں میں تعلیم الاسلام کالج کا اثر و نفوذ	۹۶
تقسیم اسناد کے پہلے جلسہ میں حضرت امیرالمومنین کا بصیرت افروز خطاب۔	۹۹

عنوان	صفحہ
خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت اور کالج کی مزید کامیابیاں	۱۰۴
ایام کرب و بلا میں صبر و استقامت کا قابل تعریف مظاہرہ	۱۰۶
فصل پنجم	
(ربوہ میں تعلیم الاسلام کالج کی مستقل عمارت کی تعمیر و افتتاح اور اسکی گرانقدر مساعی عہد مصلح موعود کے اختتام تک)	
سنگ بنیاد	۱۰۷
تعمیر عمارت کیلئے سرفروشانہ جدوجہد	۱۰۸
کالج کی مستقل عمارت کا افتتاح	۱۱۲
تعلیم الاسلام کالج کے ہونہار اور فارغ التحصیل طلبہ کالج کے سائے میں	۱۱۹
بتدریج وسعت اور جدید ڈگری کالج کی تعمیر	۱۲۲
کالج کے خوش کن نتائج	۱۲۵
مشہور ملکی اور غیر ملکی شخصیتوں کی آمد	۱۲۶
آل پاکستان باسکٹ بال ٹورنامنٹ کا آغاز	۱۲۸
کل پاکستان اردو کانفرنس کا انعقاد	۱۳۱
دوسری اردو کانفرنس	۱۳۵
فصل ششم	
(کالج میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا قائم فرمودہ مثالی نظام تعلیم و تربیت اس کی بنیادی خصوصیات اور ہمہ گیر اثرات)	
نظام تعلیم و تربیت کا ایک جامع نقشہ	۱۳۹
تعلیم و تربیت کے متعلق بعض اہم واقعات	۱۴۰
طلبہ پر بے مثال شفقت	״
تادیب، دلداری اور ذاتی تعلق	۱۴۱
طلبہ کی حوصلہ افزائی اور روح مسابقت میں اضافہ کے لئے جدوجہد	۱۴۵

عنوان	صفحہ
طلبہ کو غیر اسلامی اخلاق و اقدار سے بچانے کے لئے ایک جرأت مندانہ فیصلہ۔	۱۴۹
طلبہ سے مساوی حیثیت میں محبت بھرا سلوک	۱۵۱
بے تکلفی اور پاکیزہ مزاح	۱۵۲
درویشانہ زندگی	۱۵۳
دعاؤں کی تلقین	״
کالج میں مختلف علمی مجالس کا قیام اور انکی غرض و غایت	״
کھیلوں کی سرپرستی	۱۵۴
صحت جسمانی کے لئے مختلف اہم شعبے	۱۵۵
طلباء کو زریں نصائح	״
تعلیم الاسلام کالج کے متعلق دوسروں کے تاثرات	۱۵۸
فصل ہفتم	
کالج کے ابتدائی سالہ دور میں دعاؤں کی برکت سے آسمانی نصرتوں کے روح پرور نظارے	۱۶۲
دوسرا باب	
(سپین میں پرچم اسلام لہرانے کا عزم، خلیفۂ وقت کی حفاظت کا مسئلہ، برصغیر کی احمدی جماعتوں کیلئے انذار، سیدنا المصلح الموعود کی آخری شادی، ستیارتھ پرکاش کے مکمل جواب کی تجویز مصلح موعود کے دور جدید کا پہلا سالانہ جلسہ اور دوسرے اہم متفرق واقعات)	۱۶۸
فصل اوّل	
شہادت رابپریل تا احسان/جون ۱۳۲۳ ہش ۱۹۴۴ء جماعت کو	

عنوان	صفحہ
صحابہ کے بابرکت وجود سے فائدہ اٹھانیکی خاص ہدایت)	۱۶۸
سپین میں اسلامی جھنڈا لہرانے کا عزم صمیم	۱۷۰
مجلس مشاورت ۱۳۲۳ ہش ۱۹۴۴ء میں خلیفۂ وقت کی حفاظت کا مسئلہ	۱۷۲
ضلعوار نظام کا قیام	۱۷۵
سیدنا المصلح الموعود کا ایک ضروری خطبہ تقفین زندگی کے نکاحوں کے متعلق۔	۱۷۶
جذبہ اطاعت کے فروغ کے لئے اہم خطبہ	۱۷۸
برصغیر کی احمدی جماعتوں کے لئے "انذار"	۱۷۹
مولوی محمد علی صاحب کو دعوتِ مباہلہ اور ان کا گریز	۱۸۰
فصل دوم	
سیدنا المصلح الموعود کے آخری نکاح کی نہایت بابرکت تقریب	۱۸۲
عربی رسالہ لکھنے کے متعلق تجویز	۱۸۷
ستیارتھ پرکاش کے مکمل جواب کی سکیم	۱۸۹
تبلیغ اسلام کی سرگرمیاں تیز تر کردینے کی تلقین	۱۹۲
حضرت مصلح موعود کی الوداعی نصائح ایک مبلغ کے لئے	۱۹۴
مسلمانان جمبہ کی امداد	״
خلفاء کو اہم وصیت	۱۹۵
سرحد کے احمدی طالبعلموں کو مرکز میں لانے کی ضرورت	۱۹۶
حکومت سندھ کی طرف سے "ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کی ضبطی اور حضرت سیدنا المصلح الموعود	۱۹۷
تحریک جدید کے دفتر دوم کی بنیاد	۱۹۹
بیرونی مجاہدین کو بلوانے اور نئے مبلغین بھجوانے کا فیصلہ۔	۲۰۰
حضرت سیدنا المصلح الموعود کی طرف سے جماعت اسلامی سے متعلق بعض سوالات کے جوابات۔	۲۰۱

عنوان	صفحہ

فصل سوم

عنوان	صفحہ
المصلح موعود کے دَور جدید کا پہلا سالانہ جلسہ ۔ جلسہ کی آمد سے قبل دعاؤں کی تحریک خاص ۔ حضرت المصلح الموعود کی معرکتہ الآرا تقاریر	۲۰۴
دوسرے روز خواتین کی جلسہ گاہ میں تقریر	۲۰۵
اہم واقعات پر تبصرہ اور پروگرام	”
ظہور مصلح موعود کے موضوع پر پُرشوکت تقریر	۲۰۶
صدارت کرنے والے اصحاب	۲۱۱
جلسہ کے دوسرے ضروری کوائف	”
جلسہ کے دوران میں ایک ناخوشگوار واقعہ اور حضرت امیرالمومنین کی طرف سے آنحضرتؐ کی ایک دعا پڑھنے کا ارشاد	۲۱۲

فصل چہارم

عنوان	صفحہ
جلیل القدر صحابہ کا انتقال	۲۱۳

فصل پنجم

عنوان	صفحہ
(۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات)	۲۲۳
نوابزادہ میاں عباس احمد خانصاحب کا نکاح	”
منارۃ المسیح پر لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ تبلیغ	۲۲۴
زائرین قادیان	”
حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ کی صدارت میں آخری یادگار جلسہ	۲۲۵
احمدی مبلغین گجرات کاٹھیاواڑ میں	۲۲۷
بھرت پور میں احمدی مبلغ کی تقریر	۲۲۸
چوہدری عبدالسلام صاحب کی بی۔اے میں شاندار کامیابی	”
کشمیر کی احمدی جماعتوں کا سالانہ جلسہ	”
مبلغین کی بیرونی ممالک کو روانگی	۲۲۹
بیرونی مشنوں کے بعض ضروری واقعات	”
۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کی نئی مطبوعات	۲۳۴
اندرون ملک کے مشہور مناظرے	۲۳۵

تیسرا باب

عنوان	صفحہ
(آزادی ہند اور قیام پاکستان کے لئے جماعت احمدیہ کی شاندار خدمات اور مجاہدانہ کارنامے)	۲۳۹

فصل اوّل

عنوان	صفحہ
(سیدنا المصلح الموعود کی طرف سے انگلستان اور ہندوستان کو باہمی صلح کا پیغام۔)	”
حضرت مصلح موعود کا پیغام صلح ۔	۲۳۰
کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کا حریت پرور خطاب ۔	۲۴۲
انقلاب، احسان، پیام، پربھات، ویر بھارت، پرتاپ، ریاست اور پربت لڑی کے تبصرے	۲۴۴
چوہدری صاحب کی لنڈن ریڈیو سے اہم تقریر	۲۵۱
چوہدری صاحب کا ہندوستان سٹینڈرڈ کے نمائندہ کو انٹرویو	۲۵۳
برطانوی مدبرین کے خیالات میں زلزلہ	”
وائسرائے ہند کو لنڈن آنے کی دعوت	۲۵۴
وائسرائے کے دورہ انگلستان کی نسبت ممبران پارلیمنٹ کے تاثرات ۔	۲۵۴
انگلستان میں آزادی ہند سے متعلق سرگرمیوں کی تفصیل حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے قلم سے ۔	۲۵۵

فصل دوم

عنوان	صفحہ
(ویول سکیم۔ شملہ کانفرنس اور حضرت مصلح موعود کا ہندوستان کے سیاسی لیڈروں کے نام ولولہ انگیز پیغام)	۲۵۹
چودھری محمد ظفر اللہ خانصاحب کا دوبارہ سفر انگلستان	۲۵۹
لارڈ ویول کا فارمولا	۲۶۱
حضرت مصلح موعود کا پیغام ہندوستانی لیڈروں کے نام	۲۶۳
اخبار "اہلحدیث" کا تبصرہ	۲۶۷
سیاسی لیڈروں میں خطبہ جمعہ کی اشاعت	۲۶۸
شملہ کانفرنس کی ناکامی اور ملکی انتخابات کا اعلان	"
قائد اعظم محمد علی جناح کا پیغام مسلمانان ہند کے نام	۲۶۹

فصل سوم

عنوان	صفحہ
(جماعت احمدیہ کی طرف سے مرکزی اور صوبائی انتخابات میں آل انڈیا مسلم لیگ کی پرجوش حمایت اور عدیم النظیر تعاون اور پراپیگنڈا۔ ہندوؤں کی برہمی اور مسلم زعماء کا شاندار خراج تحسین)۔	۲۷۰
حضرت امیر المومنین کی طرف سے آئندہ الیکشن میں جماعتی پالیسی کا واضح اعلان۔	۲۷۰
مسلم لیگ کے مؤرخ اور حضرت مصلح موعود کا اہم بیان	۲۷۸
قائد اعظم محمد علی جناح کی طرف سے حضرت مصلح موعود کے خط کی پریس میں اشاعت۔	۲۸۱
مسلم لیگی امیدوار کو ووٹ دینے کیلئے جماعت احمدیہ بہلول پور کو حضرت امیر المومنین کا تاکیدی ارشاد	۲۸۴
سندھ کے احمدیوں کو مسلم لیگ کی خاطر قربانی کرنے کی ہدایت۔	"
حضرت امام جماعت احمدیہ کا ایک اور اہم بیان مسلم لیگی موقف کی حمایت میں۔	۲۸۴
بنگال، یوپی، بہار، سی پی اور بمبئی کے احمدیوں کو لیگ کی مدد کرنے کا فرمان۔	۲۸۵
حضرت امام جماعت احمدیہ کی صوبہ سرحد کے احمدیوں کو خصوصی ہدایت۔	"
مرکزی انتخابات میں جماعت احمدیہ کا عدیم النظیر اور روح پرور ملی مظاہرہ اور مسلم لیگ کی شاندار فتح۔	۲۸۶
مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ کی سو فیصدی کامیابی	۲۹۱
صوبائی انتخابات میں جماعت احمدیہ کا مسلم لیگ سے مخلصانہ تعاون۔	۲۹۲
صوبائی انتخابات کے خوشکن نتائج۔	"
احمدیوں کی طرف سے مسلم لیگ کی حمایت۔	۲۹۳
پنجاب کی ہندو صحافت کی برہمی اور شرمناک پراپیگنڈا	۲۹۵
نیشنلسٹ اور کانگریس نواز علماء کی مسلم لیگ پر تنقید	"
سرگرم اور ممتاز مسلم لیگی علماء کی طرف سے مدلل جواب	۲۹۷
جماعت احمدیہ کی طرف سے یونینسٹ وزارت کے خلاف احتجاج	۲۹۹

فصل چہارم

عنوان	صفحہ
(ہندوستان میں پارلیمنٹری مشن کی آمد۔ حضرت مصلح موعود کی رہنمائی، مخلصانہ مشورہ اور مسلم لیگ اور قائد اعظم کے مؤقف کی زبردست حمایت۔ عبوری حکومت کا قیام اور مسلم لیگ کا احتجاج اور فیصلہ راست قدم)	۳۰۰
عارضی حکومت کے قیام کا اعلان	۳۱۱
مسلم لیگ اور کانگریس کا رد عمل	۳۱۳
عبوری حکومت کا قیام	۳۱۵

عنوان	صفحہ
مسلمانانِ ہند کا ملک گیر احتجاج	۳۱۵
راست اقدام کا فیصلہ اور حضرت مصلح موعود کی ہدایت عام مسلمانوں کو۔	۳۱۶
حضرت مصلح موعود کی ہدایت پر صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز کی جناب حمید نظامی سے اہم ملاقات	۳۱۷
حضرت مصلح موعود کے قیمتی مشورے راست اقدام کمیٹی کے ارکان کو	۳۱۷
فصل پنجم	
(حضرت مصلح موعود کا سفر دہلی اور مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں شامل کرانے کی کامیاب کوشش اور وزیر اعظم ایٹلی کی طرف سے ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو مکمل آزادی کا واضح اعلان)	۳۱۹
حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے سفر دہلی کی تفصیل۔	۳۲۳
مسلم لیگ نے پاکستان کی آئینی جنگ جیت لی۔	۳۳۱
مسٹر ایٹلی کی طرف سے ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو مکمل آزادی دینے کا اعلان۔	۳۳۴
فصل ششم	
(چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی طرف سے خضر وزارت کے استعفاء کی کامیاب جدوجہد اور قائد اعظم کا اظہار مسرت و تشکر۔ تقسیم پنجاب کے خلاف جماعت احمدیہ کا پُرزور احتجاج۔ پاکستان کے حق میں حضرت مصلح موعود کا پُرشوکت بیان۔ انتقال اقتدار ۳ جون ۱۹۴۷ء کی برطانوی سکیم اور قائد اعظم)	
پنجاب کی یونینسٹ وزارت	۳۳۶
چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب میدانِ عمل میں۔	٫٫
قائد اعظم کا بمبئی سے بیان اور شکریہ۔	۳۳۷
ملک خضر حیات کے استعفاء کا پس منظر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے قلم سے۔	۳۳۸
جماعت احمدیہ کی طرف سے تقسیم پنجاب کے خلاف پرزور احتجاج	۳۴۴
پاکستان کی تائید میں سیدنا المصلح الموعود کا پُرشوکت بیان	۳۴۶
۳ جون کا برطانوی اعلان	۳۶۰
قائد اعظم کا بیان	۳۶۱
فصل ہفتم	
(حضرت مصلح موعود کی طرف سے سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا معرکۃ الآراء مضمون "خالصہ ہوشیار باش")	
خالصہ ہوشیار باش	۳۷۰
پنجاب کی قسمت کا فیصلہ	۳۸۰
فصل ہشتم	
(حد بندی کمیشن کیلئے تیاری کے ابتدائی اقدامات۔ امریکہ اور برطانیہ سے بذریعہ ہوائی جہاز قیمتی لٹریچر کی درآمد۔ لنڈن سکول آف اکنامکس کے ممتاز جغرافیہ دان مسٹر سپیٹ کی خدمات کا حصول۔ نائب وزیر ہند کے بیان پر شدید احتجاج۔ جماعت احمدیہ کا میمورنڈم اور جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی وکالت۔ استصواب سرحد کے لئے جماعت احمدیہ کی سنہری خدمات)۔	
خفیہ سرکلر	۳۸۱
حد بندی کمیشن کے ارکان اور صدر کا تقرر اور دریائے چناب کو مشرقی حد مقرر کرنے کا سکھ مطالبہ	۳۸۲
محضر نامے بھجوانے کی آخری تاریخ	٫٫

عنوان	صفحہ
متنازعہ فیہ اضلاع کا اعلان	۳۸۳
حدبندی کمیشن کا پروگرام	〃
کمیشن کے متعلق خبروں کی اشاعت پر گورنر پنجاب کی پابندی۔	〃
جماعت احمدیہ کے کیس کی تیاری میں بھاری مشکلات	〃
حضرت مصلح موعود کی زیر ہدایت تیاری کے ابتدائی اقدامات۔	۳۸۴
امریکہ سے بین الاقوامی باؤنڈری لٹریچر کی درآمد اور برطانیہ کے ایک ماہر جغرافیہ دان کی خدمات کا حصول	۳۸۵
جماعت احمدیہ کی طرف سے ضروری معلومات کی فراہمی اور نقشوں کی تیاری۔	۳۸۶
حضرت مصلح موعود کی طرف سے قائد اعظم کو خصوصی پیغام	۳۸۸
نائب وزیر ہند کے بیان پر قائد اعظم اور جماعت احمدیہ کا شدید احتجاج۔	۳۸۸
مسلم لیگ کی طرف سے جماعت احمدیہ کو اپنا علیحدہ محضر نامہ شامل کرنے کی تحریک	۳۸۹
جماعت احمدیہ کا محضر نامہ	۳۹۰
حضرت مصلح موعود کی لاہور میں تشریف آوری	۴۱۴
حضرت مصلح موعود کا ایک ارشاد فرمودہ نوٹ باؤنڈری کمیشن کے متعلق	۴۱۵
جماعت احمدیہ کے مؤقف کی وضاحت جناب شیخ بشیر احمد صاحب کی طرف سے۔	۴۱۷
صوبہ سرحد کا استصواب اور جماعت احمدیہ کے وفد کشمیر کا تعاون	۴۲۱

فصل نہم

عنوان	صفحہ
(قائد اعظم کی طرف سے مسلم لیگ کی ترجمانی کے لئے چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کا انتخاب)	
قائد اعظم سے چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی اہم ملاقات اور مسلم لیگ کی وکالت کے لئے آپ کا تقرر۔	۴۳۲
مسلم لیگ کا محضر نامہ پنجاب حدبندی کمیشن میں	۴۳۴
چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی قائد اعظم کو ملاقات اور مسلم لیگ کے محضر نامہ اور حدبندی کمیشن کے مفصل واقعات	۴۵۲
چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی فاضلانہ بحث پر خراج تحسین	۴۷۳ تا ۴۷۶

چوتھا باب

فصل اوّل

عنوان	صفحہ
حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علیخانصاحب رئیس مالیرکوٹلہ کا انتقال	۴۷۷

فصل دوم

عنوان	صفحہ
حضرت مصلح موعود کا معرکۃ الآراء لیکچر "اسلام کا اقتصادی نظام" اور اُس کے وسیع اثرات۔	۴۸۸
لالہ رامچند مچندہ صاحب کی صدارتی تقریر	۴۹۵

فصل سوم

عنوان	صفحہ
منارۃ المسیح ہال کیلئے تحریک اور اخلاص و فداکاری کا شاندار منظر	۵۰۲
منارۃ المسیح ہال کے ساتھ ایک عظیم الشان لائبریری کے قیام کی تجویز اور اس کیلئے مفصل سکیم۔	۵۰۹
قادیان میں میڈیکل سکول کے اجراء کی تجویز	۵۱۱
دوسری جنگ عظیم کا خاتمہ اور خدا تعالیٰ کے فضل و رحمت کے نشان کا ظہور	۵۱۱
اشتراکیت کے خلاف اعلان جنگ۔	۵۱۵
ایٹم بم کے استعمال کے خلاف احتجاج۔	۵۱۹

عنوان	صفحہ
۱۹۶۵ء تک جماعت احمدیہ کے لئے ایک نئے اور انقلابی دَور آنے کی حیرت انگیز پیشگوئی۔	۵۲۰
حضرت مصلح الموعود کی اہم ہدایت ولایت جانیوالے مبلغین کو۔	۵۲۲
جماعت احمدیہ میں اعلیٰ تعلیم کی توسیع کے لئے سکیم	۵۲۴
یورپ کی مذہبی فتح کے لئے نو مبلغین کا سفر انگلستان اور پریس میں چرچا۔	۵۲۵
حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کی اہم تقریر جلسہ سالانہ کے موقع پر۔	۵۳۰
فصل چہارم	
۱۹۴۵ء میں انتقال کرنے والے مشہور اور جلیل القدر صحابہ	۵۳۲
فصل پنجم	
۱۹۴۵ء کے متفرق مگر اہم واقعات	۵۴۷
ضلعوار نظام کے اوّلین امراء	۵۴۸
پنجاب حج کمیٹی میں احمدی ممبر	۵۴۹
پوپ کو دعوتِ حق	"
قائد اعظم محمد علی جناح سے احمدیہ وفد کی ملاقات	۵۵۰
مسجد احمدیہ سری نگر کے نزدیک سینما ہال کی اجازت کے خلاف جلسہ سالانہ پر احتجاج۔	۵۵۱
بیرونی مشنوں کے اہم واقعات	۵۵۱
مبلغین احمدیت کی بیرونی ممالک کو روانگی	۵۵۷
نئی مطبوعات	۵۵۸
غیر مسلموں کے اجتماعات اور کانفرنسوں میں احمدی مبلغین کے لیکچر۔	۵۵۸
اندرون ملک کے بعض مشہور مناظرے۔	۵۶۲
فصل ششم	
تحصیل بٹالہ کے اسمبلی الیکشن میں احمدی خواتین اور احمدی مردوں کے اخلاص کے شاندار کارنامے	۵۶۵
مسئلہ فلسطین پر چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی تقریر	۵۶۸
سلسلہ احمدیہ کے مخلص اور فدائی بزرگوں کی سندھ میں یادگاریں۔	۵۷۰
احمدیت کا سب سے پہلا انگریز واقف زندگی	۵۷۱
بشیر آرچرڈ صاحب کے خودنوشت حالات	۵۷۵
حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے بشیر آرچرڈ کی پہلی ملاقات اور قبول اسلام کا ایمان افروز واقعہ	۵۷۶
حضرت امیر المومنین کی طرف سے مالی وجانی قربانیوں اور ہجرت کے لئے تیار رہنے کا فرمان	۵۸۰
حفاظ پیدا کرنے کی تحریک	۵۸۱
۴۷-۱۹۴۶ء میں نئے مشنوں کا قیام	"
میاں بیوی کے جھگڑوں کو سنجیدگی سے سلجھانے کی اہم تحریک	۵۸۲
یورپ کا پہلا احمدی شہید	۵۸۳
انڈونیشیا کی تحریک آزادی اور جماعت احمدیہ	۵۸۹
پانچواں باب	
فصل اوّل	
کلکتہ کے فسادات میں احمدیوں کا شدید نقصان	۵۹۱
مسلمانانِ عالم کو بروقت آسمانی انتباہ اور متحد ہونے کی تحریک	۵۹۲
دہلی میں حضرت مصلح موعود کی دینی مصروفیات	۵۹۵

عنوان	صفحہ
مولانا جلال الدین صاحب شمس کی کامیاب مراجعت اور ایک پیشگوئی کا ظہور۔	۵۹۷
نواکھالی اور بہار میں خونریز فسادات اور جماعت احمدیہ کی خدمتِ خلق۔	۶۰۰
حضرت مصلح موعود سے ڈاکٹر یوسف سلیمان کی ملاقات اور کیپ کالونی جنوبی افریقہ میں تبلیغ احمدیت کی داغ بیل	۶۰۶
متحدہ ہندوستان کے آخری سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ میں حضرت مصلح موعود کی روح پرور تقریر	۶۰۸
نوجوانانِ احمدیت کو قربانیاں پیش کرنے کی خاص تحریک	۶۰۹
متحدہ ہندوستان کے آخری سالانہ جلسہ کے مختصر عمومی کوائف	۶۰۹
حضرت مصلح موعود کی ایمان افروز تقریریں	۶۱۱
سالانہ جلسہ کے دوسرے مقررین	۶۱۳
۱۹۴۶ء میں انتقال کرنیوالے جلیل القدر صحابہ	۶۱۴
فصل دوم	
۱۹۴۶ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات	۶۱۸
خدام الاحمدیہ قادیان کے پہلے قائد	۶۱۹
مرزا منصور احمد صاحب کا سفرِ انگلستان	۶۲۰
مرزا ابوسعید صاحب کا المناک قتل	۶۲۰
میاں عباس احمد صاحب کا سفرِ انگلستان	۶۲۲
لنکا اور مدراس کے بعض مخلص احمدیوں کا انتقال	۶۲۳
بیرونی مشنوں کی سرگرمیاں	۶۲۵
مبلغینِ اسلام کی قادیان سے روانگی	۶۲۹
۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کی نئی مطبوعات	۶۳۰
مباحثہ دہلی	۶۳۱
فصل سوم	
خلافتِ ثانیہ کا چونتیسواں سال ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء	۶۳۲

عنوان	صفحہ
حضرت مصلح موعود کی زریں ہدایات ایک واقفِ زندگی کو	۶۳۲
فسادات پنجاب اور مسلمانانِ امرتسر کے لئے جماعت احمدیہ کا ریلیف کیمپ	۶۳۴
ماہ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے فسادات اور قادیان	۶۳۷
متحدہ پنجاب میں آگ کی خوفناک لڑائی کی نسبت رؤیا	۶۳۸
حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے رؤیا کے پورا ہونے کی تفصیل	۶۳۹
جماعت احمدیہ کے لئے ایک اہم سبق	۶۴۱
حضرت مصلح موعود کی طرف سے حفاظت مرکز اور سلسلہ کے لئے مالی قربانیوں اور دعاؤں کی خاص تحریک	۶۴۲
پراونشل ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کا قادیان میں سالانہ اجلاس اور حضرت مصلح موعود کا پیغام	۶۴۴
فصل چہارم	
حضرت مصلح موعود کا متحدہ ہندوستان میں آخری سفرِ سندھ	۶۴۷
متحدہ ہندوستان کی آخری مجلس مشاورت اور مخلصین احمدیت کی شاندار قربانی کا ایمان افروز منظر	۶۵۵
وقفِ جائداد و آمد کی کامیابی اور اس کے مفید نتائج	۶۶۰
تفسیر القرآن انگریزی کی اشاعت	۶۶۳
تفسیر القرآن انگریزی کی تاریخ پر ایک نظر	۶۶۶
مغربی مفکرین کے تاثرات	۶۷۲
شامی پریس اور اکابر دمشق کا خراج تحسین	۶۷۵
ملک میں جھوٹی افواہیں اور حضرت مصلح موعود کی طرف سے اس کا تجویز فرمودہ علاج	۶۷۶
قادیان کے غیر احمدیوں اور غیر مسلموں کی حفاظت کا عہد	۶۷۷

عنوان	صفحہ
مسلمانانِ ہند کو تدبیرِ کامل اور یقینِ کامل سے کام لینے کی پُر زور تلقین	۶۸۰
تمام احمدی بالغ مردوں اور عورتوں کو باقاعدہ تہجد پڑھنے کی تحریک	۶۸۳
فصل ششم	
چار ممتاز اور مشہور بزرگوں کی المناک رحلت	۶۸۵
حضرت سیٹھ محمد غوث صاحب حیدر آبادی	۶۸۵
حضرت بابو عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت احمدیہ انبالہ	۶۸۸
حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ عنہ	۶۹۶
حضرت میر صاحب کے مزار کا کتبہ	۷۰۳
حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کی تالیفات	۷۰۴
فصل ہفتم	
جماعت احمدیہ کو دعاؤں کی بار بار تحریک	۷۰۵
امرتسر کے پناہ گزین قادیان میں اور ان کے قیام و طعام کا مرکزی انتظام	۷۰۹
قادیان کے غیر مسلم باشندوں کا وفد حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں	۷۰۹
گورداسپور کے مسلمانوں کا حوصلہ بلند رکھنے کی جدوجہد	۷۱۰
حضرت مصلح موعود کا الہام	۷۱۲
پاکستان اور بھارت کے قیام پر حضرت سیدنا المصلح الموعود کی دعا	۷۱۳
قادیان میں یوم آزادی کی تقریب	۷۱۴
فصل ہشتم	
قادیان کے ہندوستان میں شامل کئے جانے کا فیصلہ اور حضرت مصلح موعود کا پُرشوکت اعلان	۷۱۴
حضرت مصلح موعود کا ولولہ انگیز خطبہ عید الفطر	۷۱۶
فصل نہم	
قادیان کے ماحول میں فسادات اور قتل و غارت	۷۱۹

عنوان	صفحہ
اغوا اور آتشزنی کا خطرناک سلسلہ	۷۱۹
محاسب صدر انجمن احمدیہ کے دفتر کا قیام پاکستان میں	۷۲۰
حضرت سیدنا المصلح الموعود کا پہلا پیغام بیرونی احمدی جماعتوں کے نام	۷۲۱
پاکستان اور بیرونی ملکوں میں حضرت مصلح موعود کا پیغام اور دوسری مرکزی اطلاعات پہنچانے کا انتظام	۷۲۳
شیخ بشیر احمد صاحب کے نام پہلا مکتوب	۷۲۶
فیض اللہ چک پر پہلا حملہ	۷۲۸
جماعت احمدیہ کے ہوائی جہازوں پر پابندی	۷۲۹
حضرت ام المومنین اور خواتین مبارکہ کی پاکستان میں تشریف آوری	۷۲۹
حضرت مصلح موعود کا تیسرا اہم مکتوب شیخ بشیر احمد صاحب کے نام	۷۳۰
حضرت امیر المومنین کی ضروری ہدایات احباب قادیان کے لئے	۷۳۲
بیرونی جماعتوں کے لئے حضرت مصلح موعود کا دوسرا پیغام	۷۳۴
قادیان کے تشویشناک ماحول کا ذکر اخبار ڈان کراچی میں	۷۳۵
قادیان اور اس کے ماحول کی المناک کیفیت	۷۳۷
احباب قادیان کے لئے ضروری اعلان	۷۴۰
قادیان کے مرکزی افسروں اور کارکنوں کا خلوص	۷۴۱
الوداعی پیغام	۷۴۲
حضرت مسیح موعود کی ہجرت سے متعلق ایک اہم پیشگوئی کا شاندار ظہور	۷۴۵
سفر ہجرت کے حالات حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے	۷۴۶

(ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

حضرت امیر المؤمنین سیدنا المصلح الموعودؓ تعلیم الاسلام کالج (لاہور) کے پہلے جلسہ
تقسیم اسناد میں خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں (۲ شہادت ۱۳۲۹ ھش اپریل ۱۹۵۰ء)
(کرسی پر) حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج

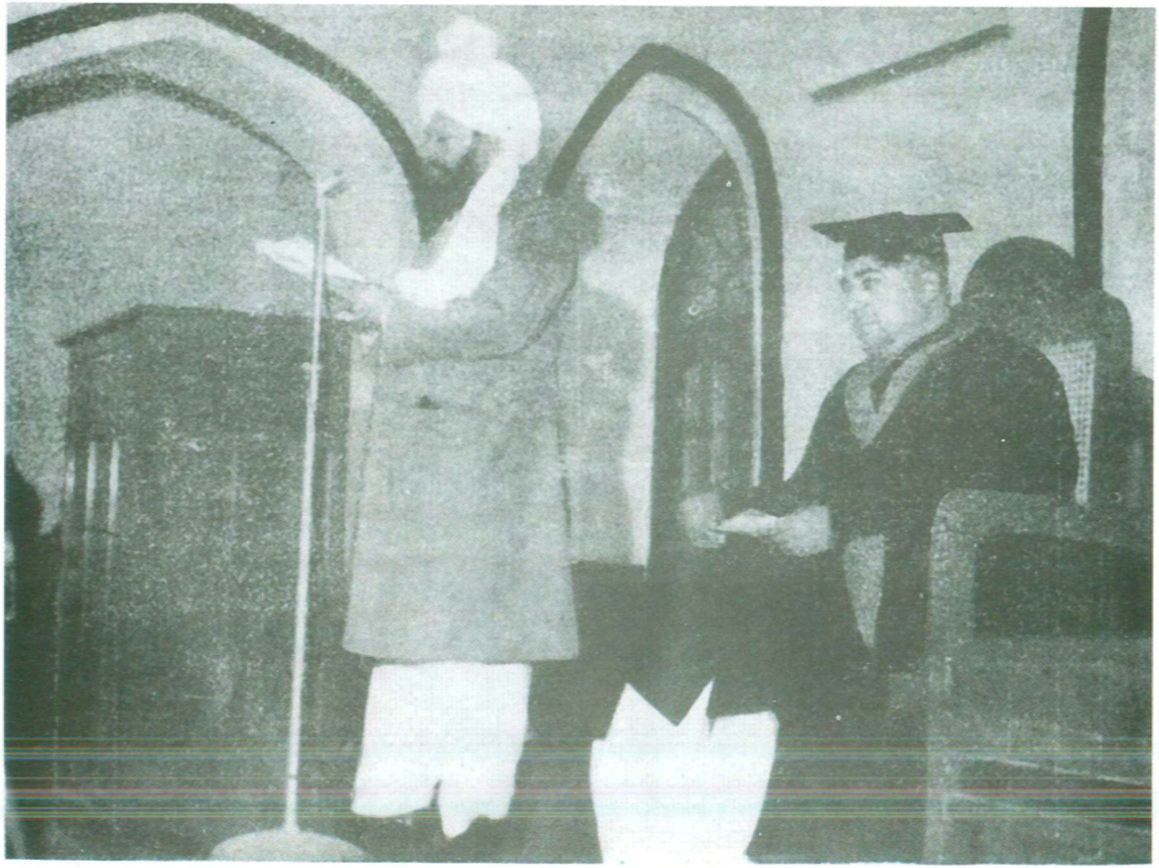

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

پہلا باب

حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں سے قائم شدہ تعلیم الاسلام کالج
کا
سیدنا المصلح الموعودؓ کے مبارک ہاتھوں سے احیاء اور پے در پے مشکلات کے باوجود مثالی ترقی

از ہجرت ۱۳۲۳ہش / مئی ۱۹۴۴ء تا نبوت ۱۳۴۴ہش / نومبر ۱۹۶۵ء

حرفِ آغاز

زیرِ نظر حصہ "تاریخ احمدیت" کے سلسلہ تالیف و تدوین کی دسویں کڑی ہے۔ اس کتاب کی نویں جلد کا اختتام ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کی پہلی سہ ماہی پر ہوا تھا۔ لہٰذا اب واقعات کی طبعی ترتیب کے مطابق خلافتِ ثانیہ کے اس پُر از انوار و برکات سال کے بقیہ حالات بیان کئے جاتے ہیں، جن میں سرفہرست تعلیم الاسلام کالج کا احیاء اور از سرِ نو قیام ہے اور جو حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے عہدِ خلافت کا ایک عظیم الشان اور ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے جس کی قدر و منزلت اور عظمت و افادیت میں خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی دعاؤں کی بناء پر پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ مستقبل میں جب دنیا کے جلیلہ

تقاضوں کے مدِّنظر اسلامی نظامِ تعلیم کے عالمی نقشہ کی تشکیل اور اس کے عملی نفاذ کا مرحلہ شروع ہوگا تو مدرسہ احمدیہ اور جامعہ احمدیہ کی طرح اس کالج کو بھی سنگِ میل کی نمایاں حیثیت حاصل ہوگی۔ انشاء اللہ العزیز

اس مختصر سی تمہید کے بعد ذیل میں سب سے پہلے تعلیم الاسلام کالج کی ابتدائی تاریخ پر اور بعد ازاں ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء سے لے کر ماہ نبوت/نومبر ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء تک کے اکیس سالہ دَور پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اس سُنہری دَور کو یہ دوہری خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں کالج کو اپنی علمی زندگی کے ایک طویل عرصہ تک نہ صرف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المُصلح الموعود جیسے اولوالعزم قائد کی خصوصی توجہات کا مرکز بننے کا شرف نصیب ہوا بلکہ اسے خالص خدائی تصرف کے ماتحت ایک ایسے مقدّس وجُود کی براہِ راست نگرانی میں پھلنے پھُولنے اور جلد جلد ترقی کی منازل طے کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی جس کے لئے مشیت خداوندی میں آئندہ چل کر خدا کے اس پاک اور آسمانی سلسلہ کی باگ ڈور سنبھالنا اور اسے علم و عمل کی رفعتوں کے بلند مینار تک لے جانا مقدر تھا۔ ہماری مُراد حضرت مسیح موعودؑ کے موعود "مُبارک" اور پسرِ خامس اور سیدنا المصلح الموعودؓ کے لختِ جگر حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالٰی بنصرہ العزیز سے ہے جن کی قبل از خلافت زندگی کے مسلسل اکیس سال اس عظیم الشان ادارہ کی ترقی و بہبود کے لئے وقف رہے اور خدا کے فضل اور آپ کی بہترین سرپرستی، گرانقدر رہنمائی، انتھک اور بے لوث جدوجہد اور عاجزانہ دُعاؤں سے تعلیم الاسلام کالج نہ صرف سیدنا المصلح الموعود کے زمانہ خلافت ہی میں پختہ بنیادوں پر استوار ہوگیا بلکہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک ایسے منفرد اور امتیازی مقام تک پہنچ گیا جو اپنوں کے لئے موجب ازدیادِ ایمان اور بیگانوں کے لئے ہمیشہ ہی قابلِ رشک رہے گا۔

فصل اوّل

حضرت مسیح موعود و مہدی معہودؑ کے عہدِ مُبارک کا تعلیم الاسلام سکول و کالج

جیسا کہ "تاریخ احمدیت" جلد سوم (صفحہ ۳ تا ۹) میں ذکر کیا جا چکا ہے بانئ سلسلہ احمدیہ سیدنا حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "اسلامی روشنی ملک میں پھیلانے" اور "طوفانِ ضلالت میں اسلامی ذرّیت کو غیر مذاہب کے وساوس سے بچانے کے لئے" ۳ جنوری ۱۸۹۸ء کو قادیان میں مدرسہ

تعلیم الاسلام کی بنیاد رکھی اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب رضی اللہ عنہ (عرفانی کبیر) مدیر "الحکم" اُس کے ہیڈ ماسٹر مقرر کئے گئے۔ ابتداء میں یہ مدرسہ صرف پرائمری تک تھا مگر ۵ مئی ۱۸۹۸ء سے مڈل کی جماعتیں بھی کھل گئیں اور فروری ۱۹۰۰ء میں نویں جماعت اور مارچ ۱۹۰۱ء میں دسویں جماعت کا اضافہ ہوا۔ ۱۹۰۲ء میں پہلی بار اس کے چار طلبہ انٹرنس کے امتحان میں شامل ہوئے۔ بعد ازاں ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۴ء میں سات سات طلبہ نے امتحان دیا۔ ۱۹۰۵ء میں شریک امتحان ہونے والوں کی تعداد دس تک پہنچی۔[1]

مدرسہ کی پریشان کُن مالی حالت

مدرسہ تعلیم الاسلام کی اقتصادی صورت حال اس درجہ پریشان کُن اور تشویش انگیز تھی کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو بنفس نفیس اس کی طرف کئی دفعہ مخلصین جماعت کو توجہ دلانا پڑی۔

چنانچہ حضور نے ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو ایک اشتہار بعنوان "ایک ضروری امر اپنی جماعت کی توجہ کے لئے" شائع فرمایا جس میں اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل تحریک کی:۔

"علاوہ لنگرخانہ اور میگزین کے جو انگریزی اور اُردو میں نکلتا ہے جس کے لئے اکثر دوستوں نے سرگرمی ظاہر کی ہے ایک مدرسہ بھی قادیان میں کھولا گیا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہے کہ نوعمر بچے ایک طرف تو تعلیم پاتے ہیں اور دوسری طرف ہمارے سلسلہ کے اصولوں سے واقفیت حاصل کرتے جاتے ہیں اس طرح پر بہت آسانی سے ایک جماعت تیار ہو جاتی ہے بلکہ بسا اوقات ان کے ماں باپ بھی اس سلسلہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان دنوں میں ہمارا یہ مدرسہ بڑی مشکلات میں پڑا ہوا ہے اور باوجودیکہ محبی عزیزی اخویم نواب محمد علیخاں صاحب رئیس مالیرکوٹلہ اپنے پاس سے اسیؔ روپیہ ماہوار اس مدرسہ کی مدد کرتے ہیں مگر پھر بھی اُستادوں کی تنخواہیں ماہ بماہ ادا نہیں ہوسکتیں۔ صدہا روپیہ قرضہ سر پر رہتا ہے۔ علاوہ اس کے مدرسہ کے متعلق کئی عمارتیں ضروری ہیں جو اب تک تیار نہیں ہوسکیں۔ یہ غم علاوہ اور غموں کے میری جان کو کھا

---

[1] اشتہار بعنوان "ایک ضروری فرض کی تبلیغ" ۵ ستمبر ۱۸۹۷ء مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان و مشمولہ "تبلیغ رسالت" جلد ششم صفحہ ۱۵۵ مرتبہ حضرت میر قاسم علی صاحبؓ ایڈیٹر "فاروق" قادیان / رسالہ "تعلیم الاسلام" قادیان دارالامان بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۶ء جلد ۱ نمبر ۶ صفحہ ۲۳۳ تا ۲۳۶ و صفحہ ۲۴۲ و تاریخ مدرسہ تعلیم الاسلام از حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ سابق ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام سکول قادیان و مدیر "بدر" و "صادق"۔

رہا ہے۔ اس کی بابت مَیں نے بہت سوچا کہ کیا کروں۔ آخر یہ تدبیر میرے خیال میں آئی کہ مَیں اس وقت اپنی جماعت کے مخلصوں کو بڑے زور کے ساتھ اس بات کی طرف توجہ دلاؤں کہ وہ اگر اس بات پر قادر ہوں کہ پُوری توجہ سے اس مدرسہ کے لئے بھی کوئی ماہانہ چندہ مقرر کریں تو چاہیئے کہ ہر ایک اُن میں سے ایک مستحکم عہد کے ساتھ کچھ نہ کچھ مقرر کرے جس کے لئے وہ ہرگز تخلف نہ کرے مگر کسی مجبوری سے جو قضاء و قدر سے واقع ہو۔ اور جو صاحب ایسا نہ کر سکیں ان کے لئے بالضرورت یہ تجویز سوچی گئی ہے کہ جو کچھ وہ لنگرخانہ کے لئے بھیجتے ہیں اس کا چہارم حصہ براہ راست مدرسہ کے لئے نواب صاحب موصوف کے نام بھیج دیں۔ لنگرخانہ میں شامل کر کے ہرگز نہ بھیجیں بلکہ علیحدہ منی آرڈر کرا کر بھیجیں۔ اگرچہ لنگرخانہ کا فکر ہر روز مجھے کرنا پڑتا ہے اور اس کا غم براہ راست میری طرف آتا ہے اور میرے اوقات کو مشوش کرتا ہے لیکن یہ غم بھی مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔ اس لئے مَیں لکھتا ہوں کہ اس سلسلہ کے جوانمرد لوگ جن سے مَیں ہر طرح امید رکھتا ہوں کہ وہ میری اس التماس کو ردّی کی طرح نہ پھینک دیں اور پُوری توجہ سے اس پر کاربند ہوں مَیں اپنے نفس سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہی کہتا ہوں جو خدا تعالیٰ میرے دل میں ڈالتا ہے۔ مَیں نے خوب سوچا ہے اور بار بار مطالعہ کیا ہے۔ میری دانست میں اگر یہ مدرسہ قادیان کا قائم رہ جائے تو بڑی برکات کا موجب ہوگا اور اس کے ذریعہ سے ایک فوج نئے تعلیم یافتوں کی ہماری طرف آسکتی ہے"۔[1]

بےنفس اور ایثار پیشہ اساتذہ

مدرسہ کے قدیم اساتذہ[2] انتہائی بےنفس، بےرنگ، ایثار پیشہ اور بہت مخلص بزرگ تھے جن کی فداکاری کا یہ عالم تھا کہ وہ محض خدمت دین کی خاطر قادیان جیسی چھوٹی سی بستی میں آگئے تھے اور اپنی مسلّمہ قابلیتوں اور اعلیٰ صلاحیتوں کے باوجود قلیل تنخواہ پر بخوشی بسر اوقات کرتے اور حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام کے قدموں میں رہنے اور اس قومی تربیت گاہ کی خدمت کرنے کو ایک فخر و سعادت سمجھتے تھے چنانچہ حضور علیہ السلام نے ایک

---

[1] "تذکرۃ الشہادتین" اردو بحوالہ رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو صفحہ ۴۶۴ - ۴۶۵ بابت نومبر و دسمبر ۱۹۰۳ء سن اشاعت اکتوبر ۱۹۰۳ء ایضاً "تبلیغ رسالت" جلد ۱۰ صفحہ ۶۶ - ۶۷ مرتبہ حضرت میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر اخبار "فاروق" قادیان سن اشاعت اکتوبر ۱۹۲۲ء

[2] نام "تاریخ احمدیت" جلد سوم صفحہ ۶ تا ۷ پر درج ہیں۔

مکتوب میں تحریر فرمایا :-

"یہ مدرسہ محض دینی اغراض کی وجہ سے ہے اور صبر سے اس میں کام کرنے والے خدا تعالیٰ کی رحمت کے قریب ہوتے جاتے ہیں" [1]

مختصر یہ کہ مدرسہ کے اساتذہ کو دیکھ کر گذشتہ صوفیاء اور اہل اللہ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ یہ بزرگ یچ مچ آئندہ نسل کے لئے روشنی کے مینار تھے۔

خالص دینی ماحول میں پرورش پانیوالے شاگرد

تعلیم الاسلام سکول اٹیسویں صدی میں اپنی نوعیت کا واحد مدرسہ تھا۔ جس کے اساتذہ ہی کو نہیں شاگردوں کو بھی امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاثیرات قدسیہ کے طفیل ایک بیمثال رُوحانی اور اور مذہبی فضا میسّر آگئی تھی اور وہ چھوٹی عمر سے ہی دین محمدی کے رنگ میں رنگین ہوتے جا رہے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ نے اس درسگاہ کے پس منظر، اس کی خصوصیت اور اس کے نونہالوں کی قابلِ رشک دینی حالت کا نقشہ درج ذیل الفاظ میں کھینچا :-

"ہم صحیح اور پختہ تجربہ اور سچے استقراء سے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ ایک بھی مدرسہ ایسا نہیں جو قوم کے بچوں کو اس مبارک اسوہ پر نشوونما دینے کا متکفل ہو جسے خاتم النبیین رحمۃ للعالمین (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے قائم کیا اور جس کی اِتباع کے بغیر خدا تعالیٰ کے رضوان اور خوشنودی کا سرٹیفکیٹ نہیں مل سکتا۔ کُل مدرسے اور کالج بلا استثناء مقصود بالذات دُنیا کو رکھتے اور محض دنیا پرست قوموں کے نقشِ قدم پر چلنے اور چلانے کو قومی ترقی سمجھتے ہیں۔ ان مدرسوں کے در و دیوار سے ان کے تربیت یافتوں کی زبانوں اور دلوں سے لگاتار آوازیں آتی اور راستبازوں کے دلوں کو دکھاتی ہیں کہ دنیا سب چیزوں پہ مقدّم ہے۔

کیا ہم نے بھی قادیان میں لڑکوں کو وہی چند کتابیں مذہبی پڑھا دیں یا بیگانہ وار وعظوں کے رُوکھے پھیکے جُملے ان کے سامنے پیش کئے۔ اگر ہماری قدرت کی رسائی اسی حد تک ہوتی تو ہم بھی ویسے ہی بلیسوں کام کرنے والے ہوتے۔ لیکن خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں خاص خصائص سے شرفِ امتیاز بخشا جن میں روئے زمین کے مسلمانوں میں سے کوئی طبقہ اور مشرب

[1] "ذکرِ حبیب" صفحہ ۱۳۷ (مؤلفہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ) ناشر بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان۔

ہمارا شریک نہیں سب سے بڑی اور قابلِ قدر تحریک جو ہم نے معصوم فطرۃ اور اثر پذیر بچوں کے آگے پیش کی وہ خدا تعالیٰ کے مقدس مسیح کا مبارک وجود ہے جو اپنے ایمان اور عمل سے ہُو بہو وہی اُسوہ اور نمونہ ہے جس کے اتباع کے لئے قرآن کریم آیا۔ سوچنے والے سوچیں اور غیرت مند خوب فکر کریں کہ کس قدر خوش نصیب وہ والدین ہیں جن کے بچّوں کی آنکھوں کو یہ شرف ملے کہ زندگی کے رنگا رنگ اور پُر ابتلا نظارہ گاہ میں وا ہوتے ہی ان کے سامنے وہ مبارک اور فرخندہ چہرہ آجائے جو خدا تعالےٰ کی سچّی خلافت اور بے عیب صورت ہے۔ ہمارے مدرسہ کے لڑکے خدا کے مسیح کو دیکھتے ہیں۔ آپ کی تقریروں کو سُنتے ہیں۔ آپ کے پاک نمونہ کو مشاہدہ کرتے ہیں۔ اسی ایک امر کو اگر ہم بڑی تفصیل سے بیان کرنا چاہیں تو اس جُملہ سے اس کا پُورا حق ادا ہو جائے گا کہ **خدا کے خلیفہ کو دیکھتے ہیں تو سبھی کچھ دیکھتے ہیں۔**

دوسری بات اور لا شریک خصوصیت یہ ہے کہ ہم ہر روز باقاعدہ عصر کے بعد لڑکوں کو حضرت مولوی **نورالدین** صاحب کے درس قرآن مجید میں شامل ہونے کی عزت دیتے ہیں یہ بھی ایسی نعمت ہے کہ کوئی ملک اور شہر اس میں ہمارا شریک نہیں۔

ان سب باتوں اور نمونہ کا یہ اثر اور نتیجہ ہے کہ مڈل اور انٹرنس کے اکثر لڑکے دین کی پابندی اور اس سلسلہ حقہ احمدیہ کی نسبت سچّی غیرت اور عصبیت رکھتے اور امید دلاتے ہیں کہ وہ دُنیا کے لئے نیک نمونہ ہوں۔ میری فطرت ایسی بنائی گئی ہے کہ مَیں بہت جلد کسی شخص کی طرف مائل اور کسی بات کا گرویدہ نہیں ہوتا۔ اگر مَیں صحیح تجربہ اور بصیرت سے لڑکوں میں آثارِ رُشد و سعادت محسوس نہ کرتا تو مَیں قوم کو دھوکہ دینے کا مجرم ہوتا۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ بعض لڑکوں کی غیرت اور پابندی اور اُن کا عاشقانہ آنکھوں سے حضرت خلیفۃ اللہ کے چہرۂ مبارک کو ساری نشست میں دیکھتے رہنا میرے لئے باعثِ رشک ہوتا ہے۔ وہ اپنے کھیلوں اور بچپنے کے دل لگی کے سامانوں سے الگ ہو کر سب سے پہلے مسجد میں حاضر ہونے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے کہ صفِ اوّل میں جگہ لے کر خلیفۃ اللہ کے بہت قریب بیٹھ سکیں" [1]

---

[1] اخبار "الحکم" قادیان ۷ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۵ کالم ۲ ۳ ۔

قیام کالج کیلئے دلی تحریک

مدرسہ کے بچوں میں ان پاک تاثیرات کا پیدا ہو جانا ایک غیر معمولی اور مسرت انگیز اور اطمینان بخش بات تھی جس نے مدرسہ کے منتظم "حجۃ اللہ" حضرت نواب محمد علیخاں صاحب (رئیس مالیر کوٹلہ) اس کے ہیڈ ماسٹر حضرت مولوی شیر علی صاحب اور ادارہ سے متعلق دوسرے بزرگوں کے دل میں ہائی سکول کو کالج تک ترقی دینے کا پُرزور خیال پیدا کر دیا۔ اور بالآخر کالج جاری کئے جانے کا فیصلہ ہو گیا۔

جب یہ معاملہ حتمی طور پر طے پا گیا تو حضرت مولوی عبد الکریم صاحب نے (جو قبل ازیں مدرسہ کی انتظامیہ کمیٹی انجمن تعلیم الاسلام قادیان کے سکرٹری بھی رہ چکے تھے)[۱] ۱۷ر فروری ۱۹۰۳ء کو ایک مفصل مضمون لکھا۔ حضرت مولوی صاحب نے اپنے اس مضمون میں (جسے تعلیم الاسلام کالج کی قدیم تاریخ کا پہلا ورق قرار دینا چاہیئے) مدرسہ تعلیم الاسلام کے نونہالوں کی خالص اسلامی و رُوحانی ماحول میں ہونے والی تربیت و اصلاح کے عمدہ نتائج و اثرات کا ذکر کیا اور پھر کالج کے پس منظر اور اس کے فوری تقاضوں پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"غرض لڑکوں کی اس خوشنما اور امید افزا حالت کو دیکھ کر جو انٹرنس کی منزل میں پاؤں رکھنے کے ساتھ ان میں پیدا ہو گئی مدرسہ کے کارکنوں کے دل میں یہ خیال یا حوصلہ پیدا ہوا۔ اور غور و فکر کے بعد ارادہ نے عزم کی صورت پکڑ لی کہ مدرسہ کو کالج بنایا جائے اس لئے کہ انٹرنس تک ابھی بہت خام اور ناتمام عمر اور تجربہ ہوتا ہے اور اگر دو برس ایف۔ اے کی تقریب سے اور اگر خدا چاہے تو دو برس اور بی۔ اے کی تحریک سے اور ایک سال اور ایم۔ اے کی وساطت سے ہمارے پاس رہ سکیں تو پھر خاصے عمر رسیدہ، تجربہ کار، قوی دل اشدّاء ہو کر یہاں سے نکلیں گے۔ سر دست تو کالج ایف۔ اے تک ہوگا اور اس میں بھی سارا دار و مدار توکّل پر ورنہ حق تو یہ تھا کہ آغاز ہی میں پورا کالج بنایا جاتا۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ اس کارروائی کو جلد بازی پر محمول کریں اور جوش سے کہہ دیں یا رائے دیں کہ ابھی وقت قلت سرمایہ کے سبب سے اس امر کا مقتضی نہیں کہ کالج جاری کیا جائے مگر اس رائے زنی میں وہ خود جلد باز اور غور نہ کرنے والے ٹھہریں گے اس لئے کہ انٹرنس تک محدود ہو کر رہنے میں مدرسہ کی وہ غرض پوری نہیں

---

[۱] رسالہ "تعلیم الاسلام" قادیان جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۲۳۶۔

ہوتی یا آخر کار اس کے نابود ہو جانے کا اندیشہ ہے جو ہمیں اس کارِ خیر کی محرک ہوئی ہے۔ ابتدائی عمر کے جوش، فوری جوش اور ہنڈیا کے سے اُبال ہوتے ہیں۔ عمر کی لمبی رفتار میں اور دُنیا کے ہر امتحان اور پُرفتنہ نظاروں اور کاموں میں بسا اوقات ان میں سردی آجاتی اور ہر وقت امکان رہتا ہے کہ بالعوض بدتحریک اپنا کام کرے مگر کالج کی چکی سے نکل کر ایک عمدہ پختگی اور مضبوط بصیرت رفیقِ طریق ہو جاتی ہے اور یقین مربیوں کے دلوں میں بھر جاتا ہے کہ ان کے برسوں کے اندوختہ اور محنت پر کسی بدمعاش کا ہاتھ نہیں پڑ سکے گا۔ غرض یہ تو بالکل عین مصلحت اور طے شدہ بات ہے کہ کالج ہو جب ہمارا مقصود پورا ہوتا ہے اور کالج کی تجویز پختہ بھی ہو گئی اور امید ہے آئندہ مئی سے جاری بھی ہو جائے مگر خدا تعالےٰ کی توفیق سے قوم کا یہ کام ہے کہ اس نیک کام میں دل کھول کر شریک ہوں۔ کالج کھولنے سے ایک سال تک تو کوئی زائد خرچ نہیں پڑے گا۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ریاضی پڑھائینگے اور وہ ریاضی میں مسلّم ہیں۔ ماسٹر شیر علی صاحب بی۔ اے جو انگلش میں بالخصوص قابل ہیں انگریزی پڑھائیں گے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب باقاعدہ ایک گھنٹہ کالج میں دینیات کے معلّم ہوں گے اور خاکسار راقم بھی ایک گھنٹہ باقاعدہ عربی کی تعلیم دے گا۔ اور یہ تینوں معلّم بلا کسی دنیوی اُجرت کے کالج کو مدد دیں گے اور دوسرے سال صرف پچاس روپے کا زیادہ بار ہوگا۔ اگر مدرسہ کی امداد میں وہی پہلا جوش ہوتا جو ایک عرصہ تک قائم رہا تو اتنی ہی امداد اور آمدنی ایف۔ اے تک کالج بنانے میں بھی کافی تھی۔ مگر افسوس بہت لوگوں نے بے توجہی کی اور ان کے جوشوں میں سردی پیدا ہو گئی۔ بہت سے شہر ہیں کہ ان سے کچھ بھی امداد اب تک مدرسہ کو نہیں پہنچی۔ اور بعض ایسے ہیں کہ اُن سے ناقابلِ اعتناء مدد ملتی ہے۔ سیالکوٹ اور لاہور دو شہر ہیں جنہوں نے اس کام میں پُوری فیاضی سے حصہ لیا ہے اور ایک معقول رقم ماہ بماہ ان کی طرف سے مدرسہ کو ملتی ہے۔ مگر اکثر شہر بعض غلط فہمیوں یا ناعاقبت اندیشی کے سبب سے اس کی طرف سے پہلو تہی کئے بیٹھے ہیں اور وہ اس طرح روا رکھتے ہیں کہ مدرسہ کو خدانخواستہ کوئی صدمہ پہنچے اور اعدائے ملّت کو شماتت کا عمدہ موقعہ ملے۔ ہر ایک شخص کو خوب ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ یہ مدرسہ حضرت کا مدرسہ ہے

اور اُن کے حکم سے جاری کیا گیا ہے اور اس کی شکست کی زد آخر کار سوچ لینا چاہیئے کس کی ہمت اور قصد پر پڑتی ہے . . . . . غرض سب سے اوّل اور بہت جلد مدرسہ کو جانکاہ فکر سے سبکدوش کریں اور کالج کے لئے عزم صمیم سے خط مستقیم پر قدم اُٹھائیں . . . . .

اے ارحم الراحمین سمیع و بصیر مولیٰ! تو خود ان دردمندانہ فقروں کو پہلے قبول فرما اور پھر قوم کے دلوں میں انہیں جگہ دے کہ ساری توفیقیں تجھ ہی سے اور تیرے ساتھ ہیں ‘‘ [۱]

کالج کے افتتاح کی نہایت سادہ مگر پُروقار دعائیہ تقریب

طے شدہ پروگرام کے مطابق کالج کا افتتاح ۱۵ رمئی ۱۹۰۳ء کو مقرر تھا مگر حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبع مبارک علیل ہوگئی اور یہ مبارک تقریب ۲۸ رمئی ۱۹۰۳ء پر ملتوی کردی گئی۔

اس روز (۲۸ رمئی ۱۹۰۳ء) ساڑھے چھ بجے کے بعد مدرسہ تعلیم الاسلام کے احاطہ اور بورڈنگ مدرسہ کے درمیانی میدان میں ایک شامیانے کے نیچے جلسہ کا انتظام کیا گیا جو حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضؓ سپرنٹنڈنٹ مدرسہ و کالج کی زیر نگرانی مدرسہ کے اساتذہ اور طالب علموں کی کوشش کا نتیجہ تھا۔ سٹیج کے لئے شمالی جانب ایک عارضی چبوترہ بنایا گیا جہاں ارکانِ مدرسہ اور دوسرے بزرگوں کے لئے کرسیاں بچھائی گئی تھیں۔ جنوبی طرف ایک میز رکھی گئی جس کے اوپر دائیں جانب قرآن کریم اور بائیں جانب کرۂ ارض (گلوب GLOBE) رکھا گیا۔ میز کے سامنے طالب علموں کی ورزش جسمانی کے لئے ایک ستون کھڑا تھا۔[۲] اس موقعہ پر نہ کوئی دعوتی کارڈ جاری کئے گئے نہ اس میں کسی پارٹی کا اہتمام کیا گیا کیونکہ اس جلسہ کی اصل غرض تو صرف یہ تھی کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام قدم رنجہ فرما کر دُعا فرمائیں اور اگر حضور مناسب سمجھیں تو کالج کے اساتذہ اور طلبہ اور دوسرے حاضرین کو اپنے مقدس اور بابرکت ارشادات سے نوازیں اور حضرت اقدس اس جلسہ میں بڑی خوشی کے ساتھ شریک ہونے کے لئے تیار بھی تھے[۳] مگر رات کے وقت حضور کی طبیعت پھر ناساز ہوگئی۔ ہر ایک پروفیسر اور مدرس اور لڑکے کی آنکھ خدا کے محبوب اور برگزیدہ حضرت مسیح موعود

---

[۱] اخبار ’’الحکم‘‘ قادیان ۷ر فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۵ و ۶

[۲] اخبار ’’الحکم‘‘ قادیان ۱۷ر اپریل ۱۹۰۳ء صفحہ ۷ کالم ۳ و ۲۴ر جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۲

[۳] اخبار ’’الحکم‘‘ قادیان ۲۴ر جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰ کالم ۳

علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی آمد آمد پر لگی ہوئی تھی کہ اس اثناء میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضؓ نے آکر اطلاع دی کہ "حضرت اقدس نے مجھے ایک پیغام دے کر روانہ کیا ہے اور وہ اس طرح سے ہے کہ میں نے حضرت خلیفۃ اللہ علیہ السّلام کی خدمت میں تشریف آوری کے واسطے عرض کی تھی، آپ نے فرمایا:-

"میں اس وقت بیمار ہوں حتیٰ کہ چلنے سے بھی معذور ہوں۔ لیکن وہاں حاضر ہونے سے بہت بہتر کام یہاں کر سکتا ہوں کہ اُدھر جس وقت افتتاح کا جلسہ شروع ہوگا میں بیت الدعا میں جا کر دُعا کروں گا"

یہ کلمہ اور وعدہ حضرت خلیفۃ اللہ علیہ السّلام کا بہت خوش کُن اور امید دلانے والا ہے۔ اگر آپ خود تشریف لاتے تو بھی باعثِ برکت تھا اور اگر اب نہیں لائے تو دُعا فرمادیں گے اور یہ بھی خیر و برکت کا موجب ہوگی"

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ اسی قدر کلمات فرما کر کُرسی پر بیٹھ گئے۔[1]

آپ کے بعد حضرت نواب محمد علیخاں صاحبؓ رئیس مالیر کوٹلہ ڈائریکٹر تعلیم الاسلام کالج نے مختصر تقریر کی جس میں فرمایا:-

"اس کالج کی غرض کوئی عام طور پر یہ نہیں ہے کہ معمولی طور پر دنیاوی تعلیم ہو اور صرف معاش کا ذریعہ اُسے سمجھا جاوے بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ ایک عالم اس پاک سلسلہ کی تعلیم سے مستفیض ہو جو کہ خدا نے قائم کیا ہے۔ دنیوی تعلیم کا اگر کچھ حصہ اس میں ہے تو اس لئے کہ مروّجہ علوم سے بھی واقفیت ہو جس سے خدا تعالیٰ کی معرفت میں مدد ملے ورنہ اصل غرض دین اور دین کی تعلیم ہی ہے اور ایک بڑی غرض یہ بھی ہے کہ اپنی احمدی جماعت کے کمسن بچے ابتدا سے دینی علوم سے واقف ہوں اور حضور مسیح موعود کے فیضانِ صحبت سے فائدہ اُٹھاویں اور بڑے ہو کر اس پاک چشمہ سے ایک عالم کو سیراب کریں جس سے وہ خود سیراب ہو چکے ہیں۔

یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ کالج کی موجودہ حالت سب احباب پر ظاہر ہے۔ اس کے کارکنوں نے جو آجتک کیا ہے وہ کسی انسانی طاقت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ سب کچھ محض خدا کے فضل سے ہی ہوا ہے . . . . امید ہے جیسے کہ مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے فرمایا ہے کہ حضرت اقدس نے دُعاؤں کا وعدہ کیا ہے خدا کی ذات سے بڑی امید ہے کہ یہ کالج بہت جلد ایک

---

[1] اخبار "البدر" ۲۴ جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۸۴ کالم ۳۔

یونیورسٹی ہوگا، اور اس احمدی جماعت کے لئے ایک بڑا مفید دار العلوم ثابت ہوگا . . . .

یہ کالج خدا کے فضل سے چلے گا اور خدا کے صادق بندے مسیح موعود کی دعاؤں سے نشوونما پائے گا "[1]

اس تقریر کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے ایک نہایت ایمان افروز صدارتی خطاب کیا جس میں ارشاد فرمایا کہ

"تمام ترقیوں عزت اور حقیقی خوشی کی جڑ یہ کتاب ہے اور اسی کے ذریعہ سے ہم اس (کرہٗ ارض) پر حکمرانی کرتے ہیں اور اسی کے ذریعہ سے فضل الٰہی کا سایہ ہم پر پڑ سکتا ہے . . . . . بڑے بڑے لائق، چالاک اور پھرتی سے بات کرنے والوں کے ساتھ ناچیزی حالت میں میرا مقابلہ ہوا ہے مگر اس قرآن کے ہتھیار سے جب میں نے ان سے بات کی ہے تو اُن کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگ گئیں . . . . میں تم کو ایک بچہ کا قصہ سناتا ہوں کیونکہ تم بھی بچے ہو۔ مگر وہ عمر میں تم سب سے چھوٹا تھا۔ اس کا نام یوسفؑ ہے۔ جس وقت بھائیوں نے اُسے باپ سے مانگا اور چاہا کہ اسے باپ سے الگ کر دیں اور جنگل میں جا کر ایک کوئیں میں اُتار دیا۔ . . نہ اس وقت کوئی یار نہ آشنا نہ ماں اور نہ باپ، اگر ہوتے بھی تو اُسے وہ بات نہ بتلا سکتے جو خدا نے بتائی اور ان کو کیا علم تھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا مگر خدا کا سایہ اس پر تھا۔ خدا نے اسے بتلایا۔ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ کہ اے یُوسف! دیکھ تجھے باپ سے الگ کیا، تیری زمین سے تجھے الگ کیا اور اندھیرے کوئیں میں ڈالا مگر میں تیرے ساتھ ہوں گا اور اس علیحدگی کی تعبیر کو تُو بھائیوں کے سامنے بیان کرے گا اور ان کو اس بات کا شعور نہیں ہے۔ دیکھ لو۔ یہ باتیں باپ نہیں کر سکتا نہ وعدہ دے سکتا ہے کہ یوں ہوگا یا جاہ وجلال کے وقت تک یہ تندرستی بھی ہوگی۔ ایک باپ بچے سے پیار تو کر سکتا ہے مگر وہ اس کے آئندہ حالت کا کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔ ان باتوں کو جمع کر کے دیکھو۔ اگر کوئی انسان تسلی دیتا تو بچہ کو پیار کرتا گلے میں ہاتھ ڈالتا اور اُسے کہتا کہ ہم چیجی دیویں گے۔ مگر خدا کی ذات کیا رحیم ہے وہ فرماتا ہے لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وہ عروج دیویں گے کہ تو ان احمقوں کو بتلا دے گا"

---

[1] "البدر" ۱۵ رجون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۵۴ - ۱۵۵ *

یہ مثال دینے کے بعد حضرت مولوی صاحبؓ نے فرمایا:-

"یہ حقیقت ہے اس سایہ کی جسے مَیں چاہتا ہوں تم پہ ہو۔ علوم کی تحصیل آسان ہے مگر خدا کے فضل کے نیچے اُسے تحصیل کرنا یہ مشکل ہے۔ کالج کی اصل غرض یہی ہے کہ دینی اور دُنیوی تربیت ہو۔ مگر اوّل فضل کا سایہ ہو پھر کتاب پھر دستورالعمل ہو۔ اس کے بعد دیکھو کہ کیا کامیابی ہوتی ہے۔ فضلِ الٰہی کیلئے پہلی بشارت پیارے عبدالکریم نے دی ہے۔ وہ کیا ہے۔ حضرت صاحب کی دُعائیں ہیں۔ مَیں ان دُعاؤں کو کیا سمجھتا ہوں۔ یہ بہت بڑی بات ہے اور یقیناً تمہارے ادراک سے بالاتر ہوگی مگر مَیں کچھ بتلاتا ہوں۔

مخالفوں سے انسان ناکامیاب ہوتا ہے۔ گھبراتا ہے۔ ایک لڑکا ماسٹر کی مخالفت کرے تو اُسے مدرسہ چھوڑنا پڑتا ہے۔ جس قدر مہتمم مدرسہ کے ہیں اگر وہ سب مخالفت میں آویں تو زندگی بسر کرنی مشکل ہو۔ اگرچہ افسر بھی لڑکوں کے محتاج ہیں مگر ایک ذرہ سے نقطہ سے اُسے بورڈنگ میں رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اب اس پر اندازہ کرو۔ کہ ایک کی مخالفت انسان کو کیسے مشکلات میں ڈالتی ہے لیکن ہمارے امام کی ساری برادری مخالف ہے۔ رات دن یہی تاک ہے کہ اسے دُکھ پہنچے پھر گاؤں والے مخالف . . . یہ حال تو گاؤں کی مخالفت کا ہے۔ پھر سب مولوی مخالف، گدی نشین مخالف، سُنّی مخالف، آریہ مخالف، مشنری مخالف، دہریوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا مگر وہ بھی مخالف اور نہایت خطرناک دشمن اس سلسلہ کے ہیں۔ ان تمام مشکلات کے مقابلہ میں دیکھو وہ (حضرت مرزا صاحب) کیسے کامیاب ہے۔ یہاں ہمارا رہنا تمہارا رہنا سب اُسی کے نظارہ ہیں کہ باوجود اس قدر مخالفت کے پھر پروانہ وار اس پر گرتے ہیں۔ اس کا باعث یہی ہے کہ وہ کتاب اللہ کا سچا حامی ہے۔ اور رات دن دُعاؤں میں لگا ہوا ہے۔ اس لڑکے سے بڑھ کر کوئی خوش قسمت نہیں جس کے لئے یہ دُعائیں ہوں۔ مگر ان باتوں کو وہی سمجھتا ہے جس کی آنکھ بینا اور کان شنوا ہوں۔

لَتُنَبِّئَنَّهُم بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا کی صدا یوسفؑ کے کان میں پڑی۔ اس سے سوچو کہ خدا کا فضل ساتھ ہوتا ہے تو کوئی دشمن ایذا نہیں پہنچا سکتا۔ کس طرح کے جاہ جلال اور بجالی یوسفؑ کو ملی۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اُن بھائیوں کو آخر کہنا پڑا۔ اِنَّا كُنَّا

خَاطِئِیْنَ۔ اس کا جواب یوسفؑ نے دیا۔ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ[1] یہ سب کچھ اللہ پر یقین کا نتیجہ تھا۔ تم بھی اللہ پر کامل یقین کرو اور ان دعاؤں کے ذریعے جو کہ دنیا کی مخالفت میں سپر ہیں فضل چاہو۔ کتاب اللہ کو دستور العمل بناؤ تاکہ تم کو عزت حاصل ہو باتوں سے نہیں بلکہ کاموں سے اپنے آپ کو اس کتاب کے تابع ثابت کرو۔ ہنسی، تمسخر، ٹھٹھا، ایذا، گالی یہ سب اس کتاب کی تعلیم کے برخلاف ہے، جھوٹ سے، لعنت سے، تکلیف اور ایذا دینے سے ممانعت اور لغو سے بچنا اس کتاب کا ارشاد ہے۔ صوم اور صلوٰۃ اور ذکر شغل الٰہی کی پابندی اس کا اصول ہے" [2]

حضرت مولوی نورالدین صاحب رضؓ اس اثر انگیز تقریر کے بعد کرسی صدارت پر تشریف فرما ہوئے اور پھر مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب سیالکوٹی اور مولوی عبداللہ صاحب (کشمیری) نے افتتاح کالج کی نسبت اپنی اپنی فارسی نظمیں[3] پڑھیں۔ ازاں بعد حضرت نواب محمد علیخاں صاحبؓ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ خدا کے تفضل و احسان سے افتتاح کالج کی رسم ادا ہو چکی۔ اس کے بعد دعا کی گئی اور جلسہ برخاست ہوا۔[4]

حضرت نواب محمد علیخاں صاحبؓ کیطرف سے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں درخواست دُعا

تقریبِ افتتاح بخیر و خوبی ختم ہو گئی تو حضرت نواب محمد علیخاں صاحبؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور حسب ذیل عریضہ لکھا:۔

"سیدی و مولائی طبیب روحانی سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

مولانا مولوی عبدالکریم صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضور کی طبیعت نصیب اعداء علیل

---

[1] سورہ یوسف رکوع ۱۰۔ الحکم میں یہ حصہ آیت سہواً غلط چھپ گیا تھا (مرتب)

[2] "الحکم ۲۴ر جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۱ - ۱۲۔

[3] یہ دونوں نظمیں "الحکم" ۳۰ر جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۷ - ۸ پر شائع شدہ ہیں۔ مالیر کوٹلہ کے ممتاز احمدی شاعر محمد نواب علی صاحب ثاقب رضی اللہ عنہ نے افتتاح کالج کا قطعہ تاریخ لکھا کہ

بسالِ افتتاحِ کالجِ ما ۔۔۔ ندا آمد بہ ثاقب فیضِ فرقاں
۱۳۲۱ھ

(البدر ۱۰ر جولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۹۹ کالم ۲)

[4] "الحکم ۲۴ر جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۲ کالم ۳۔

ہے اس لئے حضور تشریف نہیں لا سکتے۔ گو کہ اس سے ایک گونہ افسوس ہوا مگر وہ کلمات جو مولانا موصوف نے نیا بنا فرمائے اُن سے رُوح تازہ ہوگئی اور خداوند تعالیٰ کے فضل اور حضور کی دعاؤں کے بھروسہ پر کارروائی شروع کی گئی۔ جلسہ نہایت کامیابی سے تمام ہوا۔ اور کالج کی رسم افتتاح ہوگئی۔ اطلاعاً گذارش ہے۔ خداوند تعالےٰ حضور کو صحت عطا فرمائے۔ حضور نے دعا فرمائی ہوگی اب بھی استدعائے دُعا ہے۔ راقم محمد علی خاں "

حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے جواب

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس درخواست کے جواب میں اپنے قلم سے تحریر فرمایا کہ:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

محبی عزیزی اخویم نواب صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ رات سے مجھ کو دل کے مقام پر درد ہوتی تھی اس لئے حاضر نہیں ہو سکا۔ لیکن میں نے اسی حالت میں بیت الدعا میں نماز میں اس کالج کے لئے بہت دُعا کی۔ غالباً آپ کا وہ وقت اور میرے دعاؤں کا وقت ایک ہی ہوگا۔ خدا تعالےٰ قبول فرماوے۔ آمین۔ ثم آمین۔ والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ "[1]

تعلیم الاسلام کالج کے ابتدائی کوائف

تعلیم الاسلام کالج عہد حاضر میں اپنی طرز کا پہلا کالج تھا جہاں دنیوی اور رسمی علوم مروجہ کے ساتھ دینیات کی تعلیم کا معقول انتظام تھا اور اس کی خاص نگرانی کی جاتی تھی۔ اسی طرح کالج کے طلبہ کی اخلاقی اور مذہبی ترقی کے لئے مقدور بھر جد وجہد کی جاتی تھی۔ اس کالج کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے طلبہ امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاک اور خدا نما مجلس سے مستفیض ہوتے۔ بزرگ صحابہ کی زیر تربیت اپنے اوقات گذارتے اور مرکز احمدیت کی برکتوں سے حصہ وافر لیتے تھے۔[2]

کالج کے ڈائرکٹر حضرت نواب محمد علیخاں صاحبؓ، پرنسپل حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ اور

---

[1] "الحکم" ۲۴؍جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۰ تا ۱۳۔

[2] رسالہ "تعلیم الاسلام" قادیان جلد اول شمارہ ۶ صفحہ ۲۳۲۔

سپرنٹنڈنٹ حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھیروی رضؓ تھے۔ کالج کے اولین اساتذہ چار تھے :-

۱۔ حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب بھیروی رضؓ (دینیات)

۲۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضؓ (عربی)

۳۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب بی۔اے رضؓ (انگریزی)

۴۔ جناب مولوی محمد علی صاحب بی۔اے۔ ایل ایل بی (ریاضی) [1]

کالج کے لازمی نصاب میں دینیات، عربی، انگریزی اور ریاضی کے علاوہ فارسی، فلاسفی اور تاریخ کے مضمون بھی شامل تھے [2] جو حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اور بعض دوسرے بزرگ پڑھاتے تھے۔ [3]

طلبہ کالج کے اخراجات کا پیچیدہ مسئلہ

جماعت احمدیہ ان دنوں بالکل ابتدائی مراحل میں سے گزر رہی تھی۔ اس دَور میں مدرسہ تعلیم الاسلام کے اساتذہ کی تنخواہیں بھی بمشکل پُوری ہوسکتی تھیں۔ اب جو مدرسہ کے ساتھ کالج کا اضافہ ہوا تو اس کے اربابِ حل و عقد کو کالج کے طلبہ کے اخراجات کی فکر بھی دامنگیر ہوگئی۔ چنانچہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے ہر شہر کی احمدی جماعتوں کو باہم مل جل کر مدرسہ اور کالج کے طلبہ کے لئے تین یا پانچ روپے کے "وظائف مساکین" مقرر کر لینے کی اپیل کی اور اس تعلق میں آپ نے تین بزرگوں کی فیاضانہ امداد کا تذکرہ خاص بھی کیا چنانچہ فرمایا:-

"اس جگہ مجھے تین بزرگوں کا شکریہ کے ساتھ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک تو استاذی المعظم مولانا مولوی نورالدین صاحب جو کئی طلباء کو وقتاً فوقتاً ماہواری اور ایک مشت مدد دیا کرتے ہیں دوم مخدومی نواب محمد علیخاں صاحب جو اپنی جیب خاص سے مدرسہ کے چار طلباء کو ماہواری معقول وظیفہ دیتے ہیں اور تیسرے مکرم و مخدوم نواب فتح نواز جنگ مولوی مہدی حسن صاحب بیرسٹرایٹ لاء لکھنؤ جنہوں نے کالج کے واسطے ایک مستقل وظیفہ مبلغ ۵؍ ماہوار کا مقرر کر دیا ہے جزاھم اللہ احسن الجزاء" [4]

---

[1] اخبار "الحکم" قادیان ۷ر فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۶ کالم ۱۔

[2] " " " ۱۷ر مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۴ کالم ۱۔

[3] حضرت مولوی محمد دین صاحب بی۔اے (سابق مبلغ امریکہ) حال صدر صدر انجمن احمدیہ فرماتے ہیں :-
"غالباً درزی خانہ والا کمرہ کلاس روم تھا۔ مگر اس کے علاوہ پرانے صحن مدرسہ کا مشرقی کمرہ بھی استعمال ہوتا رہا۔ درزی خانہ کا اوپر والا کمرہ بھی بعض دفعہ لیکچروں اور بعض دفعہ کالج کے بورڈروں کی رہائش کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے" (اصحاب احمد" جلد دوم صفحہ ۱۸۲ مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب۔ ایم۔اے طبع اول ۱۳۳۱ ہش / ۱۹۵۲ء)۔

[4] "البدر" ۷ر اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۳۱ کالم ۲۔

کالج میں داخل طلبہ کی ناداری اور تنگدستی کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جب ایف۔اے کے امتحان میں داخلہ بھجوانے کا موقع آیا تو چار طلبہ میں سے دو طالب علم داخلہ امتحان کی (۲۰ روپے) فیس تک ادا کرنے سے قاصر تھے جس پر اخبار "الحکم"[1] اور "البدر"[2] دونوں کو چندہ کی تحریک کرنا پڑی۔

کالج کے امید افزا نتائج

اگرچہ کالج کے لئے یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس کے طلبا پنجاب یونیورسٹی کے امتحان میں شریک ہوئے مگر جناب الٰہی کی یہ خاص عنایت ہوئی کہ جہاں یونیورسٹی کا نتیجہ قریباً اڑتیس فیصد تھا وہاں تعلیم الاسلام کالج کا نتیجہ[3] اوسطاً پچھتر فیصدی یعنی چار طلبہ میں سے تین ایف اے میں کامیاب قرار پائے۔ کالج کے اس امید افزا نتیجہ پر رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" (اردو) نے حسب ذیل نوٹ شائع کیا:-

"دو سال گذر چکے ہیں جب اس کالج کی بنیاد پہلے رکھی گئی تھی اور ابھی تک پبلک کو اس کی تعلیمی حالت کا صحیح اندازہ لگانے کا موقعہ نہ ملا تھا مگر ۱۹۰۵ء کے امتحان یونیورسٹی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ علاوہ دینی تعلیم اور تعلیم قرآن شریف کے جو اس کالج کے خاص اغراض میں سے ہے یہاں کی معمولی تعلیم بھی اعلیٰ درجہ کی ہے اور کالج کا سٹاف خصوصاً قابل تعریف ہے۔ اس سال اس کالج سے چار طالب علم امتحان ایف۔اے میں شامل ہوئے تھے جن میں سے تین کامیاب ہوئے جہاں عام طور پر ایف اے کے امتحان میں ۳۸ فی صدی طالب علم پاس ہوئے ہیں اور بڑے بڑے مشہور کالجوں میں بھی نصف کے قریب قریب ہی تعداد پاس شدگان کی ہے۔ ہمارے کالج کا نتیجہ ۷۵ فیصدی کامیاب بتاتا ہے. . . . زمانہ کی زہرناک ہواؤں کے اثر سے بچنے کے لئے یہ جگہ خدا کے فضل سے نہایت عمدہ ہے"[4]

یونیورسٹی ایکٹ کا نفاذ اور کالج کی بندش

تعلیم الاسلام کالج کی نئی فرسٹ ایر کلاس ۵ مئی ۱۹۰۵ء کو کھول دی گئی[5] مگر لارڈ کرزن وائسرائے ہند کی طرف سے یونیورسٹی ایکٹ نافذ کر دیا گیا جس کی رُو حکومت کو یونیورسٹیوں کے معاملات میں مداخلت کے وسیع اختیارات مل گئے نیز یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ آئندہ کالجوں کے الحاق کی منظوری کالجوں کی مستحکم مالی حیثیت، ٹرینڈ سٹاف اور

---

[1] مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۸ و ۱۰ جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۹ [2] مورخہ یکم جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۱۔ اس چندہ میں حصہ لینے والے بزرگوں کے اسماء گرامی اخبار "الحکم" ۲۴ جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۱ کالم ۴ میں شائع شدہ ہیں۔
[3] اخبار "بدر" ۲۰ اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ میں پاس ہونے والوں کے نام درج ہیں۔ [4] ایضاً [5] "ریویو آف ریلیجنز" اردو بابت ماہ مئی ۱۹۰۵ء سرورق صفحہ ۲

مستقل عمارت ہونے کی صورت میں ہی دی جاسکے گی۔[۱] ان شرائط کی موجودگی میں ایک غریب جماعت کے لئے کسی کالج کا جاری رکھنا نہایت دشوار تھا لہذا اسے بند کر دینا پڑا۔

مگر جیسا کہ آئندہ حالات نے بتا دیا در اصل خدائے علیم وخبیر نے اپنی حکمت کاملہ سے اس جماعتی اور قومی ضرورت کی تکمیل حُسن و احسان میں حضرت مسیح موعود و مہدی معہود کے مثیل و نظیر کے ساتھ وابستہ کر دی تھی اس لئے خلافت ثانیہ کے عہد میں یہ کام نہایت شان وشوکت کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچا۔

فصل دوم

دورِ مُصلح موعُود میں کالج کا ازسرِ نَو قیام اور دوبارہ اِفتتاح

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنے خلیفہ منتخب ہونے کے چند ہفتے بعد ۱۲ اپریل ۱۹۱۴ء کو قادیان میں نمائندگانِ جماعت کا جو سب سے پہلا مشاورتی اجلاس بُلوایا۔ اس میں اپنی اس دلی آرزو کا بھی اظہار فرمایا کہ:۔

"اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ہمارا اپنا ایک کالج ہو۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول کی بھی یہ خواہش تھی۔ کالج ہی کے دنوں میں کیریکٹر بنتا ہے۔ سکول لائف میں تو چال چلن کا ایک خاکہ کھینچا جاتا ہے۔ اس پر دوبارہ سیاہی کالج لائف ہی میں ہوتی ہے۔ پس ضرورت ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کی زندگیوں کو مفید اور مؤثر بنانے کے لئے اپنا ایک کالج بنائیں۔ پس تم اس بات کو مدِّ نظر رکھو میں بھی غور کر رہا ہوں" [۲]

اس عزم بالجزم کے بعد رُبع صدی سے زائد عرصہ گذر گیا مگر قیام کالج کیلئے حالات سازگار نہ ہو سکے۔

---

[۱] ملاحظہ ہو یونیورسٹی ایکٹ ۱۹۰۴ء دفعہ ۲۱۔

[۲] "منصب خلافت" صفحہ ۳۷ طبع اول مطبوعہ اللہ بخش سٹیم پریس قادیان۔

اپریل ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء میں تئیسویں۲۳ مجلس مشاورت کا انعقاد ہوا جس میں جماعت احمدیہ ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ کے نمائندہ ملک مبارک احمد خاں صاحب ایمن آبادی . . . . نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں بجٹ پر عام بحث کے دوران یہ عرض کی کہ

”قادیان میں ایف۔ اے کلاس کھول دی جائے تو بہت بہتر ہو۔ یہ کالج جامعہ احمدیہ کی ایک شاخ کے طور پر کھولا جائے کیونکہ ضلع گورداسپور میں کوئی کالج نہیں اس لئے بہت مفید ثابت ہوگا“[1]

اس مخلصانہ تحریک کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبولیت بخشا اور حضور کے دل میں یکایک القاء ہوا کہ وقت آگیا ہے کہ قادیان میں کالج جلد سے جلد کھول دیا جائے چنانچہ حضور نے ۲۶ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو فرمایا:-

”خدا تعالیٰ کی حکمت ہے ایک لمبے عرصہ تک میری اس طرف توجہ ہی نہیں ہوئی کہ قادیان میں ہمارا اپنا کالج ہونا چاہیئے۔ بلکہ ایسا ہوا کہ بعض لوگوں نے کالج کے قیام کے متعلق کوشش بھی کی تو مَیں نے انہیں کہا کہ ابھی اس کی ضرورت نہیں۔ کالج پر بہت روپیہ خرچ ہوگا۔ لیکن پچھلے سال مجلس شوریٰ کے موقع پر بجٹ کے بعد یکدم جب بعض دوسرے لوگوں نے تحریک کی تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ تحریک پیدا کر دی کہ واقعہ میں قادیان میں جلد سے جلد ہمیں اپنا کالج کھول دینا چاہیئے حالانکہ اس وقت تک نہ صرف اس تحریک کا میرے دل میں کوئی خیال نہیں تھا بلکہ جب بھی کسی نے ایسی تحریک کی مَیں نے اس کی مخالفت کی۔ لیکن اس وقت یکدم خدا تعالیٰ نے میرے دل میں اس خیال کی تائید پیدا کر دی اور نہ صرف تحریک پیدا کی بلکہ بعد میں اس تحریک کے فوائد اور نتائج بھی سمجھا دیئے“[2]

چنانچہ حضرت امیر المومنین نے مجلس مشاورت کے چند دن بعد جب بجٹ کی مخصوص سب کمیٹی کے اجلاس میں قیام کالج کی تحریک فرمائی تو خدا تعالیٰ نے اپنے مقدس اور برگزیدہ خلیفہ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے سرسری اور مختصر الفاظ کو غیر معمولی قبولیت بخشی اور اجلاس میں حاضر چند گنتی کے اصحاب ہی نے کئی ہزار روپیہ نقد پیش کر دیا۔[3]

۱؎ ”رپورٹ مجلس مشاورت“ ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء صفحہ ۱۲۶

۲؎ ”الفضل“ ۳۱ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۳

۳؎ ”الفضل“ ۷ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۱-۲

کالج کمیٹی کا تقرر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس عمومی تحریک کے معاً بعد پہلا قدم یہ اُٹھایا کہ قیامِ کالج کے منصوبہ کو جلد سے جلد پایہ تکمیل تک پہنچانے نیز اس کو جاری کرنے کے انتظامات کی انجام دہی کے لئے ایک کمیٹی مقرر فرمائی اور حسب ذیل اصحاب کو اس کا ممبر تجویز فرمایا:۔

۱۔ قمرالانبیاء حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے (صدر)

۲۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔اے (آکسن)

۳۔ حضرت مولوی محمد دین صاحب بی۔اے

۴۔ قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔اے

۵۔ ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے (سیکرٹری) [۱]

حکومت پنجاب سے منظوری

کالج کمیٹی کی تشکیل کے معاً بعد قیام کالج کے لئے حکومت سے اجازت لینے کا مرحلہ شروع ہوا۔ اس سلسلہ میں ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے سیکرٹری کالج کمیٹی کو ارشاد ہوا کہ وہ لاہور جاکر کوشش کریں کہ اگر ممکن ہو تو یونیورسٹی کے ۱۹۴۳ء (۱۳۲۲ہش) کے تعلیمی سال (SESSION) شروع ہوتے ہی احمدیہ کالج کے اجراء کی اجازت مل جائے۔ لیکن وقت بہت تنگ تھا اور حکومت سے منظوری بہت سے مراحل طے کرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی تھی اس لئے اس سال تو کالج کا قیام عمل میں نہ آسکا تاہم اگلے سال ۲۲ صلح/جنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو پنجاب یونیورسٹی کا ایک

---

[۱] یہ کمیٹی نہایت مفید اور قابل قدر انتظامی خدمات انجام دینے کے بعد ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو مجلس تعلیم میں مدغم کردی گئی جس کے صدر بھی قمرالانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ہی تھے۔ نیز فیصلہ ہوا کہ:۔

"(ا) آئندہ کالج کمیٹی کے ایسے ممبران جو اس وقت تک مجلس تعلیم کے ممبر نہیں مجلس تعلیم کے ممبر ہوں گے۔

(ب) کالج کے عملی کام کے لئے ایک سب کمیٹی مشتمل بر حضرت میاں بشیر احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے اور مولوی ابوالعطاء صاحب ہوگی جس کے سیکرٹری ملک غلام فرید صاحب اور اسسٹنٹ سیکرٹری مولوی ابوالعطاء صاحب ہوں گے۔ (ج) یہ سب کمیٹی کالج کے جملہ تفصیلی کام سرانجام دے گی۔ البتہ بجٹ اور اصولی قواعد اور استثنائی فیصلہ جات اور مزید کلاسز کا اجراء مجلس تعلیم میں پیش ہوں گے"

۱۹ تبلیغ/فروری ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو اس نئی کمیٹی کے ممبران میں حضرت مرزا شریف احمد صاحب کا اضافہ کیا گیا مگر ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء میں یہ نظام عمل بھی بدل دیا گیا اور ۲۸ امان/مارچ ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء کو فیصلہ ہوا کہ "آئندہ تعلیم الاسلام کالج کے متعلق مجلس تعلیم کا کام صرف اس حد تک محدود ہوگا جو دینیات کا نصاب مقرر کرنے اور دینیات کا امتحان لینے سے تعلق رکھتا ہے نظم و نسق کا سارا کام صدر انجمن احمدیہ کی طرف منتقل کر دیا جائے۔"

۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء میں جبکہ مجلس تعلیم کا وجود عملاً قائم نہ رہا دینیات کے امتحان والا حصہ خود بخود نظارت تعلیم سے متعلق ہو گیا۔

کمیشن موقعہ پر حالات کا معائنہ کرنے کے لئے قادیان پہنچا جس نے تعلیم الاسلام ہائی سکول کی عالیشان عمارت اور وسیع اراضیات دیکھ کر یونیورسٹی میں کالج کی منظوری دیئے جانے کی سفارش کر دی۔ یونیورسٹی نے مطالبہ کیا کہ پینتالیس ہزار روپیہ نقد مجوزہ احمدیہ کالج کے نام پر کسی بینک میں جمع کیا جائے۔ جماعت احمدیہ نے یہ مطالبہ پورا کر دیا تو پنجاب یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ (SYNDICATE) نے ۱۱ فروری ۱۹۴۴ء کے اجلاس میں یونیورسٹی کی سینیٹ (SENATE) کے پاس یہ سفارش کی کہ احمدیہ کالج کی منظوری دے دی جائے۔ سینیٹ (SENATE) نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۵ مارچ ۱۹۴۴ء (۲۵ امان ۱۳۲۳ہش) میں مطلوبہ منظوری دے کر آخری منظوری کے لئے حکومت کے پاس سفارش کر دی اور ۲ جون ۱۹۴۴ء کو یونیورسٹی کی طرف سے بذریعہ تار اطلاع موصول ہوئی کہ حکومت نے کالج کے اجراء کی منظوری دے دی ہے۔[1]

قیام کالج کے اخراجات کا تخمینہ اور ابتدائی انتظامات

کالج کمیٹی نے پنجاب یونیورسٹی کی انتظامیہ کی طرف سے احمدیہ کالج کی منظوری کی اطلاع ملتے ہی ایک طرف "الفضل" (۵ امان ۱۳۲۳ہش) میں اس کا اعلان کر دیا دوسری طرف سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کے حضور کالج کے بنیادی اور ابتدائی اخراجات کے لئے ستّر ہزار روپیہ کا بجٹ پیش کیا جسے حضور نے منظور فرما لیا۔ حضور نے کالج کا نام "تعلیم الاسلام کالج" تجویز کیا اور فیصلہ فرمایا کہ یہ کالج تعلیم الاسلام ہائی سکول کی عمارت میں کھولا جائے اور اس میں نویں دسویں جماعت کے ساتھ ایف۔اے کلاسز جاری کی جائیں اور مڈل کی جماعتوں کے لئے الگ عمارت تعمیر کی جائے۔ کالج کے ساتھ ہوسٹل کا قیام بھی ضروری تھا۔ اس غرض کے لئے تعلیم الاسلام سکول کے وسیع بورڈنگ ہاؤس اور جامعہ احمدیہ کی عمارت تجویز کی گئی۔[2] کالج کے سٹاف کی بابت یہ اصولی فیصلہ ہوا کہ کچھ عملہ تعلیم الاسلام سکول سے لیا جائے اور کچھ باہر سے مہیا کیا جائے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے اخراجاتِ کالج کی تحریک اور مخلصینِ جماعت کی قربانی

کالج کے ابتدائی انتظامات کے لئے جو رقم کالج کمیٹی کو دی گئی وہ قرض تھی جس کی جلد ادائیگی ضروری تھی[3] اس لئے حضرت اقدس المصلح الموعود نے ۲۴ امان/ ملیح

---

[1] "الفضل" ۷ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ (رپورٹ نوشتہ ملک غلام فرید صاحب ایم اے سکرٹری کالج کمیٹی)۔

[2] یہ سب تفصیلات کالج کمیٹی کی رپورٹ مورخہ ۱۶ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں موجود ہیں۔

[3] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۵۵۔

۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو خطبہ جمعہ میں[۱] اور ۹ شہادت/اپریل کو مجلس مشاورت کے دوران ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی پُرزور تحریک فرمائی۔[۲] اور اس کالج کی افادیت و اہمیت پر نہایت مؤثر رنگ میں روشنی ڈالی۔ اس تحریک کا خدا کے فضل و کرم سے مخلصین جماعت کی طرف سے پُرجوش خیر مقدم کیا گیا اور ایک خطیر رقم اس مد میں جمع ہو گئی۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی قابلِ تقلید مثال خود حضرت امام ہمام کی تھی۔ آپ نے کالج کی منظوری دیتے ہی پہلے اپنی طرف سے پانچ ہزار کا چیک عطا فرمایا اور پھر جلد ہی اپنے جملہ اہلبیت کی طرف سے چھ ہزار روپے عنایت فرما دیئے۔[۳]

کالج کے مجوزہ ڈھانچہ کی تشکیل کیلئے فوری اقدامات

اب تعلیم الاسلام کالج سے متعلق بنیادی فیصلوں پر عملی اقدام کا پہلا مرحلہ شروع ہوا۔ اس سلسلہ میں حضرت مرزا شریف احمد صاحب ناظر تعلیم و تربیت نے ۲ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو ہیڈ ماسٹر[۴] تعلیم الاسلام ہائی سکول کے نام درج ذیل حکمنامہ جاری فرمایا:۔

"چونکہ عنقریب تعلیم الاسلام کالج کھلنے والا ہے اور اس کے کھلنے پر سکول ہذا کی ہائی کلاسز کالج کے ساتھ ملا دی جائیں گی اس لئے آج سے سکول کے مڈل کے حصہ کو ہائی کے حصہ سے جدا کیا جاتا ہے ہائی کے حصہ کے انچارج بدستور اخوند عبدالقادر صاحب ایم۔اے رہیں گے اور فی الحال حصہ مڈل کے انچارج صوفی غلام محمد صاحب B.Sc B.T ہوں گے۔ اخوند عبدالقادر صاحب سکول کے مڈل اور پرائمری کے حصہ کا چارج صوفی صاحب موصوف کو دے دیں۔ سکول کے موجودہ سٹاف میں سے اخوند عبدالقادر صاحب کے علاوہ مندرجہ ذیل اساتذہ ہائی کے حصہ میں ہی فی الحال کام کریں گے۔ ماسٹر علی محمد صاحب بی اے۔ بی ٹی، صوفی محمد ابراہیم صاحب B.Sc.B.T، ماسٹر محمد ابراہیم صاحب B.A.S.B.Y، ماسٹر محمد ابراہیم صاحب ناصر B.A.B.T اور بشارت الرحمن صاحب ایم۔اے"

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی نظر میں کالج کا تاریخی پس منظر

صدر کالج کمیٹی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے "الفضل" ۱۸ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں "ہمارا تعلیم الاسلام کالج" کے عنوان سے ایک نہایت اہم مضمون

۱؎ "الفضل" ۲۱ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶-۷۔ ۲؎ رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۵۵ تا ۱۵۹۔
۳؎ "الفضل" ۷ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶ کالم ۳-۴۔ ۴؎ اخوند عبدالقادر صاحب ایم۔اے

سپرد قلم فرمایا جس میں اس نئے مرکزی ادارہ کے خصائص پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ

"سب سے پہلی خصوصیت جو اس کالج کو حاصل ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرف خاص کے ماتحت اس کے اجراء کو تاریخ احمدیت کے اس زمانہ کے ساتھ پیوند کر دیا ہے جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کے دعوئے مصلح موعود کے ماتحت جماعت کے ایک نئے دَور کا حکم رکھتا ہے گویا منجملہ دوسری مبارک تحریکات کے جو اس وقت جماعت کے سامنے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس کالج کو بھی نئے دَور کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بنا دیا ہے اور اس طرح یہ کالج خدا کے فضل سے گویا اپنے جنم کے ساتھ ہی اپنے ساتھ خاص برکت و سعادت کا پیغام لا رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

دوسری خصوصیت اس کالج کو خدا تعالیٰ نے یہ دے دی ہے کہ وہ تاریخ عالم کے لحاظ سے بھی موجودہ جنگ عظیم کے آخری حصہ میں عالم وجود میں آ رہا ہے اور جنگ کا یہ حصہ وہ ہے جبکہ دُنیا کے بہترین سیاسی مدبر دنیا کے بعد الحرب نئے نظام کے متعلق بڑے غور و خوض سے تجویزیں سوچ رہے اور غیر معمولی اقدامات عمل میں لا رہے ہیں۔ اس لحاظ سے ہمارا یہ کالج دو عظیم الشان دینی اور دنیوی تحریکوں کے ساتھ اس طرح مربوط ہو گیا ہے کہ ایک الٰہی جماعت جو ہر امر میں خدائی تقدیر کا ہاتھ دیکھنے کی عادی ہوتی ہے اُسے محض ایک اتفاق قرار دے کر نظر انداز نہیں کر سکتی" [1]

المصلح الموعودؓ کی زبان مبارک سے تعلیم الاسلام کالج کے لئے طلبہ بھجوانے کی تحریک

کالج کی ابتداء چونکہ انتظامی اعتبار سے یکم ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء سے ہو چکی تھی اس لئے سیدنا حضرت المصلح الموعود نے ۵ ہجرت ۱۳۲۳ہش کے خطبہ جمعہ میں احباب جماعت کو توجہ دلائی کہ

"کالج شروع کر دیا گیا ہے۔ پروفیسر بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے مل گئے ہیں۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ چندہ جمع کیا جائے اور لڑکوں کو اس میں تعلیم کے لئے بھجوایا جائے۔ ہر وہ احمدی جس کے شہر میں کالج نہیں وہ اگر اپنے لڑکے کو کسی اَور شہر میں تعلیم کے لئے بھیجتا ہے تو کمزوریٔ

---

[1] "الفضل" ۸ شہادت/اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۲۔

ایمان کا مظاہرہ کرتا ہے۔ بلکہ میں کہوں گا ہر وہ احمدی جو توفیق رکھتا ہے کہ اپنے لڑکے کو تعلیم کے لئے قادیان بھیج سکے خواہ اس کے گھر میں ہی کالج ہو اگر وہ نہیں بھیجتا اور اپنے ہی شہر میں تعلیم دلواتا ہے تو وہ بھی ایمان کی کمزوری کا مظاہرہ کرتا ہے۔" [1]

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا تقرر بحیثیت پرنسپل

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے کالج کمیٹی کی تجویز پر ۷ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا تقرر بطور پرنسپل منظور فرمایا۔

جناب پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد (حال ناظر بیت المال آمد صدر انجمن احمدیہ ربوہ) کا بیان ہے:۔

"۱۹۴۴ء کے ابتدائی ایام میں محترم حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب محترمہ بیگم صاحبہ کے علاج کے سلسلہ میں دہلی مقیم تھے ایک بزرگ نے مجھ سے ذکر کیا کہ ان دنوں تعلیم الاسلام کالج کے انتظامات ہو رہے ہیں اور پرنسپل کے تقرر کا سوال ہے انہیں لکھو کہ وہ اس موقعہ پر یہاں تشریف لے آئیں۔ میں نے ناسمجھی میں آپ کی خدمت میں ایک عریضہ تحریر کر دیا۔ چند دن کے بعد جواب موصول ہوا جس کا مفہوم یہ تھا کہ خالد! تم بچپن سے میرے ساتھ رہے ہو ابھی تک تمہیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ میں نے کبھی کسی عہدہ کی خواہش نہیں کی میں تو ادنیٰ خادم سلسلہ ہوں"

کالج کا پہلا سٹاف

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (پرنسپل و لیکچرار اقتصادیات) کے علاوہ ابتداء میں حسب ذیل اساتذہ کا تقرر عمل میں آیا:۔

۱۔ اخوند محمد عبد القادر صاحب ایم۔اے۔بی۔ٹی [2] (لیکچرار انگریزی)

۲۔ قاضی محمد نذیر صاحب منشی فاضل مولوی فاضل ایف۔اے۔او۔ٹی [3] (لیکچرار فارسی و دینیات)

۳۔ صوفی بشارت الرحمن صاحب ایم۔اے [4] (لیکچرار عربی)

۴۔ رانا عبد الرحمن صاحب ناصر ایم۔اے ریاضی [5] (لیکچرار ریاضی)

---

[1] الفضل ۲۰ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۲-۳

[2] ولادت: ۲۳ جنوری ۱۹۰۷ء، وفات: ۱۳۳۷ ہش/۱۹۵۸ء۔ ۱۲ احسان/جون ۱۳۱۹ ہش/۱۹۴۰ء سے صدر انجمن قادیان کی ملازمت میں آئے۔

[3] ولادت ۳ ستمبر ۱۸۹۷ء۔ یکم مئی ۱۹۳۶ء سے صدر انجمن احمدیہ قادیان کے کارکنوں میں شامل ہوئے۔

[4] ولادت: ۸ دسمبر ۱۹۰۷ء۔ ۱۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۲ ہش/۱۹۴۳ء سے تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ٹیچر کی حیثیت سے خدمت سلسلہ کا آغاز کیا

[5] ولادت ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۶ء۔ ۱۰ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو لیکچرار مقرر ہوئے۔

۵۔ عباس بن عبدالقادر صاحب[۱] (لیکچرار تاریخ)

۶۔ چودھری محمد علی صاحب ایم۔اے[۲] (لیکچرار فلاسفی)

(آپ سے قبل عبدالعزیز صاحب[۳] ایم۔اے چکوالوی فلاسفی کے لیکچرار مقرر تھے جو ۱۰؍ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو انتقال کر گئے جس پر ۲۶؍ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو آپ کا انتخاب ہوا)

۷۔ چوہدری عبدالاحد صاحب ایم۔ایس سی۔پی ایچ ڈی[۴] (لیکچرار کیمسٹری)

اس سٹاف میں وقتاً فوقتاً ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء تک مندرجہ ذیل اساتذہ کا اضافہ ہوا:۔

نام	تاریخ تقرر	مضمون	کیفیت
۱۔ مکرم عطاء الرحمٰن صاحب غنی ایم۔اے	ماہ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء	فزکس	
۲۔ " یحییٰ بن عیسیٰ صاحب بہاری ایم ایس سی	ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء		ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء تک خدمت کرتے رہے
۳۔ " میاں عطاء الرحمٰن صاحب ایم ایس سی	ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء		
۴۔ " چوہدری محمد صفدر صاحب چوہان	ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء		
۵۔ " شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم اے بی ٹی[۵]	"	"	
۶۔ " ملک فیض الرحمٰن صاحب فیضی ایم اے	ماہ اخاء/اکتوبر	"	
۷۔ " حبیب اللہ خان صاحب ایم ایس سی	ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء		اب تک پروفیسر ہیں
۸۔ " سید سلطان محمود صاحب شاہد ایم ایس سی	ماہ وفا/جولائی	"	یحییٰ بن عیسیٰ صاحب کی جگہ پسرور سے کالج میں منتقل ہوئے۔

---

[۱] ولادت: یکم جنوری ۱۹۱۰ء، ۲۸؍ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو لیکچرار مقرر کئے گئے۔

[۲] ولادت: ۱۱؍جنوری ۱۹۲۰ء تقرر: احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء۔

[۳] مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیم صحابی حضرت حافظ محمد امین صاحب کے فرزند تھے۔ سرکاری ملازمت چھوڑ کر خدمت دین کے لئے زندگی وقف کر دی تھی۔ اور قادیان آ گئے تھے۔ ماہنامہ "ریویو آف ریلیجنز" اردو میں "حقانی ایم۔اے" کے قلمی نام سے جو معلومات افزا مضامین اس زمانہ میں شائع ہوئے وہ انہی کے زور قلم کا نتیجہ تھے ("الفضل" ۱۳؍ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۱)۔

[۴] کالج کمیٹی کا فیصلہ یہ تھا کہ "کیمسٹری کے مستقل لیکچرار کے قادیان پہنچنے تک چوہدری عبدالاحد صاحب بطور لیکچرار کیمسٹری تعلیم الاسلام کالج میں کام کریں گے" اس فیصلہ کے مطابق ۱۲؍احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء سے انہوں نے کیمسٹری کی کلاسیں لینا شروع کر دیں یہانتک کہ کیمسٹری کے پہلے لیکچرار پہنچ گئے۔

[۵] یکم جون ۱۹۳۶ء کو صدر انجمن احمدیہ قادیان میں آئے۔ نصرت گرلز ہائی سکول پھر جامعہ احمدیہ اور ہائی سکول میں بہترین تعلیمی فرائض بجا لانے کے بعد کالج سٹاف میں شامل ہوئے۔ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۴۸/۱۹۶۹ کو کالج سے ریٹائر ہو کر ناظر بیت المال آمد کے عہدہ پر ممتاز کئے گئے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا بحیثیت پرنسپل چارج

اگرچہ تعلیم الاسلام کالج کا انتظامی نقطۂ نگاہ سے اجراء ماہ ہجرت / مئی ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کے ابتدائی ایام میں ہو چکا تھا مگر انٹرمیڈیٹ کالج کی صورت میں اس کا باقاعدہ قیام ۲۲ ماہ ہجرت کو ہوا جبکہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے جامعہ احمدیہ کا چارج مولانا ابو العطاء صاحب کو دے کر تعلیم الاسلام کالج کی باگ ڈور سنبھال لی۔ اور ساتھ ہی سکول کی نویں دسویں کی کلاسیں چند دنوں تک کالج کے ساتھ رہنے کے بعد باقاعدہ سکول کے ساتھ ملحق کر دی گئیں اور کالج صرف انٹرمیڈیٹ کالج رہا۔

پہلے پراسپکٹس، داخلہ فارم اور پوسٹر کی اشاعت

کالج کو کامیابی سے جاری کرنے کے لئے اشد ضروری تھا کہ اُسے قادیان کے گرد و نواح میں خصوصاً متعارف کرایا جائے اور اس کی افادیت عوام پر واضح کی جائے۔ کالج کمیٹی نے ابتداء میں یہ ذمہ داری خود ہی اُٹھائی اور نہ صرف اخبار "الفضل" میں کالج سے متعلق متعدد اعلانات شائع کئے گئے بلکہ کالج کے پہلے پراسپکٹس[1] اور داخلہ فارم کے علاوہ "اہالیان ضلع گورداسپور کے لئے ایک خوشخبری" کے عنوان سے ایک پوسٹر بھی شائع کیا اور اُسے ضلع بھر کے ہائی سکولوں کے ہیڈ ماسٹروں اور دیگر معززین تک پہنچانے کا معقول انتظام کیا۔ مقامی تبلیغ کے مبلغوں سے بھی اس کام میں مدد لی گئی۔ اس ابتدائی کوشش کے بعد داخلہ کالج سے متعلق اعلانات اخبار "الفضل"، "ڈان"، "انقلاب" اور دوسرے ملکی اخبارات میں براہ راست پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کی طرف سے بھجوائے جانے لگے۔

طلباء کا انٹرویو

اس سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی طرف سے تعلیم الاسلام کالج سے متعلق پہلا اعلان "الفضل" ۲۴ ہجرت / مئی ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کے صفحہ ۸ کالم ۱ پر شائع ہوا جس میں احباب جماعت کو سیدنا المصلح الموعود کے الفاظ میں کالج کے چندہ اور داخلہ کی اپیل کرنے کے بعد اطلاع دی گئی کہ:-

"ایف اے اور ایف ایس سی نان میڈیکل کے داخلہ کے لئے درخواستیں ۲۷ مئی تک پہنچ جانی چاہئیں۔ انٹرویو کے لئے ۲۹، ۳۰، ۳۱ مئی کی تاریخیں مقرر کی جاتی ہیں"

اس اعلان کے مطابق قادیان اور بیرون جات سے آنے والے طلباء کا انٹرویو ۲۹ ہجرت / مئی ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء سے شروع ہوا جو تین روز جاری رہا۔ انٹرویو میں جملہ موجود الوقت لیکچرار صاحبان نے بصورت بورڈ شرکت

---

[1] پراسپکٹس انگریزی میں تھا جس کا اردو ترجمہ اس کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ منسلک ہے۔ "الفضل ۲۱ ہجرت / مئی ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء" میں اس کے شائع ہونے کی اطلاع ہے۔

کی۔ کالج کی ابتدائی حالت کے پیش نظر یہ خیال رکھا گیا کہ زیادہ سے زیادہ طلبہ کو لیا جائے۔ داخلہ کی آخری تاریخ ۸ احسان/جون مقرر تھی۔ پہلے سال ۸۰ طلبہ نے داخلہ لیا۔

ہائی کلاسز کے دوبارہ سکول کی طرف منتقل ہونے کی وجہ سے کالج کے پاس سکول کی بلڈنگ کے کچھ حصہ کے سوا اور کسی قسم کا کوئی سامان نہ تھی کہ طلبہ کے لئے ڈیسک اور بنچ، پروفیسر صاحبان کے لئے کرسیاں، میزیں، اور کلاس روموں کے لئے بلیک بورڈ تک موجود نہ تھے۔ فوری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے دفتر خدام الاحمدیہ سے دو۲ میزیں، بارہ۱۲ کرسیاں اور ہائی سکول سے ۱۲۰ طلبہ کے لئے نشستوں کا انتظام کیا گیا۔[۱]

فضل عمر ہوسٹل کا قیام

۲۶ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو فضل عمر ہوسٹل کا قیام دارالانوار کے گیسٹ ہاؤس میں ہوا۔[۲] سیدنا المصلح الموعود نے چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے کو اس کا سپرنٹنڈنٹ مقرر فرمایا۔ اس مرکزی دارالاقامہ کی ابتداء انتہائی مختصر صورت میں ہوئی۔ تین کمرے ہوسٹل کے لئے خالی کر دیئے گئے۔ نہ چارپائیاں تھیں نہ باورچی خانہ کا انتظام۔ محلہ والوں سے چارپائیاں مانگی گئیں۔ اور کھانے کا انتظام پہلے مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ ہاؤس میں کیا گیا۔ دو ہفتہ بعد دارالواقفین کے مطبخ کی طرف رجوع کیا گیا۔ اسی اثناء میں حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے بکمال شفقت اپنی کوٹھی بیت الحمد کے کچن کو استعمال میں لانے کی اجازت دی جہاں کھانا باقاعدہ تیار ہونے لگا۔ جب طلبہ کی تعداد اندازہ سے بڑھ گئی تو کالج کمیٹی نے "ترجمۃ القرآن" والا کمرہ بھی خالی کر دیا لیکن اب بھی طالب علموں کی رہائش کا مسئلہ حل نہ ہوا۔ جس پر سیدنا المصلح الموعود کی خدمت بابرکت میں بیت الحمد کے تین کمروں کو زیر استعمال لانے کی درخواست کی گئی جو حضور نے قبول فرمالی۔ اس طرح گو رہائش کی مشکلات پر قابو پا لیا گیا مگر ہوسٹل دو حصوں میں تقسیم ہو جانے سے طلبہ کی تسلی بخش نگرانی میں نمایاں خلل آنے لگا۔ تاہم ہوسٹل کے اکثر و بیشتر طلبہ عموماً نمازوں کی پابندی کرتے اور درس قرآن سنتے تھے۔ نماز مغرب مسجد مبارک میں پڑھتے اور اس کے بعد سیدنا المصلح الموعود کی مجلس علم و عرفان سے مستفیض ہوتے تھے جو روحانی اعتبار سے ان کے لئے سرمایۂ

---

[۱] حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج قادیان نے ۲۰ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو امیرالمومنین حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے حضور کالج کی پہلی رپورٹ ارسال کی۔ یہ معلومات اسی رپورٹ سے ماخوذ ہیں۔

[۲] اسی روز ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے نے پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج کی خدمت میں اطلاع دی کہ "تعلیم الاسلام کالج کمیٹی نے اپنے اجلاس مورخہ ۲۱ ہجرت/مئی ۱۹۴۴ء میں یہ تجویز پاس کی تھی کہ گیسٹ ہاؤس واقع دارالانوار کو تعلیم الاسلام کالج کے ہوسٹل کے طور پر استعمال کیا جائے۔ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ نے کمیٹی کی اس تجویز کو منظور فرما لیا ہے۔ اس لئے آپ متعلقہ افسران سے مل کر اس عمارت کو اپنے زیر انتظام کر لیں" (فائل کالج کمیٹی)

حیات کی حیثیت رکھتی تھی۔ حضرت امیر المومنین کے ارشادات کے پیش نظر اس امر کا التزام کیا جاتا تھا۔ کہ ہوسٹل میں ایسی فضا قائم ہو جائے کہ بجائے اس کے کہ سپرنٹنڈنٹ یا ٹیوٹر طلباء کو ان کی کسی غلط روش یا بے راہروی پر نوٹس لیں لڑکے خود ہی ایک دوسرے کو نصیحت کریں۔ اسی ابتدائی دور میں اردو اور انگریزی تقاریر کی مشق کے لئے فضل عمر ہوسٹل یونین کی نیو ڈالی گئی جس کا باقاعدہ افتتاح حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے فرمایا اور اس کے ابتدائی اجلاسوں میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب بالقابہ، حضرت چوہدری ابو الہاشم خاں صاحب اور حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے بھی خطاب فرمایا۔[۵۱]

انہی دنوں "بزمِ حُسنِ بیان" کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ ہوسٹل یونین کی طرف سے مختلف زبانوں میں ترجمہ قرآن کے لئے وعدے بھجوائے گئے۔ یونین کے اجلاسوں میں زندگی وقف کرنے کی تحریک کی گئی نیز حضرت امیر المومنین کے تازہ ارشادات و فرمودات اور دیگر جماعتی مطالبات طلباء کے سامنے دوہرا کر ان کو لبیک کہنے کی تلقین کی جاتی تھی۔[۵۲] ہوسٹل کے سب سے پہلے ٹیوٹر پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے مقرر ہوئے۔ چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے سپرنٹنڈنٹ فضل عمر ہوسٹل اپنے ایک غیر مطبوعہ بیان (مورخہ ۲۶ نبوت/نومبر ۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء) میں ہوسٹل کے ابتدائی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"ہوسٹل کا قیام گیسٹ ہاؤس دارالانوار والی عمارت میں عمل میں آیا۔ ایک کمرے میں دفتر تھا۔ وہی سٹور تھا۔ وہیں میں رہتا تھا۔ چند روز تو کھانا لنگر سے آیا پھر کھانا ہم خود پکانے لگے۔ ہمارے پہلے باورچی غلام محمد صاحب تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً روزانہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی کوٹھی پیدل مع خادمات تشریف لے جایا کرتی تھیں اور برقعے کے ساتھ چھتری بھی استعمال فرمایا کرتی تھیں۔ دو تین دن تو ہم حجاب میں رہے۔ ایک دن ہمت کر کے راستے میں گیسٹ ہاؤس کے سامنے قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے اور سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ایک ایک کا نام اور پتہ دریافت فرمایا . . . . نیز پوچھا کہ کھانے کا کیا انتظام ہے۔ عرض

۵۱۔ اخبار "الفضل" میں بھی گاہے گاہے اس یونین کی سرگرمیوں کی خبریں شائع ہوتی رہی ہیں۔

۵۲۔ رپورٹ فضل عمر ہوسٹل از ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء تا ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء (نوشتہ چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے) سے ملخصاً۔ اصل رپورٹ تعلیم الاسلام کالج کے ریکارڈ میں موجود ہے۔

کی کہ ابھی تو لنگر خانے سے آتا ہے۔ برتن وغیرہ نہیں خریدے گئے اس لئے پکنا شروع نہیں ہوا۔ اسی دن حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے جو واقعی ہماری اماں جان تھیں اپنے ذاتی برتن ہمارے استعمال کے لئے بھجوا دیئے جن پر نصرت جہاں بیگم کے مبارک اور تاریخی الفاظ کندہ تھے مجھے یاد ہے کہ ان برتنوں میں علاوہ دیگر استعمال کے برتنوں کے ایک پریشر ککر بھی تھا جس کے اندر کئی خانے تھے۔ یہ برتن ہم کافی عرصہ استعمال کرتے رہے . . . ہوسٹل میں ترجمۃ القرآن کا دفتر تھا جہاں حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ باقاعدہ تشریف لاتے۔ گرما کی تعطیلوں کے بعد کالج کھلا تو دفتر "بیت الحمد" میں - - - - - - - - - - - - - - - - - - منتقل ہو گیا۔ طلباء کی آمد آمد ہوئی تو گیسٹ ہاؤس سارے کا سارا خالی ہوا۔ پھر بھی گنجائش نہ رہی تو حضور رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ازراہ شفقت بیت الحمد کے سامنے والے کمرے ہوسٹل کو مرحمت فرما دیئے جہاں طلباء نئے ہوسٹل کے افتتاح تک مقیم رہے۔ یہ سنہ ۱۹۴۴ء ہی کی بات ہے کہ حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے ہوسٹل کا نام فضل عمر ہوسٹل رکھا گیا۔ اس پر بہت سے مبارکباد کے خطوط آئے"

تعلیم الاسلام کالج کا باقاعدہ افتتاح

تعلیم الاسلام کالج قادیان کا باقاعدہ افتتاح ۴ احسان/جون ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کو بوقت ساڑھے سات بجے شام تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی سابق عالیشان عمارت کے وسیع ہال میں ہوا۔[1] تلاوت و نظم کے بعد ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے سکرٹری کالج کمیٹی نے ایک مفصل رپورٹ سنائی جس میں کالج کی تحریک سے لیکر اس کی منظوری تک کے واقعات پر جامع نظر ڈالی اور بتایا کہ گذشتہ سال جب مجھے لاہور بھیجا گیا کہ میں مجوزہ احمدیہ کالج کے قیام کے لئے کوشش کروں تو اس وقت پروگرام یہ تھا کہ جماعت کی موجودہ مالی حالت ایک پورے ڈگری کالج کے عظیم مصارف کا بوجھ برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ اس لئے فی الحال ایک ایسے انٹرمیڈیٹ کالج کے لئے درخواست کی جائے جس میں سکول کی ہائی کلاسز بھی ساتھ ہوں تا ہائی سکول کی عمارت اور ہائی کلاسز کے عملے کے کالج میں شامل ہونے سے بہت سے اخراجات کی بچت ہو جائے مگر "حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تو اگلے سال پورا ڈگری کالج بنا رہے ہیں۔ یہ ہائی کلاسز والا

---

[1] "الفضل" ۷ احسان/جون ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۴۔

چار سالہ انٹرمیڈیٹ کالج تو ہماری ضروریات کے لئے مکتفی نہیں۔ چنانچہ حضور کے تازہ ارشاد کے مطابق بالکل ہی آخری وقت میں کوشش کرنے پر کالج کی موجودہ شکل کی بھی منظوری حاصل ہو گئی"

اس تفصیل کے بعد ملک صاحب موصوف نے کالج کے سٹاف، اس کے نام، موجودہ شکل، نام عمارت اور اغراض و مقاصد کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کر کے بالآخر عرض کیا کہ

"جہاں کالج کے قیام کے کام کو کامیابی کے ساتھ سرانجام دینے میں حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ کی توجہ اور دعائیں کالج کمیٹی کی مددگار رہی ہیں وہاں کالج کمیٹی کے صدر ہمارے مخدوم و محترم حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ الرحمٰن کی حکیمانہ ہدایات اور مشورے بھی اس کی راہ نمائی کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالٰے حضرت صاحبزادہ صاحب کو جزائے خیر دے" [1]

پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج کی رپورٹ

ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے سیکرٹری کالج کمیٹی کے بعد حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے حسب ذیل ضروری کوائف پیش فرمائے:۔

"سیدنا! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

کالج کمیٹی کی ہدایت کے ماتحت خاکسار تعلیم الاسلام کالج کے داخلہ کے متعلق ابتدائی رپورٹ اور کالج کے طریق کار کا ایک مختصر سا ڈھانچہ پیش کرتا ہے:۔

(۱)

اس وقت اللہ تعالٰی کے فضل سے ۵۱ طلبا کالج میں داخل کئے جا چکے ہیں اور ۷ طلبہ کی باہر سے درخواستیں موصول ہوئی ہیں جن میں سے اکثر کے متعلق امید کی جاتی ہے کہ وہ وقت پر یہاں پہنچ جائیں گے۔ اس طرح پر امید ہے کہ انشاء اللہ العزیز کالج میں ۶۰ سے زائد طلباء امسال داخل ہو جائیں گے۔

ان ۵۱ طلبہ میں سے جو اس وقت تک داخل ہو چکے ہیں، ۲۴ نے سائنس لی ہے اور ۲۷ نے آرٹس۔ اور آرٹس میں سے ۲۶ طلبہ نے ہسٹری لی ہے، ۱۶ نے اکنامکس، ۱۳ نے عربی، ۱۳ نے فارسی، ۶ نے فلاسفی، ۶ نے میتھیمیٹکس۔ ان ۵۱ طلبہ میں سے ایک تہائی یعنی ۱۷

---

[1] "الفضل" ۷ احسان / جون ۱۳۲۳ ہش (۱۹۴۴ء) صفحہ ۳ کالم ۲۔

تھرڈ ڈویژن کے ہیں اور قریباً نصف یعنی ۲۴ سیکنڈ ڈویژن کے اور صرف ۱۰ فرسٹ ڈویژن کے
ان طلبہ میں سے ۱۵ وہ ہیں جنہوں نے امسال تی آئی ہائی سکول سے میٹرک پاس کی ہے اور ۲۶ باہر سے
ڈویژن کے نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ داخل ہونے والوں کی اکثریت نے اچھے نمبر نہیں لئے
پس تربیت کے علاوہ تعلیم الاسلام کالج کو ان طلبہ کی تعلیم کی طرف بھی خاص توجہ دینی ہوگی تا ان کی پہلی کوتاہیاں ہمارے نتیجہ پر اثر انداز نہ ہوں۔ انسانی کوششیں اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر ہیچ ہیں۔ اس لئے ہم حضور سے اور بزرگانِ سلسلہ سے دُعا کی درخواست کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہمیں صحیح طریق پر تعلیم و تربیت کی توفیق عطا فرمائے تا ہماری حقیر کوششیں اسے نیک نام کرنے والی ثابت ہوں اور ہمیں حال اور مستقبل میں لسان صدق حاصل ہو۔ اللّٰھم آمین۔

(۲)

تعلیم الاسلام کالج کے قیام کا بڑا مقصد احمدی طلبہ میں مذہبی روح کا پیدا کرنا اور اسلامی تعلیم کا پختگی کے ساتھ قائم کرنا ہے اور ہمارا ارادہ ہے کہ دینیات کے اس نصاب کے علاوہ جو مجلس تعلیم ہمارے لئے مقرر کرے گی طلبہ میں دینی اور مذہبی کتب کے مطالعہ کا شوق پیدا کریں۔ اور اس کی عادت ڈالیں۔ باہر کے بعض کالج مثلاً مشن کالج وغیرہ اپنے مذہب کی تعلیم ہر مذہب والے کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے بھی یہ جائز تو ہے کہ ہم بھی ہر مذہب والے کے لئے یہ ضروری قرار دیں کہ وہ ہماری مذہبی تعلیم کی گھنٹی میں ضرور حاضر ہو۔ لیکن اگر غیروں کا رویہ بھی ہمارے نزدیک غیر مناسب اور قابلِ اعتراض ہو تو پھر ہمیں محض ان کی نقل میں اس گھنٹی میں حاضری لازمی قرار نہیں دینی چاہیئے۔ اس سلسلہ میں حضور کی راہ نمائی کی ضرورت ہے۔ یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس سے شروع شروع میں ہمارے خلاف مخالفوں کو ناواجب پراپیگنڈا کا آلہ نہ مل جائے

(۳)

دماغی نشو و نما کے لحاظ سے کالج میں داخل ہونے والے طلبہ ایک ایسے مقام پر کھڑے ہوتے ہیں کہ جہاں انہیں انگلی پکڑ کے بھی چلایا نہیں جا سکتا کہ انہیں اپنے سہارے چلنا سیکھنا ہوتا ہے اور کلی طور پر بے نگرانی بھی نہیں چھوڑا جا سکتا کہ ہمیشہ کے لئے وہ اخلاقی ہلاکت کے گڑھے میں گر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کے لئے وہ بہترین درمیانی راہ کا انتخاب جیسے صراطِ مستقیم

کہا جا سکتا ہے اور نگرانی اور آزادی کے اس ملاپ کو پالینا جو اُن کی اخلاقی زندگی کو ہمیشہ کے لئے بنا دینے والا ہو ناممکن تو نہیں مگر بہت مشکل ضرور ہے اور ہم حضور ہی سے دُعا اور رہنمائی کی درخواست کرتے ہیں۔

(۴)

فٹ بال، ہاکی، کرکٹ انگریزوں کی قومی کھیلیں ہیں اور چونکہ آجکل انگریز ہم پر حاکم ہیں، اس لئے ہندوستان میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ جب تک تعلیمی اداروں میں ان کھیلوں کو رائج نہ کیا جائے اس وقت تک ہمارے نوجوانوں کی ذہنی و جسمانی صحت کو قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کے برعکس وہ تمام قومیں جو انگریز یا انگریزی خون سے تعلق رکھنے والی ہیں ان کھیلوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتیں اور ان کی زیادہ تر توجہ ATHLETICS کی طرف ہے اور اس وجہ سے ان قوموں کے طلبہ کی صحتوں پر کوئی بُرا اثر نظر نہیں آتا۔ ہمارا ارادہ بھی ATHLETICS کی طرف زیادہ توجہ دینے کا ہے۔ مگر چونکہ بہرحال ہم ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور ہمارے ملک کی ساری تعلیمی درسگاہیں ہاکی، فٹ بال وغیرہ پر زور دیتی ہیں اس لئے حضور کی ہدایت کی ضرورت ہے کہ کیا ہم ہاکی فٹ بال وغیرہ کو کُلیۃً ترک کر دیں یا انہیں جاری تو رکھیں مگر زیادہ اہمیت نہ دیں۔ میرے علم میں ان کھیلوں کو ترک کر دینے پر یونیورسٹی یا محکمہ تعلیم کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

(۵)

دنیا کی بہت سی درسگاہیں اساتذہ اور طلبہ کے لئے کسی خاص لباس کی تعیین کر دیتی ہیں۔ اور تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں میں بھی یہ رواج رہا ہے۔ اس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ طلبہ کی اخلاقی نگرانی زیادہ آسانی سے کی جا سکتی ہے اور ڈسپلن کا قیام بہتر طریق پر ہوتا ہے اگر حضور اسے پسند فرمائیں تو ہمارے لئے بھی کوئی لباس مثلاً کسی خاص قسم کی اچکن اور سلوار مقرر فرمائیں۔

(۶)

طلبہ میں تعلیمی دلچسپی بڑھانے کے لئے مختلف سوسائیٹیز کے قیام کا ارادہ ہے۔ مثلاً (۱) عربک سوسائٹی (۲) پرشین سوسائٹی (۳) فلوسافیکل سوسائٹی (۴) ریلیجس ریسرچ سوسائٹی

(۵) اکنامکس سوسائٹی اور (۶) کالج بزمِ حُسنِ بیان

عام طور پر کالج یونین میں طلبہ کی قوتِ بیان کو بڑھانے کے لئے DEBATES کا طریقہ رائج ہے۔ مگر یہ طریق ہمارے ہاں پسندیدہ نہیں۔ اس لئے انشاء اللہ العزیز ہم کالج کی بزمِ حُسنِ بیان میں DEBATES کے طریق کو ترک کر کے تقریر کے طریق کو رائج کریں گے اور امید ہے کہ ہمارے طلبہ تقریر کے میدان میں محض اس طریق کی وجہ سے دوسروں سے پیچھے نہ رہیں گے۔

نئے سے نئے تعلیمی طریقے اور سکیمیں جن میں سے جدید ترین مسٹر جان سارجنٹ کی رپورٹ ہے پبلک کے سامنے آتے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارا رائج الوقت طریقہ تعلیم تسلی بخش نہیں اور اس امر کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ اس کی بجائے کوئی بہتر طریقہ تعلیم رائج کیا جائے۔ ایک نئی یونیورسٹی ہی کسی نئی سکیم کو رائج کر سکتی ہے اور کوئی کالج جو ایک غیر یونیورسٹی کے ساتھ الحاق رکھتا ہو کسی نئی سکیم کو رائج نہیں کر سکتا۔ پس ہمارے لئے یہ تو ممکن نہیں کہ ہم پنجاب یونیورسٹی کی پالیسی کو چھوڑ کر کسی نئے طریقہ تعلیم کو اپنے کالج میں رائج کریں لیکن ایک غیر یونیورسٹی کے ساتھ الحاق رکھتے ہوئے اور اس کی پالیسی کو اختیار کرتے ہوئے بھی یہ ممکن ہے کہ بعض ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جو طلبہ کی ذہنی نشو و نما میں زیادہ ممد ثابت ہوں مثلاً RESIDENTIAL یونیورسٹیز کی امتیازی خصوصیت طلبہ پر انفرادی توجہ دینی ہے۔

ہمارا ارادہ ہے کہ ہم ان تمام ذرائع کو استعمال کر کے طلبہ کے فطری قویٰ کو صحیح نشو و نما دینے کی کوشش کریں گے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور کی دُعاؤں اور رہنمائی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔

ہم اساتذہ تعلیم الاسلام کالج قادیان " [1]

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کا علم و معرفت سے لبریز خطاب

رپورٹیں پڑھی جا چکیں تو حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کھڑے ہوئے اور تشہّد و تعوّذ اور سُورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد ایک نہایت پُر از علم و معرفت تقریر فرمائی جس میں کالج کے قیام کی اغراض بیان کر کے پروفیسروں اور طالب علموں دونوں کو نہایت اہم اور قیمتی ہدایات دیں۔ اس ایمان

---

[1] "الفضل" قادیان ۷ احسان / جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ و ۴۔

افروز خطاب کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے۔

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے تشہد، تعوذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد ارشاد فرمایا کہ

"یہ تقریب جو تعلیم الاسلام کالج کے افتتاح کی ہے اپنے اندر دو گونہ مقاصد رکھتی ہے ایک مقصد تو اشاعت تعلیم ہے جس کے بغیر تمدنی اور اقتصادی حالت کسی جماعت کی درست نہیں رہ سکتی۔ جہاں تک تعلیمی سوال ہے یہ کالج اپنے دروازے ہر قوم اور ہر مذہب کے لئے کھلے رکھتا ہے کیونکہ تعلیم کا حصول کسی ایک قوم کے لئے نہیں ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم تعلیم کو بحیثیت ایک انسان ہونے کے ہر انسان کے لئے ممکن اور سہل الحصول بنا دیں۔ میں نے لاہور میں ایک دو ایسی انسٹی ٹیوٹ دیکھیں جن کے بانی نے یہ شرط لگا دی تھی کہ ان میں کسی مسلمان کا داخلہ ناجائز ہوگا۔ مجھ سے جب اس بات کا ذکر ہوا تو میں نے کہا اس کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے کہ مسلمان بھی ایسی ہی انسٹی ٹیوٹ قائم کریں اور اس میں یہ واضح کریں کہ اس میں کسی غیر مسلم کا داخلہ ناجائز نہ ہوگا کیونکہ ایک مُسلم کا اخلاقی نقطۂ نگاہ دوسری قوموں سے مختلف ہوتا ہے۔ پس جہاں تک تعلیم کا سوال ہے ہماری پوری کوشش ہوگی کہ ہر مذہب و ملت کے لوگوں کے لئے تعلیم حاصل کرنا آسان ہو۔ اس کالج کے دروازے ہر مذہب و ملت کے لوگوں کے لئے کھلے ہوں اور انہیں ہر ممکن امداد اس انسٹی ٹیوٹ سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے دی جائے۔

دوسرا پہلو اس کا یہ ہے کہ آجکل کی تعلیم بہت سا اثر مذہب پر بھی ڈالتی ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہ غلط اثر ہوتا ہے کیونکہ وہ مذہب کے خلاف ہوتا ہے۔ ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ خدا کا فعل اس کے قول کے خلاف ہوتا ہے نہ ہم یہ ماننے کے لئے تیار ہیں کہ خدا کا قول اس کے فعل کے خلاف ہوتا ہے۔ ہمیں ایک اور ایک دو کی طرح یقین ہے کہ خواہ ہمارے پاس ایسے ذرائع نہ بھی ہوں۔ جن سے ان اعتراضات کا اسی رنگ میں دفعیہ کیا جا سکتا ہو۔ جس رنگ میں وہ اسلام پر کئے جاتے ہیں یا جن علوم کے ذریعہ وہ اعتراضات کئے جاتے ہیں انہی علوم کے ذریعہ اُن اعتراضات کا ردّ کیا جا سکتا ہو۔ پھر بھی یہ یقینی بات ہے کہ جو اعتراضات خدا تعالےٰ کی ہستی پر پڑتے ہیں یا جو اعتراضات خدا تعالیٰ کے رسولوں پر

پڑتے ہیں یا جو اعتراضات اسلام کے بیان کردہ عقاید پر پڑتے ہیں وہ تمام اعتراضات غلط ہیں اور یقیناً کسی غلط استنباط کا نتیجہ ہیں۔ چونکہ اس قسم کے اعتراضات کا مرکز کالج ہوتے ہیں اس لئے ہمارے کالج کے قیام کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ مذہب پر جو اعتراضات مختلف علوم کے ذریعہ کئے جاتے ہیں ان کا انہی علوم کے ذریعہ ردّ کیا جائے اور ہمارے کالج میں جہاں اُن علوم کے پڑھانے پر پروفیسر مقرر ہوں وہاں ان کا ایک یہ کام بھی ہو کہ وہ انہی علوم کے ذریعہ ان اعتراضات کو ردّ کریں اور دُنیا پر ثابت کریں کہ اسلام پر جو اعتراضات ان علوم کے نتیجہ میں کئے جاتے ہیں وہ سرتاپا غلط اور بے بنیاد ہیں۔

پس جہاں دوسرے پروفیسروں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ ان اعتراضات کو زیادہ سے زیادہ قوی کرتے چلے جائیں وہاں ہمارے پروفیسروں کی غرض یہ ہوگی کہ وہ ان اعتراضات کا زیادہ سے زیادہ ردّ کرتے چلے جائیں۔ اب تک ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس سے یہ کام سرانجام دیا جا سکتا۔ انفرادی طور پر ہماری جماعت میں پروفیسر موجود تھے مگر وہ چنداں مفید نہیں ہو سکتے تھے اور نہ ان کے لئے کوئی موقعہ تھا کہ وہ اپنے مقصد اور مدعا کو معتد بہ طور پر حاصل کر سکیں۔ پس جہاں ہمارے کالج کے منتظمین کو اور عملہ کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ غیر مذاہب کے طالب علم جو داخل ہونے کے لئے آئیں ان کے داخلہ میں کوئی ایسی روک نہ ہو جس کے نتیجہ میں وہ اس کالج کی تعلیم سے فائدہ حاصل نہ کر سکیں وہاں منتظمین کو یہ بھی چاہیئے کہ وہ کالج کے پروفیسروں کے ایسے ادارے بنائیں جو اُن مختلف قسم کے اعتراضات کو جو مختلف علوم کے ماتحت اسلام پر کئے جاتے ہیں، جمع کریں اور اپنے طور پر ان کو ردّ کرنے کی کوشش کریں اور ایسے رنگ میں تحقیقات کریں کہ نہ صرف عقلی اور مذہبی طور پر وہ ان اعتراضات کو ردّ کر سکیں بلکہ خود ان علوم سے ہی وہ ان کی تردید کر دیں۔

مَیں نے دیکھا ہے بسا اوقات بعض علوم جو رائج ہوتے ہیں محض ان کی ابتدار کی وجہ سے لوگ ان سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ فوراً کوئی تھیوری نکل آئے تو بغیر اس کا ماحول دیکھنے اور بغیر اس کے مالہٗ اور ماعلیہ پر کافی غور کرنے کے وہ ان سے متاثر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور اسے علمی تحقیق قرار دے دیتے ہیں۔ مثلاً پچھلے سَو سال سے ڈارون تھیوری نے انسانی دماغوں

پر ایسا قبضہ کرلیا تھا کہ گو اس کا مذہب پر حملہ نہیں تھا مگر لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس تھیوری کی وجہ سے تمام مذاہب باطل ہو گئے ہیں کیونکہ ارتقار کا مسئلہ ثابت ہو گیا ہے۔ حالانکہ جس مذہب پر اس تھیوری کا براہ راست حملہ ہو سکتا تھا وہ عیسائیت ہے اسلام پر اس کا کوئی حملہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح جہاں تک خدا تعالیٰ کے وجود کا علمی تعلق ہے ارتقار کے مسئلہ کا مذہب کے خلاف کوئی اثر نہیں تھا۔ صرف انتہائی حد تک پہنچ کر اس مسئلہ کا بعض صفات الٰہیہ کے ساتھ ٹکراؤ نظر آتا تھا اور درحقیقت وہ بھی غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ لیکن ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جب یہ سمجھا جاتا تھا کہ ڈارون تھیوری کے خلاف کوئی بات کہنا عقل اور سائنس پر حملہ کرنا ہے۔ مگر اب ہم دیکھتے ہیں آہستہ آہستہ وہی یوروپ جو کسی زمانہ میں ڈارون تھیوری کا قائل تھا اب اس میں ایک زبردست رَو اس تھیوری کے خلاف چل رہی ہے اور اب اس پر نیا حملہ حساب کی طرف سے ہوا ہے۔ چنانچہ علم حساب کے ماہرین اس طرف آ رہے ہیں کہ یہ تھیوری بالکل غلط ہے۔ مجھے پہلے بھی اس قسم کے رسالے پڑھنے کا موقع ملا تھا مگر گذشتہ دنوں جب میں دہلی گیا تو وہاں مجھے علم حساب کے ایک بہت بڑے ماہر پروفیسر مولر ملے جنہیں پنجاب یونیورسٹی نے بھی پچھلے دنوں لیکچروں کے لئے بُلایا تھا اور ان کے پانچ سات لیکچر ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا تھا کہ علم حساب کی رُو سے یہ قطعی طور پر ثابت کیا جا چکا ہے کہ سُورج اڑتالیس ہزار سال میں اپنے محور کے گرد چکر لگاتا ہے اور جب وہ اپنے اس چکر کو مکمل کرلیتا ہے تو اس وقت مختلف سیاروں سے مل کر اس کی گرمی اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ اس گرمی کے اثر سے کسی وجہ سے اس کے ارد گرد چکر لگانے والے تمام سیارے پگھل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا۔ اگر اڑتالیس ہزار سال میں تمام سیارے سُورج کی گرمی سے پگھل کر راکھ ہو جاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دُنیا کی عمر اس سے زیادہ نہیں ہوتی وہ کہنے لگے بالکل ٹھیک ہے۔ دنیا کی عمر اس سے زیادہ ہرگز نہیں ہو سکتی۔ میں نے کہا ابھی ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ علم قطعی طور پر صحیح ہے لیکن اگر آپ کی رائے کو صحیح تسلیم کرلیا جائے ۔ . . .

. . . . تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ڈارون تھیوری اور جیالوجی کی پُرانی تھیوری بالکل باطل ہے وہ کہنے لگے تقریباً باطل ہیں۔ میں نے کہا علوم کا اتنا بڑا ٹکراؤ آپس میں کس طرح ہو گیا۔ انہوں نے کہا وہ تو علوم ہیں ہی نہیں۔ عقلی ڈھکوسلے ہیں۔

اور ہم جو کچھ کہتے ہیں علم حساب کی رو سے کہتے ہیں۔ بہرحال اب ایک ایسی رو چل پڑی ہے کہ وہ بات جس کے متعلق سَو سال سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کے بغیر علم مکمل ہی نہیں ہو سکتا اب اسی کو رد کرنے والے اور علوم ظاہر ہو رہے ہیں۔ اسی طرح نیوٹن کی تھیوری جو کشش ثقل کے متعلق تھی ایک لمبے عرصے تک قائم رہی۔ مگر اب آئن سٹائن کے نظریہ نے اس کا بہت سا حصہ باطل کر دیا ہے۔

اس سے پتہ لگتا ہے کہ جن باتوں سے دُنیا مرعوب ہو جاتی ہے وہ بسا اوقات محض باطل ہوتی ہیں۔ اور ان کا لوگوں کے دلوں پر اثر نئے علم کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اپنی جہالت اور کم علمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

جب دنیا میں ہمیں یہ حالات نظر آ رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ مسائل جنہوں نے سینکڑوں سال تک دنیا پر حکومت کی ہمارے پروفیسر دلیری سے یہ کوشش نہ کریں کہ بجائے اس کے کہ بعد میں بعض اَور علوم ان کو باطل کر دیں ہماری انسٹی ٹیوٹ پہلے ہی ان کا غلط ہونا ظاہر کر دے اور ثابت کر دے کہ اسلام پر ان علوم کے ذریعہ جو حملے کئے جاتے ہیں وہ درست نہیں ہیں اگر وہ کوشش کریں تو میرے نزدیک ان کا اس کام میں کامیاب ہو جانا کوئی مشکل امر نہیں بلکہ خدا کی مدد سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو دین قائم کیا ہے اس کی مدد سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو روشنی لائے ہیں اس کی مدد سے اور احمدیت نے جو ماحول پیدا کیا ہے اس کی مدد سے وہ بہت جلد اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور جو کام اَور لوگوں سے دس گُنا عرصہ میں بھی نہیں ہو سکتا وہ ہمارے پروفیسر قلیل سے قلیل مدّت میں سر انجام دے سکتے ہیں۔

پس میری غرض کالج کے قیام سے ایک یہ بھی ہے کہ ہمیں ایک ایسا مرکز مل جائے جس میں ہم بیج کے طور پر ان تمام باتوں کو قائم کر دیں تاکہ آہستہ آہستہ اس بیج کے ذریعہ ایک ایسا درخت قائم ہو جائے، ایک ایسا نظام قائم ہو جائے، ایک ایسا ماحول قائم ہو جائے جو اسلام کی مدد کرنے والا ہو جیسے یوروپین نظام اسلام کے خلاف حملہ کرنے کے لئے دنیا میں قائم ہے۔

پس ہمارے کالج کے منتظمین کو مختلف علوم کے پروفیسروں کی ایسی سوسائٹیاں قائم کرنی چاہئیں جن کی غرض یہ ہو کہ اسلام اور احمدیت کے خلاف بڑے بڑے علوم کے ذریعہ جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا دفعیہ انہی علوم کے ذریعہ کریں۔ اور اگر وہ دیکھیں کہ موجودہ علوم کی مدد سے

ان کا دفعیہ نہیں کیا جا سکتا تو پھر وہ پوائنٹ نوٹ کریں کہ کون کونسی ایسی باتیں ہیں جو موجودہ علوم سے حل نہیں ہوتیں اور نہ صرف خود ان پر غور کریں بلکہ کالج کے بالمقابل چونکہ ایک سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ[۱] بھی قائم کی گئی ہے اس لئے وہ پوائنٹ نوٹ کر کے اس انسٹی ٹیوٹ کو بھجواتے رہیں اور انہیں کہیں کہ تم بھی ان باتوں پر غور کرو اور ہماری مدد کرو کہ کس طرح اسلام کے مطابق ہم ان کی تشریح کر سکتے ہیں۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اسلام ان باتوں کا محتاج نہیں۔ اسلام وہ مذہب ہے جس کا مدار ایک زندہ خدا پر ہے پس وہ سائنس کی تحقیقات کا محتاج نہیں۔ مثلاً وہی پروفیسر مولر جن کا مَیں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ جب مجھے ملے تو انہوں نے بتایا کہ وہ اور نیویارک کے بعض اور پروفیسر بھی تحقیقات کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس ساری یونیورس کا ایک مرکز ہے۔ اس مرکز کا انہوں نے نام بھی لیا تھا جو مجھے صحیح طور پر یاد نہیں رہا۔ انہوں نے بتایا کہ سارے نظامِ عالَم کا فلاں مرکز ہے جس کے گرد یہ سُورج اور اس کے علاوہ اور لاکھوں کروڑوں سورج چکّر لگا رہے ہیں اور انہوں نے کہا۔ میری تھیوری یہ ہے کہ یہی مرکز خدا ہے۔ گویا اس تحقیق کے ذریعہ ہم خدا کے بھی قائل ہیں۔ یہ نہیں کہ ہم دہریت کی طرف مائل ہو گئے ہوں۔ پہلے سائنس خدا تعالیٰ کے وجود کو رَدّ کرتی تھی مگر اب ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ اس سارے نظام کا ایک مرکز ہے جو حکومت کر رہا ہے اور وہی مرکز خدا ہے۔ مَیں نے کہا۔ نظامِ عالم کے ایک مرکز کے متعلق آپ کی جو تحقیق ہے مجھے اس پر اعتراض نہیں۔ قرآن کریم سے بھی ثابت ہے کہ دُنیا ایک نظام کے ماتحت ہے اور اس کا ایک مرکز ہے۔ مگر آپ کا یہ کہنا کہ وہی مرکز خدا ہے درست نہیں۔ مَیں نے ان سے کہا مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہامات نازل ہوتے ہیں اور کئی ایسی باتیں ہیں جو اپنے کلام اور الہام کے ذریعہ وہ مجھے قبل از وقت بتا دیتا ہے۔ آپ بتائیں کہ کیا آپ جس مرکز کو خدا کہتے ہیں وہ بھی کسی پر الہام نازل کر سکتا ہے۔ وہ کہنے لگے۔ الہام تو نازل نہیں کر سکتا مَیں نے کہا تو پھر مَیں کس طرح تسلیم کر لوں کہ وہی مرکز خدا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اس بات کا علم ہے کہ خدا مجھ سے باتیں کرتا ہے اور وہ باتیں اپنے وقت پر پُوری ہو جاتی ہیں۔ کوئی بات چھ مہینے کے

---

[۱] اس کا ذکر آگے آرہا ہے (مرتب)

بعد پوری ہو جاتی ہے، کوئی سال کے بعد پوری ہو جاتی ہے، کوئی دو سال کے بعد پوری ہو جاتی ہے اور اس طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ مجھ پر جو الہام نازل ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ پھر مَیں نے انہیں مثال دی اور کہا آپ مجھے بتائیں۔ کیا آپ کا وہ کرہ جسے آپ خدا قرار دیتے ہیں کسی کو یہ بتا سکتا ہے کہ امریکہ کی طرف سے انگلستان کی مدد کے لئے اٹھائیس سو ہوائی جہاز بھجوایا جائے گا۔ وہ کہنے لگے۔ اس کُرہ سے تو کوئی ایسی بات کسی کو نہیں بتائی جا سکتی۔ مَیں نے کہا تو پھر ماننا پڑے گا کہ اس کُرے اور اسی طرح اَور کُروں کا خدا کوئی اَور ہے یہ خود اپنی ذات میں خدا نہیں ہیں کیونکہ آپ تسلیم کرتے ہیں کہ اس مرکز کے ذریعہ کسی کو کوئی خبر قبل از وقت نہیں پہنچ سکتی۔ لیکن مَیں اپنے تجربہ سے جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام انسان پر نازل ہوتا ہے جو کئی قسم کی غیب کی خبروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پس آپ بیشک اس مرکز کو ہی خدا مان لیں لیکن ہم تو ایک علیم وخبیر ہستی کو خدا کہتے ہیں۔ اس کے اندر قدرت بھی ہوتی ہے۔ اس کے اندر جلال بھی ہوتا ہے، اس کے اندر جمال بھی ہوتا ہے۔ اس کے اندر علم بھی ہوتا ہے، اس کے اندر حکمت بھی ہوتی ہے۔ اس کے اندر بسط کی صفت بھی ہوتی ہے۔ اس کے اندر مُحی ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے، اس کے اندر مُمیت ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے۔ اس کے اندر حلیم ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے، اس کے اندر مہیمن ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے۔ اس کے اندر واسع ہونے کی صفت بھی ہوتی ہے۔ غرض بیسیوں قسم کی صفات ہیں جو اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح اس کا نور ہونا، اس کا وہّاب ہونا، اس کا شکور ہونا، اس کا غفور ہونا اس کا رحیم ہونا، اس کا ودود ہونا، اس کا کریم ہونا، اس کا ستّار ہونا اور اسی طرح اور کئی صفات کا اس کے اندر پایا جانا ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کیا یہ صفات اس مرکز میں بھی پائی جاتی ہیں جس کو آپ خدا کہتے ہیں؟ جب ایک طرف اس کے اندر یہ صفات نہیں پائی جاتیں اور دوسری طرف ہم پر ایک ایسی ہستی کی طرف سے الہام نازل ہوتا ہے جس میں یہ تمام صفات پائی جاتی ہیں جو اپنی ان صفات کو اپنے کلام کے ذریعہ دنیا پر ظاہر کرتا ہے اور باوجود اس کے کہ ساری دنیا مخالفت کرتی ہے پھر بھی اس کا کلام پورا ہو جاتا ہے اور جو کچھ اس نے کہا ہوتا ہے وہی کچھ دنیا کو دیکھنا پڑتا ہے تو اس ذاتی مشاہدہ کے بعد ہم آپ کی تھیوری کو کس طرح

مان سکتے ہیں؟ اس پر وہ کہنے لگا۔ اگر یہ باتیں درست ہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ یہ تھیوری باطل ہے۔ اس کلام کے ہوتے ہوئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی ایسا خدا نہیں جس کے تابع یہ تمام مرکز ہو۔

تو مذہب کے لحاظ سے ہم ان چیزوں کے محتاج نہیں ہیں۔ ہمارے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہم سائنس کے علوم کی مدد سے خدا تعالیٰ کو حاصل کریں۔ خدا بغیر سائنس کے بھی انسان کو مل جاتا ہے۔ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہی دیکھ لو۔ آپ نے نہ فلسفہ پڑھا نہ سائنس پڑھی نہ حساب پڑھا نہ کوئی اور علم سیکھا۔ مگر پھر خدا آپ سے اس طرح بولا کہ آجتک نہ کسی سائنسدان کو وہ نعمت نصیب ہوئی ہے نہ کسی حساب دان کو وہ نعمت نصیب ہوئی ہے نہ کسی فلسفی کو وہ نعمت نصیب ہوئی ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے بھی نہ یہ فلسفہ پڑھا۔ نہ یہ سائنس پڑھی نہ یہ حساب پڑھا۔ لیکن جس رنگ میں خدا نے آپ سے کلام کیا وہ نہ کسی فلسفہ والے کو نصیب ہوا نہ کسی سائنس والے کو نصیب ہوا نہ کسی حساب والے کو نصیب ہوا۔ اسی طرح اب میرے ساتھ جس طرح خدا متواتر کلام کرتا اور اپنے غیب کی خبریں مجھ پر ظاہر فرماتا ہے یہ نہ سائنس کا نتیجہ ہے نہ فلسفے کا نتیجہ ہے نہ حساب کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ میں نے نہ سائنس پڑھی ہے نہ فلسفہ پڑھا ہے نہ حساب پڑھا ہے۔ تو ہمیں کسی سائنس یا فلسفہ یا حساب کی مدد کی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ لوگ جو دن رات ان علوم میں محو رہتے ہیں ان میں سے بھی ایک طبقہ ایسا ہے کہ اگر ہم اس کے سامنے اپنے الہامات پیش کریں اور وہ ان پر غور کرے تو ہمیں امید ہے کہ وہ سمجھ جائے گا۔ جیسے یہ پروفیسر مُولر جب میرے پاس آیا اور میں نے اس سے سنجیدگی کے ساتھ باتیں کیں تو وہ حقیقت کو سمجھ گیا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ واقعہ میں مجھے قبل از وقت الہام کے ذریعہ کئی خبریں دی گئی تھیں جو اپنے وقت پر پُوری ہوئیں۔ اس وجہ سے اس کی راہ میں مشکلات تھیں۔ لیکن اس نے اتنا ضرور تسلیم کر لیا کہ اگر الہام ثابت ہو جائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ جس تھیوری کو میں پیش کرتا ہوں وہ غلط ہے۔ جب اس نے الہام کا امکان تسلیم کرتے ہوئے اپنی تھیوری کو غلط مان لیا تو وہ جن کے سامنے الہام پورے ہوتے ہیں وہ ایسی تھیوری کو کب مان سکتے ہیں۔ وہ تو ایسے ہی خدا کو مان سکتے ہیں جو قادر ہے، کریم ہے، رحیم ہے، عزیز ہے،

سمیع ہے، مجیب ہے، حفیظ ہے۔ اسی طرح اور کئی صفات حسنہ کا مالک ہے۔ اپنی آنکھوں دیکھی چیز کو کون ردّ کر سکتا ہے۔

تو سائنس بھی اور فلسفہ بھی اور حساب بھی جہانتک خدا کا تعلق ہے ایک تھیوری سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کو ماننے والا کہہ سکتا ہے کہ شاید یہ غلط ہوں شاید یہ صحیح ہوں۔ اسے قطعی اور یقینی وثوق ان علوم کی سچائی پر نہیں ہو سکتا لیکن ہمیں خدا تعالےٰ کی ذات پر جو یقین ہے وہ ہر قسم کے شبہات سے بالا تر ہے۔ وہ یقین ایسا ہی ہے جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے خدا میں سورج کا انکار کر سکتا ہوں۔ میں اپنے وجود کا انکار کر سکتا ہوں، مگر جس طرح تو مجھ پر ظاہر ہوا ہے۔ میں اس کا کبھی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ وہ یقین ہے جو خدا پر ایمان لانے والوں کو حاصل ہوتا ہے مگر کیا ایسا یقین کسی سائنسدان کو اپنے کسی سائنس کے مسئلہ کی سچائی پر ہو سکتا ہے۔ یا کب ایسا یقین کسی حساب دان کو اپنے حساب کے کسی مسئلہ کی سچائی پر ہو سکتا ہے۔ پہلے سمجھا جاتا تھا کہ حساب قطعی اور یقینی چیز ہے مگر اب نئی دریافتیں ایسی ہوئی ہیں جن کی وجہ سے حساب کے متعلق بھی شبہات پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ مگر حساب سے عام سودے والا حساب مراد نہیں۔ بلکہ وہ حساب مراد ہے جو فلسفہ کی حد تک پہنچا ہوا ہے اور فلسفہ خود مشکوک ہوتا ہے۔ ہر زمانہ میں جو فلاسفر ظاہر ہوتا ہے ان علوم کا انکار کرنے والا علوم جدیدہ کا منکر قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن ابھی پچاس ساٹھ سال نہیں گذرتے کہ ایک اَور فلسفی کھڑا ہو جاتا ہے جو اس پہلے فلاسفر کی تحقیق کو غلط قرار دے دیتا اور نئے نظریات پیش کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس وقت جو لوگ اس کے نظریات کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں لوگ ان کے متعلق یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ وہ علوم جدیدہ کے منکر ہیں مگر پچاس ساٹھ سال نہیں گذرتے کہ ایک اَور فلاسفر اس تحقیق کو قدیم تحقیق قرار دے کر ایک نئی تحقیق لوگوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے اور پہلی تحقیق کو غلط قرار دے دیتا ہے۔ کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ خدا کا وجود بھی غلط قرار دیا گیا ہو یا کبھی کوئی نبی ایسا کھڑا ہوا ہو جس نے کہا ہو کہ خدا کے متعلق لوگوں کے دلوں میں جو خیال پایا جاتا تھا وہ موجودہ تحقیق نے غلط ثابت کر دیا ہے۔ آدم سے لے کر اب تک ہمیشہ ایسے وجود آتے رہے ہیں جنہوں نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے دنیا کے سامنے یہ حقیقت پیش کی کہ اس

دُنیا کا ایک خدا ہے۔ پھر دلائل و براہین سے اس کے وجود کو ایسا ثابت کیا کہ دنیا ان دلائل کا انکار نہ کر سکی۔ انہوں نے کہا کہ ہم خدا کی طرف سے کھڑے ہوئے ہیں اور خدا کی ہستی کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ہمیں کامیاب کرے گا۔ چنانچہ دُنیا نے ان کی مخالفت کی مگر خدا نے ان کو کامیاب کرکے دکھا دیا اور اس طرح ثابت کر دیا کہ اس عالَم کا حقیقتاً ایک قادر و مقتدر خدا ہے جو اپنے پیاروں سے کلام کرتا اور مخالف حالات میں ان کو کامیاب کرتا ہے۔ پس خدا کے وجود پر انبیاء کی متفقہ گواہی ایک قطعی اور یقینی شہادت ہے جو اس کی ہستی کو ثابت کر رہی ہے۔ آجتک کوئی نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا جس نے اپنے سے پہلے آنے والے نبی کی تردید کی ہو۔ ہر سائنسدان پہلے سائنسدان کی تردید کرتا ہے۔ ہر فلاسفر پہلے فلاسفر کی تردید کرتا ہے۔ ہر حساب دان پہلے حساب دان کی تردید کرتا ہے۔ مگر انبیاء کا وجود ایسا ہے کہ ہر نبی جو دُنیا میں آتا ہے وہ اپنے سے پہلے آنے والے انبیاء کی تصدیق ہی کرتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ اُن کی تردید کرے۔ وہ ان کی لائی ہوئی صداقتوں کو باطل ثابت کرے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں پیش کیا تھا جسے عیسائیوں نے غلطی سے نہ سمجھا اور اعتراض کر دیا کہ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ یعنی دنیا میں ایک ہی سلسلہ ہے جس میں ہر آنے والا اپنے سے پہلے کی تصدیق کرتا ہے اس کی تکذیب اور تردید نہیں کرتا۔ آدم سے لے کر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے لے کر مسیح موعودؑ تک ایک نبی بھی ایسا نہیں دکھایا جا سکتا جس نے پہلے انبیاء اور ان کی لائی ہوئی صداقتوں کا انکار کیا ہو بلکہ وہ ہمیشہ پہلوں کی تصدیق کرتا ہے لیکن دوسرے تمام علوم چونکہ ظنّی ہیں، وہمی اور خیالی ہیں اس لئے ہر نئی سائنس پہلی سائنس کی تردید کرتی ہے اور ہر نیا فلسفہ پہلے فلسفہ کی تردید کرتا ہے، ہر نیا حساب پہلے حساب کی تردید کرتا ہے۔ بیشک انبیاء کی تعلیمیں منسوخ بھی ہوتی ہیں۔ مگر منسوخ ہونا اَور چیز ہے، اور اُن تعلیموں کو غلط قرار دینا اَور چیز ہے۔ فلسفہ والے کہتے ہیں کہ فلاں زمانہ میں جو فلسفی گذرا تھا اس کا فلسفہ غلط تھا کیونکہ نئی تحقیقات نے اس کو باطل ثابت کر دیا ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں پہلے سائنسدانوں نے غلطی کی۔ انہوں نے فلاں فلاں مسائل بالکل غلط بیان کئے تھے۔ اسی طرح علم حساب کی تحقیق ہوتی ہے۔ حساب دان یہ کہتے ہیں کہ فلاں حساب دان نے یہ غلطی کی

تھی اور فلاں حساب دان نے وہ غلطی کی تھی۔ لیکن دنیا میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی نبی مبعوث ہوا ہو اور اس نے یہ کہا ہو کہ فلاں نبی نے غلط بات کہی تھی۔ انبیاء سابقین کی تعلیمیں بیشک منسوخ ہوتی رہی ہیں مگر منسوخ ہونے کے یہ معنے نہیں تھے کہ وہ تعلیمیں غلط تھیں۔ اُن تعلیموں کے منسوخ ہونے کا صرف اتنا مفہوم ہے کہ وہ تعلیمیں اُس زمانہ کے لئے تھیں بعد کے زمانہ کے لئے نہیں تھیں۔

پس ہمیں ذاتی طور پر اس بات کی ضرورت نہیں کہ ہم سائنس اور فلسفہ اور حساب اور دوسرے علوم کے ذریعہ اسلام کی صداقت ثابت کریں۔ اسلام ان سب سے بالا ہے۔ لیکن چونکہ دنیا میں کچھ لوگ ان وہموں میں مبتلا ہیں اور وہ ان علوم کے رُعب کی وجہ سے اسلام کی تائید میں اپنی آواز بلند نہیں کر سکتے اس لئے ان کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے ضروری ہے کہ ہم ایسے مرکز کھولیں اور ان کی زبان میں ان سے باتیں کرنے کی کوشش کریں اور انہیں بتائیں کہ علوم جدیدہ کی نئی تحقیقاتیں بھی اسلام کی مؤید ہیں۔ اسلام کی تردید کرنے والی اور اس کو غلط ثابت کرنے والی نہیں ہیں۔ یہ کام ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ چونکہ یہ نیا کام ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہمیں اس کام میں دقتیں پیش آئیں۔ لیکن ایک وقت آئے گا جب آہستہ آہستہ ان علوم کے ذریعہ بھی اسلام کی صداقت دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائے گی اور لوگ محسوس کریں گے کہ علوم خواہ کس قدر بڑھ جائیں، سائنس خواہ کس قدر ترقی کر جائے اسلام کے کسی مسئلہ پر زد نہیں پڑ سکتی۔ دُنیا میں ہمیشہ دشمن کے قلعہ پر پہلے گولہ باری کی جاتی ہے اور یہ گولہ باری فوج کا بہت بڑا کام ہوتا ہے۔ لیکن جب گولہ باری کرتے کرتے قلعہ میں سوراخ ہو جاتا ہے تو فوج اس سرعت سے بڑھتی ہے کہ دشمن کے لئے ہتھیار ڈال دینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ ہم نے بھی کفر کے مقابلہ میں ایک بنیاد رکھی ہے اور ہماری مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے پرانے زمانہ کی منجنیقیں اپنے ہاتھ میں لے کر کوئی شخص موجودہ زمانہ کے مضبوط ترین قلعوں کو سَر کرنے کی کوشش کرے یا غلیلوں سے دشمن کو شکست دینے کا ارادہ کرے۔ ہم کو بھی جب دیکھنے والا دیکھتا ہے تو کہتا ہے یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ وہ عظیم الشان قلعے جو کنکریٹ کے بنے ہوئے ہیں جن کی تعمیر میں بڑے بڑے قیمتی مصالحے صرف ہوئے

ہیں جن کو ایلیون پونڈر گنز (ELEVEN POUNDER GUNS) اور سیون ٹی فائیو ملی میٹر گنز (SEVENTY FIVE M-M GUNS) بمشکل سر کر سکتی ہیں۔ ان قلعوں کو وہ ان پتھروں یا غلیلوں سے کس طرح توڑ سکیں گے۔ مگر جو خدا کی طرف سے کام ہوتے ہیں وہ اسی طرح ہوتے ہیں۔ پہلے دنیا ان کو دیکھتی ہے اور کہتی ہے ایسا ہونا ناممکن ہے۔ مگر پھر ایک دن ایسا آتا ہے جب وہی دُنیا کہتی ہے اس کام نے تو ہونا ہی تھا کیونکہ حالات ہی ایسے پیدا ہو چکے تھے۔ جب محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آئے تو لوگوں نے اس وقت یہی کہا کہ ان دعووں کا پورا ہونا ناممکن ہے۔ انہوں نے آپ کو مجنون کہا۔ انہوں نے آپ کے متعلق یہ کہا۔ اس شخص پر نعوذ باللہ ہمارے بُتوں کی لعنت پڑ گئی ہے۔ مگر آج یُورپ کے مصنّفوں کی کتابیں پڑھ کر دیکھ لو۔ وہ کہتے ہیں اگر مسلمانوں کے مقابلہ میں قیصر کی حکومت کو شکست ہو گئی۔ اگر مسلمانوں کے مقابلہ میں کسریٰ کی حکومت کو شکست ہو گئی۔ اگر مسلمانوں کے مقابلہ میں دنیا کی قوم نہیں ٹھہر سکی تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں وہ زمانہ ہی ایسا تھا اور اس وقت حالات ہی ایسے پیدا ہو چکے تھے جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تائید میں تھے۔

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو آپ کے دعوےٰ کو پاگل پن اور جنون سمجھا جاتا تھا۔ مگر آج یہ کہا جاتا ہے کہ اگر آپ کے دعوےٰ کو لوگوں نے تسلیم کر لیا تو اس میں کون سی عجیب بات ہے۔ زمانہ کے حالات اس دعویٰ کے مطابق تھے اور لوگوں کی طبائع آپ کے عقائد کو تسلیم کرنے کے لئے پہلے ہی تیار ہو چکی تھیں۔ یہی احمدیت کا حال ہے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ کیا لوگ کہتے تھے کہ ناممکن ہے کہ یہ شخص دنیا پر فتح حاصل کر سکے۔ یہ اپنی آئی آپ مر جائے گا۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی تک نے یہ کہہ دیا کہ مَیں نے ہی اس شخص کو بڑھایا تھا اور اب مَیں ہی اس کو گراؤں گا (اشاعۃ السنّہ جلد ۱۳ عہ ۱ صفحہ ۱۸۹۰ء) مگر آپ کے سلسلہ کو دن بدن ترقی ہوتی چلی گئی۔ یہانتک کہ وہ شخص جسے قادیان میں بھی لوگ اچھی طرح نہیں جانتے تھے۔ اس کی جماعت پہلے پنجاب کے مختلف حلقوں میں پھیلنی شروع ہوئی۔ پھر پنجاب سے بڑھی اور افغانستان میں گئی، بنگال میں گئی، بمبئی میں گئی، مدراس میں گئی، یو۔پی میں گئی، سندھ میں گئی، بہار میں گئی، اڑیسہ میں گئی، سی۔پی میں گئی، آسام میں گئی اور پھر اس سے بڑھ کر بیرونی ممالک میں پھیلنی شروع

ہوئی چنانچہ انگلستان میں احمدیت پھیلی۔ جرمنی میں احمدیت پھیلی، ہنگری میں احمدیت پھیلی، امریکہ میں احمدیت پھیلی۔ ارجنٹائن میں احمدیت پھیلی، یوگوسلاویہ میں احمدیت پھیلی، البانیہ میں احمدیت پھیلی، پولینڈ میں احمدیت پھیلی۔ زیکوسلوویکیا میں احمدیت پھیلی، سیرالیون میں احمدیت پھیلی، گولڈ کوسٹ میں احمدیت پھیلی، نائیجیریا میں احمدیت پھیلی، مصر میں احمدیت پھیلی، مشرقی افریقہ میں احمدیت پھیلی، ماریشس میں احمدیت پھیلی، فلسطین میں احمدیت پھیلی، شام میں احمدیت پھیلی، رُوس میں احمدیت پھیلی، کاشغر میں احمدیت پھیلی، ایران میں احمدیت پھیلی، سٹریٹ سیٹلمنٹس میں احمدیت پھیلی، جاوا میں احمدیت پھیلی، ملایا میں احمدیت پھیلی، چین میں احمدیت پھیلی، جاپان میں احمدیت پھیلی۔ غرض دُنیا کے کناروں تک احمدیت پہنچی اور پھیلی۔ اور لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ دُنیا میں کچھ پاگل لوگ بھی ہوتے ہیں۔ اگر چند پاگلوں نے احمدیت کو مان لیا ہے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ مگر ابھی زیادہ زمانہ نہیں گذرے گا کہ دنیا میں احمدیت کی ایسی مضبوط بنیاد قائم ہو جائے گی کہ یہ نہیں کہا جائے گا کہ احمدیت کی فتح کی امید ایک مجنونانہ خیال ہے بلکہ کہا جائے گا کہ احمدیت کو مار دینے کا خیال ایک مجنونانہ خیال ہے۔ وہ دن دُور نہیں کہ وہی لوگ جو آج احمدیت کی ترقی کو ایک ناممکن چیز قرار دے رہے ہیں جب اپنی آنکھوں سے دیکھینگے کہ احمدیت ترقی کر گئی ہے، احمدیت ساری دنیا پر چھا گئی ہے، احمدیت نے روحانی لحاظ سے ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے تو وہی لوگ کہیں گے احمدیت کی کامیابی اور اس کی فتح کوئی معجزہ نہیں۔ اگر احمدیت فتحیاب نہ ہوتی تو کیا ہوتا۔ اُس وقت یورپ اتنا مضمحل ہو چکا تھا۔ اُس وقت انسانی دماغ اتنا پراگندہ ہو چکا تھا۔ اس وقت سائنس اپنی حد بندیوں کو توڑ کر اسی طرح کا ایک فلسفہ بن چکی تھی کہ اگر احمدیت نے فتح پائی تو یہ کوئی معجزہ نہیں۔ اس وقت کے حالات ہی اس فتح کو پیدا کر رہے تھے۔

پس یہ بیج جو ہم بو رہے ہیں ہم جانتے ہیں کہ یہ دُنیا میں پھَیل کر رہے گا۔ ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم امید رکھتے ہیں کہ یہ بیج پھیل جائے گا۔ ہمیں یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ ہمارا خیال ہے کہ یہ بیج کبھی ضائع نہیں ہوگا۔ ہم خدا کی طرف سے مانتے ہیں اور اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ یہ بیج ایسا ہے جس میں سے ایک دن ایسا تناور درخت پیدا ہونے والا

ہے جس کے سایہ میں بیٹھنے کے لئے لوگ مجبور ہوں گے اور اگر وہ نہیں بیٹھیں گے تو تپتی دھوپ میں وہ اپنے دماغوں کو جھلسائیں گے اور انہیں دُنیا میں کہیں آرام کی جگہ نہیں ملے گی۔

پس ہم جانتے ہیں کہ جس راستہ کو ہم نے اختیار کیا ہے وہ ضرور ہمیں کامیابی تک پہنچانے والا ہے کسی خیال کے ماتحت نہیں۔ کسی وہم اور گمان کے ماتحت نہیں بلکہ اس علیم و خبیر ہستی کے بتانے کی وجہ سے یہ یقین ہمیں حاصل ہوا ہے جو کبھی جھوٹ نہیں بولتی جس کی بتائی ہوئی بات کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں پر اعتبار کر کے ہم نے انہیں اس کالج میں پروفیسر مقرر کیا ہے اُن میں سے بعض نا اہل ثابت ہوں۔ مگر اُن کے نا اہل ثابت ہونے کی وجہ سے اس کام میں کوئی نقص واقعہ نہیں ہو سکتا۔ جس طرح دریا کے دھارے کے سامنے پتھر آ جائے تو وہ بہہ جاتا ہے مگر دریا کے دھارے کو وہ روک نہیں سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص غلط کام کرتا ہے یا اپنے کام کے لئے کوئی غلط طریق اختیار کرتا ہے، وہ احمدیت کے دریا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ وہ اپنی تباہی کے آپ سامان پیدا کرتا ہے۔ وہ مٹ جائے گا، مگر جس دریا کو خدا نے چلایا ہے، جس کی حفاظت کے لئے اس نے اپنے فرشتوں کو آپ مقرر کیا ہے دُنیا کی کوئی طاقت اس کے بہاؤ کو روک نہیں سکتی خواہ وہ یورپ کی ہو خواہ وہ امریکہ کی ہو خواہ وہ ایشیاء کی ہو اور خواہ وہ دُنیا کے کسی اَور ملک کی ہو۔ ہمیں نظر آ رہا ہے کہ خدا تعالےٰ کے فرشتے یورپ میں بھی اُتر رہے ہیں، امریکہ میں بھی اُتر رہے ہیں، ایشیا میں بھی اُتر رہے ہیں اور ہر شخص جو اس مشن کا مقابلہ کرتا ہے، ہر شخص جو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغام کو ردّ کرتا ہے وہ اپنی ہلاکت کے آپ سامان کرتا ہے۔ آج اور کل اور پرسوں اور اترسوں دن گذرتے چلے جائیں گے۔ زمانہ بدلتا چلا جائے گا، انقلاب بڑھتا چلا جائے گا اور تغیر وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔ روز بروز اس سلسلہ کی راہ سے روکیں دُور ہوتی جائیں گی روز بروز یہ دریا زیادہ سے زیادہ فراخ ہوتا چلا جائے گا۔ دریا کے دہانہ کے پاس ہمیشہ چھوٹے چھوٹے نالے ہوتے ہیں جن پر سے ہر شخص آسانی سے کُود کر گذر سکتا ہے۔ مَیں نے خود جہلم کے دہانہ کے پاس ایسے نالے دیکھے ہیں اور مَیں خود بھی اُن نالوں پر سے کُود کر گذرا ہوں۔ مگر آہستہ آہستہ دریا ایسا وسیع ہوتا جاتا ہے کہ بڑے بڑے گاؤں اور بڑے بڑے شہر بہا کر لے

جاتا ہے۔ اسی طرح ابھی ہم دریا کے دہانہ کے قریب ہیں۔ ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جب لوگ ہماری جماعت کے متعلق سمجھتے تھے کہ یہ ایک نالے کی طرح ہے جو شخص چاہے اس پر سے کود کر گذر جائے مگر اب ہم ایک نہر کی طرح بن چکے ہیں۔ لیکن ایک دن آئے گا جب دُنیا کے بڑے سے بڑے دریا کی وسعت بھی اس کے مقابلہ میں حقیر ہو جائے گی۔ جب اس کا پھیلاؤ اتنا وسیع ہو جائے گا جب اس کا بہاؤ اتنی شدت کا ہو گا کہ دُنیا کی کوئی عمارت اور دُنیا کا کوئی قلعہ اس کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکے گا۔

پس ہمارے پروفیسروں کے سپرد وہ کام ہیں جو خدا اور اس کے فرشتے کر رہے ہیں اگر وہ دیانتداری کے ساتھ کام کریں گے تو یقیناً کامیاب ہوں گے اور اگر وہ غلطی کریں گے تو ہم یہی دُعا کریں گے کہ خدا انہیں توبہ کی توفیق دے اور انہیں محنت سے کام کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ لیکن اگر وہ اپنی اصلاح نہیں کریں گے تو وہ اس سلسلہ کی ترقی میں ہرگز روک نہیں بن سکیں گے۔ جس طرح ایک مچھر بیل کے سینگ پر بیٹھ کر اُسے تھکا نہیں سکتا، اسی طرح ایسے کمزور انسان احمدیت کو کسی قسم کی تھکاوٹ اور ضعف نہیں پہنچا سکیں گے۔

جن سوالات کو اس وقت میرے سامنے پیش کیا گیا ہے ان سب کے متعلق مَیں ابھی فوری طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن جہانتک لباس کا سوال ہے میری رائے یہ ہے کہ ہمیں تعلیم کو آسان اور سہل الحصول بنانا چاہیئے اور کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالنا چاہیئے جسے طالب علم برداشت نہ کر سکیں تا ایسا نہ ہو کہ غریب لڑکے اس بوجھ کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جائیں

جہانتک کھیلوں کا تعلق ہے مجھے افسوس ہے کہ کالجوں میں بعض ایسی کھیلیں اختیار کر لی گئی ہیں جن پر روپیہ بھی صَرف ہوتا ہے اور صحت پر بھی وہ بُرا اثر ڈالتی ہیں۔ مَیں نے یورپین رسالوں میں پڑھا ہے انگلستان میں کھیلوں کے متعلق ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی جس نے بہت کچھ غور کے بعد یہ رپورٹ پیش کی کہ ہاکی کے کھلاڑیوں میں سِل کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہ تحقیق تو آج کی گئی ہے لیکن مَیں نے آج سے اکیس [21] سال پہلے اس کی طرف توجہ دلا دی تھی اور مَیں نے کہا تھا کہ مَیں ہاکی سے نفرت کرتا ہوں یہ صحت کے لئے مضر ہے اس سے سینہ کمزور ہو جاتا ہے کیونکہ جُھک کر کھیلنا پڑتا ہے" (الفضل جلد ۱۱ ۱۹۴۲ء صفحہ ۵)

مورخہ ۱۱ دسمبر ۱۹۲۳ء) اسی طرح بعض اور مواقع پر بھی مَیں توجہ دلاتا رہا ہوں کہ ہاکی قطعی طور پر صحت پر اچھا اثر پیدا نہیں کرتی بلکہ مضر اثر کرتی ہے۔ ہاکی میں ہاتھ جُڑے رہتے ہیں اور سانس سینہ میں پھولتا نہیں۔ اس طرح باوجود کھیلنے کے سینہ چوڑا نہیں ہوتا (الفضل ۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۹ء)

جب مَیں نے یہ بات کہی اس وقت کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ہاکی سے سینہ کمزور ہو کر سِل کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے مگر اب دوسرے لوگ بھی آہستہ آہستہ اسی طرف آرہے ہیں۔ عزیزم مرزا ناصر احمد کا ان الفاظ میں کہ

"وہ تمام قومیں جو انگریزی یا انگریزی خون سے تعلق رکھنے والی ہیں ان کھیلوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتیں اور ان کی زیادہ توجہ ایتھلیٹکس (ATHLETICS) کی طرف رہتی ہے اور اس وجہ سے ان قوموں کے طلباء کی صحتوں پر کوئی بُرا اثر نظر نہیں آتا"

غالباً جرمنی کی طرف اشارہ ہے جہاں ان کھیلوں پر بہت کم زور دیا جاتا ہے کیونکہ ان کھیلوں پر روپیہ اور وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے مگر صحت کو کم فائدہ پہنچتا ہے۔ چنانچہ ان کھیلوں کی بجائے انہوں نے جو دوسری کھیلیں اختیار کی ہیں ان کا صحت پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے اور روپیہ بھی کم خرچ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسری کھیلوں کا رواج اب دن بدن بڑھ رہا ہے۔ انگریزی ممالک میں شاید اسی وجہ سے کہ وہاں کُہر زیادہ ہوتی ہے اس قسم کی کھیلوں کی ضرورت سمجھی جاتی ہے جو دوڑ دھوپ والی ہوں۔ لیکن وسطی یورپ یا جنوبی یورپ میں ان کا زیادہ رواج نہیں۔ مَیں یورپین کھیلوں میں سب سے کم مضر فٹ بال سمجھتا ہوں کیونکہ اس سے سینہ پر بوجھ نہیں پڑتا بلکہ سینہ چوڑا اور فراخ رہتا ہے۔ ہاکی میں چونکہ دونوں ہاتھ بند ہوتے ہیں۔ ادھر سانس سینہ میں پھولتا نہیں اس لئے ہاکی کے نتیجہ میں اکثر سینہ پر ایسا بوجھ پڑتا ہے کہ وہ کمزور ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مَیں ہمیشہ ہاکی کو مضر سمجھتا رہا ہوں۔ مگر اب چار پانچ سال ہوئے انگلستان میں ایک کمیشن مقرر کیا گیا تھا جس نے تحقیق کے بعد یہ رپورٹ کی کہ ہاکی پلیئرز میں سِل کا مادہ نسبتاً زیادہ دیکھا گیا ہے۔

بہرحال یہ ایک ابتدائی کام ہے اور جیسا کہ بتایا گیا ہے ایسے لڑکے کالج میں نہیں آئے جو بڑے بڑے نمبروں پہ پاس ہوئے ہوں۔ میں سمجھتا ہوں اگر ہمارے پروفیسر کوشش کریں۔ اور وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا کے ماتحت اپنے فرض کی ادائیگی میں پوری طرح منہمک ہو جائیں اور وہ سمجھ لیں کہ تعلیمی طور پہ (تربیت تعلیم سے باہر نہیں بلکہ تعلیم کے ساتھ ہی شامل ہے) ہم نے اپنی زندگیاں وقف کر دی ہیں اور ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو لڑکے ہمارے ہاں تعلیم پائیں وہ تعلیم میں دوسروں سے اعلیٰ ہوں، وہ تربیت میں دوسروں سے اعلیٰ ہوں وہ اخلاق فاضلہ میں دوسروں سے اعلیٰ ہوں تو یقیناً وہ اِن اَن گھڑے جواہرات کو قیمتی ہیروں میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ اخلاص اور تقویٰ اور خدا تعالیٰ کا خوف اپنے دلوں میں پیدا کریں اور لڑکوں کی تعلیمی حالت بھی بہتر بنائیں، ان کی اخلاقی حالت بھی بہتر بنائیں اور ان کی مذہبی حالت بھی بہتر بنائیں۔

میں اس موقعہ پہ اساتذہ اور طلباء دونوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ہمارا مقصد دوسرے کالجوں سے زیادہ بلند اور اعلیٰ ہے۔ کئی باتیں اس قسم کی ہیں جو دوسرے کالجوں میں جائز سمجھی جاتی ہیں لیکن ہم اپنے کالج میں ان باتوں کی اجازت نہیں دے سکتے۔ طلباء کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے افسروں کی کامل اطاعت اور فرماں برداری کریں اور اساتذہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے افسروں کی کامل اطاعت اور فرماں برداری کریں اور ان افسروں کا فرض ہے کہ وہ اپنے سے بڑے افسروں کی کامل اطاعت اور فرماں برداری کریں۔ اگر کسی شخص کو کوئی شکایت پیدا ہو تو اسلامی طریق کے رُو سے یہ جائز ہے کہ وہ بالا افسر کے پاس اس معاملہ کو پہنچائے اور حقیقت ظاہر کرے اور اگر وہ افسر توجہ سے کام نہ لے تو اس سے بھی بالا افسر کے پاس اپیل کرے۔ یہ دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا ہے اور وہ اس سے پوری طرح فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ ہمارا یہ طریق نہیں کہ جب تک ایجی ٹیشن نہ ہو ہم کسی کی بات نہیں سُنتے۔ ہم صداقت کو ایک ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کے مُنہ سے سُن کر بھی قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بلکہ صداقت اگر ایک چوہڑے کے مُنہ سے نکلے تو ہم اس کو بھی ماننے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن اگر صداقت نہ ہو تو خواہ سارا کالج مل کر زور لگائے ہم وہ بات تسلیم کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوں گے۔

پس جو روایت ہمارے سکول میں قائم ہے میں امید کرتا ہوں کہ کالج میں بھی اس کو قائم

دیکھا جائے گا۔ احمدی طالب علموں کے متعلق تو میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ اس پر پوری طرح قائم رہیں گے لیکن چونکہ اس کالج میں دوسرے طالب علم بھی داخل ہوں گے اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے احمدی طلباء اپنے ساتھ دوسروں کو بھی اس روایت پر قائم رکھنے کی کوشش کریں گے اور کوئی ایسی حرکت نہیں ہونے دیں گے جو کالج کے نظام کے خلاف ہو اور جس سے یہ شبہ پڑتا ہو کہ زور اور طاقت سے اپنی بات منوانے کی کوشش کی جا رہی ہے کیونکہ زور اور طاقت سے ماننے کے لئے یہاں کوئی شخص تیار نہیں ہے۔ دنیا میں لوگ زور اور طاقت سے اپنے مطالبات منواتے ہیں۔ مگر وہ اُس وقت منواتے ہیں جب انہیں یقین ہوتا ہے کہ دوسرا فریق زور اور طاقت سے مرعوب ہو جائے گا۔ اگر انہیں یہ یقین نہ ہو تو وہ زور اور طاقت استعمال کرنے کی جرأت بھی نہ کریں۔ واقعہ مشہور ہے کہ کوئی یتیم لڑکا جس کی ماں چکی پیس پیس کر گزارہ کیا کرتی تھی ایک دن اپنی ماں سے کہنے لگا۔ مجھے دو آنے چاہئیں۔ ماں نے اسے کہا۔ میرے پاس تو صرف ایک آنہ ہے وہ لے لو۔ مگر لڑکا ضد کرنے لگا اور کہنے لگا میں تو دو آنے ہی لوں گا۔ وہ لڑکا اس وقت چھت کی منڈیر پر بیٹھا تھا ماں کو کہنے لگا مجھے دو آنے دو ورنہ میں ابھی چھلانگ لگا کر مر جاؤں گا۔ اس بیچاری کا ایک ہی لڑکا تھا۔ وہ اسے ہاتھ جوڑے، منتیں کرے اور بار بار کہے کہ بیٹا ایک آنہ لے لے اس سے زیادہ میرے پاس کچھ نہیں۔ مگر وہ یہی کہتا چلا جائے کہ مجھے دو آنے دے نہیں تو میں ابھی چھلانگ لگاتا ہوں۔ ماں نیچے کھڑی روتی جائے اور بچہ اوپر بیٹھ کر چھلانگ لگانے کی دھمکی دیتا چلا جائے اس وقت اتفاقاً گلی میں سے کوئی زمیندار گزر رہا تھا۔ وہ پہلے تو باتیں سنتا رہا۔ آخر اس نے وہ آلہ جس سے توڑی ہلائی جاتی ہے اور جسے سانگھا کہتے ہیں نکال کر اس لڑکے کے سامنے کیا اور کہا تو اوپر سے آ میں نیچے سے سانگھا تیرے پیٹ میں ماروں گا۔ لڑکا یہ سنتے ہی کہنے لگا۔ میں نے چھلانگ تھوڑی لگانی ہے۔ میں تو اپنی ماں کو ڈرا رہا تھا۔

تو اس قسم کی باتیں وہیں سُنی جاتی ہیں جہاں زور اور طاقت سے دوسرے لوگ مرعوب ہو جاتے ہوں۔ لیکن ہم وہ ہیں جنہیں اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ صداقت خواہ ایک کمزور سے کمزور انسان کے منہ سے نکلے تم اسے قبول کرو اور صداقت کے خلاف کوئی بات قبول مت کرو چاہے وہ ایک طاقتور کے منہ سے نکل رہی ہو۔ قادیان سے باہر بیشک ویسی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن ہمارے سلسلہ کی تسمیہ

انسٹی ٹیوٹ میں اس قسم کی باتیں برداشت نہیں کی جاسکتیں۔

پس ہمارے نوجوانوں کو خود بھی احمدیت کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیئے اور دوسرے نوجوانوں پر بھی واضح کرنا چاہیئے کہ یہاں کوئی ایسا طریق برداشت نہیں کیا جاسکتا جو دین کے خلاف ہو اور مذہبی روایات کے منافی ہو۔ ہم نے یہ کالج دین کی تائید کے لئے بنایا ہے۔ اگر کسی وقت محسوس ہو کہ کالج بجائے دین کی تائید کرنے کے بیدینی کا ایک ذریعہ ثابت ہو رہا ہے تو ہم ہزار گنا یہ زیادہ بہتر سمجھینگے کہ اس کالج کو بند کر دیں بجائے اس کے کہ بیدینی اور خلاف مذہب حرکات کو برداشت کریں۔ اس کالج کے پروفیسروں کو بھی یہ امر مدّنظر رکھنا چاہیئے کہ بیرونی دنیا میں عام طور پر صداقت کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جاتا جب تک یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کتنے لوگ اس بات کو پیش کر رہے ہیں۔ اگر ایک جتھہ کی طرف سے کوئی بات پیش کی جارہی ہو تو اسے مان لیتے ہیں۔ لیکن اگر ایک کمزور انسان کے مُنہ سے صداقت کی بات نکلے تو اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ہمیں اس طریق کے خلاف یہ عمل کرنا چاہیئے کہ اگر صداقت صرف ایک لڑکے کے مُنہ سے نکلتی ہے تو ہم اس بات کا انتظار نہ کریں کہ جب تک سو لڑکا اس کی تائید میں نہیں ہو گا ہم اُسے نہیں مانیں گے۔ بلکہ ہمیں فوراً وہ بات قبول کر لینی چاہیئے۔ کیونکہ صداقت کو قبول کرنے میں ہی برکت ہے اور صداقت کو قبول کرنے سے ہی قومی ترقی ہوتی ہے

یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارا طریق سارے کا سارا اسلامی ہونا چاہیئے۔ بیشک ہندو، سکھ، عیسائی جو بھی آئیں ہمیں فراخدلی کے ساتھ انہیں خوش آمدید کہنا چاہیئے۔ مگر جہاں تک اخلاق کا تعلق ہے ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ان کے اخلاق سر تا پا مذہب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں ان کی عادات مذہب کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوں۔ ان کے افکار مذہب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں۔ ان کے خیالات مذہب کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں۔ پس جہاں ہمارے پروفیسروں کا یہ کام ہے کہ وہ تعلیم کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں وہاں ان کا ایک یہ کام بھی ہے کہ وہ رات دن اسی کام میں لگے رہیں کہ لڑکوں کے اخلاق اور اُن کی عادات اور اُن کے خیالات اور اُن کے افکار ایسے اعلیٰ ہوں کہ دوسروں کے لئے مذہبی لحاظ سے وہ ایک مثال اور نمونہ ہوں۔ اگر خدا تعالیٰ کی توحید کا یقین ہم لڑکوں کے دلوں میں پیدا کرتے ہیں تو ہندوؤں اور سکھوں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہندو بھی خدا کے قائل ہیں اور سکھ بھی خدا کے قائل ہیں۔ اگر ہم دہریت

کو مٹاتے ہیں۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کی ہستی کا یقین لڑکوں کے دلوں میں پیدا کرتے ہیں۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کی محبت کا درس ان کو دیتے ہیں تو اُن کے ماں باپ یہ سُنکر بُرا نہیں منائیں گے بلکہ خوش ہوں گے کہ ہمارے لڑکے ایسی جگہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں جہاں دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی مذہبی لحاظ سے بھی تربیت کی جارہی ہے۔ پس جہانتک توحید کے قیام کا سوال ہے، جہانتک مذہب کی عظمت کا سوال ہے، جہانتک خدا تعالیٰ کی محبت کا سوال ہے مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی سب اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ ان کو یہ تعلیم دی جائے کیونکہ اُن کا اپنا مذہب بھی یہی باتیں سکھاتا ہے

میرے نزدیک ہمیں ان باتوں پر اس قدر زور دینا چاہیئے کہ ہمارے کالج کا یہ ایک امتیازی نشان بن جائے کہ یہاں سے جو طالب علم بھی پڑھ کر نکلتا ہے وہ خدا پر پورا یقین رکھتا ہے۔ وہ اخلاق کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ مذہب کی عظمت کا قائل ہوتا ہے۔ اگر ایک ہندو یہاں سے بی۔اے کی ڈگری لے کر جائے تو اُسے بھی خدا تعالیٰ کی ذات پر پورا یقین ہونا چاہیئے۔ اگر ایک سکھ یہاں سے بی۔اے کی ڈگری لے کر جائے تو اسے بھی خدا تعالیٰ کی ذات پر پُورا یقین ہونا چاہیئے۔ وہ دہریت کے دشمن ہوں۔ وہ اخلاق سوز حرکات کے دشمن ہوں۔ وہ مذہب کو ناقابلِ عمل قرار دینے والوں کے مخالف ہوں اور یورپین اثر سے پوری طرح آزاد ہوں۔ وہ چاہے احمدیت کو مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں مگر مذہب کی بنیادی باتیں ان کے دلوں میں ایسی راسخ ہوں کہ ان کو وہ کسی طرح چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوں۔

اسی طرح ہمارے کالج کا ایک امتیازی نشان یہ بھی ہونا چاہیئے کہ اگر ایک عیسائی یا یہودی اس جگہ تعلیم حاصل کرے تو وہ بھی بعد میں یہ نہ کہے کہ سائنس یا حساب یا فلسفہ کے فلاں اعتراض سے مذہب باطل ثابت ہوتا ہے بلکہ جب بھی کوئی شخص ان علوم کے ذریعہ اس پر کوئی اعتراض کرے وہ فوراً اس کا جواب دے اور کہے میں ایک ایسی جگہ سے پڑھ کر آیا ہوں۔ جہاں دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ اس دنیا کا ایک خدا ہے جو سب پر حکمران ہے میں ایسے اعتراضات کا قائل نہیں ہوں۔

اگر ہم دہریت کی تمام شاخوں کی قطع و برید کر دیں۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کی ہستی کا یقین کالج میں تعلیم پانے لڑکوں کے دلوں میں اس مضبوطی سے پیدا کر دیں کہ دُنیا کا کوئی فلسفہ، دُنیا کی کوئی

سائنس اور دُنیا کا کوئی حساب انہیں اس عقیدہ سے منحرف نہ کر سکے تو ہم سمجھیں گے کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

چونکہ اب شام ہو گئی ہے اس لئے میں اب اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ لیکن میں آخر میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہماری نیت یہ ہے کہ جلد سے جلد اس کالج کو بی۔ اے بلکہ ایم۔ اے تک پہنچا دیں۔ اس لئے کالج کے جو پروفیسر مقرر ہوئے ہیں انہیں اپنی تعلیمی قابلیت کو بھی بڑھانے کا فکر کرنا چاہیئے اور آئندہ ضروریات کے لئے انہیں ابھی سے اپنے آپ کو تیار کرنا چاہیئے تاکہ جب بڑی کلاسز کھولی جائیں تو قواعد کے لحاظ سے اور ضرورت کے لحاظ سے اور تجربہ کے لحاظ سے وہ ان کلاسز کو تعلیم دینے کے لئے موزوں ہوں اور اس کام کے اہل ہوں۔ اور چونکہ ہمارا منشا آگے بڑھنے کا ہے اس لئے جہاں کالج کے پروفیسروں کو اپنا تعلیمی معیار بلند کرنا چاہیئے اور اپنے اندر موجودہ قابلیت سے بہت زیادہ قابلیت پیدا کرنی چاہیئے وہاں انہیں یہ امر بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ جب کالج میں وسعت ہو تو جو اچھے اور ہونہار طالب علم ہوں اور دین کا جوش اپنے اندر رکھتے ہوں ان کو اس قابل بنائیں کہ وہ اعلےٰ نمبروں پر پاس ہوں اور ساتھ ہی ان کے دینی جوش میں ترقی ہو تاکہ جب وہ تعلیم سے فارغ ہوں تو وہ صرف دنیا کمانے میں ہی نہ لگ جائیں بلکہ اس کالج میں پروفیسر یا لیکچرار کا کام کر کے سلسلہ کی خدمت کر سکیں۔ پس ایک طرف وہ اعلیٰ درجہ کے ذہین اور ہوشیار لڑکوں کے متعلق یہ کوشش کریں کہ وہ اچھے نمبروں پر کامیاب ہوں اور دوسری طرف انہیں اس امر کی طرف توجہ دلائیں کہ جب وہ اپنے تعلیمی مقصد کو حاصل کرلیں تو اس کے بعد اپنی محنت اور دماغی کاوش کا بہترین بدلہ بجائے سونے چاندی کی صورت میں حاصل کرنے کے اس رنگ میں حاصل کریں کہ اپنے آپ کو ملک اور قوم کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ اس کے بغیر کالج کا عملہ مکمل نہیں ہو سکتا۔

پس ایک طرف ہمارے پروفیسر خود علم بڑھانے کی کوشش کریں اور دوسری طرف آئندہ پروفیسروں کے لئے ابھی سے سامان پیدا کرنے شروع کر دیں اور نوجوانوں سے کہیں کہ وہ قوم کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ پھر خواہ انہیں کالج میں رکھ لیا جائے یا سلسلہ کے کسی اور کام پر لگایا جائے۔ بہر حال ان کا وجود مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ سکولوں میں میں نے

دیکھا ہے جب افسروں کو اس طرف توجہ دلائی گئی تو اس کے بعد ہمیں سکول میں سے ہی ایسے کئی لڑکے مل گئے جنہوں نے اپنی زندگیاں سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ یہی طریق کالج میں بھی اختیار کیا جائے گا تاکہ جو طالب علم اس کالج سے تعلیم پا کر نکلیں ان کے متعلق ہمیں کامل یقین ہو کہ وہ تعلیم کے بعد دین کے میدان میں ہی آئیں گے۔ یہ نہیں ہوگا کہ دنیا کمانے میں مشغول ہو جائیں۔ اور تاکہ ہم فخر سے کہہ سکیں کہ ہمارے کالج کا ہر طالب علم اپنے آپ کو دینی خدمت کے لئے پیش کر دیتا ہے۔ صرف ہمارے بچے ہوئے طالب علم ہی دنیا کی طرف جاتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت یہی ہے کہ خواہ ہم کوئی کام کریں ہماری اصل دوڑ مذہب کی طرف ہی ہونی چاہیئے۔

اب میں دُعا کر دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری نیک خواہشات کو پُورا فرمائے اور یہ بیج جو آج اس مقام پر ہم بو رہے ہیں اس سے ایک دن ایسا درخت پیدا ہو جس کی ایک ایک ٹہنی ایک بڑی یونیورسٹی ہو، ایک ایک پتہ کالج ہو اور ایک ایک پھُول اشاعتِ اسلام اور تبلیغِ دین کی ایک اعلیٰ درجہ کی بُنیاد ہو جس کے ذریعہ کفر اور بدعت دُنیا سے مِٹ جائے اور اسلام اور احمدیت کی صداقت اور خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی وحدانیت کا یقین لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جائے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ"[۵۱]

فضلِ عُمر سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام اور اس کے اغراض و مقاصد

حضرت سیدنا المصلح الموعود نے تعلیم الاسلام کالج کے ساتھ سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی بھی بنیاد رکھی اور اس کی نگرانی چوہدری عبدالاحد صاحب ایم۔ ایس۔سی کے سپرد فرمائی۔

اس زمانہ میں اس نوعیت کے متعدد تحقیقاتی ادارے قائم تھے۔ بنگال میں ڈاکٹر بوس کی انسٹی ٹیوٹ تھی۔ اسی طرح الہ آباد یا بنارس یونیورسٹی کی طرف سے بھی کام ہو رہا تھا۔ بنگلور میں میسور گورنمنٹ کی طرف سے ایک اعلیٰ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ تھی۔ دہلی میں مرکزی حکومت کی انسٹی ٹیوٹ تھی۔ مگر یہ سب ادارے یا حکومت کی طرف سے جاری تھے یا یونیورسٹیوں کی طرف سے یا ہندوؤں کی طرف سے۔ کروڑوں کی تعداد میں بسنے

---

۵۱ "الفضل" ۱۲-۱۴-۱۵-۱۶ صلح/ جنوری ۱۳۴۳ہش/ ۱۹۶۴ء - یہ تقریر "تعلیم الاسلام کالج کے قیام کی غرض و غایت" کے عنوان سے الگ بھی چھپ چکی ہے۔

والے مسلمانوں کا کوئی ایک ادارہ بھی پورے ملک میں موجود نہ تھا جس کی وجہ سے سیدنا المصلح الموعودؓ کے دل میں ہمیشہ خلش رہتی تھی۔ آخر اس کے قیام کا بھی سامان ہو گیا۔ اس طرح یہ پہلا مسلم ریسرچ انسٹی ٹیوٹ تھا جو اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضرت فضل عمرؓ کی توجہ سے برصغیر میں وجود میں آیا۔

سیدنا المصلح الموعودؓ کے مدنظر اس عظیم تحقیقاتی مرکز کی تاسیس کا اصل مقصد کیا تھا اور آپ اس کے مستقبل سے متعلق کیا کیا عزائم رکھتے تھے اور کس طرح مغربی فلسفہ کے خلاف اسے ایک مضبوط اسلحہ خانہ بنانا چاہتے تھے اس کا کسی قدر اندازہ حضور کے خطبہ جمعہ کے درج ذیل اقتباس سے ہو سکتا ہے۔ فرمایا:۔

"ہمارا کالج درحقیقت دنیا کی ان زہروں کے مقابلہ میں ایک تریاق کا حکم رکھتا ہے جو دُنیا کے مختلف مُلکوں اور مختلف قوموں میں سائنس اور فلسفہ اور دوسرے علوم کے ذریعہ پھیلائی جا رہی ہیں۔ مگر اس زہر کے ازالہ کے لئے خالی فلسفہ اور دوسرے علوم کام نہیں آسکتے بلکہ اس غرض کے لئے عملی نتائج کی بھی ضرورت ہے کیونکہ ایک کثیر حصہ سائنس کی ایجادات سے دھوکا کھا گیا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگ گیا ہے کہ سائنس کے مشاہدات اور قانون قدرت کی فعلی شہادات اسلام کو باطل ثابت کر رہی ہیں۔ اسی لئے کالج کے ساتھ ایک سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی قائم کی گئی ہے تاکہ بیک وقت ان دونوں ہتھیاروں سے مسلح ہو کر کفر پر حملہ کیا جا سکے۔ اس انسٹی ٹیوٹ کے قیام پر بھی دو لاکھ روپیہ خرچ ہو گا۔ پہلے سال کا خرچ تو اسّی نوّے ہزار کے قریب ہے لیکن اگلے سال جب عمارت کو مکمل کیا جائے گا اور سائنس کا سامان اکٹھا کیا جائے گا کم سے کم دو لاکھ روپیہ خرچ ہو گا۔ پھر سالانہ ستّر اسّی ہزار کے خرچ سے یہ کام چلے گا۔ اس کام کو چلانے کے لئے ہمیں قریباً بیس آدمی ایسے رکھنے پڑیں گے جنہوں نے سائنس کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کی ہو۔ گویا کالج سے بھی زیادہ عملہ اس غرض کے لئے ہمیں رکھنا پڑے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد امید ہے کہ یہ انسٹی ٹیوٹ خود روپیہ پیدا کرنے کے قابل بھی ہو سکے گی۔ کیونکہ اس ادارہ میں جب علوم سائنس کی تحقیق کی جائے گی تو ایسی ایجادات بھی کی جائیں گی جو تجارتی دنیا میں کام آسکتی ہیں یا صنعت و حرفت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور ان ایجادات کو دُنیا کے تجارتی اور صنعتی اداروں کے پاس فروخت کیا جائے گا۔ ہم ان اداروں سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے محکمہ نے یہ یہ ایجادات کی ہیں۔ اگر تم خریدنا چاہتے ہو تو خرید لو۔ اس طرح جو روپیہ آئے گا اس کے ذریعہ اس کام کو انشاء اللہ زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جا سکے گا

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۴۰-۱۴۱۔

اسی طرح میرا یہ بھی ارادہ ہے کہ سائنس کی جو ایجادات ایسی مفید ہوں کہ جماعت ان کو اپنے خرچ پر جاری کر سکتی ہو وہ ایجادات ہم اپنے ہاتھ میں رکھیں گے اور جماعتی خرچ سے ان کو دُنیا میں فروغ دیں گے۔ جیسے ہوزری کا کارخانہ ہے۔ اس نے ایک لمبے عرصہ تک نقصان اٹھایا مگر اب وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے قریباً سو فیصدی نفع دے سکتا ہے۔ تیس فیصدی نفع تو دے بھی چکا ہے۔ اسی طرح آہستہ آہستہ سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی ایجادات کے ذریعہ بھی سلسلہ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے بہت کچھ روپیہ جمع ہونا شروع ہو جائے گا . . . . .

دُنیا میں جس قدر سائنس کی انسٹی ٹیوٹز ہیں ان کے مُوجد اس لئے ایجادات کرتے ہیں کہ تا اسلام تباہ ہو اور یورپ کا فلسفہ دنیا پر غالب آئے۔ مگر ہمارے موجد اس لئے ایجادات کریں گے تاکہ کُفر تباہ ہو اور اسلام یورپ کے فلسفہ اور یورپ کے تمدن پر غالب آجائے۔ یہ لڑائی ہے جو اسلام اور یورپ میں جاری ہے۔ یہ لڑائی ہے جو احمدیت اور یورپ کا فلسفہ آپس میں لڑنے والے ہیں" ؎[1]

مزید فرمایا:۔

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں کو دیکھ لو۔ آپ نے جہاں اسلامی مسائل کی فوقیت ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات پیش کی ہیں وہاں آپ نے قانونِ قدرت سے بھی دلائل پیش کئے ہیں اور فرمایا ہے کہ خدا کے کلام کی سچائی کا شاہد خدا کا فعل ہے اور یہ ناممکن ہے کہ خدا کا قول اَور ہو اور اس کا فعل کچھ اَور ظاہر کر رہا ہو۔ ہمارا کام بھی یہی ہے کہ ہم خدا کی فعلی شہادات اسلام اور احمدیت کی تائید میں کالج اور سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ذریعہ دنیا کے سامنے پیش کریں۔ یہی مقصد کالج کے قیام کا ہے اور یہی مقصد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے قیام کا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی تعلیم کے ماتحت دین کی تائید کو مدّنظر رکھتے ہوئے نیچر پر غور کیا جائیگا تاکہ ہم اسلام کی سچائی کی عملی شہادت دُنیا کے سامنے پیش کر سکیں اور یورپ کے لوگوں سے کہہ سکیں کہ آج تک تم نیچر اور اس کے ذرّات کی گواہی قرآن کے خلاف پیش کرتے رہے ہو مگر یہ بالکل جھوٹ تھا۔ تم دنیا کو دھوکہ دیتے رہے ہو۔ تم جھوٹ بول کر لوگوں کو ورغلاتے رہے ہو۔ آؤ! ہم

؎[1] "الفضل" ۳۱ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء صفحہ ۵-۶

تمہیں دکھائیں کہ دُنیا کا ذرہ ذرہ قرآن اور اسلام کی تائید کر رہا ہے اور نیچر اپنی عملی شہادت سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی راستبازی کا اعلان کر رہا ہے۔ یہ کام بہت مشکل ہے۔ یہ کام بہت لمبا ہے اور اس کے لئے بہت بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ ابتدائی کام کے لئے ہمیں ایم ایس سی ایسے درکار ہوں گے جو رات اور دن اس کام میں لگے رہیں اور اسلام کی تائید کے لئے نئی سے نئی تحقیقاتیں کرتے رہیں۔ مَیں نے بتایا ہے کہ اس کام پر ستر ہزار سے ایک لاکھ روپیہ تک سالانہ خرچ ہوگا اور شروع میں کم سے کم اس غرض کے لئے دو لاکھ روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ یورپ میں تو دو دو چار چار کروڑ روپیہ کے سرمایہ سے ایسے کاموں کا آغاز کیا جاتا ہے اور ممکن ہے ہمیں بھی زیادہ روپیہ خرچ کرنا پڑے"[۱]

ابتدائی تاریخ فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام کن مراحل میں سے گذر کر ہوا۔ اس کی ابتدائی تاریخ کیا ہے، شروع میں کیا کیا بنیادی کام ہوئے اور مستقبل کے لئے کیا پروگرام مدّنظر تھا؟ ان سب امور پر ڈاکٹر چودھری عبدالاحد صاحب کے ایک مفصّل مضمون[۲] سے تفصیلی روشنی پڑتی ہے۔ جناب چودھری صاحب لکھتے ہیں:-

"حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق شروع شروع میں خاکسار نے ہندوستان کا دورہ کر کے مختلف یونیورسٹیوں اور سائنس کے اداروں کو دیکھا اور مختلف ماہرین سائنس سے ملاقات کی تاکہ میری معلومات میں مزید اضافہ ہو۔ چونکہ حضور کے منشاء کے مطابق ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے کام میں بہت سی توسیع مدنظر تھی۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ اس کی بلڈنگ اور لیبارٹری باہر ایک کھلی جگہ بنائی جائے جس کے لئے زمین کے ایک بڑے رقبہ کی ضرورت تھی۔ لیکن دوران جنگ چونکہ بجلی کے لئے (CONNECTION) حاصل کرتے میں مشکلات تھیں اس لئے تعلیم الاسلام کالج کی دوسری منزل پر چند کمرے تعمیر کرنے کی تجویز ہوئی تاکہ کام فوری طور پر شروع کیا جا سکے۔ ان کمروں کے نقشے کی تفاصیل تیار کرنے کے بعد تعمیر کا کام مکرمی مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور انچارج تحریک جدید کے سپرد ہوا۔ جنگ کی وجہ سے عمارت کے لئے ضروری سامان مثلاً لوہا، اینٹیں، سیمنٹ اور لکڑی وغیرہ کے ملنے میں بہت سی

---

[۱] "الفضل" ۳۰ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۷۔ [۲] یہ مضمون الفضل ۳۰ امان/مارچ ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء میں شائع ہوا۔

مشکلات تھیں۔ لیکن مکرم انور صاحب کی کوششوں اور دوسرے احباب کے تعاون سے یہ کام مختلف مراحل سے گذرتا ہوا جنوری ۱۹۴۶ء میں پایہ تکمیل پر پہنچا۔ فرنشنگ فٹنگ اور بجلی کا سامان مہیا کرنے میں بھی بہت سی مشکلات تھیں۔ دوسرے قادیان میں ماہر کاریگروں کی قلت کی وجہ سے اس کام کو پورا کرنے میں اندازہ سے زیادہ وقت صرف ہوا . . . . . جنگ کی وجہ سے چونکہ سامان سائنس کی غیر ممالک سے درآمد بند تھی اور ہندوستان کی مشہور فرموں سے بہت کم سامان ملتا تھا اس لئے بیرونی ممالک سے بعض آلات کے حاصل کرنے کے لئے گورنمنٹ سے لائسنس حاصل کر کے انگلستان اور امریکہ سے سامان منگوانے کی کوشش کی گئی۔

جماعت کی توجہ سائنس کے علوم کی طرف کم تھی اس لئے کام کرنے والوں کی قلت بہت شدت سے محسوس کی گئی۔ چنانچہ ان مشکلات کے پیش نظر حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے پہلے ہی واقفین زندگی کے ایک گروہ کو سائنس کی اعلیٰ تعلیم کے لئے منتخب فرما کر ان کی ٹریننگ کا انتظام کروا دیا تھا۔ ابتداء میں خاکسار نے صرف ایک کلرک کی امداد سے کام شروع کیا۔ کچھ عرصہ سے مکرمی اقبال احمد صاحب بی ایس سی آنرز اور بشارت احمد صاحب بی ایس سی بھی تشریف لے آئے ہیں۔ ان ہر دو احباب نے ابتدائی تحقیقاتی کام شروع کر دیا ہے جسے وہ ایم ایس سی کی ڈگری کے لئے پیش کریں گے۔ انشاء اللہ

اکتوبر ۱۹۴۵ء سے عطاء الرحمٰن صاحب غنی ایم ایس سی امپیریل انسٹی ٹیوٹ دہلی سے تشریف لائے ہیں اور لائبریری اور لٹریچر کی چھان بین کا کام ان کے سپرد کیا گیا ہے۔ پانچ مزید دوست مختلف اداروں میں بالترتیب ذیل ایم ایس سی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ غلام احمد صاحب عطا ایگریکلچرل کالج لائل پور میں، منور احمد صاحب بنارس یونیورسٹی میں، سلطان محمود صاحب شاہد، نصیر احمد خاں اور ناصر احمد سیال علی گڑھ یونیورسٹی میں، ان کے علاوہ محمد عبداللہ صاحب بی ایس سی انجنیئرنگ اور ناصر احمد صاحب سیال کو عنقریب اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ بھجوایا جا رہا ہے۔ ان احباب کے علاوہ بہت سے اور نوجوان بھی زندگیاں وقف کر کے سائنس کی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے ہیں . . . . ان حالات میں ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قادیان میں جاری کرنا اور پھر کام کو جنگ کے ایام میں شروع کروانا حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کے اولوالعزم ہونے کا زبردست ثبوت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر حضور ہر مشکل کے وقت ہماری راہنمائی نہ فرماتے تو جنگ کے ایام میں اس کا شروع ہونا قریباً قریباً ناممکن تھا"

فصل سوم

قادیان میں تعلیم الاسلام کالج کی تعلیمی و تربیتی سرگرمیوں کے تین سال

(از احسان/جون ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء تا احسان/جون ۱۳۲۶ہش ۱۹۴۷ء)

جماعت احمدیہ کی یہ مرکزی درسگاہ قادیان کی رُوح پرور فضا اور زندگی بخش ماحول میں تقسیم برصغیر کے باعث صرف تین سال تک جاری رہ سکی۔ کالج نے اس نہایت قلیل عرصہ میں غیر معمولی ترقی کی اور اس کے ارتقاء کی رفتار حیرت انگیز رہی اور سیدنا المصلح الموعودؓ کی توجہ سے کالج نے اپنی کم عمری کے باوصف وہ تمام اہم خصوصیات حاصل کر لیں جو دوسرے ترقی یافتہ کالجوں کو سن بلوغت میں میسر آتی ہیں۔ اس سہ سالہ دور کے بعض اہم واقعات یہ ہیں۔

۱۔ فزکس اور کیمسٹری کی تجربہ گاہوں کا قیام ۲۔ طلبہ کی تعلیمی دینی و اخلاقی نگرانی کے موثر اقدامات۔ ۳۔ علمی تقریبوں کا مفید سلسلہ ۴۔ طلبہ کالج کے لئے دینی نصاب ۵۔ مجلس مذہب و سائنس ۶۔ تعلیم الاسلام ریسرچ سوسائٹی ۷۔ فضل عمر ہوسٹل کی نئی عمارت کا افتتاح ۸۔ بی۔ اے اور بی۔ ایس۔ سی کلاسز کا آغاز ۹۔ فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح ۱۰۔ فضائی تربیت

واقعات کے اجمالی تعارف کے بعد اب ان کی تفصیلات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

فزکس اور کیمسٹری کی تجربہ گاہوں کا قیام

کالج کا ایک اہم بنیادی مسئلہ جس نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ صدر کالج کمیٹی اور دوسرے ارباب حل و عقد کو بہت مشوش کر رکھا تھا شعبہ سائنس کی تیاری کا مسئلہ تھا یعنی

۱۔ سائنس بلاک (لیکچر روم اور لیبارٹریوں) کو جلد از جلد قابل استعمال بنانا

۲۔ سائنس کے مطلوبہ سامان کی خرید

۳۔ گیس پلانٹ کا انتظام

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے اس کام کی سرانجام دہی کے لئے حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ سے براہ راست راہنمائی حاصل کی اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کو اطلاع دی کہ

"اوّل گیس پلانٹ کا کام چونکہ زیادہ نازک ہے اور اس میں ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا بھی حصہ ہے اس لئے وہ چوہدری عبدالاحد صاحب کے سپرد رہے۔

دوم۔ باقی دونو کام یعنی (الف) سائنس کے کمروں کو استعمال کے قابل بنانا اور ان کی فٹنگ اور (ب) سائنس کے مطلوبہ سامان وغیرہ کی خرید وہ آپ کے سپرد ہوگی اور آپ مذکورہ کاموں کو اپنی نگرانی میں اپنے عملہ سے کروالیں" [1]

شعبہ سائنس کے تینوں اہم کاموں کی تکمیل کے لئے پہلے سال جو جدوجہد کی گئی۔ اس کی تفصیل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی مندرجہ ذیل رپورٹ سے بخوبی مل سکتی ہے۔ یہ رپورٹ آپ نے صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کی خدمت اقدس میں بھجوائی تھی۔ آپ نے تحریر فرمایا:-

"موسمی تعطیلات یعنی [2] [illegible]/۴۴ تک مختلف فرموں کے ساتھ خط و کتابت میں وقت گذر گیا اور ایام تعطیلات میں (۱) گیس پلانٹ (۲) کیمسٹری اور فزکس کے کمروں کی فٹنگ (۳) لیبارٹری کی فٹنگ (۴) کالج فرنیچر (۵) سائنس کا سامان، آلات و ادویہ کی خرید (۶) دفتر کالج کے عمارتی کام میں تبدیلی کے کام مکرمی رانا عبدالرحمٰن صاحب ناصر کے سپرد کئے گئے جنہوں نے مکرمی چوہدری عبدالاحد صاحب کے مشورہ سے GAS PLANT کے ۱۲/۴۴ ۲۳ تک فٹ ہو جانے کے لئے ... ۶ روپیہ پر ایجوکیشنل سٹور لاہور کے ساتھ فیصلہ کیا اور اس عرصہ میں گیس پلانٹ کے لئے کنواں اور گیس ہاؤس اور چار دیواری کا کام چوہدری غلام حسین صاحب اوورسیئر کی نگرانی میں مکمل کرایا۔

---

[1] مکتوب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ بنام پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج قادیان مورخہ یکم احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء (فائل تعلیم الاسلام کالج قادیان سے منسلک)۔

[2] تعلیم الاسلام کالج پہلی موسمی تعطیلات کے لئے ۸؍ وفا/جولائی سے لے کر ۲۱؍ تبوک/ستمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء تک کے لئے بند رہا۔

سائنس کے کمروں کی فٹنگ کے سلسلہ میں جو لیکچر رُومز تیار کرائے گئے تھے ان میں اینگل آئرن کی ضرورت تھی جس کی خرید میں سخت دقت پیش آئی۔ کئی مرتبہ لاہور جانا پڑا۔

چونکہ لوکل کاریگروں کے لئے یہ کام بالکل نیا تھا باوجودیکہ ان کو نمونے دکھائے گئے مگر وہ FRAMING کا کام بالکل نہ کر سکے اس لئے وہ کام بھی لاہور سے کروایا گیا۔ اسی طرح لیبارٹری میں گیس اور پانی کی نالی کی فٹنگ یہاں کے کاریگر نہ کر سکے اس لئے لاہور کی ایک فرم کے ساتھ معاہدہ (AGREEMENT) کرکے کام کی تکمیل کروائی گئی۔ لیکن گھومنے والے بلیک بورڈ قادیان میں ہی تیار کروا کر کیمسٹری اور فزکس کے کمروں کی فرنشنگ کروائی گئی"

کالج کے سیکنڈ ایر کے لئے روشنی (LIGHT) بجلی (ELECTRICITY) اور مقناطیسی (MAGNETISM) کا سامان ماہ اخاء ونبوت / اکتوبر و نومبر ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء میں پہنچا۔

طلباء کی دینی، تعلیمی اور اخلاقی نگرانی کے لئے موثر اقدامات

ماہ احسان / جون ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء میں طلبہ کی نگرانی کے لئے بعض اہم اقدامات کئے گئے۔ مثلاً کالج کے طلبہ کو سات گروپوں میں تقسیم کرکے پروفیسر صاحبان کو گروپ انچارج مقرر کر دیا گیا جن کا کام طلبہ کی ہر قسم کی نگرانی اور ان کی ترقی کے معیار کو ہر رنگ اور ہر پہلو میں بلند کرنا تھا۔[۱] نماز ظہر کالج کے تعلیمی وقت کے درمیان آتی تھی جس میں طلباء کی حاضری کی نگرانی کی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں احمدی طلبہ کے لئے جو قادیان کے کسی محلے یا ہوسٹل میں رہتے تھے، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے درس قرآن میں شمولیت لازمی قرار دے دی گئی۔[۲] اسی تعلق میں حضرت پرنسپل صاحب کالج نے یکم نبوت / نومبر ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کو یہ خصوصی ہدایت جاری فرمائی کہ

"اساتذہ کرام اس بات کا خیال رکھیں کہ آئندہ کوئی طالب علم کلاس میں ننگے سر نہ آئے۔ اگر کوئی طالب علم اس کی خلاف ورزی کرے تو اس کو کلاس سے باہر نکال دیں جب تک کہ وہ ٹوپی پہن کر نہ آئے"۔[۳]

---

[۱] "رپورٹ تعلیم الاسلام کالج" مورخہ ۲۰ / احسان / جون ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء (غیر مطبوعہ)
[۲] یہ پر معارف درس صلح / جنوری ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء سے مسجد مبارک میں بعد نماز عصر ہوتا تھا۔
[۳] فائل "OFFICE NOTICES"

کھیلوں کا اجراء

علاوہ اس امر کے کہ کھیلوں کے بارے میں پنجاب یونیورسٹی کے قواعد بہت سخت تھے اور ہیں سلسلہ احمدیہ کے مرکزی تعلیمی اداروں میں کھیلوں کو ہمیشہ نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے اور یہ اس کی مسلمہ قدیم روایات ہیں۔

کالج میں کھیلوں کا باضابطہ اجراء ۱۸ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو ہوا۔ ایک ہفتہ بعد طلباء کو ان کی استعداد اور شوق کے مطابق مختلف گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا۔[۱] کالج میں پہلا ٹورنامنٹ ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے آخری ہفتہ میں منعقد ہوا۔[۲]

علمی تقریروں کا مفید سلسلہ

افتتاح کالج کے بعد طلبہ کے اضافہ معلومات کے لئے ایک سلسلہ تقاریر جاری کیا گیا۔ اس سلسلہ کی پہلی تقریر آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے ۲۶ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو فرمائی جس میں آپ نے نہایت قیمتی نصائح اور تجاویز سے مستفید فرمایا۔ صدارت کے فرائض حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے انجام دیئے۔[۳]

چوہدری صاحب کی اس تقریر کے بعد سال ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں حسب ذیل مقررین نے خطاب فرمایا:۔

ڈاکٹر سید ریاض الحسن صاحب آفیسر انچارج بائی لاجیکل پروڈکٹس و اسسٹنٹ ڈائریکٹر گورنمنٹ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ عزت نگر (بریلی)[۴]، مسٹر اے۔ ایچ بھٹی، حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی۔ مولانا ابو العطاء صاحب، قاضی محمد نذیر صاحب۔[۵][۶]

---

۱ غیر مطبوعہ "رپورٹ تعلیم الاسلام کالج" مورخہ ۲۰ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء۔

۲ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء میں تعلیم الاسلام کالج سومنگ کلب کے طلباء نے یونیورسٹی اور پنجاب کے تیراکی کے مقابلوں میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ناصر محمود صاحب اور عبد الشکور صاحب نے پچاس اور سو میٹر کی دوڑ میں یونیورسٹی میں پوزیشن لی۔ پنجاب چمپین شپ میں کالج کی ریلے ٹیم دوم آئی۔ اس کی ٹیم نے واٹر پولو میں پہلے گورنمنٹ کالج لاہور کی ٹیم کو شکست دی اور پھر فائنل میں ایچیسن کالج کی ٹیم کو تین کے مقابلہ میں پانچ گول سے ہرا دیا۔ اور واٹر پولو کی چمپینز شپ جو ایچی سن کالج کے پاس تھی تعلیم الاسلام کالج نے جیت لی۔ (الفضل ۲۵ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صہ ۲)

۳ "الفضل" ۲۷ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳ ک ۳۔ ۴ "الفضل" ۱۴ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

۵ رپورٹ از ابتداء تا صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء (غیر مطبوعہ) یہ رپورٹ کالج کے ریکارڈ میں موجود ہے۔

۶ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے بعض مقررین یہ تھے: عبد السلام صاحب اختر ایم۔ اے، میجر رچرڈس ریکروٹنگ آفیسر نادرن ایریا، ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں مشہور ریاضی دان پروفیسر مارڈل صاحب ایف۔ آر۔ ایس (کیمبرج)، حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب نیر[۲]، مسٹر او ایچ کے سپیٹ (لنڈن سکول آف اکنامکس میں جغرافیہ کے پروفیسر) نے طلبہ سے خطاب کیا (الفضل مورخہ ۱۸ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صہ ۱ ک ۲، ۱۹ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صہ ۱ ک ۲، ۲۵ صلح/جنوری ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صہ ۱، ۲۸ صلح/جنوری ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صہ ۲ ک ۲، ۲۸ صلح/جنوری ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صہ ۱، ۲۱ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صہ ۱)

کالج یونین کی بنیاد

طلبہ میں اردو اور انگریزی میں تقریر کا ملکہ پیدا کرنے کے لئے اخوند عبدالقادر صاحب ایم۔اے کی زیرنگرانی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے دوران ہی کالج یونین قائم کی گئی[1] اسی طرح ہائیکنگ کلب اور بعض اور سوسائٹیوں کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔[2]

احمدی طلبہ کیلئے دینی نصاب

مجلس تعلیم نے سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کی منظوری کے بعد ۳/وفا/جولائی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء[3] کو انٹرمیڈیایٹ کلاس کے احمدی طلبہ کے لئے حسب ذیل دینی نصاب مقرر کیا:-

۱۔ قرآن شریف ناظرہ مع ایسے ترجمہ کے جو اس کے مطالب کو واضح کرنے والا ہو حفظ ربع آخر پارہ عم

۲۔ حدیث۔ عمدۃ الاحکام

---

[1] "رپورٹ تعلیم الاسلام کالج" ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء (غیر مطبوعہ)۔

[2] ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء میں کالج کی ہائیکنگ پارٹی چودھری محمد علی صاحب ایم۔اے کی قیادت میں پانگی (ریاست چمبہ) کے علاقہ میں گئی۔ یہ پارٹی حسب پروگرام ۶/وفا/جولائی کو قادیان سے روانہ ہوئی اور ۹/ظہور/اگست کو بخیریت واپس پہنچی۔ اس ہندو ریاست میں طلبہ سے نہایت تنگدلانہ اور متعصبانہ سلوک روا رکھا گیا۔ جس کی مفصل اطلاع چودھری صاحب نے حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کے حضور بھی کر دی چنانچہ انہوں نے لکھا "حضور کے خدام کالج ہائیکنگ پارٹی اس وقت کلاڑ پانگی میں چار روز سے ٹھیرے ہوئے ہیں۔ اس جگہ سارے پانگی میں جہانتک خاکسار کے علم کا تعلق ہے صرف ایک سنار مسلمان ہے۔ باقی سب کٹر ہندو ہیں۔ یہاں پر ایک بنگالی "سوامی جی" ہیں۔ انہوں نے ہمارے راشن اور قلیوں کی فراہمی میں سخت دقت پیدا کی ہے۔ یہاں سرکاری ڈپو ہے اور آٹا وغیرہ یہاں سے ملتا ہے۔ لیکن پہلے ہی دن سوامی جی نے خود آکر ڈپو والے کو ہمیں آٹا دینے سے روک دیا۔ سوامی جی کا لوگوں میں بہت رسوخ ہے۔ یہاں تک کہ سرکاری ملازمین اور افسروں کا راشن بھی بعض اوقات بند کر دیتے ہیں۔ یہاں پر کچھ آریہ سماجی بھی آئے ہوئے ہیں وہ بھی شرارت کر رہے ہیں۔ پارٹی کا پروگرام ٹوٹ رہا ہے اور جب تک راشن نہ ہو واپس آنا سخت مشکل ہے۔ پانگی کی چڑھائی اور میل ہا میل برف پر چلنے کی وجہ سے اور بارش میں بھیگ جانے کے باعث اور خوراک کی قلت کے سبب پارٹی کے اکثر ممبر بیمار ہو چکے ہیں۔ اگرچہ یہاں ہسپتال ہے اور ڈاکٹر صاحب جو نہایت شریف آدمی ہیں ہماری مدد کر رہے ہیں اور ہمارے اپنے پاس بھی کچھ دوائیاں ہیں پھر بھی، پانگی کا راستہ واپس طے کرنا مشکل ہے جبتک پورا سامان خوراک نہ ہو اور قلی نہ ہوں۔ قلیوں کو بھی سوامی جی نے بہکا دیا ہے۔ یہاں لوگ کہہ رہے ہیں کہ یہ لوگ ہمارا دھرم بھرشٹ کرنے آئے ہیں" (الفضل ۱۲/ظہور/اگست ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔)
چودھری محمد علی صاحب کا بیان ہے کہ "جب ہم واپس ڈلہوزی پہنچے تو حضور رضی اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اطلاع بھیجی۔ حضور بلا توقف، بے تابانہ، ایک ہاتھ میں قلم، ایک میں کاغذ، پیشانی مبارک پر چشمہ، ننگے سر، ننگے پاؤں، سیڑھیوں کے پاس تشریف لے آئے۔ ہم دوڑ کر حضور کی خدمت میں پہنچے۔ سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل کی اور حضور اسی حالت میں حالات دریافت فرماتے رہے"۔

[3] رجسٹر کارروائی مجلس تعلیم قرارداد ۵۴ و ۵۵۔

۳۔ کلام ۔ نزول المسیح ۔ کشتی نوح ۔ ترجمہ لباب الخیار ۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام ۔ ہمارا خدا۔

۴۔ ایسے احمدی طلباء جو باہر سے آئے ہوئے ہونے کی وجہ سے اوپر کا نصاب نہ سمجھ سکتے ہوں یا پُورا نہ کر سکتے ہوں اُن کے لئے مندرجہ ذیل نصاب ہوگا :۔

(الف) قرآن شریف ناظرہ و قرآن شریف با ترجمہ تا آخر سورۃ توبہ و ترجمہ نماز

(ب) حدیث ۔ نبراس المومنین

(ج) کلام ۔ نزول المسیح ۔ کشتی نوح ۔ ترجمہ لباب الخیار ۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام ۔ ہمارا خدا۔

۵۔ باہر سے آنے والے طلباء میں سے جو اس نصاب کو نہ لیں اُن کے لئے حسب ذیل عام اسلامی تاریخ کا نصاب ہوگا :۔ سیرت خاتم النبیین حصہ اوّل ایڈیشن ثانی ، مختصر تاریخ اسلام مصنفہ شاہ معین الدین ندوی اعظم گڑھ ، اردو ترجمہ لباب الخیار ، سوانح حضرت محمدؐ صاحب مصنفہ شردھے پرکاش صاحب[1][2]

پرنسپل تعلیم الاسلام کالج پنجاب یونیورسٹی کی اکیڈیمک کونسل میں

تعلیم الاسلام کالج کو پہلے ہی سال پورے صوبہ بلکہ ملک بھر میں جو شہرت نصیب ہوئی اس کا نہایت خوشگوار اثر صوبائی کالجوں پر یہ پڑا کہ پنجاب یونیورسٹی کے تمام انٹرمیڈیٹ کالجوں کے پرنسپل صاحبان نے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو متفقہ طور پر سال ۴۶-۱۹۴۵ء کے لئے یونیورسٹی کی اکیڈیمک کونسل کا ممبر منتخب کر لیا اور پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے آپ کو ۷؍ جنوری ۱۹۴۵ء کو یہ اطلاع بھی مل گئی۔[3]

---

[1] رسالہ "مجلس تعلیم" صفحہ ۵۱-۵۲ شائع کردہ مجلس تعلیم قادیان (فتح/دسمبر ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء)

[2] اس نصاب کا پہلا امتحان ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء کے شروع میں ہوا جس کا نتیجہ "الفضل" یکم امان/مارچ ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ پر شائع شدہ ہے کل ۲۳ طلباء کامیاب ہوئے ۔ عبدالسمیع صاحب نون (ادرجمہ حال ایڈووکیٹ سرگودھا) اور فضل الٰہی صاحب انوری (سابق مبلغ جرمنی حال مبلغ نائیجیریا) بالترتیب اوّل و دوم قرار پائے۔ امتحان پاس کرنے والے دوسرے طلبہ کے نام :۔ محمد امین صاحب (حال لندن) سعید احمد صاحب اعوان ، چوہدری فیض احمد صاحب ، عبدالکریم صاحب شیخ بہاء اللہ صاحب (حال ساہیوال) ، قریشی ہارون الرشید صاحب ارشد ، سید منیر احمد صاحب ، خلیل احمد صاحب (پشاوری) ، صلاح الدین صاحب ناصر (بنگالی) ، محمد ظہیر الدین صاحب ، الطاف حسین صاحب ، سید شفیق الحسن صاحب ، مسعود احمد صاحب ، شیخ نصیر الدین احمد صاحب (ابن حضرت ڈاکٹر بدر الدین احمد صاحب) ، نذیر احمد صاحب ، غلام احمد صاحب (گجراتی) ، محمود احمد صاحب عبداللطیف صاحب ملتانی ، چوہدری مختار احمد صاحب (حال سرگودھا) ، عبدالحمید صاحب سعید حیدر آبادی ، سلیم الدین صاحب (مرحوم متوفی ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء) ، مسعود احمد صاحب عاطف (حال پروفیسر تعلیم الاسلام کالج) ، محمود احمد صاحب صادق ، محمد ادریس صاحب عینی (حال شعبہ بیوسمیا کوئٹہ) ، ملک مسعود احمد صاحب (ڈپٹی غازیخان حال وائس پرنسپل گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ) ، سردار منور احمد خالد صاحب ، چوہدری نذیر احمد صاحب ، محمد شریف صاحب ، حافظ عطاء الحق صاحب (برادر اصغر مولوی ابو المنیر نورالحق صاحب) ، بشیر احمد صاحب محمد شریف صاحب (الفضل یکم امان/مارچ ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱)۔

[3] "الفضل" ۸؍ صلح/جنوری ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲۔

مجلسِ مذہب و سائنس کا قیام

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ماہ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں قیام کالج کے بعد جماعت احمدیہ میں اعلیٰ علمی، مذہبی اور سائنٹفک تحقیق کا مذاق پیدا کرنے کے لئے "مجلسِ مذہب و سائنس" کے نام سے ایک اہم مجلس کی تاسیس فرمائی۔ جس کا صدر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو نامزد فرمایا۔ حضرت میاں صاحب نے مجلس کا کام چلانے کے لئے حسب ذیل عہدیدار مقرر فرمائے:۔

۱۔ نائب صدر: حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج قادیان

۲۔ زائد نائب صدر: مولانا ابو العطاء صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ قادیان

۳۔ جنرل سکرٹری: چودھری عبد الاحد صاحب ایم ایس سی۔ پی ایچ ڈی۔

۴۔ نائب سکرٹری: چودھری خلیل احمد صاحب ناصر بی اے و عبد السلام صاحب اختر ایم اے

۵۔ انچارج لائبریری: پروفیسر عطاء الرحمٰن صاحب غنی ایم ایس سی

۶۔ ایڈیٹر حصہ انگریزی: ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے

۷۔ ایڈیٹر حصہ اردو: چودھری خلیل احمد صاحب ناصر بی۔ اے[۵۱]

مجلس کے بنیادی مقاصد یہ تھے کہ سائنس، فلسفہ، اقتصادیات، عمرانیات اور دوسرے علومِ جدیدہ کی طرف سے مذہب پر عموماً اور اسلام پر خصوصاً ہونے والے اعتراضات کی اعلیٰ علمی سطح پر تحقیق کی جائے۔ اس غرض کے لئے چار سب کمیٹیوں کی تشکیل کی گئی۔ ۱ سب کمیٹی مذہب۔ ۲ سب کمیٹی سائنس، ۳ سب کمیٹی فلسفہ اور ۴ سب کمیٹی اقتصادیات، پولیٹکل سائنس اور سوشیالوجی وغیرہ۔ ان سب کمیٹیوں کے سکرٹری بالترتیب مولانا ابو العطاء صاحب، ڈاکٹر عبد الاحد صاحب ایم ایس سی۔ پی ایچ ڈی، چوہدری محمد علی صاحب ایم اے اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب تجویز ہوئے۔

مجلس کا پہلا پبلک جلسہ ۲۹/ امان/ مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو مسجد اقصیٰ میں منعقد ہوا جس میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے نہایت لطیف پیرایہ میں مجلس کی اہمیت و ضرورت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

"سلسلہ احمدیہ کے کام کا دائرہ اب آہستہ آہستہ بہت وسعت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ جس

---

۵۱ "الفضل" ۱۷ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶۔

طرح سمندر میں پہلے ایک لہر اُٹھتی ہے، پھر دوسری۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور پھر تیسری اور اس طرح لہروں کا حلقہ وسیع ہوتا جاتا ہے اسی طرح خدائی سلسلہ بھی روز بروز بڑھتا ہے اور اپنے حلقہ کو وسیع کرتا چلا جاتا ہے۔ شروع میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ہماری ابتدائی بحث قریباً نوّے فیصدی وفات مسیح کے مسئلہ پر ہوا کرتی تھی۔ پھر صداقت مسیح موعود کے مسئلہ پر زور شروع ہوا۔ پھر نبوت کے مسائل پر بحث کا دَور آیا اور ساتھ ساتھ دوسری قوموں کے ساتھ مقابلہ بڑھتا گیا۔ اور اب آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ وہ وقت لا رہا ہے جب کہ احمدیت کا ساری دُنیا کے ساتھ ٹکراؤ ہونے والا ہے اور اس کے نتیجہ میں ہی اسے انشاء اللہ عالمگیر فتح حاصل ہو گی "

" اس وقت ہمارے لئے معین مذہبی تعلیمات کو چھوڑ کر تین مقابلے درپیش ہیں۔ ان میں سے بعض تو حقیقی ہیں اور بعض خیالی۔ لیکن بہرحال ان تینوں کا مقابلہ کرنا اس مجلس کا کام ہے۔ پہلا دائرہ جو اقتصادیات کا دائرہ ہے ایک عملی دائرہ ہے جس کا اسلام اور احمدیت سے بھاری مقابلہ ہے۔ ہمیں اس کے مقابلہ پر وہ نظام پیش کرنا ہے جو اسلام پیش کرتا ہے اور اسے غالب کر کے دکھانا ہے۔ دوسرا دائرہ جو فلسفہ سے تعلق رکھتا ہے ایک قولی مقابلہ ہے۔ یہ لوگ فلسفے کے چند نظریئے پیش کرتے ہیں جو بعض صورتوں میں اسلامی تعلیموں کے ساتھ سخت ٹکراتے ہیں۔ ہمیں اس کے مقابلہ میں اسلام کے نظریئے پیش کرنے اور ان کی فوقیت ثابت کرنی ہے۔ تیسرا حلقہ سائنس کا ہے۔ اس حلقہ کا مذہب کے ساتھ کوئی حقیقی ٹکراؤ نہیں ہے۔ کیونکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے سائنس خدا کا فعل ہے اور مذہب خدا کا قول ہے مگر چونکہ بعض لوگ کوتاہ بینی کی وجہ سے غیر ثابت شدہ حقائق کو ثابت شدہ حقائق سمجھ کر اعتراض کر دیتے ہیں۔ اس لئے اس کے مقابلہ کی بھی ضرورت ہے۔

تو یہ تین دائرے ہیں۔ ایک عملی دوسرا قولی تیسرا خیالی یعنی غیر حقیقی، جن کے مقابلہ کے لئے یہ مجلس مذہب و سائنس قائم ہوئی ہے "[1]

مجلس نے اپنے قیام کے بعد سب سے پہلے خصوصی توجہ دو امور پر مرکوز کر دی۔

ا۔ جدید علوم کی طرف سے اسلام اور مذہب پر وارد ہونے والے اعتراضات کی مکمل فہرست

---

[1] " الفضل " ۲۵ شہادت / اپریل ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ پر مکمل تقریر درج ہے۔

۲۔ علوم جدیدہ کے لٹریچر کی مکمل فہرست

مجلس نے ابتداء ہی میں موجودہ دُنیا کے اہم ترین علمی مضامین کی تحقیق کے لئے مندرجہ ذیل اہلِ علم و فہم کی خدمات حاصل کر لیں :۔

مقرر	موضوع	تاریخ خطاب
۱۔ ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے	"دنیا کی موجودہ تحریکیں"	۲۶ر امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء [1]
۲۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔ اے	"اشتراکیت اور مذہب"	۱۹ر شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء [2]
۳۔ پروفیسر محمد علی صاحب ایم۔ اے	"علم النفس کے جدید نظریئے"	۲۱ر ہجرت/مئی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء [3]
۴۔ چودھری عبدالاحد صاحب ایم ایس سی، پی ایچ ڈی	"نظام کائنات اور سائنس کی حدود"	۴ر وفا/جولائی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء [4]
۵۔ " " "	"	یکم نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء [5]
۶۔ " " "	"زندہ اشیاء کے خواص اور زندگی کی اہمیت"	۲۷ر احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء [6]
۷۔ ڈاکٹر پی۔ کے کچلو صاحب پروفیسر طبعیات گورنمنٹ کالج لاہور	"جوہری توانائی"	۴ر فتح/دسمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء [7]
۸۔ ڈاکٹر میلا رام صاحب پروفیسر طبعیات ایف۔ سی کالج لاہور	"زمین کی عمر"	۱۸ر فتح/دسمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء [8]
۹۔ ڈاکٹر آسکر یہ فلر صاحب (ڈی۔ ایس۔ سی)	"مذہب اور سائنس"	۲۵ر " " [9]

پہلی تین تقاریر کے سوا جن میں بالترتیب حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ اور مولوی ابوالعطاء صاحب نے صدارت کے فرائض انجام دیئے باقی سب اجلاسوں میں سیدنا المصلح الموعودؓ بنفس نفیس رونق افروز رہے اور حضور نے اپنے بیش قیمت ارشادات سے مستفیض فرمایا۔

---

[1] "الفضل" ۳۰ر امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص۲ ۔ [6] "الفضل" ۵ر وفا/جولائی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء ص۳ ک۳ ۔

[2] " ۲۰ر شہادت/اپریل " ص۲ ک۱ ۔ [7] " ۵ر فتح/دسمبر " ص۱ ک۱

[3] " ۳ر احسان/جون " ص۶ ک۱-۲ ۔ نیز " ۷ر " " ص۵ ۔

[4] " ۱۰ر وفا/جولائی " ص۴ ۔ [8] " ۱۹ر " " ص۱ ک۲ ۔

[5] " ۵ر نبوت/نومبر " ص۴ ۔ [9] " ۲۸ر " " ص۴ ک۱-۲ ۔

مجلس مذہب و سائنس کے زیرِ اہتمام پہلے آٹھ لیکچر مسجد اقصیٰ میں دیئے گئے اور نواں لیکچر مسجد مبارک میں ہوا۔ یہ مجلس تقسیم ہند تک قائم رہی اور اپنے دائرۂ عمل میں نہایت قابل قدر اور مفید علمی خدمات سرانجام دیتی رہی۔

تعلیم الاسلام ریسرچ سوسائٹی کی بنیاد

سیدنا المصلح الموعود کے ارشاد پر "مجلس مذہب و سائنس" کے علاوہ ۱۸ ؍ صلح / جنوری ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء کو "تعلیم الاسلام ریسرچ سوسائٹی" بھی قائم کی گئی جس کے بنیادی اغراض و مقاصد یہ تھے کہ طلباء اور اساتذہ دونوں میں تحقیقاتی اور علمی مذاق پیدا کیا جائے اور ان اعتراضات کے متعلق جو مذہب پر عموماً اور اسلام پر خصوصاً سائنس اور دیگر علوم کی بناء پر کئے جاتے ہیں پوری تحقیقات کر کے ان کا ردّ کیا جائے۔ سوسائٹی کی دو شاخیں تجویز کی گئیں۔ (الف) سائنس سیکشن (ب) آرٹس سیکشن

اس علمی اور تحقیقاتی مجلس کے صدر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (پرنسپل) اور سرپرست حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب (صدر کالج کمیٹی) تھے۔ اور اس کے قواعد میں یہ بات شامل تھی کہ یہ سوسائٹی فضل عمر سائنٹفک اینڈ ریلیجس سوسائٹی کے لئے جس کا نام مجلس مذہب و سائنس رکھا گیا، پودوں کے ذخیرہ (NURSERY) کے طور پر کام کرے گی۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ کالج یونین، جوبلی فنڈ، صدر انجمن احمدیہ اور عطیہ جات سے اس کے اخراجات پورے کرنے کی کوشش کی جائے گی

فضل عمر ہوسٹل کی نئی عمارت کا افتتاح

فضل عمر ہوسٹل عارضی طور پر گیسٹ ہاؤس میں قائم ہو چکا تھا۔ مگر ضرورت اس امر کی تھی کہ اُسے کالج کمیٹی کے طے شدہ پروگرام کے مطابق جامعہ احمدیہ کی عمارت میں منتقل کر دیا جائے۔ یہ جگہ تعلیم الاسلام کالج سے بالکل متصل غربی جانب واقع تھی اور خلافت اولیٰ کے زمانہ میں مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے کی رہائش گاہ اور دفتر تفسیر القرآن کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔

یہ عمارت بہت سے تعمیری اضافوں اور تبدیلیوں کے بعد ماہ اخاء / اکتوبر میں ہوسٹل کی صورت میں تبدیل کر دی گئی اور حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے اس کا افتتاح اسی ماہ ۲۷ ؍ اخاء / اکتوبر کو نماز عصر کے بعد فرمایا۔

اس تقریب پر چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے سپرنٹنڈنٹ فضل عمر ہوسٹل نے پہلے ایک ایڈریس

پیش کیا جس کی ابتدا میں کہا:-

"آج سے ۳۱ سال پہلے جبکہ منکرین خلافت خدا کے رسُول کی تخت گاہ چھوڑ رہے تھے تو اُن میں سے ایک نے تعلیم الاسلام ہائی سکول کی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ آج سے دس سال کے بعد اس بلڈنگ پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے موافق مصلح موعود کے مبارک دَور میں جماعت کو ترقی پر ترقی عطاء فرمائی۔ وہ بلڈنگ جس کے متعلق یہ بات کہی گئی تھی۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوازا۔ اور سکول کی بجائے اسے کالج کی بلڈنگ میں تبدیل کر دیا۔ فالحمد للہ علےٰ ذالک۔

یہ جگہ جہاں موجودہ ہوسٹل کی تعمیر ہوئی ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں منکرین خلافت کے امیر رہا کرتے تھے۔ لیکن آج ان کی کوٹھی کالج کے ہوسٹل میں تبدیل ہو گئی ہے۔ یہ سب باتیں ہمارے لئے نشان ہیں . . . . ہم حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ حضور دُعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ ہر بُرے اثر کو اس جگہ سے دُور کرے اور اپنی برکات کی بارش سے سیراب کرے"[۵۱]

اس ایڈریس کے بعد حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ایک نہایت رُوح پرور اور وجد آفریں تقریر فرمائی جس کا آغاز ان الفاظ سے کیا کہ

"سپرنٹنڈنٹ صاحب ہوسٹل تعلیم الاسلام کالج نے ایک پُرانے واقعہ کی طرف اپنے ایڈریس میں اشارہ کیا ہے۔ آپ لوگ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنے والے اور تاریخی طور پر اسے یاد رکھنے والے اس کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتے جو کیفیت آج سے ۳۲ سال پہلے مارچ ۱۹۱۴ء میں قادیان کے لوگوں پر طاری ہوئی تھی . . . . . اس وقت کی قادیان آج والی قادیان نہ تھی جتنے محلے قصبہ سے باہر آج آباد نظر آتے ہیں ان میں سے کوئی بھی نہ تھا۔ قادیان کی آبادی اس وقت قریباً قریباً اتنی ہی ہوگی جتنی اس وقت کالج اور اس کے متعلقین کی تعداد ہے۔ قصبہ کے باہر جتنے مکانات نظر آتے ہیں سوائے سکول کے اور سوائے مسجد نُور اور مولوی محمد علی صاحب کی اس کوٹھی کے جس کی طرف سپرنٹنڈنٹ صاحب نے اشارہ کیا ہے۔ باقی تمام جنگل ہی جنگل تھا۔ اس وقت یہ سوال جماعت کے سامنے آیا کہ کیا اپنے اصول پر قائم رہ کر اکابرین جماعت کا مقابلہ کریں یا ان سے ڈر کر ہتھیار رکھ

---

[۵۱] "الفضل" ۲ نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۱-۲

دیں۔ اس وقت اس فیصلہ کا انحصار ایک ایسے شخص پر تھا جس کی عمر کالج کے بہت سے پروفیسروں سے کم تھی۔ جس کی حیثیت موجودہ کالج کے بہت سے پروفیسروں سے، بہت کم تھی۔ جس کا علم جہاں تک دنیوی علوم کا تعلق ہے، کالج کے ہر طالب علم سے کم تھا۔ صرف اس ایک انسان کے ذمہ یہ فیصلہ کرنا تھا کہ آیا ان تمام ذمہ داریوں کے ہوتے ہوئے آیا ان تمام بوجھوں کے ہوتے ہوئے اور آیا ان تمام کمزوریوں کے ہوتے ہوئے جبکہ جماعت کے تمام اکابر خلاف کھڑے ہو گئے تھے۔ جبکہ بہت سی بیرونی جماعتوں میں ابتلاء آچکا تھا۔ جبکہ جماعت کے لوگوں میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا تھا کہ قادیان کے لوگ سلسلہ کو تباہ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں اور بہت بڑے فتنہ کی بنیاد رکھ رہے ہیں، اس وقت ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے یا ان کے سامنے ہتھیار رکھ دینے چاہئیں۔ وہ اکابر جو سلسلہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے اُن کا اندازہ اس وقت کی حالت کی نسبت کیا تھا اس کی طرف سپرنٹنڈنٹ صاحب نے اپنے ایڈریس میں اشارہ کیا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہمارا اثر و رسوخ اتنا زیادہ ہے اور ہمارے مقابلہ میں کھڑے ہونے والے تعداد میں، علم میں، ساز و سامان میں، اور اثر و رسوخ میں اتنے کمزور ہیں کہ اگر ہمارے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو گرتے پڑتے زیادہ سے زیادہ دس سال تک ٹھہریں گے۔ پھر یہاں عیسائیوں کا قبضہ ہو جائے گا اور احمدیوں کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ اس وقت اس شخص کو جس کی عمر ۲۵ سال تھی، خدا تعالیٰ کے فضل سے اس بات کا فیصلہ کرنے کی توفیق ملی کہ خواہ حالات کچھ بھی ہوں اس جھنڈا کو کھڑا رکھے گا جس کو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ کھڑا کیا ہے۔"[۵۰]

اس کے بعد حضور نے ۱۹۱۴ء کے بعض واقعات پر روشنی ڈالنے کے بعد طلباء کو نصیحت فرمائی :-

"آج آپ لوگ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ وہ دن کیسے خطرناک تھے اور خدا تعالیٰ نے کس قسم کے فتنوں میں سے جماعت کو گذارا۔ اس حالت کا آج کی حالت سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہی جوش اور وہی اخلاص جو اس وقت جماعت میں تھا آج بھی آپ لوگوں میں ہو تو یقیناً تم پہاڑوں کو ہلا سکتے ہو۔ اس وقت جماعت کے لوگ بہت تھوڑے تھے مگر خدا تعالیٰ نے ان کو ایسا ایمان اور ایسا جوش بخشا کہ کوئی بڑی سے بڑی روک بھی انہیں کچھ نظر آتی تھی۔ آج کے نوجوان اور آج کی جماعت اگر

۵۰ "الفضل" یکم نبوت / نومبر ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ا کالم ۳-۴

ویسا ہی ایمان پیدا کرلے تو دُنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کرسکتی ہے۔ جو کام ایک پونڈ بارود کرسکتا ہے ایک ٹن بارود اس سے بہت زیادہ کام کرسکتا ہے۔ اگر اس وقت جماعت کی حیثیت پونڈ کی تھی تو آج خدا تعالیٰ کے فضل سے ٹن کی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اُس وقت جماعت کے لوگ بارود تھے کیا آج بھی وہ بارود ہیں یا ریت کا ڈھیر۔ اگر بارود ہیں تو یقیناً آج اُس وقت کی نسبت بہت زیادہ کام کرسکتے ہیں۔ لیکن اگر ریت ہیں تو اس وقت کے کام کا سواں حصہ بھی نہیں کرسکتے۔ پس مَیں نوجوانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اپنے اندر اخلاص پیدا کریں۔"[۱]

حضور نے آخر میں مولوی محمد علی صاحب کی کوٹھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا :-

"یہ سامنے کی کوٹھی جنہوں نے اپنے رہنے کے لئے بنوائی تھی اس میں اب ہوسٹل کے ہوسپرنٹنڈنٹ رہیں گے۔ وہ ان کے ہم نام، ہم قوم، ہم ڈگری اور ہم علاقہ ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے۔ پہلا آدم آیا تو اُسے شیطان نے جنّت سے نکالا مگر دوسرا آدم اس لئے آیا کہ جنّت میں داخل کرے۔ اس کوٹھی میں پہلے رہنے والے محمد علی نام کے، ایم۔اے ڈگری والے، ارائیں قوم کے اور وطن کے لحاظ سے جالندھری تھے، اُن کے ساتھیوں نے خلافت کے اختلاف کے وقت کہا تھا۔ دیکھ لینا! دس سال تک یہاں عیسائیوں کا قبضہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ کی نکتہ نوازی دیکھو۔ دس سال بعد نہیں تیس سال بعد ایک دوسرا شخص اُسی نام، اُسی ڈگری، اسی قوم اور اسی ضلع کا آج ہمارے سامنے یہ کہہ رہا ہے کہ اب مَیں اس کوٹھی میں رہوں گا اور احمدیت کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کروں گا۔ جو کچھ پہلے محمد علی ایم۔اے ارائیں جالندھری نے کہا تھا بالکل غلط ہے۔ یہ جگہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے ہی بنائی اور یہاں اسلام کے خادم ہی رہیں گے اور مَیں محمد علی ایم۔اے ارائیں جالندھری اپنے طلبہ سمیت پوری کوشش کروں گا کہ احمدیت اپنی سب روایات سمیت قائم رہے اور دنیا پر غالب آئے"[۲]

یونیورسٹی کمیشن کی طرف سے تعلیم الاسلام کالج کا معائنہ اور اظہارِ مسرت	سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کے ارشاد کے پیش

[۱] "الفضل" یکم نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ ک ۲-۳

[۲] " " " صفحہ ۳ ک ۲

نظر کالج کمیٹی نے پنجاب یونیورسٹی سے درخواست کی کہ کالج کو بی۔ اے اور بی ایس سی تک بڑھانے کی اجازت دی جائے۔ اس پر یونیورسٹی نے تمام حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے ایک کمیشن قادیان بھجوایا۔ یہ کمیشن ملک عمر حیات صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور، سردار جودھ سنگھ صاحب پرنسپل خالصہ کالج امرتسر، اور ڈاکٹر جی۔ ایل دتا صاحب پرنسپل ڈی اے وی کالج پر مشتمل تھا۔ ارکان کمیشن نے ۹ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو تعلیم الاسلام کالج کا معائنہ کیا اور کالج کی جائے وقوع، اس کی عمارات، سامان، گراؤنڈز وغیرہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فضل عمر سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ دیکھ کر تو یہ اثر لے کر گئے کہ کالج سے متعلق ان تیاریوں سے ظاہر ہے کہ ایک یونیورسٹی کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔[۵۱]

تعلیم الاسلام کالج میں توسیع کے لئے حضرت امیر المومنین کی اپیل

جماعت احمدیہ کے اولوالعزم روحانی سپہ سالار حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے کالج کی افتتاحی تقریب پر اس دلی منشا کا اظہار فرمادیا تھا کہ آپ اُس دن کے آنے کے منتظر ہیں کہ

"اس بیج میں سے ایک دن ایسا درخت پیدا ہو جس کی ایک ایک ٹہنی ایک بڑی یونیورسٹی ہو اور ایک ایک پتہ کالج بن جائے اور ایک ایک پھول اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کی ایک اعلیٰ درجہ کی بنیاد ہو"

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے اس عظیم الشان نصب العین کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے قیام پاکستان سے قبل جو تدریجی قدم اُٹھائے ان میں تعلیم الاسلام کالج میں بی۔ اے اور بی ایس سی کی کلاسوں کا اضافہ بھی ہے۔ حضور نے اس سلسلہ میں ناصر آباد سندھ سے ۱۵ امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو حسب ذیل مضمون رقم فرمایا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ــــ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

من انصاری الی اللہ

تعلیم الاسلام کالج قادیان میں توسیع

بی۔ اے اور بی۔ ایس۔ سی کی کلاسیں کھولنے کی تجویز

احباب کو معلوم ہے کہ دو سال سے قادیان میں کالج کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔

---

[۵۱] "الفضل" ۱۵ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

اس سال ایف۔اے اور ایف ایس سی کے طالب علم امتحان دیں گے اور پاس ہونے والے بی۔اے اور بی۔ایس۔سی میں داخل ہوں گے۔چونکہ ایف اے اور ایف ایس سی تعلیم کا منتہیٰ نہیں ہے اس کے لئے تکمیل تعلیم کے لئے بی۔اے اور بی۔ایس۔سی کی جماعتوں کا ہونا ضروری ہے جن کے کھولنے کے لئے صرف عمارت اور فرنیچر اور سائنس کے سامان کا اندازہ ایک لاکھ ستر ہزار کیا جاتا ہے اور کل خرچ پہلے سال کا دو لاکھ پانچ ہزار بتایا جاتا ہے۔یونیورسٹی کی طرف سے کمیشن آکر بی۔اے اور بی۔ایس۔سی کی جماعتوں کے کھولنے کی سفارش کر چکا ہے۔اب صرف ہماری طرف سے دیر ہے۔اس وقت اگر ہم یہ جماعتیں نہ کھولیں گے تو جماعت کے لڑکے ایک تو اعلیٰ تعلیم کے لئے پھر دوسرے کالجوں میں جانے پر مجبور ہوں گے۔دوسرے بہت سے لڑکوں کو دوسرے کالج لیں گے ہی نہیں۔کیونکہ اکثر کالج دوسرے کالجوں کے لڑکوں سے تعصب رکھتے ہیں۔اس لئے ہمارے لڑکوں کی عمریں تباہ ہوں گی۔تیسرے جو غرض کالج کے اجراء کی تھی کہ لامذہبیت کے اثر کا مقابلہ کیا جائے اور خالص اسلامی ماحول میں پلے ہوئے نوجوانوں کو باہر بھجوایا جائے وہ فوت ہو جائے گی۔پس ان حالات میں مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے کالج کی بی۔اے اور بی۔ایس۔سی کی جماعتیں کھول دی جائیں۔اور اسی سے دعائے کامیابی کرتے ہوئے مَیں جماعت احمدیہ کے مخلص افراد سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس کام کے لئے دل کھول کر چندہ دیں اور یہ دو لاکھ کی رقم اس سال میں پوری کر دیں تاکہ یہ کام بہ تمام و کمال جلد مکمل ہو کر اسلام کی ایک شاندار بنیاد رکھی جائے۔

مَیں نے اپنے آپ کو ایک نمونہ بنانے کے لئے دس ہزار روپیہ کا وعدہ کیا ہے۔اس سے پہلے اس سال میں دس ہزار تحریک جدید میں اور پانچ ہزار مدرسہ احمدیہ کے وظائف کے لئے دے چکا ہوں اور ان چندوں کے علاوہ نو دس ہزار کی مزید رقم مَیں نے ادا کی ہے یا کرنی ہے اور گو یہ میرے ارادے میری موجودہ حالت کے خلاف ہیں لیکن وہ مال جو اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے کام نہیں آتا کس کام کا؟ ہماری زبان میں محاورہ ہے کہ بھاڑ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ پس وہی روپیہ ہمارا ہے جو دین میں خرچ ہو۔جو ہم نے کھایا وہ گنوایا۔اور جو خدا تعالیٰ کی راہ میں دیا وہ لیا۔پس احباب جماعت کو چاہیئے کہ چندوں کی کثرت سے گھبرائیں نہیں

بلکہ خوشی سے کودیں اور اچھلیں کہ خدا تعالیٰ نے انہیں اپنے کام کے لئے چُن لیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ احباب اس تحریک کو ایک بار نہ سمجھیں گے بلکہ ایک عظیم الشان انعام سمجھتے ہوئے اس کے حصول کے لئے کھُلے دلوں کے ساتھ چندہ دیں گے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ ہماری جماعتوں میں اب ایسے لوگ شامل ہیں کہ اگر ان میں سے پانچ سَو آدمی بھی اس عہد کو سامنے رکھ کر جو انہوں نے خدا تعالیٰ سے کیا ہے اس کام کے لئے آگے آ گئے تو وہ دوسروں کی مدد کے بغیر اس رقم کو پُورا کر سکتے ہیں۔ لیکن مَیں چاہتا ہوں کہ ہر احمدی غریب امیر اس کام میں حصّہ لے جو ہزاروں دے سکتے ہیں وہ ہزاروں دیں اور جو سینکڑوں دے سکتے ہیں وہ سینکڑوں دیں اور جو بیسیوں دے سکتے ہیں وہ بیسیوں دیں اور جو روپیہ دو روپیہ دے سکتے ہیں وہ روپیہ دو روپیہ دیں اور جو چند پیسے دے سکتے ہیں وہ چند پیسے ہی دیں تا اس اسلامی عمارت میں آپ میں سے ہر چھوٹے بڑے کا حصّہ ہو اور دجّالی لشکر کے مقابلہ کے لئے تیار کئے جانے والے لشکر کے سامان میں آپ کا روپیہ بھی لگا ہوا ہو۔ مَیں بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖىهَا وَ مُرۡسٰىهَا کہتے ہوئے اس کاغذی ناؤ کو تقدیر کے دریا میں پھینکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتے نازل کرے جو اُسے کامیابی کی منزل پر پہنچا دیں اور اپنے الہام سے مخلصوں کے دلوں میں قربانی اور ایثار کا مادہ پیدا کرے اور پھر ان کی قربانی کا ادھار نہ رکھے بلکہ بڑھ چڑھ کر اس کا بدلہ دے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمین

والسّلام

خاکسار مرزا محمود احمد

از ناصر آباد سندھ ۱۵ امان ۱۳۲۵ ہش مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۴۶ء[1، 2]

---

[1] "الفضل" ۱۹ امان / مارچ ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۲ ۔ حضرت امیر المومنین کا یہ فرمان اخبار "الفضل" کے علاوہ ہینڈبل کی صورت میں بھی شائع ہوا ۔

[2] کالج کے چندہ کی اپیل پر ۹ شہادت / اپریل ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء تک تقریباً چھیالیس ہزار کے وعدے آئے حضور نے ۵ شہادت / اپریل ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء کو اس تحریک میں سبقت کرنے والے مخلصین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"۲۶ ہزار کے وعدے تو صرف چار آدمیوں کی طرف سے ہیں۔ دو نے دس دس ہزار کے وعدے کئے ہیں۔ ایک نے پانچ ہزار کا اور ایک نے ایک ہزار کا۔ ایک تو دس ہزار کا وعدہ میرا ہے۔ دوسرا دس ہزار دینے کا وعدہ سیٹھ محمد صدیق صاحب کلکتے والے اور ان کے بھائی سیٹھ محمد یوسف صاحب نے کیا ہے۔ تیسرے پانچ ہزار کا وعدہ سیٹھ عبداللہ بھائی کی طرف سے ہے اور چوتھے ایک ہزار کا وعدہ شیخ امام دین صاحب کا ہے جو بمبئی کی طرف تجارت کرتے ہیں۔ گویا اس میں ۲۶ ہزار کے وعدے صرف چار آدمیوں کے ہیں چھ ہزار کا وعدہ قادیان کی لجنہ کا ہے"

تفصیلی فہرست کیلئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۷ شہادت ۱۳۲۵ ہش ص ۵ ۔ اس تاریخ تک جن جماعتوں یا احباب نے اپنا وعدہ ادا کر دیا ان کی فہرست الفضل ۲۹ شہادت / اپریل ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۸ پر شائع کر دی گئی ۔

قادیان کے بزرگ صحابہ کی فضل عمر ہوسٹل میں تشریف آوری

طلبائے فضل عمر ہوسٹل کی دیرینہ خواہش تھی کہ صحابہ کرام کی زیارت کرنے اور چند لمحے ان کی بابرکت مجلس میں بیٹھنے کی سعادت حاصل کریں۔ یہ مبارک موقع ۱۸ امان / مارچ ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء کو میسر آیا۔ اس روز نماز عصر کے بعد طلبہ فضل عمر ہوسٹل نے مقامی صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعوت چائے پر مدعو کیا اور بطور یادداشت ان کے دستخط لئے۔ چائے کے بعد طلباء کی طرف سے نہایت جامع ایڈریس پیش کیا گیا۔ پھر سب صحابہ کا مجموعی طور پر فوٹو لیا گیا۔ اکتالیس [۴۱] صحابہ کرام اس گروپ میں موجود تھے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی شمولیت فرمائی۔ آخر میں صحابہ کرام نے باری باری اپنا نام، ولدیت، وطن اور سنہ بیعت برائے تعارف بیان فرمایا اور مغرب کے وقت دعا پر یہ تقریب ختم ہوئی۔[۱]

اس اہم تقریب کی مزید تفصیل چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے کے الفاظ میں یہ ہے کہ " فضل عمر ہوسٹل میں ایک مجلس صحابہ منعقد ہوئی جس میں سوائے حضرت میر محمد اسماعیل رضی اللہ عنہ اور حضرت پیر منظور محمد صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قادیان میں موجود تمام صحابہ نے شمولیت فرمائی۔ سیدنا حضرت مصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف نہیں لاسکے تھے۔ بالاتفاق صدارت کے لئے حضرت مولانا سید سرور شاہ رضی اللہ تعالےٰ کا اسم گرامی تجویز ہوا۔ تمام صحابہ نے اپنے مختصر کوائف بیان کئے جو درج رجسٹر ہوئے اور سب نے باری باری اس بات کی شہادت دی کہ ہم سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نبی کی حیثیت سے ایمان لائے تھے اور اسی عقیدہ پر اب تک قائم ہیں "

بی ایس سی کیلئے علم طبعیات کی لیبارٹری کی بنیاد اور اس کی تعمیر

۱۵ شہادت / اپریل ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء کو حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے تعلیم الاسلام کالج کی چھت پر جانب مغرب شعبہ سائنس کی علم طبعیات کی لیبارٹری کی بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھی۔ اس موقعہ پر حسب ذیل صحابہ کرام بھی موجود تھے :-

۱۔ حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب ، ۲۔ خانصاحب منشی برکت علی صاحب ، ۳۔ آنریبل چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب ، ۴۔ سیٹھی خلیل الرحمٰن صاحب ، ۵۔ خان بہادر غلام محمد صاحب ، ۶۔ مولوی محمد دین صاحب ، ۷۔ ملک غلام فرید صاحب ، ۸۔ مولوی فضل الٰہی صاحب

---

۱ " الفضل " ۱۹ امان / مارچ ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۱۔ زیر عنوان " مدینۃ المسیح "۔ طلبہ نے اس یادگار تقریب پر جو ایڈریس پیش کیا وہ " الفضل " ۲۱ امان / مارچ ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۴ پر چھپا ہوا ہے ۔

۹۔ حضرت نواب زادہ محمد عبداللہ خاں صاحب ، ۱۱۔ حضرت ماسٹر علی محمد صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی،
۱۱۔ حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری ، ۱۲۔ حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب،
۱۳۔ ماسٹر ودھاوے خاں صاحب[1]۔

ان صحابہ نے بھی حضور کے ارشاد پر ایک ایک اینٹ رکھی۔ بعد ازاں سیدنا المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے مجمع سمیت لمبی دعا فرمائی۔[2]

بی۔ ایس۔ سی (فزکس اور کیمسٹری) کی لیبارٹری کے آلات (APPARATUS) کے لئے ولایت کی ایک فرم کو آرڈر دیا گیا۔ فرنشنگ، فٹنگ اور پلیننگ کا کام چوہدری غلام حیدر صاحب کے سپرد تھا اور بلڈنگ کے انجنیئر چوہدری عبداللطیف صاحب واقف زندگی اوورسیئر تھے۔[3] ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے وسط تک یہ لیبارٹریاں تیار ہو چکی تھیں اور آلات (APPARATUS) بھی خاصی تعداد میں ولایت سے پہنچ گئے تھے۔

فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح

فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا باقاعدہ افتتاح ۱۹ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو بوقت پانچ بجے شام ہوا۔ اس تقریب میں سیدنا حضرت المصلح الموعود بھی رونق افروز تھے۔ سب سے پہلے ادارہ کے ڈائریکٹر چوہدری عبدالاحد صاحب نے ڈاکٹر سر شانتی سروپ بھٹناگر ڈائریکٹر کونسل آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ کو ایڈریس پیش کیا جس کے ابتداء میں اس ادارہ کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی۔ بعد ازاں بتایا:-

"اس ادارہ کے لئے مستقل عمارت کی تجویز شہر سے کچھ فاصلہ پر ہے چنانچہ گورنمنٹ کی نیلامی سے چالیس ایکڑ زمین حاصل کر لی گئی ہے۔ . . . موجودہ تجربہ گاہوں کو جدید آلات سائنس سے لیس کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے اور ایک ٹیکنیکل لائبریری کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے۔ بعض ایسے انتظامات بھی کئے گئے ہیں جن سے مختلف قسم کے تجربات کم اور زیادہ دباؤ کے ماتحت کئے جا سکتے ہیں۔ . . .

. . . تجارتی تجربات کے لئے ممالک متحدہ کی بعض فرموں کو نباتاتی تیل کے صاف کرنے اور

---

[1] والد ماجد جناب چوہدری شاہ محمد صاحب خوشنویس۔

[2] "الفضل" ۲۰ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔

[3] چوہدری صاحب موصوف نے یکم تبلیغ/فروری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء سے لیکر ۱۵ احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء تک نہایت محنت و جانفشانی سے یہ خدمت سرانجام دی۔ لیبارٹریوں کی تعمیر کے بعد ان کے اندر چار کمروں پر PARTITION WALLS بھی آپ کی نگرانی میں بنائی گئیں جو بہت مشکل اور ٹیکنیکل کام تھا۔ اس کا تمام ڈیزائن (DESIGN) بھی آپ ہی کا تیار شدہ تھا۔

اس سے بناسپتی گھی بنانے نیز پلینٹ، وارنش اور چھاپنے والی سیاہی بنانے کے لئے مشینری کا آرڈر دیا جاچکا ہے اور امید ہے کہ عنقریب یہ چیزیں پہنچ جائیں گی۔ ان کے علاوہ مختلف چیزوں کی غذائیت پر تحقیق کرنے اور انہیں تجارتی طریق پر چلانے کے لئے ایک مشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی زیر نگرانی بھی تیار کی جا رہی ہے جس کو عنقریب مکمل ہونے پر تجربہ گاہ میں نصب کیا جائے گا۔

ادارہ کا قریباً ۲۵ ایکڑ تجرباتی فارم بھی ہے جہاں مختلف پودوں خصوصاً تیل نکالنے والے بیج اور بعض دوسری جڑی بوٹیوں کی پیداوار کو بڑھانے کے متعلق تجاویز عمل میں لائی جاتی ہیں۔ ارادہ ہے کہ پودوں کے مختلف حصوں میں ان کے بڑھنے کے دوران میں جو خاص کیمیاوی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں انہیں بھی زیر مطالعہ لایا جائے" [1]

پروفیسر سر شانتی سروپ[2] بھٹناگر نے اپنی افتتاحی تقریر میں حضور کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا کہ جناب والا ایک طاقتور جماعت کے مذہبی رہنما کی حیثیت سے آپ نے فضل عمر سائنس تحقیقاتی ادارہ کو اپنی جماعت کی مذہبی نشوونما کے لئے قائم فرمایا ہے۔ مذہب اور سائنس کا یہ اتحاد اور یہ باہمی تعلق جو آنجناب کا ادارہ قائم کرے گا بے حد قابل تعریف ہے۔[3]

ڈاکٹر بھٹناگر صاحب ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح کر چکے تو حضرت سیدنا المصلح الموعود نے نمائندگان جماعت سے (جو مجلس مشاورت پر قادیان میں پہنچ چکے تھے اور اس موقعہ پر موجود تھے) خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے لئے اب تک مالی قربانی کا کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا۔ لیکن موجودہ ابتدائی پروگرام کی تکمیل کے بعد دو تین سال میں ہی وہ وقت آنے والا ہے جب جماعت کے سامنے اس کی تحریک کی جائے گی۔[4]

ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا چرچا پریس میں

یہ ادارہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کا واحد مثالی ادارہ تھا جسے نہ صرف ملکی پریس ہی نے بلکہ انگلستان تک کے سائنسی اداروں (INSTITUTIONS) نے بھی سراہا۔

---

[1] "الفضل" ۲۳ شہادت / اپریل ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء

[2] وفات: ۳ جنوری ۱۹۵۵ء

[3] "الفضل" ۲۳ شہادت / اپریل ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء

[4] "الفضل" ۳ ہجرت / مئی ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۳

۱۔ چنانچہ شمالی ہند کے مشہور مسلمان اخبار "**انقلاب**" نے لکھا:۔

"اس وقت علمی وصنعتی دائرے میں مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ سائنٹفک تحقیقات کے ادارے قائم کئے جائیں جن میں نوجوان سائنس کے جدید ترین آلات اور بہترین ٹیکنیکل کتابوں اور فاضل اور تجربہ کار معلّموں کی مدد سے اسرار قدرت کا علم حاصل کریں اور صنعت وحرفت کے جدید اور وسیع دوائر میں کام کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ یہی طریقہ ہے جس سے کام لیکر ملت میں وہ قوت وصلاحیت پیدا کی جاسکتی ہے جو آج دُنیا کی بڑی بڑی قوموں کو حاصل ہو چکی ہے اور جس کے بغیر کمزور قومیں مادّی ترقی کے میدان میں ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتیں۔

قادیان نے اس سلسلہ میں سبقت کی ہے۔ امام جماعت احمدیہ نے ڈھائی لاکھ روپیہ کے ابتدائی سرمایہ سے فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کی اجازت دے دی ہے جس کا افتتاح گذشتہ جمعہ کے دن مشہور سائنسدان ڈاکٹر سر شانتی سروپ بھٹناگر نے بمقام قادیان فرمایا۔ اس انسٹی ٹیوٹ کی لیبارٹریوں میں بہترین اور جدید آلات مہیا کرنے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ بائیوکیمیکل ریسرچ کے لئے الیکٹرون، خوردبین، پروٹین اور کولائیڈیجنر کے خواص کی تحقیق کے لئے خاص آلہ تحلیل وتجزیہ کی عملیات کے لئے سیکٹوگراف اور دوسرے آلات منگائے جا رہے ہیں۔ جن کی مدد سے صنعتوں کی ترقی وتوسیع کا کام اعلیٰ پیمانے پر کیا جائے گا۔ اس وقت چھ ریسرچ اسسٹنٹ کام کر رہے ہیں۔ دو فارغ التحصیل نوجوانوں کو کیمیکل انجینیرنگ وغیرہ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ بھیجا جا رہا ہے۔ ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے طلبۂ سائنس کے لئے بھی انسٹی ٹیوٹ میں ٹیکنیکل ٹریننگ کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔

یہ ہے وہ حقیقی کام جس کی ضرورت مسلمانوں کو شدّت سے محسوس ہو رہی ہے لیکن اب تک ان کے کسی تعلیمی ادارے نے اس کام کی طرف کماحقہٗ توجہ نہیں کی گئی۔ اگر قادیانیوں کو بُرا بھلا کہنے والوں کو اس "جہاد لسانی" کے ساتھ ساتھ قادیانیوں کے تعمیری کاموں میں مسابقت کی توفیق بھی ملتی تو کتنا اچھا ہوتا۔

ہمیں یقین ہے کہ مرزا محمود احمد صاحب کی توجہ اور ان کے جانثاروں کی محنت سے یہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بہت جلد بے انتہا کام کرنے لگے گا۔

کیا ہم یہ امید رکھ سکتے ہیں کہ لاہور، پشاور، دہلی، علیگڑھ کے اسلامی ادارے بھی وقت کی اس اہم ضرورت کی طرف توجہ کریں گے " [1]

۲- ہندوستان کے انگریزی روزنامہ "سٹیٹسمین" نے لکھا:-

" قادیان میں فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح اس کی مقامی اہمیت سے بہت زیادہ بیرونجات پر اثر انداز ہے۔ جماعت احمدیہ کا یہ اقدام مذہب و سائنس کو متحد کرنے کی کوشش کا کامیاب مظاہرہ ہے۔ احمدی بیشک تعداد میں تھوڑے ہیں لیکن جماعتی لحاظ سے اس طرح منظم ہیں کہ بہت سے شعبہ ہائے زندگی میں وہ بڑی تیز رفتاری سے شاہراہ ترقی پر گامزن ہو رہے ہیں۔ قادیان کے احمدیوں میں صنعت و حرفت کی ترغیب و ترویج کے لئے انہوں نے بہت کوشش کی ہے اور بہت سی مفید باتوں میں وہ دوسروں سے پیش پیش ہیں۔ اُن کا یہ تازہ شاہکار اس ترقی کی رُوح کا آئینہ دار ہے (ترجمہ) " [2]

۳- دنیائے سائنس کے مشہور ہفتہ وار رسالہ نیچر (NATURE) نے جو لندن سے نکلتا ہے، ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے افتتاح کی تفصیلی خبر دیتے ہوئے لکھا:-

" مشرق و مغرب دونوں جگہ ازمنہ گذشتہ سے ہی علم کی ترقی مذہبی جماعتوں کی مرہونِ منت رہی ہے۔ مستقبل میں ہندوستان میں سائنس کو جو اہمیت حاصل ہو گی اس کے احساس کی نمایاں علامت اس فیصلہ سے ظاہر ہوتی ہے جو امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح (حضرت خلیفۃ المسیح المصلح الموعودؓ) نے اپنی جماعت کے چندوں میں سے ایک کثیر رقم سائنس کے تحقیقاتی اداروں کے قیام کے لئے منظور فرما کر کیا ہے۔ یہ جماعت پہلے ہی بہت تعلیمی اداروں کو چلا رہی ہے جن میں تعلیم الاسلام کالج بھی شامل ہے۔ مگر اب (حضرت) امام (جماعت احمدیہ) کا خیال ہے کہ وہ وقت آ گیا ہے جبکہ ان اداروں کو بامِ عروج تک پہنچایا جائے۔ یہ نیا تحقیقاتی ادارہ فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قادیان اُس وقت جنم لے رہا ہے جبکہ ہندوستان میں تحریک احیار سائنس زوروں پر ہے اور پرائیویٹ اداروں نے بھی اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے اپنا حصہ ادا کرنا ہے (ترجمہ) " [3]

---

[1] "انقلاب" لاہور ۱۴ر اپریل ۱۹۴۶ء بحوالہ "الفضل" ۲۵ر اپریل ۱۹۴۶ء

[2] بحوالہ "الفضل" ۱۵ر مئی ۱۹۴۶ء

[3] بحوالہ " ۲۶ر جولائی ۱۹۴۶ء

ریسرچ کا دوبارہ لاہور میں قیام

اہلِ ملک کو عموماً اور جماعت احمدیہ کو خصوصاً اس ادارہ سے بہت توقعات وابستہ تھیں اور وہ اسے دنیا بھر میں اپنی طرز کا منفرد اور کامیاب سائنسی تحقیقات کا مرکز دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر جیسا کہ آئندہ آنے والے واقعات نے ثابت کیا خدا تعالےٰ کی مشیت کے مطابق عہدِ مصلح موعود میں ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی محض داغ بیل ڈالنا مقصود تھا ٹھیک جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں تعلیم الاسلام کالج کی بنیاد کا رکھا جانا! جہاں ۱۹۰۵ء میں کالج کی بندش حکومت کی داخلہ پالیسی کے نتیجہ میں بالواسطہ ہوئی تھی وہاں فضلِ عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۱۹۴۷ء میں فسادات ملکی کی وجہ سے بند کرنا پڑی۔ مگر حضرت سیدنا محمود المصلح الموعود نے قادیان میں مغربی فلسفہ کے خلاف اسلام کی تائید و برتری کے لئے جو قدم اُٹھایا تھا اس سے وقتی طور پر بھی ہٹنا گوارا نہ فرمایا۔ چنانچہ محض آپ کے طفیل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ دوبارہ معرضِ وجود میں آگئی۔ ریسرچ کا دفتر ۱۰۸ بلاک۔سی ماڈل ٹاؤن لاہور میں قائم کیا گیا اور صنعتی کام کے لئے مسلم ٹاؤن کے بالمقابل نہر کے پاس ایک لیبارٹری الاٹ کرالی گئی جو F. R. S.[1] کے نام سے مشہور تھی۔[2]

لاہور میں اس کی ابتداء بہت مشکلات کے دوران ہوئی۔ کافی تگ و دَو کے بعد کیمیاوی مرکبات اور سائنٹفک سامان بنانے کا کام شروع کیا گیا۔ دو تجربے بڑے پیمانہ پر کئے گئے جو گندھک کی صفائی اور گندھک کا تیزاب بنانے سے تعلق رکھتے تھے۔ کچھ عرصہ کے لئے صابن سازی کی صنعت بھی جاری رہی۔

ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا ایک پروگرام بیرون ممالک میں اپنے سکالرز کو اعلیٰ تعلیم اور ٹریننگ دلوانا بھی تھا۔ چنانچہ اس سکیم کے تحت چار افراد[3] امریکہ و انگلستان بھجوائے گئے۔ اور متعدد طلبہ کو اندرونِ ملک اعلیٰ تعلیم دلائی گئی۔ اواخر ۱۹۵۰ء میں بیرونی ممالک کے سکالرز واپس آنا شروع ہوئے اور ۱۹۵۱ء کے وسط میں انسٹی ٹیوٹ کو از سرِ نو ترتیب دیا جانے لگا۔ ۱۹۵۲ء کی ابتدا تک انسٹی ٹیوٹ پلیننگ کے مختلف مراحل سے گذرتی رہی۔

مالی مشکلات کے پیشِ نظر چھوٹے پیمانہ پر ہی کام ممکن ہو سکا۔ کیمیاوی مرکبات بنانے کا کام جاری رہا۔ وارنش بنانے کا کام تجربہ کے رنگ میں شروع کیا گیا۔ چند ایک میکینیکل لائن کی مصنوعات بھی بنائی گئیں جو سائیکل انڈسٹری سے تعلق رکھتی تھیں۔ گندھک صاف کرنے کا ایک کامیاب تجربہ کیا گیا۔ کاسمیٹکس کے چند ایک عمدہ مرکبات بنائے گئے۔ پاکستان کی چند معدنیات کا کیمیاوی تجزیہ کیا گیا۔

---

[1] FIELD RESEARCH STATION [2] اب یہ عمارات پنجاب یونیورسٹی لاہور کے نیو کیمپس کا حصہ ہیں۔
[3] ان کا ذکر فصل دوم میں آچکا ہے۔

علمی کام کے لحاظ سے زیادہ تر ببلیوگریفک لٹریچر پیدا کرنے کی طرف توجہ دی گئی۔ اس کام میں سردار عطاء الرحمٰن صاحب غنی نے کافی شغف رکھا اور انہوں نے "پاکستان ایسوسی ایشن فار ایڈوانس منٹ آف سائنس" کے ماتحت ایک کتاب اور متعدد رسائل شائع کئے۔ اسی موضوع سے متعلق چند ایک مضامین بھی سائنٹفک رسائل میں شائع کئے گئے۔ ببلیوگرافک کام کو لائبریری آف کانگرس واشنگٹن امریکہ، مڈل ایسٹ انسٹی ٹیوٹ واشنگٹن امریکہ، ڈویژن آف ببلیوگرفی یونیسکو پیرس جیسے مشہور اداروں نے مفید قرار دیا۔ پاکستان میں انسٹی ٹیوٹ کے پاس ایک عمدہ لائبریری بھی فراہم ہوگئی۔[1]

ماہ احسان ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء میں یہ ادارہ لاہور سے ربوہ منتقل ہوگیا اور ۲۵ احسان/جون ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء کو حضرت المصلح الموعودؓ نے ایک بصیرت افروز تقریر اور دُعا کے ساتھ اس کی نئی عمارت کا افتتاح فرمایا۔[2] مگر افسوس حضرت مصلح موعودؓ کی خلافت کے آخری دَور میں یہ تحقیقاتی مرکز بوجوہ بند کر دینا پڑا۔

ایف۔اے اور ایف۔ایس۔سی کلاسوں کا پہلا امتحان اور پہلا نتیجہ

۲۳ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو تعلیم الاسلام کالج میں انٹرمیڈیٹ کا پہلا امتحان شروع ہوا۔ سردار امریک سنگھ صاحب خالصہ کالج امرتسر سپرنٹنڈنٹ اور اخوند عبدالقادر صاحب ایم۔اے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھے۔[3]

اس موقعہ پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت پرنسپل صاحب کے نام ایک خط میں تاکید فرمائی کہ "طلباء کو تاکید فرمادیں کہ وہ ہر پرچے کو دُعا کے ساتھ شروع کیا کریں اور پُورا وقت لے کر اُٹھا کریں۔ اور آخر میں نظر ثانی بھی ضرور کیا کریں۔ کئی لڑکے پرچے کو آسان سمجھ کر یا گھبرا کر جلدی اُٹھ آتے ہیں اور نظر ثانی بھی نہیں کرتے اور اس طرح بھاری نقصان اُٹھاتے ہیں۔"[4] آپ کی یہ ہدایت طلبہ کو ذہن نشین کرا دی گئی۔

کالج کی طرف سے ۱۹۴۶ء کے ایف۔اے اور ایف۔ایس۔سی کے امتحانوں میں ۵۹ طلبہ شریک ہوئے جن میں سے کمپارٹمنٹ والے طالب علموں کو شامل کرتے ہوئے ۳۱ کامیاب قرار پائے اور ایک طالب علم نذیر احمد صاحب ۴۹۳ نمبر لے کر پنجاب بھر کے مسلمان امیدواروں میں سوم رہے۔ یونیورسٹی کے اعلان کے مطابق ان

---

[1] رسالہ "خالد" ماہ وفا/جولائی ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء صفحہ ۸

[2] حضور کی تقریر کا خلاصہ ماہنامہ "الفرقان" بابت ماہ وفا/جولائی ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء میں شائع شدہ ہے۔ ایضاً "الفضل" ۳۰ وفا/جولائی ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء صفحہ ۳-۴۔ ریسرچ کی یہ عمارت ایک (احمدی) دوست کی ذاتی کوششوں کا نتیجہ تھی۔

[3] "الفضل" ۲۵ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ کالم ۱

[4] فائل ریزولیوشنز کالج کمیٹی۔

امتحانوں کا نتیجہ گذشتہ پانچ سالوں میں سب سے سخت رہا تھا اور اسی لئے کالج کے اس نتیجہ نے اگرچہ جماعت کے بلند علمی حلقہ میں آئندہ بہت بہتر نتائج کی امید پیدا کر دی تھی[1] مگر یہ نتیجہ حضرت سیدنا المصلح الموعود کی توقع سے کم نکلا جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو بذریعہ رؤیا قبل از وقت دی جا چکی تھی۔[2]

طلبہ کے نام موسمی تعطیلات کے دوران نہایت اہم مکتوب

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کو ہمیشہ احمدی طلباء کی رُوحانی اور اخلاقی تربیت کا فکر دامنگیر رہتا تھا اور اس کے لئے آپ کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ ماہ احسان / جون ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے کہ کالج موسمی تعطیلات میں بند تھا اور طلبہ اپنے اپنے گھروں میں چھٹیاں گذار رہے تھے۔ اس دوران میں آپ نے اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل مراسلہ تحریر فرمایا:۔[3]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دفتر تعلیم الاسلام کالج قادیان

عزیزم . . . .

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ آپ کے لئے ہزارہا برکات کا موجب ہے اور ہم پر ہزارہا قسم کی ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔ اس لئے میں نے مناسب خیال کیا کہ اب جبکہ آپ اپنے گھروں میں چھٹیاں گذار رہے ہیں بعض ضروری باتوں کے متعلق آپ کو یاد دہانی کرا دوں۔ امید ہے کہ آپ عزیزان کی طرف خاص توجہ دے کر ثواب دارین حاصل کریں گے۔ اور "احیاء اسلام" کے لئے ایک مفید وجود بن کر اپنے رب کی رضا آپ کو حاصل ہوگی۔

(۱) نماز باجماعت کے پابند رہیں (۲) تبلیغ (حتی المقدور) ضرور کرتے رہیں (۳) کالج کے لئے ایک سو روپیہ چندہ اکٹھا کر کے ضرور لائیں۔ (۴) کالج میں داخل ہونے کے لئے پراپیگنڈا کرتے رہیں (۵) آپ کے ذمہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے لئے بھی پانچ سے دس روپیہ کا چندہ

---

[1] "الفضل" ۱۱ وفا / جولائی ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۳۔ شامل امتحان ہونے والوں میں ۴۲ سائنس کے اور ۳۵ آرٹس کے طالب علم تھے۔

[2] "الفضل" ۲۳ ظہور / اگست ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۱۔

[3] یہ مراسلہ سید عبد الباسط صاحب کارکن خدام الاحمدیہ نے دستی پریس پر بطور سرکلر چھاپا اور آپ کی ہدایت کے ماتحت طلبائے کالج کو بھجوایا گیا۔

لگایا گیا تھا۔ یہ بالکل ہی معمولی کام ہے۔ ذرہ سی توجہ سے ہو سکتا ہے۔
خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو حقیقی احمدی بنائے"

مکتوب کا چربہ

عزیزم ...... !

آپکا تعلیم الاسلام کالج میں داخلہ آپکے لئے ہزارہا
برکات کا موجب ہے اور ہمیں ہزارہا قسم کی ذمہ داریاں
عائد کرتا ہے - اسلئے میں نے مناسب خیال کیا کہ اب
جبکہ آپ اپنے گھروں میں چھٹیاں گذار رہے ہیں
بعض ضروری باتوں کے متعلق اپنے آپ کو یاد دہانی کرا
دوں - امید ہے کہ آپ عزیزان نصیحتوں پر توجہ
دیکر ثواب دارین حاصل کریں گے اور "احیاء اسلام" کے لئے
ایک مفید وجود بنکر اپنے رب کی رضا آپ کو حاصل ہوگی -

(۱) نماز باجماعت کے پابند رہیں (۲) تبلیغ

لینا مقصود ضرور کرتے ہیں (۵) کالج کے لئے ایک سو
روپیہ چندہ اکٹھا کرتے ضرور لائیں (۶) کالج میں داخل
ہونے کے لئے بہت سے ہمدردی پیدا کرتے رہیں (۷) آپ کے ذمہ
خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے لئے بھی پانچ سے دس روپیہ تک کا
چندہ لگ گیا تھا یہ بالکل ہی معمولی کام ہے۔ تھوڑی سی
توجہ سے ہو سکتا ہے

خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کو حقیقی اسلامی بنا دے

[illegible]

کالج میں فضائی تربیت

پروفیسر چودھری محمد علی صاحب ایم۔اے تحریر کرتے ہیں:۔

"قادیان میں I.A.T.C یعنی فضائی تربیت کی کلاسیں شروع ہوئیں۔ اس کے لئے مکرم سید فضل احمد صاحب اور عاجز اور بعد میں چوہدری فضل داد صاحب ٹریننگ کے لئے سکندر آباد گئے اور واپس آکر یہ کلاسیں شروع کیں۔ ہم پنجاب یونیورسٹی کے ونگ کا حصہ تھے۔ سردار جگجیر سنگھ جو ہمارے اُستاد پروفیسر شوچرن سنگھ کے لڑکے تھے ہمارے ونگ کے کمانڈر تھے۔"[1]

قادیان میں کالج کی تعلیمی سرگرمیوں کا آخری دن

تعلیم الاسلام کالج قادیان کی سہ سالہ روداد پر روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم ۳۰؍احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء

[1] ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو کالج کی سپیشل ایئر فورس کلاس کی پاسنگ آؤٹ پریڈ ہوئی جس کی رپورٹ "الفضل" ۲۶؍ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں شائع شدہ ہے۔

کے اُس یادگار دن تک آپہنچے ہیں جو قادیان میں کالج کی تعلیمی سرگرمیوں کا آخری دن تھا۔ اس روز حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے "انڈر ٹیکنگ سٹاف" میں یہ تحریر فرمایا کہ کالج یکم جولائی ۱۹۴۷ء سے گرمی کی تعطیلات کے لئے بند ہو کر ۷؍ستمبر ۱۹۴۷ء کو دوبارہ کھلے گا۔ یہ سرکلر کالج کے دورِ قادیان کا آخری فرمان ثابت ہوا۔ کیونکہ موسمی تعطیلات کے دوران ہی ۱۵؍ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو ملکی تقسیم عمل میں آئی اور ساتھ ہی ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔[۱] ۲؍اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو سٹاف اور طلبہ کی موجودگی میں تعلیم الاسلام کالج اور فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی شاندار عمارتوں پر زبردستی قبضہ کر لیا گیا۔ اور بیش قیمت اور جدید ترین آلات سائنس اور ہر قسم کے علوم و فنون پر مشتمل لائبریری چھین لی گئی۔[۲]

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی پاکستان میں ہجرت

موسمی تعطیلات میں کالج کے اکثر اساتذہ و طلبہ قادیان سے باہر چلے گئے۔ مگر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) یکم وفا سے لے کر ۱۵؍نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء تک قادیان میں تشریف فرما رہے اور قیام امن و صلح کے لئے شب و روز مصروفِ عمل اور سر تا پا جہاد بنے رہے۔ اسی دوران میں سیدنا المصلح الموعود کی طرف سے پاکستان آجانے کا ارشاد ملا جس پر آپ ۱۶؍نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو قادیان کی مقدس اور پیاری بستی سے ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے[۳] اور ساتھ ہی تعلیم الاسلام کالج قادیان کے دورِ اول کی تاریخ کا آخری ورق بھی اُلٹ گیا ـــــــــ

---

[۱] "الفضل" ۷؍صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴، ۵۔

[۲] "المنار" ہجرت-احسان/مئی-جون ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۲۲۔

[۳] "الفضل" ۸؍صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔ آپ جس کنوائے میں قادیان سے لاہور پہنچے۔ وہ دس ٹرکوں پر مشتمل تھا۔ اس کنوائے کے بخیریت پہنچنے کی خبر "الفضل" ۱۸؍نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱ پر چھپ گئی تھی۔

فصل چہارم

سیدنا المصلح الموعود کے خصوصی فیصلہ پر پاکستان میں کالج کی بنیاد

لاہور میں اس کی زندگی کا ہفت سالہ دور

ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء ـــــ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ابھی قادیان[1] میں تھے کہ خدا کے اولوالعزم عالی ہمت اور ذہین و فہیم خلیفہ موعود نے ہجرتِ پاکستان کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ تعلیم الاسلام کالج کو جلد سے جلد کھولنے کا انتظام کیا جائے اور چوہدری عبدالاحد صاحب ڈائریکٹر کو ریسرچ اور کالج کے لئے موزوں عمارت تلاش کرنے پر مقرر فرمایا۔ نیز قادیان لکھا کہ پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے فی الفور لاہور بھجوا دیئے جائیں موصوف یہاں پہنچے تو انہیں قائمقام پرنسپل تجویز کر دیا گیا۔ ۲۰؍اخاء/اکتوبر کو آپ نے کالج کے فوری اخراجات کے لئے ڈیڑھ سو روپیہ بطور پیشگی دیئے جانے کی درخواست کی جو دے دیئے گئے۔ ۲۳؍اخاء/اکتوبر کو چودھری صاحب اور (یعنی فضل الرحمٰن صاحب فیضی ایم۔ اے (جو فسادات کے دوران گجرات میں تھے)) ڈاکٹر صاحب کے ساتھ مل کر حصول عمارت کی جدوجہد کرنے کا ارشاد ملا۔ چودھری صاحب اور فیضی صاحب نے پہلے دن ہی اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دیں اور لاہور میں خالصہ بورڈنگ ہاؤس کی عمارت دیکھنے کے بعد مفصل رپورٹ اگرچہ اگلے روز ۲۴؍ماہ اخاء/اکتوبر کو صدر کالج کمیٹی حضرت مرزا شریف احمد صاحب کو بھجوا دی مگر ساتھ ہی حضرت امیرالمومنین کی خدمت میں تحریری طور پر بادب عرض کیا کہ

"حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی رائے یہ ہے کہ سردست کالج نہ کھولا جائے۔ خاکسار کی گذارش یہ ہے کہ لاہور میں کالج کھولنے کی ضرورت نہیں۔ فی الحال اگر یہ فیصلہ ہو کہ طلباء صرف ایک کالج میں داخل ہوں تو ایک حد تک ان کی نگرانی ہو سکتی ہے۔ ورنہ خواہ اپنا کالج ہی کیوں نہ لاہور کی مسموم ہوا میں طلباء کو شکنجے میں رکھنا کسی صورت میں قابل عمل نہیں ہوگا"[2]

---

[1] کالج کے باقی اکثر اساتذہ ان ایام میں قادیان یا ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بکھرے ہوئے تھے چنانچہ پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب لیکچرار کیمسٹری ۱۹۴۷ء ملا پلی حبیب محمد حیدر آباد دکن میں تھے کہ ہنگامے شروع ہو گئے۔ ریل کا رستہ بند ہو گیا اور آپ ۳۰؍نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش کو بذریعہ بحری جہاز بمبئی سے کراچی کیلئے روانہ ہوئے اور کراچی سے لاہور پہنچے۔ پروفیسر عباس بن عبدالقادر صاحب اپنے وطن بہار میں چھٹیاں گذار رہے تھے اور بعد مشکل پاکستان میں آئے۔

[2] اصل خط کیلئے ملاحظہ ہو " فائل بحالی کالج "۔

سیدنا المصلح الموعودؓ کا تاریخی فیصلہ

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے کا بیان ہے کہ

"میں نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں عرض کی کہ پرنسپل صاحب نے قادیان سے ایک مشورہ بھیجا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر حضور مناسب خیال فرمائیں تو موجودہ حالات میں کالج کا بوجھ جماعت پر نہ ڈالا جائے۔ اس پر حضور خاموش رہے۔ پھر حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب دردؔ نے عرض کیا کہ حضور میرا بھی یہی خیال ہے۔ حضور پھر بھی خاموش رہے۔ پھر کسی اور نے مشورہ دیا۔ حتی کہ حضرت میاں بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالےٰ نے عرض کیا کہ حضور میرا بھی یہی خیال ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم خلیفہ رضی اللہ تعالےٰ نے اتنے جوش اور بلند آواز سے کہ سب کے دل دہل گئے، فرمایا

"آپ کو پیسوں کی کیوں فکر پڑی ہوئی ہے۔ کالج چلے گا اور کبھی بند نہیں ہوگا"

اور پھر اس عاجز سے فرمایا کہ

"آسمان کے نیچے پاکستان کی سرزمین میں جہاں کہیں بھی جگہ ملتی ہے لے لو اور کالج شروع کرو" [1]

اس فیصلہ کے علاوہ حضور نے ۲۴ اخاء/اکتوبر کو ارشاد فرمایا کہ میاں عطاء الرحمٰن صاحب پروفیسر تعلیم الاسلام کالج کو فوری طور پر قادیان سے یہاں بھجوانے کا انتظام کیا جائے نیز انہیں یہ ہدایات بھی بھیجی جائیں کہ وہ کالج کے سامان کی مکمل فہرست بھی تیار کر کے اپنے ساتھ لے آئیں۔ اس فہرست میں وہ سائنس کے سامان کو خاص طور پر مدنظر رکھیں۔ چوہدری محمد علی صاحب نے حضور کا یہ فوری حکم حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کو قادیان بھجوا دیا اور میاں عطاء الرحمٰن صاحب بھی لاہور پہنچ گئے۔

۲۰ اخاء/اکتوبر کو حضور نے مزید ہدایت فرمائی کہ صوفی بشارت الرحمٰن صاحب اور محمد صفدر صاحب کو بلانے کے لئے قادیان لکھا جائے۔ اس حکم کی بھی تعمیل کی گئی۔

حضور کا منشاء مبارک چونکہ فی الفور کالج کے قیام و تاسیس کا تھا۔ اس لئے لاہور کے علاوہ ایمن آباد، گوجرانوالہ، کوٹ شیرا میں موزوں جگہ کی تلاش میں دوڑ دھوپ کی گئی۔ ۲۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو ملک فیض الرحمٰن صاحب فیضی راولپنڈی بھجوائے گئے اور خود چوہدری محمد علی صاحب لائل پور اور سانگلہ ہل پہنچے۔ لائل پور

---

[1] تحریری بیان چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے (مورخہ ۱۲/نبوت/نومبر ۱۳۴۱ہش/۱۹۶۲ء۔ غیر مطبوعہ)

میں آریہ سکول کی عمارت نہایت اعلیٰ تھی مگر ڈپٹی کمشنر صاحب لائلپور نے کہا کہ اسے فی الحال حکومت پاکستان کے سرکل کے تحت ریزرو کر لیا گیا ہے۔ اس لئے کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔

۳۰ اخاء/اکتوبر کو حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ " سانگلہ ہل میں جا کر فوراً خالصہ ہائی سکول پر قبضہ لیا جائے اور قبضہ لیتے وقت ڈائریکٹر صاحب سے یہ طے کر لیا جائے کہ ہم فوری طور پر کالج کا اجراء وہاں نہیں کر سکتے جنوری یا اپریل میں کر سکیں گے کیونکہ ابھی تک ہمارے پاس سائنس کا سامان نہیں۔ لہذا اس اثناء میں کسی اور کو سکول کا قبضہ نہ دیا جائے"[۱] حضور کے فرمان کی تعمیل میں عارضی طور پر یہ سکول جماعتی تحویل میں لے لیا گیا۔ مگر سکول کی عمارت سخت ناقص تھی اور صحن بھی بہت چھوٹا تھا۔ لہذا اسے ترک کر دینا پڑا۔

ڈیرہ غازیخاں اور ملتان کے بعض دوستوں سے رابطہ قائم کر کے معلومات حاصل کی گئیں کہ کیا وہاں نیشنل کالج میں اور سائنس کا سامان بھی موجود ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس بارہ میں اس تگ و دو کا اصل محور لاہور ہی رہا جہاں ماہ اخاء/اکتوبر کے آخری ہفتہ میں ڈی۔ اے۔ وی کالج کے متعلق درخواست دے دی گئی اور ساتھ ہی لکھ دیا گیا کہ جب تک یہ کالج پناہ گزینوں سے خالی نہیں ہوتا اتنی دیر ہم دوسری جگہ کالج جاری کر لیں گے۔ چوہدری محمد علی صاحب کے بیان کے مطابق سکھ نیشنل[۲] کالج پر بھی قبضہ لیا گیا۔ لیکن یہ قبضہ بھی بوجوہ ختم ہو گیا۔ بسنت نگر میں خالصہ ہوسٹل اور جنج گھر بطور ہوسٹل حاصل کئے گئے مگر چھوڑ دیئے گئے۔

کالج کے لئے عارضی عمارت کی تلاش ابھی ابتدائی مرحلہ میں تھی کہ کالج کا دفتر جودھامل بلڈنگ کے ساتھ مغربی جانب سیمنٹ والی عمارت میں کھول دیا گیا[۳] جہاں ایک بورڈ لکھوا کر رکھ دیا گیا اور مکرم عبدالرحمن صاحب جنید ہاشمی بورڈ کے پاس فرش پر دیگر کارکنان دفاتر کی طرح بیٹھ گئے اور ۱۰ فتح/دسمبر سے کالج میں داخلہ کا آغاز کر دیا گیا۔ لیٹ فیس کے بغیر دس روز تک جاری رہا۔ داخلہ کالج کی رپورٹ باقاعدگی سے روزانہ حضرت مصلح موعود کی خدمت اقدس میں بھجوائی جاتی تھی۔

اگرچہ پاکستان آکر تعلیم جاری رکھنے والوں کی اکثریت کالج کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی۔ پھر بھی ان کی تعداد ساٹھ سے بڑھ نہ سکی۔[۴] تاہم اتنے طلبہ کا داخلہ لینا بھی ایک گونہ حوصلہ افزا بات تھی جس میں حضرت مصلح موعود

---

[۱] مراسلہ حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب ناظر اعلیٰ بنام سکرٹری صاحب کالج کمیٹی محررہ ۳۰ ہجریہ یکم نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء

[۲] موجودہ انجینیرنگ یونیورسٹی لاہور سے متصل۔

[۳] "الفضل" ۱۲ نبوت/نومبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

[۴] رپورٹ تحریر فرمودہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) مرقومہ "الفضل" ۵ شہادت/اپریل ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء صفحہ ۳

کی خاص توجہ کا عمل دخل تھا۔ چنانچہ انہی ایام میں اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل تحریک شائع فرمائی:۔

"تمام احباب جماعت کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ وہ موجودہ شورش سے اس طرح نہ گھبرائیں کہ لڑکے تعلیم سے محروم ہو جائیں۔ چاہئے کہ جو تعلیم دلانے کا ارادہ رکھتے تھے اپنے بچوں کو ایف اے اور بی اے میں داخل کروائیں یا ایف ایس سی یا بی ایس سی میں داخل کروائیں۔ اور چاہئے کہ ہر احمدی تعلیم الاسلام کالج میں اپنے لڑکے کو داخل کروائے اور اس بارہ میں لڑکے کی مخالفت کی پرواہ نہ کرے تاکہ دینیات کی تعلیم ساتھ کے ساتھ ملتی جائے۔

خاکسار مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح"[1]

تعلیم الاسلام کالج جاری کرنے سے پہلے سائنس کلاسز کا مسئلہ حل کرنا ضروری تھا چنانچہ حضرت مصلح موعود نے ۲۷ ماہ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء کو ارشاد فرمایا کہ

"ایف سی کالج والوں سے فوراً مل کر پریکٹیکل میں اشتراک عمل کا فیصلہ کیا جائے اور پھر وائس چانسلر سے عارضی طور پر لاہور میں کوٹھیاں کرایہ پر لے کر کالج کھولنے کی اجازت لی جائے"[2]

ایف سی کالج (فارمین کرسچین کالج) میں لیبارٹریز موجود تھیں۔ مگر ہندو سٹاف بھارت جا چکا تھا۔ اس بناء پر یہ معاہدہ طے پایا کہ تعلیم الاسلام کالج کے پروفیسر ایف سی کالج میں پڑھائیں گے اور دونوں کالجوں کے طلبہ ان کے لیکچرز اور سائنس لیبارٹریوں سے استفادہ کریں گے

سائنس کی عملی تعلیم کا بندوبست ہو چکا تو آرٹس کلاسز کے اجراء اور طلبہ کالج کی رہائش کے لئے ایف سی کالج کے عقب میں ڈاکٹر کھیم سنگھ گریوال کی کوٹھی حاصل کر لی گئی جہاں ۶ ماہ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء سے باقاعدہ کلاسیں شروع کر دی گئیں۔[3] ۱۱ ماہ نبوت / نومبر کو حضرت مرزا شریف احمد صاحب صدر کالج کمیٹی نے وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کو اطلاع دی کہ تعلیم الاسلام کالج کا سٹاف اور طلبہ لاہور پہنچ چکے ہیں اور سائنس کی کلاسز کے لئے عارضی طور پر فارمین کرسچین کالج لاہور سے معاہدہ کر لیا گیا ہے لہذا کالج کھولنے کی منظوری دی جائے۔ وائس چانسلر نے اس کے اجراء کی منظوری دے دی۔

چند دن بعد (۱۶ ماہ نبوت کو) حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب بھی قادیان سے لاہور تشریف لے آئے

---

[1] "الفضل" لاہور ۱۵ ماہ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲۔ کالم ۳۔

[2] مراسلہ حضرت نواب محمد عبداللہ خان ناظر اعلیٰ بنام سکرٹری صاحب کالج کمیٹی مورخہ ۲۷ ماہ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء۔

[3] یہ تاریخ چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے کے ایک خط سے متعین ہوتی ہے جو آپ نے ۷ نبوت ۱۳۲۶ہش کو حضرت پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج قادیان کے نام لکھا تھا اور اب تک ریکارڈ میں شامل ہے۔

[4] "الفضل" ۱۴ ماہ نبوت / نومبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۴ کالم ۳۔

اور کالج کا انتظام دوبارہ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

کالج کے لئے موزون عمارت تلاش کرنے کی جو مہم جاری تھی اس کا نتیجہ ۳ فتح / دسمبر ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء کو صرف یہ برآمد ہوا کہ محکمہ بحالیات نے ۳۷ کینال پارک لاہور کی ایک نہایت بوسیدہ عمارت (جو ڈیری فارم یا اصطبل کے طور پر استعمال ہوتی رہی تھی) عطا کی اور اسی روز اس کا قبضہ لے لیا گیا۔[1] جگہ نہایت تنگ اور مختصر تھی۔ صفوں پر کلاسیں ہوتی تھیں۔ طلبہ کی تعداد ساٹھ کے قریب تھی۔ ان لٹے پٹے طلبہ نے علم کے حصول کی خاطر ہر قسم کی سختیاں سہیں اور مشکلات خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ وہ دن کے وقت جن صفوں پر بیٹھ کر اساتذہ کے لیکچر سنتے رات کو انہی صفوں پر سو رہتے۔ نمازیں بھی اسی جگہ ادا کی جاتیں اور کھانا بھی یہیں کھایا جاتا۔

ان دنوں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔ اے اتفاقاً اس کالج کو دیکھنے تشریف لے گئے اور بے حد متاثر ہوئے اور اپنے قلم سے مندرجہ ذیل تاثرات "الفضل" میں شائع کرائے جو اس ماحول کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ آپ نے تحریر فرمایا:-

"آج مجھے اتفاقاً اپنے تعلیم الاسلام کالج آف قادیان حال لاہور کو چند منٹ کے لئے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ ہمارا ڈگری کالج جو موجودہ فسادات سے قبل قادیان کی ایک وسیع اور عالیشان عمارت میں اپنے بھاری سازوسامان کے ساتھ قائم تھا وہ اب لاہور شہر سے کچھ فاصلے پر نہر کے کنارے ایک نہایت ہی چھوٹی اور حقیر سی عمارت میں چل رہا ہے۔ اس عمارت کا نچلا حصہ قریباً قریباً ایک اصطبل کا سا رنگ رکھتا ہے اور اوپر کی منزل چند چھوٹے چھوٹے کمروں پر جو نہایت سادہ طور پر بنے ہوئے ہیں مشتمل ہے عمارت کی قلت اور کمروں کی کمی کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی عمارت سے کالج اور بورڈنگ کا کام لیا جا رہا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اس عمارت کا صرف ایک کمرہ کالج کے استعمال میں ہے اور باقی کمروں میں بورڈر رہائش رکھتے ہیں جن میں سے بعض چارپائیاں نہ ہونے کی وجہ سے فرش پر سوتے ہیں اور بڑی تنگی کے ساتھ گذارہ کر رہے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ میں نے سب بورڈروں کو ہشاش بشاش پایا جو اپنے موجودہ طریق زندگی پر ہر طرح تسلی یافتہ اور قانع تھے۔ اور کالج میں پڑھتے ہوئے لاہور جیسے شہر میں جھونپڑوں کی زندگی میں خوش نظر آتے تھے۔ یہ اس اچھی روح کا ورثہ ہے جو خدا کے فضل سے احمدیت نے اپنی جماعت میں پیدا کی ہے اور میں اس روح پر کالج کے طلباء اور کالج کے سٹاف کو قابل مبارکباد سمجھتا ہوں۔

---

[1] اسسٹنٹ ری ہیبلی ٹیشن کمشنر کے دستخط سے الاٹمنٹ کی منظوری کا کاغذ "فائل بحالی کالج ۲.B" سے منسلک ہے۔

مگر جس چیز نے میرے دل پر سب سے زیادہ اثر پیدا کیا وہ کالج کی کلاسوں کی حالت تھی جیسا کہ مَیں اُوپر بتا چکا ہوں موجودہ عمارت کا صرف ایک کمرہ کالج کی ضروریات کے لئے فارغ کیا جا سکا ہے اس لئے باقی کلاسیں برآمدوں میں یا کھُلے میدان میں درختوں کے نیچے بیٹھتی ہیں لیکن خواہ وہ کمرہ میں بیٹھتی ہیں یا کہ برآمدہ میں اور خواہ کھُلے میدان میں، ان سب کا یہ حال ہے کہ چونکہ کوئی ڈیسک اور کوئی میز کرسی نہیں اس لئے پڑھانے والے اور پڑھنے والے ہر دو چٹائیاں بچھا کر بیٹھتے ہیں۔ مجھے اس نظارہ کو دیکھ کر وہ زمانہ یاد آیا کہ جب دینی اور دنیوی ہر دو قسم کے علوم کا منبع مسجدیں ہوا کرتی تھیں جہاں اسلام کے علماء اور حکماء فرش پر بیٹھ کر اپنے اردگرد گھیرا ڈالے ہوئے طالب علموں کو درس دیا کرتے تھے۔ اور اس قسم کے درسوں کے نتیجہ میں بعض ایسے شاندار عالم پیدا ہوئے کہ صدیاں گذر جانے کے باوجود آج کی دُنیا بھی ان کے علوم سے روشنی حاصل کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔

مَیں نے کالج کے بعض بچوں اور پروفیسروں کو بتایا کہ انہوں نے پُرانے زمانہ کی یاد کو تازہ کیا ہے اور جس خوشی کے ساتھ انہوں نے حالات کی اس تبدیلی کو قبول کیا ہے وہ ان کے لئے اور ہم سب کے لئے باعثِ فخر ہے۔ مَیں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ موجودہ حالات سے انہیں یہ سبق سیکھنا چاہیئے۔ کہ حقیقی علم ظاہری ٹیپ ٹاپ اور ظاہری ساز و سامان سے بے نیاز ہے اور جھونپڑوں کے اندر فرشوں پر بیٹھ کر بھی انسان اسی طرح علُوم کے خزانوں کا مالک بن سکتا ہے جس طرح شاندار ساز و سامان استعمال کرنے والے علم حاصل کرتے ہیں بلکہ یہ صورت رُوح کی درستی کے لحاظ سے زیادہ مفید ہے۔ اور انسانی قلب کو علم کے مرکزی نقطہ پر زیادہ پختگی کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے کیونکہ جب ماحول کی زیب و زینت نہیں ہوگی تو لازماً انسان کی آنکھیں اور انسان کے دل و دماغ علم کی طرف زیادہ متوجہ رہیں گے میرا یہ مطلب نہیں کہ ضروری سامان جو موجودہ علم کے حصول کے لئے ضروری ہے اسے حاصل نہ کیا جائے۔ جو چیز حقیقتاً ضروری ہے وہ علم کا حصّہ ہے اور ہم اس کی طرف سے غافل نہیں رہ سکتے اور موجودہ صورت میں بھی ہم اس کے لئے کوشاں ہیں۔ مگر ظاہری ٹیپ ٹاپ یا زیب و زینت کا سامان یا آرام و آسائش کے اسباب بہر حال زائد چیزیں ہیں جو علم کے رستہ میں ممد ہونے کی بجائے روک بننے کا زیادہ امکان رکھتی ہیں۔ ہمارے آقا (فداہ نفسی) صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ یعنی فقر میرے

لئے فخر کا موجب ہے۔ اس سے بھی یہی مراد ہے کہ مجھے آسائش کے سامانوں کی ضرورت نہیں اور میری رُوح ان چیزوں کے تصور سے بے نیاز ہے جو محض جسم کے آرام کا پہلو رکھتی ہیں اور رُوحِ انسانی کی ترقی میں ممد نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ یعنی علم کی تلاش کرو خواہ اس کے لئے تمہیں چین کے ملک تک جانا پڑے چونکہ اُس زمانہ میں چین کا ملک ایک دُور افتادہ ملک تھا اور اُس میں رستہ کی صعوبتوں کے علاوہ دُنیوی آسائش کے بھی کوئی سامان موجود نہیں تھے اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ حکیمانہ الفاظ فرما کر یہ اشارہ کیا کہ حقیقی علم دُنیوی آسائشوں اور ساز و سامان کے ماحول سے آزاد ہے

بہرحال مَیں بہت خوش ہوں کہ ہمارے بچّوں نے یا کم از کم ان میں سے اکثر نے ماحول کی موجودہ تبدیلی میں اچھا نمونہ دکھایا ہے اور اگر وہ خلوص نیت کے ساتھ اس روح پر قائم رہیں گے تو مجھے یقین ہے کہ وہ علم کے حصول کے علاوہ سادہ زندگی کی برکات سے بھی پُوری طرح فائدہ اُٹھانے والے ثابت ہوں گے" له

لاہور میں تعلیم الاسلام کالج کا سٹاف

لاہور میں تعلیم الاسلام کالج کی زندگی کے ابتدائی دو ماہ (ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء - ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء) نہایت درجہ بے سروسامانی اور آشفتہ حالی کے تھے جن میں کالج کے گذشتہ نظام تعلیم کے احیاء کا فریضہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی قیادت میں اخوند محمد عبد القادر صاحب ایم۔اے، صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے، عباس بن عبد القادر صاحب، چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے، میاں عطاء الرحمٰن صاحب ایم۔ایس۔سی، چوہدری محمد صفدر صاحب چوہان۔ شیخ محبوب عالم صاحب خالد ایم اے بی۔ٹی، ملک فیض الرحمٰن صاحب فیضی، حبیب اللہ خاں صاحب ایم۔ایس سی، سید سلطان محمود صاحب شاہد ایم۔ایس۔سی، نے انجام دیا۔

ان اساتذہ کرام کے علاوہ جو قادیان ہی سے کالج کی تعلیمی خدمات بجا لا رہے تھے لاہور میں حسب ذیل اصحاب بھی کالج کے سٹاف میں شامل کئے گئے:۔

محمد اسحاق صاحب آلم	(تبلیغ/فروری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء)
جیلانی کامران صاحب	(" ؍)

له "الفضل" ۱۱؍امان/مارچ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۶

اقبال حسین صاحب	(ہجرت/مئی ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء)
ثناء اللہ صاحب بھٹی	(" ")
سید محفوظ علی صاحب ایم۔ایس۔سی	(تبوک/ستمبر ")
چوہدری غلام علی صاحب	(نبوت/نومبر ")
صوفی عبدالعزیز صاحب	(" ")
شوکت علی صاحب	(صلح/جنوری ۱۳۲۸ ہش / ۱۹۴۹ء)
راجہ محمد مقبول الٰہی صاحب ایم۔اے	(احسان/جون ")
مولانا ارجمند خاں صاحب فاضل	(تبوک/ستمبر ")
راجہ محمد نصر اللہ احسان الٰہی صاحب	(صلح/جنوری ۱۳۲۹ ہش / ۱۹۵۰ء)
میاں منور حسین صاحب	(امان/مارچ ")
مولانا غلام احمد صاحب بدوملہی فاضل	(ہجرت/مئی ")
نصیر احمد خاں صاحب	(۱۳۳۰ ہش / ۱۹۵۱ء)
ملک محبوب الٰہی صاحب	(احسان/جون ")
پروفیسر کرامت الٰہی صاحب	(" ")
احمد دین صاحب میر	(تبوک/ستمبر ")
محمود احمد صاحب	(اخاء/اکتوبر ۱۳۳۱ ہش / ۱۹۵۲ء)
حسن ظہیر صاحب	(نبوت/نومبر ")
محمد یعقوب صاحب ایم۔اے۔ ایل ایل بی	(امان/مارچ ۱۳۳۲ ہش / ۱۹۵۳ء)
فرمان اللہ خاں صاحب	(فتح/دسمبر ۱۳۳۲ ہش / ۱۹۵۳ء)
نور محمد صاحب نازؔ صدیقی	(" ")

ڈی۔اے۔وی کالج کے کھنڈرات پر قبضہ

تعلیم الاسلام کالج کینال پارک کی بوسیدہ عمارت میں وسط ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۷ ہش / ۱۹۴۸ء تک چلتا رہا۔ جس کے بعد ۱۶ شہادت/اپریل کو[1] ڈی۔اے۔وی کالج لاہور کی ٹوٹی پھوٹی اور برباد شدہ عمارت الاٹ ہوئی اور

[1] کالج کی فائل "G-22A"

۱۹ ارشہادت/اپریل کو اس پر قبضہ ملا اور پھر یہاں کالج منتقل کر دیا گیا۔ صوبہ کے اس نہایت مشہور اور عالیشان کالج کا سارا سامان غیر مسلم پناہ گزینوں کے ہاتھوں بالکل غارت ہو چکا تھا یا ہندوستان پہنچ چکا تھا حتی کہ کسی میز، کرسی یا ڈیسک کا نام و نشان تک باقی نہ رہا تھا۔ لیبارٹریوں میں ٹوٹی شیشیاں بکھری ہوئی تھیں اور گرے ملبہ کے ڈھیروں سے اٹے پڑے تھے۔ اس خستہ سامانی کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ محض کمروں اور لیبارٹریوں کی صفائی پر قریباً ستائیس سَو روپیہ خرچ کرنا پڑا۔[۵۱]

علاوہ ازیں لاکھوں روپے کے صرف سے کالج کو پھر سے جدید تجربہ گاہوں سے آراستہ کیا گیا۔ فرنیچر تیار کیا گیا اور لائبریری کا قیام عمل میں لایا گیا۔[۵۲] کھنڈرات پر کالج کو کس طرح آباد ہوا۔ اس کا نقشہ حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج نے انہی دنوں ذیل کے الفاظ میں کھینچا:۔

"۴۸-۱۹۴۷ء کو ہم بے سرو سامانی کا سال کہہ سکتے ہیں اور جن نوجوانوں نے اپنے کالج کے اس نازک ترین دَور کو ہمت اور بشاشت سے گذارا وہ یقیناً قابل قدر ہیں۔ خاصی تگ و دَو و ناظم تعلیماتِ عامہ پنجاب کے ہمدردانہ رویہ کے نتیجہ میں . . . . کالج کی آبادکاری کے لئے ڈی۔اے وی کالج کے کھنڈرات پر ہمیں قبضہ ملا۔ ان عمارتوں کو غیر مسلم پناہ گزین کلی طور پر تباہ و برباد کر چکے تھے۔ دروازوں کے تختے اور چوکھٹے، روشندان، الماریاں وغیرہ ہر قسم کا فرنیچر غائب تھا۔ عمل گاہوں میں ٹوٹی ہوئی شیشیوں کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کے سوا کچھ موجود نہ تھا۔ پانی اور گیس کے نل ٹوٹے ہوئے پڑے تھے۔ تیس چالیس ہزار کتابوں پر مشتمل مشہور کتب خانے کی اب ایک جلد بھی باقی نہ تھی۔ یہ وہ کھنڈر تھے جن میں مئی ۱۹۴۸ء میں ہم آباد ہوئے اور ہماری فوری توجہ ان ضروری اور ناگزیر مرمتوں کی طرف منعطف ہوئی۔ چنانچہ شروع میں گیس پلانٹ کو درست کروایا گیا اور شعبہ کیمیا کے لئے ضروری سامان خرید کر کیمیا کے عملی تجربے اپنے کالج میں ہی شروع کروا دیئے گئے۔ طبعیات کے لئے ہمیں ایم۔اے۔او کالج سے انتظام کرنا پڑا۔ جن کے برادرانہ سلوک کے ہم ہمیشہ ممنون رہیں گے۔ چونکہ ابھی اصل ہوسٹل پر قبضہ نہ ملا تھا۔ اس لئے کالج کے ہی ایک حصہ کو مرمت کروا کے عارضی طور پر یہ ہوسٹل بنا دیا گیا۔ جس میں اندازاً پچاس پچپن طلبہ کی گنجائش تھی جو وقتی طور پر کافی سمجھی گئی گو عملاً طلبہ اس سے بہت زیادہ آگئے جس کے نتیجہ میں ایک ایک کمرہ میں آٹھ آٹھ طلبہ کو رہنا پڑا"[۵۳]

---

[۵۱] رسالہ "المنار" مئی/جون ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۴ ۔ [۵۲] ایضاً ۔ [۵۳] "الفضل" ۵ شہادت/اپریل ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء صفحہ ۳ ۔

شاندار نتائج اور حضرت مصلح موعود کا اظہار خوشنودی اور اہم ہدایات

ظاہر ہے کہ ان حالات میں طلبہ کو نہ ذہنی سکون میسر آسکتا تھا نہ پوری سہولتیں حاصل تھیں خصوصاً سائنس کے طلبہ کو جنہیں طبعیات کے عملی تجربات کے لئے خاصہ فاصلہ طے کر کے ایم۔اے۔او کالج جانا پڑتا تھا مگر پھر بھی دوسرے سال ہی کالج اپنے نتائج کے اعتبار سے صوبہ کے ممتاز ترین کالجوں کی صف اوّل میں شمار ہونے لگا چنانچہ جہاں بی۔اے میں یونیورسٹی نتائج کی اوسط ۸ر۳۹ تھی وہاں تعلیم الاسلام کالج کی اوسط ۳ر۸۳ رہی۔ اسی طرح دوسرے امتحانوں میں بھی اس اسلامی درسگاہ کی اوسط یونیورسٹی کی اوسط سے بہتر رہی[1] جس پر حضرت مصلح موعود نے حد درجہ خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

"گذشتہ سال فسادات کی وجہ سے ہمارے کالج کے نتائج اچھے نہیں نکلے تھے مگر اس سال اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے کالج کا نتیجہ غیر معمولی طور پر نہایت شاندار رہا ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ گذشتہ سال کے نتائج کی خرابی ان حالات کی وجہ سے تھی جو ۱۹۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ اس سال ہمارے تعلیم الاسلام کالج کی ایک جماعت کا نتیجہ نوّے فیصدی کے قریب رہا ہے جو ایک حیرت انگیز امر ہے حالانکہ یونیورسٹی کی اوسط ۳۹ فیصدی ہے۔ یہی حال اور جماعتوں کے نتائج کا ہے۔ کوئی ایک جماعت بھی ایسی نہیں جس کا نتیجہ یونیورسٹی کی اوسط سے کم ہو بلکہ ہر جماعت کا نتیجہ یونیورسٹی کی اوسط سے بڑھ کر ہے۔ اگر کسی کلاس کے متعلق یونیورسٹی کی اوسط ۲۵ فیصدی ہے تو ہمارے کالج ½۲۷ فیصدی ہے۔ یا اگر یونیورسٹی کی اوسط ۲۵ فیصدی ہے تو ہمارے کالج کی ۳۹ فیصدی ہے۔ اور ایک کلاس کے متعلق تو میں نے بتایا ہے کہ ہمارے کالج کا نتیجہ اس میں نوّے فی صدی کے قریب ہے حالانکہ یونیورسٹی کی اوسط اس سے بہت کم ہے۔ وہ لوگ جن کے دلوں میں یہ شبہات ہوا کرتے تھے کہ ہمارے کالج میں لڑکوں کی تعلیم کا زیادہ بہتر انتظام نہیں۔ اب ان نتائج کے بعد اُن کے شبہات دُور ہو جانے چاہئیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے کالج کے نتائج سوائے ایک کے باقی تمام کالجوں سے شاندار نکلے ہیں اور اب اُن کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچّوں کو تعلیم کے لئے فوراً تعلیم الاسلام کالج میں داخل کرنے کی کوشش کریں۔ اس بارہ میں کسی قسم کی غفلت اور کوتاہی سے کام نہ لیں۔ اس کالج میں اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے بھجوانا اس قدر ضروری اور اہم چیز ہے کہ میں تو سمجھتا ہوں جو شخص اپنے بچوں کو باوجود

[1] "الفضل" ۵ رشہادت/اپریل ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء صفحہ ۳ کالم ۳۔

مواقع میسر آنے کے اس کالج میں داخل نہیں کرتا وہ اپنے بچوں کی دشمنی کرتا اور سلسلہ پر اپنے کامل ایمان کا ثبوت مہیا نہیں کرتا"۔ ؎۱

حضرت مصلح موعودؓ نے احمدی جماعتوں کو تعلیم الاسلام کالج میں بچوں کو داخل کرنے کی تحریک فرمانے کے بعد کالج کے عملہ کو متعدد زریں ہدایات دیں جن کا خلاصہ یہ تھا کہ انہیں اپنے نتائج بہتر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ دوسروں سے زیادہ وقت کالج کی ترقی اور لڑکوں کے تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے لئے صرف کرنے کی عادت ڈالیں اور ان کو زیادہ سے زیادہ دینی احکام کا پابند اور اخلاق فاضلہ کا متصف بنائیں۔ لڑکوں کی خوراک کی طرف زیادہ توجہ رکھنی چاہیئے اور کوشش کرنی چاہیئے کہ تھوڑے روپیہ سے بہتر سے بہتر کھانا ان کو مہیا کیا جائے۔ اسی طرح دینیات کی تعلیم کی طرف انہیں خاص طور پر توجہ کرنی چاہیئے۔ لڑکوں کے اندر صحیح دینی جذبہ پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرکز سے وابستہ ہوں۔ اور مرکز سے وابستگی پیدا کرنے کے جہاں اور کئی طریق ہیں وہاں ایک یہ بھی طریق ہے کہ خلیفۂ وقت سے کالج میں کم سے کم دو چار لیکچر سالانہ کروائے جائیں تا کہ ان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہو اور قربانی کی رُوح ان کے اندر ترقی کرے۔ اس کے علاوہ جماعت کے دوسرے علماء اور مبلغین سے بھی وقتاً فوقتاً لیکچر کروانے چاہئیں۔ ہمارے کالج کے افسروں کے اندر یہ بھی احساس ہونا چاہیئے کہ انہوں نے اپنے طالب علموں کی زندگیوں کو سنوارنا اور انہیں قوم کے لئے اعلیٰ درجہ کا وجود بنانا ہے یہانتک کہ وہ جس محکمہ میں بھی جائیں اس میں چوٹی کے آدمی ثابت ہوں اور کوئی دوسرا شخص اُن کا مقابلہ نہ کر سکے جس وقت کوئی دوسرا شخص یہ سُنے کہ یہ احمدی انجنیئر ہے یا احمدی ڈاکٹر ہے یا احمدی وکیل ہے یا احمدی بیرسٹر ہے یا احمدی تاجر ہے تو وہ کسی انٹرویو کی ضرورت ہی نہ سمجھے بلکہ محض ایک احمدی کا نام سُنتے ہی یقین کر لے کہ اس شخص کا اپنے فن میں کوئی اَور مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اس ضمن میں حضور نے عملہ کالج کو آخری نصیحت یہ فرمائی کہ اُنہیں لڑکوں کی دماغی تربیت کا بھی خاص خیال رکھنا چاہیئے۔ ان کا صرف اچھے نمبروں پر پاس ہو جانا کافی نہیں بلکہ ان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی دماغی تربیت اس رنگ کی ہو کہ جب وہ نماز پڑھیں تو عقلمند انسان کی طرح نماز پڑھیں اور جب کتاب پڑھیں تو عقلمند انسان کی طرح کتاب پڑھیں۔ ؎۲

تعلیم الاسلام کالج کے ہر شعبہ میں روز افزوں ترقی

تعلیم الاسلام کالج نے انتہائی بے سرو سامانی اور نامساعد حالات کے باوجود صرف امتحانوں میں نمایاں کامیابیاں

؎۱ "الفضل" ۱۴ تبوک/ستمبر ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۵ کالم ۱-۲ ؎۲ "الفضل" ۱۴ تبوک/ستمبر ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۶-۷

حاصل نہیں کیں بلکہ اپنے ہر شعبہ میں روز افزوں ترقی کا ثبوت دیا۔ چنانچہ ۲۹-۱۳۲۸ہش/ ۵۰-۱۹۴۹ء میں طلبہ کی تعداد ساٹھ[60] سے بڑھ کر ۲۶۷ تک پہنچ گئی۔ کتب خانہ کی از سر نو تشکیل کی گئی اور کئی ہزار کتابوں کا بیش بہا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ امریکہ کے نومسلم بھائیوں نے ۲۲۸ مجلدات بھجوائیں۔ اس کے علاوہ انگلستان سے بھی بعض عطایا وصول ہوئے۔ طالب علموں کے علمی ارتقاء کے لئے مجلس عمومی (کالج یونین) مجلس عربی، مجلس اقتصادیات، سائنس سوسائٹی، فوٹو گرافک اور ریڈیو سوسائٹی سرگرم عمل رہیں۔ اس عرصہ میں یونیورسٹی آفیسرز ٹریننگ کور بھی قائم کی گئی۔ کالج کے دستہ نے تبلیغ/فروری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں سالانہ کیمپ کے موقعہ پر ضبط اور اطاعت کا بہترین نمونہ دکھا کر اعلیٰ افسروں سے خراج تحسین وصول کیا اور دستہ کے سارجنٹ بشارت احمد کی ہز ایکسیلنسی کمانڈر انچیف پاکستان نے بھی بہت تعریف کی۔ اور اس فن میں مہارت پر انہیں مبارکباد دی۔

۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء میں سالانہ کیمپ کے موقعہ پر یو۔ او۔ ٹی۔ سی کے ہر افسر نے کالج کے اس دستہ کے جوانوں کے ضبط، اطاعت، جوشِ عمل اور حسنِ کارکردگی پر اظہار مسرت کیا اور یہ دستہ عسکری فنون میں تمام دستوں میں اوّل رہا اور یو۔ او۔ ٹی۔ سی کے کرنل نے گورنر پنجاب سردار عبدالرب صاحب نشتر کے سامنے اس امر کا اظہار بھی کیا۔ تعلیم الاسلام کالج کا یہ دستہ ہر لحاظ سے معیاری اور بہترین شمار کیا جاتا تھا۔ چنانچہ مختلف گارڈز آف آنر میں نسبتی اعتبار سے بھی اور محض تعداد کے اعتبار سے بھی تعلیم الاسلام کالج کی تعداد سب سے زیادہ رہی مثلاً اُن دنوں شہنشاہِ ایران کی آمد پر جو گارڈ آف آنر پیش کیا گیا اس میں تقریباً اسّی فیصدی نوجوان اسی کالج کے طالب علم تھے اسی طرح فٹ بال، والی بال، بیڈمنٹن اور تیراکی میں کالج کی ٹیمیں خاص اعزاز کی حامل رہیں۔ کشتی رانی میں کالج کی ٹیم پنجاب روئنگ ایسوسی ایشن کے سالانہ مقابلہ میں اوّل آئی۔

جہانتک طلبہ کی اخلاقی و دینی تربیت کا تعلق ہے اس کے لئے بھی کالج کی طرف سے مؤثر انتظام کیا گیا اور خصوصاً اسلامی شعائر اور فرائض کی پابندی پر بہت زور دیا گیا جس میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔[1]

لاہور کے علمی اداروں میں تعلیم الاسلام کالج کا اثر و نفوذ

چوہدری محمد علی صاحب کا بیان ہے کہ

"جب کالج لاہور آیا تو آہستہ آہستہ بہت سے غیر از جماعت طلباء جو صاف ستھری اخلاقی اور تعلیمی فضا میں پڑھنا چاہتے تھے تعلیم الاسلام کالج میں داخل ہونا شروع ہوئے کالج کی شہرت اور نیک نامی آہستہ آہستہ دلوں میں گھر کر رہی تھی

---

[1] "الفضل" ۵ شہادت/اپریل ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء صفحہ ۳ تا ۴ ملخصاً، "المنار" ہجرت-احسان/مئی جون ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۲۶

اور کالجوں کی بزم میں تعلیم الاسلام کالج کا نام عزت اور احترام سے لیا جانے لگا تھا۔ لاہور کے کالجوں کا عام طالب علم جانتا تھا کہ پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کس بلند مرتبے اور کیریکٹر کے انسان ہیں۔ دوسرے کالجوں کے پرنسپلوں کی موجودگی میں شوخی کرنے والے حضور کے سامنے ادب سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ حضور بھی خود تمام طلباء کو اپنا عزیز طالب علم جانتے تھے اور ان کے جائز حقوق کی حفاظت فرمایا کرتے تھے اور یہ اکثر فرمایا کرتے کہ ہمارا طالب علم طبعاً شریف ہوتا ہے۔ عموماً خرابی اس کے HANDLING میں ہوتی ہے۔ الّا ماشاء اللہ۔

ایک دفعہ لاہور کے طلباء مجمع بنا کر تعلیم الاسلام کالج کے سامنے اکٹھے ہو گئے۔ یہ کالجوں کو بند کرواتے پھر رہے تھے۔ غالباً کسی غیر ملکی ظلم پر احتجاج ہو رہا تھا۔ لڑکوں کو دیکھ کر حضور خود بنفس نفیس لڑکوں میں تشریف لے گئے اور چند منٹ اپنے دلآویز تبسّم کے ساتھ اُن سے گفتگو فرمائی۔ لڑکے قائل ہوئے اور پرنسپل ٹی۔ آئی کالج زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے چلے گئے

ایک بار کشتی رانی کے فائنل پر جبکہ اسلامیہ کالج کی ٹیم آگے تھی اور ہم نمبر دو پر تھے اور دریا کے کنارے لاؤڈ سپیکر نصب تھا اور نعرے لگ رہے تھے۔ اصل مقابلہ اسلامیہ کالج اور ٹی۔ آئی کالج کے درمیان تھا۔ ہمارا بھی سارا کالج پہنچا ہوا تھا۔ کیونکہ سوائے دریا کے ہمارے پاس کوئی کھیل کا میدان نہیں تھا۔ کشتیاں دریا میں جا چکی تھیں۔ آخر میں جانے والی کشتیاں اسلامیہ کالج اور ہمارے کالج کی تھیں۔ اسلامیہ کالج کی کشتی ابھی ایک چپو کے زور پر لہر میں داخل ہی ہوئی تھی کہ کسی بظاہر غیر طالب علم نے جو ایسے مقابلوں میں حمایت کے لئے آجاتے ہیں تعلیم الاسلام کالج کے خلاف ایک نہایت نازیبا نعرہ لگایا جس کی آواز لاؤڈ سپیکر پر بھی سنائی دے گئی۔ اچانک اسلامیہ کالج کی کشتی وہیں سے واپس مُڑی۔ ہم سمجھے کہ شاید فالتو چپو بھول گئے ہیں لیکن ہوا یہ کہ کشتی کنارے لگتے ہی اسلامیہ کالج کی ٹیم کا کپتان عقاب کی طرح مجمع پر جھپٹا اور جس نے نعرہ لگایا تھا۔ اس کو پکڑ لیا اور اعلان کیا کہ اگر تعلیم الاسلام کالج کے خلاف اس قسم کا بیہودہ نعرہ اب لگایا گیا تو ہم دوڑ نہیں دوڑیں گے۔

یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ ایسے موقعوں پر جب جذباتِ مسابقت برانگیختہ ہو کر عام قیود اور آداب کی پابندیاں ڈھیلی کر چکتے ہیں اس قسم کا مظاہرہ ایک تاریخی حیثیت

رکھتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس میں ان طلباء کی بھی خوبی تھی یعنی دونوں کالجوں کے طلباء کی کہ اُن کے تعلقات انتہائی طور پر خوشگوار تھے۔[لے]

رسالہ "المنار" کا اجراء

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج کی سرپرستی میں اکنامکس سوسائٹی کے زیر اہتمام "ینگ اکانومسٹ" کے نام سے ایک کتابی سلسلہ جاری کیا گیا۔ ازاں بعد ماہ شہادت / اپریل ۱۳۲۹ہش / ۱۹۵۰ء سے کالج کا علمی مجلہ "المنار" کے نام سے شروع کیا گیا جو اب تک باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے اور ادبی اور علمی حلقوں میں خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اُردو کے بعض پاکستانی ادیبوں اور ناقدوں نے "المنار" کی قلمی سرگرمیوں کو سراہا ہے۔ اور اسے اچھے ادبی ذوق کا آئینہ دار قرار دیا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے "المنار" کے پہلے شمارہ کے لئے "نُور کا نشان۔ روشنی اور بلندی کا شعار" کے عنوان سے ایک نہایت قیمتی مضمون سپرد قلم فرمایا جس میں علاوہ دوسری اہم نصائح کے یہ نصیحت بھی فرمائی کہ "ہمارے عزیزوں کو چاہیئے کہ اپنے اس رسالہ کو صحیح معنوں میں المنار بنائیں یعنی وہ علم کے ہر میدان میں روشنی اور بلندی کا نشان ہو۔ ہر دوسرے کالج کی نظریں اس رسالہ کی طرف اُٹھیں اور وہ اس کے مضامین میں ہدایت اور تسلی کا سامان پائیں۔ لکھنے والے محض خانہ پُری سے کام نہ لیں بلکہ محنت اُٹھا کر اور تحقیق کر کے دُنیا کے سامنے سچا علم پیش کریں اور موجودہ علوم باطلہ سے ہرگز مرعوب نہ ہوں۔"[ٹے]

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے اس موقعہ پر طلباء کے نام جو پیغام دیا وہ ہمیشہ آب زر سے لکھا جائے گا۔ آپ نے تحریر فرمایا:-

"زندگی مسلسل جستجو کا نام ہے۔ کلاس روم میں آپ پہلوں کی جستجو کے نتائج سُنتے ہیں۔ انہیں سمجھنے اور یاد رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان نتائج پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کا آپ کو موقعہ میسر نہیں آتا۔ کلاس روم تخلیق کا میدان بھی نہیں۔ مگر تنقید و تحقیق کے بغیر آپ کی زندگی بے معنی ہے 'پدرم سلطان بود' آپ کو زیب نہیں دیتا۔ دنیا کو جس حالت پر آپ نے پایا اس سے بہتر حالت پر آپ نے اُسے چھوڑنا ہے۔ کالج میگزین تنقید و تحقیق کا ایک وسیع میدان آپ کے سامنے کھولتا ہے۔ اب آپ کا فرض ہے کہ اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ وہ بڑے پیار سے دنیا کو دیکھیں، عقل سلیم سے اسے پرکھیں۔ ذہن رسا سے اس کی تہہ تک پہنچیں [illegible]

ٹے "المنار" شہادت / اپریل ۱۳۲۹ہش / ۱۹۵۰ء صفحہ ۸ ؛

میں داخل ہوں۔ اس کی چھپی ہوئی کانوں میں جائیں اور آنے والی نسلوں کے لئے دُر بے بہا تلاش کریں۔ اسلام کو آج روشن دماغ بہادروں کی ضرورت ہے۔ اگر آپ بہادر تو ہیں مگر آپ کے ذہنوں میں جلا نہیں تو آپ اسلام کے کسی کام کے نہیں۔ آزادانہ تنقید و تحقیق آپ کو بہادر بھی بنائے گی اور آپ کے اذہان کو منوّر بھی کرے گی اور یہی کالج میگزین کے اجراء کا مقصد ہے۔ خدا ہمیں اس میں کامیاب کرے" [۱]

ان بزرگوں نے اُردو کے علاوہ انگریزی حصّہ کے لئے بھی پیغامات دیئے۔ چنانچہ حضرت قمر الانبیاء نے طلبہ کو اسلامی تعلیمات کے پہنچانے کے لئے عربی اور اُردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی عبور حاصل کرنے کی تلقین فرمائی۔[۲] حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے پیغام کا متن یہ تھا :-

"With trust in God and Faith in the ultimate triumph of your mission march on"

یعنی خدا تعالیٰ پر یقین محکم اور ایمانِ کامل کے ساتھ اپنے مقصد کے حصول اور آخری فتح کے لئے بڑھے چلو ![۳]

تقسیم اسناد کے پہلے جلسہ میں حضرت امیر المومنین کا بصیرت افروز خطاب

۲ر شہادت/اپریل ۱۳۲۹ ہش / ۱۹۵۰ء کو تعلیم الاسلام کالج کی تاریخ میں پہلی بار تقسیم اسناد و تقسیم انعامات کی انتہائی سادہ اور مؤثر تقریب منعقد ہوئی جو خالص اسلامی ماحول میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس جلسہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ سیدنا المصلح الموعود نے اس میں بنفس نفیس شرکت کی اور نہایت ایمان افروز صدارتی خطاب[۴] ارشاد فرمایا اور قرآن و حدیث کی روشنی میں طلبہ کو ان کی اہم ذمہ داریوں کی طرف نہایت بلیغ انداز میں توجہ دلائی اور اس ضمن میں بالخصوص ان فرائض پر روشنی ڈالی جو ایک نئی مملکت کے آزاد شہری ہونے کی حیثیت سے اُن پر عائد ہوتی ہیں۔ چنانچہ فرمایا :-

---

[۱] "المنار" شہادت/اپریل ۱۳۲۹ ہش / ۱۹۵۰ء صفحہ ۹ ٭

[۲] " " " صفحہ ۷ - ۸ (حصّہ انگریزی) ٭

[۳] " " " صفحہ ۶ (") ٭

[۴] حضرت امیر المومنین کا یہ صدارتی خطبہ کالج کی طرف سے اردو اور انگریزی میں تقریب سے قبل چھپوا دیا گیا تھا ٭

میں اُن نوجوانوں کو جو تعلیم سے فارغ ہو کر اپنی زندگی کے دوسرے مشاغل کی طرف مائل ہونے والے ہیں، کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے قانون کے مطابق سکون کے حاصل کرنے کی بالکل کوشش نہ کرو بلکہ ایک نہ ختم ہونے والی جد و جہد کے لئے تیار ہو جاؤ اور قرآنی منشاء کے مطابق اپنا قدم ہر وقت آگے بڑھانے کی کوشش کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے رہو کہ وہ آپ کو صحیح کام کرنے اور صحیح وقت پر کام کرنے اور صحیح ذرائع کو استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور پھر اس کام کے صحیح اور اعلیٰ سے اعلیٰ نتائج پیدا کرے۔

یاد رکھو کہ تم پر صرف تمہارے نفس کی ہی ذمہ داری نہیں۔ تم پر تمہارے اس ادارے کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہیں تعلیم دی ہے اور اس خاندان کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہاری تعلیم پر خرچ کیا ہے خواہ بالواسطہ یا بلا واسطہ، اور اس ملک کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہارے لئے تعلیم کا انتظام کیا ہے اور پھر تمہارے مذہب کی بھی ذمہ داری ہے۔ تمہارے تعلیمی ادارے کی جو تم پر ذمہ داری ہے وہ چاہتی ہے کہ تم اپنے علم کو زیادہ سے زیادہ اور اچھے سے اچھے طور پر استعمال کرو۔ یونیورسٹی کی تعلیم مقصود نہیں ہے وہ منزلِ مقصود کو طے کرنے کے لئے پہلا قدم ہے۔ یونیورسٹی تم کو جو ڈگریاں دیتی ہے وہ اپنی ذات میں کوئی قیمت نہیں رکھتیں بلکہ اُن ڈگریوں کو تم اپنے آئندہ عمل سے قیمت بخشتے ہو۔ ڈگری صرف تعلیم کا ایک تخمینی وزن ہے۔ اور ایک تخمینی وزن ٹھیک بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی ہو سکتا ہے۔ محض کسی یونیورسٹی کے فرض کر لینے سے کہ تم کو علم کا ایک تخمینی وزن حاصل ہو گیا ہے تم کو علم کا وہ فرضی درجہ نصیب نہیں ہو جاتا جس کے اظہار کی یونیورسٹی ڈگری کے ساتھ کوشش ہوتی ہے۔ اگر ایک یونیورسٹی سے نکلنے والے طالب علم اپنی آئندہ زندگی میں یہ ثابت کریں کہ جو تخمینی وزن ان کی تعلیم کا یونیورسٹی نے لگایا تھا ان کے پاس اُس سے بھی زیادہ وزن کا علم موجود ہے تو دُنیا میں اُس یونیورسٹی کی عزت اور قدر قائم ہو جائے گی۔ لیکن اگر ڈگریاں حاصل کرنے والے طالب علم اپنی بعد کی زندگی میں یہ ثابت کر دیں کہ تعلیم کا جو تخمینی وزن ان کے دماغوں میں فرض کیا گیا تھا ان میں اس سے بہت کم درجہ کی تعلیم پائی جاتی ہے تو یقیناً لوگ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ یونیورسٹی نے علم کی پیمائش کرتے میں غلطی سے کام لیا ہے۔

پس تمہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ یونیورسٹیاں اتنا طالب علم کو نہیں بناتیں جتنا کہ طالب علم

یونیورسٹیوں کو سناتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لو کہ ڈگری سے طالب علم کی عزت نہیں ہوتی ہے۔ پس تمہیں اپنے پیمانۂ علم کو درست رکھنے بلکہ اس کو بڑھانے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے اور اپنے کالج کے زمانہ کی تعلیم کو اپنی عُمر کا پھل نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ اپنے علم کی کھیتی کا بیج تصور کرنا چاہیئے اور تمام ذرائع سے کام لے کر اس بیج کو زیادہ سے زیادہ بارآور کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے تاکہ اس کوشش کے نتیجہ میں اُن ڈگریوں کی عزت بڑھے جو آج تم حاصل کر رہے ہو اور اُس یونیورسٹی کی عزت بڑھے جو تمہیں یہ ڈگریاں دے رہی ہے اور تمہاری قوم تم پر فخر کرنے کے قابل ہو اور تمہارا ملک تم پر اعلیٰ سے اعلیٰ امیدیں رکھنے کے قابل ہو اور اُن امیدوں کو پورا ہوتے ہوئے دیکھے۔

تم ایک نئے ملک کے شہری ہو۔ دُنیا کی بڑی مملکتوں میں سے بظاہر ایک چھوٹی سی مملکت کے شہری ہو۔ تمہارا ملک مالدار ملک نہیں ہے۔ ایک غریب ملک ہے۔ دیر تک ایک غیر حکومت کی حفاظت میں امن اور سکون سے رہنے کے عادی ہو چکے ہو۔ سو تمہیں اپنے اخلاق اور کردار بدلنے ہوں گے۔ تمہیں اپنے ملک کی عزت اور ساکھ دُنیا میں قائم کرنی ہوگی۔ تمہیں اپنے ملک کو دُنیا سے روشناس کرانا ہوگا۔ ملکوں کی عزت کو قائم رکھنا بھی ایک بڑا دشوار کام ہے۔ لیکن ان کی عزت کو بنانا اس سے بھی زیادہ دشوار کام ہے اور یہی دشوار کام تمہارے ذمہ ڈالا گیا ہے۔ تم ایک نئے ملک کی نئی پود ہو۔ تمہاری ذمہ داریاں پُرانے ملکوں کی نئی نسلوں سے بہت زیادہ ہیں۔ انہیں ایک بنی ہوئی چیز ملتی ہے۔ انہیں آباء و اجداد کی سنتیں یا روایتیں وراثت میں ملتی ہیں۔ مگر تمہارا یہ حال نہیں ہے۔ تم نے ملک بھی بنانا ہے اور تم نے نئی روایتیں بھی قائم کرنی ہیں۔ ایسی روایتیں جن کی پر عزت اور کامیابی کے ساتھ آنے والی بہت سی نسلیں کام کرتی چلی جائیں اور ان روایتوں کی بنا میں اپنے مستقبل کو شاندار بناتی چلی جائیں۔

پس دوسرے قدیمی ملکوں کے لوگ ایک اولاد ہیں مگر تم ان کے مقابلے پر ایک باپ کی حیثیت رکھتے ہو۔ وہ اپنے کاموں میں اپنے باپ دادوں کو دیکھتے ہیں۔ تم نے اپنے کاموں میں آئندہ نسلوں کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ جو بنیاد تم قائم کروگے آئندہ آنے والی نسلیں ایک حد تک اس بنیاد پر عمارت قائم کرنے پر مجبور ہوں۔ اگر تمہاری بنیاد ٹیڑھی ہوگی تو اس پر قائم کی گئی عمارت بھی ٹیڑھی ہوگی۔ اسلام کا مشہور فلسفی شاعر کہتا ہے کہ

۵ خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج تا ثریا مے رود دیوار کج

یعنی اگر معمار پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھتا ہے تو اس پر کھڑی کی جانے والی عمارت اگر ثریا تک بھی جاتی ہے تو ٹیڑھی ہو جائے گی۔ پس بوجہ اس کے کہ تم پاکستان کی خشتِ اوّل ہو تمہیں اس بات کا بڑی احتیاط سے خیال رکھنا چاہئیے کہ تمہارے طریق اور عمل میں کوئی کجی نہ ہو کیونکہ اگر تمہارے طریق اور عمل میں کوئی کجی ہو گی تو پاکستان کی عمارت ثریا تک ٹیڑھی چلتی جائے گی۔

بے شک یہ کام مشکل ہے لیکن اتنا ہی شاندار بھی ہے۔ اگر تم اپنے نفسوں کو قربان کر کے پاکستان کی عمارت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دو گے تو تمہارا نام اس عزت اور اس محبت سے لیا جائے گا جس کی مثال آئندہ آنے والے لوگوں میں نہیں پائی جائے گی۔

پس میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی نئی منزل پر عزم، استقلال اور علوّ حوصلہ سے قدم مارو۔ قدم مارتے چلے جاؤ اور اس بات کو مدّنظر رکھتے ہوئے قدم بڑھاتے چلے جاؤ کہ عالی ہمّت نوجوانوں کی منزلِ اوّل بھی ہوتی ہے اور منزلِ دوم بھی ہوتی ہے، منزلِ سوم بھی ہوتی ہے لیکن آخری منزل کوئی نہیں ہوا کرتی۔ ایک منزل کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری وہ اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ اپنے سفر کو ختم نہیں کرنا چاہتے۔ وہ اپنے رختِ سفر کو کندھے سے اُتارنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ اُن کی منزل کا پہلا دَور اسی وقت ختم ہوتا ہے جبکہ وہ کامیاب اور کامران ہو کر اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور اپنی خدمت کی داد اس سے حاصل کرتے ہیں جو ایک ہی ہستی ہے جو کسی کی خدمت کی صحیح داد دے سکتی ہے۔

پس اے خدائے واحد کے منتخب کردہ نوجوانو! اسلام کے بہادر سپاہیو! ملک کی امید کے مرکزو! قوم کے سپوتو! آگے بڑھو کہ تمہارا خدا، تمہارا دین، تمہارا ملک اور تمہاری قوم محبت اور امید کے مخلوط جذبات سے تمہارے مستقبل کو دیکھ رہے ہیں" [1]

حضرت امیر المومنینؓ کے خطبہ صدارت کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج نے اس ادارہ کی دو سالہ روداد پڑھ کر سنائی [2] جس میں کالج کی ترقی، طلبہ کی تعلیم و تربیت اور اُن کے علمی و

---

[1] "الفضل" ۳ر شہادت/اپریل ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء صفحہ ۳، ۴۔ [2] اس کے مکمل متن کے لئے ملاحظہ ہو "الفضل" ۵ر شہادت/اپریل ۱۳۲۹ہش/۱۹۵۰ء صفحہ ۳-۵۔

مجلسی مشاغل پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ بعدہ سیدنا حضرت امیر المومنین نے انعامات تقسیم فرمائے اور دُعا کے بعد جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

اس تقریب میں شریک ہونے والے معزز مہمانوں میں مشتاق احمد صاحب میئر لاہور کارپوریشن، سید جمیل حسین صاحب ڈپٹی کمشنر آبادکاری، ایس۔ ایس جعفری ڈپٹی کمشنر لاہور، مسٹر ظفر الاحسن چیئرمین امپرومنٹ ٹرسٹ، مسٹر ترمذی ڈپٹی ڈائریکٹر تعلیمات عامہ پنجاب نیز صوبے کے ماہرین تعلیم اور مدیران جرائد بالخصوص قابل ذکر تھے[1]

تقسیم اسناد و انعامات کی اس پہلی تقریب کے بعد ۱۳۳۰ہش / ۱۹۵۱ء سے لے کر ۱۳۴۴ہش / ۱۹۶۵ء تک حسب ذیل شخصیتوں نے مہمان خصوصی کے فرائض انجام دیئے۔

تاریخ	مہمان خصوصی
۱۴ امان / مارچ ۱۳۳۰ہش / ۱۹۵۱ء	ڈاکٹر قاضی محمد بشیر صاحب (برادر اکبر قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔ اے کنٹب)[2]
۲۰ " " ۱۳۳۱ہش / ۱۹۵۲ء	آنریبل جسٹس ڈاکٹر ایس۔ اے رحمان وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی[3]
۲۸ تبلیغ / فروری ۱۳۳۳ہش / ۱۹۵۴ء	عزت مآب چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب بالقابہ سابق وزیر خارجہ پاکستان[4]
۲۰ احسان / جون ۱۳۳۴ہش / ۱۹۵۵ء	میاں افضل حسین صاحب سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور[5]
۱۰ امان / مارچ ۱۳۳۶ہش / ۱۹۵۷ء	سردار عبدالحمید صاحب دستی سابق وزیر تعلیم پنجاب[6]
۱۴ احسان / جون ۱۳۳۸ہش / ۱۹۵۹ء	قاضی محمد اسلم صاحب سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور و صدر شعبۂ فلسفیات و نفسیات کراچی یونیورسٹی[7]
۷ ہجرت / مئی ۱۳۳۹ہش / ۱۹۶۰ء	جناب ایم۔ آر کیانی چیف جسٹس عدالت عالیہ مغربی پاکستان[8]
۱۴ احسان / جون ۱۳۴۰ہش / ۱۹۶۱ء	پروفیسر سراج الدین صاحب صوبائی سکرٹری محکمہ تعلیم[9]

[1] "الفضل" ۳ شہادت / اپریل ۱۳۲۹ہش / ۱۹۵۰ء۔

[2] "المنار" شہادت / اپریل ۱۳۳۰ہش / ۱۹۵۱ء صفحہ ۶۔ آپ نے کوئی خطبہ صدارت نہیں پڑھا۔

[3] " ہجرت و احسان / مئی و جون ۱۳۳۱ہش / ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۲۔ [4] "المنار" احسان / جون ۱۳۳۳ہش / ۱۹۵۴ء صفحہ ۳ تا ۴ پر آپ کا بلیغ اور پُر اثر خطبہ کا متن شائع شدہ ہے۔ [5] "الفضل" ۲۱ احسان / جون ۱۳۳۴ہش / ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۔

[6] "الفضل" ۱۲ امان / مارچ ۱۳۳۶ہش / ۱۹۵۷ء [7] " " ۱۳۳۸ہش / ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۔

[8] آپ کا خطبہ صدارت "المنار" ہجرت و احسان / مئی جون ۱۳۳۹ہش / ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۵ تا ۳۰ میں چھپا۔

[9] "الفضل" ۱۷ احسان / جون ۱۳۴۰ہش / ۱۹۶۱ء صفحہ ۱۔

مہمان خصوصی	تاریخ
پروفیسر حمید احمد خاں صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور[۱]	۳ر احسان/جون ۱۳۴۱ ہش / ۱۹۶۲ء
مولانا صلاح الدین صاحب مدیر "ادبی دنیا" لاہور	۹ ، ، ۱۳۴۲ ہش / ۱۹۶۳ء
حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب شاہجہان پوری شاگرد خاص منشی امیر احمد امیر مینائی کا رقم فرمودہ خطبہ[۲] مولانا جلال الدین صاحب شمس سابق مبلغ بلاد عربیہ و غربیہ نے پڑھا	۱۹ر شہادت/اپریل ۱۳۴۳ ہش / ۱۹۶۴ء

کالج کیلئے ایک نیا خطرہ

یہ درسگاہ مہاجر تھی۔ اسے اپنی آبادکاری میں سینکڑوں دقتیں پیش آئیں۔ ڈی اے وی کالج کی جو عمارات بصد دقت ملی وہ انتہائی خستہ حالت میں تھی۔ زر کثیر خرچ کرکے اور کافی تگ و دو کے بعد اس کے بڑے حصے کو قابل استعمال بنایا جا سکا۔ اس عمارت کے بعض حصوں پر ابھی قبضہ بھی نہ ملا تھا کہ بعض حلقوں میں یہ سوال اٹھا دیا گیا کہ یہ عمارت اس تعلیمی ادارہ سے چھین لی جائے اور اس کی بجائے کوئی اور مختصر سی عمارت دے دی جائے۔[۳]

خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت اور کالج کی مزید کامیابیاں

ان غیر مطمئن اور حد درجہ مخدوش حالات نے کالج کے ماحول پر خطرناک اثر ڈالا اور بہت سی تجاویز تشنۂ تکمیل نہ ہو سکیں مگر ان مشکلات کے باوجود یہ درسگاہ خدا تعالیٰ کے فضل سے شاہراہ ترقی پر گامزن رہی۔

کالج قریباً سات سال تک لاہور میں جاری رہا اس عرصہ میں خصوصاً ڈی۔ اے۔ وی کالج کی عمارت کے قبضہ کو ختم کرنے کی منظم تحریک کے بعد کالج نے کیا کیا کامیابیاں حاصل کیں، اس کی تفصیلات اس دور کی مطبوعہ سالانہ رپورٹوں سے بآسانی معلوم کی جا سکتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اپنے مخصوص دینی و علمی ماحول اور اخلاقی روایات کے برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ ہر امتحان میں کالج کے نتائج نہایت خوشکن اور یونیورسٹی کی اوسط سے بہت بڑھ کر رہے۔ چنانچہ ۱۳۳۰-۳۱ ہش / ۱۹۵۱-۵۲ء میں اس کے ایک طالب علم مرزا بشارت احمد صاحب بی۔ ایس۔ سی میں مجموعی طور پر پنجاب بھر میں سوم رہے ۱۳۳۲-۳۳ ہش / ۱۹۵۳-۵۴ء میں اس کے ایک اور طالب علم حمید اللہ صاحب نے بی۔ ایس۔ سی میں صوبہ بھر میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ ان سالوں میں طلبہ کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ اور وہ قریباً پانسو تک پہنچ گئی۔

۱ "الفضل" ۵ر احسان/جون ۱۳۴۱ ہش / ۱۹۶۲ء صفحہ ۸۔

۲ یہ خطبہ جلیلہ رسالہ "المنار" وفا/ظہور، تبوک/جولائی، اگست، ستمبر ۱۳۴۳ ہش / ۱۹۶۴ء کی زینت ہے۔

۳ روئداد تعلیم الاسلام کالج لاہور (۱۹۵۰-۵۱ء) صفحہ ۱-۲۔

پنجاب یونیورسٹی ہیپنگ ریلیز میں کالج کی ٹیم دوسرے نمبر پر شمار ہوتی تھی ۱۳۳۱-۳۲ ہش (۱۹۵۲-۵۳ء) ہش میں اس نے انتہائی سخت مقابلہ کے باوجود پنجاب یونیورسٹی کی چمپئن شپ جیت لی اور ۱۳۴۰-۴۱ ہش (۱۹۶۱-۶۲ء) ہش تک یہ اعزاز اسے حاصل رہا۔[1] ۱۳۲۹-۳۰ ہش (۱۹۵۰-۵۱ء) ہش میں یو۔ او۔ ٹی۔ سی کی سالانہ فائرنگ کے موقعہ پر جس میں رائفل، سٹین گن، برین گن اور دو انچ مارٹر کے فائر شامل تھے، کالج کے طالب علم عبدالطیف کارپورل اول اور حمید اللہ بھیروی دوم رہے ۱۳۳۰-۳۱ ہش (۱۹۵۱-۵۲ء) ہش میں کالج کے ایک طالب علم حمید اللہ صاحب پنجاب یونیورسٹی کی کھیلوں میں اول آئے۔

ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۲۹-۳۰ ہش (۱۹۵۰-۵۱ء) ہش میں پہلی بار کالج کے زیر انتظام کل پاکستان بین الکلیاتی تقریری مقابلوں کا انتظام کیا گیا۔ اس سال کالج یونین کے مقررین نے لاہور سے باہر کے کالجوں میں ان کے آل پاکستان انٹر کالجیئیٹ مباحثوں میں حصہ لینا شروع کیا اور ملک پر اس درسگاہ کے جگر گوشوں کی قوتِ خطابت کے جوہر کھلنا شروع ہوئے۔

اس دور میں جن بیرونی مقررین نے طلبہ کالج کو خطاب کیا ان میں نامور مبلغین اسلام، شہرہ آفاق سیاسی مفکر، چوٹی کے ادیب اور ماہرین اقتصاد بھی شامل تھے۔ اس ضمن میں بعض ممتاز لیکچراروں یا مقالہ نگاروں کے نام یہ ہیں:-

۱۔ قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری
۲۔ حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب سابق مبلغ بلاد عربیہ
۳۔ مولوی ابوبکر ایوب صاحب آف انڈونیشیا
۴۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وزیر خارجہ پاکستان
۵۔ مولوی ابو العطاء صاحب فاضل پرنسپل جامعہ احمدیہ احمد نگر
۶۔ مولوی جلال الدین صاحب شمس سابق امام مسجد لنڈن
۷۔ عمری عبیدی صاحب مشرقی افریقہ
۸۔ خان عبدالرحمٰن خان صاحب ڈائریکٹر محکمہ زراعت پنجاب
۹۔ ڈاکٹر عبدالبصیر صاحب پال شعبہ اقتصادیات پنجاب
۱۰۔ فضل الٰہی صاحب ایم۔ اے رئیس شعبہ اقتصادیات ایم۔ اے۔ او کالج لاہور
۱۱۔ ڈاکٹر محمد باقر صدر شعبہ فارسی پنجاب یونیورسٹی (پرنسپل اورینٹل کالج لاہور)
۱۲۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی سینئر لیکچرار (حال صدر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی)
۱۳۔ صوفی غلام مصطفیٰ صاحب تبسم
۱۴۔ قاضی ظہیر الدین صاحب صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج لاہور
۱۵۔ پروفیسر ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی صدر شعبہ عربی گورنمنٹ کالج لاہور
۱۶۔ ڈاکٹر بی۔ اے قریشی صدر شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی لاہور
۱۷۔ ڈاکٹر ایس ایم اختر صدر شعبہ اقتصادیات پنجاب یونیورسٹی

[1] روئداد تعلیم الاسلام کالج ۱۳۳۱-۳۲ ہش (۱۹۵۲-۵۳ء) ہش و ۱۳۴۰-۴۱ ہش (۱۹۶۱-۶۲ء) ہش۔

۱۸۔ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ڈین آف یونیورسٹی انسٹرکشنز و ڈائریکٹر یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ آف کیمسٹری پنجاب یونیورسٹی

۱۹۔ ڈاکٹر نیاز احمد صاحب ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف کیمیکل ٹیکنالوجی پنجاب یونیورسٹی

۲۰۔ مسٹر اعظم اورک زئی سینئر لیکچرار شعبہ اقتصادیات پنجاب یونیورسٹی

۲۱۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی سینئر لیکچرار (حال صدر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی)

۲۲۔ مولانا صلاح الدین احمد صاحب ایڈیٹر "ادبی دنیا"

۲۳۔ اے۔ایم زتشی گلزار ایم۔اے، ایل ایل بی، ایچ یو پروفیسر دہلی یونیورسٹی

۲۴۔ پروفیسر تھاپسن صدر شعبہ اقتصادیات ایف سی کالج لاہور

۲۵۔ ڈاکٹر فرانسس ایم ڈاسن پروفیسر آئیوا (IOWA) یونیورسٹی امریکہ

ایامِ کرب و بلا میں صبر و استقامت کا قابلِ تعریف مظاہرہ

۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء کے شروع میں پاکستان کی سیاسی فضا نہایت درجہ مکدر ہوگئی اور (سابق) صوبہ پنجاب خصوصاً اس کا صدر مقام لاہور خوفناک فسادات کی لپیٹ میں آگیا۔ ان ایام کرب و بلا میں کالج کے اساتذہ اور طلبہ دونوں نے صبر و استقامت کا قابلِ تعریف نمونہ دکھایا۔ حتیٰ کہ اس کے ایک ہونہار طالب علم جمال احمد نے بھاٹی گیٹ میں جامِ شہادت نوش کرکے اپنے خون سے اسلام کے مقدس درخت کی آبیاری کی۔ اور تعلیم الاسلام کالج کی مقدس روایات کو چار چاند لگا دیئے۔[1]

لاہور میں حالات پر قابو پانے کے لئے مارشل لاء کا نفاذ ناگزیر ہوگیا تو پاکستان کی بہادر فوج نے میجر جنرل اعظم خاں صاحب کی قیادت میں شہر کا نظم و نسق سنبھال لیا اور چند گھنٹوں میں امن و امان قائم کردیا۔ حالات تیزی سے معمول کی طرف آرہے تھے کہ تعلیم الاسلام کالج کو یکایک ایک دوسرے سانحہ ہوشربا سے دوچار ہونا پڑا یعنی اس کے قابل صد احترام پرنسپل یکم ماہ شہادت/اپریل ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء کو گرفتار کرلئے گئے[2] اور یوسفی شان کے ساتھ قید و بند کی مصیبتیں جھیلنے اور اذیتیں برداشت کرنے کے بعد بالآخر ۲۸ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء کو رہا ہوئے۔[3]

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے کا بیان ہے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج جیل سے رہا ہوکر رتن باغ میں تشریف لائے۔ فضل عمر ہوسٹل کے احمدی اور غیر احمدی طلباء یہ خوشکن اطلاع پاتے ہی فوراً والہانہ رنگ میں بیتاب ہوکر بھاگتے ہوئے رتن باغ پہنچے اور آپ کی زیارت کرکے باغ باغ ہوگئے اور بعض کی آنکھوں میں فرطِ مسرت سے آنسو آگئے۔

اس نادر موقعہ کی ایک یادگار تصویر اس کتاب کی زینت ہے۔

---

[1] کالج کے اس مایہ ناز فرزند کا تذکرہ رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء (اردو ایڈیشن) کے صفحہ ۱۷۱ پر موجود ہے۔

[2] اخبار "نوائے وقت" لاہور ۳ اپریل ۱۹۵۳ء صفحہ ۱۔ [3] اخبار "المصلح" کراچی ۲۹ ہجرت/مئی ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۱۔

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل تعلیم الاسلام کالج
رہائی کے بعد کالج کے اساتذہ وطلبا کے درمیان
(رہائی کی تاریخ ۲۸ ہجرت ۱۳۳۲ ہش مئی ۱۹۵۳ء ناموں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ضمیمہ کتاب)

فصل پنجم

ربوہ میں تعلیم الاسلام کالج کی مستقل عمارت کی تعمیر و افتتاح

اور اُس کی گرانقدر مساعی عہدِ مُصلح موعود کے اختتام تک

(۲۶/احسان/جون ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء ـــــ ۷/نبوت/نومبر ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء)

حضرت مُصلح موعودؓ کا منشاء مبارک تھا کہ تعلیم الاسلام کالج کو دوسرے جماعتی اداروں کی طرح جلد سے جلد جماعت کے نئے مرکز ربوہ میں منتقل کیا جائے تا اس کے نونہال خالص دینی فضا میں تربیت پاسکیں اگرچہ اس وقت کی اس نقل مکانی کی افادیت کالج کے بعض پروفیسر صاحبان کی سمجھ میں نہ آسکی اور ان کا اصرار تھا کہ کالج کو لاہور ہی میں رہنے دیا جائے مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ قادیان سے ہجرت کے بعد تمام کاروبار اور ادارہ جات دوبارہ جاری کرنے کا حق سب سے پہلے ربوہ کا ہے اس کے بعد اگر احباب جماعت یا دیگر اصحاب کوئی کالج یا سکول چلانا چاہیں تو اس شہر کی جماعت کو خود کوشش کرنی چاہیئے۔[1]

ربوہ میں کالج اور ہوسٹل کے لئے زمین مخصوص ہو چکی تھی اور اس پر کالج بنانے کا منصوبہ عمل میں آچکا تھا۔ نقشے اور ڈیزائن بنانے کا کام قاضی محمد رفیق صاحب (لیکچرار نیشنل کالج آف آرٹس لاہور) کو دیا گیا[2] حضرت مصلح موعودؓ کے سامنے جب کالج کا نقشہ رکھا گیا تو حضور نے فرمایا کہ "ہمارے پاس اتنی بڑی عمارت کے لئے رقم نہیں۔ جو رقم ہے اس کے مطابق عمارت کا کچھ حصہ بنا لیا جائے اور کالج شروع کیا جائے۔"[3]

سنگِ بنیاد کالج کی تعمیر کی نگرانی سید سردار حسین شاہ صاحب کے سپرد ہوئی۔[4] شاہ صاحب نے حضرت پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج (حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ) سے ملاقات کی۔ آپ ان دنوں جیسا کہ پچھلی فصل میں ذکر آچکا ہے جیلخانہ میں تھے۔ آپ نے ان کو کالج شروع کرنے

---

[1] بروایت عبدالرحمٰن صاحب جنید ہاشمی سابق سپرنٹنڈنٹ تعلیم الاسلام کالج ربوہ حال نائب ناظر بیت المال۔

[2] بروایت چوہدری غلام حیدر صاحب سینئر لیکچرار اسسٹنٹ تعلیم الاسلام کالج و سابق ناظم املاک و تعمیر کالج۔

[3] روئیداد تعلیم الاسلام کالج ۳۶-۱۳۳۵ہش/۵۷-۱۹۵۶ء صفحہ ۱۶۔

[4] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان بابت ۵۳-۱۹۵۲ء صفحہ ۶۵۔

کی ہدایات فرمائیں[1] اور کام شروع ہوگیا۔ کچھ دنوں بعد حضرت صاحبزادہ صاحب بھی باعزت بری ہو کر ربوہ تشریف لائے جہاں حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۶ احسان/جون ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء کی شام کو اپنے دستِ مبارک سے کالج اور اس کے ہوسٹل کا سنگِ بنیاد رکھا اور کالج کی بنیاد میں دارالمسیح قادیان کی اینٹ نصب فرمائی اور دعا کی۔ بعد ازاں دس بکرے بطور صدقہ ذبح کئے گئے جن میں سے ایک حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے اور ایک حضرت مولوی محمد دین صاحب ناظر تعلیم و تربیت نے ذبح کیا۔[2]

تعمیر عمارت کے لئے سرفروشانہ جدوجہد

تعلیم الاسلام کالج کی وسیع و عریض عمارت کی بنیاد جس قطعہ زمین پر رکھی گئی وہاں ریت کے ٹیلوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اور اسی کے حضور دعائیں کرتے ہوئے بے سروسامانی کے عالم میں ماہ شہادت/اپریل ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء میں عمارت کی تعمیر کا کام اپنی نگرانی میں شروع کرا دیا۔ برکتوں والے خدا نے آپ کی مخلصانہ کوششوں میں ایسی برکت ڈالی کہ سرمایہ کی کمی کے باوجود اس کے فضل و کرم سے پانچ چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں ہوسٹل کی عمارت اور کالج کے تین بلاک تیار کروا دیئے۔[3]

حضرت صاحبزادہ صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے اس عظیم الشان کام کی جلد از جلد تکمیل کے لئے لاہور سے ربوہ آکر کس طرح گویا ڈیرے ڈال دیئے اور گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں گرد و غبار اور بگولوں کے تھپیڑوں سے بے پرواہ ہو کر چھوٹے بڑے ہر کام کی نگرانی بنفس نفیس فرمائی؟ اس کی ایمان افروز تفصیل کالج کے سربرآوردہ اصحاب کے قلم سے بیان کرنا مناسب ہوگا۔

۱۔ پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے لکھتے ہیں:۔

"۱۹۵۴ء کے شروع میں جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بیمار ہوئے تو حضور نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں لے آؤ۔ ربوہ میں کالج کے لئے کوئی عمارت نہ تھی۔ وقت بہت کم تھا۔ گرمی کے ایام تھے۔ ربوہ کی تمازت مشہور ہے۔ مگر آپ نے ان سب باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے آقا کی آواز پر لبیک کہی۔ خود یہاں آگئے اور بظاہر کالج کی تعمیر کے سامان پیدا نہ ہوسکنے کے باوجود اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے کام شروع کر دیا۔ دھوپ میں کھڑے ہو کر آپ خود نگرانی کرتے

---

[1] بروایت چوہدری غلام حیدر صاحب سینئر اسسٹنٹ لیکچرار تعلیم الاسلام کالج۔

[2] رسالہ "خالد" ظہور/اگست ۱۳۳۲ہش/۱۹۵۳ء صفحہ ۳۳۔

[3] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان بابت ۳۸-۱۳۳۷ہش/۵۹-۱۹۵۸ء صفحہ ۹۳۔

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے سنگ بنیاد کی مقدس تقریب کے دو یادگار فوٹو

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ دعا کرا رہے ہیں

اسی تقریب کے دو اور مناظر

(حضرت مصلح موعودؓ حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج سے مصروف گفتگو ہیں)

اور اس طرح عمارت کے ایک حصّہ کے بعد دوسرے حصّہ کی تعمیر اپنی نگرانی میں کرواتے چلے گئے مشکلات سے کبھی آپ گھبرائے نہیں۔ اور آپ کو یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی خواہش کی تکمیل کے لئے غیر معمولی سامان پیدا کر دے گا۔ ایک دن خاکسار لاہور سے یہاں آیا۔ خاکسار نے دیکھا کہ دوپہر کے وقت کالج کی زیرِ تعمیر عمارت ہی میں مقیم رہے۔ کھانا کھانے کے لئے شہر میں تشریف نہ لائے بلکہ ان مزدوروں سے جو اپنی روٹی پکا رہے تھے قیمتاً روٹی لے کر وہیں تناول فرمائی"

۲۔ مکرم عبدالرحمن صاحب جنید ہاشمی (سابق سپرنٹنڈنٹ تعلیم الاسلام کالج) تحریر کرتے ہیں:-

"آپ نے تعمیرِ کالج کے دوران ارادہ فرمایا تھا کہ صرف لنگر کی دال اور روٹی کھایا کروں گا۔ آپ نے اکثر دوپہر کا کھانا وہیں نامکمل عمارت کے برآمدہ میں کھایا ہے اور نمازیں تک وہیں پڑھی ہیں اور کام کے وقت ایک ایک اینٹ اور لنٹل وغیرہ کی کھڑے ہو کر نگرانی کی ہے۔"

"تعلیم الاسلام کالج کی زمین کا رقبہ ۱۷ ایکڑ ۳۳۲ مربع گز ہے اور مسقف حصّہ ایک لاکھ مربع فٹ ہے۔ گورنمنٹ کے ریٹ کے مطابق چودہ روپے فی مربع فٹ کے حساب سے چودہ لاکھ روپیہ کی عمارت ہے۔ اس پر آپ کی نگرانی اور توجہ کی بدولت چار پانچ لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہے"

۳۔ چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے لکھتے ہیں:-

"جب کالج ربوہ میں منتقل کرنے کا فیصلہ ہوا تو آپ اپنی نگرانی میں کالج کی تعمیر کے لئے تشریف لے آئے۔ کچھ عرصہ یہ عاجز بھی آپ کی خدمت میں حاضر رہا۔ فجر کی نماز پڑھ کر کالج میں تشریف لے آتے جہاں نہ کوئی درخت تھا نہ سایہ، نمکین پانی کے دو نلکے تھے۔ کھانا لنگر خانے سے آتا تھا۔ مزدوروں میں کھڑے ہو کر کام کی نگرانی فرماتے۔ جب مزدور آرام کرتے تو آپ حسابات کا معائنہ کرتے۔ کبھی رقم ختم ہو جاتی تو اس عاجز کو بھیجتے کہ عطایا (DONATIONS) لی جائیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ فضل تھا اور آپ کے ساتھ یہ سلوک تھا کہ ایک لاکھ کی منظوری کے ساتھ اس سے کئی گنا قیمت کی عمارت مہینوں میں تعمیر ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور احسانوں کے بھی عجیب عجیب معجزے دیکھے جب ہال کا لنٹل پڑنے والا تھا اور کثیر مقدار میں سیمنٹ اور مصالحہ بھگو کر تیار کیا جا چکا تھا تو سیاہ بادل اٹھا اور گھر کر چھا گیا۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر بادل کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ یہ غریب جماعت کی خرچ کی ہوئی رقم ہے۔ اگر تو برسا تو یہ رقم ضائع ہو جائے گی۔ جا یہاں سے چلا جا۔ دراصل آپ کی اللہ تعالیٰ کے حضور ایک رنگ میں فریاد تھی۔ جو قبول ہوئی اور جس طرح ابر آیا تھا اسی طرح چلا گیا۔"

۴۔ چوہدری غلام حیدر صاحب سینئر لیکچرار اسسٹنٹ و ناظم املاک کالج لکھتے ہیں:-

"اُن دنوں سریا اور پائپ ملنے میں بہت سی دشواریاں تھیں۔ خاکسار کو کراچی تین دفعہ بھیجا گیا اور وہاں سے کنٹرول ریٹ پر خرید کیا جاتا رہا اسی طرح فرنشنگ اینڈ فٹنگ کے لئے پائپ اور فٹنگ کی دقت تھی اور یہ بھی ان کی وجہ سے کراچی سے کنٹرول پر مل گیا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو کئی دفعہ رقم فراہم کرنے میں دقت ہوئی مگر ہمارے شیر دل بہادر اور محبوب آقا نے ذرا بھی لیبر یا ٹھیکیداروں کو محسوس نہیں ہونے دیا۔

آپ یوں تو بنیاد سے لے کر چھت تک نگرانی فرماتے رہے مگر لنٹل جب پڑتے تو خود سریا، اس کی بندھوائی اور سیمنٹ ریت بجری کی مقدار چیک کرتے اور اس وقت تک نہ ہلتے جب تک سارا لنٹل ختم نہ ہو جاتا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ کالج ہال پر لینٹل پڑ رہا تھا جو کافی بڑا کام تھا اور لیبر کافی درکار تھی۔ کام شروع ہو چکا تھا۔ بے شمار سیمنٹ کی بوریاں کھلی پڑی تھیں اور انہیں مسالہ کے ساتھ ملایا جا رہا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے کالی گھٹا اُٹھی اندیشہ تھا کہ ابھی بارش ہو جائے گی آپ نے بادلوں کی طرف دیکھ کر خواہش ظاہر کی کہ واپس چلے جائیں۔ اسی وقت بادل ایک طرف سے ہو کر گذر ہو گئے اور آپ رات کا کافی حصہ گئے تک لنٹل مکمل کر کے تشریف لے گئے[1]۔ جب کبھی طبیعت خراب ہوتی تو بستر پر بھی کام کا خیال رہتا۔ ایک دفعہ آپ کی طبیعت بوجہ دل کی تکلیف کے خراب تھی۔ گھر لیٹے ہوئے تھے۔ پانی کی ٹینکی بنائی جا رہی تھی اور مجھے حکم تھا کہ میں نے ایک منٹ اِدھر اُدھر نہیں ہونا اور رپورٹ ہر گھنٹہ بعد گھر بھجوانی ہے

ایک دفعہ وزیر تعلیم سردار عبد الحمید صاحب دستی آئے تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کا کالج اور ہوسٹل پر کتنا خرچ اُٹھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قریباً پانچ لاکھ، تو وہ حیران ہو گئے کہ سرگودھا کالج پر تو ۲۵ لاکھ خرچ ہوا ہے۔ اور آپ کی نگرانی اور محنت کی بہت تعریف کی۔

کالج کو پانی کی سخت تکلیف تھی۔ کالج کے احاطہ میں ٹیوب ویل بور کرانا شروع کیا مگر جلن کی وجہ سے ٹھیکیدار پائپ درمیان میں چھوڑ گیا۔ آخر کار کالج سے کوئی دو ہزار فٹ دُور ٹیوب ویل بنوایا اور وہاں سے پائپ کے ذریعہ لیبارٹریز اور احاطہ کالج و ہوسٹل کو پانی مہیا فرمایا۔ کالج میں ٹک شاپ، گیسٹ ہاؤس اور فیملی کوارٹرز بھی بنائے گئے۔ ہوسٹل بہت اچھا بنایا گیا۔ آپ کی شفقت اور ہمدردی خصوصاً فزکس ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ رہی۔ یہاں ربوہ آ کر B.S.C. HONS

---

[1] الفضل ۲۱ دسمبر ۱۹۶۶ صفحہ ۴

کی لیبارٹری اور اپریٹس کی فراہمی کے لئے فراخ دلی سے خرچ کیا اور فزکس ایم۔ایس۔سی کا پروگرام بن چکا تھا جس کے لئے علیحدہ نیو کیمپس بنایا جارہا ہے اور پچپن ہزار روپیہ فزکس کے اپریٹس کے لئے دے کر اپریٹس منگایا جارہا ہے"

ایک اہم مکتوب کا چربہ

(حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کا ایک مکتوب گرامی جو آپ نے تعمیر کالج کے دوران چوہدری غلام حیدر صاحب کو کراچی لکھا تھا)

مکرمی چوہدری حیدر صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) آپ کے ہر دو خط اور تار مل گئے۔

(۲) آپ کراچی سے لاہور کو جانے کا ارادہ ترک کر دیں مگر تمام معلومات لیکر آئیں (۱) کیا کراچی میں کوئلہ مل سکتا ہے (۲) کس قیمت پر۔ (۳) کیا سیمنٹ مل سکتا ہے (۴) پرمٹ ملنے میں کتنی دقت پیش آئیگی۔ (۵) پرمٹ کیا ہے۔ (۶) پیچ وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کر لیں۔ [illegible] کا چیک اور مزید جسقدر روپیہ مل سکے لیکر آ

جائیں

(۵) شیخ صاحب سے کہیے کہ Sinking Pit کے نقشے نہیں
ملے - شکریہ - مگر آپ نقشہ لیکر آئیں - یہ مشکل
میں کچھ جے فلش کے دو پوائنٹ ہونگے - اسکے
مطابق - اسکے علاوہ پوائنٹ اور زمین
پوائنٹ (Manhole) کے نقشے بھی

(۶) محمد کرامت اللہ صاحب سے کہیے کہ کم از کم لفافے
بھیج دیں -

(۷) اسی طرح چوہدری شریف الدین صاحب سے
کہیں کہ حکیم ملک صاحب سے کم از کم لفافے روپیہ لیکر
رکھیں - اور اس چیک لیکر آجائیں

(۸) امید ہے آپ دو دنوں میں ان کاموں
سے فارغ ہو کر بدھ کے روز لاہور کے لئے روانہ
ہو جائینگے -

(۱) دورہ کا منشا یہ ہے کہ آپ لوہے، سیمنٹ اور ٹیل وغیرہ کے متعلق مکمل معلومات حاصل کریں (۲) فلش کے نقشے لیں اور (۳) چندہ عطایا مل سکیں لیکن (بذریعہ کراس چیک) دو تین روز تک لاہور کے لئے روانہ ہو جائیں۔ ممکن ہے مجھے ڈیڑھ مہینے کے بعد میں خود کراچی جا کر عطایا وصول کرنے کی کوشش کرنا پڑے انشاء اللہ۔

[illegible]

مکرم غلام حیدر صاحب ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

(۱) آپ کے ہر دو خطوط اور تار مل گئے۔

(۲) آپ کراچی سے لوہا خریدنے کا ارادہ ترک کر دیں مگر تمام معلومات لے کر آئیں (۱) کیا کراچی میں لوہا مل سکتا ہے۔ (۲) کس قیمت پر (۳) کیا شیشہ مل سکتا ہے (۴) پرمٹ ملنے میں کتنی وقت پیش آئے گی۔ (۵) ریٹ کیا ہے (۶) پیچ وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کر لیں۔ اس لئے ملک بشیر صاحب کا چیک اور مزید جس قدر روپیہ مل سکے لے کر آجائیں۔

(۳) شیخ صاحب سے کہیں SINKING PIT کے نقشے نہیں ملے۔ شکریہ۔ مگر ان سے نقشے لے کر آئیں۔ ہوسٹل میں چھ چھ فلش کے دو یونٹ ہوں گے اس کے مطابق۔ اس کے علاوہ دو یونٹ اور تین یونٹ (UNITS) کے نقشے بھی۔

(۴) محمد کرامت اللہ صاحب سے کہیں کہ کم از کم نصف رقم تو دے دیں۔

(۵) اسی طرح چوہدری شریف احمد صاحب سے کہیں کہ مکرم ملک صاحب سے کم از کم نصف

روپیہ لے کر دے دیں۔ کراس چیک لے کر آجائیں۔

(۶) امید ہے آپ دو دنوں میں ان کاموں سے فارغ ہو کر بدھ کے روز لاہور کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔

(۷) دوبارہ یہ کہ آپ لوہے، شیشے اور گیل وغیرہ کے متعلق مکمل معلومات حاصل کرکے (۲) قلش کے نقشے لے کر اور (۳) جس قدر عطایا مل سکیں لے کر (بذریعہ کراس چیک) دو تین روز تک لاہور کے لئے روانہ ہو جائیں۔ تاکید ہے۔

مہینے ڈیڑھ مہینے کے بعد میں خود کراچی جا کر عطایا وصول کرنے کی کوشش کروں گا۔ انشاءاللہ

(دستخط)

پرنسپل

کالج کی مستقل عمارت کا افتتاح

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے کالج کی مستقل اور شاندار عمارت کا افتتاح ۶ فتح/دسمبر ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء کی صبح کو فرمایا۔[1]

اس روز صبح آٹھ بجے ہی گہما گہمی شروع ہو گئی۔ کالج کی عمارت کے سامنے میدان میں شامیانے نصب تھے جن کے نیچے نہایت سلیقہ اور ترتیب سے کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ سٹیج کے دائیں طرف سٹاف، بائیں طرف بزرگان سلسلہ، سامنے پریس گیلری اور پیچھے معزز مہمانوں کی جگہ مقرر تھی اور باقی حصہ طلبہ کے لئے مخصوص تھا۔

دس بجے حضور کی تشریف آوری پر کالج کے سٹاف کی فوٹو کھینچنے کا پروگرام تھا۔ اس لئے تمام اساتذہ کرام گاؤن پہنے شاداں و فرحاں حضور کے لئے سراپا انتظار تھے۔ دس بج کر پانچ منٹ پر حضور کی کار کالج کے احاطہ میں داخل ہوئی۔ حضور پُرنور نے کار سے اُترتے ہی تمام ممبران اسٹاف کو شرف مصافحہ بخشا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایم۔ اے پرنسپل کالج نے سب اساتذہ کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد گروپ فوٹو ہوئی۔

---

[1] یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ تعلیم الاسلام کالج کے ربوہ منتقل ہونے کی خبر پر لوگوں میں بہت بے چینی پیدا ہو گئی تھی کہ بعض نے اخبار "نوائے وقت" میں لکھا:-

"ایک اور کمی متوسط طبقہ کے طلبہ کو سختی سے محسوس کرنی پڑے گی وہ تعلیم الاسلام کالج کا لاہور سے ربوہ منتقل ہو جانا ہے میں متعلقہ حکام سے درخواست کرتا ہوں کہ اس مسئلہ کی طرف فوری توجہ کرتے ہوئے موجودہ تعطیلات گرما کے اختتام کے ساتھ ہی تعلیم الاسلام کالج کی کمی کو پورا کرنے کے لئے لاہور میں کسی مناسب جگہ پر ایک نیا کالج کھول دیا جائے"

("نوائے وقت" ۳۱ اگست ۱۹۵۴ء)

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ
تعلیم الاسلام کالج ربوہ کا افتتاح فرمارہے ہیں
(نیچے) معزز سامعین

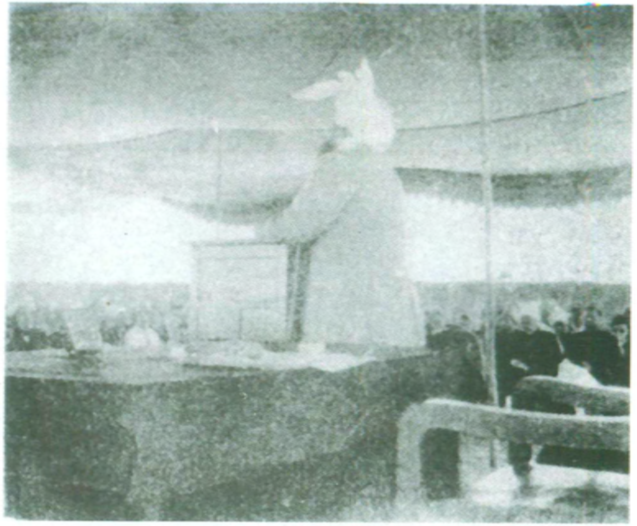

بعد ازاں حضور نے کالج کی عمارت کا معائنہ فرمایا۔ معائنے کے بعد حضور سٹیج پر تشریف لائے اور ڈیڑھ گھنٹہ تک حاضرین سے پُرمعارف خطاب فرمایا۔

افتتاح کی کارروائی تلاوت قرآن مجید سے شروع کی گئی جو سردار حمید احمد صاحب سیکنڈ ایر نے کی۔ ان کے بعد محمد اسلم صاحب صابر متعلم فرسٹ ایر نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظم "حمد و ثنا اسی کو جو ذات جاودانی" خوش الحانی سے پڑھی۔ بعد ازاں پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب نے اپنی دو نظمیں پڑھیں جو انہوں نے خاص اسی تقریب کے لئے لکھی تھیں[۱]۔ اس کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے سپاسنامہ پیش کیا جس میں آپ نے ان تمام مراحل پر بلیغ انداز میں روشنی ڈالی جن سے گذر کر کالج کی عظیم الشان اور پرشکوہ عمارت پایۂ تکمیل تک پہنچی تھی[۲]۔

سپاسنامہ کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے ایک نہایت ولولہ انگیز تقریر فرمائی جس میں حضور نے اس کالج کے قیام کی اصل غرض و غایت پر روشنی ڈالتے ہوئے طلبہ کو خاص طور پر نصائح فرمائیں کہ

"تمہیں جو تعلیم الاسلام کالج میں داخل کیا گیا ہے تو اس مقصد کے ماتحت داخل کیا گیا ہے کہ تم دین کے ساتھ دنیوی علوم بھی سیکھو۔ میں جانتا ہوں کہ تم میں سے ۳۰ / ۴۰ فیصدی غیر احمدی ہیں۔ لیکن تم بھی اس نیت سے یہاں آئے ہو کہ دینی تعلیم حاصل کرو۔ بیشک کچھ تم میں سے ایسے بھی ہوں گے جو دوسرے کالجوں کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے۔ اس کالج کا خرچ تھوڑا ہے اس لئے وہ یہاں آ گئے یا ان کا گھر ربوہ سے قریب ہے اس لئے وہ اس کالج میں داخل ہو گئے یا ممکن ہے ان کے بعض رشتہ دار احمدی ہوں اور وہ یہاں آباد ہوں اور انہیں ان کی وجہ سے یہاں بعض سہولتیں حاصل ہوں لیکن تم میں سے ایک تعداد ایسی بھی ہو گی جو یہ سمجھتی ہو گی کہ اس کالج میں داخل ہو کر ہم اسلام سیکھ سکیں۔ تم میں سے جو طالب علم اس نیت سے یہاں نہیں آئے کہ وہ اسلام کی تعلیم سیکھ لیں میں اُن سے کہتا ہوں کہ تم اب یہ نیت کر لو کہ تم نے اسلام کی تعلیم سیکھنی ہے۔ اور جب میں یہ کہتا ہوں کہ تم اسلام کی تعلیم سیکھو تو میرا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ تم احمدیت کی تعلیم سیکھو۔ ہمارے نزدیک تو اسلام اور احمدیت میں کوئی فرق نہیں۔ احمدیت حقیقی اسلام کا نام ہے۔ لیکن اگر تمہیں ان دونوں میں کچھ فرق نظر آتا ہے تو تم

---

[۱] دونوں نظمیں رسالہ "المنار" بابت ماہ نبوت / نومبر ۱۳۳۳ہش / ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۶ و ۱۷ پر شائع شدہ ہیں۔

[۲] "المنار" بابت ماہ نبوت / نومبر ۱۳۳۳ہش / ۱۹۵۴ء صفحہ ۱۷-۱۸۔

وہی سیکھو جسے تم اسلام سمجھتے ہو۔ اگر انسان کرتا اَور ہے اور کہتا اَور ہے تو وہ غلطی کرتا ہے۔ دیوبندی بریلویوں کے متعلق سمجھتے ہیں کہ ان کا اسلام اَور ہے۔ سُنّی شیعوں کے متعلق سمجھتے ہیں کہ اُن کا اسلام اَور ہے۔ اسی طرح آغا خانیوں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اُن کا اسلام اَور ہے۔ جماعت اسلامی کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اُن کا اسلام اَور ہے۔ احمدیوں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اُن کا اسلام اَور ہے۔ لیکن جب یہ سب فرقے اپنے آپ کو اسلام کا پَیرو کہتے ہیں تو وہ اسلام کے متعلق کچھ نہ کچھ تو ایمان رکھتے ہوں گے ورنہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کیوں کہتے۔ بریلوی بھی مسلمان ہیں، دیوبندی بھی مسلمان ہیں، سُنّی بھی مسلمان ہیں، شیعہ بھی مسلمان ہیں، جماعت اسلامی والے بھی مسلمان ہیں، احمدی بھی مسلمان ہیں۔ تم ان میں سے کسی فرقے کے ساتھ تعلق رکھو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جو کچھ تم مانتے ہو اس پر عمل کرو۔ قرآن کریم میں بار بار یہ کہا گیا ہے کہ اے عیسائیو! تم میں اس وقت تک کوئی خوبی نہیں جب تک عیسائیت پر عمل نہ کرو اور یہودیوں سے کہا گیا ہے کہ اے یہودیو! تم میں اس وقت تک کوئی خوبی نہیں جب تک تم یہودیت پر عمل نہ کرو۔ اب دیکھ لو قرآن کریم ان سے یہ نہیں کہتا کہ تم اسلام پر عمل کرو بلکہ یہ کہتا ہے کہ تم اپنے مذہب پر عمل کرو کیونکہ نیکی کا پہلا قدم یہی ہوتا ہے کہ انسان اپنے مذہب پر عمل کرے۔ پھر دیکھو اسلام نے اہلِ کتاب کا ذبیحہ جائز رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مذہب نے کچھ اصول مقرر کئے ہیں اور ان کے ماننے والے اُن اصول کی پیروی کرتے ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ یہودی سُؤر نہیں کھاتے اس لئے تم تسلّی سے ان کا ذبیحہ کھا لو گے۔ اسی طرح عیسائیوں سے تم کوئی معاملہ کرتے ہوئے نہیں گھبراؤ گے کیونکہ ان کی مذہبی کتاب میں لکھا ہے کہ تم جھوٹ نہ بولو اور کسی سے فریب نہ کرو انفرادی طور پر اگر کوئی شخص تم سے فریب کرے تو کرے لیکن اپنے مارل کوڈ کے ماتحت وہ تم سے فریب نہیں کرے گا۔ اہلِ کتاب کی لڑکیوں سے شادی کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی اسی حکمت کے ماتحت ہے کہ وہ تمہاری زوجیت میں آجانے کے بعد اپنے مارل کوڈ کے ماتحت چلیں گی مثلاً یہودیت اور عیسائیت کی تعلیم کے ماتحت کوئی عورت اپنے خاوند کو زہر نہیں دے گی۔ اس لئے تم اطمینان سے اپنی زندگی بسر کر سکو گے اور ایک دوسرے پر اعتماد کر سکو گے۔ گویا شریعت نے مذہب کو بہت عظمت دی ہے اور بتایا ہے کہ اپنے مخصوص عقیدہ پر چلنے میں بڑی سیفٹی

ہے۔ پس کم از کم اتنا تو کرو کہ اپنے عقائد کے مطابق عمل کرو۔ اگر کوئی پروفیسر تمہیں کسی احمدی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے مجبور کرتا ہے تو تم اس کا مقابلہ کرو اور میرے پاس بھی شکایت کرو۔ میں اس کے خلاف ایکشن لوں گا۔ لیکن اگر وہ تمہیں کہتا ہے کہ تم نماز پڑھو تو یہ تمہارے مارل کوڈ کے خلاف نہیں اور اس کا نماز پڑھنے کی تلقین کرنا ریلیجس انٹرفیرنس نہیں۔ تم نماز پڑھو چاہے کسی طرح پڑھو۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ تم اپنے میں سے کسی کو امام بنا لو۔ کالج کے بعض پروفیسر غیر احمدی ہیں۔ ان میں سے کسی کو امام بنا لو لیکن نماز ضرور پڑھو۔

شیعہ اور بوہرہ لوگ نماز پڑھتے ہوئے ہاتھ چھوڑتے ہیں باندھتے نہیں۔ ہم اہلحدیث کی طرح سینہ پر ہاتھ باندھتے ہیں۔ حنفی لوگ ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں۔ اس کے خلاف اگر کوئی پروفیسر تمہیں مجبور کرتا ہے تو تم اس کی بات ماننے سے انکار کر دو۔ اگر وہ کہتا ہے کہ تم آمین بالجہر کہو تو یہ اہلحدیث کا مذہب ہے حنفیوں کا نہیں۔ اگر تم حنفی ہو تو تم اس کی بات نہ مانو اور میرے پاس شکایت کرو۔ میں اس کے خلاف ایکشن لوں گا۔ مذہب میں دخل اندازی کا کسی کو حق نہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ مذہب میں مداخلت کرنا انسان کو منافق بناتا ہے مسلمان نہیں بناتا۔ لیکن تم میں سے ہر ایک کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ تعلیم الاسلام کالج کا طالب علم ہونے کی وجہ سے اسلام کی تعلیم پر چلے۔ اب اسلام کی تم کوئی تعریف کرو۔ اسلام کی جو تعریف تمہارے باپ دادا نے کی ہے تم اسی کو مانو۔ لیکن اگر تم اس تعلیم پر جسے تم خود درست سمجھتے ہو عمل نہیں کرتے تو یہ منافقت ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کالج میں اگر کوئی ہندو بھی داخل ہونا چاہے تو ہمارے کالج کے دروازے اس کے لئے کھلے ہیں لیکن وہ بھی اس بات کا پابند ہو گا کہ اپنے مذہب کے مطابق زندگی بسر کرے کیونکہ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے مذہب کے مطابق عمل کرے۔ ہندو اپنے مذہب پر عمل کرے، عیسائی عیسائیت پر عمل کرے اور یہودی یہودیت پر عمل کرے۔

پس اس اسلامی حکم کی وجہ سے ہم اسے مجبور کریں گے کہ وہ اپنے مذہب پر عمل کرے۔ لیکن یہ کہ تم اس کالج میں تعلیم حاصل کرو لیکن کسی مارل کوڈ کے ماتحت نہ چلو یہ درست نہیں ہو گا تمہیں اس کالج میں داخل ہونے کے بعد اپنے آپ کو کسی نہ کسی مارل کوڈ کی طرف منسوب کرنا ہو گا اور پھر تمہارا فرض ہو گا کہ تم اس کے ماتحت چلو۔

پس اگر تم میں سے کوئی کہتا ہے کہ میں مسلمان نہیں تب بھی ہم تمہیں برداشت کر لیں گے، لیکن اس شرط پر کہ تمہیں کالج میں داخل ہونے کے بعد اپنے آپ کو کسی ماڈل کوڈ کی طرف منسوب کرنا ہوگا چاہے تم اسے تجربہ کے طور پر تسلیم کرو۔ مثلاً تم تجربہ کے طور پر اپنے ماں باپ کے مذہب کو اختیار کر لو۔ تب بھی ہم برداشت کر لیں گے۔ لیکن اگر تم کسی ماڈل کوڈ کے ماتحت مستقل طور پر نہیں چلتے اور نہ کسی ماڈل کوڈ کو تجربہ کے طور پر اختیار کرتے ہو تو دیانت داری یہی ہے کہ تم اس کالج میں داخلہ نہ لو۔ اسلام کہتا ہے کہ تم جس مذہب کی تعلیم پر بھی عمل کرنا چاہو کرو۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں کوئی ہندو اپنی تعلیم پر عمل کرتا ہے، عیسائی اپنی تعلیم پر عمل کرتا ہے، یہودی اپنی تعلیم پر عمل کرتا ہے تو وہ اس کالج میں داخلہ لینے کا مستحق ہے۔ اگر کوئی حنفی المذہب ہے اور وہ حنفی مذہب پر عمل کرتا ہے تو وہ اس کالج میں داخلہ لینے کا مستحق ہے۔ اگر کوئی شیعہ ہے اور اپنے مذہب پر عمل کرتا ہے تو اس کالج میں داخلہ لینے کا مستحق ہے کیونکہ یہ کالج تعلیم الاحمدیہ کالج نہیں، تعلیم الاسلام کالج ہے۔ اور اسلام ایک وسیع لفظ ہے۔ کوئی کوڈ آف مارلٹی جسے کو علماء اسلام نے کسی وقت تسلیم کیا ہو یا اب تسلیم کر لیں وہ اسلام میں شامل ہے۔ پس میں طلبہ کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ تم کالج کی روایات کو قائم رکھو۔ یہ تعلیم الاسلام کالج ہے۔ اور اس کے معنے یہ ہیں کہ یہ کالج تمہیں عملی مسلمان بنا دے گا اور یہی اس کالج کے قائم کرنے کی غرض ہے" [1]

حضرت مصلح موعود نے اپنے اثر انگیز خطاب کے آخر میں دعا فرمائی کہ "اللہ تعالیٰ اس کالج کو اس مقصد کے پورا کرنے والا بنائے جس کے لئے اُسے قائم کیا گیا ہے۔ اور اس کے طالب علم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے شاگرد ہوں جو لوگوں کو آپ کا صحیح چہرہ دکھانے میں کامیاب ہوں۔" [2]

جلسہ کے اختتام پر حضور نے تمام طلبہ کو شرف مصافحہ بخشا۔ اس کے بعد حضور نے کالج کی طرف سے دی گئی ایک دعوت میں شرکت فرمائی۔ حضور دو بجے کے قریب دعوت سے فارغ ہوئے جس کے بعد حضور نے مجلس عاملہ کالج یونین کے ساتھ ایک گروپ فوٹو کھنچوائی اور پھر واپس تشریف لے گئے۔ اس طرح یہ مبارک تقریب بخیر و خوبی انجام پائی۔ [3]

---

[1] "الفضل" ۶ فتح/دسمبر ۱۳۳۴ ہش/۱۹۵۵ء صفحہ ۳-۴۔ [2] "الفضل" ۶ فتح/دسمبر ۱۳۳۴ ہش/۱۹۵۵ء صفحہ ۵۔
[3] رسالہ "المنار" بابت ماہ نبوت/نومبر ۱۳۳۴ ہش/۱۹۵۵ء صفحہ ۱۷، ۱۸۔

اس تقریب پر متعدد غیر احمدی معززین بھی تشریف لائے ہوئے تھے جن میں سید عابد احمد علی صاحب[1] پرنسپل گورنمنٹ کالج سرگودھا، خان رفیع اللہ خان صاحب[2]، شیخ عطاء اللہ صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج چنیوٹ اور پروفیسر غلام جیلانی اصغر صاحب[3] خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت مصلح موعود نے کالج کے افتتاح کے موقعہ پر فضل عمر ہوسٹل کی VISITORS BOOK میں اپنے قلم مبارک سے مندرجہ ذیل عبارت رقم فرمائی :-

" اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بے سروسامانی میں کالج کے سامانوں کو مہیا کیا اور بے گھروں کو گھر دیا۔ اب دعا ہے کہ جس طرح اس دنیا کا علم دیا اگلے جہان کا علم بھی دے اور جس طرح اس جہان کا گھر دیا اگلے جہان کا اچھا گھر بھی بخشے اور اس کالج میں پڑھنے والے سب طلبہ کو اپنی رضاء پر چلنے، اپنا فرض ادا کرنے اور ایثار و قربانی کا اعلیٰ نمونہ دکھانے کی توفیق بخشے۔

خاکسار مرزا محمود احمد"[4]

تعلیم الاسلام کالج کے ہونہار اور فارغ التحصیل طلبہ کالج کے سٹاف میں

جیسا کہ فصل سوم میں بتایا جاچکا ہے کہ حضرت مصلح موعود نے قیام کالج کے پہلے سال (۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء) میں ہی یہ ارشاد فرمایا تھا کہ کالج کے لیکچرار طالب علموں میں وقعت کی تحریک کریں تاکہ ان کو مستقبل میں پروفیسری کے لئے تیار کیا جائے کیونکہ آگے چل کر ہمیں بہت سے ایم۔اے اور ایم۔ایس سی صاحبان کی ضرورت ہوگی۔

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے بحیثیت پرنسپل کالج حضرت مصلح موعود کے اس فرمان مبارک کی تعمیل کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ چنانچہ آپ کی مخلصانہ مساعی بار آور ہوئیں جن کے شیریں اثمار ربوہ میں آکر ظاہر ہونا شروع ہوئے جبکہ تعلیم الاسلام کالج کے فارغ التحصیل طلبہ کالج کے سٹاف میں شامل ہو کر کالج کی علمی و عملی ترقی میں سرگرم عمل ہونے لگے۔

ذیل میں ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء سے لے کر نبوت/نومبر ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء کے درمیان کالج کے سٹاف میں شامل ہونے

---

[1] سید مرحوم کے ۶ بیٹوں میں ایک بیٹے ہیں، محکمہ تعلیم سے فراغت کے بعد اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام سے منسلک رہے۔ آجکل انجینئرنگ یونیورسٹی میں شعبہ اسلامیات کے صدر ہیں۔ [2] پرنسپل سرگودھا کالج۔ آپ انگلستان میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے ہمعصر تھے اور گہرے دوست بھی!! [3] " المنار" بابت ماہ نبوت/نومبر ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء صفحہ ۱۸۔

[4] " سالانہ رپورٹ تعلیم الاسلام کالج " ۳۴-۱۳۳۳ہش/۵۵-۱۹۵۴ء صفحہ ۸۔

والے نئے اساتذہ کی فہرست دی جاتی ہے کہ جس میں ایک خاصی تعداد اسی مرکز علم و دانش سے اکتساب فیض کرنے والوں کی نظر آئے گی (گول دائرہ کا نشان اس خصوصیت کی علامت کے طور پر لگایا گیا ہے)

مرزا مجید احمد صاحب ایم۔ اے	(ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۳۳ ہش / ۱۹۵۴ء)
محمد ابراہیم صاحب ناصر بی۔ اے	(ماہ اخاء/اکتوبر ″)
○ مسعود احمد صاحب عاطف ایم۔ ایس۔ سی	(″ ″)
○ مبارک احمد صاحب انصاری ایم۔ ایس۔ سی	(″ ″)
چوہدری محمد لطیف صاحب ایم۔ اے	(ماہ نبوت/نومبر ″)
○ ظفر احمد صاحب وینس ایم۔ اے	(″ ″)
سید مظفر حسین صاحب زیدی ایم۔ اے	(ماہ صلح/جنوری ۱۳۳۴ ہش / ۱۹۵۵ء)
ایس۔ ایم حمایت اللہ صاحب ایم۔ اے	(″ ″)
سید کلیم اللہ شاہ صاحب ایم۔ ایس۔ سی	(″ ″)
چوہدری عطاء اللہ صاحب ایم۔ اے	(ماہ امان/مارچ ″)
مولوی محمد دین صاحب ایم۔ اے۔ سی ایل ایس سی[لہ]	(ماہ اخاء/اکتوبر ″)
○ چوہدری حمید اللہ صاحب ایم۔ اے	(″ ″)
ملک محمد عبد اللہ صاحب	(ماہ فتح/دسمبر ″)
نصیر احمد صاحب بشیر ایم۔ ایس۔ سی	(ماہ ہجرت/مئی ۱۳۳۵ ہش / ۱۹۵۶ء)
○ مرزا خورشید احمد صاحب ایم۔ اے	(ماہ تبوک/ستمبر ″)
○ حمید اللہ صاحب ظفر ایم۔ اے	(ماہ اخاء/اکتوبر ″)
○ رفیق احمد صاحب ثاقب ایم۔ ایس۔ سی آنرز	(″ ″)
○ کنور ادریس صاحب	(ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۳۶ ہش / ۱۹۵۷ء)
مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل	(ماہ تبوک/ستمبر ″)
محمد شریف صاحب خالد ایم۔ اے، ایل ایل بی، بی۔ ٹی	(ماہ وفا/جولائی ۱۳۳۷ ہش / ۱۹۵۸ء)

لہ ماہ وفا/جولائی ۱۳۳۳ ہش / ۱۹۴۴ء سے لائبریرین کے فرائض انجام دے رہے تھے

○ سعید احمد صاحب رحمانی ایم۔اے	(ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۳۷ہش/۱۹۵۸ء)
○ حمید احمد صاحب ایم۔اے	(ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۳۸ہش/۱۹۵۹ء)
○ آفتاب احمد صاحب ایم۔اے	(" ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء)
○ خواجہ منظور احمد صاحب ایم۔ایس۔سی	(" ")
○ چوہدری محمد سلطان صاحب اکبر ایم۔اے	(" ")
○ ناصر احمد صاحب پرّوازی ایم۔اے	(" ")
○ منور شمیم خالد صاحب ایم۔اے	(" ")
سید حبیب الرحمٰن صاحب ایم۔ایس۔سی	(ماہ نبوت/نومبر ")
○ سعید اللہ خاں صاحب ایم۔اے، بی ایس سی [1]	(ماہ صلح/جنوری ۱۳۴۱ہش/۱۹۶۲ء)
○ محمد اسلم قریشی صاحب ایم۔ایس۔سی	(" ")
سردار محمد علیم صاحب ایم۔اے	(" ")
مرزا مسعود بدر بیگ صاحب ایم۔اے	(ماہ امان/مارچ ")
سید پرویز سجاد جعفری صاحب ایم۔اے	(" ")
○ سجاد امام صاحب	(ماہ تبوک/ستمبر ")
○ چوہدری محمد اسلم صاحب صابر ایم۔اے، بی ایڈ	(" ")
○ صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب ایم۔اے	(ماہ اخاء/اکتوبر ")
○ چوہدری انور حسن صاحب ایم۔اے	(" ")
○ عبدالرشید فوزی صاحب ایم۔اے	(ماہ نبوت/نومبر ")
○ چوہدری عزیز احمد صاحب طاہر ایم۔اے	(ماہ ہجرت/مئی ۱۳۴۲ہش/۱۹۶۳ء)
○ محمد ارشد صاحب ایم۔ایس۔سی	(ماہ تبوک/ستمبر ")
○ چوہدری عبدالسمیع صاحب ایم۔ایس۔سی	(" ")
مسٹر مائیکل ای ولیمز ایم۔ایس۔سی ڈرہم	

[1] قبل ازیں ماہ نبوت/نومبر ۱۳۳۰ہش/۱۹۵۱ء سے بطور ڈیمانسٹریٹر کام کر رہے تھے۔

سید مقبول احمد صاحب ایم۔ایس۔سی	(ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۴۲ہش/۱۹۶۳ء)
محمد سرور صاحب ایم۔اے	(" ")
محمد شریف خاں صاحب ایم۔ایس۔سی	(" ")
○ عبدالشکور صاحب اسلم بی۔ایس۔سی[1]	(" ")
○ عبدالرشید صاحب غنی انبالوی۔ایم۔ایس۔سی[2]	(ماہ اخاء/اکتوبر ")
سید محمد یحییٰ صاحب	(ماہ نبوت/نومبر ")
○ رشید احمد صاحب جاوید ایم۔اے	(ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۴۳ہش/۱۹۶۴ء)
○ اعجاز الحق قریشی صاحب ایم۔اے	(" ")
○ محمد انور شاہ صاحب ارشد ترمذی	(" ")
○ عبدالجلیل صاحب صادق	(" ")
○ محمد اکرم صاحب ایم۔ایس۔سی	(ماہ نبوت/نومبر ")

تعلیم الاسلام کالج کے تدریسی و تعلیمی نظام میں بتدریج وسعت اور جدید ڈگری کالج کی تعمیر

یہ عظیم درسگاہ ربوہ میں منتقل ہونے کے بعد نہایت تیزی سے ترقی کی منازل طے کرنے لگی۔ چنانچہ یہاں آکر کیمیاء کی تدریس اور پریکٹیکل کا انتظام (بی۔ایس۔سی کے معیار تک) پہلے سے بھی زیادہ عمدگی کے ساتھ ہونے لگا۔

۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء ہی میں حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ کی خصوصی اجازت سے آل پاکستان بین الکلیاتی مباحثوں کا آغاز کیا گیا۔[3] علاوہ ازیں کالج کے طلبہ دیگر اداروں کے کل پاکستان بین الکلیاتی سالانہ مباحثوں

---

[1] پیشتر ازیں شعبہ بیالوجی میں ڈیمانسٹریٹر کے فرائض انجام دیتے رہے۔ [2] اس سے قبل ڈیمانسٹریٹر کی حیثیت سے کالج کی خدمت بجا لا رہے تھے۔

[3] پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خاں صاحب ایم۔ایس۔سی۔ پی۔ایچ۔ڈی (ڈرہم) جنہوں نے ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء سے لیکر ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء تک سٹوڈنٹس یونین کی نگرانی کے فرائض انجام دیئے اپنے ایک بیان میں لکھتے ہیں:۔ "سب سے پہلا مباحثہ لجنہ اماء اللہ کے ہال میں منعقد ہوا۔ کیونکہ اس وقت تک کالج کا اپنا ہال تعمیر نہیں ہوا تھا۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۱ء تک یہ دستور رہا کہ سالانہ مباحثوں کے اختتام سے اگلی صبح تمام شریک مباحثہ طلباء (جو کراچی، پشاور اور لاہور وغیرہ مختلف کالجوں سے ربوہ آئے ہوتے تھے) کے ناشتہ کا انتظام حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے در دولت پر ہوتا تھا اور آپ اس میں طلباء کے ساتھ نہایت بے تکلفی اور شفقت کے ساتھ پیش آتے اور ایک ذاتی تعلق ہر شریک مجلس سے پیدا ہو جاتا۔

سالہا سال یونین کی خوش قسمتی سے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ شریک مباحثہ طلبہ کو قصر خلافت میں ملاقات خاص کا موقعہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں شریک ہونے اور انفرادی اور مجموعی طور پر بکثرت انعام حاصل کرنے لگے جس کی تفصیل کالج کی مطبوعہ سالانہ رپورٹوں میں موجود ہے۔

۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء سے کالج میں ریاضی (آنرز) کیمیا (آنرز) اور شماریات کی تعلیم کا اجراء ہوا۔ ۱۳۴۱ہش/۱۹۶۲ء میں بی ایس سی باٹنی اور بی ایس سی زوآلوجی کی کلاسز بھی کھل گئیں۔

اسی زمانہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے کالج میں اعلیٰ اور معیاری تعلیم کے لئے ایک عظیم الشان منصوبہ تیار فرمایا جو خدا کے فضل و کرم، سیدنا المصلح الموعود کی توجہ، اور آپ کی ذاتی توجہ، دلچسپی اور رہنمائی کی بدولت نہایت برق رفتاری کے ساتھ کامیابی کے زینے طے کر رہا ہے۔ ہماری مراد جدید ڈگری کالج سے ہے جس کی تفصیلی سکیم ۱۳۴۰-۴۱ہش/۱۹۶۱-۶۲ء میں بروئے کار آئی۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اس کی سالانہ رپورٹ میں فرمایا:-

"اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو نظام تعلیم کے نئے دور میں تعلیم الاسلام کالج سابقون الاوّلون میں شمار ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔ کالج کی تقسیم (BIFURACTION) کے بعد جو عنقریب ہونے والی ہے ڈگری اور پوسٹ گریجوایٹ کلاسیں جلد ہی اپنی نئی عمارت میں منتقل ہو جائیں گی۔ یہ سال تو کالج کے لئے زمین، عمارت کے نقشوں اور دیگر کوائف کی تفاصیل سے متعلق فیصلوں ہی میں گذرا ہے۔ اس وقت کالج کیمپس کے گرد دیوار بن رہی ہے۔ ٹیوب ویلوں کے لئے آزمائشی کھدائی کی جا چکی ہے۔ نقشے بن چکے ہیں اور انشاء اللہ العزیز تعمیر کا کام بھی جلد ہی پوری تیز رفتاری سے شروع ہونے والا ہے۔ یہ دورِ جدید کالج کی زندگی میں ایک عہد آفریں اور خوشکن انقلاب کا حامل ہوگا"[1]

۱۳۴۲-۴۳ہش/۱۹۶۳-۶۴ء میں کالج کیمپس کی اصل عمارت کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ اس عظیم علمی منصوبہ پر ماہ امان/مارچ ۱۳۴۶ہش/۱۹۶۷ء تک نو لاکھ روپیہ کے اخراجات ہوئے۔ سائنس لیبارٹریز کی ورکشاپ تو اسی سال مکمل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) عطا فرماتے رہے۔ چونکہ تعداد زیادہ ہوتی تھی اس لئے کبھی نچلی منزل کے صحن میں احاطہ پرائیویٹ سکرٹری کے آگے یا پیچھے اور کبھی اوپر ملاقات کے کمرے میں کرسیاں لگا دی جاتیں اور ایک کلاس روم کا ماحول پیدا ہو جاتا۔ حضور حالات دریافت فرماتے، پھر سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ جو بعض دفعہ گھنٹوں جاری رہتا۔ طلبہ ہمیشہ ایک عظیم الشان روحانی اور علمی مائدہ سے لطف اندوز ہو کر باہر نکلتے اور اگلے سال پھر آنے کی آرزو لے کر واپس گھروں کو لوٹتے۔ طلباء میں متعصب اور مخالف بھی ہوتے مگر کوئی ایک طالب علم بھی ایسا نہ تھا جو حضور کے تبحر علمی اور شگفتہ مزاجی سے متاثر نہ ہوتا"

[1] سالانہ روئداد تعلیم الاسلام کالج ۱۳۴۰-۴۱ہش/۱۹۶۱-۶۲ء صفحہ ۲

ہوگئی[۵۱]۔ مگر سائنس بلاک کی تعمیر خلافت ثالثہ کے چوتھے سال (۱۳۴۸ ہش/۱۹۶۹ء) تک جاری رہی چنانچہ اخبار "الفضل" ۲۱ ہجرت/مئی ۱۳۴۸ ہش/۱۹۶۹ء صفحہ ۸ میں اس زیر تعمیر کالج کی نسبت یہ خبر شائع کی گئی :-

"شعبہ فزکس کی لیبارٹریز مکمل ہو چکی ہیں۔ عنقریب ان کی فٹنگ اور فنشنگ شروع ہو جائے گی منصوبے کے پہلے مرحلے کے طور پر فزکس میں ایم۔ ایس۔ سی کی تدریس شروع کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے مقرر کردہ خاص کمیٹی نے آلات فزکس کی ایک فہرست تیار کی تھی اور الحاق سے قبل ان کا فراہم کرنا ضروری قرار دیا تھا"

۱۳۴۷ ہش/۱۹۶۸ء میں اس کمیٹی کی تیار کردہ فہرست کے مطابق بیرونی ممالک سے جدید ترین آلات درآمد کرنے کا انتظام کیا گیا جن کی پہلی کھیپ ۱۱ ہجرت/مئی ۱۳۴۸ ہش/۱۹۶۹ء کو انگلستان، مغربی جرمنی اور یوگوسلاویہ سے ربوہ میں پہنچی جس میں اسلوسکوپ، الیکٹرک اوسی لیٹرز، الیکٹروسکوپ، ریڈیو ایکٹو سورسز، ریٹ میٹر اور الیکٹرانکس کا دیگر بیش قیمت سامان شامل تھا۔ مزید برآں بعض PRECISION INSTRUMENTS بھی منگوائے گئے۔ بعض آلات کے پرزہ جات کو صدر شعبہ طبعیات ڈاکٹر نصیر احمد خاں صاحب کی نگرانی میں فزکس کے اساتذہ اور بعض طلبہ نے خود ASSEMBLE کیا اور دن رات ایک کر کے سامان کی چیکنگ اور ترتیب مکمل کر کے بڑے قرینہ سے شعبہ طبعیات کی بڑی لیبارٹری میں نصب کئے تا کہ ان آلات کی کارکردگی کو جانچا جا سکے۔ اس طرح کالج کی طبعیات کی لیبارٹریز جدید سائنٹیفک آلات سے آراستہ ہو گئیں۔ جن کا معائنہ اور عملی کارکردگی کا مشاہدہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۱۷ ہجرت ۱۳۴۸ ہش/۱۹۶۹ء کو بنفس نفیس فرمایا۔[۵۲]

آلاتِ طبعیات کی دوسری کھیپ امریکہ سے موصول ہونے والی ہے جو ماہ جولائی (۱۳۴۸ ہش/۱۹۶۹ء) کے آخر تک پہنچ جائے گی۔ موجودہ ششماہی میں دس ہزار روپیہ کا کیش بونس درآمدی لائسنس منظور ہوا ہے جس پر مزید آلات کا آرڈر دیا جا رہا ہے۔

فزکس کا بلاک مکمل ہو چکا ہے۔ بجلی کی وائرنگ اور فرنیچر کے لئے رقم کی منظوری حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی طرف سے ہو چکی ہے۔ امید ہے کہ اگست تک یہ کام مکمل ہو جائے گا اور فزکس کی

---

۵۱ رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ بابت ۴۳-۱۳۴۲ ہش/۶۴-۱۹۶۳ء صفحہ ۱۵۸۔ کیمپس کالج کی عمارت کے نگران چوہدری فضل داد صاحب تھے اور بجلی کی ہائی ٹینشن چوہدری غلام حیدر صاحب سینئر لیکچرر اسسٹنٹ ناظم املاک کالج کے سپرد رہی۔

۵۲ "الفضل" ۲۱ ہجرت/مئی ۱۳۴۸ ہش/۱۹۶۹ء صفحہ ۸۔

تجربہ گاہیں یونیورسٹی کمیشن کے آنے تک سامان اور تجربات سے پوری طرح لیس ہو جائیں گی۔[۱]

یونیورسٹی کے امتحانوں میں کالج کے خوشکن نتائج

ربوہ میں ماہ نبوت/نومبر ۱۳۳۳ ہش (۱۹۵۴ء) سے لے کر ماہ نبوت/نومبر ۱۳۴۴ ہش (۱۹۶۵ء) تک یہ کالج حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی براہ راست نگرانی اور قیادت میں سرگرم عمل رہا۔ اس زمانہ میں کالج نے اپنے عظیم المرتبت اور جلیل القدر پرنسپل کے زیر سایہ علم و عمل کے میدان میں نمایاں ترقی کی اور بالخصوص یونیورسٹی کے امتحانات میں اس کے نتائج سال بسال نہایت درجہ خوشکن، مسرت افزا اور شاندار رہے اور اس کے طلبہ نے صوبہ بھر میں امتیازی پوزیشن حاصل کی۔[۲]

---

[۱] یہ سطور شروع ماہ وفا/جولائی ۱۳۴۸ ہش (۱۹۶۹ء) میں لکھی جا رہی ہیں۔

[۲] تفصیل یہ ہے ۱۳۳۴-۳۵ ہش (۱۹۵۵-۵۶ء) میں ایف۔ اے کے امتحان میں منور احمد صاحب سعید صوبہ بھر میں اوّل اور بی۔ ایس۔ سی میں اعجاز الرحمٰن صاحب سوم رہے۔

۱۳۳۶-۳۷ ہش (۱۹۵۷-۵۸ء) میں محمد سلطان صاحب اکبر نے بی۔ اے کے امتحان میں عربی پاس کورس اور عربی آنرز میں اوّل رہنے پر طلائی تمغہ حاصل کیا اور افتخار احمد صاحب شہاب یونیورسٹی بھر کے انگریزی کے امتحان میں اوّل رہے۔

۱۳۳۹-۴۰ ہش (۱۹۶۰-۶۱ء) میں ہائر سیکنڈری امتحان کے پری میڈیکل گروپ میں حمید احمد خاں صاحب پنجاب بھر میں اوّل رہے HUMANITIES GROUP کے طلبہ میں قریشی اعجاز الحق صاحب نے اوّل پوزیشن حاصل کی۔ اسی طرح بی۔ ایس۔ سی کے امتحان میں سید امین احمد صاحب فزکس کے مضمون میں یونیورسٹی میں اوّل رہے۔

۱۳۴۰-۴۱ ہش (۱۹۶۱-۶۲ء) میں بی۔ اے سال اوّل کے امتحان میں اعجاز الحق صاحب قریشی نے یونیورسٹی میں دوم پوزیشن حاصل کی اسی طرح ہائر سیکنڈری امتحان میں عطاء المجیب صاحب راشد نے بھی کامیاب ہونے والے طلبہ میں امتیازی مقام حاصل کیا۔

۱۳۴۱-۴۲ ہش (۱۹۶۲-۶۳ء) میں اعجاز الحق صاحب قریشی بی۔ اے کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں اوّل آئے۔

۱۳۴۲-۴۳ ہش (۱۹۶۳-۶۴ء) میں ایم۔ اے عربی پریوس میں چودھری محمد صدیق صاحب اوّل اور چودھری ناصر الدین صاحب اور بشارت الرحمٰن صاحب دوم رہے۔ عطاء المجیب صاحب راشد نے بی۔ اے سال دوم عربی میں اوّل رہ کر دو طلائی تمغے (مالیر کوٹلہ میڈل اور خلیفہ محمد حسن جوبلی گولڈ میڈل) حاصل کئے۔ اور اعجاز الحق قریشی (ہسٹری آنرز سال سوم میں) یونیورسٹی میں اوّل رہے۔

۱۳۴۳-۴۴ ہش (۱۹۶۴-۶۵ء) میں پہلی بار کالج کے طلباء ایم۔ اے عربی کے امتحان میں شامل ہوئے اور سارے طلبہ اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوئے اور چوہدری محمد صدیق صاحب یونیورسٹی میں اوّل قرار پائے۔ اسی طرح تین اور طلبہ نے تیسری چوتھی اور پانچویں پوزیشن حاصل کی۔

۱۳۴۴-۴۵ ہش (۱۹۶۵-۶۶ء) میں کالج کی دوسری ایم۔ اے کلاس کا نتیجہ بھی سو فیصد رہا۔ نیز یونیورسٹی میں بحیثیت مجموعی پہلی تین پوزیشنیں طلبہ تعلیم الاسلام کالج کے حصہ میں آئیں۔ یعنی قریشی مقبول احمد صاحب اوّل، عطاء المجیب صاحب راشد دوم اور سید عبد الحی صاحب سوم آئے اور ایک طالب علم کے سوا جس نے سیکنڈ ڈویژن لی باقی سب نے فرسٹ ڈویژن میں امتحان پاس کیا۔

اسی طرح عنایت اللہ صاحب منگلا پنجاب یونیورسٹی میں ایم۔ اے اقتصادیات میں فرسٹ ڈویژن لے کر اوّل آئے۔

(تعلیم الاسلام کالج کی مطبوعہ رپورٹوں (۱۳۳۴ ہش / ۱۹۵۵ء تا ۱۳۴۵ ہش / ۱۹۶۶ء) سے ماخوذ)

کالج میں مشہور ملکی اور غیر ملکی شخصیتوں کی آمد

تعلیم الاسلام کالج کی علمی تقریبات میں نامور ملکی اور غیر ملکی شخصیتوں کی آمد کا جو سلسلہ قبل ازیں جاری ہو چکا تھا وہ ربوہ میں حیرت انگیز حد تک وسعت پکڑ گیا حتی کہ امریکہ، یورپ اور رُوس کے بعض ممتاز، شہرۂ آفاق اور بین الاقوامی شہرت کے حامل سائنسدان بھی اس علمی ادارہ کی شہرت سے متاثر ہو کر کھنچے آنے لگے چنانچہ اس ضمن میں بعض نامور اشخاص کی ایک مختصر فہرست دی جاتی ہے جو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی براہ راست قیادت کے مبارک دَور میں یہاں پہنچے اور جنہوں نے بذریعہ تقریر اپنے تجربات و معلومات سے اساتذہ اور طلبہ کو متمتع ہونے کا موقعہ دیا۔[ل]

ڈاکٹر ایس۔ ایل شیٹس لاہور۔ اطالوی مستشرق پروفیسر اے بوسانی، روسی سائنسدان برونوف[۲] (پروفیسر لینن گراڈ یونیورسٹی ڈائریکٹر انسٹی چیوٹ آف فزیالوجی اکیڈمی آف سائنسز U.S.S.R) ، امریکی سائنسدان ای۔ سی سٹیکمین[۳] (پروفیسر ڈیلی امیناسوٹا یونیورسٹی امریکہ و سائنٹیفک ایڈوائزر راک فیلر فاؤنڈیشن)، میجر عثمان بیگ آفندی آف ترکی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ، میجر جنرل اکبر خاں، مسٹر تھیوڈور، ڈاکٹر محمد عودہ مدیر "الجمهوریہ" مصر، مرغوب صدیقی صاحب صدر شعبہ جرنلزم پنجاب یونیورسٹی، سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون ایڈیٹر "ریاست" دھلی، ڈاکٹر ای۔ ٹی جے۔ روز معلم کیمبرج یونیورسٹی، سرہیری میلول سابق پروفیسر برمنگھم یونیورسٹی، انور عادل صاحب سکرٹری تعلیم مغربی پاکستان، ڈاکٹر سی ولیم کرک مشیر ثقافتی امور امریکی کونسل، پروفیسر سڈرف (روسی سائنس اکیڈمی کے ممبر (بابائے سپٹنک FATHER OF SPUTNIK) فلائٹ لیفٹیننٹ ایم۔ ڈبلیو بناچ۔ مولانا ابوالہاشم خاں رکن اسلامی مشاورتی کونسل پاکستان، چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب جج عالمی عدالت انصاف، مولانا صلاح الدین احمد صاحب ایڈیٹر "ادبی دُنیا"، ڈاکٹر وزیر آغا

[ل] بعض غیر ملکی شخصیتوں کا تذکرہ فصل اوّل میں کیا جاچکا ہے۔ اور کالج کی آل پاکستان اردو کانفرنس میں شریک ادباء کی تفصیل مستقل عنوان کے تحت الگ دی جارہی ہے

[۲] و [۳] اخبار "الفضل" ۳۱ صلح/جنوری و یکم تبلیغ/فروری ۱۳۳۵ ہش/۱۹۵۶ء میں ان سائنسدانوں کی آمد پر خبر شائع کی گئی جس پر ہفت روزہ "المنیر" لائلپور نے "ربوہ کی سیر" کے کالم میں لکھا "تقسیم کے بعد اس گروہ نے پاکستان میں نہ صرف پاؤں جمائے بلکہ جہاں ان کی تعداد میں اضافہ ہوا وہاں ان کے کام کا یہ حال ہے کہ ایک تو رُوس اور امریکہ سے سرکاری سطح پر آنے والے سائنسدان ربوہ آتے ہیں۔ اور دوسری جانب ۱۹۵۳ء کے عظیم تر ہنگامہ کے باوجود قادیانی جماعت اس کوشش میں ہے کہ اس کا ۱۹۵۶ء کا بجٹ پچیس لاکھ روپیہ کا ہو۔ ۔ ۔ ۔ ربوہ کے کالج، ہائی سکول اور پرائمری مدارس میں سینکڑوں مسلمانوں کے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں" (شمارہ بابت ۲۳ فروری ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۰ کالم ۳)۔

صاحب ایم۔اے، پی ایچ ڈی، ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب ایم۔اے، پی ایچ ڈی، اطالوی پروفیسر بارتلونی، پروفیسر حمید احمد خاں پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور، ڈاکٹر محمد صادق صاحب ایم۔اے، پی ایچ ڈی وائس پرنسپل و صدر شعبہ انگریزی دیال سنگھ کالج لاہور، سید امجد الطاف ایم۔اے سکرٹری بورڈ آف ایڈیٹرز اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ ڈاکٹر عبدالبصیر صاحب پال صدر شعبہ طبعیات پنجاب یونیورسٹی، سید حماد رضا سی ایس پی کمشنر سرگودھا ڈویژن، ڈاکٹر وحید قریشی صاحب ایم۔اے، پی ایچ ڈی شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی، مسٹر جسٹس سجاد احمد جان جج عدالت عالیہ مغربی پاکستان، مسٹر ایس۔اے رحمان صاحب جج عدالت عظمیٰ پاکستان، مسٹر منظور قادر صاحب سابق وزیر خارجہ پاکستان و چیف جسٹس عدالت عالیہ مغربی پاکستان، ڈاکٹر ظفر احمد صاحب ہاشمی وائس چانسلر زراعتی یونیورسٹی لائل پور، سہیل بخاری صاحب ایم۔اے، پی ایچ ڈی پاکستان ایئر فورس سکول سرگودھا، پروفیسر سید وقار عظیم ریڈر شعبۂ اُردو پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

ڈاکٹر عبدالحق صاحب سابق پرنسپل ڈینٹل کالج، ڈاکٹر جے۔ایم بھینڈر، ڈاکٹر مشتاق احمد صاحب ایم۔ایس۔سی، پی ایچ ڈی، ڈاکٹر کریم قریشی ایم۔ایس۔سی، پی ایچ ڈی یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ آف کیمیکل ٹیکنالوجی ڈاکٹر شعیو ڈربیلہ (پنجاب یونیورسٹی)، ڈاکٹر طاہر حسین صدر شعبہ طبعیات گورنمنٹ کالج لاہور، ڈاکٹر ایس۔اے درانی ایم۔ایس۔سی، پی ایچ ڈی ڈائریکٹر اٹامک انرجی کمیشن لاہور، کیپٹن علی ناصر زیدی، پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب امپیریل کالج لندن و مشیر سائنسی امور صدر پاکستان، ڈاکٹر الیاس ڈوباش ڈپٹی ڈائرکٹر صنعتی تحقیقاتی تجربہ گاہ، ڈاکٹر ایس۔اے رحمان، کمانڈر عبداللطیف صاحب ڈائریکٹر اعلیٰ تعلیمات زرعی یونیورسٹی لائل پور،

پروفیسر کرامت حسین جعفری پرنسپل گورنمنٹ کالج لائل پور۔ پروفیسر ڈاکٹر حمیدالدین صاحب وائس پرنسپل و صدر شعبۂ فلسفہ گورنمنٹ کالج لاہور، علامہ علاؤالدین صاحب صدیقی صدر شعبہ اسلامیات پنجاب یونیورسٹی، شمس الدین صاحب ایم۔اے صدر شعبہ تاریخ اسلامیہ کالج لاہور، پروفیسر شجاع الدین صاحب ایم۔اے صدر شعبہ تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور، پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید صاحب صدر شعبہ تاریخ گورنمنٹ کالج لاہور۔ ڈاکٹر ایس۔ایم اختر پی ایچ ڈی صدر شعبہ اقتصادیات پنجاب یونیورسٹی، پروفیسر محمد اعظم ورک زئی شعبہ اقتصادیات پنجاب یونیورسٹی، ڈاکٹر منیر چغتائی شعبہ سیاسیات پنجاب یونیورسٹی ڈاکٹر ہیل بیک پروفیسر میونک یونیورسٹی، پروفیسر مائیکل ولیم ایم۔ایس۔سی، میر حبیب علی صاحب

اسسٹنٹ ڈائریکٹر سپورٹس مشرقی بنگال۔

ان مقررین کے علاوہ پاکستان کے ممتاز شعراء میں سے احسان دانش، طفیل ہوشیارپوری، سید محمد جعفری، مکین احسن کلیم، حبیب اشعر کلیم عثمانی، نظر امروہی، شرقی بن شائق مدیر "نیا راستہ"، قتیل شفائی، ثاقب زیروی، احمد ندیم قاسمی، عاطر ہاشمی، ہوش ترمذی، ظہیر کاشمیری، محمد علی مضطر، صوفی غلام مصطفی تبسم، شیر افضل جعفری، لطیف انور (مدیر مخابرات ریڈیو پاکستان لاہور) ہوش ترمذی (ڈائریکٹر پریس برانچ مغربی پاکستان لاہور)، ضمیر فاطمی مدیر "اسلوب"، مولانا عبدالمجید سالک مدیر "انقلاب"، نازش رضوی، عبدالرشید تبسم، طاہر ہاشمی وغیرہ نے کالج کی تقریبات میں شرکت کی اور اپنا کلام سنایا۔

آل پاکستان باسکٹ بال ٹورنامنٹ کا آغاز

۱۳۳۷ھش/۱۹۵۸ء اور ۱۳۴۳ھش/۱۹۶۴ء کے سال کالج کی تاریخ میں ایک نئے سنگ میل کی حیثیت سے ہمیشہ یادگار رہیں گے اس لئے کہ ان میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی خصوصی ہدایات اور سرپرستی سے دو ایسے اہم اقدامات عمل میں لائے گئے جو نہایت درجہ وسیع، شاندار اور دوررس نتائج کے حامل ثابت ہوئے جن سے کالج کی ملک گیر شہرت و مقبولیت میں نئے باب کا اضافہ ہوا۔ اور اس کی عظمت و اہمیت کو چار چاند لگ گئے۔

اس ضمن میں پہلا قابل ذکر امر کالج کے زیر انتظام آل پاکستان باسکٹ بال ٹورنمنٹ کا آغاز ہے جس کی کامیابی کا سہرا پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب کے سر ہے جن کی مسلسل کوشش سے ۱۳۳۵ھش/۱۹۵۶ء میں کچی کورٹ سے کالج میں باسکٹ بال کی ابتداء ہوئی۔ ۱۳۳۷ھش/۱۹۵۸ء میں اس میدان کو ایک معیاری پختہ کورٹ میں تبدیل کر دیا گیا جس میں پہلا آل پاکستان تعلیم الاسلام کالج باسکٹ بال ٹورنمنٹ کھیلا گیا۔ اس پہلے ٹورنامنٹ میں جس کا اہتمام ۱۳۳۷ھش/۱۹۵۸ء میں کیا گیا۔ پولیس لاہور، برادرز کلب لاہور، وائی ایم سی اے لاہور، ہمبٹی سپورٹس کلب کراچی، نارتھ ویسٹرن ریلوے لاہور، فرینڈز کلب سرگودھا، لائلپور کلب ٹی۔آئی کلب، زراعتی کالج لائلپور، گورنمنٹ کالج لائلپور اور تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی ٹیمیں شامل ہوئیں اور پاکستان بھر کے چھ اور پنجاب کے آٹھ منتخب اور مشہور کھلاڑیوں نے حصہ لیا اور کھیل کا معیار نہایت بلند رہا۔ انعامات چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے تقسیم فرمائے۔

دوسرے ٹورنمنٹ میں نہ صرف شرکت کرنے والی نامور ٹیموں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا بلکہ چھ کی

بجائے پاکستان بھر کے دس منتخب کھلاڑی شامل ہوئے۔ علاوہ ازیں بعض ایسے کھلاڑیوں نے بھی شرکت کی جنہیں بیرونی ممالک میں پاکستان کی نمائندگی کا فخر حاصل تھا۔ اس ٹورنامنٹ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ پنجاب باسکٹ بال ایسوسی ایشن لاہور کے فیصلہ کے مطابق پنجاب کی بہترین ٹیم کا انتخاب اس ٹورنامنٹ میں ہوا۔ قبل ازیں اس انتخاب کے لئے الگ مقابلے ہوتے تھے۔

تیسرا ٹورنمنٹ اپنی منفرد حیثیت کے لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ثابت ہوا۔ ملک کے کونے کونے سے دو درجن کے قریب بہترین ٹیمیں اور مشہور ترین کھلاڑی شامل ہوئے جن میں سی۔ ٹی۔ آئی کلب سیالکوٹ کے تین امریکی بھی تھے۔ اس موقعہ پر بہت سے کالجوں کے پروفیسر اور دیگر معززین بھی بکثرت موجود تھے۔ ہر سال یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ ٹورنامنٹ کا افتتاح کس سے کروایا جائے؟ تیسرے ٹورنامنٹ کے موقعہ پر جب یہ معاملہ پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب نے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے قدرے تامل کے بعد فرمایا ایک BRAIN WAVE یعنی خیال کی لہر آئی ہے اور مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ کیسے؟ فرمایا۔ پچھلے ٹورنامنٹ کی فاتح ٹیم کے کپتان سے افتتاح کروا لو اور آئندہ یہی ہماری روایت ہو گی چنانچہ اس سال سے لے کر اب تک اسی پر عمل ہو رہا ہے۔ اس روایت کی ابتداء ریلوے ٹیم کے کپتان سید جاوید حسن سے شروع ہوئی جو پچھلے سال کے ٹورنامنٹ کے فاتح تھے۔

چوتھا آل پاکستان باسکٹ بال ٹورنامنٹ بھی ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔ اس موقع پر پہلی بار ایک یادگاری مجلہ (SOUVENIR) شائع کیا گیا جس میں مختلف معززین کے خیر سگالی کے پیغامات اور تصاویر کے علاوہ ربوہ میں باسکٹ بال کے اجراء اور ترقی کا جائزہ لیا گیا تھا۔ "پاکستان ٹائمز" (لاہور) "سول اینڈ ملٹری گزٹ" (لاہور)، "نوائے وقت" (لاہور)، "امروز" (لاہور) اور "الفضل" (ربوہ) نے نمایاں طور پر اسی ٹورنامنٹ کی خبریں شائع کیں۔

۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء یعنی پانچ سال کے قلیل عرصہ میں ربوہ کے چھوٹے سے قصبہ میں کُل آٹھ باسکٹ بال کورٹس اور سات باسکٹ بال کلب جن کا مرکزی باسکٹ بال ایسوسی ایشن لاہور سے باقاعدہ الحاق تھا قائم ہو چکے تھے۔ ان سب کلبوں نے علاوہ بیرونی کلبوں کے چوتھے ٹورنامنٹ میں شمولیت کی۔ اسی سال کالج کے چار منتخب کھلاڑیوں نے پنجاب کی طرف سے قومی مقابلوں میں حصہ لیا۔

۵ راخاء/اکتوبر ۱۳۴۰ ہش/۱۹۶۱ء کو وائی۔ ایم۔ سی۔ اے کی مشہور بھارتی ٹیم، کراچی، لاہور اور راولپنڈی کے علاوہ ربوہ میں بھی میچ کھیلنے کے لئے آئی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ربوہ کو بیرونِ ملک کھلاڑیوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔

ان بیش از بیش کامیابیوں کے نتیجہ میں ربوہ باسکٹ بال کے تین چار اہم ترین ملکی مراکز میں سے شمار ہونے لگا۔ اور چونکہ ملک میں باسکٹ بال کو غیر معمولی طور پر فروغ دینے میں تعلیم الاسلام کالج کے منتظمین خصوصاً حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا بھاری عمل دخل تھا اس لئے پانچویں سالانہ ٹورنامنٹ پر امیچور باسکٹ بال ایسوسی ایشن کی انتظامیہ کمیٹی کی طرف سے ایک وفد جو ایکٹنگ چیئرمین (چوہدری محمد علی صاحب[1] ایم۔ اے) اور سکرٹری (قریشی محمد اسلم صاحب ایم۔ ایس۔ سی) پر مشتمل تھا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ باسکٹ بال کے کھیل کی مقبولیت اور ترقی کے سلسلہ میں آپ نے جو خدمات جلیلہ انجام دی ہیں ان کی وجہ سے ایسوسی ایشن چاہتی ہے، کہ آپ پریذیڈنٹ کا عہدہ قبول فرمائیں۔ اگرچہ قبل ازیں کئی بار آپ یہ درخواست قبول کرنے سے معذوری کا اظہار فرما چکے تھے مگر اس مرتبہ آپ نے ازراہِ شفقت پریذیڈنٹ شپ منظور فرمالیا، چنانچہ آپ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۴۴ ہش/۱۹۶۵ء یعنی منصب خلافت پر فائز ہونے تک ایسوسی ایشن کے صدر رہے اور ہمیشہ بلا مقابلہ منتخب ہوتے رہے۔[2]

پانچواں آل پاکستان ٹورنامنٹ پہلے سے بھی زیادہ شان وشوکت کے ساتھ منعقد ہوا۔ اس دفعہ کھیل پہلی بار رات کے وقت بجلی کی روشنی میں ہوا۔ اور کلب سیکشن میں کراچی یونیورسٹی، زرعی یونیورسٹی اور ایئر فورس کی ٹیمیں پہلی بار شامل ہوئیں۔ ایسوسی ایشن کے نمائندے، انتظامیہ کے ممبر اور پنجاب ٹیم کی انتخابی کمیٹی کے تمام ارکان کے علاوہ دور و نزدیک سے سینکڑوں شائقین نے نہایت دلچسپی اور دلجمعی سے کھیل دیکھا

---

[1] یاد رہے ۱۳۳۵ ہش/۱۹۵۶ء سے لیکر تبوک/ستمبر ۱۳۴۱ ہش/۱۹۶۲ء تک تعلیم الاسلام کالج باسکٹ بال کی صدارت کے فرائض پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب نے انجام دیئے آپ کی انگلستان کو بغرض تعلیم روانگی پر پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب نے اس کی باگ ڈور سنبھال لی اور نہایت محنت، شوق اور کامیابی کے ساتھ اُسے چلا رہے ہیں۔

[2] حضرت صاحبزادہ صاحب (ایدہ اللہ تعالٰی) نے ٹورنامنٹ میں نظم وضبط اور انصاف کے قیام کے لئے جو گرانقدر مساعی کیں ان کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ بطور نمونہ صرف ایک واقعہ پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب کے قلم سے درج کیا جاتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ "ایک سالانہ ٹورنامنٹ کے موقعہ پر جبکہ ملک کی دو مشہور ٹیموں کے درمیان سخت مقابلہ ہو رہا تھا اور ہار جیت کا فیصلہ ایک ایک پوائنٹ سے بدل رہا تھا ایک ٹیم نے ریفری کے فیصلہ کے خلاف احتجاجاً کھیل بند کر دیا اور ریفری کے فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ خاکسار نے صورت حال سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ ریفری کی عزت اور وقار کو بحال رکھنا ہمارا فرض ہے۔ اعلان کر دو کہ پانچ منٹ کے اندر اندر ٹیم میدان میں آجائے ورنہ اُسے ٹورنامنٹ میں کھیلنے کی اجازت نہیں دی جائیگی۔ یہ اعلان مؤثر ثابت ہوا۔ اور کھیل حسب سابق اطمینان کے ساتھ کھیلا جانے لگا"

اور خوب داد دی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے سنٹرل ایمیچیور باسکٹ بال ایسوسی ایشن کے صدر کی حیثیت سے انعامات تقسیم فرمائے۔

چھٹا سالانہ ٹورنامنٹ اپنی گذشتہ روایات کے مطابق کامیابی کے ساتھ انعقاد پذیر ہوا۔ اور انعامات کی تقسیم پروفیسر خواجہ غلام صادق صاحب چیئرمین سنٹرل ایمیچیور باسکٹ بال ایسوسی ایشن نے کی۔

ساتواں ٹورنامنٹ جو کالج میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی سربراہی کے مبارک زمانہ کا آخری ٹورنامنٹ تھا، ۲۵-۲۶-۲۷ تبلیغ/فروری ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء کو منعقد ہوا۔ کُل ۲۶ ٹیموں نے شرکت کی اور حضرت صاحبزادہ صاحب نے بحیثیت پرنسپل و صدر سنٹرل ایسوسی ایشن لوائے پاکستان اور کالج کا جھنڈا لہرایا۔ اس موقعہ پر جن اصحاب نے پیغامات ارسال کئے ان میں ملک امیر محمد خاں گورنر مغربی پاکستان، خواجہ عبدالحمید صاحب ڈائریکٹر تعلیمات راولپنڈی ریجن، ونگ کمانڈر ایچ۔ اے صوفی سکرٹری سپورٹس کنٹرول بورڈ گورنمنٹ آف مغربی پاکستان، پروفیسر خواجہ محمد اسلم پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور اور سید پناہ علی شاہ انسپکٹر آف سکولز لاہور ڈویژن، خاں محمد عادل خاں ڈائریکٹر آف سپورٹس پشاور یونیورسٹی بالخصوص قابل ذکر تھے۔
اس ٹورنامنٹ کی تصاویر (مع پیغام و تصویر ملک امیر محمد خاں گورنر مغربی پاکستان) دو دفعہ ٹیلی ویژن پر دکھائی گئیں۔ اسی طرح لاہور ریڈیو پر مقامی اور قومی خبروں میں بھی اس کا اعلان نشر کیا گیا۔

۸ نبوت/نومبر ۱۳۴۴ہش/۱۹۶۵ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب منصب خلافت پر فائز ہوئے اور خلافت ثالثہ کے مبارک عہد کا آغاز ہوا تو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہ کرم اپنے اسم گرامی سے ٹورنامنٹ کو منسوب کئے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ آئندہ سے یہ مقابلے پہلے سے بھی زیادہ جوش و خروش سے "ناصر باسکٹ بال ٹورنامنٹ" کے نام سے ہونے لگے۔[1]

کُل پاکستان اُردو کانفرنس کا انعقاد

باسکٹ بال ٹورنامنٹ سے اگر کھیلوں کی دنیا میں کالج کا شہرہ عام ہوا تو ادب اردو کے حلقوں میں تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی "کُل پاکستان اردو کانفرنس" نے دھوم مچا دی۔

ربوہ میں اپنی نوعیت کی پہلی کامیاب کانفرنس جو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج کی خداداد ذہانت، بلند پایہ نفیس ادبی ذوق اور بہترین علمی قیادت و سیادت کی آئینہ دار اور پروفیسر

[1] تعلیم الاسلام کالج کی سالانہ رپورٹوں سے ملخصاً

محبوب عالم صاحب خالد ایم۔ اے صدر شعبہ اردو اور پروفیسر ناصر احمد صاحب پرواز ی معتمد مجلس استقبالیہ اردو کانفرنس اور ان کے دوسرے رفقاء کی انتھک جد وجہد کا نتیجہ تھی، ۱۸ ماہ اخاء ۱۳۴۳ ہش / اکتوبر ۱۹۶۴ء کو تعلیم الاسلام کالج کے وسیع ہال میں منعقد ہوئی جس میں ۷۵ کے قریب نامور ادباء اور شعراء نے شرکت کی علاوہ ازیں مختلف کالجوں کی طرف سے بھی پچیس ۲۵ کے قریب مندوبین شامل ہوئے۔ کانفرنس کی کارروائی تلاوت سے شروع ہوئی۔ بعدازاں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس استقبالیہ نے اپنے پُراثر خطبہ[1] میں ارشاد فرمایا:۔

"اس کانفرنس کے مقاصد خالصۃً تعمیری اور مثبت ہیں۔ ہم اردو کا مینار تخریب کی منفی اقدار پہ استوار نہیں کرنا چاہتے۔ ہمارے نزدیک سلبی اندازِ فکر ذہنی افلاس کی علامت ہے۔ زندہ قوموں کی ہزار پہلو ضروریات اپنے اپنے مقام اور محل پر سب کی سب اہم اور ناقابل تردید حیثیت کی حامل ہوا کرتی ہیں۔ لیکن ہمارا موقف یہ ہے کہ ان جملہ قومی تقاضوں کو ضروری خیال کرتے ہوئے بھی میزانِ عدل کا توازن برقرار رکھا جاسکتا ہے اور اردو کو وہ ارفع مقام دیا جا سکتا ہے جو اس کا واجبی حق ہے۔

یہ ایک عظیم قومی حادثہ ہے کہ زبان کا مسئلہ جو خالصۃً قومی اور علمی سطح پر حل کیا جانا چاہئیے تھا، سیاسی نعرہ بازی اور مہمل جذبات کا شکار ہو کر رہ گیا اور سترہ سال کا طویل عرصہ بے کار مباحث اور مجرمانہ غفلت کے ہاتھوں ضائع ہو گیا۔ ہم تو سُنتے آئے تھے کہ ہمارے معروف "ساغر" کا ایک دَور "صد سالہ دَورِ چرخ" کے ہم پلہ ہوا کرتا ہے اور رند جب میکدہ سے نکلتے ہیں تو دنیا بدلی ہوئی پاتے ہیں۔ لیکن یہاں سترہ سال کے بعد بھی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ سہل انگاری اور خوش فہمی کے گنبد سے نکل کر ہم حقائق کی دُنیا میں قدم رکھیں۔ ٹھنڈے دل سے اپنی مشکلات کا جائزہ لیں اور سنجیدگی سے اپنے تعلیمی، تدریسی، علمی، ادبی، لسانی اور طباعتی مسائل کا حل تلاش کریں۔ زبان و بیان، تلخیص و ترجمہ، رسم الخط اور اسی قسم کے دیگر عقدوں کی گرہ کشائی کی کوشش کریں۔ ایسا لائحہ عمل بنائیں اور اس کی تشکیل ایسے

[1] کانفرنس میں آپ کی طرف سے یہ خطبہ استقبالیہ پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد ایم۔ اے صدر شعبۂ اردو نے پڑھا۔

خطوط پر کریں جس سے یہ گومگو کی کیفیت ختم ہو اور اس ذہنی دھند سے نجات ملے۔

اس جگہ اس امر کا اظہار بھی غیر مناسب نہ ہوگا کہ اُردو کے ساتھ جماعتِ احمدیہ کا ایک پائیدار اور رُوحانی رشتہ بھی ہے۔ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی اکثر تصانیف اُردو ہی میں ہیں۔ اس لئے اردو زبان عربی کے بعد ہماری محبوب ترین زبان ہے۔ اسی لئے ساری دُنیا میں جہاں جہاں احمدیہ مشن یا احمدی مسلمان موجود ہیں وہاں اردو سیکھی اور سکھلائی جارہی ہے۔ زبان اردو کی یہ ٹھوس اور خاموش خدمت ہے جو جماعت احمدیہ دُنیا کے گوشے گوشے میں کر رہی ہے۔ اردو ہماری مذہبی زبان ہے۔ یہ ہماری قومی زبان ہے۔ یہ ہماری آئندہ نسلوں کی زبان ہے۔ یہ وہ قیمتی متاع ہے جو ہمیں ہمارے اسلاف سے ورثہ میں ملی ہے۔ اسے اس قابل بنائیے کہ ہماری آئندہ نسلیں اس ورثہ کو سرمایۂ افتخار تصور کریں اور اس پر بجا طور پر ناز کرسکیں اور ہماری طرح گونگی اور "بے زبان" ہو کر نہ رہ جائیں۔

اُردو ایک زندہ قوم کی زندہ زبان ہے۔ ادبیات کی اہمیت مسلّم لیکن یہ نہ بھولئے کہ اردو زبان کا یہ بھی حق ہے کہ شعر و ادب کے روایتی اور محدود دائرے سے باہر نکلے اور زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہو جائے۔ ساری دُنیا کے دلوں پر اس کی حکومت ہو۔ قومیں اسے لکھیں، بولیں اور اس پر فخر کریں اور بین الاقوامی زبانوں کی محفل میں اردو بھی عزت کے بلند پایہ مقام پر سرفراز ہو۔

ان دُعائیہ الفاظ کے ساتھ مَیں ایک بار پھر اپنے دوستوں اور بزرگوں کو اَهْلًا وَّ سَهْلًا وَّ مَرْحَبًا کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدُعا ہوں کہ وہ ہم سب کو ایسا اندازِ فکر عطا فرمائے، اور اس نہج پر کام کرنے کی توفیق دے جو نہ صرف زبان اردو کے لئے بلکہ ہمارے لئے اور ہماری آنے والی نسلوں کے لئے خیر و برکت کا باعث ہو۔ اللّٰھم آمین" [1]

خُطبہ استقبالیہ کے بعد معتمد مجلس استقبالیہ اردو کانفرنس نے اختر حسین صاحب صدر انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی اور اشتیاق حسین صاحب قریشی رئیس الجامعہ جامعہ کراچی کے پیغامات سُنائے جو انہوں نے خاص اس موقع کے لئے بھیجے تھے۔ ان پیغامات کے علاوہ سیدنا المصلح الموعود کے اس پیغام کے اقتباسات بھی سُنائے جو حضور نے ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء میں دانش گاہ پنجاب میں منعقد ہونے والی کانفرنس کے

---

[1] "ذکر اردو" ص۱ تا ۵ ناشر تعلیم الاسلام کالج۔

نام ارسال فرمایا تھا۔ ازاں بعد حضرت مصلح موعودؓ کا رقم فرمودہ ادبی مقالہ "اردو رسائل زبان کی کس طرح خدمت کرسکتے ہیں؟" کے موضوع پر پڑھا گیا حضور کا یہ قیمتی مقالہ برصغیر پاک و ہند کے ادیب شہیر احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی نے اپنے رسالہ "ادبی دُنیا" (مارچ ۱۹۳۱ء) میں حضور کا فوٹو دے کر شائع کیا تھا۔ اس زمانہ میں رسالہ "ادبی دُنیا" کے نگران اعلیٰ سر عبدالقادر مرحوم تھے۔

اس یادگار مقالہ کے بعد جو گویا اس پوری کانفرنس کی رُوحِ رواں تھا۔ وزیر آغا ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی نے اپنا فاضلانہ خطبۂ افتتاح پڑھا جس میں تعلیم الاسلام کالج کو ادبی کانفرنس منعقد کرنے پر شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین ادا کرتے ہوئے کہا:-

"اُردو زبان کی ترویج و اشاعت کے لئے یُوں تو بہت سے اقدامات ضروری ہیں لیکن اس سلسلہ میں اُردو کانفرنسوں کا انعقاد ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ہمارے ملک میں بالعموم ہر تحریک نہ صرف بعض بڑے ثقافتی مراکز سے جنم لیتی ہے بلکہ پروان چڑھنے کے بعد وہیں کی ہو کر رہ جاتی ہے اس سے تحریک میں وہ کشادگی اور وسعت پیدا نہیں ہوتی جو اس کی پوری کامیابی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اردو زبان کی ترویج کے سلسلہ میں جو تحریکات وجود میں آئیں وہ عام طور پر لاہور اور کراچی ایسے مراکز ہی سے وابستہ ہیں۔ تعلیم الاسلام کالج نے اس انجماد کو توڑا ہے اور اردو کانفرنس کے انعقاد سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ اب اُردو کے لئے محبت اور اردو کو قومی زبان کا درجہ دینے کی آرزو بڑے بڑے مراکز تک ہی محدود نہیں رہی گویا اس خوشبو کی طرح جو دیوارِ چمن کو پار کرتی ہے اُردو زبان کی ترویج و اشاعت کی تحریک بھی اُونچی اُونچی دیواروں کو پار کر کے افق کے پہاڑوں سے ٹکرائی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے جو مبارک قدم اُٹھایا ہے اس کی ملک کے طول و عرض میں عام طور سے تقلید ہوگی اور ہم اردو زبان کو ملک کے دُور دراز گوشوں تک پہنچا سکیں گے۔ آپ کی یہ اُردو کانفرنس اس لئے بھی اہم ہے کہ اس کے پسِ پشت اُردو زبان کے لئے بے پناہ محبت کے سوا کوئی اور جذبہ موجزن نہیں ہے اور آپ نے پنجاب کے اس دیہاتی علاقہ میں منعقد کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اُردو زبان پنجاب کے دور دراز گوشوں میں بھی ویسی ہی مقبول ہے جیسی کہ اُردو کے بڑے بڑے مراکز میں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے اُردو کانفرنس کے منعقد کرنے کی جو روایت قائم کی ہے اسے ہمیشہ جاری رکھیں گے اور مجھے امید ہے کہ ہمارے ملک کے دوسرے ادارے اِس

سلسلہ میں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی پوری کوشش کریں گے۔[1]

اس خطبہ افتتاح کے بعد کانفرنس کی دو نشستوں میں مندرجہ ذیل موضوعات پر تحقیقی اور فکر انگیز مقالے پڑھے گئے:-

۱۔ اُردو میں سائنسی تدریس (پروفیسر شیخ ممتاز حسین صاحب صدر شعبہ اُردو زراعتی یونیورسٹی لائل پور)

۲۔ اُردو میں قانونی تدریس (خضر تمیمی صاحب ایڈووکیٹ ہائیکورٹ لاہور)

۳۔ اُردو میں دخیل الفاظ کا مسئلہ (ڈاکٹر سہیل بخاری صاحب سرگودھا)

۴۔ اُردو بحیثیت تدریسی زبان (پروفیسر سید وقار عظیم صاحب شعبہ اردو دانش گاہ پنجاب)

۵۔ غیر ممالک میں احمدی اُردو کی کیا خدمات انجام دے رہے ہیں (مولانا نسیم سیفی صاحب سابق رئیس التبلیغ مغربی افریقہ)

۶۔ ادب اور زندگی کا رشتہ (سید سجاد باقر صاحب رضوی شعبہ اُردو دانش گاہ پنجاب)

۷۔ اُردو بحیثیت قومی زبان (ڈاکٹر وحید قریشی صاحب)

ان ادباء کے علاوہ جامعہ احمدیہ کے تین غیر ملکی طلبہ یوسف عثمان صاحب (افریقہ) عبد القاہر صاحب (ترکستان) اور عبد الرؤف صاحب (فجی) نے "ہمیں اُردو سے کیوں محبت ہے" کے عنوان پر مضمون پڑھے۔ مہمانوں کے لئے یہ عجیب بات تھی کہ غیر ملکی طلبہ ایسی شستہ اُردو بول رہے ہیں۔[2] الغرض یہ پہلی اُردو کانفرنس ہر لحاظ سے حد درجہ کامیاب رہی

دوسری اُردو کانفرنس

۱۴ اخاء/اکتوبر ۱۳۴۶ہش/۱۹۶۷ء کو کالج میں دوسری آل پاکستان اُردو کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مغربی پاکستان کی تین یونیورسٹیوں اور متعدد تعلیمی اداروں اور ادبی تنظیموں کے ۴۸ خصوصی نمائندے شریک ہوئے۔ خطبہ افتتاح ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی نے دیا اور جسٹس اے۔ آر۔ کارنیلیس چیف جسٹس پاکستان، جناب اختر حسین صاحب صدر انجمن ترقی اُردو پاکستان، ممتاز حسن صاحب سابق مینجنگ ڈائریکٹر نیشنل بنک آف پاکستان اور جناب پروفیسر حمید احمد خاں صاحب نے خصوصی پیغامات ارسال کئے۔

---

[1] "ذکر اردو" ص د تا س ناشر تعلیم الاسلام کالج۔

[2] "الفضل" ۲۲ اخاء/اکتوبر ۱۳۴۵ہش/۱۹۶۶ء صفحہ ۷۔ کانفرنس میں پڑھے جانے والے تمام مقالے "ذکر اردو" کے نام سے تعلیم الاسلام کالج کی طرف سے شائع شدہ ہیں۔

اس دو روزہ کانفرنس میں زبان، ادب، صحافت اور تدریس کے پچاس موضوعات پر ۴۳ مقالے پڑھے گئے اور باقی سات مقالے اشاعت کے لئے پیش کئے گئے۔ کانفرنس میں دو مذاکرے بھی منعقد ہوئے۔ ان میں سے ایک مذاکرہ "اُردو میں سائنسی تدریس کی مشکلات اور ان کا حل" کے موضوع پر ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر ظفر علی صاحب ہاشمی وائس چانسلر زرعی یونیورسٹی لائلپور نے کی۔ دوسرے مذاکرہ کا موضوع "جدید اُردو شاعری کے رجحانات" تھا۔ اس میں صدارت کے فرائض سید وقار عظیم صاحب صدر شعبہ اردو پنجاب یونیورسٹی نے ادا کئے۔ کانفرنس کا ایک اجلاس محسنینِ اُردو کے تذکرہ کے لئے وقف تھا جس میں حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب، حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب (المصلح الموعود)، علامہ نیاز فتحپوری اور مولانا صلاح الدین احمد کی خدمات اور کارناموں پر ٹھوس مقالے پڑھے گئے۔[۱][۲]

فصل ششم

کالج میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کا قائم فرمودہ مثالی نظام تعلیم و تربیت اس کی بنیادی خصوصیات اور ہمہ گیر اثرات

سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کے ذہن مبارک میں تعلیم الاسلام کالج کے عروج و ارتقاء اور شاندار مستقبل کی نسبت جو نقشہ قیام کالج کے وقت موجود تھا وہ اپنی تفصیلات و مضمرات کے اعتبار سے بین الاقوامی نوعیت کا حامل ہے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ

---

[۱] "الفضل" ۱۰ / اخاء / اکتوبر ۱۳۴۶ ہش / ۱۹۶۷ء ۔

[۲] دوسری کانفرنس میں مقالے پڑھنے والوں کی فہرست یہ ہے:- سید قدرت نقوی۔ ایم۔ ڈی ظفر چوہدری (ان کا مضمون سکوڈران لیڈر امداد باقر رضوی نے پڑھا)۔ یعقوب احمد۔ سید عابد علی عابد۔ مکرم شیخ محمد اسماعیل پانی پتی۔ طفیل احمد قریشی۔ ڈاکٹر نصیر احمد خاں۔ ڈاکٹر سید نذیر احمد سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور (مندوب پنجاب یونیورسٹی)۔ ڈاکٹر محمد عبدالعظیم صدر شعبہ کیمیا گورنمنٹ کالج لاہور (مندوب پنجاب یونیورسٹی)۔ میجر آفتاب حسن ناظم ادارہ تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی (مندوب کراچی یونیورسٹی)۔ محمد حیات خاں سیال۔ ڈاکٹر اسد علی ادیب۔ علامہ لطیف انور - عاطر ہاشمی۔ اعجاز فاروقی۔ جیلانی کامران۔ غلام جیلانی اصغر۔ ڈاکٹر وزیر آغا۔ غلام حسین اظہر۔ عبدالسلام اختر۔ سمیع اللہ قریشی۔ سید سجاد باقر رضوی۔ عبدالرشید اشک۔ عبدالرشید تبسم۔ ثاقب زیروی۔ نسیم سیفی۔ آغا محمد باقر۔ مسعود احمد خاں دہلوی۔ ڈاکٹر فرمان فتحپوری ۔

اس نقشہ کی عملی تشکیل و تعمیر کے لئے مسلسل اکیس برس (۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء تا ۱۳۴۴ ہش / ۱۹۶۵ء) تک سرتاپا وقف اور مجسم جہاد بنے رہے اور قریباً ربع صدی کی بے پناہ کاوشوں اور معرکہ آرائیوں کے بعد خدا کے فضل اور حضرت مسیح موعود کی دعاؤں اور حضرت مصلح موعود کی قوت قدسیہ کے نتیجہ میں کالج کو ایک قابل رشک مخصوص اور امتیازی مقام تک پہنچا دیا اور اس کی بنیادیں ایک ایسے طریق تعلیم اور نظام تربیت پر استوار کیں جو روح و جسم اور علم و عمل پر حاوی اور دین و دنیا کے حسین امتزاج کا بہترین نمونہ ہے۔

آپ نے اس اسلامی درس گاہ میں جو مثالی نظام تعلیم و تربیت رائج فرمایا وہ اپنے اندر متعدد خصوصیات رکھتا ہے جن میں سے پانچ حد درجہ نمایاں ہیں اور کالج کی مقدس اور ناقابل فراموش روایات بن چکی ہیں۔

پہلی خصوصیت آپ کے قائم کردہ نظام کی یہ تھی کہ آپ نے اپنے پاک نمونہ سے کالج کے اساتذہ میں زبردست رُوح پھُونکی کہ وہ طلبہ کو قوم کا عظیم سرمایہ یقین کرتے ہوئے ان کے ساتھ شفیق باپ سے بھی بڑھ کر محبت کرتے، اُن کی بہبود اور ترقی میں ذاتی طور پر دلچسپی لیتے، اُن کی جائز ضروریات پوری کرتے، اُن کے دُکھ سُکھ میں شریک ہوتے، ہر وقت بے لوث خدمت میں لگے رہتے اور پوری توجہ اور کوشش کے ساتھ بچوں کی رہبری اور رہنمائی میں مصروف رہتے تھے۔

دوسری خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے کالج کی قیادت اس رنگ میں فرمائی کہ طلبہ و اساتذہ اسلامی اقدار کے حامل بنیں اور ہمیشہ ہی غلط قسم کی سیاست سے کنارہ کش اور ہڑتالوں اور دوسری مغربی بدعات سے متنفر رہیں۔ چنانچہ کالج کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ قادیان، لاہور اور ربوہ تینوں جگہ یہ انسٹی ٹیوشن ہمیشہ ہی ذہنی تکدر اور سیاسی بے راہ روی سے ہر طرح محفوظ و مصئون رہی ہے اور یہ وہ خصوصیت اور امتیاز ہے جس میں تعلیم الاسلام کالج اس زمانہ میں نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ دُنیا بھر کے کالجوں میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

تیسری خصوصیت اس نظام تعلیم و تربیت کی یہ تھی کہ اس درسگاہ کا فکر و عمل ہمیشہ مذہب و ملت کی تفریق سے بالا رہا ہے۔ ہر طالب علم خواہ وہ کسی مذہب، کسی فرقہ یا سیاسی جماعت سے ہی تعلق کیوں نہ رکھتا ہو ہر قسم کی جائز سہولتیں حاصل کرتا ہے اور اس کالج کے اساتذہ ہر طالب علم کی جسمانی اور ذہنی نشو و نما کی طرف پُوری طرح متوجہ رہتے تھے۔

چوتھی خصوصیت اس میں یہ تھی کہ یہاں امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا تھا۔ ایک غریب کی عزت و احترام کا ویسا ہی خیال رکھا جاتا تھا جیسا کہ کسی امیر طالب علم کا، اور اساتذہ ہر

اس طالب علم کی قدر کرتے تھے جو علمی شوق رکھتا ہو اور علم کی وسیع شاہراہ پر بشاشت اور محنت کے ساتھ آگے بڑھنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ سے آپ کو ابتداء ہی سے اسلامی نظام اقتصادیات سے غیر معمولی دلچسپی، لگاؤ اور شغف رہا ہے اور آپ نے ہر ممکن جد وجہد فرمائی کہ کالج کے نظام تعلیم و تربیت سے اس نظام کو زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ کیا جائے۔ اس بناء پر آپ نے ہمیشہ سادگی پر زور دیا اور طلباء کے اخراجات کو کم سے کم رکھنے کو اپنا ضروری فرض سمجھا تا کہ غریب طالب علم کو اپنی غربت کا احساس نہ رہے۔ اور امیر اپنی امارت جتانے میں حجاب محسوس کرے۔ آپ کے اسی طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ کالج کے بعض غریب طلبہ کسی قسم کے احساس کمتری کا شکار ہوئے بغیر اپنے فارغ اوقات میں محنت اور مزدوری کر کے اپنے تعلیمی اخراجات برداشت کرتے تھے اور آپ بھی اور دوسرا سٹاف بھی ان محنتی اور ہونہار طلبہ کی ہر رنگ میں حوصلہ افزائی اور قدر دانی فرمایا کرتے تھے۔

پانچویں خصوصیت۔ آپ نے تعلیم و تربیت کی ظاہری تدابیر کو انتہا تک پہنچانے کے باوجود اُن پر کبھی انحصار نہیں کیا اور ہمیشہ خود بھی ہر مرحلے پر دعاؤں سے کام لیا اور اپنے رفقاء کار میں بھی اس کا ذوق و شوق پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اُن میں یہ احساس پختگی کے ساتھ قائم کر دیا کہ محض ظاہری دیکھ بھال اور تربیت کافی نہیں۔ ہمارے بچوں کا پہلا اور آخری حق ہم پر یہ ہے کہ ہم دعاؤں کے ساتھ اُن کی مدد کرتے رہیں۔

یہاں بطور نمونہ کالج کے اساتذہ اور طلبہ سے متعلق خود آپ کے بعض دعائیہ کلمات درج کئے جاتے ہیں جن سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوگا کہ آپ اس ادارہ کو رفعتوں کے کتنے بلند ترین مقام تک لے جانے کے ہمیشہ متمنی اور آرزو مند رہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور آپ نے ۱۳۳۳ ہش ۱۹۵۴ء میں دُعا کی کہ

"اے قادر و توانا خدا! اے حقائق اشیاء کو پیدا کرنے والے اور ان حقائق و رموز کو انسانی دل پر الہام کرنے والے خدا! تو ہماری ان ناچیز مساعی کو قبول فرما اور ہماری تضرعات کو سُن اور ہم پر اور ہماری اولاد پر علم کے وسیع دروازوں کو ہر پہلو سے کھول دے۔ علم کی روشنی سے ہمارے دل اور دماغ کو منور کر۔ اور علم و معرفت کی غیر محدود طاقت سے ہمارے عمل میں ایک نئی رُوح اور ہماری مساعی میں ایک نئی زندگی پیدا کر کہ ہم اور ہماری نسلیں تیرے عطا کردہ علم اور تیری بخشی ہوئی معرفت سے پُر ہو کر تجھ ہی سے دُعائیں کرتے ہوئے جس میدانِ عمل میں بھی داخل ہوں سب پر

سبقت لے جائیں۔ اسے خدا! تُو خود اس نوشگفتہ نسل کے دل و دماغ کو رموزِ قیادت و مسابقت سے آشنا کر۔ اور ان کے عمل اور مساعی میں تیزی اور جولانی پیدا کر اور انہیں دُنیا کا ہمدرد بنا، دُنیا کا خادم بنا، دُنیا کا محسن بنا، اور دُنیا کا رہبر بنا، قوم کا نام ان کے کام سے چمکے۔ انسانیت کا چہرہ اُن کی رُوحانیت سے منور ہو اور تیری صفات ان کے کمالات سے ظاہر ہوں"[1]

نظامِ تعلیم و تربیت کا ایک جامع نقشہ

کالج کے نظام تعلیم و تربیت کی بنیادی خصوصیات کی نشاندہی کرنے کے بعد مناسب ہوگا کہ ہم حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج کے مبارک الفاظ میں اس درسگاہ کے تعلیمی و تربیتی اعتبار سے پاکیزہ ماحول کا ایک نقشہ قارئین کے سامنے رکھ دیں۔ اس نقشہ سے نہایت جامعیت کے ساتھ پانچوں خصوصیات کی جھلک پُوری طرح نمایاں ہو جاتی ہے۔ ۱۳۴۳ہش/۱۹۶۴ء میں فرمایا:-

"ہمارے طلبہ اور ہمارے اساتذہ تعلیم و تربیت کو ایک مقدس فرض تصور کرتے ہیں۔ ہمارے پاس بُرے بھلے ہر قسم کے طلبہ آتے ہیں۔ ایک باپ کی حیثیت سے سزائیں بھی دینی پڑتی ہیں اور ایک باپ ہی کی محبت کا سلوک کرنا پڑتا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان عزیزوں کے لئے صحت افزا ذہنی، اخلاقی اور جسمانی فضا مہیا کرنا، ان کی شخصیتوں کے جملہ پہلوؤں کو اجاگر کرنا اور علمی اور اخلاقی نشوو نما کی جملہ سہولتیں بہم پہنچانا ہمارا فرض ہے۔ ہمارے نزدیک مسجد کے بعد مدرسے کا تقدس ہے اور ہماری اس درسگاہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے تعلیم و تربیت کے فرائض عبادت کے رنگ میں سرانجام دیئے جاتے ہیں جہاں رنگ اور مذہب، افلاس اور امارت، اپنے اور بیگانے کی کوئی تفریق نہیں۔ جہاں طلباء مقدس قومی امانت ہیں۔ جہاں ماحول خالص اسلامی اور اخلاقی ہے نہ کہ سیاسی۔ جہاں منتہائے مقصود خدمت ہے نہ کہ جلب منفعت۔ جہاں غریبی عیب نہیں اور امارت خوبی نہیں۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

. . . . . ایسے عظیم اور مثالی ادارے کی کما حقہٗ حوصلہ افزائی بھی ضروری ہے جس کے ذرّے ذرّے پر اس کے فدائی اساتذہ اور طلباء نے خونِ دل سے محنت اور اخلاص کی داستانیں لکھی ہیں۔ یہاں اساتذہ سستی شہرت کی خاطر اپنے فرائض کے تلخ پہلوؤں سے اغماض

---

[1] سالانہ روئداد تعلیم الاسلام کالج ۴۰-۱۳۳۹ہش/۶۱-۱۹۶۰ء صفحہ ۱۶۔

نہیں برتتے اور نہ ہی طلباء سٹرائیک کی قسم کے غیر اسلامی اور غیر اخلاقی ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ یہاں نہ صرف مُلک کے گوشے گوشے بلکہ غیر ممالک سے بھی ہر مذہب و خیال کے طلباء اس پُرسکون، سادہ اور پاک ماحول سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں" [۱]

"تعلیم الاسلام کالج ایک بین الاقوامی حیثیت کا حامل ہے۔ کالج کے طلبہ کا حلقہ انڈونیشیا، برما، تبت، ہندوستان، مغربی افریقہ، مشرقی افریقہ، سومالی لینڈ اور بحرین وغیرہ ممالک تک پھیلا ہوا ہے"۔

"ہمارے طلبہ میں سچائی، محنت، خدمت خلق، غیرت قومی، خدمتِ دین، امانت دیانت اور دیگر اخلاق فاضلہ صرف موجود ہی نہیں بلکہ ان کا معیار بھی کافی بلند ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ جس معیار کی تعلیم دینے اور جس طرح کے طلبہ پیدا کرنے کی کوشش اس کالج میں ہو رہی ہے اس کے پیش نظر نہ صرف اس کالج کی بلکہ اس جیسے سینکڑوں کالجوں کی ملک و قوم کو ہر وقت ضرورت رہے گی اور ہمارے طلبہ انشاء اللہ تعالیٰ آنے والے سالوں میں تعلیمی، علمی اور اخلاقی میدان میں مثالی اور قابلِ فخر کردار ادا کریں گے" [۲]

"اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں اور کوششوں میں برکت ڈالے اور ہمیں خدمت قوم و بنی نوع انسان کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے" [۳]

حضرت مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کی طلبہ کالج سے متعلق یہ پیشگوئی خدا کے فضل و کرم سے حرف بحرف پُوری ہو رہی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

تعلیم و تربیت سے متعلق بعض اہم واقعات

یہ نظام تعلیم و تربیت جس کا خاکہ اوپر کھینچا گیا ہے اپنی تفصیلات کے اعتبار سے ایک مستقل مضمون کا تقاضا کرتا ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ تاہم ذیل میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کے اس دورِ زندگی کے بعض اہم واقعات بیان کئے جاتے ہیں جن سے آپ کے انداز تربیت کے بہت سے گوشے نمایاں ہوتے ہیں اور جو دُنیائے اصلاح و تربیت کے لئے چراغِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

---

[۱] "المنار" وفا۔ظہور۔تبوک/جولائی۔اگست۔ستمبر ۱۳۴۳ھش / ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۸ +

[۲] "المنار" ہجرت۔احسان/مئی۔جون ۱۳۳۹ھش / ۱۹۶۰ء صفحہ ۲۷ +

[۳] "المنار" وفا۔ظہور۔تبوک/جولائی۔اگست۔ستمبر ۱۳۴۳ھش / ۱۹۶۴ء صفحہ ۱۹ +

طلبہ پر بےمثال شفقت

بلا مبالغہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) نے تعلیم الاسلام کالج کے طلباء کو اپنے خون سے پالا ہے اور ان کے ساتھ ہمیشہ اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر محبت کی ہے۔ جناب پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد ایم۔اے کا بیان ہے کہ

"ایک دفعہ خاکسار نے لاہور میں ۱۹۵۰ء یا ۱۹۵۱ء میں آپ سے عرض کیا کہ ڈسپلن کیسے رہے ہم اساتذہ طلباء کی غفلتوں پر بعض اوقات جرمانہ کی سزا دلواتے ہیں مگر آپ اُسے معاف فرما دیتے ہیں۔ آپ نے جواباً تحریر فرمایا۔

اگر طلبہ کے لئے میرے دل میں خدا تعالیٰ نے رحم ڈالا ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ باقی حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ۔ ناصر احمد"

(عکس)

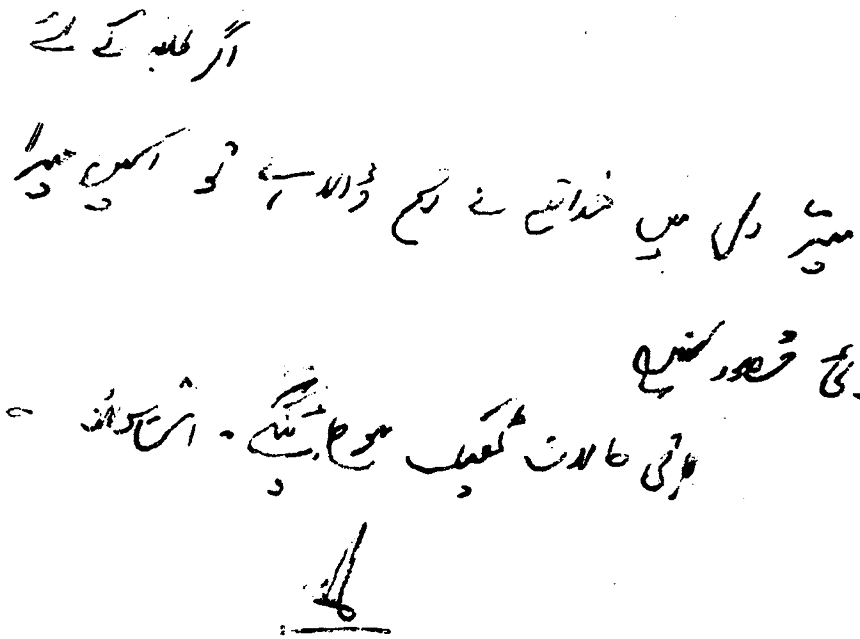
اگر طلبہ کے لئے میرے دل میں خدا تعالیٰ نے رحم ڈالا ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں باقی حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ

تادیب، دلداری اور ذاتی تعلق

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے لکھتے ہیں:-

"آپ کالج اور ہوسٹل کی تفصیلی نگرانی فرماتے اور ہر معاملے میں ہم خدام کو ان کی بابرکت رہنمائی حاصل ہوتی۔ سزا بھی دیتے لیکن کراہت کے ساتھ۔ لیکن جہاں سزا ضروری ہوتی اسے ضرور دیتے۔ مجھے یاد ہے۔ ایک دفعہ ایک طالب علم کو بدنی سزا

دی جانے لگی۔ ہال میں طلبہ اکٹھے ہوئے۔ اس عاجز سے ارشاد فرمایا کہ سزا دو۔ جب سزا کا نفاذ ہونے لگا تو فرمانے لگے کہ سزا میں نے آپ کو نہیں اس طالب علم کو دی ہے اور خود باقی سزا اپنے ہاتھ سے نافذ کی۔ آجتک واقعہ کا اثر دل پر ہے۔ بعد میں کبھی جب سزا دی ہے حضور ایدہ اللہ تعالےٰ پر غم کی کیفیت طاری ہوئی ہے، اور کئی بار ایسا ہوا ہے کہ اس تکلیف سے کتنا کتنا عرصہ گھر سے تشریف نہ لاتے"

طلباء آپ سے جو محبت اور عقیدت رکھتے اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ چوہدری محمد بوٹا ایک طالب علم ہوتے تھے جو اب IRRIGATION RESEARCH میں آفیسر ہیں غیر از جماعت ہیں۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں عرصے کے بعد جب وہ ایم ایس سی کر چکے تھے اور کالج سے جا چکے تھے خط لکھا جس کا مفہوم یہ ہے کہ میں اپنا نام تبدیل کرنا چاہتا ہوں اور میرے دل میں چونکہ آپ کی بے حد قدر اور عزت ہے اور مجھے کوئی اور آپ جیسا عظیم انسان نہیں ملا اس لئے آپ کی اجازت سے اپنا نام ناصر رکھنا چاہتا ہوں چنانچہ آج وہ اسی نام سے موسوم ہیں۔

محمد اشرف ایک طالب علم تھے جن پر کالج کے دنوں میں بظاہر سختی ہوئی تھی۔ یورپ کے دورے (۱۹۶۷ء) کے وقت دیوانہ وار حضور کی خدمت میں ایڈنبرا، گلاسگو وغیرہ حاضر رہے۔ طلبہ آپ کے والہ و شیدا تھے اور آپ بھی بیٹوں کی طرح ان سے سلوک فرماتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ آدھی آدھی رات بیمار طلبہ کے سرہانے بیٹھ کر ہاتھ سے چمچے کے ساتھ خود دوائی پلایا کرتے اور تسلیاں دیا کرتے۔ اس شفقت اور محبت کو دیکھ کر دوسرے طلباء کہا کرتے کہ ہمارا بھی بیمار ہونے کو جی چاہتا ہے۔ غریب طلبہ کی بہت دلداری فرماتے کہ ان کی امداد اس رنگ میں ہو کہ اُن کی عزتِ نفس کو ٹھیس نہ لگے۔ جو طلباء مزدوری کر کے پڑھتے اُن کی خاص قدر فرماتے اور ان کا اس محبت سے ذکر فرماتے کہ ایسے طلباء کا فخر سے سر اُونچا ہو جاتا۔ غریب طلباء کی غذا، دوا، لباس، سویابین اور پتہ نہیں کیا کیا اُن کے لئے مہیا فرماتے۔ ڈسپلن کے معاملے میں سختی فرماتے اور پھر دلداری بھی فرماتے۔ فرمایا کرتے کہ اُستاد کو باپ اور ماں دونوں کا کام کرنا چاہیئے۔

"سویابین کا بہت شوق تھا اور ہے اور کمزور اور کھلاڑی اور ذہین طلباء کو اس کا حلوا تیار کروا کے کھلایا کرتے اور خوش ہوتے

آپ کا تعلق طلباء سے بیحد محبّت اور تکریم کا ہوا کرتا تھا۔ اُن سے مزاح بھی فرماتے اور بے تکلّف بھی ہوتے لیکن حدود قائم رہتیں۔ خدام الاحمدیہ کے دَور میں کلائی پکڑنے کا شوق تھا میرے علم میں کوئی ایسا شخص یا طالب علم نہیں جو آپ کے مقابلے پر پُورا اُتر سکا ہو اگر یہ عاجز کبھی کوشش کرتا تو دو اُنگلیوں سے کلائی چھڑا لیتے۔ طلباء کسی قسم کا بُعد یا فاصلہ محسوس نہیں کرتے تھے۔ باپ بیٹے کا تعلق تھا جو زندہ اور جاری تھا۔ جب مرحوم مبشّر احمد گکھڑ جو بے حد ہونہار اور نیک اور ذہین طالب علم تھا قتل ہوا۔ اور آپ کی خدمت میں شام کو کراچی میں ضمناً ایک لڑکے مبشّر احمد کی اطلاع کی گئی تو رات گئے غالباً بارہ ایک بجے کا عمل ہوگا کہ آپ کا فون آیا کہ تفصیل بتائی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے نیند نہیں آرہی اور بے حد بے چینی ہے۔ کیا یہ وہی مبشّر احمد تو نہیں جو ہر وقت مُسکراتا رہتا تھا۔ افسوس کہ یہ وہی مبشّر احمد تھا جس کی وفات پر آپ اس طرح بے چین ہوگئے اور آدھی رات کو کراچی سے فون آیا۔

آپ طلبہ کو بلا وجہ ان کے بچپنے پن پر ٹوکتے نہیں تھے اور فرمایا کرتے تھے یہ ان کی صحت کی علامت ہے۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم نے جو جماعت کے ایک مخلص خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور خود ایک بڑی کار پر ماڈل ٹاؤن سے کالج آیا کرتے تھے آپ کی " ولزلے " کار پر" المنار" میں چھپنے کے لئے انگریزی میں ایک مضمون لکھا۔ مَیں ان دنوں انگریزی حصّے کا نگران تھا۔ مَیں نے شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر مصنّف نے اصرار کیا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب سے پوچھ لیں آپ نے فرمایا۔ یہ تو ضرور چھپنا چاہیئے۔ مَیں نے اسے ذرا نرم کرکے چھاپ دیا۔ جس دن "المنار" شائع ہوا۔ کوئی چند گھنٹے بعد طالب علم کانپتا ہوا میرے پاس آیا۔ کہنے لگا کہ ادھر یہ مضمون شائع ہوا ادھر میری کار کی ٹکّر درخت سے ہو گئی۔ میری جان بچ گئی۔ مَیں اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کی کار پر استہزاء کا مرتکب ہوا تھا۔ مجھے اس کی سزا مل گئی۔ خدا معاف کرے۔

آپ طلباء کے اجتماعات میں دلی نشاط اور بشاشت سے شامل ہوتے اور حظ اُٹھاتے کشتی رانی (ROWING) کے میچوں میں تقریباً آدھ میل تک کشتی کے ساتھ ساتھ اسی رفتار سے دَوڑ کر حوصلہ افزائی فرماتے اور دوسرے کالجوں کے طلباء بار بار ہم سے کہا کرتے کہ کاش ہمارے پرنسپل بھی ہماری کھیلوں میں اتنی دلچسپی لیں۔ خدا تعالیٰ نے جو رُعب دیا ہوا ہے طلباء اس

کی وجہ سے ڈرتے بھی۔ لیکن وہ یہ جان گئے تھے کہ اگر کوئی خاص سنگین قسم کی قانون شکنی کے مرتکب نہ ہوں تو اس رُعب کے پیچھے علم اور حیا اور محبت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن ہے اس لئے عام جُرمانہ وغیرہ ہوتا تو جا کر معاف کروا لیتے۔ آپ کبھی بے صبری کا اظہار نہ فرماتے سختی کے وقت سختی بھی فرماتے لیکن دل نرمی کی طرف مائل رہتا۔ کھلاڑیوں خصوصاً روئنگ اور باسکٹ بال کے کھلاڑیوں کی حوصلہ افزائی فرماتے اور ان کی تکریم کرتے۔ لیکن اگر کبھی وہ قانون شکنی کرتے تو سختی بھی اتنی ہی زیادہ فرماتے۔ ایک روئنگ کے لڑکے سے غلطی ہوئی جو ہمارا کپتان تھا کبڈی کا کپتان بھی تھا۔ نہایت ذہین طالب علم تھا۔ سکالرشپ ہولڈر تھا۔ اسے اور خرچ بھی دیتے تھے اور آپ کے گھر سے کھانا بھی آیا کرتا اور اس کی خوب خوب ناز برداری ہوتی۔ لیکن جب اس نے کالج کے ایک اُستاد کے ساتھ گستاخی کی تو اُسے دو سال کے لئے کالج سے نکال دیا۔ مَیں نے آپ کو بڑے سے بڑے حادثے پر روتے نہیں دیکھا۔ لیکن مَیں نے دیکھا کہ اس لڑکے کے اخراج از کالج کے فارم پر دستخط فرماتے وقت حضور کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔"

طلبہ کے ساتھ حضرت صاحبزادہ صاحب کی محبت و شفقت اور ہمدردی کے بے شمار واقعات ہیں۔ حال ہی میں آپ نے خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا :۔

"مَیں ایک دفعہ اپنے کالج کے دفتر سے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں مجھے ایک طالب علم ملا جس کے متعلق مجھے علم تھا کہ وہ بڑا محنتی اور ہوشیار طالب علم ہے۔ کوئی مہینے ڈیڑھ تک یونیورسٹی کے امتحان ہونے والے تھے۔ مَیں نے دیکھا کہ اس کا مُنہ زرد اور مُنہ پر دھبے پڑے ہوئے ہیں۔ بیمار شکل ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑا سخت صدمہ پہنچا کہ مَیں نے اس کی صحت کا خیال نہیں رکھا۔ ویسے وہ عام کھانا تو کھا رہا تھا۔ لیکن ایسے کھانے پر اسلام کا اقتصادی نظام نہیں ٹھہرتا۔ مَیں نے سوچا کہ مَیں نے ظلم کیا۔ کشتی رانی کرنے والے طلباء کو تو مَیں سویابین کا حلوہ دیتا ہوں لیکن جو دن رات محنت کرنے والے طلباء ہیں ان کو مَیں سویابین کا حلوہ نہیں دیتا۔ مَیں نے تو بڑی غلطی کی۔ چنانچہ اس کو تو مَیں نے کہا کہ مجھ سے سویابین لے جا کر استعمال کرنا (لیکن بعد میں مَیں نے تمام محنتی طلباء کو سویابین دینے کا انتظام کر دیا) پہلے اسے مناسب حال غذا نہیں مل رہی تھی۔ اب جب اسے مناسب حال غذا ملی تو پندرہ دن کے بعد مَیں نے دیکھا کہ اس کے چہرے

کے دھبے دُور ہو گئے۔ چہرے پر سُرخی آگئی۔ آنکھوں میں زندگی اور توانائی کی علامات نظر آنے لگیں اور وہ امتحان میں بڑی اچھی طرح سے پاس ہوا۔ اچھے نمبر تو وہ ویسے بھی لے لیتا لیکن یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ساری عمر کے لئے وہ بیمار پڑ جاتا۔ کئی ایسے عوارض اُسے لاحق ہو جاتے جن سے چھٹکارا پانا اس کے لئے ناممکن ہو جاتا"

طلبہ کی حوصلہ افزائی اور رُوحِ مسابقت میں اضافہ کیلئے جدّوجہد

حضرت صاحبزادہ صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ کالج کی سربراہی کے زمانہ میں طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کس طرح اُن میں رُوحِ عمل اور رُوحِ مسابقت کو بیدار کرنے بلکہ بڑھانے میں سرگرمِ عمل رہے اس کا اندازہ لگانے کے لئے بطور نمونہ ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

شروع ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۳۶ہش/۱۹۵۷ء کا واقعہ ہے کہ لاہور میں کشتی رانی کے مقابلے جاری تھے جس میں حسبِ سابق تعلیم الاسلام کالج کی ٹیم بھی اپنی روایتی شان کے ساتھ حصہ لے رہی تھی۔ ۵؍تبلیغ/فروری کو کالج کی کشتی رانی کی ٹیم کے کیپٹن ناصر احمد صاحب ظفر[1] حضرت مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل کالج کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مغربی پاکستان اوپن روئینگ چیمپئن شپ کے ارکان نے لاہور کے مقامی کالجوں کے لڑکے ہمارے مقابلہ جات کے لئے بطور منصف مقرر کر دیئے ہیں جس سے صورت حال بالکل ہمارے خلاف ہو گئی ہے۔ اس پر حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنے قلمِ مبارک سے انہیں حسبِ ذیل پیغام تعلیم الاسلام کالج کی ٹیم کے نام لکھ دیا اور ارشاد فرمایا کہ آپ ٹیم کے سامنے یہ پڑھ کر سُنا دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعلیم الاسلام کالج کے باغیرت نوجوانو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

[1] "الفضل" ۲۳؍وفا/جولائی ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء صفحہ ۳ کالم ۲۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ اسکول بورڈ کے

منتظمین نے کل کے مقابلہ میں لاہور کالجز کے طلبہ کو لیڈر

جج مقرر کیا تھا اور انکا فیصلہ خلاف عقل و انصاف تھا

[illegible]

پہلے آپکا مقابلہ برادرانہ مقابلہ تھا دوسرے

کالجز کے طلبہ ہمارے لیے اجنبی تھے لیکن [illegible]

اور یہ آپکے بھی بھائی ہیں ۔ انکے خلاف کچھ [illegible]

نہیں ہونا چاہیئے ۔ مقابلہ میں ہار جیت ہوگی [illegible]

اور یہ نتیجے ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ ہم عزت کے

ساتھ جیتنا [illegible] اور وقار کے ساتھ ہارنا

سیکھیں ۔ اور آج آپ نے اس سبق کو [illegible] ۔

مگر اب آپکا مقابلہ اپنے بھائیوں کے

ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اب آپ کا مقابلہ بے انصافی اور بے ایمانی

کے ساتھ ہے اور نہ جانے کہ تمام کا ہے کہ آپ بے ایمانی اور

بے انصافی کو شکست دیں۔ پس آپ کا فرض ہے کہ آپ

اپنی قوت ارادہ پر مکمل آخری ماشاء اللہ خرچ کر کے دوسری شیموں

کیتھ کر سکے موت کے بعد زوال آئیں اور دنیا میں ثابت

کر دیں کہ بے انصافی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ایسے لیڈر

آپکی عزت کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ دل چھوڑنے کا بہت

حارث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر بے انصافی اور

آپکو سب سے آخر میں رکھے تو آپکی عزت کو باعث

کہ ہر روز آپکو کھلی کچھ نہ کچھ میں ملے جا رہے۔ اور

مجھے یقین ہے کہ آپ ایسا کر دکھائیں گے۔

[illegible] پہنچنا ممکن نہیں [illegible] میری کوشش کر رہا

[illegible]

اُسکے ساتھ آپ ہے ۔

دیسے میں آج خواں کر رہا ہوں - شاید کسی

ذمہ دار افسر کی انسانیت بیدار ہو سکے - آمین -

[illegible]

۱۷/۱

[illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعلیم الاسلام کالج کے باغیرت نوجوانو!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

مجھے بتایا گیا ہے کہ سکول بورڈ کے منتظمین نے کل کے مقابلہ میں لاہور کالجز کے طلبہ کو بطور جج مقرر کیا تھا اور ان کا فیصلہ خلاف عقل و انصاف تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو ۔

پہلے آپ کا مقابلہ برادرانہ مقابلہ تھا۔ دوسرے کالجز کے طلبہ ہمارے لئے ایسے ہی ہیں جیسا کہ اپنے طلبہ اور وہ آپ کے بھی بھائی ہیں۔ ان کے خلاف کوئی غصہ نہیں ہونا چاہیئے ۔ مقابلہ میں ہار جیت ہوتی ہی ہے اور یہ مقابلے ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ ہم عزت کے ساتھ جیتنا اور وقار کے ساتھ ہارنا سیکھیں اور آپ لوگ اس سبق کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

مگر اب آپ کا مقابلہ اپنے بھائیوں کے ساتھ نہیں رہا ۔ اب آپ کا مقابلہ بے انصافی اور بے ایمانی کے ساتھ ہے اور غیرت کا تقاضا ہے کہ آپ بے ایمانی اور بے انصافی

کو شکست دیں۔ پس آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنی قوت اور جوش کا آخری ماشہ خرچ کر کے دوسری ٹیموں کو بِیٹ کرتے ہوئے پھر اوّل آئیں اور دُنیا پر ثابت کریں کہ بے انصافی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس کے بغیر آپ کی غیرت کا مظاہرہ نہیں ہو گا۔ دل چھوڑنے کا، ہمّت ہارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر بے انصافی روز آپ کو سب سے آخر میں رکھے تو آپ کی غیرت کو چاہیئے کہ وہ روز آپ کو پہلی پوزیشن میں لے جائے اور مجھے یقین ہے کہ آپ ایسا کر دکھائیں گے۔

آج میرا پہنچنا ممکن نہیں۔ مَیں کوشش کروں گا کہ آخری دو دن آپ کے ساتھ رہوں۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے۔

ویسے مَیں آج فون کر رہا ہوں شاید کسی ذمہ وار افسر کی انسانیت بیدار ہو سکے۔ آمین

فقط

ناصر احمد

پرنسپل ۵۰-۲-۵

ناصر احمد صاحب ظفر یہ پیغام لے کر لاہور پہنچے اور جودھامل بلڈنگ میں جہاں کالج کی ٹیم مقیم تھی۔ سب طلبہ کو اکٹھا کر کے یہ پیغام انہیں سُنایا۔ اس ولولہ انگیز پیغام نے طلبہ کے اندر بے انصافی کے خلاف ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا ایک زبردست جوش اور بے پناہ جذبہ پیدا کر دیا اور انہوں نے مصمم عہد کر لیا کہ وہ چیمپین شپ حاصل کئے بغیر نہیں رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خدا تعالیٰ کے فضل اور حضرت صاحبزادہ صاحب کی دُعاؤں سے کالج کی ٹیم چیمپین شپ کا طغرا جیت کر ربوہ پہنچی! فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

طلبہ کو غیر اسلامی اخلاق و اقدار سے بچانے کے لئے ایک جرأت مندانہ فیصلہ

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ

"یہ ۴۸-۱۹۴۷ء کی بات ہے جب پہلا U.O.T.C کیمپ ہوا۔ یہ کیمپ والٹن میں ہوا تھا اور پاکستان بننے کے بعد پہلا کیمپ تھا۔ کیمپ کے حالات تسلّی بخش نہیں تھے۔ ایک سینئر آفیسر CADETS اور اساتذہ کو جن کو فوجی رینک ملے ہوئے تھے بسا اوقات فحش گالیاں نکالا کرتا تھا۔ جنرل رضا ان دنوں ایڈجوٹنٹ جنرل تھے ان کے آنے تک تو بات بنی رہی۔ لیکن جب کیمپ کا خاتمہ قریب آیا اور کمانڈر انچیف صاحب

کے آنے کا دن قریب آیا تو طلبہ بے قابو ہو گئے اور فیصلہ کر لیا کہ سٹرائیک کریں گے اور تقسیم انعامات کے وقت اور کمانڈر انچیف صاحب کی آمد کے وقت خیموں میں بیٹھے رہیں گے۔ نہ صفائی کریں گے اور نہ ہی وردیاں پہنیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت حال ہمارے لئے تسلی بخش نہ تھی۔ یہ عاجز اپنے دستے کا کمانڈر تھا اور مکرم چوہدری فضل داد صاحب نائب کمانڈر تھے۔ ہم نے حضرت پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج کی خدمت میں خاص آدمی بھجوایا کہ یہ صورت حال پیدا ہو گئی ہے ہماری مدد کی جائے۔ لیکن وہ پیغام رساں کیمپ سے باہر نکلتے وقت گرفتار ہو گیا اور کوارٹر گارڈ میں بھیج دیا گیا۔ اس کا ہمیں اس وقت علم نہ ہوا۔ اور ہم آپ کی طرف سے کسی پیغام کے انتظار میں رہے۔ جب رات ہو گئی اور کوئی جواب نہ آیا تو پہلے ہم نے کالجوں کے اساتذہ سے رابطہ قائم کیا خصوصاً محترم راجہ ایس۔ ڈی احمد صاحب (سابق پرنسپل وٹرنری کالج اور ڈائریکٹر اینیمل ہسبنڈری)، کرنل اسلم (جو ہماری بٹالین کے کمانڈر تھے)، برادرم مکرم رفیق عنایت مرزا (جو اب سینئر سی ایس پی آفیسر ہیں) سے، اور اُن پر یہ بات واضح کی کہ ہم سٹرائیک میں شامل نہیں ہوں گے۔ اگر سٹرائیک ختم نہ ہوئی تو تعلیم الاسلام کالج کی پلاٹون اکیلی ڈیوٹی پر جائیگی کیونکہ ہم سٹرائیک کو شرعاً ناجائز سمجھتے ہیں۔ اور ان سے اپیل کی کہ پاکستان کا پہلا کیمپ ہے۔ وہ خود بھی سٹرائیک ختم کروانے کے خواہشمند تھے۔ بہر حال بعض دوستوں کو ساتھ لے کر ہم رات کے وقت خیمے خیمے میں پھرے۔ لڑکے گانے گا رہے تھے۔ قوالیاں ہو رہی تھیں اور نعرے لگ رہے تھے۔ اللہ تعالےٰ کا خاص فضل ہوا۔ ہماری اپیل پر لڑکے آمادہ ہو گئے کہ اگلے روز سٹرائیک نہ کریں اور پاکستان کے نام پر ایسی غیرت دکھائی کہ رات کا باقی وقت جاگ کر تیاری میں گذرا اور صفائی اور خیموں کی تزئین میں لگ گئے۔ چنانچہ اگلی صبح کمانڈر انچیف صاحب آئے۔ میدان جنگ کا نقشہ پیش ہوا کمپنیوں میں باہمی لڑائی کی مہارت کے تمام انداز دکھائے۔ اس موقع پر ہمارے کچھ طلباء جو محاذ کشمیر پر فرقان بٹالین میں رہ چکے تھے وہ کمانڈر انچیف صاحب نے پہچان لئے۔ ان کی دلچسپی بڑھی تو پوچھا کہ سارے کیمپ میں کتنے ایسے مجاہدین ہیں۔ صرف ہمارے ہی کالج کے طلباء نکلے۔ تقسیم انعامات کے لئے پنڈال الگ قائم ہو چکا تھا اور مہمانوں کی آمد آمد تھی۔ وزراء، جج، وائس چانسلر صاحب، سکرٹری، جرنیل اور بریگیڈیر پنڈال کے پاس ایک ہی جگہ کمانڈر انچیف

صاحب کے استقبال کے لئے اکٹھے کھڑے تھے۔ طلباء پنڈال میں تھے۔ اساتذہ بھی تھے کہ اسی آفیسر نے پھر کوئی نازیبا الفاظ کہے جس پر پنڈال میں موجود طلباء میں پھر کھچاؤ پیدا ہو گیا۔ اس اثناء میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کی کار بھی آتی دکھائی دی۔ یہ عاجز آگے بڑھ کر استقبال کے لئے گیا اور آپ کو وہیں روک کر سارے کوائف بتائے۔ آپ تشریف لائے تو وہ آفیسر بھی استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ آپ نے سرسری انداز میں پوچھا کہ کیا ہوا تھا۔

فرمایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ خیر گذری اس پر اس آفیسر نے اسی انداز میں کہا۔ کہ مجھے ان . . . . کی کیا پرواہ ہے۔ یہ فقرہ کافی بلند آواز سے انہوں نے کہا۔ سول اور ملٹری آفیسر سب کچھ سُن رہے تھے۔ آپ خاموش رہے۔ انہوں نے دوبارہ یہی فقرہ دوہرایا۔ جب سہ بارہ اسی قسم کا فقرہ کہا تو آپ نے بڑے جلال سے بلند آواز میں فرمایا کہ آپ کو پرواہ نہیں لیکن ہمیں ان کی بڑی پرواہ ہے۔ یہ قوم کے بچے ہیں۔ ہم ان کو اس قسم کے اخلاق کی تربیت کے لئے یہاں نہیں بھیجتے۔ اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ ابھی ساری پلٹنوں کو واپس بلوا لو اور آئندہ سے کوئی سروکار نہ رکھو۔ اس پر کچھ سینئر آفیسرز اس افسر کو ایک طرف لے گئے اور اگلے ہی لمحے میں اس نے بڑی لجاجت سے معافی مانگی اور شرمندگی کا اظہار کیا۔ جب آپ نے یہ فقرات کہے تو مجھے یاد ہے کہ میرے ایک غیر از جماعت ساتھی نے فرط جذبات میں خوشی سے دیوانہ ہو کر میرا ہاتھ پکڑا اور اسے اتنا زور سے دبایا کہ کئی دن تک میرا ہاتھ درد کرتا رہا۔ پھر حضرت میاں صاحب تقریب کے اختتام پر تشریف لے گئے اور محکمہ تعلیم کے ایک بڑے افسر نے کہا کہ میاں صاحب نے سب کی عزت رکھ لی۔

اس عجیب واقعہ کا آخری حصہ یہ ہے جس سے ہمارا کوئی تعلق نہ تھا لیکن ہوا اور وہ یہ کہ کیمپ کے خاتمہ کے بعد جب بھی کوئی ٹرک روانہ ہوتا تو اس میں بیٹھنے والے "مرزا ناصر احمد زندہ باد" اور "پرنسپل ٹی۔ آئی کالج زندہ باد" کے نعرے ضرور لگاتے۔ یہ فلک شگاف نعرے ہمارے روکنے کے باوجود نہ رک سکے اور اسی انداز سے یہ کیمپ ختم ہوا"

طلبہ سے مساوی حیثیت میں محبت بھرا سلوک

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔ اے مزید لکھتے ہیں:-

"ایک طالب علم جو جماعت اسلامی کی

انتظامیہ کا رُکن تھا اور اس لئے آیا تھا کہ غیر از جماعت طلباء کو جماعت کے خلاف منظم کرے کالج میں داخلے کے لئے آیا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ آپ اس کام کے لئے آئے ہیں تو آپ یہ ضرور کام کریں۔ مَیں آپ کو داخل بھی کر لیتا ہوں اور فیس کی رعایت بھی دیتا ہوں لیکن آپ کو خبر دار کرتا ہوں کہ آپ یہ کام نہیں کر سکیں گے اور میرے کالج میں پڑھنے والے غیر از جماعت طلباء آپ کے دام میں نہیں آئیں گے۔ یہ طالب علم کافی عرصہ تک پوشیدہ اور علانیہ کوشش کرتا رہا لیکن بُری طرح ناکام ہوا۔ اور آپ کی شفقت اور محبت خود اس پر اثر کئے بغیر نہ رہ سکی"

"جب کالج ربوہ میں منتقل ہونا شروع ہوا تو لاہور کے لوگوں کو اس سے بہت بےچینی پیدا ہوئی۔ بعض نے اخباروں میں لکھا کہ جو لوگ شریفانہ ماحول میں تھوڑے خرچ سے اچھی تعلیم دلانا چاہتے ہیں اُن کے بچے کہاں جائیں۔ زبانی بھی ہمیں کہا گیا کہ کالج نہ لے جائیں۔ ایک دفعہ ایک وفد (جس میں چند ایسے لوگ بھی شامل تھے جو ہمارے خلاف ۱۹۵۳ء کی ایجی ٹیشن میں ماخوذ ہوئے تھے) حضور کے دفتر میں ملنے کے لئے آیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے ایجی ٹیشن میں آپ کے خلاف حصہ لیا تھا لیکن اپنے بچے آپ کے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کالج نہ لے جائیں۔ آپ نے فرمایا۔ اس سے زیادہ تعریف آپ کالج کی نہیں کر سکتے۔ لیکن ہماری اپنی مجبوریاں ایسی ہیں کہ ربوہ کا بہرحال حق ہے اس لئے کالج ضرور جائے گا۔ البتہ آپ کا شکریہ۔ الحمد للہ کہ کالج ربوہ آگیا"

بے تکلفی اور پاکیزہ مزاح

چوہدری محمد علی صاحب تحریر کرتے ہیں:۔

"پاکیزہ مزاح بھی ہمارے کالج کا اور خصوصاً ہوسٹل کی تقریبوں کا طرّۂ امتیاز رہا ہے جن میں خود آپ (ایدہ اللہ تعالےٰ) اور آپ کی وُلزلے کار پر محبت اور ادب کے ساتھ تنقید بھی ہوا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ اس عاجز نے ولزلے کے متعلق کچھ کہنے سے منع کر دیا۔ تو ارشاد پہنچا کہ اگر وُلزلے کا ذکر نہ ہوا تو مَیں نہیں آؤں گا۔ مختلف سالوں میں اس پر اتنی نظمیں لکھی گئیں کہ فرمایا کہ تمام نظمیں جمع کرواؤ تاکہ مَیں "دیوانِ کار" چھپوا کر حضور مصلح موعود ایدہ اللہ تعالےٰ کی خدمت میں پیش کروں اور مجھے نئی کار حضور کی طرف سے مل جائے"[1]

[1] "وُلزلے" حضرت پرنسپل صاحب کی ایک پُرانی اور خستہ حال موٹر کار تھی اور اکثر اساتذہ، طلباء اور خود حضرت پرنسپل صاحب کے تفنّن کا سبب بنتی تھی۔ باوجود اس کار کی "پیرانہ سالی" کے آپ اسے ہی استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ ہوسٹل کے سالانہ فنکشن پر طلبہ اس کار کو خوب خوب ہدفِ طنز و مزاح بناتے تھے۔

درویشانہ زندگی

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے مزید لکھتے ہیں :۔

" مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے فرزند اکبر کی درویشانہ شان تھی اور آپ اسی میں مگن تھے۔ کبھی ٹیپ ٹاپ کی طرف آپ کی طبیعت نہیں گئی۔ ایک دفعہ چند آنے گز کی ایک اچکن سلوائی۔ سبز رنگ تھا اور دھاریدار تھی۔ جب آپ نے زیب تن کی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ نہایت قیمتی کپڑا ہے۔ کئی مرتبہ میں نے خود دیکھا کہ اچکن کو پیوند لگا ہوا ہے اور بڑی بڑی تقریبوں میں شامل ہوتے ہیں اور حضور کے داخل ہوتے ہی تمام حاضرین مجلس کی توجہ آپ کی طرف ہو جاتی۔ وقار اور مسکراہٹ اور رُعب یہ اللہ تعالیٰ کی دین تھی۔ بارہا یہ عاجز شکار پر آپ کی خدمت میں ساتھ ہوا کرتا۔ کھانے کا وقت آجاتا تو دیہات کی سادہ تنور کی روٹی پسی ہوئی مرچ اور لسی سے اتنا مزہ لے کر تناول فرماتے کہ گویا اس سے لذیذ اور کوئی کھانا نہیں ہو سکتا "

دُعاؤں کی تلقین

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ کالج کے دفتر میں تشریف فرما تھے کہ دفتر کے ایک کارکن نے طالب علموں کے ڈیڑھ سَو فارم یونیورسٹی میں بھجوانے کے لئے رکھ دیئے۔ آپ ان فارموں پر دستخط بھی کرتے رہے اور ساتھ ہی درود شریف بھی پڑھتے رہے۔ دو تین منٹ کے بعد آپ کو خیال آیا کہ میں ایک بھائی کو نیکی سے محروم کر رہا ہوں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تمہیں اس وقت کوئی کام نہیں۔ تم صرف میرے دستخطوں کے بعد فارم اُٹھا رہے ہو۔ تم فارم بھی اُٹھاتے رہو اور ساتھ ساتھ درود شریف پڑھتے رہو۔ چنانچہ اس کارکن نے بھی درُود شریف کا وِرد شروع کر دیا۔ اور جب آپ سب فارموں پر دستخط فرما چکے تو اس نے نہایت بشاشت سے عرض کیا کہ میں نے دو تین سَو کے درمیان درود شریف پڑھ لیا ہے۔[1]

کالج میں مختلف علمی مجالس کا قیام اور اُن کی غرض و غایت

حضرت صاحبزادہ صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کی توجہ سے کالج میں طلبہ کی علمی نشوونما کے لئے مندرجہ ذیل مشہور علمی مجالس جاری ہوئیں۔ مجلس عمومی، مجلس ارشاد، بزم اردو، سائنس سوسائٹی، مجلس عربی، مجلس علوم معاشرت، مجلس تاریخ، مجلس حیاتیات، مجلس فلسفہ و نفسیات، ریڈیو اور فوٹوگرافک سوسائٹی۔

---

[1] " الفضل " ۲ تبلیغ / فروری ۱۳۴۵ ہش/۱۹۶۶ء صفحہ ۶ ۔

ان اہم مجالس کے قیام کے پیچھے کیا جذبہ کار فرما تھا؟ اس کی تفصیل خود آپ ہی کے الفاظ میں لکھی جاتی ہے فرماتے ہیں :۔

"تحصیل علم کے لئے مندرجہ ذیل چار باتیں ضروری ہیں۔ اوّل علمی باتوں کا غور سے سُننا، دوّم علمی باتوں کے سمجھنے اور اپنانے کی کوشش کرنا، سوّم ان میں سے جو باتیں بظاہر عقل کے خلاف نظر آئیں اُن پر تنقید کرنا اور چہارم ناقابل تسلیم نظریوں کے مقابل اپنے تحقیقی نظریئے پیش کرنا یعنی سُننے سمجھنے تنقید اور تحقیق کرنے کے بغیر صحیح علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ پہلے دو کام کلاس رُوم میں کئے جاتے ہیں جہاں نظم و ضبط کی پابندی از بس ضروری ہے۔ لیکن اگر ہمارا نصب العین محض یہ ہو کہ سُنو اور قبول کرو تو ہماری آئندہ نسل اندھی کُند ذہن ہو گی۔ مذکورہ نصب العین پر ہمیں یہ اضافہ کرنا پڑے گا کہ پرکھو اور تحقیق کرو۔ اور تحقیق و تنقید کے لئے کلاس روم سے باہر بھی علمی مشاغل کا ہونا ضروری ہے اور اسی لئے درسگاہوں میں مختلف علمی مجالس قائم کی جاتی ہیں جن میں سے اہم ترین مجلس کالج کی عمومی مجلس ہے جہاں طلبہ اپنی آراء کا آزادانہ اظہار کرتے ہیں" [۱]

کھیلوں کی سرپرستی

چوہدری محمد علی صاحب ایم۔اے تحریر کرتے ہیں :۔

"سپورٹس کی ایسوسی ایشنیں اعلیٰ سطح پر آپ کی خدمت میں پہنچتیں کہ صدارت قبول فرمائیں تاکہ امن کی فضا قائم ہو۔ آپ پنجاب بیڈمنٹن ایسوسی ایشن کے صدر کئی سال رہے۔ مغربی پاکستان کے بیڈمنٹن کے مقابلے کالج ہال میں ہوا کرتے۔ پھر آپ جیسا کہ ذکر آ چکا ہے باسکٹ بال کی سنٹرل زون کے صدر بنے۔ دیگر کھیلوں کو بھی آپ کی سرپرستی حاصل رہی فٹ بال، کرکٹ، ٹینس، ٹیبل ٹینس تو آپ خود نہایت عمدہ کھیلتے تھے اور اساتذہ اور طلباء کے میچوں میں خصوصاً ہوسٹل ٹیبل ٹینس کے میچوں میں حصہ لیتے رہے۔ روئنگ اور باسکٹ بال کو آپ نے بام عروج تک پہنچا دیا۔ ہائیکنگ میں آپ بے حد دلچسپی لیتے رہے۔ پنجاب ماؤنٹیرنگ کلب اور یونیورسٹی کی ماؤنٹیرنگ کلب جس کے صدر مرحوم ڈاکٹر بشیر وائس چانسلر تھے پارٹیشن کے بعد دونو کے دستور بنانے میں آپ کے خاص مشورے شامل تھے اور عملاً آپ ان کے فاؤنڈر ممبر ہیں۔ لیکن دونوں کلبوں سے کوئی براہِ راست رابطہ قائم نہ رہ سکا۔ البتہ آپ ہائیکنگ اور ماؤنٹیرنگ اور یوتھ ہاسٹلنگ کی ہر آن حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ مرحوم چوہدری لطیف جو

---

[۱] رسالہ "المنار" بابت ماہ احسان/جون ۱۹۵۰ء/۱۳۲۹ ہش صفحہ ۱۲-۱۵

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب پرنسپل
تعلیم الاسلام کالج کی سالانہ کھیلوں کے موقعہ پر خطاب فرما رہے ہیں

پاکستان کے ممتاز ہائیکر تھے آپ کے بے حد معتقد تھے۔

صحتِ جسمانی کیلئے مختلف اہم شعبے

قومی اور ملّی فرائض کی بجاآوری بلکہ پوری زندگی کو صحیح طریق پر گذارنے کے لئے صحتِ جسمانی کا خیال رکھنا ازحد ضروری ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب نے طلبہ کی تربیت کے دوران اس سنہری اصول کو نہ صرف مدّنظر رکھا بلکہ اسے ہمیشہ ہی خاص الخاص اہمیت دی۔ چنانچہ آپ نے ۱۳۲۹-۱۳۳۰ ہش ۱۹۵۰-۵۱ء کی سالانہ رپورٹ میں اپنا مخصوص اور بلند نقطہ نگاہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا :-

"ایک نوزائیدہ مملکت اگر ترقی کی دوڑ میں ترقی یافتہ ممالک سے بازی لینا چاہتی ہے تو اس کے افراد پر سعی پیہم اور مستقل جد وجہد کی بھاری ذمہ داری پڑتی ہے۔ اور لگاتار محنت کرتے چلے جانا جذبہ ملّی اور مضبوط و توانا جسموں کے بغیر ممکن نہیں۔ تمام بیدار ممالک اپنی قوم کی صحت کی طرف خاص توجہ دیتے ہیں اور عام اندازہ کے مطابق ان ممالک کا جتنا روپیہ تعلیم پر خرچ ہوتا ہے اسی کے لگ بھگ رقم وہ ورزشوں وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں۔ اگر ہم نے بھی دُنیا میں ترقی کرنی ہے تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے بچّوں کا خاص خیال رکھیں۔ بوجہ غربت ہم ان کے لئے پُوری خوراک مہیا نہیں کر سکتے۔ لیکن غربت کے باوجود بھی صحیح ورزش انہیں کروا سکتے ہیں۔ یہ مہاجر ادارہ طلباء کے اس شعبۂ زندگی کی طرف بھی خاص توجہ دیتا رہا ہے۔ بہت سے غریب بچّوں کو مُفت دُودھ دیا جا رہا ہے اور عام طور پر یہ کوشش رہی ہے کہ تمام طلبہ ورزش کے ذریعہ سے اپنے جسموں کو مضبوط بنانے کی کوشش کرتے رہیں" [۱]

حضرت میرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے اس عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے کالج میں عسکری تربیت کا خاص اہتمام کرنے کے علاوہ مجلس سیاحت کا قیام فرمایا اور نیز والی بال، بیڈمنٹن، کبڈی، فٹ بال ..... وغیرہ مختلف کھیلوں کو خاص طور پر رواج دیا اور کشتی رانی اور باسکٹ بال کو اوجِ کمال تک پہنچانے میں اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کر دیں۔

طلباء کو زرّیں نصائح

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) طلباء کی اخلاقی، رُوحانی اور علمی رہنمائی کے لئے ہر دم کوشاں رہتے اور وعظ ونصیحت کے ہر اہم

---

[۱] "المنار" شہادت / اپریل ۱۳۳۰ ہش ۱۹۵۱ء صفحہ ۱۵ +

موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ آپ فارغ التحصیل طلبہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات کی روشنی میں خاص طور پر قابل قدر نصائح سے نوازتے اور یہ آپ کا نہایت مرغوب دستور اور معمول رہا۔ مثلاً

۱۔ ۱۳۳۸ہش/۱۹۵۹ء کی سالانہ تقریب اسناد پر کالج کی سالانہ رپورٹ سنانے کے بعد فرمایا:۔

"بالآخر میں بی۔اے اور بی۔ایس۔سی کے امتحانات میں کامیاب رہنے اور انعامات حاصل کرنے والے طلباء سے کہوں گا کہ ہماری زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کو حاصل کرنا ہے۔ تمہیں تمہاری کامیابیاں مبارک ہوں مگر یہ کامیابیاں محض ابتدائی نوعیت کی ہیں۔ ان کامیابیوں کو اصل مقصد کے حصول کا ایک وسیلہ سمجھو۔ ان کی وجہ سے اصل مقصد کو کبھی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دو۔ خدا تعالےٰ کی "توحید زمین پر پھیلانے کے لئے اپنی تمام طاقت سے کوشش کرو۔ اس کے بندوں پر رحم کرو۔ اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی اَور تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو"[۱]

۲۔ ۱۳۴۲ہش/۱۹۶۳ء کی تقریب اسناد پر فرمایا:۔

"تمہیں تمہاری کامیابیاں مبارک ہوں مگر یہ کبھی نہ بھولنا کہ تمہاری یہ کامیابیاں جہاں زندگی کی ایک منزل کی انتہاء ہیں وہاں دوسری منزل کی ابتداء بھی ہیں جہاں تم نے اپنے عمل کے جوہر دکھانے ہیں۔ جہاں تم نے انسانی اقدار کو قائم کرنا اور با اخلاق انسان کی صفات کا مظاہرہ کرنا ہے اور جہاں تم نے (اگر خدا تمہیں توفیق دے) باخدا اور خدا نما انسان کے رُوپ میں دُنیا میں جلوہ گر ہونا ہے ایسے مبارک وجود آج استثناء کا حکم رکھتے ہیں۔ مگر حُسنِ سیرت کے ہر خوبصورت پہلو کو عام کرکے اس استثناء کو قاعدہ کلیہ کی شکل میں ڈھالنا تمہارا (جو تعلیم الاسلام کالج کی پیداوار ہو) فرض ہے اور اس فرض سے تم سبکدوش ہو نہیں سکتے جب تک کہ تم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس نصیحت کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل نہ بناؤ"[۲] (آگے "کشتی نوح" کا اقتباس درج ہے)

۳۔ ۱۳۴۳ہش/۱۹۶۴ء کی سالانہ تقریب اسناد پر یہ بیش قیمت نصائح فرمائیں:۔

"آپ درسگاہ کی تعلیم سے فارغ ہو رہے ہیں مگر تعلیم سے فارغ نہیں ہو رہے۔ علم ایک بحرِ بے کنار ہے۔ اس لئے ایک انسان علم میں خواہ کس قدر ترقی کر جائے علم ختم نہیں ہوتا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا

---

[۱] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ بابت ۱۳۳۷-۳۸ہش/۱۹۵۸-۵۹ء صفحہ ۹۹۔
[۲] روئداد سالانہ تعلیم الاسلام کالج بابت ۱۳۴۱-۴۲ہش/۱۹۶۲-۶۳ء صفحہ ۲۳۔

لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا

کہہ دے کہ اگر سمندر کو سیاہی بنا کر اس سے خدا تعالیٰ کی معرفت کی باتیں، اس کے دیئے ہوئے علم اور قدرت کے راز ضبط تحریر میں لانا چاہو تو وہ ایک سمندر کیا اس جیسا ایک اور سمندر بھی لے آؤ تو وہ بھی ختم ہو جائے گا مگر خدا کی باتیں اور اس کے دیئے ہوئے علوم ختم نہ ہوں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے اور حضور کی اتباع میں ہر مسلمان کی زبان سے یہ کہلوایا کہ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ اے اللہ مجھے اپنی معرفت اور علم میں بڑھاتا چلا جا۔ پس علم کبھی نہ ختم ہونے والی چیز ہے۔ اس لئے آپ تادم حیات علم کی جستجو میں رہیں اور اس کے حصول کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کے ساتھ ہو" [1]

۴۔ ماہ امان/مارچ ۱۳۷۴ہش/۱۹۹۵ء کی سالانہ تقریب کے موقعہ پر کامیاب طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"حقیقی علم کا ابدی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ سُنی سُنائی باتوں یا درسی کتب سے آپ نے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے گھڑے یا مشکیزے کا پانی جو اپنے سرچشمہ سے دُور ہو جانے کی وجہ سے مرورِ زمانہ کے ساتھ متعفن، بدبودار اور مضر صحت ہو جاتا ہے۔ اگر آپ علم سے محبت رکھتے ہوں تو ضروری ہے کہ آپ کا تعلق علم کے حقیقی سرچشمہ سے ہمیشہ مضبوط رہے۔ پس اپنی عقل اور علم پہ تکیہ نہ کرو بلکہ ہمیشہ علامِ حقیقی کے آستانہ پہ عاجزی اور انکساری کے ساتھ جُھکے رہو تا اس تعلق کے طفیل تمہارے دلوں سے بھی ہمیشہ مصفّٰی، میٹھے اور لذیذ علم کے چشمے پھوٹتے رہیں۔ اگر تمہارا یہ تعلق اپنے رب سے جو خالقِ کُل اور عالمِ کُل ہے پختہ اور مضبوط رہا تو علم وحکمت کا ایسا خزانہ تمہیں ملے گا جو دُنیا کی تمام دولتوں سے اشرف ہے۔ دنیا کی دَولت فانی ہے لیکن علم وحکمت کا جو خزانہ تمہیں ملیگا اس پہ فنا نہیں آئے گی۔ پس دُعا اور عاجزی کے ساتھ اپنے مُحسن، اپنے رب سے بصیرت اور معرفت طلب کرتے رہو۔

یہ بھی نہ بھولنا کہ انسان علم اس لئے حاصل کرتا ہے کہ خود اس سے فائدہ اُٹھائے اور دوسروں کی خدمت کرے۔ حقیقی علم کے حصول کے بعد انسان ہزار برائیوں سے بچتا اور بے شمار نیکیوں کی توفیق پاتا ہے۔ اور بڑا ہی بدبخت ہے وہ جسے معرفت تو عطا ہوئی، جس نے علم تو حاصل کیا مگر

[1] رسالہ "المنار" بابت وفا/ظہور۔ تبوک/جولائی۔ اگست۔ ستمبر ۱۳۴۳ہش/۱۹۶۴ء صفحہ ۲۷-۳۸

اس کے باوجود وہ غفلت اور گمراہی میں ہی پڑا رہا۔ نہ خود فائدہ اُٹھایا نہ دوسروں کی خدمت کر سکا۔ پس ہمیشہ عالمِ باعمل بننے کی کوشش کرو۔ خدا تعالےٰ تمہارے ساتھ ہو اور اپنے سایۂ رحمت میں ہمیشہ تمہیں رکھے" [1]

تعلیم الاسلام کالج سے متعلق دوسروں کے تاثرات

حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالےٰ) کی بابرکت قیادت کے زمانہ میں کالج کا نظام تعلیم و تربیت کس درجہ کامیاب رہا اس کا کسی قدر اندازہ اُن تاثرات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے جن کا اظہار غیر از جماعت حلقوں سے تعلق رکھنے والے مشہور اہلِ علم اور سربرآوردہ اصحاب نے کیا ہے۔

۱۔ میاں افضل حسین صاحب (وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی)

"میرے لئے یہ امر باعث مسرت ہے کہ تعلیم الاسلام کالج ہر اعتبار سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے" [2]

۲۔ پروفیسر سراج الدین صاحب (سکرٹری محکمہ تعلیم مغربی پاکستان)

"خالصتہً ذاتی عزم و کوشش کے نتیجہ میں ربوہ میں تعلیم الاسلام کالج جیسی درسگاہ کو قائم کر دکھانا اور پھر اسے پروان چڑھا کر اس کے موجودہ معیار پر لانا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ تعلیم الاسلام کالج کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اسے ایک ایسے پرنسپل کی راہنمائی حاصل ہے جو ایمان و یقین، خلوص و فدائیت اور بلند کرداری کے اعلیٰ اوصاف سے مالا مال ہے۔ آج ہم کو ایسے ہی باہمت، بلند حوصلہ اور اہل انسانوں کی ضرورت ہے۔ ہر چند مجھے پہلی بار تعلیم الاسلام کالج کی حدود میں قدم رکھنے کا اتفاق ہوا ہے تاہم مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے دل میں اور ان تمام لوگوں کے دلوں میں جو اس صوبے میں تعلیم سے کسی نہ کسی طرح متعلق ہیں محبت کا ایک خاص مقام ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تعلیم الاسلام کالج دو نمایاں اور ممتاز شخصیتوں ـــــ والد اور فرزند ـــــ کی محنت، محبت اور شفقت کا ثمرہ ہے۔ میری مراد آپ کی جماعت کے واجب الاحترام امام جو اس کالج کے بانی ہیں اور اُن کے لائق و فائق فرزند مرزا ناصر احمد سے ہے۔ وہ اپنے مشہور و معروف خاندان کی قائم کردہ روایات کو وقف کی رُوح اور ایک ایسے جذبہ و جوش کے ساتھ چلا رہے ہیں جو دوسرے ممالک میں بھی شاذ ہی نظر آتا ہے۔ جب مَیں اس کالج پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے انگلستان

---

[1] روئداد سالانہ تعلیم الاسلام کالج ۱۳۴۳-۴۴ ہش / ۱۹۶۴-۶۵ء صفحہ ۲۱

[2] "الفضل" ۲۱ احسان/جون ۱۳۳۴ ہش / ۱۹۵۵ء صفحہ ۱

اور امریکہ میں علم کی ترویج اور اس کے فروغ کے متعلق انسانوں کے وہ عظیم محسن یاد آئے بغیر نہیں رہتے جنہوں نے خدمت کی نیت سے آکسفورڈ، کیمبرج اور ہارورڈ میں کالج قائم کئے۔ خالصتہً ذاتی عزم و ہمت کے بل بوتے پر ربوہ میں ایک ایسی درسگاہ قائم کر دکھانا ایک عظیم کارنامہ ہے اور پھر اس کی آبیاری کرنا اور پروان چڑھا کر اُسے حُسن و خوبی اور مضبوطی و استحکام سے مالا مال کر دکھانا اور بھی زیادہ قابلِ ستائش ہے۔ ایک ایسے پرائیویٹ ادارے کو دیکھ کر جو باہمی مخاصمت اور ایک دوسرے کے خلاف سازشوں سے پاک ہو اور جس کی تمام تر کوششیں اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کے لئے وقف ہوں، استعجاب اور رشک کے جذبات کا اُبھرنا ایک قدرتی امر ہے

آپ کے امامِ جماعت کو علم اور اس کی ترویج سے جو محبت ہے آپ کے پرنسپل صاحب اور ممبرانِ سٹاف ایسے ماہرینِ تعلیم بھی اس میں حصہ دار ہیں۔

مرزا ناصر احمد صاحب جنہیں اپنے شاگردوں میں شمار کرنا میرے لئے باعثِ عزت ہے برصغیر ہند و پاکستان کے نامور فاضل اور ماہرِ تعلیم ہیں۔ یہ کالج کی خوش قسمتی ہے کہ اُسے ایک ایسے پرنسپل کی راہ نمائی حاصل ہے جو اپنی زندگی میں آج کے دن تک بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ مقررہ نصب العین کے حصول میں کوشاں چلے آ رہے ہیں اور زمانے کے اُتار چڑھاؤ ان کے لئے کبھی سدِّ راہ ثابت نہیں ہو سکے۔ ان سے کم اہلیت اور کم عزم و حوصلہ کا انسان ہوتا تو زمانے کے اُتار چڑھاؤ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ ہمیں ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت ہے جو ایمان و یقین، فدائیت اور بلند کرداری کے اوصاف سے متصف ہوں۔

مرزا ناصر احمد سے تعارف اور ان کی دوستی کے شرف سے مشرف ہونا عزم و ہمت کے ازسرِ نو بحال ہونے کے علاوہ خود اپنے آپ کو اس مستقبل کے بارے میں جو زمانے کے پریشانکن بادلوں کے پیچھے پوشیدہ ہے ایک پختہ اور غیر متزلزل اتحاد سے بہرہ ور کرنے کے مترادف ہے"[۵۱]

۲۔ جناب حمّاد رضا صاحب کمشنر سرگودھا ڈویژن

"مَیں مبارک باد دیتا ہوں اس کالج کے بانیوں کو کہ انہوں نے اس ادارہ کو قائم کیا۔ اور پھر اُسے ترقی دے کر اس حد تک لائے اور اب اسے اور ترقی دینے کے خواہاں ہیں۔ مجھے پرنسپل

---

۵۱ "المنار" جلد ۱۲ شمارہ ۲، ۳ صفحہ ۵، ۶

صاحب سے پتہ چلا ہے کہ ہر سال ہی کالج کے نتائج یونیورسٹی اور بورڈ کی شرح فیصد سے زیادہ رہتے ہیں۔ یہ امر واقعی باعث مسرت ہے۔ مَیں پرنسپل صاحب اور اُن کے سٹاف کی خدمت میں دلی مبارکباد عرض کرتا ہوں کہ وہ ایک ایسے ادارہ کی سربراہی کا فرض ادا کر رہے ہیں جس پر وہ فخر کر سکتے ہیں" [۱]

۴۔ سابق سیکرٹری محکمہ تعلیم جناب **انور عادل** صاحب سی۔ ایس۔ پی سیکرٹری صوبائی وزارت داخلہ

"بلا شبہ آپ کا یہ تعلیمی ادارہ اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ہے کہ اُسے وہ ماحول میسّر ہے جسے ہم صحیح معنوں میں تعلیمی ماحول کہتے ہیں۔ یہاں دھیان بٹانے اور توجہ ہٹانے والی بے مقصد قسم کی غیر علمی مصروفیات ناپید ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس خالص تعلیمی ماحول میں حصول تعلیم اور کردار سازی کے نقطۂ نگاہ سے آپ کو یہاں ایک بھرپور زندگی بسر کرنے کا زرین موقع حاصل ہے اور آپ لوگ سیرت و کردار کے یکساں سانچوں میں ڈھلتے ہوئے نظر آتے ہیں" [۲]

۵۔ **جسٹس سجاد احمد جان جج عدالت عالیہ مغربی پاکستان لاہور**

"اس ادارہ میں تربیت کی کشتی کے چپّو بڑے ہی پختہ کار ہاتھوں میں ہیں جو جانتے ہیں کہ ماحول کے ساتھ مناسبت پیدا کر کے بالآخر ماحول پر کس قدر غلبہ پایا جا سکتا ہے۔ یہ بجائے خود بہت بڑی خوبی پر دلالت کرتا ہے" [۳]

۶۔ **جسٹس انوار الحق صاحب جج ہائیکورٹ مغربی پاکستان لاہور**

"آج آپ کے ادارہ میں آکر میری اپنی طالب علمی کا دَور میری آنکھوں کے سامنے آگیا۔ آکسفورڈ جیسی فضا دیکھ کر میرے دل میں پُرانی یادیں تازہ ہوگئی ہیں اور مَیں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو مثالی تعلیمی اور تربیتی ماحول میسّر ہے جہاں دوسری جگہوں کی مضرت انگیز مصروفیات ناپید ہیں" [۴]

۷۔ **پروفیسر حمید احمد خاں صاحب وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی**

"یہ کالج دوسری غیر سرکاری درسگاہوں کی طرح ہمارے قومی نظامِ تعلیم میں ایک خاص

---

[۱] "الفضل" ۷/اخاء/اکتوبر ۱۳۴۱ ہش/۱۹۶۲ء صفحہ ۸۔ [۲] سالانہ رپورٹ تعلیم الاسلام کالج ۶۲-۱۹۶۱ء صفحہ ۴۔

[۳] " ۸/فتح/دسمبر ۱۳۴۱ ہش/۱۹۶۲ء۔

[۴] " ۱۴/ " " ۔

مقام رکھتا ہے۔ مجھے اس میں قطعاً شُبہ نہیں کہ قومی جماعتوں اور انجمنوں کی قائم کی ہوئی درسگاہیں اپنی خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود ہماری اجتماعی زندگی میں ایک بنیادی ضرورت کو پورا کر رہی ہیں اور ان کے نہ ہونے سے ہماری زندگی میں ایک خلا ہوگا" [۱]

۸۔ مولانا صلاح الدین احمد ایڈیٹر "ادبی دُنیا"

"آپ کی . . . خوش بختی یہ ہے کہ آپ نے جس ادارے میں تعلیم و تربیت پائی ہے وہ دُنیا میں دین کے امتزاج کا ایک نہایت متوازن تصور پیش کرتا ہے نہ صرف پیش کرتا بلکہ اُسے عملِ مسلسل میں ملبوس بھی کرتا چلا جاتا ہے۔ خدا وہ دن جلد لائے جب ہم اس کالج کو ایک معیاری، مکمل اور منفرد کلیہ کی حیثیت و صورت میں دیکھ سکیں اور کوئی وجہ نہیں کہ جہاں کام کو کام بلکہ ایک مشن تصور کیا جاتا ہے، جہاں طلباء کو فقط پڑھایا نہیں جاتا بلکہ ان کے مزاجوں میں ایک گونہ شگفتہ سنجیدگی اور کردار میں ایک شریفانہ صلاحیت پیدا کی جاتی ہے اور جہاں اساتذہ کی قربانیاں اور جانفشانیاں اپنے پیچھے ایک کہکشانِ نُور چھوڑتی چلی جاتی ہیں وہاں اہلِ خیر کی تمنائیں کیوں نہ فروغ پائیں گی اور اہلِ قلم کے عزائم کیوں نہ پُورے ہوں گے" [۲]

۹۔ ڈاکٹر ظفر علی ہاشمی وائس چانسلر زرعی یونیورسٹی لائل پور

"تعلیم الاسلام کالج ملک کا وہ ممتاز ترین ادارہ ہے جہاں کے طلباء کا اوڑھنا بچھونا علم ہے اور وہ علم کے حصول کو بھی ایک عبادت تصور کرتے ہیں"

"آپ لوگ اپنی قومی زبان کی جو خدمت کر رہے ہیں وہ ہر لحاظ سے قابلِ تحسین اور قابلِ ستائش ہے" [۳]

۱۰۔ مولانا عبدالمجید صاحب سالک مدیر "انقلاب" لاہور

"تعلیم الاسلام کالج احمدی جماعت اور پرنسپل میاں ناصر احمد کی مخلصانہ مساعی اور شبانہ روز محنت کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ اس کالج کے کارکن جماعت کے تعمیری و تعلیمی تصورات کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہیں اور میرے نزدیک اس درسگاہ کی سب سے بڑی خصوصیت اور برکت یہ

---

[۱] "المنار" جلد ۱۴ شمارہ ۳، ۴ [۲] "المنار" اخاء۔نبوت۔ فتح/اکتوبر۔نومبر دسمبر ۱۳۴۲ہش/۱۹۶۳ء صفحہ ۱۶

[۳] "الفضل" اخاء/اکتوبر ۱۳۴۲ہش/۱۹۶۳ء صفحہ ۱

ہے کہ ربوہ کی فضاء آجکل کی شہری آلودگیوں سے قطعی طور پر محفوظ ہے اور وہ ترغیبات بالکل مفقود ہیں جو تربیت اخلاقی میں حائل ہو کر تعلیم کے بلند تصورات کو برباد کر دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس درسگاہ کو پاکستانیوں کیلئے زیادہ سے زیادہ مفید و بابرکت بنائے اور اس کے کارپردازوں کو بیش از پیش سعی و جدوجہد کی توفیق عطا فرمائے۔

ربوہ ۱۱ر فروری ۵۸ء عبدالمجید سالک"

۱۱۔ جناب عبدالحمید صاحب دستی وزیر تعلیم مغربی پاکستان

"تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی اسلامی روایات قابل تقلید و ستائش ہیں پرنسپل میاں ناصر احمد کی مساعی ادارے کی ہر نوع میں تعمیر کے متعلق مبارکباد کی مستحق ہیں . . . . ادارے کے معائنہ سے مجھے بہت اطمینان اور راحت نصیب ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس درسگاہ کو برکت عطا فرمائے۔

عبدالحمید دستی ۷ر مارچ ۵۸ء"

۱۲۔ صوفی غلام مصطفیٰ صاحب تبسم مدیر "لیل و نہار" و پروفیسر فلاسفی گورنمنٹ کالج لاہور

"تعلیم الاسلام کالج اور متعلقہ اداروں کو دیکھ کر ہمیں روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ چند سالوں میں یہاں جس تیز رفتاری اور خوش اسلوبی سے ترقی ہوئی ہے وہ کارکنوں کے خلوص، بلند ہمتی اور استقلال کا نتیجہ ہے۔ توقع ہے کہ یہ جگہ تھوڑے ہی عرصے میں ہمارے ملک کی ایک معیاری اور قابل رشک جگہ ہوگی"

فصل ہفتم

کالج کے اکیس ۲۱ سالہ دور میں دعاؤں کی برکت سے آسمانی نصرتوں کے روح پرور نظارے!

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب مئی/ہجرت ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء سے لے کر ۸ر نبوت/نومبر ۱۳۴۴ہش ۱۹۶۵ء تک کالج کے سربراہ رہے۔ ازاں بعد خدائے عزوجل کی طرف سے آپ کو دنیا بھر کی تعلیم و تربیت اور راہ نمائی کے لئے منصبِ خلافت پر سرفراز فرما دیا گیا۔ آپ کے اکیس ۲۱ سالہ تعمیری و اصلاحی دورِ قیادت میں اس درسگاہ نے انتہائی ناموافق اور پُرخطر حالات اور بے حد مشکلات کے باوجود جو فقید المثال ترقی کی وہ بلا شبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کے فرزندِ جلیل حضرت مسیح موعود و مہدیٔ مسعود علیہ السلام کی بیت الدعا والی دُعاؤں کی قبولیت کا زبردست نشان ہے جو رہتی دُنیا تک قائم رہے گا۔ مگر ان دُعاؤں کی تاثیرات کو کھینچ لانے میں سیدنا المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی راہنمائی، رُوحانی توجہ اور قوتِ قدسیہ کے ساتھ ساتھ حضرت صاحبزادہ صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) کی اُن درد و سوز میں ڈوبی ہوئی دُعاؤں کا بھی یقیناً بھاری دخل ہے جو آپ ہمیشہ اس درسگاہ کے لئے کرتے رہے اور جن کے نتیجہ میں قدم قدم پر خدائی نصرتوں اور برکتوں کا ظہور ہوا۔ اور جن کا ایمان افروز مختصر سا تذکرہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی زبان مبارک سے اس آخری فصل میں کیا جاتا ہے۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۵ ر نبوت / نومبر ۱۳۴۴ ہش / ۱۹۶۵ء کو اساتذہ و طلبہ تعلیم الاسلام کالج کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :۔

"میں اس درسگاہ سے قبل مختلف دَوروں سے گذرا ہوں۔ طالب علمی کے زمانہ میں پہلے مَیں نے قرآن کریم حفظ کیا۔ پھر دینی اور عربی تعلیم حاصل کی؛ اور پھر دنیوی تعلیم کے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ گورنمنٹ کالج میں پڑھا۔ پھر انگلستان گیا اور آکسفورڈ میں بھی پڑھا۔ جب میرا تعلیمی زمانہ ختم ہوا اور مَیں انگلستان سے واپس آیا تو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے جامعہ احمدیہ میں بطور اُستاد لگا دیا۔ اس وقت مجھے عربی تعلیم چھوڑے قریباً دس سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ اس لئے میرے دماغ نے کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کی۔ کیونکہ وہ علوم جو میرے دماغ میں اب تازہ نہیں رہے تھے وہی علوم مجھے پڑھانے پر اب مقرر کر دیا گیا اور مَیں نے دل میں کہا کہ اللہ خیر کرے اور مجھے توفیق دے کہ مَیں اپنی ذمہ واری کو صحیح طور پر نباہ سکوں۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مجھے جامعہ احمدیہ کا پرنسپل بنا دیا گیا۔ اس وقت مجھے اللہ تعالیٰ کے پیار اور حُسن کا عجیب تجربہ ہوا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فضل کیا کہ میری کلاس جب پہلی دفعہ یونیورسٹی میں گئی تو جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے سارے کے سارے طلبہ پاس ہو گئے۔ اس وقت مجھے اپنے ربّ کی قدرتوں کا مزید یقین ہوا۔ اور مَیں نے سمجھا کہ علوم کا سیکھنا اور سکھانا بڑی حد تک اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے اور کمزور انسان ہونے کی حیثیت سے ہماری کوششوں میں جو کمی رہ جاتی ہے اس کی کمی کو ہم اپنی دُعاؤں سے پُورا کر سکتے ہیں۔ یہ تجربہ ۱۹۴۱ء ۱۹۴۰ء سے اب تک مجھے رہا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ اس کالج میں بھی سب سے کم لیکچر دینے والا مَیں ہی تھا۔ اگر دوسرے اساتذہ

سَو سَو لیکچر دیتے تو مَیں چالیس پچاس سے زیادہ لیکچر نہ دے سکتا تھا۔ شاید کچھ اپنی غفلت کی وجہ سے اور کچھ اپنی دیگر ذمہ داریوں کی وجہ سے۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کے حضور دُعائیں کرنے کی وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل رہا ہے کہ جو پرچہ مَیں پڑھاتا رہا ہوں (اکنامکس اور پولٹیکل سائنس پڑھائے ہیں) اس کے بڑے اچھے نتائج نکلتے رہے ہیں۔ ایک کلاس میری ایسی تھی کہ جس کے متعلق ایک دفعہ مجھ پر یہ اثر ہوا کہ مَیں نے کچھ حصّے ان کو صحیح رنگ میں نہیں پڑھائے اور اس میں طلبہ کمزور ہیں۔ امتحان سے پندرہ بیس دن پہلے مجھے خیال آیا کہ ایک عنوان ایسا ہے کہ اگر مَیں اس کے متعلق ان کو نوٹ تیار کر کے دے دُوں تو خدا کے فضل سے یہ طلبہ بڑا اچھا نتیجہ نکال لیں گے چنانچہ مَیں نے ایک نوٹ تیار کیا اور کوشش کر کے مَیں نے خود طالب علموں کے پاس پہنچایا اور ان کو کہا کہ اس کو یاد کر لو۔ چنانچہ جب پرچہ آیا تو اس میں تین سوال ایسے تھے جو میرے اس نوٹ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور چونکہ وہ مختصر اور کمپری ہنسو (مکمل) تھا اور تازہ تازہ ان کے ذہن میں تھا۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ اس سال نصف سے زیادہ طلبہ نے اس پرچہ میں فرسٹ ڈویژن حاصل کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا۔

پس میرے اپنے سارے زمانہ میں یہ تجربہ رہا ہے کہ جب ہم اپنے ربّ کی طرف عاجزی اور انکساری کے ساتھ جھکتے ہیں تو وہ اپنے فضل اور رحم کی بارشیں ہم پر کرتا ہے۔ ہمارا خدا بخیل نہیں بلکہ بڑا دیالو ہے۔ اگر کبھی ہم کامیاب نہیں ہوتے تو اس کا سبب صرف یہ ہوتا ہے کہ ہم بعض دفعہ لاپرواہی سے کام لیتے ہیں اور اس کی طرف جھکنے کی بجائے دوسرے دروازوں کو کھٹکھٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ دروازے کھولے نہیں جاتے۔

تو اس زمانہ میں جب مَیں جامعہ میں تھا مَیں نے اپنا دل اور دماغ اس ادارے کو دے دیا تھا اور بڑی محنت سے اس کی نشوونما کی طرف توجہ کی تھی۔ اور اس زمانہ میں جب میں نے حساب لگایا تو مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ پہلے یا دوسرے سال جتنے جامعہ احمدیہ کے واقفینِ زندگی تبلیغ اسلام کے میدان میں اُترے اس سے پہلے پانچ یا سات سال کے طلبہ کی مجموعی تعداد بھی اتنی نہ تھی۔ اور اس زمانہ کے بہت سے طالب علم ہیں جو اس وقت تبلیغی میدان میں کام کر رہے ہیں۔

پھر ۱۹۴۴ء میں جب مَیں اپنی بیگم کی بیماری کی وجہ سے اُن کے علاج کے لئے دہلی گیا ہوا تھا۔ اچانک ایک دن ڈاک میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط مجھے ملا کہ یہاں قادیان میں ایک کالج کھولنے کا فیصلہ ہوا ہے اور حضرت صاحب نے تمہیں اس کالج کا پرنسپل مقرر فرمایا ہے۔ مَیں بڑا پریشان ہوا۔ کہ پہلے مَیں عربی قریباً بھول چکا تھا تو مجھے جامعہ میں لگا دیا گیا۔ اب جب میرا ذہن کلّی طور پر اس چیز کی طرف متوجہ ہو چکا ہے تو مجھے وہاں سے ٹرانسفر کر کے ایک انگریزی ادارے کا پرنسپل بنا دیا گیا ہے۔ اس وقت ابھی صرف انٹرمیڈیٹ کالج تھا۔ خیر خدا تعالیٰ سے دُعا کی کہ وہ اس ذمہ داری کو بھی سنبھالنے کی توفیق دے اور ہماری کوششوں میں برکت ڈالے۔ ابتداء بالکل چھوٹے سے کام سے ہوئی۔ اس جماعت پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس میں جو ساتھی ملتے ہیں وہ بڑے پیار سے کام کرنے والے اور تعاون کرنے والے ہوتے ہیں۔ گو بہت سے میری طرح بالکل RAW (خام) تھے۔ مَیں اس وجہ سے RAW تھا کہ اس میدان سے بالکل ہٹ چکا تھا اور عربی کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اور اکثر ان میں سے وہ تھے جو ایم۔ اے پاس کرتے ہی وہاں آ گئے تھے۔ جنہیں کوئی تجربہ نہ تھا۔ باقی سب RAW ہی تھے۔ ہم نے جو کوششیں کیں وہ توکیں، ہمارے جو وسائل تھے شاید آپ ان کا اندازہ بھی نہیں کرسکتے۔

ایک چھوٹی سی مثال سے اس کو واضح کر دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ ایک لمبے عرصہ تک پرنسپل کے دفتر کے سامنے چِق بھی نہ تھی۔ دروازہ یونہی کھلا رہتا تھا۔ پھر ان چقوں کے حصول کے لئے محترم قاضی محمد اسلم صاحب کو سپیشل سفارش کرنی پڑی۔ تب جا کر اس دفتر کو چقیں نصیب ہوئیں اور ایک حد تک اطمینان اور پرائیویسی جو کام کرنے کے لئے ضروری ہوتی ہے میسر آئی۔

پھر مالی لحاظ سے بھی خدا تعالیٰ کا میرے ساتھ عجیب سلوک رہا ہے کہ مَیں نے کبھی نہیں سوچا اور نہ دیکھا اور نہ پتہ کیا کہ ہمارے کھاتوں میں کتنی رقم ہے۔ ہمیشہ یہ سوچا کہ جو خرچ آ پڑا ہے وہ ضروری ہے کہ نہیں اور اس خرچ میں کوئی فضول خرچی تو نہیں۔ ناجائز حصہ تو نہیں۔ اگر جائز ضرورت ہوتی تو پھر یقین ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم کرتے ہوئے اس جائز ضرورت کو پورا کرنے کی ذمہ داری لی ہوئی ہے۔ پھر جب سال گذرتا، حساب کرتے تو ساری رقوم ایڈجسٹ ہو جاتیں اور کبھی فکر یا تردد کرنا نہیں پڑا۔ ورنہ یہ کالج جس میں آپ اس وقت بیٹھے ہیں کبھی نہ بنتا۔

جب مَیں نے اس کالج کا نقشہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے حضور پیش کیا تو آپ مُسکرائے اور فرمایا کہ اتنا بڑا کالج بنانے کے لئے میرے پاس پیسے نہیں۔ مَیں تمہیں ایک لاکھ روپیہ کالج کے لئے اور پچاس ہزار روپیہ ہوسٹل کے لئے دے سکتا ہوں۔ اور یہ نہیں کرنے دوں گا کہ کالج کی بنیادیں اس نقشہ کے مطابق بھر لو اور پھر میرے پاس آجاؤ کہ جی! آپ کا دیا ہوا لاکھ روپیہ خرچ ہوگیا ہے۔ کالج کی صرف بنیادیں بھری گئی ہیں، تکمیل کے لئے اور پیسے دے دو پس انجنیئر سے مشورہ کرکے اس نقشہ پر سُرخ پنسل سے نشان لگواؤ کہ ایک لاکھ سے بلڈنگ کا اتنا حصّہ بن جائے گا وہ مَیں نے تم سے بنا ہوا لے لینا ہے۔

مَیں نے اس وقت جرأت سے کام لیتے ہوئے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ ٹھیک ہے مَیں حضور سے پیسے مانگنے نہیں آیا، نقشہ منظور کرانے آیا ہوں اس کے لئے حضور دعا فرماویں۔ مَیں لکیریں لگوا کر لے آؤں گا۔ لیکن مجھے اجازت دی جائے کہ جماعت سے عطایا وصول کرسکوں۔ حضور نے فرمایا۔ ٹھیک ہے عطایا وصول کرو لیکن لکیریں ڈلوا کر لاؤ۔

مَیں نے نقشہ پر مشورہ کرنے کے بعد لکیریں ڈالیں۔ پھر حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ تب حضور نے منظوری دی کہ کام شروع کردو۔ لیکن اس کے بعد نہ مجھے یاد رہا کہ وہ لکیریں کس حصّہ پر ڈالی گئی تھیں نہ حضورؓ کو یہ کہنے کی ضرورت پڑی کہ لکیریں کہیں اور ڈالی گئی تھیں اور کالج کا پھیلاؤ زیادہ ہوگیا ہے اور رقم کا مطالبہ کر رہے ہو۔

تو اللہ تعالےٰ ہر مرحلہ پر آگے بڑھنے کی توفیق دیتا چلا گیا۔ جب ہم ایک جگہ پہنچتے تو مَیں اپنے ساتھیوں کو جو تعمیر کر رہے تھے کہہ دیتا کہ اگلا کام بھی شروع کرا دو۔ جب وہ حصّہ بن جاتا تو مَیں کہتا کہ اب اگلا حصہ بھی بنا لو۔ مَیں شاہد ہوں اس بات کا اور پورے یقین اور وثوق کے ساتھ آپ کو یہ بات بتا رہا ہوں کہ آجتک مجھے (جو خرچ کرنے والا تھا) پتہ نہیں کہ یہ رقم کہاں سے آئی جیسا کہ آپ جانتے ہیں سب آمد خزانہ میں جاتی ہے اور سب خرچ چیکوں کے ذریعہ ہوتا ہے لیکن کبھی ہم نے اس کو سمیٹا نہیں۔ یہ کالج کی عمارت، ہوسٹل اور دوسری بلڈنگیں ہیں وہ سب ملا کر ایک لاکھ مربع فٹ سے اُوپر ہیں اور میرا اندازہ ہے کہ ان پر چھ سات لاکھ روپیہ کے درمیان خرچ آیا ہے۔ بعض دفعہ اچھے پڑھے لکھے غیر از جماعت دوست آتے ہیں اور ان سے بات چیت ہوتی

ہے تو وہ یقین نہیں کرتے کہ اتنی تھوڑی رقم میں اتنی بڑی عمارت کھڑی ہو سکتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہم اُن سے چالاکی کر رہے ہیں، صحیح رقم بتانے کے لئے تیار نہیں۔

توجہاں تک ضروریات اور اسباب کا سوال ہے اللہ تعالیٰ نے ۱۹۴۴ء سے ہی اس ادارے پر اپنا خاص فضل کیا ہے اور اپنی رحمتوں کے سائے میں اُسے رکھا ہے۔ وہ ہماری کمزوریوں کو اپنی مغفرت کی چادر سے ڈھانپ لیتا ہے اور نتائج محض اس کے فضل سے اچھے نکلتے ہیں۔ میرے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا۔ اور مجھے یقین ہے کہ میرے ساتھیوں کے دل میں بھی کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا ہوگا کہ یہ سب کچھ ہماری کوششوں کا نتیجہ ہے کیونکہ ہم اپنی کوششوں کو خوب جانتے ہیں اور ہم سے زیادہ ہمارا رب جانتا ہے۔ جس ادارے پر اللہ تعالیٰ نے اس کثرت کے ساتھ اپنے فضل اور احسان کئے ہوں اس ادارہ کی طرف منسوب ہونے والے خواہ وہ پروفیسر ہوں یا طلبہ ان سب کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر وقت اپنے رب کی حمد کرتے رہیں تاکہ اس کے فضلوں کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے۔

جہاں تک میرے جذبات کا سوال ہے تو جو میرے جذبات پہلے جامعہ احمدیہ کے متعلق تھے وہی جذبات میرے دل میں اس ادارہ کے متعلق پیدا ہوئے اور مَیں نے اپنے دل کو، اپنے دماغ کو اور اپنے جسم کو اس ادارہ کے لئے خدا کے حضور بطور وقف پیش کر دیا اور بڑی محبت اور پیار کے ساتھ اس کو چلانے کی کوشش کی اور ان طلبہ کو جو یہاں تعلیم پاتے تھے مَیں نے اپنے بچوں سے زیادہ عزیز سمجھا۔ بیشک مَیں نے جہاں تک مناسب سمجھا سختی بھی کی۔ لیکن اس وقت سختی کی جب مَیں نے اُسے اصلاح کا واحد ذریعہ پایا اور بعد میں مجھے اس دُکھ کی وجہ سے راتوں جاگنا پڑا کہ کیوں میرے ایک بچہ نے مجھے اس سختی کے لئے مجبور کر دیا تھا کہ مجھے یہ قدم اُٹھانا پڑا۔ کئی راتیں ہیں جو مَیں نے آپ کی خاطر جاگتے گذار دیں اور ہمیشہ ہی آپ کے لئے دُعائیں کرتا رہا اور پھر مَیں نے اپنے رب کا پیار بھی محسوس کیا کہ وہ اپنے فضل سے میری اکثر دُعائیں قبول کرتا رہا اور کبھی کسی موقعہ پر بھی میرے دل میں ناکامی، نامرادی یا ناامیدی کا خیال تک پیدا نہیں ہوا۔ اور نہ ہی ان دلوں میں پیدا ہونا چاہیئے جنہوں نے اس کام کو کرنا ہے۔"[1]

---

[1] "الفضل" ۱۵ فتح/دسمبر ۱۳۴۴ہش / ۱۹۶۵ء

دُوسرا باب

سپین میں پرچم اسلام لہرانے کا عزم، خلیفۂ وقت کی حفاظت کا مسئلہ، برصغیر کی احمدی جماعتوں کیلئے الانذار، سیدنا المُصلح الموعود کی آخری شادی، ستیارتھ پرکاش کے مکمل جواب کی تجویز، مُصلح موعُود کے دَورِ جدید کا پہلا سالانہ جلسہ

اور

دُوسرے اہم متفرق واقعات

فصل اوّل

ماہ شہادت/اپریل تا ماہ احسان/جون

۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء

ہم تعلیم الاسلام کالج کی مفصل تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے ماہ امان/مارچ ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء سے ابتدا کر کے ۱۳۴۴ ہش/۱۹۶۵ء کے آخر تک پہنچ گئے تھے۔ اب ہم ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کے بقیہ اہم واقعات کی طرف پلٹتے ہیں۔

جماعت کو صحابہ کے بابرکت وجود سے فائدہ اُٹھانے کی خاص ہدایت

حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہمیشہ ہی احباب جماعت کو یہ تلقین فرماتے رہتے تھے کہ وہ صحابہ کے مبارک زمانہ کو غنیمت سمجھیں، اُن سے فیض صحبت اُٹھائیں اور اُن کے

رنگ میں رنگین ہو کر زندہ ایمان اور کامل عرفان پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اسی سلسلہ میں حضور نے ۱۳۲۳ھ ش / ۱۹۴۴ء کے آغاز میں ایک دردانگیز خطبہ ارشاد فرمایا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص صحابہ میں سے خصوصاً حضرت منشی رستم علی صاحب (آف مدار ضلع جالندھر) کے جذبۂ ایثار و فدائیت کی مثال دیتے ہوئے بتایا کہ

"چوہدری رستم علی صاحب رضی اللہ عنہ غالباً پہلے سب انسپکٹر تھے۔ پھر خدا تعالیٰ نے ان کو انسپکٹر بنا دیا۔ سب انسپکٹری کی تنخواہ میں سے وہ ایک معقول رقم ماہوار چندہ کے طور پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھجوایا کرتے تھے۔ اس وقت غالباً اُن کی اسّی روپے تنخواہ تھی۔ پھر خدا تعالیٰ نے اُن کو انسپکٹر بنا دیا۔ اور ان کی ایک سَو اسّی روپے تنخواہ ہو گئی۔ جب ان کا خط آیا اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیمار تھے۔ مَیں نے خود اُن کا خط پڑھ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سُنایا۔ انہوں نے خط میں لکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے عہدہ میں ترقی دے کر تنخواہ میں ایک سَو روپیہ کی زیادتی عطا فرمائی ہے۔ مجھے اپنے گذارہ کے لئے زیادہ روپوں کی ضرورت نہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ نے میری تنخواہ میں یہ اضافہ محض دین کی خدمت کے لئے کیا ہے اس لئے مَیں آئندہ علاوہ اس چندہ کے جو مَیں پہلے ماہوار بھیجا کرتا ہوں یہ سَو روپیہ بھی جو مجھے ترقی کے طور پر ملا ہے ماہوار بھیجتا رہوں گا۔

دیکھو اس قسم کے نمونے آجکل کتنے نادر ہیں؟ مگر اس وقت کثرت سے جماعت میں اس قسم کے نمونے پائے جاتے تھے۔ لیکن مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد ان کو دیکھا کہ اُن کے دل اس بات پر خوش نہیں تھے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ کافی تھا بلکہ بعد میں جب انہوں نے محسوس کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود اس سے بہت زیادہ اہم تھا جتنا انہوں نے سمجھا اور اس سے بہت زیادہ آپ کے وجود پر دُنیا کی ترقی کا انحصار تھا جس قدر انہوں نے پہلے خیال کیا تو ان کے دل روتے تھے کہ کاش انہیں یہ بات پہلے معلوم ہوتی اور وہ اس سے بھی زیادہ خدمت کر سکتے۔ مگر پھر انہیں یہ موقعہ نصیب نہ ہوا۔ اور وقت ان کے ہاتھ سے چلا گیا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں کئی لوگ ایسے تھے جنہیں قادیان میں صرف دو تین دفعہ آنے کا موقعہ ملا اور انہوں نے اپنے دل میں یہ سمجھا کہ خدا تعالیٰ نے بڑا فضل کیا کہ ہمارا قادیان سے تعلق

پیدا ہو گیا اور ہم نے زمانہ کے نبی کو دیکھ لیا۔ مگر آج اس چیز کی اس قدر اہمیت ہے کہ ہماری جماعت میں سے کئی لوگ ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ یاد کر کے بڑی خوشی سے یہ کہنے کے لئے تیار ہو جائیں گے کہ کاش ہماری عُمر میں سے دس یا بیس سال کم ہو جاتے لیکن ہمیں زندگی میں صرف ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھنے کا موقع مل جاتا۔ . . . .

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ تو گذر گیا۔ اب آپ کے خلفاء اور صحابہ کا زمانہ ہے۔ مگر یاد رکھو کچھ عرصہ کے بعد ایک زمانہ ایسا آئے گا جب چین سے لے کر یورپ کے کناروں تک لوگ سفر کریں گے اس تلاش اس جستجو اور اس دُھن میں کہ کوئی شخص انہیں ایسا مل جائے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بات کی ہو مگر انہیں کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا۔ پھر وہ کوشش کریں گے کہ انہیں کوئی ایسا شخص مل جائے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بات نہ کی ہو۔ صرف مصافحہ ہی کیا ہو۔ مگر انہیں ایسا شخص بھی کوئی نہیں ملے گا۔ پھر وہ کوشش کریں گے کہ انہیں کوئی ایسا شخص مل جائے جس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بات نہ کی ہو، آپ سے مصافحہ نہ کیا ہو، صرف اس نے آپ کو دیکھا ہی ہو مگر انہیں ایسا بھی کوئی شخص نظر نہیں آئے گا۔ پھر وہ تلاش کریں گے کہ کاش انہیں کوئی ایسا شخص مل جائے جس نے گو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بات نہ کی ہو۔ آپ سے مصافحہ نہ کیا ہو، آپ کو دیکھا نہ ہو، مگر کم سے کم وہ اس وقت اتنا چھوٹا بچہ ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو دیکھا ہو مگر انہیں ایسا بھی کوئی شخص نہیں ملے گا۔ لیکن آج ہماری جماعت کے لئے موقع ہے کہ وہ ان برکات کو حاصل کرے۔"[1]

سپین میں اسلامی جھنڈا لہرانے کا عزم صمیم

مسلم سپین کی تباہی اور بربادی تاریخ اسلام کا نہایت اندوہناک، درد انگیز اور خونچکاں باب ہے جس کے لفظ لفظ پر ہر مخلص اور حسّاس اور غیّور مسلمان کا جگر پاش پاش ہو جاتا، کلیجہ مُنہ کو آتا، دل غم و اندوہ میں ڈوب جاتا اور آنکھیں بے اختیار خون کے آنسو روتی ہیں۔

---

[1] "الفضل" ۱۵؍ شہادت/ اپریل ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳-۴۔

مسلمان سرزمین اندلس (سپین) میں ۷۱۱ء سے ۱۴۹۲ء تک حکمران رہے۔ بعد ازاں اندلس کی اسلامی سلطنت عیسائی بادشاہ فرڈیننڈ کے قبضہ میں چلی گئی۔ گو فرڈیننڈ نے از روئے معاہدہ مسلمانوں کو مذہب اور زبان کی آزادی دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن ۱۴۹۹ء سے ایسے انسانیت سوز اور شرمناک مظالم شروع ہو گئے جو ایک صدی کے اندر اندر اندلسی مسلمانوں کے بالجبر ارتداد، اخراج، قتل عام اور بالآخر ان کے کُلّیۃً خاتمہ پر منتج ہوئے۔ ملک سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹ گیا اور مسلمانوں کے اس پُرشکوہ اور پُرعظمت دَور کی بجائے آثار قدیمہ کی بعض یادگاریں عمارتوں یا کھنڈروں کی صورت میں باقی رہ گئیں۔ مُسلم سپین میں پیدا ہونے والے وہ سینکڑوں مفسّر، فقیہہ، فلسفی، صُوفی، ادیب اور جرنیل اور تاجدار جن کی خاکِ پا نے اس ملک کو ہمدوشِ ثریّا بنا دیا تھا اب زیرِ خاک آسودہ ہیں اور عظمتِ اسلام کا خزانہ لُٹ چکا ہے!![1]

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا المصلح الموعود کو ملّت اسلامیہ کے لئے ایک مضطرب اور دردمند دل بخشا تھا۔ حضور ہمیشہ مسلمانوں کی گذشتہ حکومتوں کی تاریخ عروج و زوال کا خاص طور پر مطالعہ فرماتے اور آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ خصوصاً اسلامی ریاست میسور اور اسلامی سپین کے صفحہ ہستی سے معدوم کئے جانے کے لرزا دینے والے واقعات سے آپ کے قلب مبارک پر سخت چوٹ لگتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور کی تقریروں اور تحریروں میں میسور کے آخری بادشاہ حضرت ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ اور ہسپانوی جرنیل عبدالعزیز جیسے اسلام کے فدائیوں اور شیدائیوں کی جاں فروشی اور جاں نثاری کے تذکرے ہمیں ملتے ہیں۔ مگر تحریک احمدیت جس کے آپ سپہ سالار تھے چونکہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی علمبردار تحریک ہے اور ایک روشن مستقبل کا امید افزاء پیغام لے کر اُٹھی تھی اس لئے جہاں اس دَور کے دوسرے مسلمان زعماء مسلمان شاعر، مسلمان فلاسفر اور مسلمان خطیب عبرت نامہ اندلس پر قلم اُٹھاتے یا لب کشائی کرتے ہوئے محض مرثیہ خواں بن کے رہ گئے تھے وہاں سیدنا المصلح الموعودؓ نے یہ پُرشوکت نعرہ بلند کیا کہ ہم قرطبہ، زہراء، غرناطہ، مالقہ، طلیطلہ اور ہسپانیہ کے دوسرے شہروں میں ہی نہیں اس کے ذرّہ ذرّہ پر

---

[1] مُسلم سپین کی تاریخ کے لئے ملاحظہ ہو "حضارۃ العرب فی الاندلس" تالیف السید عبدالرحمٰن البرقوقی۔ "نفح الطیب" تالیف مقری۔ "المعجب" تالیف علامہ عبدالواحد مراکشی۔ "الاحاطہ فی اخبار غرناطہ" تالیف الوزیر محمد لسان الدین ابن الخطیب۔ "تاریخ اسپین" تالیف سید قمرالدین احمد قمر سندیلوی۔ "تاریخ اندلس" از حضرت مولانا عبدالرحیم درد۔ "ہسٹری آف دی مورش ایمپائر ان یورپ" یعنی اخبار الاندلس از سکاٹ۔ "مورز ان سپین" از لین پول۔ "عبرت نامہ اندلس" از پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی۔

دوبارہ اسلام کا جھنڈا گاڑیں گے۔

چنانچہ حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ۷ شہادت / اپریل ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کو قادیان میں ایک ولولہ انگیز خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

"تاریخ اسلام کی ان باتوں سے جو مجھے بہت پیاری لگتی ہیں۔ ایک بات ایک ہسپانوی جرنیل کی ہے جس کا نام غالباً عبدالعزیز تھا۔ جب سپین میں مسلمانوں کی طاقت اتنی کمزور ہو گئی کہ ان کے ہاتھ میں صرف ایک قلعہ رہ گیا جو آخری قلعہ تھا تو عیسائیوں نے ان کے سامنے بعض شرائط پیش کیں اور کہا کہ اگر بچنا چاہتے ہو تو ان کو مان لو۔ وہ شرائط ایسی تھیں کہ جنہیں مان کر اسلام سپین میں عزت کے ساتھ نہ رہ سکتا تھا۔ بادشاہ وقت ان شرائط کو ماننے کے لئے تیار ہو گیا۔ دوسرے جرنیل بھی تیار تھے۔ مگر یہ جرنیل کھڑا ہوا۔ اور کہا کہ اے لوگو! کیا کرتے ہو ؟ کیا تمہیں یقین ہے کہ عیسائی اپنے وعدوں کو پورا کریں گے۔ ہمارے باپ دادا نے سپین میں اسلام کا بیج بویا تھا۔ اب تم لوگ اپنے ہاتھوں سے اس درخت کو گرانے لگے ہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ سوائے اس کے ہو کیا سکتا ہے۔ دشمن سے کامیاب مقابلہ کی صورت ہے ہی کیا ؟ اسی جرنیل نے کہا۔ یہ سوال نہیں کہ دشمن سے کامیاب مقابلہ کی صورت کیا ہے ؟ نہ ہمیں اس کے سوچنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے اور ہم میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ مر جائے مگر ان شرائط کو تسلیم نہ کرے اس طرح یہ ذلت تو نہ اٹھانی پڑے گی کہ اپنے ہاتھ سے حکومت دشمن کو دے دیں۔ جو کچھ تمہارے اختیار کی بات ہے وہ کر دو اور باقی خدا تعالےٰ پر چھوڑ دو۔ یہ بات سُنکر وہ لوگ ہنسے اور کہا کہ اس قربانی کا کیا فائدہ ؟ اور سب نے انکار کیا۔ مگر اس نے کہا کہ اگر تم اس بے غیرتی کو پسند کرتے ہو تو کرو میں تو اپنے ہاتھ سے اسلامی جھنڈا دشمن کے حوالے نہ کروں گا۔ قریباً ایک لاکھ کا لشکر تھا جو قلعہ کے باہر جمع تھا۔ وہ اکیلا ہی تلوار لے کر باہر نکلا۔ دشمن پر حملہ کر دیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔ بیشک اس کی شہادت کے باوجود سپین میں مسلمانوں کی حکومت تو قائم نہ رہ سکی مگر اس کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ رہ گیا اور موت اُسے مٹا نہ سکی۔ وہ بادشاہ اور جرنیل جنہوں نے اس کے مشورہ کو تسلیم نہ کیا اور اپنی جانیں بچانی چاہیں وہ مٹ گئے۔ ان کا ذکر پڑھ کر اور سُنکر ہم اپنے نفسوں کو بڑے زور سے ان پر لعنت کرنے سے روکتے ہیں۔ لیکن کبھی سپین کے حالات

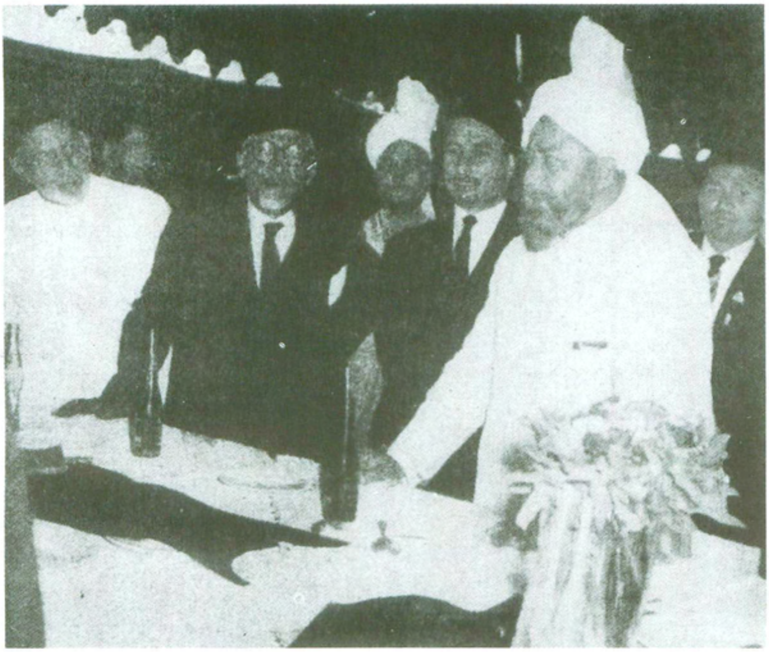

سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کالج کے اساتذہ وطلبہ کو پہلا خطاب عام کرنے کے بعد
(حضور کے پیچھے۔۔ پروفیسر محمد احمد صاحب حیدر آبادی۔۲۔حضور کے ساتھ دائیں سے بائیں باترتیب پروفیسر نصیر احمد خان
صاحب، صوبیدار عبدالمنان صاحب، قاضی محمد اسلم صاحب ایم اے پرنسپل تعلیم الاسلام کالج۔میجر عارف زمان صاحب اور میجر
صاحب کے پیچھے پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم اے کھڑے ہیں)

کا ئیں مطالعہ نہیں کرتا یا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہ باتیں میرے ذہن میں آئی ہوں اور اُس جرنیل کے لئے دُعائیں نہ نکلتی ہوں۔ اُس کے خون کے قطرے آج بھی سپین کی وادیوں میں ہم کو آوازیں دیتے ہیں کہ آؤ! اور میرے خون کا انتقام لو۔ بیشک وہ بہادر جرنیل مر گیا۔ مگر مرنا ہے کیا؟ کیا یوں لوگ نہیں مرتے؟ کیا وہ بادشاہ اور جرنیل جو دشمن سے نہ لڑے مر نہ گئے؟ وہ بھی ضرور مر گئے لیکن ان کے لئے ہمارے دلوں سے لعنت نکلتی ہے اور اس جرنیل کے لئے دُعائیں۔

آج بھی اس کی کشش ہمیں سپین کی طرف بُلا رہی ہے اور اگر مسلمانوں کی غیرت قائم رہی اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے ظاہر ہوتا ہے نہ صرف قائم رہیگی بلکہ ترقی کرے گی اور پہلے سے بھی بڑھ کر ظاہر ہوگی تو وہ دن دُور نہیں جب اس جرنیل کے خُون کے قطروں کی پکار، اس کی جنگلوں میں چلّانے والی رُوح اپنی کشش دکھائے گی۔ اور سچے مسلمان پھر سپین پہنچیں گے اور وہاں اسلام کا جھنڈا گاڑ دیں گے۔ اس کی رُوح آج بھی ہمیں بُلا رہی ہے۔ اور ہماری رُوحیں بھی یہ پکار رہی ہیں کہ اے شہیدِ وفا! تم اکیلے نہیں ہو۔ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کے سچے خادم منتظر ہیں۔ جب خدا تعالےٰ کی طرف سے آواز آئے گی وہ پروانوں کی طرح اِس مُلک میں داخل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے نُور کو وہاں پھیلائیں گے۔

یہ سوال نہیں کہ ہم امن پسند جماعت ہیں۔ مخالف امن پسندوں پر بھی تلوار کھینچ کر اُن کو مقابلہ کی اجازت دِلوا دیا کرتے ہیں۔ کیا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم امن پسند نہ تھے۔ مگر مخالفین کے ظلموں کی وجہ سے آخر اللہ تعالیٰ نے ان کو مقابلہ کی اجازت دے دی۔ جیسا کہ فرمایا أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ[۵] جن لوگوں کو خواہ مخواہ نشانہ مظالم بنایا گیا ہے اب ان کو بھی اجازت ہے کہ مقابلہ کریں۔

پس سپین کے لوگ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یُوں مقدر ہے تو ہماری تبلیغ و تعلیم سے ہی کُفر و شرک کو چھوڑ دیں گے اور یا پھر ہم پر اتنا ظلم کریں گے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے مقابلہ کی اجازت ہو جائے گی اور وہ جنہوں نے کان پکڑ کر مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکالا تھا

---

[۵] سورۃ الحج آیت ۴۰۔

کان پکڑ کر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے مزار پر حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ حضور کے غلام حاضر ہیں اور اس اکیلے لڑنے والے کی رُوح ناکام نہیں رہے گی"۔ [1]

مجلس مشاورت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں خلیفۂ وقت کی حفاظت کا مسئلہ

۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کی مجلس مشاورت ۷-۸-۹ شہادت/اپریل کو منعقد ہوئی جس میں دوسرے معاملات کے علاوہ خلیفہ وقت کی حفاظت کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا۔ اور حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری، چوہدری اعظم علی صاحب، ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم، ماسٹر غلام محمد صاحب، چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ، مولوی محمد احمد صاحب ثاقب، شیخ نیاز احمد صاحب، محمد عبداللہ صاحب، سید ارتضیٰ علی صاحب، میاں غلام محمد صاحب اختر، غلام حسین صاحب، مولوی ظہور حسین صاحب، پیر صلاح الدین صاحب، پیر اکبر علی صاحب، مولوی ابوالعطاء صاحب، بابو عبدالحمید صاحب، مولوی عبدالرحیم صاحب درد نے اپنے اپنے خیالات وجذبات کا اظہار کیا اور مختلف تجویزیں پیش کیں۔ اس ضمن میں حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے فرمایا:-

"نظام خلافت کی حفاظت کے ساتھ خلفاء کی حفاظت کا گہرا تعلق ہے جو قوم نظام خلافت کی حفاظت نہیں کر سکتی وہ خلافت سے محروم ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی حفاظت مسلمانوں نے کی۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں خدا تعالیٰ نے انہیں پہلے سے زیادہ برکات دیں۔ بعد میں آنے والے خلیفوںؓ کے وقت میں خدا تعالےٰ کی تائید اس پایہ کی نہ تھی جس پایہ کی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تھی۔ جب مسلمانوں نے غفلت کی تو تین دفعہ غفلت کے بعد مسلمانوں سے خلافت چھین لی

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی حفاظت کے لئے دونوں قسم کے انتظامات کی ضرورت ہے۔ رضاکارانہ اور بامعاوضہ۔ رضاکارانہ حفاظت میں ہو سکتا ہے کہ ۲۴ گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ خالی رہ جائے۔ انتظام کو مکمل رکھنے کے لئے تنخواہ دار پہریداروں کی بھی ضرورت ہے پھر نظام خلافت قائم رکھنے کے لئے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ صرف یہی کافی ہے کہ بارہ یا پندرہ آدمی رکھ دیئے جائیں۔ میرے نزدیک ۲۰۰ آدمیوں کا وجود بھی خلیفہ کی حفاظت کے لئے کافی نہیں

---

[1] "الفضل" ۱۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴۔

اور نہ معلوم ہمیں کس وقت اس کے لئے ایک ہزار آدمیوں کی ضرورت ہو۔ ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ خلیفہ کے وجود کو قائم رکھ کر نظام خلافت کی حفاظت کریں خواہ ایک سَو آدمی اس کام پر متعین ہوں۔ تب بھی ہم میں سے ہر شخص اس کے لئے بیقرار ہو اور وہ تہیہ کئے ہو کہ ہم نے خلیفہ کی حفاظت کر کے نظام خلافت کی حفاظت کرنی ہے"[1]

بالآخر کثرت رائے سے یہ قرار پایا کہ

"حضور کی خدمت میں سفارش کی جائے کہ حضور ماہر اصحاب کی ایک کمیٹی مقرر فرمائیں جو حضور کی خدمت میں رپورٹ پیش کرے۔ اس کا مالی حصہ بجٹ کمیٹی میں پیش کر دیا جائے۔ حضور دونوں رپورٹوں کے بعد اس کے متعلق خود فیصلہ فرمائیں"[2]

اس بحث کے دوران چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ اجلاس میں تشریف فرما نہ تھے اس لئے چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے (جن کی زیر صدارت یہ کارروائی ہوئی تھی) یہ سفارش سیدنا حضرت المصلح الموعود کی خدمت میں پہنچا دی جو حضور نے بھی قبول فرمالی اور ساتھ ہی ناظر صاحب امور عامہ، چوہدری فتح محمد صاحب سیال، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور شیخ نیاز احمد صاحب پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی۔ اس کمیٹی کی رپورٹ کے بعد شیخ نیاز احمد صاحب نگران حفاظت مقرر ہوئے اور پہرہ داروں میں بھی اضافہ کیا گیا جس سے حضرت سیدنا المصلح الموعود کی حفاظت کا انتظام پہلے سے نسبتاً زیادہ عمدہ صورت میں قائم ہو گیا۔

جماعت میں ضلع وار نظام کا قیام

مرکز سلسلہ کی صوبہ پنجاب کے اضلاع کی متفرق اور کثیر جماعتوں کی براہ راست نگرانی کا مسئلہ روز بروز مشکل اور پیچیدہ ہو رہا تھا۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے مجلس مشاورت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کی تجویز پر ضلع وار نظام کے قیام کا فیصلہ فرمایا اور اس نئی سکیم کے تجربہ کے لئے سب سے پہلے گورداسپور، لاہور، لائل پور، گجرات، گوجرانوالہ، سرگودھا، فیروزپور، سیالکوٹ، جالندھر اور ہوشیارپور کے اضلاع تجویز کئے گئے۔

ضلع وار نظام کے حسب ذیل فرائض قرار پائے :۔

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶۲ تا ۶۳۔ [2] ایضاً صفحہ ۶۵۔

۱۔ تبلیغ اسلام، تربیت جماعت اور چندوں کی وصولی میں مرکز سلسلہ کی اعانت۔

۲۔ علاقہ کے تمام احمدی بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام۔

۳۔ چندوں کے متعلق افراد کے کھاتے رکھنا۔

۴۔ مرکزی ہدایات و تحریکات کا تمام حلقہ میں اجراء، اور ان کی تعمیل اور نگرانی اور اس کے متعلق مرکز سلسلہ کو ہدایات کے ماتحت رپورٹ دینا اور ضلع کے عام حالات سے مطلع رکھنا۔

۵۔ آنریری مبلّغ اور کارکن پیدا کرنا جو سالانہ ایک مہینہ مسلسل تبلیغ کے لئے وقت دیں۔ اور ایسے لوگوں کی تعداد پانچ فی صدی تک ہونی چاہیئے۔

۶۔ ہر سال اس نظام کے مرکزی مقام یا کسی دوسرے اہم مقام پر سالانہ جلسہ کرنا۔

۷۔ ہر ایک جماعت کا دورہ سال میں دو دفعہ لازماً کرنا۔ پہلے دَورہ میں امیر کے ساتھ کلرک متعینہ ہوگا اور دوسرے دورہ میں کلرک متعینہ کے ساتھ اس ضلع کے دوسرے با اثر اور صاحب علم دوست ہوں گے۔ پہلے دورہ کی غرض جماعتوں میں انتظام تبلیغ و انتظام تعلیم و تربیت کا استحکام ہوگا اور دوسرے دَورہ کا مقصد تحریک چندہ اور اس سے متعلق امور۔ [1]

سیدنا المصلح الموعود کا ایک ضروری خطبہ واقفینِ زندگی کے نکاحوں سے متعلق

۱۰ شہادت / اپریل ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کو حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود نے بعد نماز عصر مسجد مبارک میں مکرم مولوی نورالحق صاحب [2] واقف زندگی تحریک جدید کے نکاح کا اعلان فرمایا اور ساتھ ہی وضاحت بھی فرمائی کہ

"مَیں نے اعلان کیا ہوا ہے کہ مَیں سوائے اپنے عزیزوں کے اَور کسی کا نکاح نہیں پڑھاؤں گا۔ مگر چونکہ یہ واقفِ زندگی ہیں اور اس وجہ سے میرے عزیزوں میں شامل ہیں اس لئے میں اس نکاح [3] کا اعلان کر رہا ہوں"

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۳۸ ؛

[2] مکرم مولوی ابوالمنیر نورالحق صاحب مراد ہیں ؛

[3] یہ نکاح مکرم قاضی محمد رشید صاحب مرحوم وکیل المال تحریک جدید کی صاحبزادی صفیہ صدیقہ صاحبہ سے ہوا تھا۔ حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ نے اپنی اس خاص محبت کے پیش نظر جو آپ کو واقفین سے تھی اس رشتہ کا انتخاب بھی خود فرمایا اور پھر قاضی صاحب مرحوم کو تحریک بھی خود ہی فرمائی۔ آپ اس وقت سکندر آباد دکن میں حکومت کے سویلین گزیٹڈ آفیسر تھے۔ حضور نے شادی کے جملہ اخراجات بھی اپنی جیب خاص سے عطا فرمائے اور دعوت ولیمہ ۲۳ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کو قصر خلافت ہی میں ہوئی (الفضل ۲۵ فتح / دسمبر ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۱) ؛

حضور پرنور نے اپنے خطبہ نکاح میں جماعت کی اصلاح اور اس کے حالات کی درستی کے لئے دو نہایت اہم اور ضروری باتوں کی طرف توجہ دلائی۔

۱- پہلی اصلاح طلب بات حضور نے یہ بیان فرمائی کہ:۔

"جب کبھی وقفِ زندگی کی تحریک کی جائے اور نوجوانوں سے کہا جائے کہ وہ اپنے آپ کو خدمتِ دین کے لئے وقف کریں تو اوّل تو کھاتے پیتے لوگوں کی اولاد وقفِ زندگی کی طرف آتی ہی نہیں اور پھر جو لوگ آتے ہیں اُمراء ان کی طرف تحقیر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ان سے بات کرنا یا ان کے ساتھ چلنا پھرنا ہماری طرف سے ایک قسم کا تذلّل ہے ورنہ خود یہ اس بات کے مستحق نہیں ہیں۔ اسی طرح ان کی شادیوں اور بیاہوں میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ اور میرے نزدیک یہ امر بہت بڑے قومی تنزّل کی ایک علامت ہے۔ اگر واقعہ میں درست ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[ل] تو خدا تعالیٰ کے حضور جن کو عزت حاصل ہو ہمیں انہی کو عزت دینی چاہیئے۔ یا تو ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ جو شخص بڑا دُنیا دار ہو وہ خدا تعالیٰ کے حضور معزز ہوتا ہے۔ اور اگر یہ بات درست نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ جن کو عزت دیتا ہے یقیناً ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم انہیں کو عزت دیں۔ اور ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے دربار میں عزت پانے والے کے مقابلہ میں دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ نہ قیصر اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت رکھتا ہے نہ کوئی اور بادشاہ یا پریذیڈنٹ اس کے مقابل پر کوئی عزت رکھتا ہے۔ بے شک دُنیوی بادشاہ بھی عزتیں رکھتے ہیں مگر انہیں دُنیا کی عزتیں ہی حاصل ہیں، اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی کوئی عزت نہیں۔"

۲- دوسری ضروری بات جو براہِ راست واقفینِ زندگی سے متعلق تھی وہ حضور ہی کے الفاظ میں درج ذیل کی جاتی ہے۔ حضور نے فرمایا:۔

"اس کے مقابلہ میں جو واقف ہیں ان کی یہ حالت ہے کہ جب غریب لڑکیوں کے رشتے ان کے سامنے پیش کئے جائیں تو وہ ان میں کئی کئی نقص نکالیں گے۔ کبھی کہیں گے تقویٰ اعلیٰ درجہ کا نہیں۔ کبھی کہیں گے تعلیم زیادہ اعلیٰ نہیں۔ کبھی کہیں گے سلسلہ سے انہیں محبت کم ہے۔ لیکن

ل سورۃ الحجرات آیت ۱۴

جہاں کسی کھاتے پیتے آدمی کا رشتہ ان کے سامنے آجائے وہ فوراً کہہ دیں گے ہاں ٹھیک ہے۔ یہ لڑکی نیک اور دیندار ہے۔ اس وقت انہیں نیکی بھی نظر آنے لگ جائے گی۔ اتقاء بھی نظر آنے لگ جائے گا۔ تعلیم بھی نظر آنے لگ جائے گی اور وہ اس رشتہ پر رضامند ہو جائیں گے" [۵۵]

حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے خطبہ کے آخر میں جماعت احمدیہ کو یہ نصیحت فرمائی کہ

"یاد رکھو دُنیا انہی لوگوں کے پیچھے پھرا کرتی ہے جو دنیا کو کلی طور پر چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ خدا کے لئے دُنیا چھوڑتے ہیں اور دُنیا کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ ان کے پیچھے پیچھے بھاگتی پھرتی ہے۔ اور انسان حیران ہوتا ہے کہ اب مَیں جاؤں کہاں! لیکن جب تک دُنیا پر نگاہ رکھی جائے دُنیا آگے آگے بھاگتی ہے اور انسان اس کے پیچھے پیچھے دوڑتا ہے مگر پھر بھی اُسے دُنیا حاصل نہیں ہوتی" [۵۶]

جذبہ اطاعت کے فروغ کیلئے اہم خطبہ

سیدنا المصلح الموعود کی خدمت میں یہ انتہائی افسوسناک اطلاعات پہنچیں کہ بعض نوجوان سلسلہ کے نظام کا احترام نہیں کرتے اور اپنے افسروں کی اطاعت کرنے کی بجائے سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ یہ چیز چونکہ سلسلہ احمدیہ کے لئے سم قاتل کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس لئے حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ۲/ احسان/ جون ۱۳۲۳ ہش/ ۱۹۴۴ء کو اطاعت کی اہمیت پر ایک مفصل خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا:۔

"سلسلہ مقدم ہے سب انسانوں پر، سلسلہ کے مقابلہ میں کسی انسان کا کوئی لحاظ نہیں کیا جائے گا خواہ وہ کوئی ہو۔ حتیٰ کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا بھی مجرم ہو تو اس کا بھی لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ کوئی انسان بھی سلسلہ سے بالا نہیں ہو سکتا۔ اسلام اور قرآن محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بالا ہیں۔ اسی طرح احمدیت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی بالا ہے۔ اسلام اور احمدیت کے لئے اگر ہمیں اپنی اولادوں کو بھی قتل کرنا پڑے تو ہم اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیں گے لیکن سلسلہ کو قتل نہ ہونے دیں گے۔

پس تم اپنے اندر سلسلہ کی صحیح اطاعت اور فرمانبرداری کا مادہ پیدا کرو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ کا فضل تم پر نازل ہو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ بے دینوں کی موت نہ مرو اور ایسے مقام پر کھڑے نہ ہو کہ موت سے پہلے اللہ تعالیٰ تم کو مرتدین میں داخل کر دے تو اپنے اندر صحیح اطاعت اور فرمانبرداری

سلہ و سلہ ۵۶ "الفضل" ۲۲/ احسان/ جون ۱۳۲۳ ہش/ ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۱ تا ۲

کا مادہ پیدا کرو۔ احمدیت یقیناً خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ احمدیت ایک ایسی دھار ہے کہ جو بھی اس کے سامنے آئے گا وہ مٹا دیا جائے گا۔ یہ تلوار کی دھار ہے اور جو بھی اس کے سامنے کھڑا ہوگا وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا۔ خدا تعالیٰ جس سلسلہ کو قائم کرنا چاہے اس کی راہ میں جو بھی کھڑا ہو وہ مٹا دیا جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے اس کے مقابلہ میں کسی انسان کی پرواہ نہیں کی جائے گی خواہ وہ کوئی ہو، خواہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بیٹا کیوں نہ ہو، خواہ وہ میرا بیٹا کیوں نہ ہو۔ سلسلہ مقدم اور غالب ہے ہر انسان پر" [1]

برصغیر کی احمدی جماعتوں کیلئے "الانذار"

تحریک جدید کے مجاہدین کے ذریعہ سے بیرونی ممالک خصوصاً مغربی افریقہ میں احمدیت کی اشاعت کے مراکز قائم ہو چکے تھے اور بعض مقامات پر جماعت کی رفتار ترقی برصغیر کی احمدی جماعتوں کی نسبت تیز تھی اور نظر آ رہا تھا کہ اگر مرکزی جماعتوں نے تبلیغ اسلام کی اہمیت نہ سمجھی اور اس بارے میں چستی، ہوشیاری اور فرض شناسی کا ثبوت نہ دیا تو دینی قیادت کی زمام بیرونی جماعتوں کے ہاتھ میں چلی جائے گی اور وہ اسلامی مسائل میں دوسروں کے رحم و کرم پر ہوں گے اور دین کا وہ نقشہ اپنے یہاں رائج کرنے پر مجبور ہوں گے جو خالص ان کے ذہنوں کی پیداوار ہوگا۔

مستقبل کے اعتبار سے یہ ایک عظیم خطرہ تھا جسے سیدنا المصلح الموعود کی دوربین اور معاملہ فہم آنکھ مدتوں قبل بھانپ چکی تھی اور حضور اسی لئے جماعت کو تبلیغ اسلام کی طرف بار بار توجہ دلاتے آ رہے تھے۔ اس سال بھی حضور نے ۱۶/احسان/جون ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں جماعت کو زبردست انذار و انتباہ کیا۔ اور مرکزی جماعتوں کی تبلیغی غفلت کے بھیانک اور خوفناک نتائج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا کہ

> "اس صورت میں باہر کے لوگوں کی باگ سنبھالنا بھی ان کے لئے سخت مشکل ہو جائے گی۔ وہ لوگ کہیں گے تمہارا کیا حق ہے کہ ہماری رہنمائی کرو۔ ہم تعداد میں تم سے زیادہ ہیں، ہم قربانیوں میں تم سے زیادہ ہیں۔ اور تم ہمارے مقابلہ میں کوئی نسبت نہیں رکھتے۔ اس لئے لوگوں کی رہنمائی کا حق ہمیں حاصل ہونا چاہیئے اور مرکز ہمارے ہاتھ میں ہونا چاہیئے تا کہ ہم جس طرح چاہیں دین کی اشاعت کا کام کریں۔ تب احمدیت کے لئے وہی خطرہ کی صورت پیدا ہو جائے گی جو روما میں

[1] "الفضل" ۱۵/احسان/جون ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲۔

عیسائیت کے لئے پیدا ہوئی۔ جب فلسطین میں عیسائیوں کی تعداد کم ہوگئی اور اٹلی میں عیسائیت زیادہ پھیلنی شروع ہوئی تو عیسائیت کا مرکز فلسطین نہ رہا بلکہ اٹلی بن گیا اور چونکہ وہ مرکز کفر تھا اس لئے عیسائیت کفر کے رنگ میں رنگین ہونی شروع ہوگئی"[1]

اس ضمن میں حضور نے تبلیغ کا بہترین طریق یہ تجویز فرمایا کہ

"انسان اپنے غیر احمدی رشتہ داروں کے پاس چلا جائے اور اُن سے کہے کہ اب مَیں نے یہاں سے مر کر ہی اُٹھنا ہے ورنہ یا تم مجھ کو سمجھا دو کہ مَیں غلط راستہ پر ہوں اور یا تم سمجھ جاؤ کہ تم غلط راستے پر جا رہے ہو۔ اس عزم اور ارادہ سے اگر ساری جماعت کھڑی ہو جائے تو مَیں سمجھتا ہوں ابھی ایک سال بھی ختم نہیں ہوگا کہ ہماری ہندوستان کی جماعت میں صرف احمدیوں کے رشتہ داروں کے ذریعہ ہی ایک لاکھ احمدی بڑھ جائیں گے"[2]

یہ تحریک اتنی موثر اور کارگر تھی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے "ناظرین اہلحدیث ہوشیار ہو جائیں۔ مرزائیت کا بم آتا ہے" کے عنوان سے لکھا :-

"خلیفۂ قادیان نے اپنے مریدوں کو سخت ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے گھر جائیں اور ان کو احمدیت کی تبلیغ کریں اور کہہ دیں کہ اب مَیں نے یہاں سے مر کر ہی اُٹھنا ہے ورنہ یا تم مجھ کو سمجھا دو کہ مَیں غلط راستہ پر ہوں اور یا تم خود سمجھ لو کہ تم غلط راستہ پر جا رہے ہو۔ . . .
. . . ناظرین "اہلحدیث" مرزائیت کی اس تعلیم کو معمولی نہ سمجھیں"[3]

ایک اَور پرچہ میں مزید لکھا :-

"قادیانی خلیفہ اور ان کی وزارت آئے دن ایسے تاکیدی حکم جاری کرتے رہتے ہیں جن سے مرزائیت ترقی کرے۔ ہمارے دوست ان تدبیروں کے جوڑ توڑ سے غافل ہیں۔ غفلت کا نتیجہ جو ہوتا ہے وہ ظاہر ہے"[4]

مولوی محمد علی صاحب کو دعوت مباہلہ اور اُن کا گریز

مولوی محمد علی صاحب (امیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور) نے ۲۶ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو

---

[1] "الفضل" ۶ وفا/جولائی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۲۔
[2] " " صفحہ ۶ کالم ۱، ۲۔
[3] اخبار "اہلحدیث" امرتسر ۳ نومبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۶ کالم ۱، ۲۔
[4] " " " ۸ دسمبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۱، ۲۔

احمدیہ بلڈنگس کی مسجد میں منبر پر کھڑے ہو کر یہ بے بنیاد اور ناپاک الزام لگایا کہ

"خوب یاد رکھو قادیان والوں نے کلمہ طیبہ کو منسوخ کر دیا ہے۔ اس میں تمہارے دل میں شک نہیں ہونا چاہیئے" [1]

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے اس ظالمانہ حملہ کا نوٹس لینا ضروری سمجھا اور اس کے جواب میں ۲۳ ؍احسان / جون ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں مولوی محمد علی صاحب کو دعوتِ مباہلہ دی اور نہایت پُرجلال الفاظ میں فرمایا:-

"یہ ایک ایسا اتہام ہے کہ مَیں سمجھ نہیں سکتا کہ اس سے بڑا جھوٹ بھی کوئی بول سکتا ہے۔ وہ قوم جو کلمہ طیبہ کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھتی ہو اس پر یہ الزام لگانا کہ وہ اُسے منسوخ قرار دیتی ہے، اتنا بڑا ظلم ہے اور اتنی بڑی دشمنی ہے کہ ہماری اولادوں کو قتل کر دینا بھی اس سے کم دشمنی ہے۔ ہماری اولادوں کو قتل کر دینا اتنی بڑی دشمنی نہیں جتنا یہ کہنا کہ ہم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے منکر ہیں۔ اور ایسا جھوٹ بولنے والے کے دل میں خدا تعالیٰ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ جس کے دل میں خدا اور رسول کی محبت ہو وہ ایسا جھوٹ کبھی نہیں بول سکتا۔ یہ ہم پر اتنا بڑا الزام ہے کہ ہمارے کسی بڑے سے بڑے مگر شریف دشمن سے بھی پوچھا جائے تو وہ یہ کہیگا کہ یہ جھوٹ ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ اب فیصلہ کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے۔ اگر مولوی صاحب میں تخم دیانت باقی ہے تو وہ اور اُن کی جماعت ہمارے ساتھ اس بارہ میں مباہلہ کریں کہ آیا ہم کلمہ طیبہ کے مُنکر ہیں"

اس دعوتِ مباہلہ کے ساتھ ہی حضرت سیدنا المصلح الموعود نے قبل از وقت یہ بھی بتا دیا کہ

"وہ کبھی اپنے آپ کو اور اپنے بیوی بچوں کو اس مقام پر کھڑا نہ کریں گے بلکہ اس عظیم الشان جھوٹ بولنے کے بعد بزدلوں کی طرح بہانوں سے اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو جھوٹوں کی سزا سے بچانے کی کوشش کریں گے" [2]

آخر وہی ہوا جو حضرت امیر المومنینؓ نے پہلے سے فرما دیا تھا یعنی مولوی صاحب موصوف نہ مباہلہ کیلئے آمادہ ہوئے اور نہ اپنا جھوٹا الزام واپس لینے کو تیار ہوئے۔

---

[1] ہفت روزہ "پیغام صلح" لاہور ۳۱ مئی ۱۹۴۴ء صفحہ ۳ - [2] "الفضل" ۲ وفا/جولائی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۲۔

فصل دوم

سیدنا المصلح الموعود کے آخری نکاح کی نہایت مبارک تقریب

تاریخ سلسلہ میں ۲۴ وفا/جولائی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کا دن ایک خصوصی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس روز حضرت سید عبدالستار صاحب رضی اللہ عنہ کی پوتی اور حضرت سید عزیز اللہ شاہ صاحب کی صاحبزادی سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ[1] سیدنا المصلح الموعود کے عقد میں آئیں۔

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے ایک بہت بڑے مجمع میں جو مسجد مبارک اور اس کے متصل مکانات اور احمدیہ چوک میں جمع تھا ایک ہزار مہر پر اس نکاح کا اعلان فرمایا[2] اور نہایت درد بھرے الفاظ میں خطبہ پڑھا جس میں سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ الہامات بتائے جن کی وجہ سے آپ کو اس تقریب کی طرف توجہ پیدا ہوئی۔ چنانچہ فرمایا:-

"ایک دن میں تذکرہ پڑھ رہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ۱۸ فروری ۱۹۰۷ء کے حسب ذیل الہامات پڑھے:-

(۱) كُلُّ الْفَتْحِ بَعْدَهٗ (۲) مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

پھر اس کے بعد ۲۰ فروری کے یہ الہام درج ہیں:-

(۱) اِنِّيْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ وَاَلُوْمُ مَنْ يَّلُوْمُ (۲) پس پا شدہ ہجوم (۳) افسوسناک خبر آئی ہے۔ فرمایا۔ اس الہام پر ذہن کا انتقال بعض لاہور کے دوستوں

---

[1] حضرت سیدہ موصوفہ ۷ اپریل ۱۹۱۹ء کو بمقام جہلم اپنے ننھیال میں پیدا ہوئیں۔ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں میٹرک کے امتحان کے علاوہ قادیان کی دینیات کی دو جماعتیں بھی پاس کیں۔ پھر جامعہ نصرت ربوہ سے ایف۔اے کیا۔ اس کے بعد بی۔اے کے لئے داخلہ لیا مگر حضرت اقدس سیدنا المصلح الموعودؓ کی طویل اور مسلسل علالت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی بے پناہ اور غیر معمولی ذمہ داریوں کی بجا آوری کے لئے کالج چھوڑ دیا اور اپنے مقدس شوہرؓ کی خدمت کے لئے آخری لمحات تک وقف ہو گئیں۔ آپ نے شادی کے معاً بعد ہی لجنہ اماء اللہ کے کاموں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد پاکستان میں سیکرٹری خدمت خلق، سیکرٹری تربیت و اصلاح وغیرہ کے فرائض انجام دیتی رہیں۔ ان دنوں لجنہ کی اور سیکرٹری خدمت خلق ہونے کے علاوہ نائب صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے عہدہ پر بھی ممتاز ہیں۔ (یہ حاشیہ وسط ۱۳۴۷ہش/۱۹۶۸ء میں لکھا گیا)

حضرت سیدہ موصوفہ کے چار بہن بھائی ہیں۔ ۱۔ سیدہ ناصرہ بیگم صاحبہ ۲۔ سید کلیم احمد شاہ صاحب ۳۔ سید نسیم احمد شاہ صاحب ۴۔ سید قسیم احمد صاحب۔

[2] "الفضل" ۲۶ وفا/جولائی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔

کی طرف ہوا۔ مگر یہ انتقالِ ذہن بعد بیداری ہوا۔ الہام بھی شاید اس کے متعلق ہو۔

(۴) بہتر ہوگا کہ اور شادی کر لیں۔ فرمایا۔ معلوم نہیں کس کی نسبت یہ الہام ہے" (تذکرہ صفحہ ۶۹۴)[1]

۱۸ فروری کا الہام مَظْهَرُ الْحَقِّ وَ الْعَلَاءِ وہ الہام ہے جو اس سے پہلے پسرِ موعود کے متعلق ہو چکا تھا۔ جب میں نے یہ الہام پڑھا تو میرے ذہن میں یہ آیا کہ یہ پیشگوئی دوبارہ بیان کی گئی ہے اور عجیب بات یہ نظر آئی کہ پہلی پیشگوئی بھی فروری میں کی گئی تھی اور یہ الہام بھی فروری کا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا یعنی آپ کی وفات سے قریباً سوا سال قبل اللہ تعالیٰ نے پھر اس پیشگوئی کو دُہرایا۔ تا ایک لمبا عرصہ گذر جانے کی وجہ سے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ منسوخ ہو گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ كُلُّ الْفَتْحِ بَعْدَهٗ کہ اس نشان کے بعد اصل فتوحات ہوں گی۔ پھر آگے اسی سلسلہ میں یہ الہام ہے کہ اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ وَ اَلُوْمُ مَنْ يَّلُوْمُ۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ جب اس پیشگوئی کا ظہور ہوگا تو چاروں طرف سے دشمن حملہ کرے گا۔ چنانچہ اس طرف مجھ پر اس پیشگوئی کا انکشاف ہوا۔ اور ادھر پیغامیوں نے مخالفت کی آگ پورے زور کے ساتھ بھڑکا دی اور طرح طرح کے اتہامات، جھوٹ اور کذب بیانیوں سے کام لینا شروع کر دیا۔ مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ "پسپا شدہ ہجوم" اس کا مفہوم وہی ہے جو قرآن کریم کی آیت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ کا ہے۔ یعنی سب دشمن جمع ہو کر حملہ کریں گے مگر اللہ تعالیٰ ان کو ذلیل و رُسوا کرے گا اور وہ شکست کھا جائیں گے۔ یہ الہام اس دوسرے الہام سے جو پسرِ موعود سے متعلق ہے بہت ملتا ہے کہ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ یعنی جب پسرِ موعود ظاہر ہوگا تو حق آجائے گا اور باطل بھاگ جائے گا۔ باطل تو بھاگنے ہی کی اہلیت رکھتا ہے۔ پھر اس الہام کے بعد یہ الہام ہے کہ "افسوسناک خبر آئی" چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس انکشاف کے سوا ماہ بعد ام طاہر مرحومہ کی وفات ہوئی۔ اس الہام کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ذہن کا انتقال بعض لاہور کے دوستوں کی طرف ہوا۔ گو یہ انتقال ذہنی تھا۔ مگر واقعہ نے بتا دیا ہے کہ درحقیقت یہ الہام لاہور ہی کے بارہ میں تھا کیونکہ ام طاہر احمد لاہور

---

[1] تذکرہ" طبع دوم صفحہ ۶۹۱ - ۶۹۲ و "بدر" جلد ۶ نمبر ۸ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۷ء صفحہ ۳ و "الحکم" جلد ۱۱ نمبر ۷ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۔

میں ہی فوت ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کے الہامات فضول نہیں ہوتے۔ خالی یہ خبر دینا کہ ایک افسوسناک خبر آئی بغیر ایسے قرینے کے جس سے معلوم ہو سکے کہ وہ خبر کس کے متعلق ہے؟ کس قسم کی ہے؟ بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔ لیکن جب ہم یہ امر دیکھیں کہ یہ سلسلہ الہام ہے۔ پہلے پسرِ موعود کے ظہور کا ذکر ہے، پھر دشمنوں کے شور کا اور ان کی ناکامی کا، پھر ایک افسوسناک خبر کا جس کا نتیجہ یہ پیدا کیا ہے کہ بہتر ہوگا کہ ایک اَور شادی کر لیں تو ان الہامات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ افسوسناک خبر کسی کی بیوی کی وفات کی خبر ہے۔ کیونکہ اگلا الہام کسی مرد کی نسبت کہتا ہے کہ بہتر ہے کہ اور شادی کر لیں۔ پس افسوسناک خبر سے مراد اس شخص کی بیوی کی وفات ہی ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ اس سلسلہ الہامات میں پسرِ موعود کے سوا کسی اَور مرد کا ذکر نہیں۔ اس لئے یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ فوت ہونے والی بیوی پسرِ موعود کی بیوی کا ہو گی جو پسرِ موعود کے دعوے کے قریب زمانہ میں لاہور میں فوت ہوگی۔ ان تمام الہامات کو پڑھنے کے بعد اور یہ دیکھ کر کہ ادھر مجھ پر اس پیشگوئی کے میری ذات میں پُورا ہونے کا انکشاف ہوا، ادھر پیغامیوں نے پُورے جوش کے ساتھ حملے شروع کر دیئے۔ پھر ام طاہر کی وفات واقعہ ہوئی۔ مَیں نے سمجھا کہ شاید میرا یہ نتیجہ نکالنا کہ بچوں کو کسی اَور بیوی کے سپرد نہ کرنا چاہیئے صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ اَور شادی کرنا بہتر ہوگا۔ تب میرا ذہن اس طرف گیا کہ جو دوسری بیوی بھی آئے گی بچے اُسے غیر سمجھیں گے اور مرحومہ کے رشتہ دار بھی اس کے پاس نہیں آسکیں گے۔ اور اس طرح بچوں کو دیکھ نہ سکیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان میں سے جو کمزور ہوں گے وہ اس کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو مریم مرحومہ کے ساتھ امۃ الحی مرحومہ کے بعض رشتہ داروں نے کیا تھا۔ اس کا جواب کچھ دن تک مَیں نہ دیکھ سکا۔ اتفاقاً ایک روز مَیں نے تذکرہ سے فال دیکھی۔ مَیں فال کا قائل تو نہیں۔ مگر مصیبت کے وقت بعض دفعہ انسان ان باتوں کی طرف بھی توجہ کر لیتا ہے جن کا وہ قائل نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ ناجائز نہ ہوں۔ مَیں نے تذکرہ کھولا تو اس میں لفظ

"بُشریٰ"

موٹے حروف میں لکھا ہوا نظر آیا۔ اس وقت مجھے معلوم نہیں کہ وہ کونسا صفحہ تھا۔ اُسے دیکھ کر میرا ذہن اس طرف گیا کہ میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم کی لڑکی کا نام بُشریٰ ہے مگر اس سے تو

میری شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ . . . . . اس کے بعد مَیں نے اس کا ذکر مرحومہ کے خاندان کے بعض افراد سے کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ مرحومہ کے گھر میں کوئی بڑا آدمی ضرور ہونا چاہئیے اور اس وجہ سے ہم میں سے بعض کی رائے یہی ہے کہ آپ اَور شادی کرلیں تو اچھا ہے اور کہ اگر ہمارے ہی خاندان میں ہو جائے تو اَور بھی اچھا ہے۔ اس صورت میں بچوں کی نگرانی زیادہ آسان ہوگی۔ تب میرا ذہن اس طرف گیا کہ ان کے خاندان میں بھی ایک لڑکی بُشریٰ نام کی ہے اور اتفاق کی بات ہے کہ بعض بیماریوں کی وجہ سے اُس کی شادی اس وقت تک نہیں ہوسکی اور اس کی عمر بھی بڑی ہوگئی ہے اور اس لئے وہ بچوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کا کام زیادہ اچھی طرح کرسکے گی‘‘[1]

اس سلسلہ میں حضور نے یہ بھی ذکر فرمایا کہ افراد خاندان میں سے ’’میری زیادہ بے تکلفی اپنی ہمشیرہ مبارکہ بیگم سے ہے ان سے مَیں نے ذکر کیا تو انہوں نے تذکرہ کے یہی الہامات مجھے سُنائے اور کہا کہ مَیں تو خود آپ سے کہنا چاہتی تھی‘‘[2]

الہامات کا تذکرہ کرنے کے بعد مزید بتایا کہ مَیں نے استخارہ کیا اور اپنے خاندان کے بعض افراد سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی یہی رائے دی کہ سیّدہ ام طاہر احمد کے بچوں کے انتظام کے لئے اور شادی ہی مناسب رہیگی۔ علاوہ ازیں مجھے بھی اور نواب مبارکہ بیگم صاحبہ، پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ایم۔اے، اور ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب کو بھی واضح خوابیں اس رشتہ کی نسبت آئیں تو مَیں نے تحریک کے لئے سیّد ولی اللہ شاہ صاحب کو سیّدہ بشریٰ بیگم صاحبہ کے والد سیّد عزیز اللہ شاہ صاحب کی طرف بھجوایا اور یہ بھی مشورہ دیا کہ لاہور میں اپنے برادر اصغر سید حبیب اللہ شاہ صاحب[3] سے بھی ملتے جائیں۔ لاہور پہنچنے پر

---

[1] روزنامہ ’’الفضل‘‘ یکم ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳-۴ ۔ [2] ’’الفضل‘‘ ایضاً صفحہ ۶ کالم ۲ ۔

[3] حضرت شاہ صاحب ان دنوں سنٹرل جیل لاہور کے سپرنٹنڈنٹ تھے مگر اسی سال کے آخر میں انہیں اس عہدہ سے ترقی دے کر ڈپٹی انسپکٹر جنرل جیل خانجات پنجاب بنا دیا گیا۔ مدیر و مالک اخبار ’’پرتاپ‘‘ نے ان کے اس نئے اعزاز پر یہ نوٹ لکھا:-

’’شاہ صاحب احمدی ہیں اور مَیں آریہ سماجی۔ باوجود اس کے مَیں انہیں اس ترقی پر مبارکباد دیتا ہوں کیونکہ وہ ہر لحاظ سے اس کے مستحق ہیں۔ بہت کم سپرنٹنڈنٹ ہیں جو ہر دلعزیزی کے میدان میں ان کا مقابلہ کرسکیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خدا ترس اور فرض شناس ہیں۔ ان کی خدا ترسی انہیں کسی قیدی پر بیجا سختی کی اجازت نہیں دیتی اور ان کی فرض شناسی اس بات پر تیار کرتی ہے کہ قواعد کی حدود میں رہ کر قیدیوں سے بہترین سلوک کیا جائے۔ انسپکٹر جنرل جیلخانجات جلد ریٹائر ہونے والے ہیں۔ کیا معلوم کہ مجھے ایک بار پھر انہیں مبارکباد دینے کا موقع ملے‘‘ (’’پرتاپ‘‘ دسمبر ۱۹۴۴ء بحوالہ ’’الفضل‘‘ ۱۴ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵ کالم ۳-۴)

معلوم ہوا کہ انہیں پہلے ہی کشفاً بتا دیا گیا تھا کہ سید ولی اللہ شاہ صاحب کس غرض سے آ رہے ہیں۔ نیز القاء ہوا "بشریٰ بیگم حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے"[1]

حضرت سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ سیدنا المصلح الموعودؓ کی حرم سابع ہیں جنہیں خواتین مبارکہ میں شمولیت کے مقدس اعزاز کے علاوہ ایک اور نمایاں خصوصیت بھی حاصل ہے اور وہ یہ کہ حضرت سیدنا المصلح الموعود کو اس رشتہ کے تعلق میں ایک اہم رویا یہ ہوا تھا "ایک فرشتہ آواز دے رہا ہے کہ مہر آپا کو بلاؤ جس کے معنے ہیں محبت کرنے والی آپا"[2] اس رویاء کے مطابق حضرت سیدہ بشریٰ بیگم خاندان مسیح موعود میں "مہر آپا" ہی کے آسمانی خطاب سے یاد کی جانے لگیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس نام میں خبر دی تھی سچ مچ آپ ہر اعتبار سے مہر آپا ہی ثابت ہوئیں۔ سیدنا المصلح الموعودؓ نے اپنے خطبہ نکاح میں اپنے مولا سے ان کی نسبت یہ دعا بھی کی تھی کہ "غریبوں اور مسکینوں کے لئے ہمدرد اور مہمانوں کے لئے خبرگیر ہو۔ اسلام اور سلسلہ کی خدمت میں اپنی زندگی خرچ کرنے والی ہو"[3] حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ کا وجود گرامی حضرت سیدنا المصلح الموعود کی اس دعا کی قبولیت کا ایک واضح ثبوت اور آیۂ رحمت ہے۔ اطال اللہ بقاءھا۔

رخصتانہ

۷ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ کے رخصتانہ کی تقریب عمل میں آئی۔ اس موقعہ پر دعا میں شرکت کی دعوت حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب نے کئی ایک بزرگان سلسلہ کو دی جو چھ بجے شام کے قریب حضرت سید عزیز اللہ شاہ صاحب کی کوٹھی واقع محلہ دارالانوار میں پہنچ گئے۔ چھ بجے حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ بھی اپنے خاندان کے بعض افراد اور بعض قدیم صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور بعض دوسرے افراد کے ساتھ تشریف لائے جن کے اسماء درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ۲۔ حضرت مرزا شریف احمد صاحب ۳۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب ۴۔ صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب ۵۔ مکرم خان محمد عبداللہ خاں صاحب ۶۔ حضرت چودھری فتح محمد صاحب ناظر اعلیٰ ۷۔ مکرم مرزا رشید احمد صاحب ۸۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب ۹۔ حضرت پیر افتخار احمد صاحب ۱۰۔ حضرت ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب ۱۱۔ حضرت منشی عبدالعزیز صاحب اوجلوی سابق پٹواری ۱۲۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب ۱۳۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ۱۴۔ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب ۱۵۔ صاحبزادہ میاں عبدالمنان صاحب عمر

---

[1] "الفضل" یکم ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۷ کالم ۲؛ [2] ص۵ [3] ایضاً ص۳ کالم ۱۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کی خواتین مبارکہ بھی تشریف لے گئیں۔ تمام مہمانوں کی چائے اور ناشتہ سے تواضع کی گئی۔ آخر میں حضور نے تمام مجمع سمیت دعا فرمائی اور پھر زنان خانہ میں تشریف لے جاکر دوبارہ دُعا فرمائی۔ اس کے بعد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواتین سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ کو موٹر میں بٹھا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک الدار میں لے آئیں۔[1]

ولیمہ ۱۵ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو حضرت سیدنا المصلح الموعود کی طرف سے مسجد مبارک میں بوقت دو بجے بعد دوپہر دعوت ولیمہ دی گئی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیم صحابہ، کارکنان سلسلہ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خاندان حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب کے افراد اور متعدد غرباء شامل تھے۔[2]

عربی بول چال کے متعلق رسالہ لکھنے کی تجویز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک مسلمان ممالک کی زبوں حالی اور زوال امت عربی زبان کی ترویج و اشاعت میں کوتاہی کا نتیجہ تھی چنانچہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی مشہور کتاب "الھدیٰ والتبصرہ لمن یریٰ" میں تحریر فرمایا:-

"وکان من الواجب ان یشاع ھذہ اللسان فی البلاد الاسلامیہ فانہ لسان اللہ و لسان رسولہ و لسان الصحف المطھرہ و لا ننظر بنظر التعظیم الی قوم لا یکرمون ھذا اللسان و لا یشیعونھا فی بلادھم لیرجموا الشیطان وھذا من اول اسباب اختلالھم"[3]

یعنی واجب تھا کہ اسلامی شہروں میں عربی زبان پھیلائی جاتی اس لئے کہ وہ اللہ، اس کے رسول اور پاک نوشتوں کی زبان ہے اور ہم ان کو تعظیم کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جو اس زبان کی تعظیم نہیں کرتے اور نہ اسے اپنے شہروں میں پھیلاتے ہیں تا شیطان کو پتھراؤ کریں اور یہی ان کی تباہی کا بڑا سبب ہے

---

[1] "الفضل" ۷ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱

[2] " ۱۷ " " صفحہ ۲۔ حضرت اقدس ان دنوں ڈلہوزی میں قیام فرما تھے۔ اس لئے اس دعوت کا اہتمام حضور کے ارشاد کی تعمیل میں (جو بذریعہ تار موصول ہوا) حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے کیا اور دُعا حضرت مولوی شیر علی صاحب امیر مقامی نے کرائی۔ ڈلہوزی میں بھی ایک دعوت ہوئی جس میں حضور کے ہمراہ گئے ہوئے احباب اور دیگر احمدیوں نے شرکت کی۔

[3] "الھدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ" صفحہ ۶۵-۶۶ طبع اوّل۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ امت مسلمہ میں زندگی کی رُوح پھونکنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اس لئے حضور نے اپنے عہد مقدس میں عربی زبان کی ترویج کی طرف بھی خاص توجہ فرمائی اور گھر میں روزمرہ استعمال میں آنے والے فقرے بچوں کو یاد کرائے جو حضور کی زندگی میں رسالہ "تشحیذ الاذہان" کی مختلف اشاعتوں میں شائع ہوئے۔

حضرت سیدنا المصلح الموعود کی توجہ مثیل مسیح موعود ہونے کی حیثیت سے اس سال عربی کی ترویج و اشاعت کی طرف پیدا ہوئی اور حضور نے عربی کی اہمیت کے متعلق ۱۹ر احسان / جون کو ایک اہم خطبہ دینے کے علاوہ جماعت میں عربی بول چال کا رسالہ تصنیف کرانے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ حضور نے مجلس عرفان میں ارشاد فرمایا:۔

"عربی زبان کا مردوں اور عورتوں میں شوق پیدا کرنے اور اس زبان میں لوگوں کے اندر گفتگو کا ملکہ پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ . . . . ایک عربی بول چال کے متعلق رسالہ لکھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی عربی کے بعض فقرے تجویز فرمائے تھے جن کو میں نے رسالہ تشحیذ الاذہان میں شائع کر دیا تھا۔ ان فقروں کو بھی اپنے سامنے رکھ لیا جائے اور تبرک کے طور پر ان فقرات کو بھی رسالہ میں شامل کر لیا جائے۔ درحقیقت وہ ایک طریق ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمارے سامنے پیش فرمایا۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اس راستہ پر چلیں اور اپنی جماعت میں عربی زبان کی ترویج کی کوشش کریں۔ میرے خیال میں اس میں اس قسم کے فقرات ہونے چاہئیں کہ جب ایک دوست دوسرے دوست سے ملتا ہے تو کیا کہتا ہے اور کس طرح آپس میں باتیں ہوتی ہیں۔ وہ باتیں ترتیب کے ساتھ لکھی جائیں۔ پھر مثلاً انسان اپنے گھر جاتا ہے اور کھانے پینے کی اشیاء کے متعلق اپنی ماں سے یا کسی ملازم سے گفتگو کرتا ہے اور کہتا ہے میرے کھانے کے لئے کیا پکا ہے یا کونسی ترکاری تیار ہے؟ اس طرح کی روزمرّہ کی باتیں رسالہ کی صورت میں شائع کی جائیں۔ بعد میں محلوں میں اس رسالہ کو رائج کیا جائے۔ بخصوصاً لڑکیوں کے نصاب تعلیم میں اس کو شامل کیا جائے اور تحریک کی جائے کہ طلباء جب بھی ایک دوسرے سے گفتگو کریں عربی زبان میں کریں۔ اس طرح عربی بول چال کا عام رواج خدا تعالیٰ کے فضل سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں نے ایک مُردہ زبان کو اپنی کوشش سے زندہ کر دیا ہے۔ عبرانی زبان دنیا میں کہیں بھی رائج نہیں۔ لیکن لاکھوں کروڑوں یہودی عبرانی زبان بولتے ہیں۔ اگر یہودی ایک مُردہ زبان

کو زندہ کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ عربی زبان جو ایک زندہ زبان ہے اس کا جرچا نہ ہو سکے۔ پہلے قادیان میں اس طریق کو رائج کیا جائے۔ پھر بیرونی جماعتوں میں یہ طریق جاری کرنے کی کوشش کی جائے گی چھوٹے چھوٹے آسان فقرے ہوں جو بچوں کو بھی یاد کرائے جاسکتے ہوں۔ اس کے بعد لوگوں سے امید کی جائیگی کہ وہ اپنے گھروں میں بھی عربی زبان کو رائج کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرح قرآن کریم سے لوگوں کی دلچسپی بڑھ جائے گی اور اس کی آیات کی سمجھ بھی انہیں زیادہ آنے لگ جائے گی۔ اب تو میں نے دیکھا ہے۔ دُعائیں کرتے ہوئے جب یہ کہا جاتا ہے۔ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِیْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا تو ناواقفیت کی وجہ سے بعض لوگ بلند آواز سے آمین کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ آمین کہنے کا کوئی موقعہ نہیں ہوتا۔ یہ عربی زبان سے ناواقفیت کی علامت ہے۔ اگر عربی بول چال کا لوگوں میں رواج ہو جائے گا تو یہ معمولی باتیں لوگ خود بخود سمجھنے لگ جائیں گے اور انہیں نصیحت کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

یہ رسالہ جب شائع ہو جائے تو خدام الاحمدیہ کے سپرد کر دیا جائے تاکہ اس کے تھوڑے تھوڑے حصوں کا وہ اپنے نظام کے ماتحت وقتاً فوقتاً نوجوانوں سے امتحان لیتے رہیں۔ یہ فقرات بہت سادہ زبان میں ہونے چاہئیں۔ مصری زبان میں انشاء الادب نام سے کئی رسالے اس قسم کے شائع ہو چکے ہیں مگر وہ زیادہ دقیق ہیں معلوم نہیں ہمارے سکولوں میں انہیں کیوں جاری نہیں کیا گیا" [۱]

حضرت مصلح موعودؓ کے اس ارشاد مبارک کی تعمیل معلوم نہیں آج تک کیوں نہیں ہو سکی !!!

"ستیارتھ پرکاش" کے مکمل جواب کی سکیم

حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ آریہ سماج کے بانی دیانند سرسوتی کی کتاب ستیارتھ پرکاش کا مکمل جواب شائع کیا جائے۔ چنانچہ حضور ۲ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو مجلس عرفان میں رونق افروز ہوئے اور ملک فضل حسین صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"میرے دل میں تحریک پیدا ہوئی ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ "ستیارتھ پرکاش" کا مکمل جواب لکھا جائے۔ اس وقت تک اس کے جس قدر جواب دیئے گئے ہیں وہ سب دفاعی رنگ رکھتے ہیں

---

[۱] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴۔

زیادہ تر لوگوں نے ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کو اپنے سامنے رکھا ہے اور اسی کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ ضرورت ہے کہ ستیارتھ پرکاش کے پہلے باب سے شروع کرکے آخر تک مکمل جواب لکھا جائے اور اس جواب میں صرف دفاعی رنگ نہ ہو بلکہ دشمن پر حملہ بھی کیا جائے۔ کیونکہ دشمن اس وقت تک شرارت سے باز نہیں آتا جب تک اس کے گھر پر حملہ نہ کیا جائے۔ اس کا ایک طریق تو یہ ہے کہ ستیارتھ پرکاش کے جتنے نسخے شروع سے لے کر اب تک چھپے ہیں ان سب کو جمع کیا جائے اور پھر ان نسخوں میں جو جو اختلافات ہیں یا جہاں جہاں آریوں نے ستیارتھ پرکاش میں تبدیلیاں کی ہیں وہ سب اختلافات واضح کئے جائیں اور کتاب کا ایک باب اس غرض کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ گویا ایک باب ایسا ہو جس کا عنوان مثلاً یہی ہو کہ "ستیارتھ پرکاش میں تبدیلیاں" اور پھر بحث کی جائے کہ آریوں نے اس میں کیا کیا تبدیلیاں کی ہیں۔ پھر جہاں جہاں وہ بہانے بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاتب کی غلطی سے ایسا ہو گیا وہاں بھی بحث کرکے واضح کیا جائے کہ یہ کتابت کی غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر پنڈت دیانند نے علمی طور پر ہندو مذہب کے متعلق جو باتیں لکھی ہیں ان کے متعلق ویدوں اور ہندوؤں کی پرانی کتابوں سے یہ ثابت کیا جائے کہ پنڈت جی کا بیان غلط ہے۔ اسی طرح ستیارتھ پرکاش کے ہر باب میں جو کوتاہیاں یا غلطیاں پائی جاتی ہیں، الف سے لے کر ی تک ان سب کو واضح کیا جائے۔ اسلام پر جو حملے کئے گئے ہیں ان کا بھی ضمنی طور پر جواب آجانا چاہئیے۔ اس طرح ستیارتھ پرکاش کے ردّ میں ایک مکمل کتاب لکھی جائے جو کم سے کم سات آٹھ سو صفحات کی ہو اور جس طرح ستیارتھ پرکاش ایک معیاری کتاب کے طور پر پیش کی جاتی ہے اسی طرح یہ کتاب نہایت محنت سے معیاری رنگ میں لکھی جائے۔ بعد میں ہر زبان میں اس کتاب کا ترجمہ کرکے تمام ہندوستان میں پھیلائی جائے۔

آپ اس کے لئے ڈھانچہ تیار کریں اور مجھ سے مشورہ لیں اور پھر میرے مشورہ اور میری ہدایات کے مطابق یہ کتاب لکھی جائے۔ پہلا باب مثلاً اس کتاب کی تاریخ پر مشتمل ہونا چاہئیے۔ دوسرے باب میں ستیارتھ پرکاش کے پہلے باب کا جواب دیا جائے اور بتایا جائے کہ اس میں کیا کیا غلطیاں ہیں یا اگر ہم ان باتوں کو ہندو مذہب کے لحاظ سے تسلیم کرلیں تو پھر ان پر کیا کیا اعتراض پڑتے ہیں۔ اس طرح شروع سے لے کر آخر تک تمام کتاب کا مکمل جواب لکھا جائے"[1]

---

[1] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء صفحہ ۴ کالم ۱ تا ۳، ۴

اس سکیم کے مطابق حضرت سیدنا المصلح الموعود نے اس کتاب کے مختلف ابواب پروفیسر ناصر الدین عبداللہ صاحب، مہاشہ محمد عمر صاحب اور مہاشہ فضل حسین صاحب میں بغرض جواب تقسیم فرما دیئے۔[1]

چودھویں باب کی نسبت حضور نے فیصلہ فرمایا کہ اس کا جواب خود تحریر فرمائیں گے۔[2]

جماعت احمدیہ کے ان سنسکرت دان علماء نے حضرت سیدنا المصلح الموعود کی ہدایت اور نگرانی میں ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں قریباً سات آٹھ ابواب کا جواب مکمل کر لیا۔ چنانچہ حضور نے ۲ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے خطبہ جمعہ میں بتایا کہ

"مَیں نے ستیارتھ پرکاش کا جواب شائع کرنے کا اعلان کیا تھا۔ چنانچہ اس کا جواب قریباً سات آٹھ بابوں کا ہو چکا ہے اور بقیہ تیار ہو رہا ہے۔ جو نوجوان اس کام کو کر رہے ہیں مجھے خوشی ہے کہ وہ محنت کے ساتھ کر رہے ہیں۔ اور مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ ہماری جماعت میں ایسے نوجوان پیدا ہو رہے ہیں جو ہندو لٹریچر کو اس کی اپنی زبان میں پڑھ کر غور کر سکتے ہیں۔ اس کام کے لئے مَیں نے مولوی ناصر الدین صاحب عبداللہ اور مہاشہ محمد عمر صاحب اور مہاشہ فضل حسین صاحب کو مقرر کیا ہوا ہے۔ اور یہ تینوں بہت جانفشانی سے اس کام میں لگے ہوئے ہیں اور مَیں سرِ دست ایڈیٹنگ کرتا ہوں۔ وہ نوٹ لکھ کر مجھے دے دیتے ہیں اور مَیں جرح کر کے واپس بھیج دیتا ہوں۔ پھر وہ اصل مضمون لکھ کر بھیج دیتے ہیں اور مَیں اُسے دیکھ لیتا ہوں۔ اس میں میرا اپنا کام صرف اتنا ہی ہے کہ جو دلائل کمزور ہوں ان کی طرف انہیں توجہ دلا دیتا ہوں کہ یہ یہ دلائل کمزور ہیں۔ یا تمہارا یہ اعتراض ان معنوں پر پڑتا ہے اور ان معنوں پر نہیں پڑتا یا یہ کہ بعض دفعہ ان کی عبارتوں میں جوش ہوتا ہے کیونکہ ستیارتھ پرکاش میں سخت سخت حملے کئے گئے ہیں اس لئے اس کا جواب دیتے وقت جذبات کو روکنا مشکل ہوتا ہے اس لئے مَیں اس بات کی بھی نگرانی کرتا ہوں کہ ایسے سخت الفاظ استعمال نہ کئے جائیں جن سے کسی کی دلشکنی ہو۔ یا اس بات کو بھی مَیں مدّ نظر رکھتا ہوں کہ یہ کتاب آریہ سماج کی ہے۔ لیکن ہمارے نوجوان بعض دفعہ ناتجربہ کاری کی وجہ سے اس بات کو بھول کر کہ ہمارے مخاطب تمام ہندو نہیں بلکہ صرف آریہ سماجی ہیں مضمون زیرِ بحث میں سناتن دھرم کی بعض باتوں کی بھی تردید شروع کر دیتے ہیں تو مَیں اس بات میں بھی ان کی نگرانی کرتا ہوں کہ وہ صرف آریہ سماج کو ہی مخاطب کریں۔ اور ایسی باتوں کا

---

[1] "الفضل" ۲ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱ کالم ۳
[2] " یکم صلح/جنوری " صفحہ ۲ کالم ۲

ذکر نہ کریں جو براہِ راست ویدوں یا سناتن دھرم کے لٹریچر کے متعلق ہوں جس حد تک میرے پاس مضمون آچکا ہے اور غالباً اکثر آچکا ہے اس کو دیکھ کر مَیں نے اندازہ لگایا ہے کہ بہت محنت اور جانفشانی سے لکھا گیا ہے" [1]

سیدنا المصلح الموعود کس باریک نظری اور محققانہ انداز میں ان مسودات پر نظرثانی فرماتے اور ان پر تنقید کرتے تھے اس کی چند مثالیں درج کرنا خالی از فائدہ نہ ہوں گی تا معلوم ہو کہ آپ کن خطوط پر جواب لکھوانا چاہتے تھے۔

ستیارتھ پرکاش کے چوتھے سمولاس (متعلقہ خانہ داری) کا جواب حضور نے مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل کے سپرد فرمایا تھا۔ مہاشہ صاحب نے حضور کی خدمت میں جب اپنا لکھا ہوا مسودہ پیش کیا تو حضور نے ان پر علاوہ اور ریمارکس دینے کے اپنے قلم مبارک سے مندرجہ ذیل نوٹ لکھے :-

" ان الفاظ کو نرم کیا جائے اور دلیل کو واضح۔ اس مضمون کو زوردار بنایا جا سکتا ہے "

" اس پر بار بار زور دیا جائے کہ پنڈت صاحب کھڑے تو ہندو دھرم کی تائید کیلئے ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے خود ساختہ خیالات کو پیش کر کے انہوں نے اپنے مذہب کو رائج کیا ہے "

" ہم کو صرف وید پر زور دینا چاہیئے۔ آریہ سماج کا دعویٰ ہے وید مکمل ہیں۔ پھر دوسری طرف ان کو جانے دینے کا موقعہ دینا درست ہی نہیں "

" لکھیں اگر ایک فی ہزار مثالیں بھی اس کی آریہ سماج دے تو اُسے دس ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ جو تعلیم اوّل خود ساختہ ہے۔ وید میں اس کا نام و نشان نہیں۔ دوم اس پر ایک فی ہزار آریہ سماجی بھی عمل کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اسے عالمگیر قرار دینا اور دنیا کی مشکلات کا حل قرار دینا کیسی دیدہ دلیری کی بات ہے "

افسوس !! تقسیم ملک کی وجہ سے ستیارتھ پرکاش کے جواب کی یہ کوشش درمیان ہی میں رہ گئی۔

تیسری جنگِ عظیم کے شروع ہونے سے قبل تبلیغِ اسلام کی سرگرمیاں تیز تر کر دینے کی تلقین

دوسری جنگ عظیم ابھی پورے زور شور سے جاری تھی کہ حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ۲۹ تبوک/ستمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو ایک خاص خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں بتایا کہ جنگ کے بعد دنیا پھر ایک ظلم کا بیج بونے والی ہے۔ ہمیں اس غلطی کو واضح کرنے اور اسلام کو پھیلانے میں دیوانہ وار

[1] "الفضل" ۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱۔

مصروف ہو جانا چاہیئے۔ اس اجمال کی تفصیل سیدنا المصلح الموعود ہی کے الفاظ مبارک میں درج ذیل کی جاتی ہے۔
حضور نے جماعت احمدیہ کے ہر فرد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :-

" بالکل ممکن ہے اگر فاتح مغربی اقوام جرمنی اور جاپان سے اچھوتوں والا سلوک کریں۔ تو گو جرمنی اور جاپان سے یہ قومیں ذلت نہ اُٹھائیں مگر اس ظلم کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بعض اور قومیں کھڑی کر دے جن کا مقابلہ ان کے لئے آسان نہ ہو۔ پس دُنیا پھر خدانخواستہ ایک غلطی کرنے والی ہے۔ پھر خدانخواستہ ایک ظلم کا بیج بونے والی ہے۔ پھر ایک ایسی حرکت کرنے والی ہے جس کا نتیجہ کبھی اچھا پیدا نہیں ہو سکتا اور ہمارا فرض ہے کہ ہم خدا تعالیٰ سے دُعا کریں کہ وہ اس غلطی سے حاکم اقوام کو بچائے۔ اور دوسری طرف ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا کو اس غلطی سے آگاہ کریں۔ اور تبلیغ اسلام کے متعلق زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔ اس جنگ کے بعد کم سے کم دو ملک ایسے تیار ہو جائیں گے جو ہماری باتوں پر سنجیدگی اور متانت کے ساتھ غور کریں گے یعنی جرمنی اور جاپان۔ یہ دو مُلک ایسے ہیں جو ہماری باتیں سُننے کے لئے تیار ہو جائیں گے خصوصاً جرمنی ایک ایسا ملک ہے جو اس لحاظ سے خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ ہم ان لوگوں کے پاس پہنچیں گے اور انہیں بتائیں گے کہ دیکھو عیسائیت کتنی ناکام رہی کہ عیسائیت کی قریباً دو ہزار سالہ غلامی کے بعد بھی تم غلام کے غلام رہے اور غلام بھی ایسے جن کی مثال سوائے پُرانے زمانہ کے اور کہیں نظر نہیں آسکتی۔ اس وقت ان کے دل اسلام کی طرف راغب ہوں گے اور ان کے اندر یہ احساس پیدا ہوگا کہ آؤ ہم عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام پر غور کریں اور دیکھیں کہ اس نے ہمارے دُکھوں کا کیا علاج تجویز کیا ہوا ہے۔ پس وہ وقت آنے والا ہے جب جرمنی اور جاپان دونوں کے سامنے ہمیں عیسائیت کی ناکامی اور اسلامی اصول کی برتری کو نمایاں طور پر پیش کرنا پڑے گا۔ اسی طرح انگلستان اور امریکہ اور رُوس کے سمجھ دار طبقہ کو (اور کوئی مُلک ایسے سمجھ دار طبقہ سے خالی نہیں ہوتا) اسلام کی تعلیم کی برتری بتا سکیں گے۔ مگر یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہماری طاقت منظّم ہو، جب ہماری جماعت کے تمام افراد زیادہ سے زیادہ قربانیاں کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جب کثرت سے مبلّغین ہمارے پاس موجود ہوں اور جب ان مبلّغین کے لئے ہر قسم کے سامان ہمیں میسر ہوں۔ اس طرح یہ کام اسی وقت ہو سکتا ہے جب جماعت کے تمام نوجوان پورے طور پر منظّم ہوں اور کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ ہو جو

اس تنظیم میں شامل نہ ہو۔ وہ سب کے سب اس ایک مقصد کے لئے کہ ہم نے دنیا میں اسلام اور احمدیت کو قائم کرنا ہے اس طرح رات اور دن مشغول رہیں جس طرح ایک پاگل اور مجنون شخص تمام جہات سے اپنی توجہ ہٹا کر صرف ایک کام کی طرف مشغول ہو جاتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے اپنی بیوی کو، وہ بھول جاتا ہے اپنے بچوں کو، وہ بھول جاتا ہے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو اور صرف ایک مقصد اور ایک کام اپنے سامنے رکھتا ہے۔ اگر ہم یہ جنون کی کیفیت اپنے اندر پیدا کر لیں اور اگر ہماری جماعت کا ہر فرد دن اور رات اس مقصد کو اپنے سامنے رکھے تو یقیناً خدا تعالیٰ ہماری جماعت کے کاموں میں برکت ڈالے گا اور اس کی کوششوں کے حیرت انگیز نتائج پیدا کرنا شروع کر دے گا "[1]

حضرت مصلح موعودؓ کی الوداعی نصائح ایک مبلغ کے لئے

ملک احسان اللہ صاحب واقفِ زندگی (مولوی عبدالخالق صاحب فاضل اور چودھری نذیر احمد صاحب آف رائے ونڈ کی معیت میں) ۲۳ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو افریقہ میں اعلائے کلمہ اسلام کی غرض سے روانہ ہوئے۔ اس موقعہ پر حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ان کو مندرجہ ذیل نصائح لکھ کر دیں:۔

"خدا تعالیٰ پر ایمان، اس کی قضاء و قدر پر یقین، دعاؤں پر زور، اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں سے محبت، ہمیشہ مابعد الموت کا خیال رکھنا ایمان کے ستون ہیں۔

اس کے بعد نماز باقاعدہ پڑھیں، سنوار کر پڑھیں۔ دین کے بارے میں اپنے نفس سے کوئی بات نہ کہیں، سادہ زندگی بسر کریں۔ خدمت خلق کریں اور بنی نوع انسان کی خیر خواہی کو زندگی کا مقصد بنائیں۔ مرکز سے تعلق رہے۔ ساتھیوں سے تعاون رہے، زبان اور ہاتھ ہمیشہ قابو میں رہیں۔

۲۰ ۱۱/۴۴ والسلام خاکسار مرزا محمود احمد "[2]

مسلمانان چمبہ کی امداد

مکرم مرزا رحیم بیگ صاحب ریاست چمبہ کے نہایت مخلص احمدی اور سلسلہ احمدیہ اور حضرت مصلح موعود کے ممتاز شیدائیوں اور فدائیوں میں سے تھے۔[3] اور ہر لحظہ مسلمانوں کی بہبودی کا خیال انہیں رہتا تھا۔ مرزا صاحب موصوف نے مرکز احمدیت میں اطلاع دی

---

[1] "الفضل" ۱۱/اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۷ کالم ۲-۳۔

[2] " ۱۹/وفا/جولائی " صفحہ ۳ کالم ۳۔

[3] تقسیم ملک کے بعد آپ ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔

کہ ریاست چمبہ میں صدر کونسل انتظامیہ[1] کے بدلنے پر مسلمانوں کے لئے پہلے سے زیادہ پُر آشوب زمانہ آرہا ہے۔ اس اطلاع پر حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔اے، ایل ایل بی واقف زندگی کو ریاست چمبہ میں بھجوایا۔ چوہدری صاحب نے مسلمانانِ[1] چمبہ کے زراعت پیشہ قرار دیا جانے، ان کی مذہبی[1] آزادی اور ٹیکسوں[1] میں تخفیف کے اہم معاملات کے سلسلہ میں ہر ممکن کوشش کی۔[2]

خلفاء کو اہم وصیّت

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ نے ۸ر فتح / دسمبر ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کو تحریک جدید کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے آئندہ آنے والے خلفاء کو وصیت فرمائی کہ

"ہمارا نظام بھی محبت اور پیار کا ہے۔ کوئی قانون ہمارے ہاتھ میں نہیں کہ جس کے ذریعہ ہم اپنے احکام منوا سکیں۔ بلکہ میری ذاتی رائے تو یہی ہے کہ احمدیت میں خلافت ہمیشہ بغیر دنیوی حکومت کے رہنی چاہیئے۔ دنیوی نظام حکومت الگ ہونا چاہیئے اور خلافت الگ تا وہ شریعت کے احکام کی تعمیل کی نگرانی کر سکے۔ ابھی تو ہمارے ہاتھ میں حکومت ہے ہی نہیں۔ لیکن اگر آئے تو میری رائے یہی ہے کہ خلفاء کو ہمیشہ عملی سیاسیات سے الگ رہنا چاہیئے اور کبھی بادشاہت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے۔ ورنہ سیاسی پارٹیوں سے براہ راست خلافت کا مقابلہ شروع ہو جائے گا اور خلافت ایک سیاسی پارٹی بن کر رہ جائے گی اور خلفاء کی حیثیت باپ والی نہ رہے گی۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کے ابتداء میں خلافت اور حکومت جمع ہوئی ہیں مگر وہ مجبوری تھی کیونکہ شریعت کا ابھی نفاذ نہ ہوا تھا۔ اور چونکہ شریعت کا نفاذ ضروری تھا اس لئے خلافت اور حکومت کو اکٹھا کر دیا گیا اور ہمارے عقیدہ کی رُو سے یہ جائز ہے کہ دونوں اکٹھی ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ الگ الگ ہوں۔ ابھی تو ہمارے ہاتھ میں حکومت ہے ہی نہیں مگر میری رائے یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ ہمیں حکومت دے اس وقت بھی خلفاء کو اسے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے بلکہ الگ رہ کر حکومتوں کی نگرانی کرنی چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ وہ اسلامی احکام کی پیروی کریں اور ان سے مشورہ لے کر چلیں اور حکومت کا کام سیاسی لوگوں کے سپرد ہی رہنے

---

[1] ریاست چمبہ کے فرمانروا راجہ رام سنگھ جی دسمبر ۱۹۳۵ء میں سرگباش ہو گئے اور ان کی جگہ ان کے بیٹے راجہ لکشمن جی گدی نشین ہوئے۔ لکشمن جی چونکہ ان دنوں ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اس لئے ان کی نابالغی کے زمانہ میں ریاستی انتظام کے لئے ایک کونسل آف ایڈمنسٹریشن مقرر کر دی گئی تھی (تذکرہ رؤسائے پنجاب" جلد دوم مؤلفہ سر لیپل ایچ گریفن و کرنل میسی مترجم سید نوازش علی طبع دوم ۱۹۴۰ء صفحہ ۴۸۳)۔

[2] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ ۲۴-۱۳۲۳ہش / ۴۵-۱۹۴۴ء صفحہ ۱۳۰۔

دیں۔ پس اگر حکم کا سوال ہو تو میرا نقطہ نگاہ تو یہ ہے کہ اگر میری چلے تو مَیں کہوں گا کہ حکومت ہاتھ میں آنے پر بھی خلفاء اسے اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ انہیں اخلاق اور احکام قرآنیہ کے نفاذ کی نگرانی کرنی چاہیئے۔" [1]

سرحد کے احمدی طالب علموں کو مرکز میں لانے کی ضرورت

سیدنا المصلح الموعود بیرونی دنیا میں تبلیغ خصوصاً برصغیر کے اندر اشاعت اسلام و احمدیت کا جال بچھا دینے کے لئے خاص طور پر متفکر رہتے تھے۔ اسی تعلق میں حضور نے ۹ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو اپنی مجلس علم و عرفان میں اس رائے کا اظہار فرمایا کہ

"اس بات کی بہت ضرورت ہے کہ صوبہ سرحد سے طالب علم قادیان میں آئیں۔ ہم نے اس کے لئے بڑی کوشش کی ہے مگر وہاں سے ایسے طالب علم نہیں آتے جو تعلیم کے بعد خدمت دین کریں۔ جو آتے ہیں وہ اس طرف لگ جاتے ہیں کہ نوکریاں کریں۔ صرف ایک مولوی چراغ دین صاحب ہیں۔ باقی سارے پڑھنے کے بعد ملازمتیں کرنے لگ گئے ہیں۔ صوبہ سرحد میں تبلیغ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مبلّغ وہاں کا ہی باشندہ ہو جو وہاں کے رسم و رواج اور ان لوگوں کی عادات سے واقف ہو پنجابی مبلغ اس علاقہ میں اس طرح کام نہیں کر سکتا جس طرح کہ اس علاقہ کا باشندہ کر سکتا ہے" [2]

حکومت سندھ کی طرف سے "ستیارتھ پرکاش" کے چودھویں باب کی ضبطی اور حضرت سیدنا المصلح الموعود

سندھ گورنمنٹ نے مسلمانان ہند کے ملک گیر مظاہروں سے متاثر ہو کر ۵ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت حکم جاری کر دیا کہ ستیارتھ پرکاش کی کوئی کاپی اس وقت تک چھاپی یا شائع نہ ہو جب تک چودھویں باب کو حذف نہ کر لیا جائے۔ اس اعلامیہ پر اگلے روز آریہ سماج وچھو والی اور آریہ سماج انارکلی نے اس ضبطی کے خلاف جلسے کئے جن میں آریہ مقرروں نے دھمکی دی کہ یہ حکم ملک میں بدامنی کا باعث بنے گا۔ ایک ایک آریہ سماجی ستیارتھ پرکاش کی رکھشا کے لئے میدان میں نکلے گا۔ اس کے بعد آریوں نے ایک اینٹی قرآن لیگ بھی قائم کر لی اور قرآن مجید کی ضبطی کا مطالبہ کرنے لگے اور ملک میں ہر طرف ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔

سیدنا المصلح الموعود نے ۲۱ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو اپنی مجلس علم و عرفان میں "ستیارتھ پرکاش" سے

---

[1] "الفضل" ۱۲ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲-۳۔

[2] " " ۹ " " " صفحہ ۲ کالم ۲۔

شدید نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہوئے انگریزی حکومت کی مسلسل خاموشی پر سخت تنقید کی اور حکومت سندھ کی کارروائی کو غلط قرار دیتے ہوئے فرمایا:۔

"میرے نزدیک ستیارتھ پرکاش اس وقت ہی قابل ضبطی تھی جب وہ شائع کی گئی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اسے ضبط کیوں کیا گیا ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اس کے ضبط کرنے میں گورنمنٹ اتنی دیر کیوں خاموش رہی۔ پھر جس قانون یعنی ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کو ضبط کیا گیا ہے یہ ایک عارضی قانون ہے۔ اس کا نتیجہ صرف یہی ہوگا کہ مسلمانوں اور آریوں میں لڑائی جھگڑا اور شورش تو پیدا ہو جائے گی مگر جب جنگ کے خاتمہ پر ڈیفنس کا قانون منسوخ ہوگا ساتھ ہی ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کی ضبطی کا حکم بھی منسوخ ہو جائے گا۔ پس ایسے قانون کے ماتحت اس کتاب کو ضبط کرنا جو عارضی ہے صرف فساد پیدا کرے گا اور نتیجہ کچھ بھی نہ نکلے گا

پس اوّل تو گورنمنٹ کو چاہیئے تھا کہ اس کتاب کو اس وقت ضبط کرتی جب یہ شائع کی گئی تھی۔ اتنی دیر کیوں کی گئی۔ پھر اگر اب ضبط کرنا تھا تو عام قانون کے ماتحت ضبط کرتی۔ اور جس طرح مَیں نے بتایا ہے گورنمنٹ یہ دلیل دیتی کہ ہم اس وجہ سے اس کتاب کو ضبط کرتے ہیں کہ اس میں ایسی باتیں دوسرے مذاہب کی طرف منسوب کی گئی ہیں جو اُن مذاہب میں نہیں پائی جاتیں اور ایسی باتیں کہہ کر دوسرے مذاہب کا مذاق اُڑایا گیا ہے اور اشتعال دلایا گیا ہے جو خود کتاب لکھنے والے کے مذہب میں بھی پائی جاتی ہیں۔

اگر سندھ گورنمنٹ اس طرح کرتی کہ عام قانون کے ماتحت اس کتاب کو ضبط کرتی اور اس میں یہ دلیل دیتی جو مَیں نے بیان کی ہے تو آریوں نے جو اَب اینٹی قرآن تحریک شروع کر رکھی ہے۔ یہ تحریک جاری کرنے کی انہیں کبھی جرأت نہ ہوتی۔ کیونکہ سارے آریہ تو کیا سارے ہندو، سارے جینی، سارے عیسائی اور سارے یہودی مل کر قرآن مجید کی کوئی ایک آیت تو ایسی دکھائیں جس میں قرآن مجید نے کسی مذہب کی طرف کوئی بات منسوب کی ہو اور وہ بات اس مذہب میں نہ پائی جاتی ہو۔ قرآن مجید نے عیسائیوں کے متعلق کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں کہی جو عیسائیوں میں نہ پائی جاتی ہو۔ قرآن مجید نے کوئی ایک بات بھی یہودیوں کے متعلق ایسی نہیں کہی جو یہودیوں میں نہ پائی جاتی ہو۔ بلکہ نہایت دیانت داری سے وہی باتیں ان کی طرف منسوب کی ہیں جو اُن کے مذہب

میں پائی جاتی ہیں۔ بیشک آجکل یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہماری موجودہ کتابوں میں وہ باتیں نہیں پائی جاتیں جو قرآن مجید ہماری طرف منسوب کرتا ہے لیکن ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ اگر یہ باتیں آجکل تمہاری کتب میں نہیں پائی جاتیں تو اس کا قرآن ذمہ دار نہیں کیونکہ تمہاری کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے۔ یہ باتیں اُس وقت تمہاری کتابوں میں پائی جاتی تھیں جب قرآن مجید نازل ہوا تھا۔ پس قرآن مجید وہی باتیں دوسرے مذاہب کی طرف منسوب کرتا ہے جن کے متعلق یا تو ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ جس زمانہ میں قرآن مجید نازل ہوا اس وقت یہ باتیں ان مذاہب میں پائی جاتی تھیں اور یا ایسی باتیں دوسرے مذاہب کی طرف منسوب کرتا ہے جن کو وہ لوگ اب بھی مانتے ہیں اور وہ باتیں اسی رنگ میں ان کے اندر پائی جاتی ہیں جس رنگ میں قرآن مجید پیش کرتا ہے

اسی طرح مخالف قرآن مجید کی کوئی ایک آیت بھی ایسی پیش نہیں کر سکتا جس میں کوئی ایسی بات کہہ کر دوسرے مذہب پر اعتراض کیا گیا ہو جس کو قرآن مجید خود بھی مانتا ہو بلکہ دیانت داری سے قرآن مجید دوسرے مذہب کی انہی باتوں پر اعتراض کرتا ہے جن کو خود نہیں مانتا۔ پس یہ دو اصول مدنظر رکھتے ہوئے اگر عام مقررہ قانون کے ماتحت گورنمنٹ ضبطی کا حکم لگاتی تو آریہ سماج کوئی وجہ شور پیدا کرنے کا نہ پا سکتی اور یہ اینٹی قرآن ایجی ٹیشن کا ڈھکوسلہ چل ہی نہ سکتا۔

نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ وہی حصہ ستیارتھ پرکاش کا ضبط نہ ہونا چاہیئے تھا جو اسلام کے خلاف ہے بلکہ وہ حصہ بھی ضبط ہونا چاہیئے تھا جو عیسائیت کے خلاف ہے، جو ہندو مذہب کے خلاف ہے، جو جین مذہب کے خلاف ہے، جو سکھ مذہب کے خلاف ہے۔ کیونکہ ستیارتھ پرکاش میں ان مذاہب کی طرف بھی وہ باتیں منسوب کی گئی ہیں جو اُن میں نہیں پائی جاتیں یا جو خود آریہ سماج کے مسلّمات میں بھی ہیں۔ اگر دل دُکھنا ضبطی کی دلیل ہے تو کیا سکھ کا دل نہیں دُکھتا؟ کیا عیسائیوں کے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچتی؟ جس طرح مسلمانوں کا دل دُکھتا ہے اسی طرح سکھوں کا دل بھی دُکھتا ہے۔ اسی طرح عیسائیوں کا دل بھی دُکھتا ہے۔ پس گورنمنٹ کو چاہیئے تھا کہ اگر ضبط کرتا تھا تو ایسے سب بابوں کو ضبط کرتی جو دوسرے مذاہب کے بارہ میں ہیں اور ان دو باتوں پر اس کی بنیاد رکھتی۔ محض دل دُکھنے پر بنیاد نہ رکھتی۔ . . . . پس ہمیں چار باتوں پر اعتراض ہے۔

۱۔ پہلی یہ کہ اس کتاب کی ضبطی میں دیر کیوں کی گئی؟ یہ کتاب اس وقت ہی قابلِ ضبط تھی جس وقت شائع ہوئی۔

۲۔ دوسرے ہمیں اس بات پر اعتراض ہے کہ ایک عارضی قانون کے ماتحت اس کو کیوں ضبط کیا گیا ہے؟ اس سے ضرور فتنہ پیدا ہوگا اور جب یہ قانون منسوخ ہوگا تو ساتھ ہی ضبطی کا حکم بھی منسوخ ہو جائے گا۔

۳۔ تیسرے یہ بات ہمارے نزدیک قابلِ اعتراض ہے کہ دلیل نہیں دی گئی کہ کیوں ضبط کرتے ہیں؟ محض دل دکھنا کوئی دلیل نہیں۔

۴۔ چوتھے یہ بات بھی قابلِ اعتراض ہے کہ صرف مسلمانوں کی تائید میں قدم اٹھایا گیا ہے حالانکہ گورنمنٹ کو سب مذاہب کی حفاظت کرنی چاہیئے تھی۔

پس یہ چار وجوہ ہیں جن کی بنا پر ہم سندھ گورنمنٹ کی ستیارتھ پرکاش کے متعلق موجودہ کارروائی کو غلط سمجھتے ہیں"[1]

تحریکِ جدید کے دفترِ دوم کی بنیاد

حضرت سیدنا المصلح الموعود نے خدا تعالیٰ کے القاءِ خاص سے نومبر ۱۹۳۴ء میں تحریکِ جدید جیسی عالمی تبلیغ اسلام تنظیم قائم فرمائی جس کا پہلا دس سالہ دور اس سال ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں نہایت کامیابی و کامرانی کے ساتھ اختتام پذیر ہو گیا جس پر حضور نے ۲۴؍نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو اس کے دفترِ دوم کی بنیاد رکھی اور دعوت دی کہ

"پانچ ہزار دوستوں کی ایک نئی جماعت آگے آئے جو اس تحریک میں حصہ لے"

نیز فرمایا:۔

"مَیں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے جماعت کے دوستوں میں ہمت پیدا کرے گا اور پھر جو کوتاہی رہ جائے گی اسے وہ اپنے فضل سے پورا کر دے گا۔ یہ اسی کا کام ہے اور اسی کی رضا کے لئے مَیں نے یہ اعلان کیا ہے۔ **زبان گو میری ہے مگر بُلاوا اُسی کا ہے۔** پس مبارک ہے وہ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے بُلاوا سمجھ کر ہمت اور دلیری کے ساتھ آگے بڑھتا ہے اور خدا تعالےٰ رحم کرے اس پر جس کا دل بُزدلی کی وجہ سے پیچھے ہٹتا ہے"[2]

---

[1] "الفضل" ۱۳؍فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲-۳

[2] " " ۲۸؍نبوت/نومبر " صفحہ ۸ کالم ۴

تحریک جدید کے دور اوّل کی شاندار کامیابی پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے اور حضرت سیدنا المصلح الموعود کے حضور ہدیہ اخلاص پیش کرنے کے لئے مسجد اقصیٰ قادیان میں ۲۳ نبوت / نومبر ۱۳۲۳ھش / ۱۹۴۴ء کو ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے فرمائی۔[1]

بیرونی مجاہدین کو بلوانے اور نئے مبلغین بھجوانے کا فیصلہ

تحریک جدید کے دور ثانی کا اعلان کرنے کے ساتھ ہی سیدنا المصلح الموعود نے فیصلہ کیا کہ بیرونی مجاہدین احمدیت کو جلد سے جلد واپس بلانے کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا :-

"ضروری ہے کہ جو مبلغ بیرونی ممالک میں جائیں اُن کے لئے کافی رقم سفر خرچ کے لئے مہیا کی جائے۔ کافی لٹریچر مہیا کیا جائے اور پھر سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ان کی واپسی کا انتظام کیا جائے۔ ہر تیسرے سال مبلغ کو واپس بھی بلانا چاہیئے اور پرانے مبلغوں کو بلانے اور نئے بھیجنے کے لئے کافی روپیہ مہیا کرنا ضروری ہے۔ ابھی ہم نے تین نوجوانوں کو افریقہ بھیجا ہے۔ وہ ریل کے تھرڈ کلاس میں اور لاریوں میں سفر کریں گے۔ مگر پھر بھی ۱۷ - ۱۸ سو روپیہ ان کے سفر خرچ کا اندازہ ہے۔ اگر ہم یہ اندازہ کریں کہ ہر سال ۳۳ فیصدی مبلغ واپس بلائے جائیں گے اور ۳۳ فیصدی ان کی جگہ بھیجے جائیں گے اور ہر ایک کے سفر خرچ کا تخمینہ پندرہ سو روپیہ رکھیں تو صرف یہی خرچ ایک لاکھ روپیہ سالانہ کا ہوگا اور یہ صرف سفر خرچ ہے۔ اور اگر مبلغین کو چار چار سال کے بعد بلائیں تو یہ خرچ پھر بھی ۷۵ ہزار روپیہ ہوگا۔ اور کم سے کم اتنے عرصہ کے بعد اُن کو بلانا نہایت ضروری ہے۔ تا ان کا اپنا ایمان بھی تازہ ہوتا رہے اور ان کے بیوی بچوں اور خود ان کو بھی آرام ملے۔ اب تو یہ حالت ہے کہ حکیم فضل الرحمٰن صاحب کو باہر گئے ایک لمبا عرصہ گذر چکا ہے اور انہوں نے اپنے بچوں کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ جب وہ گئے تو ان کی بیوی حاملہ تھیں۔ بعد میں لڑکا پیدا ہوا۔ اور ان کے بچے پوچھتے ہیں کہ اماں ہمارے ابا کی شکل کیسی ہے۔ اسی طرح مولوی جلال الدین صاحب شمس انگلستان گئے ہوئے ہیں اور صدر انجمن احمدیہ اس ڈر کے مارے اُن کو واپس نہیں بلاتی کہ ان کا قائمقام کہاں سے لائیں۔ اور کچھ خیال نہیں کرتی کہ ان کے بھی بیوی بچے ہیں جو اُن کے منتظر ہیں۔ اُن کا بچہ کبھی کبھی میرے پاس آتا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہتا ہے کہ

[1] "الفضل" یکم فتح / دسمبر ۱۳۲۳ھش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۶

میرے ابا کو واپس بُلا دیں۔ پھر اتنا عرصہ خاوندوں کے باہر رہنے کا نتیجہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ عورتیں بانجھ ہو جاتی ہیں اور آئندہ نسل کا چلنا بند ہو جاتا ہے۔ ایک اور مبلغ باہر گئے ہوئے ہیں ان کے بچّہ نے جو خاصا بڑا ہے نہایت ہی دردناک بات اپنی والدہ سے کہی۔ اس نے کہا۔ اماں! دیکھو ہمارا فلاں رشتہ دار بیمار پڑا تو اس کا ابّا اُسے پوچھنے کے لئے آیا۔ تم نے ابّا سے کیوں شادی کی جو کبھی ہمیں پوچھنے بھی نہیں آیا۔ اس نے بچپن کی وجہ سے یہ تو نہ سمجھا کہ اگر یہ شادی نہ ہوتی تو وہ پیدا کہاں سے ہوتا اور اس طرح ہنسی کی بات بن گئی۔ مگر حقیقت پر غور کرو یہ بات بہت ہی دردناک ہے۔ اس کے والد عرصہ سے باہر گئے ہوئے ہیں اور ہم ان کو واپس نہیں بُلا سکے۔ پس یہ بہت ضروری ہے کہ مبلّغین کو تین چار سال کے بعد واپس بُلایا جائے"[۱]

اس فیصلہ کے بعد بیرونی مجاہدین کی واپسی کے لئے ہر ممکن اقدامات کی طرف خاص توجہ دی جانے لگی۔

حضرت سیدنا المصلح الموعود کی طرف سے جماعت اسلامی سے متعلق بعض سوالات کے جوابات

شمالی ہند میں "جماعت اسلامی" کے نام سے مسلمانوں کی ایک سیاسی جماعت[۲] تین برس پیشتر معرض وجود میں آئی تھی۔ یہ جماعت سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی[۳] سابق ایڈیٹر "الجمعیتہ" دہلی و مدیر رسالہ "ترجمان القرآن"[۴] لاہور کی قیادت میں ۲۵ راگست ۱۹۴۱ء[۵] کو قائم ہوئی۔

اس جماعت کا پہلا مرکز دفتر رسالہ ترجمان القرآن مبارک پارک پونچھ روڈ لاہور میں تھا۔ ۱۵ رجون ۱۹۴۲ء[۶] کو جناب مودودی صاحب اپنے بعض رفقا سمیت قادیان کے نزدیک ہی ایک قریہ جمال پور (تحصیل پٹھانکوٹ ضلع گورداسپور) میں منتقل ہو گئے اور اسے اپنا "دارالاسلام" بنا کر اپنی مخصوص دعوت کی اشاعت شروع کر دی۔

---

[۱] "الفضل" ۲۸ رنبوت/نومبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۸۔

[۲] ترجمان القرآن مئی ۱۹۵۰ء صفحہ ۷ پر صاف لکھا ہے "اس کا دین ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک سیاست ہے"

[۳] ولادت ۲۵ رستمبر ۱۹۰۳ء بمقام اورنگ آباد حیدر آباد دکن۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۸۹۶ء میں ملک کے جن مشہور سجادہ نشینوں کو مباہلہ کا چیلنج دیا مگر وہ میدان میں آنے کی جرأت نہ کر سکے ان میں آپ کے دادا "سید حسین شاہ صاحب مودودی دہلی" بھی تھے۔ (انجام آتھم صفحہ ۷۱، طبع اوّل)

[۴] محرم الحرام ۱۳۴۹ھ (مطابق مئی۔ جون ۱۹۳۰ء) کا واقعہ ہے کہ ابو محمد مصلح صاحب نے ریاست حیدر آباد دکن کی سرپرستی میں ایک ادارہ "قرآنی تحریک" کی داغ بیل ڈالی اور ایک رسالہ "ترجمان القرآن" بھی جاری کیا جس کا انتظام انہوں نے ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ (مطابق مارچ۔ اپریل ۱۹۳۳ء) کے شمارہ کے بعد مودودی صاحب کے سپرد کر دیا (قرآنی تحریک کی مختصر تاریخ مرتبہ ابو محمد مصلح سلسلہ اشاعت قرآن حیدر آباد دکن جلد ۴ شمارہ "ترجمان القرآن" ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ)

[۵] "روئداد جماعت اسلامی" حصہ اوّل صفحہ ۳ طبع اوّل ناشر مکتبہ جماعت اسلامی دارالاسلام جمال پور پٹھانکوٹ۔

[۶] روداد جماعت اسلامی حصہ اوّل صفحہ ۳۴۔

۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کے آخر میں ایک دوست نے "جماعت اسلامی" کے نظریات وعقائد کی نسبت دو سوالات حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی خدمت میں لکھ کر بھیجے جن کا جواب حضور نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا۔ یہ سوالات مع جوابات درج ذیل کئے جاتے ہیں :-

"سوال اوّل

تحریک جماعت اسلامی سے حضور واقف ہوں گے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کے ساتھی اسلام کے متعلق حسب ذیل نظریہ رکھتے ہیں۔

قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ انسان کے لئے ضابطہ حیات ہے جو اخلاقی، تمدنی اور سیاسی قوانین کا مجموعہ ہے۔ اسلام اس کی کامل پیروی کا نام عبادت رکھتا ہے۔ جو شخص اس ضابطہ حیات کی بجائے نظام باطل کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرتا ہے وہ صحیح عبد نہیں ہے یا جو اعتقادی طور پر تو ضابطہ شریعت (قرآن) پر ایمان رکھتا ہو مگر عمل دوسرے قوانین پر کر رہا ہو وہ بھی حلقہ عبودیت سے دُور ہے

دلائل

۱۔ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

۲۔ وَاعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ

۳۔ وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا

کیا یہ احمدیت کی رُو سے بھی درست ہے؟

جواب

یہ درست ہے کہ قرآن کریم کے ہر ایک حکم پر عمل کرنا اگر طاقت ہو ضروری ہے مگر کلمۂ حکمت سے باطل مراد لینا نادرست ہے۔

سوال دوم

قبل ان الامر کلہ للہ سے استنباط کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی مالک الملک اور فرمانروا ہے۔ اس کی حکومت میں کسی کا حکم نہیں چلتا۔ انسان کے لئے ضابطہ حیات بنانے کا حق اُسے ہے کیونکہ وہی اس کی ضروریات اور رازوں سے واقف ہے۔ مخلوق کا کام صرف اس کی پیروی میں ہی اس کی فلاح ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص خدا کے قانون کو چھوڑ کر یا جو شخص یا ادارہ خود کوئی قانون بناتا

ہے (درآنحالیکہ اس کے پاس خدا تعالٰی کی طرف سے کوئی CHARTER نہیں) یا کسی دوسرے کے بنائے ہوئے قانون کو تسلیم کرکے اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ طاغوت (خارج از اطاعتِ حق) ہے اور اس سے فیصلہ چاہنے۔ اور اس کے فیصلہ پر عمل کرنے والا بھی مجرم ہے اور اس کی وفادار رعایا میں سے نہیں ہے۔

دلائل

۱۔ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔

۲۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ۔

۳۔ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ . . .

۴۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا . . . .

۵۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

۶۔ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ . . . .

مگر احمدیت ہمیں غیر الٰہی قوانین کا احترام سکھاتی ہے۔ احترام ہی نہیں بلکہ پیروی کا حکم دیتی ہے۔ یہ تضاد سمجھ میں نہیں آتا۔ وضاحت فرمائی جائے۔

جواب

اگر اس کے یہ معنے ہیں کہ غیر مذہبی حکومت کے قوانین پر عمل نہیں کرنا تو ابو العلیٰ خود بھی عمل کرتے ہیں اور ان کے ساتھی بھی"[۱][۲]

[۱] "الفضل" ۳۰ نبوت (نومبر) ۱۳۲۳ہش (۱۹۴۴ء) صفحہ ۳، ۴۔ [۲] ایک شخص نے اسی زمانہ میں مودودی صاحب سے دریافت کیا کہ "کیا ایک کافر حکومت کے اندر رہتے ہوئے یہ جائز ہے کہ آدمی لائسنس کے بغیر یا مقررہ موسموں اور اوقات میں شکار کھیلے اور بغیر لیمپ کے راتوں کو موٹر یا بائیسکل چلائے" جناب مودودی صاحب نے "ترجمان القرآن" میں اس کا حسب ذیل جواب دیا۔ "اگر آپ ایک ایسی حکومت کے اندر رہتے ہیں تو انتظام ملکی کو برقرار رکھنے کے لئے جو ضابطے اس نے بنائے ہیں اور جو قوانین بہرحال ایک منظم سوسائٹی کو بحال رکھنے کے لئے ضروری ہیں انہیں خواہ مخواہ توڑنا آپ کے لئے درست نہیں . . . . . قانون شکنی کے معنی بدنظمی (DISORDER) پیدا کرنے کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی زمین میں نظم دیکھنا چاہتا ہے نہ کہ بدنظمی۔ اس لئے اگر آپ خواہ مخواہ اس کی زمین کا نظم بگاڑیں گے تو اس کی تائید سے محروم رہیں گے" (ترجمان القرآن محرم۔ صفر ۱۳۶۴ھ (جنوری۔ فروری ۱۹۴۵ء) بحوالہ "رسائل و مسائل" صفحہ ۴۶۳، ۴۶۴ طابع و ناشر مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی اچھرہ لاہور طبع اول ستمبر ۱۹۵۱ء)

فصل سوم

مُصلح موعود کے دورِ جدید کا پہلا سالانہ جلسہ

جلسہ کی آمد سے قبل دُعاؤں کی تحریک خاص

دورِ مصلح موعود کا پہلا جلسہ سالانہ قریب آرہا تھا اس لئے حضرت امیرالمومنین نے ۲۲ر فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو اپنے خطبہ جمعہ میں اہل قادیان اور بیرونی جماعتوں کو دعائیں کرنے کی خاص تحریک کی چنانچہ ارشاد فرمایا کہ

"یہ موقعہ بہت دُعاؤں کا اور بہت گریہ وزاری کا ہے۔ قادیان کے دوست بھی بہت دُعائیں کرتے رہیں اور باہر سے آنے والے بھی دُعاؤں میں لگے رہیں کہ اللہ تعالےٰ سب کو اس اجتماع کی برکات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی توفیق دے۔ . . . . وہ باقی ماندہ ایام اور جلسہ کے ایام کو بھی اور اس کے بعد کے چند ایام کو بھی خصوصیت کے ساتھ دُعاؤں میں گذاریں" [له]

حضرت سیدنا المصلح الموعود کی معرکۃ الآراء تقاریر

یہ جلسہ حسب معمول ہائی سکول کی کھُلی گراؤنڈ میں ہوا۔ اور اس میں حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود نے چار معرکۃ الآراء تقاریر فرمائیں۔

افتتاح

حضور ۲۶ر فتح/دسمبر کو گیارہ بجے جلسہ کا افتتاح کرنے کے لئے سٹیج پر تشریف لائے۔ تمام مجمع نے کھڑے ہو کر اللہ اکبر اور حضرت امیرالمومنین زندہ باد کے نعروں سے استقبال کیا۔ حضور نے تمام مجمع کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا اور کرسی پر رونق افروز ہوگئے۔ ازاں بعد حضرت صوفی غلام محمد صاحب بی۔اے نے تلاوت قرآن کریم کی۔ پھر حضور نے افتتاحی تقریر ارشاد فرمائی جس میں بتایا کہ

"ہمیں وہ نظارے بھی یاد ہیں جب دو چار آدمی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے۔ اور آج ہم یہ نظارہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ساری دنیا میں، دنیا کی ہر قوم میں، ہر نسل میں اور ہر زبان بولنے والوں میں احمدی موجود ہیں اور ان میں ہمت اور اخلاص اور فداکاری کے جذبات اعلیٰ درجہ کے پائے جاتے ہیں اور وہ قربانی کے انتہائی مقام پر پہنچے ہوئے ہیں۔ آج خدا تعالےٰ کا ہاتھ ان کو روک رہا ہے ورنہ وہ آگے بڑھ کر اپنی جانیں قربان

له "الفضل" ۲۵ر فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴۔

کرنے کے لئے تیار ہیں۔ پروانے موجود ہیں، شمع ہی انہیں قربان ہو جانے سے روک رہی ہے اور وہ جل جانے کی خواہش اور تمنا میں جل رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت تھوڑی سے بڑھ کر اب اس مقام پہ پہنچ چکی ہے اور اتنا وسیع کام اس کے سامنے ہے کہ جو قومیں اس مقام پہ پہنچ جاتی ہیں، وہ یا تو اُوپر نکل جاتی اور سب روکاوٹوں کو توڑ ڈالتی ہیں یا پھر تنزل کے گڑھے میں گر جاتی ہیں۔ دراصل یہ مقام سب سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ بہت لوگ جب یہاں سے گر جاتے ہیں تو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کہاں چلے گئے۔ مگر بہت اس مقام سے آگے بڑھ کر اس درجہ پہ پہنچ جاتے ہیں کہ انہیں خدا تعالیٰ کا عرش نظر آنے لگتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی باتیں سُننے اور اس کے خاص انعامات کے مورد بنتے ہیں۔ خدا ان کا ہو جاتا ہے وہ خدا کے ہو جاتے ہیں۔

پس اس نازک وقت اور نازک مقام کی وجہ سے جماعت کی ذمہ داریاں بہت اہم ہیں اور آج آپ لوگوں کو سمجھ لینا چاہیئے اور اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ وقت آگیا ہے کہ یا تو ہمارا قدم نہایت بلند مقام کی طرف اُٹھے گا یا پھر نیچے گر جائے گا"[۱]

دُوسرے روز خواتین کی جلسگاہ میں تقریر

۲۔ دوسرے دن (۲۷ فتح / دسمبر کو) ظہر سے قبل سیدنا المصلح الموعود نے خواتین کی جلسگاہ میں (جو حسب سابق مسجد نور سے متصل مشرقی جانب تھی) تقریر فرمائی جس میں لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ

"ایک مہینہ کے اندر اندر یعنی جنوری ۱۹۴۵ء ختم ہونے سے پہلے وہ اپنے دفتر کو منظم کر لیں"

اس اہم ارشاد کے بعد حضور نے لجنہ کو احمدی خواتین کی تنظیم کی نسبت بیش قیمت ہدایات سے نوازتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"لجنہ اماء اللہ کا پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ جب ان کی تنظیم ہو جائے تو جماعت کی تمام عورتوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ پھر دوسرا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ نماز، روزہ اور شریعت کے دوسرے موٹے موٹے احکام کے متعلق آسان اُردو زبان میں مسائل لکھ کر تمام عورتوں کو سکھا دیئے جائیں اور پھر تیسرا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ ہر ایک عورت کو نماز کا ترجمہ یاد ہو جائے تاکہ ان کی نماز طوطے

---

[۱] "الفضل" ۳۰ دسمبر ۱۹۴۴ء / ۳۰ فتح ۱۳۲۳ ہش صفحہ ۳-۴۔

کی طرح نہ ہو کہ وہ نماز پڑھ رہی ہوں مگر ان کو یہ علم ہی نہ ہو کہ وہ نماز میں کیا کہہ رہی ہیں اور آخری اور اصل قدم یہ ہونا چاہیئے کہ تمام عورتوں کو باترجمہ قرآن مجید آ جائے اور چند سالوں کے بعد ہماری جماعت میں سے کوئی عورت ایسی نہ نکلے جو قرآن مجید کا ترجمہ نہ جانتی ہو۔ اس وقت شاید ہزار میں سے ایک عورت بھی نہیں ہوگی جس کو قرآن مجید کا ترجمہ آتا ہو۔ میری حیثیت اُستاد کی ہے اس لئے کوئی حرج نہیں اگر میں تم سے یہ پُوچھ لوں کہ جو عورتیں قرآن مجید کا ترجمہ جانتی ہیں وہ کھڑی ہو جائیں اور جن کو ترجمہ نہیں آتا وہ بیٹھی رہیں۔ مَیں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم میں سے کتنی عورتیں ایسی ہیں جو قرآن مجید کا ترجمہ جانتی ہیں۔ اس لئے جو ترجمہ جانتی ہیں وہ کھڑی ہو جائیں (حضور کے ارشاد پر بہت سی عورتیں کھڑی ہوگئیں جن کو دیکھ کر حضور نے فرمایا) بہت خوشکن بات ہے کہ میرے اندازہ سے بہت زیادہ عورتیں کھڑی ہیں۔ الحمد للہ۔ اب بیٹھ جاؤ۔ میرے لئے یہ خوشی عید کی خوشی سے بھی زیادہ ہے۔ میرا اندازہ تھا کہ جتنی عورتیں کھڑی ہوئی ہیں اس کے دسویں حصہ سے بھی کم عورتیں ہوں گی جو قرآن مجید کا ترجمہ جانتی ہوں۔ مگر خدا تعالےٰ کا فضل ہے کہ میرے اندازہ سے بہت زیادہ عورتیں کھڑی ہوئی ہیں۔ مگر میرے لئے یہ تسلّی کا موجب نہیں۔ میرے لئے تسلّی کا موجب تو یہ بات ہوگی جب تم میں سے ہر ایک عورت قرآن مجید کا ترجمہ جانتی ہوگی۔ اور مجھے خوشی اس وقت ہوگی جب تم میں سے ہر ایک عورت صرف ترجمہ ہی نہ جانتی ہو بلکہ قرآن مجید کو سمجھتی بھی ہو اور مجھے حقیقی خوشی اس وقت ہوگی جب تم میں سے ہر ایک عورت دوسروں کو قرآن مجید سمجھا سکتی ہو اور پھر اس سے بھی زیادہ خوشی کا دن تو وہ ہوگا جس دن خدا تعالےٰ تمہارے متعلق یہ گواہی دے گا کہ تم نے قرآن مجید کو سمجھ لیا ہے اور اس پر عمل بھی کیا ہے"[1]

اہم واقعات پر تبصرہ اور پروگرام

۳۔ اسی روز ۲۷ر فتح / دسمبر کو حضور نے مردانہ جلسہ گاہ میں بھی مفصل تقریر فرمائی جس میں حسب دستور سال کے اہم واقعات پر تبصرہ فرمایا اور آئندہ کے پروگرام پر روشنی ڈالی۔[2] یہ تقریر تقریباً تین گھنٹے تک جاری رہی۔[3]

ظہور مصلح موعود کے موضوع پر پُرشوکت تقریر

۴۔ سالانہ جلسہ کے آخری اجلاس (منعقدہ ۲۹ر فتح / دسمبر) میں حضرت امیر المومنین نے ساڑھے تین بجے سے لے کر

---

[1] "الازہار لذوات الخمار" مرتبہ حضرت سیدہ ام متین مریم صدیقہ صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ صفحہ ۴۰۹-۴۱۰ طبع دوم۔

[2] "الفضل" یکم صلح / جنوری ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۱ و ۲ میں اس کا ملخص شائع ہو چکا ہے۔ [3] "الفضل" ۳۰ر فتح / دسمبر ۱۳۲۳ھش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۶ کالم ۱ و ۲۔

ساڑھے سات بجے یعنی مسلسل چار گھنٹے تک خطاب فرمایا جس میں نہ صرف پیشگوئی مصلح موعود کا پورا ہونا دلائل اور واقعات سے روز روشن کی طرح ثابت فرما دیا بلکہ مولوی محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء کے اعتراضات کا نہایت احسن پیرایہ میں ردّ کیا۔ اس انقلاب آفریں تقریر کے آخری حصہ میں حضور نے جماعت احمدیہ کو نئی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:۔

" اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے رحم سے وہ پیشگوئی جس کے پورا ہونے کا ایک لمبے عرصہ سے انتظار کیا جارہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق اپنے الہام اور اعلام کے ذریعہ مجھے بتا دیا ہے کہ وہ پیشگوئی میرے وجود میں پوری ہو چکی ہے اور اب دشمنانِ اسلام پر خدا تعالیٰ نے کامل حجت کر دی ہے اور ان پر یہ امر واضح کر دیا ہے کہ اسلام خدا تعالیٰ کا سچا مذہب، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے سچے رسول اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کے سچے فرستادہ ہیں۔ جھوٹے ہیں وہ لوگ جو اسلام کو جھوٹا کہتے ہیں۔ کاذب ہیں وہ لوگ جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کاذب کہتے ہیں۔ خدا نے اس عظیم الشان پیشگوئی کے ذریعہ اسلام اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

بھلا کس شخص کی طاقت تھی کہ وہ ۱۸۸۶ء میں آج سے پورے اٹھاون سال قبل اپنی طرف سے یہ خبر دے سکتا کہ اس کے ہاں نو سال کے عرصہ میں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا وہ دنیا کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ وہ اسلام اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام دنیا میں پھیلائے گا۔ وہ علوم ظاہری اور باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ وہ جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا اور خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی قربت اور اس کی رحمت کا وہ ایک زندہ نشان ہوگا۔ یہ خبر دنیا کا کوئی انسان اپنے پاس سے نہیں دے سکتا تھا۔ خدا نے یہ خبر دی اور پھر اسی خدا نے اس خبر کو پورا کیا۔ اس انسان کے ذریعہ جس کے متعلق ڈاکٹر یہ امید نہیں رکھتے تھے کہ وہ زندہ رہیگا یا لمبی عمر پائے گا۔ میری صحت بچپن میں ایسی خراب تھی کہ ایک موقعہ پر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے میرے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کہ اسے سل ہو گئی ہے کسی پہاڑی مقام پر اسے بھجوا دیا جائے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے شملہ بھجوا دیا مگر وہاں جا کر میں اداس ہو گیا اور اس وجہ سے جلدی ہی واپس آگیا۔ غرض ایسا انسان جس کی صحت کبھی ایک دن بھی

ابھی نہیں ہوئی اس انسان کو خدا نے زندہ رکھا اور اس لئے زندہ رکھا کہ اس کے ذریعہ اپنی پیشگوئیوں کو پورا کرے اور اسلام اور احمدیت کی صداقت کا ثبوت لوگوں کے سامنے مہیا کرے۔ پھر مَیں وہ شخص تھا جسے علوم ظاہری میں سے کوئی علم حاصل نہیں تھا مگر خدا نے اپنے فضل سے فرشتوں کو میری تعلیم کے لئے بھجوایا اور مجھے قرآن کے اُن مطالب سے آگاہ فرمایا جو کسی انسان کے واہمہ اور گمان میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ وہ علم جو خدا نے مجھے عطا فرمایا اور وہ چشمۂ رُوحانی جو میرے سینہ میں پھُوٹا وہ خیالی یا قیاسی نہیں ہے بلکہ ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ میں ساری دُنیا کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر اس دُنیا کے پردہ پر کوئی شخص ایسا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسے قرآن سکھایا گیا ہے تو مَیں ہر وقت اس سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن مَیں جانتا ہوں آج دُنیا کے پردہ پر سوائے میرے اور کوئی شخص نہیں جسے خدا کی طرف سے قرآن کریم کا علم عطا فرمایا گیا ہو۔ خدا نے مجھے علمِ قرآن بخشا ہے اور اس زمانہ میں اُس نے قرآن سکھانے کے لئے مجھے دُنیا کا اُستاد مقرر کیا ہے۔ خدا نے مجھے اس غرض کے لئے کھڑا کیا ہے کہ مَیں محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے نام کو دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں اور اسلام کے مقابلہ میں دُنیا کے تمام باطل ادیان کو ہمیشہ کی شکست دے دُوں

دُنیا زور لگالے، وہ اپنی تمام طاقتوں اور جمعیتوں کو اکٹھا کرلے۔ عیسائی بادشاہ بھی اور اُن کی حکومتیں بھی مل جائیں۔ یُورپ بھی اور امریکہ بھی اکٹھا ہو جائے۔ دُنیا کی تمام بڑی بڑی مالدار اور طاقت ور قومیں اکٹھی ہو جائیں اور وہ مجھے اس مقصد میں ناکام کرنے کے لئے متحد ہو جائیں پھر بھی مَیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ میرے مقابلہ میں ناکام رہیں گی۔ اور خدا میری دُعاؤں اور تدابیر کے سامنے اُن کے تمام منصوبوں اور مکروں اور فریبوں کو ملیا میٹ کر دے گا اور خدا میرے ذریعہ سے یا میرے شاگردوں اور اتباع کے ذریعہ سے اِس پیشگوئی کی صداقت ثابت کرنے کے لئے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کے طفیل اور صدقے اسلام کی عزت کو قائم کرے گا اور اس وقت تک دُنیا کو نہیں چھوڑیگا جب تک اسلام پھر اپنی پُوری شان کے ساتھ دُنیا میں قائم نہ ہو جائے اور جب تک

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پھر دُنیا کا زندہ نبی تسلیم نہ کر لیا جائے۔

اے میرے دوستو! مَیں اپنے لئے کسی عزت کا خواہاں نہیں، نہ جب تک خدا تعالیٰ مجھ پر ظاہر کرے کسی مزید عُمر کا امیدوار۔ ہاں خدا تعالیٰ کے فضل کا مَیں امیدوار ہوں اور مَیں کامل یقین رکھتا ہوں کہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی عزت کے قیام میں اور دوبارہ اسلام کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے اور مسیحیت کے کچلنے میں میرے گذشتہ یا آئندہ کاموں کا انشاء اللہ بہت کچھ حصہ ہوگا اور وہ ایڑیاں جو شیطان کا سر کچلیں گی اور مسیحیت کا خاتمہ کریں گی اُن میں سے ایک ایڑی میری بھی ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

مَیں اس سچائی کو نہایت کھُلے طور پر ساری دُنیا کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ یہ آواز وہ ہے جو زمین و آسمان کے خدا کی آواز ہے۔ یہ مشیت وہ ہے جو زمین و آسمان کے خدا کی مشیت ہے۔ یہ سچائی نہیں ٹلے گی، نہیں ٹلے گی اور نہیں ٹلے گی۔ اسلام دُنیا پر غالب آکر رہے گا۔ مسیحیت دُنیا میں مغلوب ہو کر رہے گی۔ اب کوئی سہارا نہیں جو عیسائیت کو میرے حملوں سے بچا سکے۔ خدا میرے ہاتھ سے اُس کو شکست دے گا اور یا تو میری زندگی میں ہی اُس کو اِس طرح کچل کر رکھ دے گا کہ وہ سر اُٹھانے کی بھی تاب نہیں رکھے گی اور یا پھر میرے بوئے ہوئے بیج سے وہ درخت پیدا ہوگا جس کے سامنے عیسائیت ایک خشک جھاڑی کی طرح مُرجھا کر رہ جائے گی۔ اور دُنیا میں چاروں طرف اسلام اور احمدیت کا جھنڈا انتہائی بلندیوں پر اُڑتا ہوا دکھائی دے گا۔

مَیں اس موقعہ پر جہاں آپ لوگوں کو یہ بشارت دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُس پیشگوئی کو پُورا کر دیا جو مصلح موعود کے ساتھ تعلق رکھتی تھی وہاں مَیں آپ لوگوں کو اُن ذمہ داریوں کی طرف بھی توجہ دلاتا ہوں جو آپ لوگوں پر عائد ہوتی ہیں آپ لوگ جو میرے اس اعلان کے مصدّق ہیں آپ کا اوّلین فرض یہ ہے کہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک اسلام اور احمدیت کی فتح اور کامیابی کے لئے بہانے کو تیار ہو جائیں۔ بیشک آپ لوگ خوش ہو سکتے ہیں کہ خدا نے اس پیشگوئی کو پُورا کیا بلکہ مَیں کہتا ہوں آپ کو یقیناً خوش ہونا چاہیئے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود لکھا ہے کہ تم

خوش ہو اور خوشی سے اُچھلو کہ اس کے بعد اب روشنی آئے گی۔ پس مَیں تمہیں خوش ہونے سے نہیں روکتا۔ مَیں تمہیں اُچھلنے اور کُودنے سے نہیں روکتا۔ بیشک تم خوشیاں مناؤ اور خوشی سے اُچھلو اور کُودو۔ لیکن مَیں کہتا ہوں اس خوشی اور اُچھل کُود میں تم اپنی ذمہ داریوں کو فراموش مت کرو۔ جس طرح خدا نے مجھے رؤیا میں دکھایا تھا کہ مَیں تیزی کے ساتھ بھاگتا چلا جا رہا ہوں اور زمین میرے پَیروں کے نیچے سمٹتی جا رہی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے الہاماً میرے متعلق یہ خبر دی ہے کہ مَیں جلد جلد بڑھوں گا۔ پس میرے لئے یہی مقدر ہے کہ مَیں سُرعت اور تیزی کے ساتھ اپنا قدم ترقیات کے مَیدان میں بڑھاتا چلا جاؤں مگر اس کے ساتھ ہی آپ لوگوں پر بھی یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ اپنے قدم کو تیز کریں اور اپنی سُست روی کو ترک کر دیں۔ مبارک ہے وہ جو میرے قدم کے ساتھ اپنے قدم کو ملاتا اور سرعت کے ساتھ ترقیات کے میدان میں دوڑتا چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ رحم کرے اس شخص پر جو سُستی اور غفلت سے کام لے کر اپنے قدم کو تیز نہیں کرتا اور میدان میں آگے بڑھنے کی بجائے منافقوں کی طرح اپنے قدم کو پیچھے ہٹا لیتا ہے۔ اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو، اگر تم اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر سمجھتے ہو تو قدم بقدم اور شانہ بشانہ میرے ساتھ بڑھتے چلے آؤ تاکہ ہم کفر کے قلب میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا گاڑ دیں اور باطل کو ہمیشہ کے لئے صفحہ عالَم سے نیست و نابود کر دیں۔ اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ زمین اور آسمان ٹل سکتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی باتیں کبھی ٹل نہیں سکتیں" [1]

دوسرے مقررین

اس جلسہ میں حضرت سیدنا المصلح الموعود کی ان پُرجذب و تاثیر تقاریر کے علاوہ مندرجہ ذیل عنوانات پر بھی تقاریر ہوئیں:۔

۱۔ وحی الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر زندہ یقین (حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے)

۲۔ ذکرِ حبیب (حضرت مفتی محمد صادق صاحب)

۳۔ ختم نبوت کی حقیقت کے متعلق بزرگانِ سلف کا نقطہ نظر (مولوی محمد سلیم صاحب مبلغ سلسلہ)

۴۔ غیر احمدیوں پر عقائدِ احمدیہ کا اثر و نفوذ (مولوی محمد یار صاحب عارف سابق مبلغ انگلستان)

---

[1] "الموعود" (تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرمودہ ۲۸ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء بمقام قادیان)
الناشر: الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ ربوہ۔ طبع اوّل صفحہ ۲۰۸ تا ۲۱۶۔

۵۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثل شان احمدیت کے نقطہ نظر سے (حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب)

۶۔ حضرت کرشن کی آمد ثانی (مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل مبلغ سلسلہ)

۷۔ خدا تعالےٰ کی صفت مالکیت (قاضی محمد اسلم صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور)

۸۔ اعتراضات کے جوابات (ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم بی اے۔ ایل ایل بی وکیل گجراتی)

۹۔ اسلامی سیاست کے اصول (آنریبل چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب)

۱۰۔ تمدن اسلام کا اثر اقوام یورپ پر (حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب)

۱۱۔ غیر مبائعین کی تبدیلی عقیدہ اور تبدیلی عمل (قاضی محمد نذیر صاحب لیکچرار تعلیم الاسلام کالج)

۱۲۔ فلسفہ احکام نماز (حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی)

۱۳۔ احمدی نوجوانوں سے خطاب (حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب)

۱۴۔ بہائی تحریک کی حقیقت (مولانا ابو العطاء صاحب فاضل)[1]

صدارت کرنے والے اصحاب

اس جلسہ کے مختلف اجلاسوں میں مندرجہ ذیل اصحاب نے بالترتیب صدارت کے فرائض انجام دیئے :۔

(۱) حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سکندر آباد (۲) نواب اکبر یار جنگ بہادر حیدر آباد دکن۔
(۳) خان بہادر نواب محمد دین صاحب (۴) خاں بہادر چوہدری نعمت خاں صاحب ریٹائرڈ سشن جج[2]

جلسہ کے دوسرے ضروری کوائف

جنگ کے ایام تھے اس لئے گذشتہ سال کی طرح اس سال بھی سپیشل ٹرینوں کا کوئی انتظام نہ ہو سکا۔ نیز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے عورتوں کو جلسہ میں آنے کی بالعموم ممانعت فرمادی تھی[3] مگر اس کے باوجود اس مبارک تقریب پر دور دراز مقامات سے تئیس ۲۳ ہزار کے قریب افراد شامل جلسہ ہوئے۔ افسر جلسہ سالانہ حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب ناظر ضیافت تھے جن کی نیابت کے لئے اندرون قصبہ میں ماسٹر غلام حیدر صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی، دارالعلوم میں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اور دارالفضل و دارالبرکات میں صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب بطور ناظم مقرر تھے۔

علاوہ ازیں ایک نظامت سپلائی ڈسٹوربھی قائم تھی جس کے انچارج حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ

---

[1] و [2] "الفضل" ۳۰ر فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵-۶ ؛ [3] "الفضل" ۳ر فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء
[3] خطبہ جمعہ فرمودہ ۸ر فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء مندرجہ "الفضل" ۱۲ر فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء

مولوی فاضل تھے۔ منتظم مکانات کے دفاتر مدرسہ احمدیہ اور بورڈنگ تحریک جدید میں تھے۔ پہرہ کے انچارج شیخ نیاز محمد صاحب تھے۔ اور قصر خلافت اور مسجد مبارک میں ملاقات کے وقت ان کے علاوہ میاں غلام محمد صاحب اختر بھی ڈیوٹی پر ہوتے تھے۔ اس سال بھی لوائے احمدیت جلسہ گاہ میں سٹیج کے شمال مشرقی جانب ایک بلند پول پر جلسہ کے ایّام میں لہراتا رہا۔ جلسہ گاہ کے قریب خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کے کیمپ بھی موجود تھے۔ طبی انتظام کے لئے نور ہسپتال دن رات کھلا رہتا تھا اور ایک ڈاکٹر اور کمپاؤنڈر ہر وقت موجود رہتے تھے۔ انچارج حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب تھے جن کے ساتھ ڈاکٹر مہر دین صاحب، ڈاکٹر ظفر حسن صاحب، ڈاکٹر رحیم بخش صاحب، صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب، ڈاکٹر عبداللطیف صاحب، ڈاکٹر محمد احمد صاحب (ابن حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب) اور لیڈی ڈاکٹر غلام فاطمہ صاحبہ نے کام کیا۔ علاوہ ازیں دو ڈسپنسریاں بورڈنگ تحریک جدید کے مشرقی گیٹ اور بورڈنگ مدرسہ احمدیہ میں کھولی گئیں۔ پہلی کے انچارج ڈاکٹر احمد دین صاحب اور ڈاکٹر عبدالرؤف صاحب اور دوسری کے ڈاکٹر محمد احمد صاحب اور ڈاکٹر بشیر احمد صاحب شاد تھے۔

جلسہ میں احمدیوں کے علاوہ غیر احمدی اور غیر مسلم اصحاب نے بھی شرکت کی۔ جن غیر مسلموں کے کھانے کا انتظام جلسہ کے انتظامات کا حصہ تھا ان کی تعداد ۹۳ تھی۔[1]

جلسہ کے دوران ایک ناخوشگوار واقعہ اور حضرت امیر المومنین کی طرف سے آنحضرتؐ کی ایک دُعا پڑھنے کا ارشاد

اس جلسہ میں ایک ناخوشگوار واقعہ بھی ہوا۔ اور وہ یہ کہ بعض مخالفین احمدیت نے عین جلسہ کے ایام میں (۲۵ فتح/دسمبر) کو بعض گذرگاہوں پر لاؤڈ سپیکر لگا کر حضرت سیدنا المصلح الموعود اور جماعت احمدیہ کے متعلق نہایت بدزبانی اور درشت کلامی کا مظاہرہ کیا اور غلیظ گالیاں دینے سے بھی دریغ نہ کیا مگر حضرت سیدنا المصلح الموعود نے اپنی دوسری تقریر میں دوستوں کو نہایت پیار اور محبت کے لب و لہجہ میں فرمایا:-

"ہمارے دوستوں کو یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہئیے کہ خدا تعالیٰ کی بنائی ہوئی جماعتیں ہوتی ہی گالیاں کھانے کے لئے ہیں۔ اگر ہمیں گالیاں نہ ملیں تو دوسروں کو حق پہنچتا ہے کہ وہ کہیں کہ اگر تم صداقت پر ہو تو تمہارے ساتھ وہ سلوک کیوں نہیں ہوتا جو ہمیشہ سے خدا تعالیٰ کی

---

[1] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۵-۶۔

جماعتوں کے ساتھ مخالفین کی طرف سے ہوتا رہا ہے۔ اس قسم کی مخالفتیں ضروری ہیں۔ اور اُن سے گھبرانا مومن کی شان کے خلاف بات ہے۔ ان پر بگڑنے کی کوئی وجہ نہیں۔ دوستوں کو دُعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل سے کوئی نشان دکھائے"۔[1]

صبر و تحمل کی اس حکیمانہ تبلیغ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلسہ کے مبارک ایام بخیر و خوبی گذر گئے اور کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ اس تعلق میں سیدنا المصلح الموعود نے جلسہ کے خاتمہ کے معاً بعد ۲۹ فتح/دسمبر کو تحریک فرمائی کہ

"یکم جنوری ۱۹۴۵ء سے چالیس دن تک ہماری جماعت کے دوست متواتر اور باقاعدہ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ کی دُعا عشاء کی آخری رکعت میں پڑھا کریں۔ اس دُعا کے معنے یہ ہیں۔ کہ اے خدا! ہم پر دشمن حملہ آور ہوا ہے۔ ہمارے پاس تو مقابلہ کی طاقت نہیں۔ اس لئے ہم دشمن کے مقابلہ میں تجھے پیش کرتے ہیں۔ تُو ہی ان کے حملہ کا جواب دے وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ ہمیں تباہ کرنے کے لئے دشمن جو شرارت کرتا ہے اس کے بد اثرات سے ہمیں بچا۔ یہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی دُعا ہے"[2]

فصل چہارم

جلیل القدر صحابہ کا انتقال

اس سال جن صحابہ کا انتقال ہوا، اُن میں سے حضرت میر محمد اسحٰق صاحب رضی اللہ عنہ کے حالات فصل دوم میں گذر چکے ہیں۔ باقی صحابہ کے مختصر حالات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم ——

(ولادت: ۲۸ راکتوبر ۱۸۹۰ء وفات: ۲۰ رتبلیغ/فروری ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء بوقت شب)[3]

سلسلہ احمدیہ کے شعلہ بیاں مقرر، بلند پایہ مؤلف اور قابل اور پرجوش اخبار نویس تھے جنہیں بلند خیالی، اولوالعزمی

---

[1] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱ تا ۳-۲ [2] "الفضل" ۳۰ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳
[3] "الفضل" ۲۴ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵ (ابتدائی سوانح کیلئے ملاحظہ ہو ان کی کتاب "قادیان" صفحہ ۶۲-۶۴)

اپنے والد ماجد حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الکبیر سے ملی تھی۔ مرحوم کو ذیابطیس کا دیرینہ عارضہ تھا۔ جس نے گو جسمانی طور پر نڈھال کر رکھا تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے انہیں دل و دماغ اتنا مضبوط عطا فرمایا تھا کہ آخری دم تک تنومند ستونوں کی طرح سلسلہ کے کاموں میں مصروف رہے۔

سالہا سال تک مصر میں تبلیغی جہاد کیا اور "اسلامی دنیا" کی ادارت سے ممالک اسلامیہ کی خدمت کرتے رہے بعد ازاں قادیان آکر سخت مالی مشکلات کے باوجود نہ صرف تحریک احمدیت کے سب سے پہلے اخبار "الحکم" کو زندہ رکھا بلکہ تقریری، تحریری اور انتظامی تینوں اعتبار سے سلسلہ احمدیہ کی قابل رشک خدمات انجام دیں۔

آپ کی مشہور تالیفات یہ ہیں :-

تاریخ مالابار ۔ فتح مصر۔ فاروق شاہ مصر۔ مرکز احمدیت قادیان ۔ سیرت حضرت ام المومنینؓ (حصہ اول)

۲۔ حضرت شیخ محمد بخش صاحبؓ رئیس کڑیانوالہ ضلع گجرات

(ولادت ۱۸۵۴ء، بیعت ۱۸۹۰ء، وفات : ۱۳ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء)

آپ نے ایک بار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں اپنی مشکلات کا اظہار کیا اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "اک نہ اک دن پیش ہوگا تو فنا کے سامنے" والی مشہور نظم لکھ کر دی جس کی برکت سے آپ کی سب مشکلات دور ہوگئیں۔ ۱۸۹۷ء میں افریقہ میں نوآبادیات قائم ہوئیں۔ تو آپ نے وہاں ٹھیکہ داری کا کام شروع کیا جس سے آپ کو بہت فائدہ ہوتا رہا اور آپ بھی سلسلہ کی امداد دل کھول کر کرتے رہے۔ ایک دفعہ ایک ٹھیکہ میں جب خسارہ نظر آیا تو ایک آنہ فی روپیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کا رکھ دیا اور اس کی اطلاع حضرت اقدس کی خدمت میں بھی بھیج دی جس کے جواب میں حضور نے ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا اگر میری بجائے اشاعت اسلام کے لئے حصہ رکھا جاتا تو بہتر ہوتا۔ خدا کے فضل اور مسیح پاک کی دعاؤں کی برکت سے خسارہ نے نفع کی صورت اختیار کر لی اور حصہ کی رقم معہ دیگر رقوم حضرت اقدس کی خدمت میں ارسال کر دی گئی۔

حضرت شیخ صاحبؓ کو تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ اکثر جب ذی وجاہت لوگوں کو ملتے تو باتوں باتوں میں احمدیت کا پیغام ضرور پہنچا دیتے۔[1]

۳۔ حضرت شیخ قطب الدین احمد صاحبؓ قریشی

(ولادت ۱۸۷۴ء (اندازاً) بیعت : ۱۸۹۲ء۔ وفات : ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء بعمر ۷۰ سال)

---

[1] "الفضل" ۲۶ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۵-۶۔

نہایت فرشتہ سیرت بزرگ تھے۔ حضرت سیدنا المصلح الموعود سے خصوصاً اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ سے بہت محبت تھی۔ ۱۹۱۴ء میں جب مسئلہ خلافت پر اختلاف ہوا تو مولوی صدرالدین صاحب اپنے دو تین رفقاء سمیت پٹیالہ گئے۔ آپ ان دنوں پٹیالہ شہر کے کوتوال تھے۔ ابھی مولوی صاحب کچھ کہنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت قریشی صاحبؓ نے فرمایا۔ اگر آپ نے خلافت کی مخالفت میں کچھ کہنا ہے تو اس کی اجازت میں آپ کو نہیں دے سکتا۔ اس پر مولوی صاحب موصوف برہم ہو کر چل دیئے۔

۱۹۲۰ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کو پہلے سپرنٹنڈنٹ آبادکاری جرائم پیشہ چادا پائل لگایا۔ پھر آبادکاری جرائم پیشہ خانیوال چک ۸-۹۱/ ۸-۱۰ (محمود آباد) کا سپرنٹنڈنٹ مقرر فرمایا۔ جہاں آپ نے چک بسایا۔ مدرسہ بنوایا۔ مسجد تعمیر کرائی اور لوگوں کو احمدیت سے روشناس کرایا۔ چنانچہ چند سال ہی میں کئی لوگ احمدی ہو گئے۔

ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں سخت بیمار ہو گئے۔ اپنے بیٹے قریشی ضیاء الدین احمد صاحب بی۔ اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ کو تار دے کر دہلی سے کالکا بلوالیا۔ بیماری سے ذرا افاقہ ہوا تو فرمانے لگے "میں تو خواہ راستہ میں ہی مر جاؤں مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں جا کر لیٹوں گا۔ مجھے جس طرح بھی ہو قادیان لے چلو۔ اس پر قریشی ضیاء الدین احمد صاحب انہیں بذریعہ گاڑی قادیان لائے جہاں چند روز بعد یک دم حالت نازک ہو گئی اور ۴ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص میں دفن کئے گئے۔[۱]

۴۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحبؓ المعروف مولوی عبدالرحیم گلگتی متوطن چک اندورہ کشمیر

(وفات: ۱۱ احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء)

حضرت مولوی صاحب نے عالم شباب میں احمدیت قبول کی۔ آپ ان دنوں قریباً ۹۸-۱۸۹۷ء سے جامع مسجد گلگت میں امام مسجد تھے۔ اور بہت سا وقت خان بہادر غلام محمد صاحب کے یہاں گذارتے تھے۔ یہیں سلسلہ کا لٹریچر پڑھا اور قریباً دو سال کے بعد خان بہادر صاحب سے مخفی طور پر بیعت کا خط لکھوا دیا۔ بیعت کے دو سال بعد آپ گلگت چھوڑ کر راجہ عطا محمد صاحب یاڑی پورہ کشمیر کے پاس چلے گئے اور غالباً انہیں کی کوشش سے آپ کو چک اندورہ میں زمین بھی مل گئی اور آپ وہیں آباد ہو گئے۔[۲]

۱؎ "الفضل" ۴/۵ ہجرت/مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۳-۵۔

۲؎ 〃 یکم اخاء/اکتوبر 〃 صفحہ ۴ کالم ۳-۴۔

آپ مشہور واعظ تھے اور آپ کی سحر بیانی مسلّم تھی۔ آپ نے ایک بار راجوری میں وعظ کا سلسلہ شروع کیا۔ ہزاروں مسلمان آپ کے مواعظ حسنہ سے متاثر ہوئے۔ اور رسوم بد کو ترک کرکے اپنی تنظیم کی طرف متوجہ ہونے لگے جسے دیکھ کر راجوری کے ہندوؤں نے فرقہ دارانہ فساد کروا دیا۔ آپ کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے اور آپ کو اشتہاری مجرم قرار دیا گیا۔ اس پر آپ ریاست سے نکل کھڑے ہوئے اور ہجرت کرکے پہلے حیدرآباد پھر ۱۹۱۷ء میں اڑیسہ تشریف لے گئے اور کیرنگ کو اپنا مرکز بنا کر پورے جوش و خروش سے تبلیغی و تربیتی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔ ۲۰-۱۹۱۹ء میں آپ کلکتہ تشریف لے گئے۔ کلکتہ میں کوئی مقامی احمدی دوست اس وقت موجود نہیں تھا۔ آپ کی دو تین ماہ کی مسلسل تبلیغ سحر البیانی اور راتوں کی دعاؤں نے یہ اثر دکھایا کہ ابوطاہر محمود احمد صاحب اور مولوی لطف الرحمٰن صاحب جیسے رؤسائے کلکتہ داخل احمدیت ہوگئے۔ اور کلکتہ کی جماعت ترقی کے راستہ پر گامزن ہونے لگی۔ کلکتہ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد حضرت مولوی صاحب دوبارہ کیرنگ آئے اور ریاست نگریا میں تبلیغ کے لئے چلے گئے۔ نگریا میں احمدیوں کی برادری اور رشتہ داری تھی۔ مگر احمدی کوئی نہیں تھا۔ آپ کی قوت جاذبہ نے وہ اثر دکھایا کہ کٹرا پلی اور نگریا کی تمام آبادی احمدیت میں داخل ہوگئی اور اس دن سے وہاں ایک بڑی جماعت قائم ہے۔

کیرنگ کی جماعت میں تنظیم نہ تھی۔ اکثر لوگ احمدی کہلاتے تھے مگر نہ انہوں نے بیعت کی تھی نہ چندہ دیا کرتے تھے۔ فقط جمعہ اور عیدین میں شامل ہو جانے سے اپنے آپ کو احمدی خیال کرتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب مرحوم نے سب کا جائزہ لے کر باقاعدہ سلسلہ بیعت میں داخل کرایا۔[۲]

حضرت مولوی صاحب اڑیسہ ہی میں تھے کہ ریاست نے آپ کی جائداد کی ضبطی کا حکم دے دیا۔ آپ کے بعض رشتہ داروں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خدمت میں اطلاع دی۔ حضور نے آپ کو ریاست کی عدالت میں حاضر ہونے کا ارشاد فرمایا جس کی آپ نے تعمیل کی اور حضرت امیر المومنین کی دعاؤں سے حضرت مولوی صاحب کو تمام الزامات سے بری قرار دے دیا گیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں حضرت صاحب کی دعا کا ایک زندہ معجزہ ہوں کہ حضور کی دعا نے میرے جیسے شخص کو جسے حکومت کشمیر نے اشتہاری مجرم قرار دیا تھا نہ صرف سزا سے بچا لیا بلکہ جملہ الزامات سے خود ہی بالکل بری قرار دے دیا۔[۳]

---

[۱] "الفضل" ۲۹ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴۔ [۲] "الفضل" ۲۹ ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴۔
[۳] " " ۱۰/ تبوک/ستمبر " صفحہ ۳ کالم ۳-۴۔

حضرت مولوی صاحب احمدیت کے لئے بیحد غیور، شب بیدار، مونس و غمخوار، عالم باعمل اور نکتہ رس بزرگ تھے۔ سخت سے سخت مخالف آپ کے سامنے مبہوت ہو کے رہ جاتا تھا۔ صورت وجیہہ اور قامت بلند و بالا تھی۔

آخری بیماری میں ان کے فرزند پروفیسر نظیر الاسلام صاحب نے پوری تندہی سے علاج کیا۔ مگر ۱۰؍احسان؍جون ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کی شام کو آپ یکایک درد گردہ میں مبتلا ہو گئے۔ اور اگلے روز اپنے محبوب حقیقی کو جا ملے۔[۱]

۵۔ حضرت سید دلاور شاہ صاحب بخاری رضی اللہ عنہ سابق ایڈیٹر اخبار "مسلم آؤٹ لک" و سکرٹری تبلیغ جماعت احمدیہ لاہور

(ولادت: سنہ ۱۸۹۳ء[۲] بیعت: ۲۶؍مئی سنہ ۱۹۰۴ء[۳] وفات ۱۶؍احسان؍جون ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء[۴])

حضرت شاہ صاحب رضی اللہ عنہ اپنے خلوص، قربانی اور جذبہ خدمت میں ضرب المثل تھے۔ مرحوم نے فارغ البالی کا زمانہ دیکھا تھا۔ مگر محض قومی خدمت کی خاطر ایک اچھی ملازمت ترک کر دی۔ راجپال کے مشہور مقدمہ میں آپ نے شمالی ہند کے مشہور اخبار "مسلم آؤٹ لک" (MUSLIM OUTLOOK) کے ایڈیٹر کی حیثیت سے ۱۴؍جون سنہ ۱۹۲۷ء کے پرچہ میں "مستعفی ہو جاؤ" کے عنوان سے ایک پُر زور اداریہ لکھا جس میں دلیپ سنگھ جج ہائیکورٹ کے فیصلہ کے خلاف بڑی جرأت کے ساتھ رائے زنی کی اس بناء پر آپ کو چھ ماہ قید کی سزا ہوئی جو آپ نے نہایت بشاشت کے ساتھ اور اپنے لئے سعادت سمجھتے ہوئے برداشت کی۔[۵]

صحت خراب ہونے کے زمانہ میں بھی کئی سال تک کام کرتے رہے۔ نہایت قانع اور راضی برضا رہنے والے بزرگ تھے۔ مرحوم کو تبلیغ کا بہت شوق تھا۔ مذہبی مسائل پر مضامین بھی لکھتے تھے۔ اور لیکچرار بھی نہایت قابل تھے۔ غیر احمدیوں اور غیر مسلموں کے جلسوں میں احمدیت پر اعتراضات کے جواب کے لئے سینہ سپر رہتے تھے۔

---

[۱] "الفضل" ۲۹؍ظہور؍اگست ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴۔

[۲] و [۳] "لاہور تاریخ احمدیت" (مؤلفہ مولانا شیخ عبد القادر صاحب رضی اللہ عنہ) صفحہ ۳۳۵۔ طبع اوّل سن اشاعت ۱۳۴۵ہش / ۱۹۶۶ء

[۴] "الفضل" ۲۳؍احسان؍جون ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۳۔

[۵] اس واقعہ کی تفصیل "تاریخ احمدیت" جلد پنجم صفحہ ۵۸۲-۵۸۶ بتدریج آچکی ہے۔

۶۔ حضرت شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساویؓ

(ولادت ۱۸۷۰ء بمطابق اندازاً، بیعت: ۱۸۹۴ وفات: ۲۵؍احسان/جون ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء بعمر ۷۰ سال[۱])

مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ابتدائی اور قدیم اساتذہ میں سے تھے۔ چنانچہ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے رسالہ "تعلیم الاسلام" دسمبر ۱۹۰۶ء میں ان کی نسبت لکھا " اس وقت جتنے اُستاد مدرسہ میں کام کر رہے ہیں ان میں سے سب سے پُرانے شیخ محمد اسمٰعیل صاحب انفنٹ ٹیچر ہیں جو کہ ابتدائی طلباء کو قرآن شریف جلد اور عمدہ پڑھانے میں ایک خاص لیاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے عرصہ میں یعنی پہلی جماعت میں سارا قرآن شریف ایک دفعہ پڑھا دیتے ہیں۔"

۷۔ حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادیؓ

(ولادت: ۱۸۵۴ء بیعت: جنوری ۱۸۹۷ء وفات: ۲۸؍احسان/جون ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء بعمر ۹۰ سال[۲])

شہید احمدیت مولانا عبید اللہ صاحب مبلغ ماریشس کے والد ماجد تھے۔ بیعت اولیٰ ۱۸۸۹ء سے قبل قادیان تشریف لے گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ جلسہ اعظم مذاہب لاہور میں شرکت کے معاً بعد اپنے بھائی حافظ غلام محمد صاحب اور استاد مولوی نجم الدین صاحب کے ساتھ قادیان پہنچے۔ اور تینوں نے بیک وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ بیعت کرتے وقت ان تینوں پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ بیساختہ رونا شروع کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی عظمت دل پر بیٹھ گئی۔[۳]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جن دنوں کرم دین کے مقدمہ کے لئے گورداسپور میں تشریف فرما تھے۔ تو حضور علیہ السلام کے ارشاد پر ایک بار خُطبہ جمعہ پڑھا۔ حضرت حافظ صاحبؓ اپنی روایات میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"چودھری حاکم علی صاحب پنیاری۔ . . . نے حضرت صاحب سے عرض کیا کہ حضور آج جمعہ ہے اور مولوی عبدالکریم صاحب آئے نہیں تو جمعہ کون پڑھائے گا۔ حضور نے فرمایا۔ یہ حافظ صاحب جو ہیں یہ پڑھائیں گے۔ یہ لفظ سُن کر میرا بدن کانپ اُٹھا اور مَیں نے دل ہی دل میں کہا

---

[۱] "الفضل" ۲۷؍احسان/جون ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء صفحہ ۱ کالم ۱۔ [۲] "الفضل" ۲۹؍احسان/جون ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء صفحہ ۱ک ۱۔

[۳] ؍؍ ۱۲؍صلح/جنوری ۱۳۲۳ہش ۱۹۴۴ء صفحہ ۳۔

کہ مَیں تو اس لائق نہیں کہ کچھ بیان کرسکوں۔ خیر آخر جمعہ کا وقت آگیا اور خطبے کی اذان ہوگئی تو مَیں مارے رُعب کے سب آدمیوں کے شمال میں بیٹھ گیا۔ . . . . جب خطبے کی اذان ہوئی تو فرمایا۔ حافظ صاحب کہاں ہیں؟ آخر مجھے مجبوراً لایا گیا۔ مَیں نے جُھک کر عرض کی کہ حضور مَیں گنہگار اس لائق نہیں کہ حضور کے سامنے کچھ بیان کرسکوں یا امامت کراسکوں۔ حضور نے میرا ہاتھ پکڑ کر مصلّے پر کردیا اور فرمایا۔ آپ خطبہ پڑھیں میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں یا فرمایا کروں گا چنانچہ مَیں کھڑا ہوگیا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ مَیں نے اس وقت سورہ فرقان کا پہلا رکوع . . . . . آخر تک پڑھا۔[۱]

حضرت حافظ صاحب قادیان ہجرت کرکے آگئے تھے اور عرصہ تک مسجد اقصیٰ میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ آخری عمر میں صاحب فراش ہوگئے۔ سلسلہ احمدیہ کے مشہور پنجابی واعظ خوش بیان تھے۔ جلسہ سالانہ کے موقع پر زنانہ جلسگاہ میں اکثر آپ کی تقاریر ہوا کرتی تھیں۔ انداز بیان نہایت مؤثر ہوتا۔ "یاقوت خالص"، "سفرنامہ ماریشس"، حمد باری، سیرت رسول ہدایت مقبول وغیرہ چھوٹے چھوٹے پنجابی رسائل آپ نے لکھے۔

۸۔ حضرت سیّد محمد صادق شاہ صاحبؓ لارون ریاست کشمیر برادر اکبر حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحبؓ

(بیعت: ۱۹۰۱ء[۲] وفات: ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء)

حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحب نے آپ کی وفات پر لکھا:-

"میرے قادیان آنے کے تھوڑی مدت بعد مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کشمیر بھیجا[۳] تو مَیں ان بھائی صاحب مرحوم سے ملنے گیا۔ چونکہ ہمارا خاندان پیروں کا خاندان ہے اس لئے مَیں نے اپنے خاندان میں بالواسطہ تبلیغ کی اور جلدی ہی اللہ تعالیٰ نے اس سفر میں ان کو شرح صدر عطا کیا اور اسی وقت انہوں نے بیعت کرلی۔ مجھے مرحوم سے اور مرحوم بھائی صاحب کو مجھ سے خاص محبّت تھی"۔[۴]

---

[۱] رجسٹر "روایات صحابہ" نمبر ۱۱ صفحہ ۲۴۵ و ۲۴۶۔

[۲] "الحکم" ۱۷/دسمبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۲ کالم ۳۔

[۳] مؤلف "اصحاب احمد" کی تحقیق کے مطابق حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحبؓ نے اپریل یا مئی ۱۹۰۱ء میں ہجرت فرمائی اور سفر کشمیر سے ۲۷/نومبر ۱۹۰۱ء واپس قادیان تشریف لائے (اصحاب احمد جلد پنجم حصہ دوم صفحہ ۱۶ - ۱۷ حاشیہ)

[۴] روزنامہ "الفضل" ۱۱/ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

۹۔ حضرت چودھری محمد عبداللہ صاحبؓ داتہ زید کا تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ

(ولادت ۱۸۷۴ء (قریباً) بیعت: جون ۱۹۰۲ء وفات: ۸ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء بعمر ستر سال)

حضرت چودھری نصراللہ خاں صاحبؓ کے برادر نسبتی اور داتہ زید کا کے امیر جماعت تھے۔ چودھری اسد اللہ خاں صاحب بیرسٹرایٹ لاء حال امیر جماعت احمدیہ لاہور ان کے حالات قبول احمدیت اور اخلاق و شمائل پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"سلسلہ عالیہ حقہ سے آپ کا تعارف پسرور سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب سے (جو احمدی تھے) ہوا۔ اُن سے ہی آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی تصنیف لے کر مطالعہ کی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ حضور واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور حق پر ہیں۔ داتہ زید کا سے ایک میل کے فاصلہ پر جانب مغرب ایک قصبہ قلعہ صوبا سنگھ ہے جہاں اس وقت مولوی فضل کریم صاحب مرحوم اہلحدیث خطیب اور امام الصلوٰۃ تھے اور حکمت اور علم دین کی وجہ سے تمام ارد گرد کے علاقہ میں معزز تھے ہمارے ننھیال بھی چونکہ اہل حدیث تھے اس لئے ماموں جان اور مولوی صاحب موصوف کے تعلقات دوستانہ تھے۔ اسی زمانہ میں مولوی صاحب موصوف بھی انہی ہیڈ ماسٹر صاحب کے ذریعہ احمدیت سے متعارف اور صداقت کے قائل ہو چکے تھے گو انہوں نے ابھی کسی سے ذکر نہیں فرمایا تھا۔ ماموں جان نے مولوی صاحب سے ذکر کیا کہ مسیح اور مہدی کے ظہور کی علامات تو سامنے آ چکی ہیں اور یہ ہو نہیں ہو سکتا کہ مدعی کے دعوے کے بغیر ہی گواہ شہادت دینی شروع کر دیں۔ خاص کر ایسے گواہ جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے تصرف میں ہوں۔ اس لئے ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مدعی بھی مبعوث کیا گیا ہو۔ مولوی صاحب نے جب ایک معزز اور علاقہ کے بارسوخ زمیندار سے اپنے میلانات کی تائید ہوتی دیکھی تو آپ نے بھی اتفاق کیا اور پھر اس امر پر دونوں متفق ہوئے کہ وہ مسیح اور مہدی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں چنانچہ دونوں اصحاب نے فیصلہ کیا کہ قلعہ صوبا سنگھ میں مولوی صاحب اور داتہ زید کا میں ماموں جان آئندہ جمعہ کے دن علامات ظہور مہدی پر خطبہ پڑھیں اور اپنے احمدی ہونے کا بھی اعلان کر دیں۔ اُدھر مولوی صاحب موصوف نے قلعہ صوبا سنگھ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ کی تصدیق کی اور ادھر اپنے گاؤں میں ماموں جان نے، مولوی صاحب سے تو مقتدیوں نے یہ

سلوک کیا کہ سوائے دو یا تین کے باقی سب مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں چلے گئے لیکن ماموں جان مرحوم کی برادری کے اکثر افراد نے بعد دریافت مزید حالات اپنی بیعت کے متعلق بھی حضور کی خدمت میں لکھنے کو کہہ دیا اور وہ سب اسی وقت سے احمدی ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

اس جمعہ سے پہلی رات خواب میں آپ نے دیکھا کہ پانچ سوار سبز رنگ کے عمامے پہنے آپ کی بیٹھک میں داخل ہوئے ہیں اور آپ کے دریافت کرنے پر کہ یہ کون بزرگ ہیں ان میں سے ایک صاحب نے فرمایا کہ حضرت مرزا صاحب قادیان والے ہیں۔ اسی رات ایک اور شخص ساکن داتہ زید کا جس کو "جلال مہاراں والا" کے نام سے پکارا جاتا تھا نے بھی خواب میں پانچ سبز عمامہ پوش سوار اپنے گھر کے پاس سے گذرتے دیکھے جن میں سے ایک نے ماموں جان مرحوم کی بیٹھک کا راستہ دریافت کیا۔ جلال مذکور نے صبح ماموں جان کو اپنا خواب سنایا اور ماموں جان نے اُس سے ان بزرگوں کا حُلیہ وغیرہ دریافت کرنے پر اپنے ہی دیکھے ہوئے اصحاب کا حُلیہ سُنا۔ چونکہ آپ نے اپنی رؤیا کا ذکر کسی سے بھی نہیں کیا تھا اس لئے آپ کو صداقتِ احمدیت کا اور بھی پختہ یقین ہوا۔ اور آپ نے اسی دن خطبہ میں اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔

تھوڑے ہی دنوں بعد مولوی فضل کریم صاحب مرحوم موصوف، ماموں جان اور چوہدری پیر محمد صاحب مرحوم ساکن قلعہ صوبا سنگھ قادیان حاضر ہوئے۔ وہاں ماموں جان نے اپنے خواب والے بزرگوں کو پہچان لیا (جن میں سے حضرت مسیح موعودؑ، حضرت حکیم الامت خلیفۃ المسیح الاولؓ اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحومؓ کے نام مجھے یاد ہیں۔ باقی دو کے نام یاد نہیں رہے) اور حضور کے دستِ اقدس پر بیعت سے مشرف ہوئے۔

اس دن سے لے کر اپنی وفات تک آپ نے اپنا قدم ہمیشہ آگے ہی بڑھایا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں بلند مقام عطا فرمائے اور جس طرح آپ نے زندگی بھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کو اپنے لئے سب سے بڑا فخر سمجھا اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو قیامت میں بھی حضور کی غلامی اور محبت میں اُٹھائے۔

سلسلہ کے لٹریچر کے مطالعہ کا آپ کو بہت شوق تھا اور تمام اہم تصانیف آپ نے پڑھی ہوئی تھیں اور اخبارات اور رسائل کا باقاعدہ مطالعہ رکھتے تھے۔ دینی مسائل کا علم آپ کا

نہایت راسخ تھا اور مَیں نے بارہا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب سے متعدد مسائل کے متعلق حوالہ جات کا استفادہ آپ سے کیا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

سلسلہ عالیہ حقہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ، حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی اور خاندان نبوت کے ساتھ آپ کو ایک والہانہ محبت اور عقیدت تھی۔ اور جب آپ ان میں سے کسی کا ذکر خیر فرمایا کرتے تھے تو ہر سُننے والا بخوبی اندازہ کرسکتا تھا کہ آپ کے دل میں ان کے لئے کس قدر بے پناہ عشق اور محبت کا جذبہ موجزن تھا۔ نظام سلسلہ کا احترام آپ کی فطرت ثانیہ تھا اور دوسروں میں بھی اسی جذبہ کو پیدا کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہتے تھے۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ کے وصال کے موقعہ پر جب جماعت میں اختلاف ہوا تو آپ قادیان موجود تھے اور ان اوّلین مبائعین میں تھے جن کے متعلق غیر مبائعین نے کہا تھا کہ چند نوجوانوں نے مولوی محمد علی صاحب کی امامت میں نماز ادا نہ کی۔ ماموں جان اس امر کو ہمیشہ فخر سے بیان فرمایا کرتے تھے۔ مسائل کے لحاظ سے تو آپ کا ایمان کبھی بھی جادۂ صداقت سے نہیں ہٹا چنانچہ اختلاف کے وقت آپ نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے حضور دلیری سے اس کام کو جاری رکھیں وہ حضور کے ساتھ ہیں (حضرت اقدس نے اس واقعہ کا ذکر اپنے ایک خطبہ میں بھی فرمایا ہے) ماموں جان خود بھی اس معاملہ میں خوب تبلیغ فرمایا کرتے تھے اور ایک بہت بڑی حد تک آپ کی ان مجاہدانہ کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آپ کے علاقہ میں غیر مبائعین کا قدم کبھی نہیں جم سکا اور سوائے اس پہلی کوشش کے جو ایک مبلغ بھیج کر کی گئی اور جس میں ان کو سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، غیر مبائعین نے کبھی اور کوشش اس علاقہ میں کی ہی نہیں" [1]

۱۰۔ حضرت منشی محمد حسین صاحبؓ کاتب قادیان

(وفات ۲۵ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء)

حضرت منشی صاحب ان خوش نصیب صحابہ میں سے تھے جن کو اخبار الحکم، بدر اور الفضل کی بہت عرصہ تک کتابت کرنے نیز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تازہ وحی لکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ [2]

---

[1] "الفضل" ۲۷ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۴-۵ ؛ [2] "الفضل" یکم صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵۔ منشی احمد حسین صاحب ہیڈ کاتب "الفضل" ربوہ آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔

فصل پنجم

سنہ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

نوابزادہ میاں عباس احمد خانصاحب کا نکاح

۲۹ر فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو حضرت سیدنا المصلح الموعود نے خطبہ جمعہ سے قبل صاحبزادہ میاں عباس احمد خاں صاحب (ابن حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب) کا نکاح صاحبزادی امۃ الباری صاحبہ (بنت حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ) کے ساتھ پندرہ ہزار روپیہ مہر پر پڑھا۔[1] اور خطبہ نکاح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام "تری نسلاً بعیدًا" کی نہایت لطیف تشریح فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:-

"جس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ الہام ہوا۔ تری نسلاً بعیدًا۔ اُس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف دو بیٹے تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کے ہاں کچھ اَور بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں اور پھر خدا تعالیٰ نے ان کو وسیع کیا اور اب ان بیٹوں اور بیٹیوں کی نسلیں الہام الٰہی کے ماتحت شادیاں کر رہی ہیں وہ تری نسلاً بعیدًا کے نئے نئے ثبوت مہیا کر رہی ہیں۔ دُنیا میں نسلیں تو پیدا ہوتی رہتی ہیں . . . . لیکن سوال یہ ہے کہ کتنے آدمیوں کی نسلیں ہیں جو اُن کی طرف منسوب بھی ہوتی ہوں اور منسوب ہونے میں فخر محسوس کرتی ہوں۔ اکثر آدمیوں کی نسلیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر اُن سے پوچھا جائے کہ تمہارے پردادا کا نام کیا تھا تو ان کو پتہ نہیں ہوتا۔ مگر تری نسلاً بعیدًا کا الہام بتا رہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل آپ کی طرف منسوب ہوتی چلی جائے گی: اور لوگ انگلیاں اُٹھا اُٹھا کر کہا کریں گے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ نسل آپ کی پیشگوئی کے ماتحت آپ کی صداقت کا نشان ہے۔

پس تری نسلاً بعیدًا میں صرف یہی پیشگوئی نہیں کہ آپ کی نسل کثرت سے ہوگی

---

[1] "الفضل" ۳۰ر فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴ ؎

بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت شان کا بھی اس رنگ میں اس پیشگوئی میں ذکر ہے کہ آپ کا مرتبہ اتنا بلند اور آپ کی شان اتنی ارفع ہے کہ آپ کی نسل ایک منٹ کے لئے آپ کی طرف منسوب نہ ہونا برداشت نہیں کرے گی اور آپ کی طرف منسوب ہونے میں ہی ان کی شان اور ان کی عظمت بڑھے گی۔

پس اس پیشگوئی میں خالی اس بات کا ہی ذکر نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد کثرت سے ہوگی بلکہ یہ بھی ذکر ہے کہ وہ روز بروز بڑھے گی اور وہ اولاد خواہ کتنے ہی اعلیٰ مقام اور اعلیٰ مرتبہ تک جا پہنچے اور خواہ اُن کو بادشاہت بھی حاصل ہو جائے پھر بھی وہ اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کرنے میں فخر محسوس کریگی'' [1]

منارۃ المسیح پر لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ تبلیغ

۷ ر صلح / جنوری کو پہلی بار لاؤڈ سپیکر نصب کر کے تبلیغ احمدیت کی گئی چنانچہ اس روز نماز جمعہ سے قبل قرآن کریم اور حضرت مسیح موعودؑ کی نظمیں نشر کی گئیں۔ نیز مستری محمد اسمٰعیل صاحب صدیقی نے مختصر سی تقریر میں بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ الہام کہ ''مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا'' جہاں مبلغین اور تحریروں کے ذریعہ دُنیا کے کناروں تک پہنچایا جا رہا ہے وہاں انشاء اللہ ایک دن آلہ نشر الصوت کے ذریعہ بھی دنیا کے کناروں تک پہنچایا جا سکے گا۔ آج اس کی ابتداء اس طرح کی جا رہی ہے۔ اس آلہ کے ذریعہ قادیان کے کناروں تک حضور کی آواز پہنچ رہی ہے۔ چنانچہ یہ آواز صرف قادیان کے وسیع محلہ جات میں ہی نہیں بلکہ بعض ملحقہ دیہات میں بھی صفائی کے ساتھ سُنی گئی۔

پھر نماز مغرب کے بعد اس آلہ پر جناب مولوی ابوالعطاء صاحب نے تقریر فرمائی جس میں بتایا کہ ہر سال اور ہر دن جو چڑھتا ہے وہ قادیان میں رہنے والے غیر احمدیوں پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہے۔ انہیں چاہیئے کہ وہ سوچیں اور غور کریں۔

آخر میں نماز عشاء کی اذان مولوی بشیر الدین صاحب نے دی [2]

زائرین قادیان

اس سال قادیان میں جو زائرین آئے ان میں سر پیٹرک سپنس چیف جسٹس فیڈرل کورٹ آف انڈیا، مسٹر سی کنگ کمشنر لاہور ڈویژن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

---

[1] ''الفضل'' ۱۲ ر صلح / جنوری ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۳۔ [2] ''الفضل'' ۹ ر صلح / جنوری ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲۔

سر پیٹرک سپنس چیف جسٹس فیڈرل کورٹ آف انڈیا ۲۳ صلح / جنوری ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کو قادیان میں آئے۔ اور آنریبل چودھری محمد ظفراللہ خاں صاحب کی کوٹھی بیت الظفر میں فروکش ہوئے۔ قادیان میں انہوں نے جماعت احمدیہ کے مرکزی اداروں اور صنعتی کارخانوں کو دیکھنے کے علاوہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہال میں ایک مختصر تقریر کی جس میں طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت دنیا میں جو بہت بڑی جنگ ہو رہی ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ دُنیا سے سچّا مذہب مفقود ہو گیا ہے۔ تم لوگ ایک مذہبی فضا میں پرورش پا رہے ہو جہاں تمہیں خدا کی محبت، حقیقی امن کی تلاش اور باہمی تکریم و ہمدردی کے سبق ملتے ہیں۔ اگر آپ لوگ ان معتقدات پر عمل پیرا ہوں جنہیں آپ مانتے ہیں تو دُنیا کی حالت بہت بہتر ہو جائے گی اور دُنیا کو حقیقی امن اور خوشحالی دینے میں آپ کامیاب ہو جائیں گے۔[1]

مسٹر سی کنگ کمشنر لاہور ڈویژن ۲۲ ماہ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کو دوپہر کی گاڑی سے قادیان پہنچے۔ اور مرکزی ادارے دیکھ کر شام کی گاڑی سے واپس تشریف لے گئے۔ آپ نے مرکزی لائبریری میں مختلف زبانوں کی نایاب کتابوں کے متعلق دلچسپی کا اظہار کیا۔ نظارت دعوت و تبلیغ کی طرف سے آپ کو اسلامی لٹریچر بھی ہدیۃً پیش کیا گیا۔[2]

حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی صدارت میں آخری یادگار جلسہ

قادیان کی آریہ سماج نے ۴-۵-۶ امان / مارچ ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء کو پنڈت لیکھرام کی یاد میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں پنڈت ترلوک چند صاحب اور بعض دوسرے آریہ مقررین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی متعلقہ لیکھرام اور دوسری واضح پیشگوئیوں پر تمسخر اڑایا اور جماعت احمدیہ پر سوقیانہ اعتراضات کئے۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے جواب دینے کے لئے وقت طلب کیا گیا مگر منتظمین نے انکار کر دیا۔[3] جس پر ۷-۸ امان / مارچ کی درمیانی شب کو حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی زیر صدارت مسجد اقصیٰ میں جوابی جلسہ منعقد کیا گیا۔ حضرت میر صاحب نے اپنی ابتدائی تقریر میں وہ چٹھی پڑھ کر سُنائی جو سکرٹری تبلیغ جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے آریہ سماج کو لکھی گئی اور انہیں دعوت دی گئی کہ اس جلسہ میں آئیں اور ہماری تقریروں پر تہذیب سے سوال و جواب بھی کریں۔ چونکہ منارۃ المسیح کے اُوپر بھی لاؤڈ سپیکر نصب تھا اور آواز پورے شہر میں گونج رہی تھی اس

---

[1] "الفضل" ۲۵-۲۶ صلح / جنوری ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۲ (مفصل تقریر "الفضل" ۲۷ صلح / جنوری ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۳-۴ میں چھپ گئی تھی)

[2] " ۲۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۳ ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۳

[3] " ۹ امان / مارچ " صفحہ ۱

لئے آریوں کو یہ بُلاوا بھی ان کے گھروں تک پہنچ گیا۔

حضرت میر صاحب کی اس دعوت کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نشان متعلقہ لیکھرام سے متعلق مولوی شریف احمد صاحب امینی اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر نے مختصر تقریریں کیں۔ اسی اثناء میں آریوں کی طرف سے پنڈت ترلوک چند صاحب چند ساتھیوں سمیت مسجد اقصیٰ میں آ گئے۔ حضرت میر صاحب نے انہیں اپنے پاس بُلا کر بٹھایا اور فرمایا کہ آریہ صاحبان اس مجلس میں ہمارے مہمان ہیں۔ ہم ان کا ہر طرح سے لحاظ رکھیں گے اس وقت پہلے ہماری طرف سے مولوی ابوالعطاء صاحب تقریر کریں گے اور مناسب وقت میں پیشگوئی کی وضاحت کرتے ہوئے آریہ پنڈت صاحب کے اعتراضوں کا جواب بھی دیں گے۔ اس تقریر کے بعد پنڈت ترلوک چند صاحب اس تقریر پر یا پیشگوئی درباره لیکھرام پر مناسب وقت میں سوال کریں گے۔ پھر مولوی صاحب جواب دیں گے اور جلسہ ختم ہوگا۔ اس اعلان کے بعد مولانا ابوالعطاء صاحب نے لیکھرام سے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قہری نشان پر روشنی ڈالی اور آریوں کے بعض اعتراضوں کا نہایت خوبی سے باطل ہونا ثابت کیا نیز بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو اپنی ذریت کے پھیلنے اور مصلح موعود کی ولادت کے متعلق اشتہار دیا تو پنڈت لیکھرام نے ۱۸ مارچ ۱۸۸۶ء کو بذریعہ اشتہار یہ پیشگوئی کی کہ

"آپ کی ذریت بہت جلد منقطع ہو جائے گی۔ غایت درجہ تین سال تک شہرت رہے گی" [1]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد بابرگ و بار ہو رہی ہے اور مصلح موعود اپنی پوری شان سے ہمارے درمیان موجود ہے اور احمدیت کی قبولیت و شہرت دُنیا کے کناروں تک پہنچ چکی ہے مگر اس کے مقابل پنڈت لیکھرام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق ۱۸۹۷ء میں قتل ہو گئے اور لاولد رہے۔ ان کے پیچھے ان کا کوئی لڑکا نہیں رہا۔ وہ احمدیت کو مٹانا چاہتے تھے لیکن اس میں بھی سراسر ناکام و نامراد رہے۔ [2]

مولانا ابوالعطاء صاحب کی تقریر کے بعد حضرت میر صاحب نے پنڈت ترلوک چند صاحب کو موقعہ دیا کہ وہ مناسب وقت میں اس کا جواب دیں مگر پنڈت ترلوک چند صاحب نے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے اپنا وقت ختم کر دیا جس پر مولانا ابوالعطاء صاحب نے مختصر تقریر کی اور کہا کہ پنڈت صاحب نے موقعہ ملنے کے باوجود ہمارے کسی بیان یا استدلال کو نہیں توڑا جس سے ہمارے بیان کا درست ہونا ثابت ہے۔ آخر میں آپ

---

[1] "کلیات آریہ مسافر" صفحہ ۴۹۸

[2] "الفضل" ۱۱ امان / مارچ ۱۳۲۳ ہش ۱۹۴۴ء صفحہ ۳-۴

نے قادیان کے آریوں اور غیر احمدیوں کو مخاطب کر کے ایک پُر درد اپیل کی کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نشانوں کے گواہ ہیں حضور پر ایمان لے آئیں۔

ازاں بعد حضرت میر محمد اسحاق صاحب نے کھڑے ہو کر فرمایا۔ سب حاضرین نے دونوں طرف کی تقاریر سُن لی ہیں۔ مَیں پنڈت ترلوک چند صاحب سے کہتا ہوں کہ آپ اپنے مذہب کے عالم ہیں۔ مولوی ابوالعطاء صاحب بھی موجود ہیں۔ پنڈت صاحب ذاتی طور پر نہ کہ جماعتی طور پر مولوی صاحب سے پنڈت لیکھرام کے متعلق پیشگوئی پر تبادلہ خیال کر لیں۔ ہم سب سُنیں گے۔ جو شرطیں پنڈت صاحب پیش کریں گے مَیں ان کے منوانے کا ذمہ دار ہوں۔ اس پر آپ نے پنڈت صاحب کو موقعہ دیا کہ وہ ہاں کریں۔ لیکن پنڈت صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مَیں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ نہیں کیا اس لئے معذور ہوں۔

اس مرحلہ پر آپ نے فرمایا کہ مَیں پنڈت ترلوک چند صاحب سے پوچھتا ہوں کہ آپ کافی عرصہ قادیان میں رہے ہیں کیا پنڈت لیکھرام کی یہ پیشگوئی کہ "آپ (مرزا صاحب) کی ذریت بہت جلد منقطع ہو جائے گی غایت درجہ تین سال تک شہرت رہے گی" (کلیات صفحہ ۴۹۸) صحیح نکلی یا غلط ثابت ہوئی؟ پنڈت صاحب نے بڑے لیت و لعل کے بعد کہا۔ آریہ سماجی کہتے ہیں کہ یہ اشتہار پنڈت لیکھرام جی کا لکھا ہوا نہیں ہے۔

حضرت میر صاحب نے فرمایا کہ اوّل تو ان اشتہارات کے شروع میں شردھانند جی نے تحریر کیا ہے کہ

"ذیل کے دو اشتہارات پنڈت جی (لیکھرام جی) نے اس وقت نکالے تھے جبکہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے الہامی چوچلوں کا ابھی صرف آغاز ہی ہوا تھا" (کلیات صفحہ ۴۹۲)

دوسرے مَیں پوچھتا ہوں کہ آپ یہ بتائیں کلیات صفحہ ۴۹۸ کی پیشگوئی (خواہ کسی نے لکھی ہو) جھوٹ ثابت ہوئی یا نہیں؟ صاف جواب دیں۔ اس پر پنڈت صاحب کو ان کے ساتھیوں نے اشارہ کر کے بلایا اور چل دیئے۔ اس ایمان افروز نظارہ پر اس جلسہ کا خاتمہ ہوا۔ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا [1]

یہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کی زندگی کا آخری جلسہ اور آخری تبلیغی معرکہ تھا۔

احمدی مبلغین گجرات کاٹھیاواڑ میں

گذشتہ سال ۱۳۲۲ہش/۱۹۴۳ء میں احمدی مبلغین نے صوبہ یو۔ پی کا طویل اور کامیاب دورہ کیا تھا۔ امسال ماہ صلح/جنوری میں

[1] "الفضل" ۱۹ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۴

مرکز احمدیت کی طرف سے گجرات کاٹھیاواڑ کی طرف تبلیغی وفد بھجوایا گیا۔ یہ وفد حسب ذیل علماء پر مشتمل تھا:-

١۔ مولوی عبدالمالک خاں صاحب فاضل ٢۔ مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل ٣۔ گیانی عباداللہ صاحب

ان علماء نے سوامی دیانند کی جنم بھومی سنکارا نامی گاؤں ریاست وانکانیر[1]، کرشن نگری (دوارکا[2])، امرناتھ تیرتھ ریاست جام نگر[3]، ریاست راجکوٹ، سورت واندھیر[4]، بمبئی، پونا۔ آنند آشرم[5] میں کرشن کی آمد ثانی کا پیغام انفرادی تبلیغ اور ہندی، مرہٹی اور گجراتی ٹریکٹوں سے نہایت موثر اور کامیاب طریق پر پہنچایا۔ یہ تبلیغی وفد ٣١ امان/مارچ ١٣٢٣ہش/١٩٤٤ء کو واپس مرکز احمدیت میں پہنچا۔[6]

بھرت پور میں احمدی مبلغ کی تقریر

٢٧ امان/مارچ ١٣٢٣ہش/١٩٤٤ء کو انجمن اسلامیہ بھرت پور کا جلسہ تھا جس میں سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار "نور" نے "اسلام نے ہندوستان پر کیا اثر ڈالا" اور "اسلام اور دیگر مذاہب" کے موضوع پر کامیاب تقریریں کیں جس سے حاضرین بہت مسرور و محظوظ ہوئے۔ ہز ہائی نس والئی ریاست بھی اس جلسہ میں موجود تھے۔[7]

چودھری عبدالسلام صاحب کی بی۔ اے میں نمایاں کامیابی

خدا کے فضل سے چودھری عبدالسلام صاحب (ابن چودھری محمد حسین صاحب ہیڈ کلرک دفتر انسپکٹر مدارس جھنگ) نے اس سال بھی نمایاں کامیابی حاصل کی اور بی۔ اے کے امتحان میں نہ صرف یونیورسٹی میں اول رہنے کا امتیاز حاصل کیا بلکہ یونیورسٹی کا گذشتہ ریکارڈ بھی توڑ دیا۔[8]

کشمیر کی احمدی جماعتوں کا سالانہ جلسہ

کشمیر کی احمدی جماعتوں کا سالانہ جلسہ ١٠۔ ١١ ظہور/اگست ١٣٢٣ہش/١٩٤٤ء کو یاڑی پورہ میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں احمدیوں کے علاوہ اہلحدیث اور اہلسنت والجماعت نے بھی بکثرت شرکت کی۔ جلسہ کا افتتاح صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب نے فرمایا اور ملا سید محمد شاہ صاحب، مولوی غلام احمد شاہ صاحب، مولوی عبدالواحد صاحب (مہتمم تبلیغ جماعت ہائے کشمیر)، مولوی احمد اللہ صاحب، چوہدری عبدالواحد صاحب (امیر جماعت ہائے

---

[1] "الفضل" ١٥ تبلیغ/فروری ١٣٢٣ہش/١٩٤٤ء صفحہ ٤۔

[2] " ٥ امان/مارچ " " ۔

[3] " ١٦ " " صفحہ ٣ و

[4] " یکم شہادت/اپریل " " ۔

[5] " ١٩ " " صفحہ ٢۔

[6] "الفضل" ٢١ شہادت/اپریل ١٣٢٣ہش/١٩٤٤ء صفحہ ٦۔

[7] " یکم " " صفحہ ١۔

[8] " " " " صفحہ ٥۔

[9] " ٢٧ احسان/جون " صفحہ ٤ کالم ١۔

احمدیہ کشمیر)، مولوی عبدالرحیم صاحب، مولوی محمد عبداللہ صاحب اور خواجہ غلام نبی صاحب گلکار نے مختلف اہم موضوعات پر تقریریں کیں اور صاحبزادہ صاحب نے اپنے افتتاحی خطاب میں تعلق باللہ کی طرف توجہ دلائی۔[1]

مبلغین کی بیرونی ممالک کو روانگی

چودھری احسان علی صاحب جنجوعہ ۱۷؍احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو مغربی افریقہ کے لئے روانہ ہوئے۔[2] اسی طرح مولوی عبدالخالق صاحب، ملک احسان اللہ صاحب، چودھری نذیر احمد صاحب (رائے ونڈ) ۲۳؍نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو مغربی افریقہ میں تبلیغ اسلام کے لئے بھجوائے گئے۔[3]

بیرونی مشنوں کے بعض ضروری واقعات

فلسطین و مصر مشن

اگرچہ مصر میں تبلیغ احمدیت پر سخت پابندیاں تھیں مگر مولوی محمد شریف صاحب مبلغ فلسطین اس سال کے شروع (ماہ تبلیغ/فروری و امان/مارچ) میں تبلیغی و تربیتی اغراض کے پیش نظر مصر پہنچنے اور دو ماہ تک مقیم رہنے میں کامیاب ہو گئے۔

مصر میں قیام کے دوران ایک بلند پایہ ازہری اور حجازی شیخ سے مکرم مولوی صاحب کا ایک پرائیویٹ مناظرہ بھی ہوا جس میں بعض احمدی احباب کے علاوہ چند ایک غیر احمدی بھی موجود تھے۔ شیخ صاحب نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ احمدی جماعت اور دوسرے اسلامی فرقوں میں بنیادی اختلاف کس امر میں ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ مسئلہ وفات مسیح میں۔ مگر شیخ صاحب نے کہا کہ نہیں بنیادی اختلاف مسئلہ ختم نبوت میں ہے اور کہ آپ اس پر بحث کے لئے تیاری کر کے آئے ہیں۔ بہت سی رد و قدح کے بعد مکرم مولوی صاحب نے اسی مسئلہ پر ان سے تبادلہ خیالات شروع کیا اور اپنے عقیدہ کی تائید میں قرآن مجید سے دس آیات پیش کیں۔ شیخ صاحب نے ان میں سے صرف ایک آیت اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ پر جرح کی اور کامل چار گھنٹے تک اسی پر گفتگو ہوتی رہی جس میں شیخ صاحب ایسے عاجز آ گئے کہ کھلے الفاظ میں اقرار کر لیا بلکہ لکھ دیا کہ عقلی طور پر اس آیت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آئندہ نبی آسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تائید کا مظاہرہ احباب جماعت کے لئے بہت ایمان پرور تھا۔ اس کے بعد حجازی شیخ صاحب ایک بہانہ تلاش کر کے تشریف لے گئے۔[4]

---

[1] ہفت روزہ "اصلاح" سرینگر ۱۷-۱۳؍ظہور/اگست ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء (مضمون میر غلام محمد صاحب سکرٹری تبلیغ جماعتہائے احمدیہ کشمیر)

[2] "الفضل" ۱۸؍احسان/جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ک ۲۔ [3] "الفضل" ۲۵؍نبوت/نومبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ا ک ب ۲۔

[4] " ۱۹؍فتح/دسمبر " صفحہ ۵۔

انگلستان مشن

مولوی جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن نے اس سال لنڈن کی مشہور سیرگاہ ہائیڈ پارک میں مسٹر گرین سے پے در پے سات شاندار اور کامیاب مباحثے کئے جن سے انگلستان مشن کی دھوم مچ گئی۔

۱۔ پہلا مباحثہ ۱۴/ شہادت / اپریل کو "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بائبل میں پیشگوئیاں" کے موضوع پر ہوا۔ مسٹر گرین لاجواب ہو کر اصل بحث کی بجائے مسئلہ دوزخ و بہشت کی بحث میں اُلجھ گئے مگر مولانا شمس صاحب نے اس موضوع پر بھی عیسائیت کے مقابل اسلام کی برتری اور فوقیت ثابت کر دکھائی۔

۲۔ دوسرے مباحثہ کا عنوان تھا "کیا موجودہ اناجیل الہامی ہیں"۔ یہ مباحثہ ۲۱/ شہادت کو ہوا۔ آخر میں جب رائے شماری کا مرحلہ آیا۔ تو انگریز سامعین کی بہت بڑی اکثریت نے احمدی مجاہد کے حق میں ووٹ ڈالے اور صرف ایک ووٹ مسٹر گرین کو ملا۔

۳۔ تیسرا مباحثہ ۲۸/ شہادت / اپریل کو "کیا استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵[1] کے مصداق یسوع ہیں؟" کے موضوع پر ہوا۔ مولانا شمس صاحب نے مسٹر گرین کے ادعا کو دلائل قطعیہ کے ساتھ باطل ثابت کر کے بتایا کہ اس کے مصداق ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں۔ یہ مباحثہ سننے کے بعد کئی انگریزوں کو مزید تحقیق کا شوق مسجد فضل پٹنی میں لے آیا۔[2]

۴۔ چوتھا مباحثہ ۴/ ہجرت / مئی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو ہائیڈ پارک میں ہوا۔ موضوع "قرآن و انجیل کی تعلیم کا مقابلہ" تھا۔ مسٹر گرین نے مسیح کی آمد ثانی کے متعلق پیشگوئیوں کا ذکر کیا اور کہا کہ جب وہ دنیا میں آئیں گے تو امن قائم ہو جائے گا۔ نیز کہا کہ دفاعی جنگ بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ مولانا شمس صاحب نے قرآن مجید سے جنگ کے متعلق اصول بیان کئے جس کا حاضرین پر اچھا اثر ہوا۔ ایک معزز شخص نے یہ کہتے ہوئے مصافحہ کیا کہ گو میں عیسائی ہوں لیکن پھر بھی میں کہتا ہوں کہ مجھے آپ کی تقریر بہت پسند آئی ہے۔

۵۔ پانچواں مباحثہ ۱۲/ ہجرت / مئی کو ہوا۔ موضوع مباحثہ تھا "پہاڑی وعظ[3] کا مقابلہ قرآن مجید کی تعلیم سے" لیکن اصل موضوع پر بحث شروع کرنے سے پہلے مسٹر گرین نے قرآن مجید سے کفار کے قتل کے متعلق آیات

---

[1] اس آیت میں پیشگوئی ہے "خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کریگا"

[2] "الفضل" ۲۹/ احسان / جون ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۱-۴ (حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس رض کے قلم سے مباحثات کی مفصل رپورٹ)

[3] حضرت مسیح کا یہ مشہور وعظ متی باب ۵ تا ۷ میں لکھا ہے۔

پڑھیں مولانا شمس صاحب نے انہی آیات سے ثابت کر دیا کہ ان میں قتل کا حکم ان کافروں کے متعلق ہے جو میدان جنگ میں لڑنے کے لئے آئے اور پہلے حملہ آور ہوئے۔ مباحثہ کے بعد سوالات کے موقعہ پر جب ایک شخص نے جنگوں کے متعلق اعتراض کیا تو مولانا شمس صاحب نے کہا۔ یسوع مسیح نے آسمانی بادشاہت کی مثال بیان کرتے ہوئے خود ظالموں کے قتل کو جائز قرار دیا ہے۔ انہوں نے آسمانی بادشاہت کی ایک بادشاہ سے مثال دی ہے جس نے اپنے لڑکے کی شادی پر لوگوں کو کھانے کے لئے دعوت دی مگر انہوں نے دعوت قبول نہ کی اس نے پھر اپنے نوکر بھیجے مگر پھر انہوں نے انکار کیا اور بعض تو اپنے کاموں پر چلے گئے اور جو باقی رہ گئے، انہوں نے ان پیغام رسانوں کو قتل کر دیا۔ تب بادشاہ اپنی فوج بھیجے گا اور ان قاتلوں کو تہ تیغ کر دے گا[1] اس مثال میں بادشاہ سے مراد خدا ہے۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ظالم حملہ آوروں سے جنگ کرنا اس مثال کی رُو سے بالکل جائز تھا۔[2]

۶۔ چھٹا مُباحثہ ۲ احسان / جُون کو ہوا۔ قرار یہ پایا تھا کہ مسٹر گرین دو گھنٹے میں قرآن مجید پر جتنے اعتراض کرنا چاہیں پیش کر دیں اور مولانا شمس صاحب ان کا جواب دیں۔ مگر اس روز کچھ ایسا الٰہی تصرّف ہوا کہ وہ پہلے مباحثات میں جو اعتراض کرتے رہے وہ بھی پیش نہ کر سکے اور جو نوٹ انہوں نے لے رکھے تھے وہ بھی غلط تھے۔

۷۔ ساتواں مُباحثہ ۱۶ احسان کو ہوا۔ اس روز مولانا شمس صاحب نے مسٹر گرین پر انجیل کی نسبت اعتراضات کئے جن کے جواب دینے سے وہ قاصر رہے۔ بعض کے متعلق کہا۔ مَیں نے پہلے کبھی نہیں سُنے۔ اس لئے مَیں جواب نہیں دے سکتا۔ اکثر کے متعلق کہا کہ میں تیاری کر کے جواب دوں گا جس سے حاضرین پر ان کی بے بسی اور لاچاری بالکل بے نقاب ہو گئی۔ اگلے جمعہ پھر مباحثہ تھا جس میں ان کی باری قرآن مجید پر اعتراضات کرنے کی تھی مگر اس روز مسٹر گرین نے بالکل راہ فرار اختیار کر لی جس کی دلچسپ تفصیل مولانا شمس صاحبؓ کے قلم سے لکھی جاتی ہے:-

"مُباحثہ شروع ہوا۔ اور مَیں نے اس کے پہلے سوال کا جو جنّوں کے متعلق تھا یہ جواب دیا کہ آیت میں جنّوں سے مراد الف لیلہ والے جن نہیں ہیں۔ جیسا کہ مسٹر گرین نے کہا ہے بلکہ اس سے مراد بڑے

---

[1] یہ تمثیل متی باب ۲۱، مرقس باب ۱۲ اور لوقا باب ۲۰ میں درج ہے۔

[2] "الفضل" ۲۰ وفا / جولائی ۱۳۲۳ھش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۴۔

لوگ اور لیڈر ہیں تو مسٹر گرین نے کہا جب تک آپ کسی انگریزی ترجمہ کو صحیح اور مستند نہیں مان لیتے مَیں مباحثہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ مَیں نے کہا یہ ترجمے شخصی ہیں۔ مَیں ان کو صحیح مانتا ہوں لیکن اگر کسی جگہ مَیں سمجھوں کہ ترجمہ صحیح نہیں کیا گیا اور عربی زبان کی رُو سے اس کی غلطی ثابت کر دوں تو مجھے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔ انجیل کے موجودہ تراجم جو کہ سوسائٹیوں کی طرف سے شائع کئے گئے ہیں۔ ان کے بعض الفاظ کے ترجمے کے متعلق آپ خود کہتے رہے ہیں کہ اصل یُونانی لفظ یہ ہے اور اس کا صحیح ترجمہ یوں ہے۔ جب آپ سوسائٹیوں کے مستند ترجمے کی غلطی نکالنے کا حق رکھتے ہیں تو مجھے یہ کیوں حق نہیں کہ کسی ایک شخص کے ترجمہ میں اگر کوئی غلطی ہو تو وہ ظاہر نہ کروں۔ . . .

حاضرین سمجھ گئے کہ مسٹر گرین مباحثہ نہیں کر سکتے " [1]

سوسائٹی " فار دی سٹڈی آف ریلیجنز " کے سہ ماہی رسالہ " ریلیجنز " نے ہائیڈ پارک کے مباحثات کا ذکر ان الفاظ میں کیا :-

"The Imam of the London Mosque has come into arena of open debates in London recently and is very energetic in presenting his faith to Cristian opponents."

یعنی تھوڑے عرصہ سے مسجد لنڈن کے امام لندن میں پبلک مباحثات کے میدان میں نکلے ہیں اور اپنے مذہب کو اپنے عیسائی مخالفوں کے سامنے پورے زور اور قوت و جوش سے پیش کرتے ہیں

پھر لکھا :-

"The Imam is very skilful in presenting his case and quotes liberally from the Bible.

یعنی امام اپنی بات کو پیش کرنے میں خوب ماہر ہیں اور کثرت سے بائبل کے بھی حوالے پیش کرتے ہیں۔ [2]

---

[1] و [2] "الفضل" ۱۶ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲۔ کالم ۲ ؛

خود مسٹر گرین نے اپنے رسالہ "دی کنگڈم نیوز" بابت ماہ جون ۱۹۴۴ء میں مبلّغ اسلام کی نمایاں کامیابی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:-

ایڈیٹران ایّام میں ہر جمعہ کے روز ۶ بجے شام سے ہائیڈ پارک میں امام مسجد لنڈن سے پبلک مباحثہ کرتا ہے جو اس ملک کے مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے گروہ کا نمائندہ ہے۔

'But who consists of the best order of the faith being the most educated and cultural'

لیکن وہ اسلام کا تعلیم یافتہ اور مہذب ہونے کے لحاظ سے بہترین فرقہ ہے . . . . .

. . . مختلف طبقات کے لوگ حاضر ہوتے ہیں جن کی تعداد پانچ سو کے لگ بھگ ہوتی ہے اور اڑھائی گھنٹے تک مسلسل سُنتے ہیں"

"An achievement rarely experienced in Hyd Park."

یہ ایک ایسی بات یا ایسی کامیابی ہے جو ہائیڈ پارک میں شاذ ونادر ہی دیکھنے میں آتی ہے۔ مباحثہ کے اختتام پر فریقین حاضرین کے سوالات کا جواب دیتے ہیں۔[۱]

اٹلی مشن

اٹلی میں جنگی قید کے مصائب سے رہائی پانے کے بعد ملک محمد شریف صاحب مبلغ اٹلی کا پہلا خط حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی خدمت میں ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو پہنچا۔[۲]

مشرقی افریقہ مشن

۱۴ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو ٹبورا (مشرقی افریقہ) کی عظیم الشان مسجد "الفضل" کی تقریب افتتاح منعقد ہوئی۔ اس موقع پر سر خلیفہ بن حارب سلطان زنجبار۔ ہز ایکسیلنسی گورنر چیف سکرٹری، دیگر اعلیٰ سرکاری حکام، پولینڈ اور ہالینڈ کے قونصل اور مختلف مذاہب کے مشہور و معروف اصحاب نے پیغامات ارسال کئے۔ علاوہ ازیں لنڈن، قاہرہ، لیگوس، حیفا، بغداد، عدن، بمبئی، ماریشس اور سالٹ پانڈ کی احمدیہ جماعتوں کی طرف سے بھی پیغامات آئے۔ شیخ مبارک احمد صاحب انچارج مبلغ نے یہ سب پیغامات پڑھ

۱ە "الفضل" [illegible] اخاء/اکتوبر [illegible]

۲ە "الفضل" ۱۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ پر اس مکتوب کا متن چھپ گیا تھا۔

کر سُنائے اور جملہ ہمدردوں کا شکریہ ادا کیا۔ نیز اعلان کیا کہ یہ مسجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہر شخص کے لئے کھُلی ہے۔ آخر میں صدر جلسہ مسٹر فاسٹر پراونشل کمشنر نے تقریر کی اور کہا کہ یہ مسجد ٹبورا بلکہ تمام علاقہ کے احمدیوں کے لئے باعث فخر ہے۔[۱]

گولڈکوسٹ مشن

جماعت احمدیہ گولڈ کوسٹ نے زنانہ سکول کے جاری کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک احمدی نے پندرہ ہزار روپے کی زمین اس کے لئے وقف کر دی۔ لجنہ اماء اللہ گولڈ کوسٹ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی خدمت میں درخواست کی کہ ہندوستان کی احمدی بہنیں بھی اس کام میں ہماری مدد کریں چنانچہ حضورؓ کی تحریک پر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ نے چار ہزار روپے بھجوانے کا وعدہ کیا جس میں سے پندرہ سو کا وعدہ تو لجنہ اماء اللہ دہلی نے چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی معرفت کیا اور باقی رقم ملک کی دوسری مختلف لجنات پر ڈال دی گئی۔[۲]

۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء کی نئی مطبوعات

۱۔ "ظہور مصلح موعود" (مؤلفہ مولوی شریف احمد صاحب امینی مولوی فاضل مدرس مدرسہ احمدیہ قادیان) دعویٰ مصلح موعود کے مبارک دَور کی یہ پہلی کتاب ہے۔

۲۔ "مقطعات قرآنی" (حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کے "الفضل" میں شائع شدہ علمی مضامین کا مجموعہ"

۳۔ "LIFE AND WORK OF HAZRAT MIRZA BASHIR-UD-DIN MAHMUD AHMAD"

(حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کی حیات طیبہ اور کارنامے)

چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی ایک بلند پایہ انگریزی تالیف جو نیو بک سوسائٹی (پوسٹ بکس ۴۸) لاہور نے شائع کی۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی اسی اشاعتی ادارے کی طرف سے "مرزا بشیر الدین محمود احمد" کے نام سے چھپا تھا۔

---

[۱] "الفضل" ۲۲ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ کالم ۲-۳۔

[۲] "الازھار لذوات الخمار" طبع دوم صفحہ ۱۴۸ مرتبہ حضرت سیدہ ام متین صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ۔

۴۔ "نشانِ محمّد" (ابوالبشارت مولانا عبدالغفور صاحب فاضل مبلغ سلسلہ کی سالانہ جلسہ ۱۳۲۲ہش ۱۹۴۳ء کی کامیاب تقریر)

۵۔ "موعود اقوامِ عالم" (مؤلفہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر)

اس مختصر مگر جامع کتاب میں ہندو دھرم، عیسائی مذہب، اسلام اور سکھ ازم کے لٹریچر کی رُو سے مسیح موعود کی بعثت کے معین زمانہ، مقام ظہور، حسب و نسب اور دوسرے ارضی و سماوی علامات پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی تھی۔

۶۔ "دعوت نامہ بخدمت جمیع علمائے کرام و صوفیائے عظام و دیگر ہمدردان اسلام"

(مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر کا لکھا ہوا ایک تبلیغی کتابچہ جو نشر و اشاعت دعوت و تبلیغ قادیان نے شائع کیا)

۷۔ "ادعیۃ المسیح الموعود" (مرتبہ و شائع کردہ میاں محمد یامین صاحب تاجر کتب قادیان)

۸۔ "ستیارتھ پرکاش ایجی ٹیشن پر تبصرہ" (مؤلفہ مہاشہ فضل حسین صاحب)

اس رسالہ میں آریہ سماج اور بانی آریہ سماج کے متعلق بہت سی مفید معلومات جمع کرنے کے علاوہ ستیارتھ پرکاش کی ضبطی کے سوال پر بھی بحث کی گئی اور بتایا گیا تھا کہ کن تجاویز کو بروئے کار لا کر اس کتاب کی اشاعت روکی جاسکتی ہے اور مسلمان آریہ سماجی زہر کا مداوا کر سکتے ہیں۔

اخبار "انقلاب" لاہور نے اس کتاب پر یہ ریویو کیا کہ

"ملک فضل حسین صاحب کی اس مختصر کتاب میں ستیارتھ پرکاش کے متعلق ایسی اہم معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں جو اس معاملے سے خاص شغف رکھنے والوں کے سامنے بھی نہیں ہوں گی مذہبی مباحث سے دلچسپی رکھنے والے تمام احباب اگر اسے کم از کم ایک مرتبہ پڑھ لیں تو یقیناً اُن کے علم و نظر میں بڑا قیمتی اضافہ ہوگا۔"[1]

اندرونِ مُلک کے مشہور مناظرے

اس سال میں دہلی، چمبہ، گوہد پور اور ڈلوال میں بہت کامیاب مناظرے ہوئے۔

مباحثہ دہلی

آریہ ترک شاستری سبھا دہلی نے ایک کھلا چیلنج شائع کر کے تمام مذاہب کو دعوتِ مناظرہ دی تھی جو انجمن

---

[1] "الفضل" ۲۰ امان / مارچ ۱۳۲۳ہش / ۱۹۴۴ء صفحہ ۳ کالم ۴

احمدیہ دھلی نے منظور کر لی۔ چنانچہ ۳؍تبلیغ/فروری ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو دیوان ہال دھلی میں "ویدک دھرم عالمگیر ہے یا نہیں" کے موضوع پر مناظرہ ہوا جماعت احمدیہ کی طرف سے مکرم مولانا ابوالعطاء صاحب نے نمائندگی کی۔ جو دو روز قبل اسی جگہ "میرے مذہب میں عورت کا مقام" کے موضوع پر بھی کامیاب لیکچر دے چکے تھے۔ اس مناظرہ میں اسلام کو ایسی بیّن اور نمایاں فتح نصیب ہوئی کہ غیروں تک نے اس کا اقرار کیا خصوصاً مسلمانوں کو اس عظیم الشان کامیابی سے بہت خوشی ہوئی۔ ہجوم کا یہ عالم تھا کہ تمام دیوان ہال، اس کی گیلریاں، دروازے اور کھڑکیاں تک لوگوں سے پُر تھیں۔

مُباحثہ چمبہ

چمبہ میں ۱۳۱۹-۲۰ ہش/۱۹۴۰-۴۱ء سے پادری عنایت مسیح نے اسلام اور احمدیت کے خلاف تقاریر کرنا اپنا شیوہ بنا رکھا تھا۔ آخر جماعت احمدیہ چمبہ نے پادری صاحب مذکور کو چیلنج کیا اور مرکز سے مولوی محمد حسین صاحب، مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی اور مولوی چراغ الدین صاحب چمبہ پہنچ گئے۔ ۳۱؍اخاء/اکتوبر کو پہلا مناظرہ "کفارہ" پر ہوا۔ مدعی پادری عنایت مسیح نے انجیل اور قرآن مجید سے مسئلہ کفارہ ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی مگر مولوی چراغ دین صاحب نے جواب میں ایسی مدلّل تقریر کی کہ حاضرین عش عش کر اُٹھے اور دس ایسے سوالات پیش کئے کہ پادری صلوب آخر تک ان کے جواب نہ دے سکے اور اپنی ذلّت کو چھپانے کے لئے بدزبانی پر اُتر آئے۔ جماعت نے نہایت صبر و تحمل کا ثبوت دیا اور اس طرح پادری صاحب کا دجل پاش پاش ہو گیا۔ حاضرین نے احمدی مناظر کی قابلیت اور کامیابی پر مبارکبادیں دیں۔

دوسرے روز مناظرہ کا موضوع صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السّلام تھا۔ لوگ بہت بڑی تعداد میں جمع ہوئے مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی نے قرآن مجید سے صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ثبوت میں دس آیات اور انجیل سے انتیس حوالے پیش کئے اور پادری صاحب کو توجہ دلائی کہ وہ حسب سابق درشت کلامی سے کام نہ لیں۔ ورنہ یاد رکھیں کہ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر پھینکنے سے اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ تہذیب اور شرافت کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ پادری صاحب نے بجائے اصل موضوع پر آنے کے بے معنی غلط اور بے ربط اعتراضات شروع کر دیئے اور ہندو و مسلمانوں کو احمدیوں کے خلاف بھڑکایا مولوی صاحب نے پادری صاحب کے ہر سوال کے تحقیقی اور الزامی جوابات دیئے۔ پادری صاحب نے پھر ہندو، مسلمانوں کو بھڑکانا شروع کیا تا کہ لوگ اس گہرے اثر کو جو مولوی صاحب کے جواب سے پیدا ہوا

تھا بھول جائیں۔ لیکن نتیجہ کے طور پر اکثر مسلمان پادری صاحب کی اس پالیسی کے خلاف ہو گئے۔ آخر میں مولوی صاحب نے صداقت حضرت مسیح موعود پر ایسی واضح تقریر کی کہ مناظرہ ختم ہوتے ہی مسلمانوں نے بڑے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔[1]

چمبہ میں چاروں طرف احمدیوں کی کامیابی کا چرچا ہوگیا۔ اور احمدی مناظروں کی قابلیت کی دھاک بیٹھ گئی حتیٰ کہ اگر کوئی شخص بے سروپا بات کرتا تو لوگ ضرب المثل کے طور پر کہہ دیتے تھے کہ "کیوں پادری عنایت مسیح بنتے ہو!"[2]

مُباحثہ گوہد پور (ضلع گورداسپور)

مورخہ ۲ ؍فتح /دسمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء کو جماعت احمدیہ کھوکھر اور اہلسنّت والجماعت گوہد پور کے درمیان موضع گوہد پور (تھانہ دھاریوال ضلع گورداسپور) میں مسئلہ حیات و وفات مسیح پر شاندار مناظرہ ہوا۔ شرائط مناظرہ پہلے سے طے شدہ تھیں۔ جن کے مطابق اہلسنت والجماعت کوئی ایسا مناظر پیش نہ کرسکے جو مولوی فاضل ہوتا اور اپنی سند دکھا کر مناظرہ کرنے کو تیار ہوتا۔ متواتر تین گھنٹے کے مطالبہ کے بعد اہلسنّت کو دو صد (۲۰۰) روپیہ ہرجانہ معاف کیا گیا اور ذیلدار صاحب علاقہ کے کہنے اور سفارش کرنے پر مولوی عبداللہ صاحب امرتسری اہلحدیث کو مناظرہ کی اجازت دی گئی۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری مولوی فاضل پرنسپل جامعہ احمدیہ مناظر تھے جنہوں نے شرائط کے مطابق اپنی سند اور تمغہ پنجاب یونیورسٹی میں اوّل رہنے کا دکھایا اور مناظرہ شروع ہوا۔ پہلی تقریر مولوی عبداللہ صاحب نے کی جس کے جواب میں احمدی مناظر نے اُن کی تقریر کے دلائل کو توڑ کر ھَبَاءً مَّنْثُورًا کردیا۔ مزید برآں اور دس مطالبات ایسے کئے کہ جن کا جواب اہلحدیث مناظر آخر وقت تک نہ دے سکے۔ بلکہ اہلحدیث مناظر اپنی عادت کے مطابق اہلسنّت والجماعت کے بزرگان سلف صالحین، حضرت امام ابن قیمؒ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت علامہ ابن جریرؒ وغیرھم کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرتے رہے جس سے اہلسنت والجماعت کے افراد کو بہت تکلیف ہوئی اور اس کا اثر پبلک پر بہت بُرا ہوا۔ نیز ان کو قرآنی آیات غلط پڑھنے اور عربی عبارات اور الفاظ کو غلط بولنے کی وجہ سے بہت شرمندگی اُٹھانا پڑی۔

مناظرہ ۱/۲ ۹ بجے شروع ہو کر ۱/۲ ۱ بجے ختم ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے احمدیوں کو اخلاقی اور علمی ہر لحاظ سے فتح عطا فرمائی فالحمدللہ علیٰ ذالک۔ مناظرہ میں قادیان، اٹھوال، شاہ پور، کنجراں، ناروال، دھرمکوٹ بگہ، ونجواں، دہن فتح، کھوکھر، سنکوہہ، پیر شاہ تھہ غلام نبی، ہرسیاں، فیض اللہ چک، تلونڈی جھنگلاں، حمرا، دیالگڑھ اور دیگر قرب نواح کی جماعتوں کے افراد شامل ہوئے۔[3]

---

[1] و [2] "الفضل" ۱۲ نبوت/نومبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶۔ [3] "الفضل" ۵ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶ ک ۲۔

مُباحثہ ڈلوال (ضلع جہلم)

ضلع جہلم میں ڈلوال اور دوالمیال دو قصبے ہیں جہاں مولوی لال حسین صاحب اختر نے احمدیوں کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ جو جماعت احمدیہ نے منظور کر لیا اور اختر صاحب ہی کی شرائط پر ۲۔۳ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو مناظرہ کی تاریخیں تجویز ہوئیں اور مناظرہ ان کی خواہش کے مطابق قصبہ ڈلوال کی جامع مسجد میں قرار پایا۔ جہاں صرف دو احمدی تھے۔ پہلا مناظرہ وفات و حیات مسیحؑ پر زیر صدارت مولوی محمد حسین صاحب ہوا۔ مولوی لال حسین صاحب نے مدعی ہونے کی حیثیت سے جو احادیث و اقوال پیش کئے۔ چوہدری محمد یار صاحب عارف نے اُن کے نہ صرف تسلی بخش جواب دیئے بلکہ قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث سے حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انعامی چیلنج بھی پیش کئے جن کا جواب مولوی لال حسین صاحب آخر تک نہ دے سکے اور پبلک پر یہ اثر ہوا کہ مناظرہ کے بعد بعض غیر احمدیوں نے صاف کہا کہ مولوی لال حسین صاحب احمدی مناظر کے مقابلہ میں ناکام رہے ہیں۔

دوسرے دن "فیضانِ ختم نبوت" کے مسئلہ میں مدعی جماعت احمدیہ تھی۔ سید احمد علی صاحب احمدی مناظر نے قرآن کریم کی کئی آیات اور احادیثِ نبویہ سے ثابت کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں نبوت حاصل ہو سکتی ہے۔ مولوی لال حسین صاحب نے جو آیات، احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال پیش کئے ان کا نہایت عمدہ جواب دیا گیا اور اقوال بزرگان پیش کر کے جماعت احمدیہ کے عقیدہ کی صداقت ثابت کی گئی۔ مولوی لال حسین صاحب سوائے درشت کلامی کے کوئی جواب نہ دے سکے۔

تیسرا مناظرہ اسی دن بعد دوپہر تھا۔ اور یہی مناظرہ سُننے کے لئے مولوی لال حسین اور اس کے ساتھی لوگوں کو تیار کر رہے تھے۔ اس مناظرہ پر پبلک کثرت سے آئی مسجد کی چھت اور ارد گرد کے مکانوں کی چھتوں پر بھی کافی ہجوم تھا۔

جب مناظرہ شروع ہوا تو مولوی محمد یار صاحب عارف نے پہلی تقریر ہی ایسے رنگ میں کی کہ پبلک نے خاص توجہ سے سُنی۔ آپ نے قرآن مجید کی چار آیات سے صداقت ثابت کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر پڑھا کہ ؎

ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر ٭ میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں بار بار

اور اختر صاحب سے کوئی ایک ہی ایسی مثال پیش کرنے کا پُرزور مطالبہ کیا۔ عارف صاحب نے علاوہ قرآنی آیات کے دس احادیث اور بیس پیشگوئیاں حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کے ثبوت میں پیش کیں۔ مناظرہ کا مقررہ وقت ختم ہونے سے ایک گھنٹہ پیشتر ہی غیر احمدی مناظر کے ساتھیوں نے اپنے مناظر کی کمزوری محسوس کر کے نماز کے بہانہ سے مناظرہ ختم کرنا چاہا جو منظور کر لیا گیا مگر ہماری آخری تقریر میں شور کرنا شروع کر دیا۔ غیر احمدی شرفاء اور شیعہ معززین نے جماعت احمدیہ کی نمایاں کامیابی کا اقرار کیا۔[1]

---

[1] "الفضل" ۱۱ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۶

تیسرا باب

آزادئ ہند اور قیامِ پاکستان کیلئے جماعت احمدیہ کی شاندار خدمات اور مجاہدانہ کارنامے

(از صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء تا ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء)

فصل اوّل

سیدنا المصلح الموعود کیطرف سے انگلستان اور ہندوستان کو باہمی صلح کا پیغام، چودھری محمد ظفر اللہ خاں کا لنڈن کی کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں آزادی کا پُرجوش کلمۂ حق اور آزادئ ہند کی آئینی جدوجہد کے آخری اور فیصلہ کُن مرحلہ کا آغاز

۱۹۴۵ء کا سال ہندوستان کے سیاسی مطلع پر ایک نہایت مایوس کُن ماحول میں طلوع ہوا۔ آزادئ ہند کے تعلق میں کرپس مشن[1] کی ناکامی کے بعد ہندوستان اور انگلستان کے درمیان زبردست تعطل پیدا ہو چکا تھا اور باہمی سمجھوتہ کے امکانات بظاہر ختم ہو چکے تھے اور اس کے لئے ہندوستانی اور انگریز دونوں ہی کوئی نیا قدم اُٹھانے کے لئے تیار نہیں تھے بلکہ اس زمانہ کے قریب قریب عرصہ میں برطانوی پارلیمنٹ میں ہندوستان کی آزادی سے متعلق سوالات کے جو بھی جوابات دیئے گئے وہ حد درجہ مایوس کُن تھے اور عام طور پر یہ سمجھا جا رہا تھا کہ ہندوستان

---

[1] سر سٹیفورڈ کرپس ۱۹۴۲ء میں ہندوستان آئے اور ہندوستان کی آزادی کا ایک جدید فارمولا پیش کیا جسے مسلم لیگ اور کانگرس دونوں نے مسترد کر دیا۔ کرپس کی تجاویز میں اگرچہ ہندوستان کو دو یا دو سے زیادہ وفاقوں کے قیام سے اصول پاکستان کو تسلیم کر لیا گیا مگر اساسی طور پر یہ تجاویز چونکہ ناقابل ترمیم تھیں اور کسی متبادل تجویز کے لئے بھی دعوت نہیں دی گئی تھی اس لئے مسلم لیگ نے متعدد وجوہ کی بناء پر ان کو ناقابل قبول قرار دیا۔ دوسری طرف کانگرس کا مطالبہ قومی حکومت کی آڑ میں یہ تھا کہ اُسے فوراً ملک کا اقتدار سونپ دیا جائے مگر جب یہ مطالبہ ٹھکرا دیا گیا تو کانگرس نے ۸/ اگست ۱۹۴۲ء کو سول نافرمانی کی قرارداد پاس کی اور ۹/ اگست ۱۹۴۲ء کی صبح کو تمام کانگرسی لیڈر گرفتار کر لئے گئے۔

کو آزاد کرنے کا سوال ایک عملی سیاست کے طور پر انگلستان کے سیاسی مدبروں کے سامنے نہیں آسکتا۔ علاوہ ازیں لارڈ ویول جو کرپس مشن کی آمد کے وقت ہندوستان کی فوجوں کے کمانڈر انچیف تھے اور اب وائسرائے ہند کے عہدہ پر تھے۔ ہندوستانی حقوق آزادی کے عموماً اور تحریک پاکستان کے خصوصاً بہت مخالف سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ وہ ۱۴ دسمبر ۱۹۴۴ء کو ایسوسی ایٹڈ چیمبر آف کامرس کے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے یہاں تک کہہ چکے تھے کہ :

"اگر ہندوستان سیاسی اختلافات کے بخار میں مبتلا رہا اور اس کے سیاسی ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا کہ اس کے جسم پر بڑا آپریشن ہونا چاہیئے جیسا کہ پاکستان۔ تو ہندوستان ایک بہترین موقع کھو دے گا اور یہ عظیم ملک خوشحالی اور فلاح کی جنگ میں ناکامیاب رہے گا"[1]

ان مخدوش اور سراسر ناموافق حالات میں جبکہ کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ہندوستان اور انگلستان کے درمیان مفاہمت کی کوئی صورت پیدا ہونے والی ہے اللہ تعالیٰ نے "اسیروں کے رُستگار" حضرت سیدنا المصلح الموعود کو تحریک فرمائی کہ انگلستان اور ہندوستان کو سمجھوتہ کی دعوت دیں اور انہیں توجہ دلائیں کہ انہیں آپس میں صلح کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس آسمانی دعوت کو جو مختلف الہاموں اور کشوف اور رؤیا کے نتیجہ میں تھی[2]۔ اگر ہندوستان کی آزادی کا رُوحانی پسِ منظر قرار دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کیونکہ اس کے بعد نہ صرف ہندوستان بلکہ انگلستان کی مُلکی سیاسیات میں یکایک غیر معمولی تغیرات و انقلابات پیدا ہو گئے بلکہ صرف ڈھائی سال کے نہایت قلیل عرصہ میں ہندوستان غیر مُلکی تسلط سے آزاد ہو گیا اور پاکستان جیسی عظیم اسلامی مملکت معرضِ وجود میں آگئی۔

حضرت مُصلح موعُود کا پیغام صُلح

چنانچہ حضرت مصلح موعود نے ۱۲ صلح / جنوری ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء کو مسجد اقصیٰ قادیان کے منبر پر ایک انقلاب انگیز خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انگلستان اور ہندوستان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :-

"وقت آگیا ہے کہ انگلستان، برٹش ایمپائر کے دوسرے ممالک بالخصوص ہندوستان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ میل جول رکھے اور اس کے ساتھ صلح کرنے کے لئے پُرانے جھگڑوں کو بھُلا دے۔

---

[1] "قائداعظم اور اُن کا عہد" صفحہ ۳۴۴ (از رئیس احمد صاحب جعفری ندوی ناشر مقبول اکیڈمی شاہ عالم گیٹ لاہور)

[2] "الفضل" ۲۳ احسان / جون ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۱ تا ۔

اور دونوں مل کر دُنیا میں آئندہ ترقیات اور امن کی بنیادوں کو مضبوط کریں . . . . اسے انگلستان تیرا فائدہ ہندوستان سے صُلح کرنے میں ہے . . . . دوسری طرف مَیں ہندوستان کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ وہ بھی انگلستان کے ساتھ اپنے پُرانے اختلافات کو بھُلا دے"

نیز فرمایا :-

" مَیں اپنی طرف سے دُنیا کو صُلح کا پیغام دیتا ہوں مَیں انگلستان کو دعوت دیتا ہوں کہ آؤ ! اور ہندوستان سے صُلح کر لو اور مَیں ہندوستان کو دعوت دیتا ہوں کہ جاؤ ! اور انگلستان سے صُلح کر لو اور مَیں ہندوستان کی ہر قوم کو دعوت دیتا ہوں اور پُورے ادب و احترام کے ساتھ دعوت دیتا ہوں بلکہ لجاجت اور خوشامد سے ہر ایک کو دعوت دیتا ہوں کہ آپس میں صلح کر لو اور مَیں ہر قوم کو یقین دلاتا ہوں کہ جہانتک دُنیوی تعاون کا تعلق ہے ہم ان کی باہمی صُلح اور محبت کے لئے تعاون کرنے کو تیار ہیں اور مَیں دُنیا کی ہر قوم کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ ہم کسی کے دشمن نہیں ۔ ہم کانگرس کے بھی دشمن نہیں ، ہم ہندو مہاسبھا والوں کے بھی دشمن نہیں ، مُسلم لیگ والوں کے بھی دشمن نہیں اور زمیندارہ لیگ والوں کے بھی دشمن نہیں اور خاکساروں کے بھی دشمن نہیں اور خدا تعالےٰ جانتا ہے کہ ہم تو احراریوں کے بھی دشمن نہیں ۔ ہم ہر ایک کے خیر خواہ ہیں اور ہم صرف اُن کی ان باتوں کو بُرا مناتے ہیں جو دین میں دخل اندازی کرنے والی ہوتی ہیں ۔ ورنہ ہم کسی کے دشمن نہیں ہیں اور ہم سب سے کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو کہ ہم خدا تعالےٰ کی اور اس کی مخلوق کی خدمت کریں ۔ ساری دُنیا سیاسیات میں اُلجھی ہوئی ہے ۔ اگر ہم چند لوگ اس سے علیحدہ رہیں اور مذہب کی تبلیغ کا کام کریں تو دُنیا کا کیا نقصان ہو جائے گا " [1]

حضرت امیر المومنین نے انگلستان و ہندوستان کے نام صُلح کا پیغام دینے کے ساتھ ہی یہ خبر دی کہ اگرچہ آپ کی دعوتِ مصالحت کا سیاسی دُنیا پر بظاہر کوئی اثر نہیں ہو سکتا مگر خدا تعالےٰ قادر ہے کہ وہ آپ کی آواز کو بلند کرنے اور مؤثر بنانے کا انتظام فرما دے ۔ چنانچہ حضور نے فرمایا :-

" اس میں شُبہ نہیں کہ میرا ایسی نصیحت کرنا اس زمانہ میں جبکہ ہماری جماعت ایک نہایت قلیل جماعت ہے بالکل ایک بے معنی سی چیز نظر آتی ہے ۔ میری آواز کا نہ ہندوستان پر اثر ہو سکتا ہے اور نہ انگلستان

[1] " الفضل " ۱۷ ؍ صلح ؍ جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۳ ۔

پر اثر ہو سکتا ہے . . . . میں انگلستان کو نصیحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں خواہ میری یہ نصیحت ہوا میں ہی اُڑ جائے۔ اور اب تو ہوا میں اُڑنے والی آواز کو بھی پکڑنے کے سامان بھی پیدا ہو چکے ہیں۔ یہ ریڈیو ہوا میں سے ہی آواز کو پکڑنے کا آلہ ہے۔ پس مجھے اس صورت میں اپنی آواز کے ہوا میں اُڑ جانے کا بھی کیا خوف ہو سکتا ہے جبکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری ہوا میں اُڑنے والی آواز کو بھی لوگوں کے کانوں تک پہنچا دے"[1]

کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا حریت پرور خطاب

اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی زبان کو بسا اوقات اپنی زبان بنا لیتا ہے۔ یہی صورت یہاں ہوئی۔ حضرت امیر المومنین کے خطبہ کے معاً بعد اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے سامان پیدا کر دیئے کہ حکومت ہند نے احمدیت کے مایہ ناز فرزند چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو (جو اُن دنوں ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کے جج تھے) کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے انگلستان بھجوایا۔ ۱۷ فروری ۱۹۴۵ء کو (CHATCHAN HOUSE میں) کانفرنس کا افتتاح ہوا جس میں آپ کو بھی خطاب کرنے کا موقعہ دیا گیا۔ باوجودیکہ آپ اس وقت سرکاری نمائندہ تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے تصرف خاص سے آپ کو یہ توفیق بخشی کہ آپ نے حضرت مصلح موعود کے خطبہ کے بیان کردہ مطالب کو نہایت عمدگی اور کمال خوبی سے اپنی زبان میں انگلستان کے سامنے رکھا اور برطانیہ سے ہندوستان کے لئے مکمل درجہ نو آبادیات دیئے جانے کا مطالبہ ایسے پُرزور، اثر انگیز اور پُر قوت و شوکت الفاظ میں پیش فرمایا کہ پوری دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ چنانچہ انگلستان کے سربرآوردہ اخبارات میں بڑے بڑے لیڈروں نے چوہدری صاحب کی تقریر کے خلاف یا اس کی تائید میں مضامین لکھے۔ انگلستان سے امریکہ کے نمائندوں نے

---

[1] "الفضل" ۱۷ صلح/جنوری ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱-۲۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن نے حضرت مصلح موعود کے اس خطبہ کے ضروری اقتباس پر مشتمل ایک انگریزی دو ورقہ انگلستان میں شائع کیا جو برطانیہ کے وزراء اور دار العوام اور دار الامراء کے چھ سو ممبران کے علاوہ دیگر عمائدین و اکابر کو بھی بھجوایا جس پر سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا، ارل لسٹوول پارلیمنٹری انڈر سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا، سر جان وارڈ لامن رکن پارلیمنٹ کے پرائیویٹ سیکرٹری، الفرڈ بارنز رکن پارلیمنٹ، لارڈ لنلتھگو سابق گورنر جنرل و وائسرائے ہند، سر پیٹرک ہینن رکن پارلیمنٹ، بریگیڈیر ایف میڈلیکاٹ سی۔بی۔ای رکن پارلیمنٹ اور لارڈ ریکل اور دوسرے مدبرین برطانیہ نے تحریری شکریہ ادا کیا اور حضرت مصلح موعود کی نصیحت کو خاص دلچسپی سے مطالعہ کیا (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "الفضل" ۹ احسان/جون ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵)۔ انگلستان کے علاوہ گورنر مشرقی افریقہ سر فلپ مچل کی تحریک پر چوہدری محمد شریف صاحب بی۔اے نے مشرقی افریقہ ریڈیو سے بھی حضور کے خطبہ کا خلاصہ نشر کیا ("الفضل" ۱۴ ستمبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۱) اس طرح خدا تعالیٰ نے حضور کی آواز کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کا انتظام فرما دیا۔

تاروں کے ذریعہ اس آواز کو امریکہ میں پھیلایا اور رائٹر کے نمائندہ نے اُسے ہندوستان میں پہنچایا۔ اور پھر ہندوستان کے مختلف گوشوں سے اس کی تائید میں آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں۔ اس طرح تھوڑے دنوں کے اندر اندر حضرت مصلح موعود کی آواز سے ہندوستان، انگلستان اور امریکہ گونج اُٹھے[1]

چودھری صاحب نے کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں جو معرکۃ الآراء تقریر کی اس نے تاریخ آزادی ہند میں ایک نئے اور سنہری باب کا اضافہ کیا۔ آپ نے فرمایا :-

"ہندوستان کو اپنے حصول مقصد سے زیادہ دیر تک روکا نہیں جا سکتا۔ ہندوستان نے برطانوی قوموں کی آبادی کی حفاظت کے لئے پچیس لاکھ فوج میدان میں بھیجی ہے مگر وہ اپنی آزادی کیلئے دوسروں سے بھیک مانگ رہا ہے۔ ہندوستان کی حالت اب بدل چکی ہے۔ جنگ نے اُسے اپنی اہمیت کا پورا احساس کرا دیا ہے۔ اس کے صنعتی ذرائع منظم ہو چکے ہیں۔ اور آج وہ اتحادیوں کے لئے اسلحہ کے گودام کا کام دے رہا ہے۔ اتحادی چین کو بڑی چار طاقتوں میں شمار کرنے لگے ہیں۔ مگر ہندوستان کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں۔ ہندوستان کئی پہلوؤں سے چین سے آگے ہے۔ چین صرف آبادی اور رقبہ کے مقابلے میں آگے ہے ورنہ صنعت، قوت ساخت، اعلیٰ تعلیم، آرٹ، سائنس، رسل و رسائل، صحت، قیام امن و آئین اور دیگر تمام معاملات میں ہندوستان کا درجہ بلند ہے۔ ہندوستان کے اندرونی اختلافات کچھ بھی ہوں مگر وہ چینیوں کے باہمی تفاوت سے زیادہ خطرناک ثابت نہیں ہو سکتے۔ ہندوستان پر کئی بار حملے ہوئے ہیں مگر ہندوستان نے کبھی بھی کسی پر حملہ نہیں کیا۔ ہندوستان کب تک انتظار کر سکتا ہے۔ وہ آزادی کی طرف پیش قدمی کر چکا ہے۔ اب اسے امداد دیں یا اس کے راستہ میں مزاحم ہوں اُسے کوئی روک نہیں سکے گا۔ اگر آپ چاہیں گے تو وہ کامن ویلتھ کے اندر رہ کر ہی آزادی حاصل کرے گا۔"

ہندوستان کی جنگی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا :-

"جنگ سے پہلے ہندوستان مقروض تھا مگر دوران جنگ میں اس نے اتنی مالی امداد دی ہے کہ اب وہ قرضخواہ بن گیا ہے۔ اس نے رضاکارانہ طور پر ۲۵ لاکھ فوج دی ہے۔ آئندہ امن کے قیام میں

---

[1] "الفضل" ۲۳ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

ہندوستان کی جنگی کوششوں کو خاص اہمیت حاصل ہوگی ''۔[۵۱]

چونکہ برطانوی ہند کی تاریخ میں یہ پہلی مثال تھی کہ حکومت کے ایک سربرآوردہ نمائندہ نے ہندوستانیوں کے سیاسی اور ملکی جذبات کی وضاحت و ترجمانی کا فرض اس جرأت اور بے باکی سے ادا کیا ہو۔ اس لئے ہندوستان کے سب سیاسی حلقوں نے اس نعرۂ آزادی کے بلند کرنے پر چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کو زبردست خراج تحسین ادا کیا اور ملک کے معتدد ہندو اور مسلم پریس نے بکثرت تعریفی مضامین لکھے جن میں سے بعض بطور نمونہ درج ذیل کئے جاتے ہیں :-

۱۔ اخبار "انقلاب" اخبار "انقلاب" مورخہ ۲۲ر فروری ۱۹۴۵ء نے "سر ظفر اللہ خاں کی صاف گوئی" کے عنوان سے حسب ذیل ایڈیٹوریل لکھا :-

"چودھری سر ظفر اللہ خاں نے کامن ویلتھ کی کانفرنس (منعقدہ لنڈن) میں جو تقریر فرمائی وہ ہر انگریز اور اتحادی ملکوں کے ہر فرد کے لئے دلی توجہ کی مستحق ہے۔ کیا اس ستم ظریفی کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ جس ہندوستان کے پچیس لاکھ بہادر مختلف جنگی میدانوں میں جمعیتہ اقوام برطانیہ کی آزادی کو محفوظ رکھنے کی خاطر لڑ رہے ہیں وہ خود آزادی سے محروم ہے!

یہ الفاظ کسی غیر ذمہ دار مقرر کی زبان سے نہیں نکلے جس نے مجمع عام میں عوام سے نعرے لگوانے کے لئے یہ طرق بیان اختیار کیا ہو بلکہ ایک ذمہ دار ہندوستانی وفد کے قائد و رہنما کے الفاظ ہیں اور کوئی شخص ان کی سچائی اور درستی میں ایک لمحہ کے لئے بھی شبہ نہیں کر سکتا۔ گذشتہ ساڑھے پانچ برس میں ایک موقع بھی نہیں آیا کہ ہندوستان نے بحیثیت مجموعی اور بہ اعتبار عمومی جنگ کے سلسلے میں اپنے واجبات و فرائض کی بجا آوری کا بہتر سے بہتر ثبوت نہ دیا ہو۔ جن جماعتوں نے جنگی مساعی میں پورا اور سرگرم حصہ نہ لیا یا جن کی طرف سے ان کی مخالفت ہوئی اُن کا عذر بھی اس کے سوا کیا تھا کہ ہندوستان کو آزادی نہیں ملی اور آزادی مل جائے تو اس وسیع سرزمین کے لامتناہی وسائل کو اس پیمانے پر جنگ کے لئے حرکت میں لایا جا

---

۵۱ "الفضل" ۲۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۱-۲۔ اخبار "آبزرور" (OBSERVER) لنڈن کے سٹاف رپورٹر نے اس تقریر پر یہ تبصرہ کیا کہ "تمام مقررین میں سے زیادہ صاف گو انڈین ڈیلی گیشن کے قائد سر محمد ظفر اللہ خاں تھے آپ نے اپنی تقریر میں کہا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ہندوستان کے ۲۵ لاکھ فرزند کامن ویلتھ کی اقوام کی آزادی کی حفاظت کے لئے لڑ رہے ہیں مگر ہندوستان خود اپنی آزادی کے لئے درخواستیں کر رہا ہے" (ترجمہ)

سکتا ہے کہ دُنیا حیران رہ جائے۔ ان جماعتوں کے طریق وتدابیر سے اور بعض حالتوں میں مقاصد سے بھی اختلاف کیا جا سکتا ہے اور خود ہم نے بھی ان کی تنقید میں کبھی تامل نہیں کیا۔ لیکن کیا یہ حقیقت حد درجہ رنجیدہ نہیں کہ جن جماعتوں نے ہر سعی کو حصول آزادی پر موقوف و ملتوی رکھا ان کے طرزِ عمل سے اختلاف کیا گیا۔ لیکن جن جماعتوں اور گروہوں نے کسی شرط یا عہد و پیمان کے بغیر ہر قسم کی قربانیوں کو آزادی جمہوریت کی حمایت کے خیال سے نیز ہندوستان کی حفاظت کے خیال سے ضروری قرار دیا۔ وہ بھی اس وقت تک منزل آزادی سے قریب تر نہیں ہوئے۔

بلاشبہ ہندوستان میں اختلافات موجود ہیں اور ان اختلافات کا فیصلہ خود ہندوستانیوں کو کرنا چاہیئے اس لئے بھی کہ وہی فیصلہ کے حقدار ہیں اور اس لئے بھی کہ انہی کا فیصلہ پائدار ہوگا۔ چوہدری سر ظفر اللہ خاں نے اس سلسلہ میں چین کی مثال پیش کی کہ وہاں بھی کمیونسٹوں اور مارشل چیانگ کائی شیک کی قومی پارٹی (کومنٹانگ) میں اختلافات ہیں۔ ہم اس مثال کو ہر لحاظ سے اپنے حالات کے مطابق نہیں سمجھتے۔ تاہم کیا حکومت برطانیہ کے لئے یہ زیبا ہے کہ ہمارے اختلافات کی وجہ سے سارے سلسلہ کاروبار کو معطل کئے بیٹھی رہے اور چُپ چاپ یہ دیکھتی رہے کہ کب ہمارے اختلافات مٹتے ہیں اور کب اُسے آزادئ ہند کے مسئلے پر سنجیدگی کے ساتھ توجہ کا موقع ملتا ہے" [1]

۲۔ اخبار "احسان"

اخبار "احسان" نے ۲۴ر فروری ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"سر ظفر اللہ خاں نے لندن میں ایک اَور تقریر کی جس میں ایک سرکاری ممبر ہونے کے باوجود آپ نے صاف گوئی سے کام لیا ہے۔ آپ نے برطانوی مدبّروں سے کہا ہے کہ ان نازک لمحات میں برطانیہ کو جو فتوحات ہوئی ہیں وہ قابلِ تعریف ہیں۔ امریکہ سے برطانیہ نے معاملہ کیا تو اس میں برطانیہ کو کامیابی ہوئی۔ رُوس سے بات چیت ہوئی تو اس میں بھی برطانیہ کو فتح ہوئی آگے بڑھنے کے لئے جس طرف بھی قدم اُٹھے تو برطانیہ کو ناکامی نہ ہوئی۔ لیکن اس لمبی چوڑی دُنیا میں کیا برطانیہ صرف ہندوستان کے معاملے میں ہی شکست تسلیم کرنا چاہتا ہے؟ معلوم نہیں برطانیہ کے مدبّروں نے سر ظفر اللہ کی ان باتوں کو کن جذبات کے ماتحت سُنا ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے جس کا احساس آج سر ظفر اللہ جیسے انسان کو بھی ہو رہا ہے اور کس قدر افسوسناک

[1] "الفضل" ۲۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۱۔۲

واقعہ ہوگا۔ اگر برطانوی مدبروں کے دل میں تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ آپ نے یہانتک کہہ دیا کہ ہندوستان آزاد ہونا چاہتا ہے خواہ اسے کامن ویلتھ (دول متحدہ) سے باہر ہی کیوں نہ رہنا پڑے۔ ہندوستان دول متحدہ میں بھی شریک ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی قسمت کا آپ مالک ہو اور باہر سے کوئی دباؤ اس پر نہ پڑے اور دوسری شرط یہ ہے کہ درجہ نوآبادیات میں وہ نسلی امتیاز کا شکار نہ ہو اور اس کا درجہ بالکل مساوی ہو۔ یہ باتیں بالکل صاف ہیں" [1]

اخبار "پیام" ۳۔ حیدرآباد دکن کے روزانہ اخبار "پیام" (مورخہ ۸ ربیع الاول مطابق ۲۲ فروری ۱۹۴۵ء) نے "ایک اجنبی کی آواز" کے عنوان سے لکھا:۔

"بہت عرصہ ہوا کہ سر ظفر اللہ خاں قومی زندگی سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ اُن کی دُنیا لال وردیوں والے چوبداروں اور سُرخ قالینوں والے حکومت کے ایوانوں کی دُنیا ہے، اس لئے حیرت ہوئی ـــــ ایک خوشگوار حیرت ـــــ کہ تعلقات دولت مشترکہ کی کانفرنس میں ہندوستانی وفد کے لیڈر کی حیثیت سے انہوں نے اپنی تقریر میں یہ کیسی عجیب عجیب باتیں فرما دیں ـــــ کیا وہ کوئی عصبی ہیجان کا لمحہ تھا جب وہ کہہ بیٹھے کہ

"دولت مشترکہ کے مدبرو! کیا تم اس عجیب طنز کو محسوس نہیں کرتے کہ ہندوستان کے ۲۰ لاکھ سپاہی میدان جنگ میں دولت مشترکہ کی اقوام کی آزادیوں کو محفوظ کرنے کی جدوجہد کر رہے ہوں اور پھر خود اپنی آزادی کی بھیک مانگتے رہیں؟"

اور پھر یہ کہ

"کب تک تمہارے خیال میں ہندوستان انتظار کرتا رہے گا؟ ہندوستان کا قافلہ اب جادہ پیما ہے خواہ تم اس کی مدد کرو یا اس کا راستہ روکو اس کو اب کوئی بھی روک نہیں سکتا۔ ہندوستان آزاد ہو کر رہے گا مگر وہ دولت مشترکہ کے اندر رہے گا اگر تم اس کو اندر رہنے دوگے اور اس کو وہ مرتبہ دوگے جو اس کا حق ہے مگر وہ اس حلقہ سے باہر بھی چلا جائے گا اگر تم اس کے لئے کوئی دوسرا چارہ کار باقی نہ رکھو گے"

اور پھر

"اپنی سیاسی آزادی کے لئے برطانیہ کی دست نگری کرنے سے اب ہندوستان اُکتا گیا ہے۔ بیسیوں

---

[1] بحوالہ "الفضل" ۲۴ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

میدان میں اپنی مایوسی اور ناکامی کا احساس اب اس اندیشہ سے بڑھتا جاتا ہے کہ کہیں ان مابعد جنگ انتظامات میں ـــــــ جن میں سے بعض پر اس کانفرنس میں بحث ہوگی ـــــــ وہ کسی ذلیل بے چارگی کی حالت میں نہ دھکیل دیا جائے"

"سر ظفر اللہ کی شخصیت ہمارے ملک کی ایک بہت شاندار شخصیت رہی ہے ـــــــ جب تک وہ دہلی اور شملہ کے سرکاری خلوت خانوں کی آسائشوں سے مانوس نہ ہوئی تھی موصوف کی ذہنی اور دماغی قابلیت کا لوہا سب مانتے ہیں۔ اس قابلیت کے نقوش آج بھی ہماری قومی زندگی میں موجود ہیں۔ مگر یہ آواز جو ہم نے آج لندن کے ایک ایوان میں سُنی اب تو ایک اجنبی کی آواز معلوم ہوتی ہے ـــــــ تاہم حقائق کی قوت اس سے ظاہر ہے۔ یعنی یہ حقیقت ظاہر ہے کہ وطن کی اولاد اگر اُس سے جُدا کسی دوسری دُنیا میں بھی آباد ہو۔ تب بھی اس کی زندگی میں ایسے لمحے آتے ہیں کہ وہ اسی ایوان کے فرش پر جس کے اندر اس کی قدرتی صلاحیتیں محفوظ کرلی گئی ہیں ایک کلمۂ حق کہہ سکتی ہے۔ سر ظفر اللہ کی اس آواز میں ایک گرج ہے، ایک دھماکا ہے جس کو ہم نظر انداز نہیں کرسکتے ـــــــ لیکن کیا وہ بھی نظر انداز نہ کرسکیں گے ـــــــ

دولت مشترکہ کے مدبرین! جن کو سر ظفر اللہ نے مخاطب کیا؟

انہوں نے فرمایا کہ کیا ہندوستان کی حالت چین سے بھی بدتر ہے۔ کیا ہندوستان کے اندرونی اختلافات چینی کومنتانگ اور چینی اشتراکیوں کے اختلافات سے بھی زیادہ ہیں؟ پھر یہ کیا بات ہے کہ آج چین کو چار بڑے اکابر میں شمار کیا جاتا ہے مگر ہندوستان کا مقام کہیں بھی نہیں!

بہت مشکل ہے اس بات کا سمجھنا اور بتانا کہ سر ظفر اللہ کی زبان سے یہ سب کچھ کن حالات میں کہا گیا اور آیا یہ کہ ان کا کہا ہوا ڈاؤننگ اسٹریٹ تک بھی پہنچ سکے گا یا نہیں۔ لیکن یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے ہندوستان کے اس نام نہاد وفد کی قیادت کا فرض انجام دیا ـــــــ اس سے آگے ہم نہیں کہہ سکتے کہ پھر بھی وہ کچھ کہیں گے یا نہیں اور ان کے شرکا رکار بھی کچھ کہیں گے یا نہیں ـــــــ یا یہ ایک آواز یورپ کی بین الاقوامی سیاست کے صحرائے لق و دق میں صرف ایک ہی دفعہ بلند ہو کر گم ہو جائے گی!"[1]

---

[1] بحوالہ "الفضل" ۸ ر امان / مارچ ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۹ کالم ۱ تا ۳ .

اخبار "پربھات"

۴۔ روزنامہ "پربھات" (۲۰ر فروری ۱۹۴۵ء) نے یہ نوٹ شائع کیا:۔

"ہندوستان کی طرف سے سرظفر اللہ بطور نمائندہ اس کانفرنس میں تشریف لے گئے ہیں۔ ان کی پہلی تقریر بہت زوردار ہے اور دل خوش کن بھی۔ کیونکہ انہوں نے کامن ویلتھ کے دوسرے ممبروں کو صاف الفاظ میں بتایا کہ بیس پچیس لاکھ سپاہی مہیا کرنے والا ملک اگر آزادی سے محروم رہا تو جنگ کے بعد بھی دُنیا میں امن نہیں ہو سکتا۔ ایک ایک ہندوستانی کو سرظفر اللہ کا ممنون ہونا چاہیئے کہ انہوں نے انگریزوں کے گھر جا کر حق کی بات کہہ دی"[1]

اخبار "ویر بھارت"

۵۔ اخبار "ویر بھارت" (۲۰ر فروری ۱۹۴۵ء) نے ایک طویل مضمون میں یہ تبصرہ لکھا۔

"سرظفر اللہ نے کامن ویلتھ کانفرنس میں بجا طور پر یہ سوال کیا کہ جس ہندوستان کے پچیس لاکھ سپاہی دُنیا کو آزاد کرانے کے لئے لڑ رہے ہیں کیا اس کا بدستور غلام رہنا باعث شرم نہیں ہے"[2]

اخبار "پرتاپ"

۶۔ اخبار "پرتاپ" (مورخہ ۲۲ر فروری ۱۹۴۵ء) نے چوہدری صاحب کی معرکۃ الآرا تقریر کا ذکر درج ذیل الفاظ میں کیا:۔

"ہندوستان کے فیڈرل کورٹ کے جج سر محمد ظفر اللہ آجکل لنڈن گئے ہوئے ہیں۔ آپ کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں ہندوستانی ڈیلیگیشن کے لیڈر ہیں۔ لنڈن میں آپ نے جو تقریریں کی ہیں اُن سے ہندوستان تو کیا، ساری کامن ویلتھ میں تہلکہ مچ گیا ہے۔ کوئی امید نہ کر سکتا تھا کہ سر ظفر اللہ جیسا شخص بھی برطانیہ کی مذمت میں ایسے الفاظ استعمال کر سکتا ہے۔ چند دن ہوئے آپ نے ایک تقریر کی جسے سُن کر یو۔ پی کے سابق گورنر سر میلکم ہیلی جو اس وقت لارڈ ہیلی آف سرگودھا ہیں آگ بگولہ ہو گئے اور میٹنگ سے اُٹھ کر چلے گئے۔ آپ نے برطانوی حکمرانوں کو وہ کھری کھری سُنائیں کہ سُننے والے دنگ رہ گئے۔ برطانوی حکومت کے درجنوں تنخواہ دار ایجنٹوں کے کئے کرائے پر آپ کی ایک تقریر نے پانی پھیر دیا۔

عام سوال یہ کیا جا رہا ہے کہ یہ کیسے ہوا کہ ایسے ایسے لوگ بھی جو برطانیہ کی بدولت ان ممتاز عہدوں پر پہنچے ہیں آج اس کے خلاف ہو رہے ہیں۔ جواب صاف ہے۔ برطانوی حکومت ہر ایک

---

[1] و [2] "الفضل" ۲۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۲، ۳۔

کو حکمہ دینا چاہتی ہے اور جن لوگوں میں ابھی تک ضمیر باقی ہے وہ ان حالات کو برداشت نہیں کر سکتے“ [۱]

اخبار ”ریاست“

۷۔ اخبار ”ریاست“ (۲۶ر فروری ۱۹۴۵ء) نے ”برطانیہ کے مخلص دوستوں کی آواز“ کے عنوان سے حسب ذیل نوٹ شائع کیا۔

”چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں جج فیڈرل کورٹ ایک بلند کیریکٹر شخصیت ہیں اور آپ کیلئے یہ ممکن نہیں کہ آپ کے دل اور زبان میں فرق ہو چنانچہ چودھری صاحب چونکہ برطانیہ کے مخلص دوست ہیں۔ آپ نے اپنے ان اصلی جذبات کو کبھی چھپانے کی کوشش نہ کی۔ اور جب کبھی آپ کو برطانوی پالیسی اور برطانوی مدبّروں سے اختلاف ہوا تو آپ نے اس اختلاف کو بھی کھلے طور پر بیان کر دیا۔

چودھری سر ظفر اللہ نے برطانیہ کے مخلص دوست ہوتے ہوئے حال میں جو بیان دیا ہے وہ برطانوی مدبّروں کی آنکھیں کھولنے کا باعث ہونا چاہیئے۔ آپ نے برطانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”ہندوستان کی آزادی کی خواہش کو اب نہیں دبایا جاسکتا۔ کاروانِ آزادی اب تیزی سے منزل کی طرف رواں ہے۔ تم اس کی مدد کرو یا نہ کرو۔ آزادی کی منزل میں اس کے قدم اب متزلزل نہیں ہو سکتے۔ ۲۵ لاکھ ہندوستانی میدان جنگ میں اقوام دولت مشترکہ کی آزادی قائم رکھنے کے لئے جنگ کر رہے ہیں لیکن وہ خود اپنی آزادی سے محروم ہیں“

گاندھی اور کانگرسی لیڈروں کو تو خیر برطانیہ اپنا دشمن سمجھتا ہے اور ان کی تحریکوں اور مطالبات کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے مگر سر ظفر اللہ تو برطانیہ کے دشمن نہیں اور برطانیہ کے نامزد ہو کر کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں شامل ہوئے۔ برطانوی قوم اگر اپنے ان مخلص دوستوں کی رائے پر بھی توجہ نہ کرے تو اس قوم کی بدنصیبی پر کیا شک ہے۔

اے کاش! برطانیہ کے مدبّر سر ظفر اللہ کے اس بیان کو آنکھیں کھول کر پڑھیں۔ اور ہندوستان کو آزادی دی جائے“ [۲]

رسالہ ”پریت لڑی“

۸۔ سکھوں کے مشہور گورمکھی رسالہ ”پریت لڑی“ نے اپنے مارچ ۱۹۴۵ء کے پرچہ میں ”سر ظفر اللہ“ کے زیر عنوان لکھا:۔

”لنڈن میں ڈومینز کی کانفرنس ہو رہی ہے۔ سر ظفر اللہ ہندوستان کے نمائندے ہیں۔ اور

---

[۱] بحوالہ الفضل ۲۴ر فروری ۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۴

[۲] بحوالہ ”الفضل“ ۸ر امان/ مارچ ۱۳۲۴ہش/ ۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۳

جو زوردار، بے خوف اور بے لاگ تقریریں انہوں نے کی ہیں انگریز سوچ میں پڑ گئے ہیں۔ سر ظفراللہ نے تنبیہہ کی ہے کہ اگر ہندوستان سے انصاف نہ کیا گیا اور مکمل آزادی کی تاریخ مقرر نہ کی گئی تو انگریز ہندوستان کی دوستی ہمیشہ کے لئے گنوالیں گے۔ ان کی تقریروں کا تمام دُنیا میں چرچا ہو رہا ہے۔ ہم اپنے بھائی کے شکر گذار ہیں۔

مُدّت سے ہم نے یہ امید کرنا چھوڑ دیا ہے کہ سرکاری طور پر بھیجا ہوا ہمارا نمائندہ کبھی ہماری بھی ترجمانی کرے گا۔ ہم نے کبھی دلچسپی سے پڑھا ہی نہیں کہ یہ نمائندے وہاں جا کر کیا کہتے ہیں لیکن سر ظفراللہ کی دلیری کا ہم فخر کرتے ہیں۔"[1]

"پریت لڑی" کے تبصرہ کا گورمکھی متن

"ਲੰਡਨ ਵਿਚ ਡੁਮੀਨੀਅਨਜ਼ ਦੀ ਕਾਨਫ੍ਰੰਸ ਹੋ ਰਹੀ ਹੈ। ਸਰ ਜ਼ਫ਼ਰੁੱਲਾ ਹਿੰਦੁਸਤਾਨ ਦੇ ਨੁਮਾਇੰਦੇ ਹਨ ਤੇ ਜੇਹੜੀਆਂ ਜ਼ੋਰਦਾਰ, ਨਿਡਰ ਤੇ ਬੇਸੰਕੋਚ ਤਕਰੀਰਾਂ ਓਹਨਾਂ ਨੇ ਉੱਥੇ ਕੀਤੀਆਂ ਹਨ, ਅੰਗਰੇਜ਼ ਸੋਚਣ ਲਗ ਪਏ ਹਨ। ਸਰ ਜ਼ਫਰੁੱਲਾ ਨੇ ਤਾੜਨਾ ਕੀਤੀ ਹੈ ਕਿ ਜੇ ਹਿੰਦੁਸਤਾਨ ਨਾਲ ਇਨਸਾਫ਼ ਨਾ ਕੀਤਾ ਗਿਆ, ਪੂਰੀ ਆਜ਼ਾਦੀ ਦੀ ਤ੍ਰੀਕ ਨੀਅਤ ਨਾ ਕੀਤੀ ਗਈ, ਤਾਂ ਹਿੰਦੁਸਤਾਨ ਦੀ ਦੋਸਤੀ ਅੰਗਰੇਜ਼ ਹਮੇਸ਼ਾ ਲਈ ਗੁਆ ਲੈਣਗੇ। ਇਹਨਾਂ ਦੀਆਂ ਤਕਰੀਰਾਂ ਦੀ ਸਾਰੀ ਦੁਨੀਆ ਵਿਚ ਚਰਚਾ ਹੋ ਰਹੀ ਹੈ। ਅਸੀਂ ਆਪਣੇ ਵੀਰ ਦੇ ਸ਼ੁਕਰ ਗੁਜ਼ਾਰ ਹਾਂ। ਮੁੱਦਤਾਂ ਤੋਂ ਅਸਾਂ ਇਹ ਉਮੇਦ ਕਰਨੀ ਛੱਡ ਦਿੱਤੀ ਹੈ ਕਿ ਸਰਕਾਰੀ ਤੌਰ ਤੇ ਭੇਜਿਆ ਹੋਇਆ ਸਾਡਾ ਨੁਮਾਇੰਦਾ ਕਦੇ ਸਾਡੇ ਵਲ ਦੀ ਗਲ ਕਰੇਗਾ। ਅਸਾਂ ਕਦੇ ਦਿਲਚਸਪੀ ਨਾਲ ਪੜ੍ਹਿਆ ਹੀ ਨਹੀਂ, ਇਹ ਨੁਮਾਇੰਦੇ ਉਥੇ ਜਾ ਕੇ ਕੀ ਆਖਦੇ ਹਨ, ਪਰ ਸਰ ਜ਼ਫਰੁੱਲਾ ਦੀ ਦਲੇਰੀ ਦਾ ਅਸੀਂ ਮਾਣ ਕਰਦੇ ਹਾਂ।"

[1] ترجمہ "پریت لڑی" مارچ ۱۹۴۵ء

چودھری صاحب کی لنڈن ریڈیو سے اہم تقریر

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے ۱۷ فروری ۱۹۴۵ء کو صرف کامن ویلتھ کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں ہی نعرۂ آزادی بلند نہیں کیا بلکہ اس روز عشائیہ کی ایک خصوصی سرکاری تقریب میں بھی اپنے موقف کی تائید میں موثر تقریر فرمائی۔ ازاں بعد اپنے قیام انگلستان کے دوران ایک تقریر لنڈن ریڈیو سے براڈکاسٹ کی جس میں ہندوستان کی سیاسی مشکلات کا حل پیش فرمایا اور بتایا کہ مَیں نے حکومت برطانیہ کے سامنے تجویز رکھی ہے کہ اس کی طرف سے اعلان کیا جائے کہ جنگ عظیم کے خاتمہ کے ایک سال بعد تک اگر ہندوستانی جماعتوں میں کوئی سمجھوتہ ہوگیا تو برطانیہ اُسے تسلیم کرے گا۔ اگر سمجھوتہ نہ ہوسکا تو ہندوستان میں ایک عبوری آئین کا نفاذ کرکے ملک کو درجہ نوآبادیات دے دیگا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:-

"مَیں نے جب سے انگلستان میں قدم رکھا ہے مجھ سے ہندوستان کی آئینی اُلجھنوں کے بارے میں بہت سے سوالات پوچھے جا رہے ہیں۔ مثلاً ہندوستان کا سیاسی قضیہ کیوں حل نہیں ہوتا؟ ہندو اور مسلمان کیوں مفاہمت نہیں کرتے؟ ہندوستان کو کب آزادی ملے گی؟ ہندوستان آزاد ہو کر کامن ویلتھ میں شامل رہے گا یا نہیں؟ ان سوالات کا جواب دینا آسان کام نہیں۔ کیونکہ جہاں تک برطانیہ کا تعلق ہے وہ کہہ چکا ہے کہ ہندوستانی آپس میں کوئی سمجھوتہ کرکے، کوئی آئین بنالیں برطانیہ اُسے منظور کرے گا۔ دوسری طرف ہندوستانی آپس میں سمجھوتہ نہیں کرتے۔ اور یہ مسئلہ ایک اُلجھن سی بن کے رہ گیا ہے۔ تین سال پیشتر سرسٹیفورڈ کرپس ہندوستان گئے تھے۔ اس وقت سے آج تک ہندوستان میں اُلجھن سلجھانے کی بڑی کوششیں ہوئیں مگر ناکام رہیں۔

. . . اس وقت محاذ جنگ پر ۲۵ لاکھ ہندوستانی سپاہی دُنیا کی آزادی کے لئے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں۔ ہندوستان کی طرف سے اس قدر سامان جنگ فراہم کیا گیا ہے کہ آج ہندوستان جیسا مقروض مُلک قرضخواہ بن گیا ہے۔ صنعت وحرفت بہت زیادہ ترقی کرگئی ہے مگر اس کے سیاسی مستقبل کا کوئی حل پیدا نہیں ہوا۔ اور اس کے بغیر سب ترقیاں فضول ہیں۔ مَیں نے برطانوی مدبروں کے سامنے یہ تجویز رکھی ہے کہ ان کی طرف سے یہ اعلان ہونا چاہیئے کہ اگر ہندوستان کے لوگ جنگ جاپان کے اختتام کے ایک سال بعد تک کوئی سمجھوتہ پیش کریں تو برطانیہ اسے تسلیم کریگا۔ اگر سمجھوتہ نہ کرسکیں تو برطانیہ اپنی طرف سے آئین تیار کرکے پارلیمنٹ میں پیش کر دے گا۔ اس

کی شکل یہی ہو گی کہ ہندوستان کو آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، کینیڈا اور جنوبی افریقہ کا سا درجہ دیا جائے گا۔ ہندوستان کی اسمبلی کو پارلیمنٹ کے منظور کردہ آئین میں ترمیم کرنے کا اختیار حاصل ہوگا تاکہ بعد میں ہندوستانی آپس میں اتحاد کرکے آئین کو اپنے ڈھب کے مطابق لاسکیں۔ بہرحال حکومت کو ایسا اعلان کردینا چاہیئے جس سے دسمبر ۱۹۴۷ء تک ہندوستان کی آئین سازی کی ذمہ داری برطانیہ پر عائد ہو . . . . میں نے حکومت برطانیہ سے یہ درخواست کی ہے کہ اگر ہندوستان کی کوئی سیاسی جماعت اس آئین سے علیحدہ رہنے کی خواہش رکھتی ہو تو اس کے لئے ایسا کرنے کی گنجائش رکھی جائے۔ دوسری گنجائشیں بھی رکھی جائیں . . . . اس وقت ہندوستان میں ایک جماعت[۱] ایسی بھی ہے جو مرکزی آئین سے اپنے آپ کو الگ رکھنے کی کوشش کر رہی ہے لہٰذا برطانوی پارلیمنٹ کی طرف سے جو آئین منظور ہو اس میں اس امر کی گنجائش ضرور رکھنی چاہیئے۔ بعض برطانوی مدبر کہتے ہیں کہ ہندوستان کے آئین کی ذمہ داری برطانیہ پر عائد نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن اُن کا یہ بہانہ بالکل عذر لنگ کی حیثیت رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی سیاسی اُلجھن کا حل برطانیہ کو دنیا بھر میں سُرخرو کردیگا۔ اگر وہ اس کام میں عہدہ برآ ہو گیا تو دُنیا میں اس کی عزت میں چار چاند لگ جائیں گے۔ ناکام رہا تو اس کے وقار کو بٹہ لگ جائے گا . . . . اس نے یُونان، یوگوسلاویہ اور پولینڈ جیسے ملکوں کے ناقابل حل سوالات کو حل کر دکھایا ہے۔ کیا ہندوستان کا حق برطانیہ پر اس قدر بھی نہیں جتنا یوگوسلاویہ، پولینڈ اور یُونان کا ہے۔ اگر برطانیہ ہندوستان کا مسئلہ حل کردے تو اس سے بہت سی اُلجھنیں حل ہو جائیں گی۔ خود انگلستان کی بہبود کا تقاضا بھی یہی ہے۔"[۲]

چودھری صاحب نے اپنی یہی تجویز اخبار سپیکٹیٹر "SPECTATOR" کے ایک مضمون میں بھی نہایت وضاحت سے بیان فرمائی اور آخر میں لکھا کہ برطانوی حکومت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہندوستان کے مسئلہ کے حل پر دُنیا کے امن اور تہذیب کے مستقبل کا دارومدار ہے اور اس کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ بعض حلقوں کو اس کا احساس نہیں۔[۳]

---

[۱] یعنی مسلم لیگ (مرتب) • [۲] اس تقریر کے ملخص کا ترجمہ انہی دنوں اخبار "الفضل" نے اپنے ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے پرچہ میں شائع کردیا تھا۔ مندرجہ بالا اقتباس اسی پرچہ سے ماخوذ ہے •

[۳] اس مضمون کا خلاصہ اخبارات میں بھی شائع ہو گیا تھا جس کا ترجمہ "الفضل" ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں بھی چھپ گیا تھا۔

چودھری صاحب کا "ہندوستان سٹینڈرڈ" کے نمائندہ سے انٹرویو

چودھری صاحب نے ۲۲ فروری ۱۹۴۵ء کو "ہندوستان سٹینڈرڈ" کے نمائندہ سے ایک انٹرویو میں کہا کہ میری سرکردگی میں جو وفد یہاں آیا ہے وہ دو سوالات کا قطعی فیصلہ کرانے کے بعد ہندوستان واپس جائے گا۔ پہلا سوال یہ ہے کہ ہم جنوبی افریقہ کے ڈیلیگیشن کا اس وقت تک پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک وہ ہندوستانیوں کو شہریت کے مساوی حقوق دینے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ اگر اس نے ہمارا یہ مطالبہ منظور نہ کیا تو اُسے ہندوستان کی طرف سے پُوری پُوری انتقامی کارروائی کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے دوسرا سوال ہندوستان کی آزادی ہے خواہ ہندوستان برطانی کامن ویلتھ کے اندر رہنا منظور کرے یا باہر ہو جائے[1]

برطانوی مدبّرین کے خیالات میں زلزلہ

آزادیٔ ہند سے متعلق چودھری ظفراللہ خاں صاحب کی تجویز نے برطانوی مدبّرین کے خیالات میں ایک زبردست زلزلہ برپا کر دیا۔ لنڈن کے با اثر اور مشہور روزنامہ لنڈن ٹائمز (LONDON TIMES) کے کالموں میں متعدد انگریزوں کے اس تجویز کی نسبت مراسلات شائع ہوئے اور "لنڈن ٹائمز" (۲۰ مارچ ۱۹۴۵ء) نے اپنے اداریہ میں ان خطوط کا خلاصہ شائع کر کے ان کی بناء پر دو نکتے پیش کئے۔

ایک یہ کہ برطانیہ کو خود اس کارروائی کے اختیار کرنے کا ذمّہ دار ہونا چاہیئے جو ہندوستان کے متعلق اس کی اعلان کی ہوئی پالیسی کو موثر طور پر نافذ کرنے کا یقین حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔

دوسرا یہ کہ موجودہ حالت میں محض کرپس مشن کی پیشکش پر یہ کہہ کر انحصار کرنا کہ "اسے قبول کر لو یا ردّ کر دو" اب کافی نہیں رہا۔ نیز لکھا:-

"یہ حقیقت میں جنگ کے دوران اور جنگ کے بعد بھی ہندوستانی برطانوی تعاون کے لئے خطرناک ہے"[2]

"لنڈن ٹائمز" کی اسی اشاعت میں چودھری ظفراللہ خاں صاحب کا ایک مضمون بھی چھپا جس پر اخبار نے اپنے لیڈنگ آرٹیکل میں یہ تبصرہ کیا کہ

"آنریبل سر محمد ظفراللہ خاں صاحب کی وہ سکیم جو انہوں نے اپنے اس آرٹیکل میں بیان کی ہے جو دوسری جگہ اسی صفحہ پر درج ہے گو وہ مُسلم نقطۂ نگاہ سے لکھی گئی ہے لیکن بلاشبہ مدبّرانہ نقطۂ نگاہ کی مظہر ہے اور سر موصوف کے وسیع تجربہ پر (جو انہیں اپنے ملک کی خدمت کے سلسلہ میں انتظامی

---

[1] "الفضل" ۲۴ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۸ کالم ۲۔

[2] ایضاً ۲۲ امان/مارچ ایضاً صفحہ ۸۔

ڈپلومیٹک اور جوڈیشل امور میں حاصل ہے) دال ہے۔ اس سے دوسرے نقطۂ ہائے نگاہ کے کماحقہٗ بیان وتفہیم کے لئے یکساں رستہ کھُل جاتا ہے۔ اس طرح یہ آرٹیکل ہندوستان کے مسئلہ پر فرقہ دارانہ جھگڑوں اور کشمکش کی بجائے محققانہ اور پُر از معلومات مفید بحث کا موقعہ پیدا کرتا ہے "[۱]

اخبار "گلاسگو ہیرلڈ" نے ۱۵؍ مارچ ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں چودھری صاحب کی سکیم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اس قسم کے ہر اقدام کا خیر مقدم کرنا چاہیئے۔ گو ممکن ہے ابتداء میں مسٹر گاندھی اور (قائد اعظم محمد علی) جناح اس سے متفق نہ ہوں۔

وائسرائے ہند کو لندن آنے کی ہدایت

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی حریت پرور اور انقلاب انگیز تقریروں کا اثر برطانیہ کے عوامی اور صحافتی حلقوں سے بڑھ کر خود برطانوی حکومت پر ہوا۔ اور اس نے چودھری صاحب کی نئی سکیم کے پیش نظر لارڈ ویول وائسرائے ہند کو انتقال اقتدار کا نیا فارمولہ تجویز کرنے اور ہندوستان کو مصالحت کی پیشکش کرنے کیلئے لندن طلب کر لیا۔

وائسرائے کے دورۂ انگلستان کی نسبت ممبران پارلیمنٹ کے تاثرات

برطانوی پارلیمنٹ کے ممبران نے لارڈ ویول کے انگلستان میں آنے کی تجویز کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ چنانچہ مسٹر پیتھک لارنس لیبر ممبر نے ایک بیان میں کہا کہ یورپ کی جنگ کا خاتمہ نزدیک نظر آ رہا ہے اور اس موقعہ پر لارڈ ویول کا لندن آنا ہندوستانی مسئلہ کے حل کی طرف اہم پیش قدمی کا باعث ہو سکتا ہے۔ بلاشبہ سر محمد ظفر اللہ خاں کی تازہ تجویز زیر غور آئے گی۔ علاوہ ازیں سپرو[۲] مصالحتی کمیٹی کی تجاویز کا بھی بیتابی سے انتظار کیا جا رہا ہے۔ ان کو بھی بھاری اہمیت حاصل ہے مسٹر ایمونل شنویل نے کہا۔ ڈیڈلاک ختم کرنے اور مسئلہ کے حل کے لئے یہ نہایت موزوں موقعہ ہے۔ اور لارڈ ویول اس وقت ہندوستانی صورت حالات کے متعلق تازہ ترین واقفیت اور اپنے سیاسی تاثرات سے آگاہ کر سکیں گے

---

[۱] بحوالہ "الفضل" ۲۶؍ امان/ مارچ ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۸۔

[۲] سر تیج بہادر سپرو کا شمار اعتدال پسند ہندوؤں میں سے ہوتا تھا۔ انہوں نے پاکستان کے نعرہ سے سہم کر اپنی صدارت میں ایک مصالحتی کمیٹی تشکیل کی تھی جس میں سر وزیر حسن، سر رادھا کشن، مسٹر جیکر، مسٹر این۔ آر سرکار وغیرہ لوگ شامل کئے۔ کمیٹی کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسا حل دریافت کیا جائے جو مسلم لیگ اور کانگرس دونوں کے لئے وجہ اشتراک بن سکے اور ہندوستان کے آئندہ دستور کی بنیاد قرار دیا جا سکے۔ سپرو کمیٹی کی رپورٹ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو شائع ہوئی جس میں کانگرسی نقطۂ نگاہ کی ترجمانی کی گئی تھی۔

میں سمجھتا ہوں کہ گذشتہ دنوں مسٹر ایمری نے ہندوستان کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا وہ بھی پُر امید ہیں۔ ان سب چیزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سمجھوتہ کا کافی امکان ہے۔ برطانیہ اس کا خیر مقدم کریگا۔ رُوس اور امریکہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اسے بیحد پسند کریں گے۔ مسٹر آرتھر گرین وڈ لیڈر آف اپوزیشن نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ لارڈ ویول کا دورہ ضرور کامیاب رہے گا۔ پارلیمنٹ میں بھی اور پارلیمنٹ کے باہر بھی گذشتہ ہفتوں سے ایسے آثار نمایاں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسئلہ کے متعلق فضاء سازگار ہو رہی ہے۔ برطانیہ میں بیشمار لوگ اس کے حل کا بیتابی سے انتظار کر رہے ہیں۔ لارڈ ویول نہ صرف مشرق بعید کی جنگ کے سلسلے میں صلاح و مشورہ کریں گے بلکہ ہندوستان کا سیاسی مسئلہ بھی زیر غور آئے گا۔ پروفیسر جارج کاٹلن نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ موجودہ بات چیت سے تعطل ختم ہو کر کوئی تعمیری پروگرام سامنے آئے گا۔[لہ]

انگلستان میں آزادئ ہند سے متعلق سرگرمیوں کی تفصیل چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے قلم سے

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اپنی خود نوشت سوانح میں کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس کی تقریب پر اپنی تقاریر اور ان کے ردّ عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"۱۹۴۵ء کی فروری میں CHATCHAN - HOUSE لنڈن میں ROYAL INSTITUTE OF INTERNATIONAL AFFAIRS کی سرپرستی میں COMMON - WEALTH کے نمائندگان کی ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ ہندوستان کی INSTITUTE کی طرف سے بھی ایک وفد نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ وفد کے اراکین میں جناب کنور سر مہاراج سنگھ، جناب میر مقبول محمود، جناب C.L MEHTA جناب خواجہ سرور حسن اور خاکسار شامل تھے۔ افتتاحی اجلاس میں ہر وفد کے قائد سے پانچ پانچ منٹ کی تقریر میں اختصاراً اپنے اپنے ملک کی جنگی سرگرمیوں کا خلاصہ بیان کرنے کی استدعا کی گئی۔ ہندوستان کی باری آنے پر میں نے تین منٹ تو ہندوستان کی جنگی سرگرمیوں کا خلاصہ بیان کرنے میں صرف کئے اور بتایا کہ پچیس لاکھ ہندوستانی کسی نہ کسی حیثیت میں جنگ کے مختلف محاذوں پر برطانوی اور اتحادی آزادی اور سالمیت کی حفاظت اور دفاع میں مختلف

لہ الفضل ۲۷ مارچ ۱۹۴۵ء صفحہ ۸ کالم ۴

انواع کی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں اور جسم وجان کی قربانی پیش کرنے میں ان کی طرف سے دریغ نہیں ہوا۔ علاوہ فوجی اور براہ راست جنگی امداد کے، سامانِ حرب اور ذخائرِ خوراک مہیا کرنے میں بھی ہندوستان نے نمایاں خدمت کی ہے اور قابل قدر نمونہ قائم کیا ہے۔ اس سلسلے میں چیدہ تفاصیل کا ذکر کرنے کے بعد میں نے کہا:-

سیاست دانایانِ مملکت! کیا یہ امر آپ کے لئے باعثِ حیرت نہیں کہ ہندوستان کے پچیس لاکھ فرزند میدانِ جنگ میں مملکت کی آزادی کی حفاظت کے لئے ہتھیار بند اور کمربستہ ہوں اور ہندوستان ابھی تک اپنی آزادی کا منتظر اور اس کے لئے ملتجی ہو؟ شاید ایک مثال اس کیفیت کو واضح کرنے میں ممد ہو سکے۔ چین کی آبادی اور رقبہ ہندوستان کی آبادی اور رقبے سے بے شک فزوں تر ہیں۔ لیکن وسعت اور آبادی کے علاوہ چین باقی ہر لحاظ سے آج ہندوستان سے کوسوں پیچھے ہے۔ تعلیم، صنعت، حرفت، وسائل آمد و رفت، غرض خوشحالی کے تمام عناصر کے لحاظ سے ہندوستان چین کی نسبت کہیں آگے نظر آتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ چین تو آج دنیا کی بڑی طاقتوں میں شمار ہوتا ہے اور ہندوستان کسی گنتی میں نہیں؟ کیا اس کی صرف یہی وجہ نہیں کہ چین آزاد ہے اور ہندوستان غیر آزاد؟ لیکن یہ حالت اب دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ ہندوستان بیدار ہو چکا ہے اور آزاد ہو کر رہے گا۔ مملکت کے اندر رہ کر اگر آپ سب کو یہ منظور ہو۔ اور مملکت کو ترک کر کے اگر آپ اس کے لئے اور کوئی رستہ نہ چھوڑیں!

یہ اجلاس سہ پہر کو ہوا تھا۔ اجلاس کے ختم ہونے پر جب ہم CHATHAM - HOUSE سے نکلے تو شام کے اخبار STAR میں میری تقریر کا یہ حصہ لفظ بلفظ موٹے حروف میں چھپا ہوا تھا اور لوگ اس پرچے کو بڑے شوق سے خرید رہے تھے۔ کچھ عرصہ بعد جناب آصف علی صاحب نے مجھ سے ذکر کیا۔ جب لندن میں تم نے یہ تقریر کی۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور کانگرس کے چند سرکردہ اراکین جن میں مَیں بھی شامل تھا اورنگ آباد دکن کے قلعے میں نظربند تھے اور کانفرنس کے اس اجلاس کی کارروائی کو ریڈیو پر سُن رہے تھے۔ جب تم نے سیاست دانایانِ مملکت کہہ کر آواز بلند کی تو ہم سب توجہ سے تمہاری تقریر سُننے لگے۔ پنڈت نہرو نے تو اپنا کان ریڈیو کے بہت قریب کر دیا۔ جب تم نے تقریر ختم کی تو انہوں نے

کیا یہ شخص تو ہم سے بھی بڑھ کر صفائی سے انہیں متنبہ کرتا ہے۔

اسی شام حکومت کی طرف سے کانفرنس کے اعزاز میں CLARIDGE'S - HOTEL میں شام کے کھانے کی دعوت تھی حکومت کی طرف سے LORD CRANBOURNE جو اس وقت LORD PRIVY SEAL تھے اور بعد میں اپنے والد کی وفات پر MARQUISS OF SALISBURY ہوئے میزبانی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ لیکن وزیراعظم مسٹر چرچل کے سوائے حکومت کے تمام اراکین بشمول نائب وزیراعظم مسٹر ایٹلی اور لارڈ چانسلر لارڈ سائمن دعوت میں موجود تھے اور کھانے میں شامل تھے۔ لارڈ کرینبورن نے مہمانوں کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے COMMON WEALTH کی اہمیت کے بعض پہلوؤں کی وضاحت کی۔ مہمانوں کی طرف سے میزبان کی تقریر کا نیم مزاحیہ جواب تو ایک کینیڈین مندوب مسٹر سٹینفورڈ نے دیا۔ اور وہ ایک اخبار کے ایڈیٹر ہونے کے لحاظ سے اس کے اہل بھی تھے اور سنجیدہ جواب دینے کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی۔ میری سہ پہر کی تقریر کا بہت چرچا ہو چکا تھا اور توقع کی جاتی تھی کہ میں ہندوستان کی آزادی کے موضوع پر مزید کچھ کہوں۔ دعوت میں جانے سے پہلے میں یہ بھی سن چکا تھا کہ ہندوستان کی آزادی میں تاخیر کی ذمہ داری تمام تر حکومت برطانیہ پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ کیونکہ ہندو مسلمان اختلاف کے پیش نظر حکومت برطانیہ بہت حد تک معذور گردانی جا سکتی ہے۔ میں نے اپنی تقریر کے دوران میں آزادی کے موضوع پر کہا کہ حکومت برطانیہ ہندو مسلمان اختلاف کا عذر رکھ کر اپنی ذمہ داری سے گریز نہیں کر سکتی۔ جنگ کے دوران میں برطانیہ بہت سی مشکلات کا حل دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ کیا ہندوستان کی آزادی ہی ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا حل دریافت کرنے سے برطانیہ عاجز ہے؟ بے شک یہ مسئلہ مشکل ہے لیکن برطانیہ کی تدبیر اس کا حل تجویز کرنے سے عاجز نہیں آنی چاہیے۔ اگر ہندو مسلمان اختلاف ہی اس مسئلے کا حل تجویز کرنے کے رستے میں سب سے بڑی روک ہے تو برطانیہ اپنی نیک نیتی کا ثبوت اس طور پر پیش کر سکتا ہے کہ اس کی طرف سے یہ واضح اعلان کر دیا جائے کہ اگر فلاں تاریخ تک ہندو مسلمان اختلافات کا حل متفقہ طور پر تجویز نہ ہوا تو برطانیہ اپنی طرف سے ایک قرین انصاف حل تجویز کر کے اس کی بناء پر ہندوستان

کے لئے ایک ایسا آئین وضع کر دے گا جس کی رُو سے ہندوستان کو دیگر نوآبادیات کا درجہ حاصل ہو جائے اور اس آئین کو جاری کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ آئین عارضی ہو گا۔ جونہی مستقل آئین پر فرقہ وارانہ اختلاف رفع ہو کر اتفاق ہو جائے گا، پارلیمنٹ متفقہ آئین ودستور کے مطابق وضع کر دے گی اور اُسے رائج کر دیا جائے گا۔ اس اعلان کے نتیجے میں ہندوستان بلکہ تمام دنیا برطانیہ کے حُسنِ نیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گی۔

دعوت کے اختتام پر بہت سے وزراء نے میری تجویز کے متعلق گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ لارڈ سائمن نے کہا۔ تم جلد کسی دن HOUSE OF LORDS میں لارڈ چانسلر کے فلیٹ میں دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ۔ مَیں تمہاری تجویز کے متعلق تم سے بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ تین چار دن کے اندر مَیں ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ لیکن اس سے قبل میری ان تقریروں کے دو دن بعد ہی سہ پہر کے اجلاس کے لئے اپنے ہوٹل سے CHATHAM HOUSE جا رہا تھا۔ رستے میں لبرل پارٹی کے لیڈر MR. CLEMENT DAVIES مل گئے۔ وہ بھی کانفرنس کے اجلاس کے لئے جا رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی کہا۔ مبارک ہو۔ ابھی یہ خبر بصیغۂ راز ہے کسی سے ذکر نہ کرنا۔ تمہاری تقریروں کے نتیجے میں کیبنٹ کے زور دینے پر وائسرائے ہند لارڈ ویول کو مشورے کے لئے لندن بلایا گیا ہے۔ مَیں نے اللہ تعالےٰ کی حمد کی کہ اس نے اس عاجز کی حقیر کوشش کو نوازا۔ اور اُسے پُر اثر بنایا۔ چنانچہ لارڈ ویول لندن تشریف لائے اور ہندوستان کی آئینی جدوجہد کا آخری مرحلہ شروع ہو گیا" [1]

---

[1] خود نوشت سوانح حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں صاحب (غیر مطبوعہ)

فصل دوم

ویول سکیم، شملہ کانفرنس اور حضرت مُصلح موعُود کا ہندوستان کے سیاسی لیڈروں کے نام ولولہ انگیز پیغام

لارڈ ویول وائسرائے ہند، برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چرچل اور کابینہ کے دوسرے ارکان سے مشورہ کے لئے قریباً دس ہفتہ تک انگلستان میں رہے اور ۵ جون ۱۹۴۵ء (۵ احسان ۱۳۲۴ ہش) کو واپس ہندوستان میں پہنچے۔

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا دوبارہ سفر انگلستان

لارڈ ویول ابھی کابینہ سے صلاح و مشورہ میں مصروف تھے کہ چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب پھر انگلستان تشریف لے گئے۔ آپ کا یہ سفر اگرچہ محض نجی حیثیت رکھتا تھا مگر آپ کی لندن میں اچانک آمد سے مسئلہ ہندوستان کے مباحث میں خاص طور پر سرگرمی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ دہلی کے با اثر اخبار "ہندوستان ٹائمز" (۱۹ مئی ۱۹۴۵ء) نے لکھا:-

"ویول مشن کے نتائج کے متعلق جو قیاسات کئے جا رہے تھے ان میں سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی لندن میں اچانک آمد سے سرگرمی پیدا ہو گئی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کا سفر ہندوستان کے متعلق موجودہ مباحث میں بہت کچھ ممد و معاون ہو گا۔

کہا جاتا ہے کہ دو ماہ قبل سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے مسٹر ایمری وزیر ہند سے ایک لمبی ذاتی ملاقات کی۔ جس میں وزیر ہند چوہدری صاحب کی لیڈروں کی رہائی اور ہندوستان کے سیاسی ڈیڈلاک کو ختم کرنے کے لئے پُرزور تحریک سے متاثر ہوئے۔

سر ظفر اللہ خاں صاحب نے کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس کے نمائندوں کے لیڈر ہونے کی حیثیت سے اپنی اس تجویز کی وجہ سے برطانوی اخبارات میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا کہ جاپان کے

خلاف جنگ کے خاتمہ کے بارہ ماہ تک اگر ہندوستانی کوئی متحدہ مطالبہ کریں تو اس کے مان لینے کا حکومت برطانیہ ابھی اعلان کر دے۔ لیکن اگر ہندوستانی اس قسم کا کوئی سمجھوتہ نہ کر سکیں تو برطانیہ ہندوستان میں درجہ نوآبادیات پر منتج ہونے والے آئین جاری کر دے جو اس وقت تک جاری رہیں جب تک کہ ہندوستانی متحد ہو کر خود اس میں ترمیم نہ کریں۔"

اس امر کے متعلق روشن خیال قدامت پسندوں کے رویہ کا ذکر کرتے ہوئے "ٹائمز لنڈن" لکھتا ہے:

"اگر مناسب باہمی سمجھوتہ کو برطانیہ کے خلاف پھیلنے والے جذبات کی جگہ نہ دی گئی تو یہ جذبات اس حد تک پہنچ سکتے ہیں کہ جنگ کے بعد برطانیہ اور ہندوستان کے ان تعلقات کو تباہ کر دے جو عالم بعد از جنگ میں دونوں ملکوں میں قائم ہونے چاہئیں اور جن پر دونوں ملکوں کے مستقبل اور عام تحفظ کا اس قدر مدار ہے۔ برطانیہ کے مختلف مفکرین اور سیاست دانوں نے "ٹائمز" اور دیگر اخباروں کے کالموں میں اس مسئلہ کے متعلق سیر کن بحث کی اور فی الحقیقت سر ظفر اللہ خاں صاحب کی تجاویز پر ہندوستان کی نسبت برطانیہ میں زیادہ سنجیدگی سے غور کیا گیا۔

ان لوگوں میں سے اکثر نے جنہوں نے اس بحث میں حصہ لیا اس یقین کا اظہار کیا کہ کرپس کی تجاویز کے متعلق برطانیہ کی موجودہ پالیسی یعنی "سب لے لو یا سب چھوڑ دو" میں جنگ کے دوران میں اور جنگ کے بعد ہندوستان کے برطانیہ سے تعلقات خراب کرنے کے خطرات سے پُر ہے برطانوی نامہ نگاروں نے دو تجاویز پیش کی ہیں۔ اوّل مکمل طور پر ہندوستان کو اختیارات دینے کے سلسلے میں برطانیہ کو ہندوستانی طرز حکومت میں بتدریج تبدیلی شروع کر دینی چاہیئے۔ دوم حکومت برطانیہ کی فرقہ وارانہ سوالات کے حل پر دوسرے زاویہ نگاہ سے اس احساس کے ماتحت غور کرنا چاہیئے کہ یہ اختلافات ہندوستانی سیاست دانوں کے علاوہ برطانوی سیاستدانوں کے لئے بھی موجب ملامت ہیں۔ گذشتہ دو ماہ سے برطانیہ کے لوگوں میں اس قسم کے شدید جذبات پیدا ہو رہے ہیں کہ جنوب مشرقی ایشیا میں امن قائم رکھنے کے لئے ہندوستان کا اتحاد ایک بنیادی پتھر کا کام دے گا نیز یہ کہ صرف متحدہ ہندوستان ہی آئندہ کی حفاظتی سکیم میں مؤثر ہو سکتا ہے۔

برطانیہ کے سیاستدان کوئی حل تلاش کرنے کے لئے سر ظفر اللہ خاں صاحب ایسے لوگوں سے مشورہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو کسی خاص سیاسی پارٹی سے گہرا تعلق نہیں رکھتے۔ بہرکیف سر ظفر اللہ خاں صاحب کے سفر ولایت پر ان کی تجاویز کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ برطانیہ کے ہندوستان کو خود مختاری کے وعدے کے لئے وقت کی تعیین ہو جانی چاہیئے۔ نیز یہ کہ جاپانیوں سے جنگ ختم ہونے پر ایک سال تک کا وقت ایک معقول مدت ہے۔ دہلی میں عام طور پر یہ خیال ظاہر کیا جا رہا ہے کہ طرز حکومت میں تبدیلی یقینی ہے۔ نیز یہ کہ برطانیہ کو اپنے مفاد کے پیش نظر جلد کوئی قدم اٹھانا چاہیئے" [1]

"ہندوستان ٹائمز" کے اس بیان سے یہ امر بالکل عیاں ہے کہ برطانوی حکومت اپنے نمائندہ (لارڈ ویول) سے مشورہ کے ساتھ ہندوستان کی جلد آزادی کا جو فارمولا ابھی تیار کر رہی تھی وہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی اٹھائی ہوئی تحریک کے زیر اثر تھا جس نے ہندوستان سے زیادہ برطانیہ کو فوری توجہ دینے پر مجبور کر دیا تھا۔

لارڈ ویول کا فارمولا

المختصر لارڈ ویول آزادی کا نیا فارمولا لئے وارد ہند ہوئے اور آپ نے ۱۴ر جون ۱۹۴۵ء کو آٹھ بجے شام آل انڈیا ریڈیو سٹیشن سے تقریر کی جس میں وہ تجاویز پیش کیں جو ہندوستان کے سیاسی تعطل کو دور کرنے کیلئے وہ برطانوی حکومت کی طرف سے لائے تھے۔ لارڈ ویول نے اپنی تقریر میں کہا:۔

"مجھے ملک معظم کی حکومت نے اختیار دیا ہے کہ میں وہ تجاویز جن کا مقصد ہندوستان کی موجودہ پولیٹیکل صورت حالات کو بہتر بنانا ہے اور مکمل سیلف گورنمنٹ کی منزل کی طرف ہندوستان کو لے جانا ہے، ہندوستان کے پولیٹیکل لیڈروں کے سامنے رکھوں۔ . . . ملک معظم کی حکومت کو امید تھی کہ فرقہ دارانہ مسئلہ کے متعلق . . . ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں میں کوئی نہ کوئی سمجھوتہ ہو جائے گا لیکن یہ امید پوری نہیں ہوئی . . . اس لئے میں ملک معظم کی حکومت کی طرف سے پورے اختیارات کے ساتھ یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہندوستان کی منظم پولیٹیکل پارٹیوں کے نمائندوں پر مشتمل نئی ایگزیکٹو کونسل مرتب کرنے کے لئے میں مرکزی اور صوبائی پولیٹیکل پارٹیوں کے لیڈروں کو دعوت دوں گا کہ وہ اپنے مشوروں سے مجھے مستفید کریں۔ مجوزہ ایگزیکٹو کونسل میں تمام بڑے بڑے فرقوں کو نمائندگی دی جائے گی۔ اس میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو

---

[1] "الفضل" ۲۹ ہجرت/مئی ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۴ کالم

مساوی نمائندگی دی جائے گی۔ اگر یہ عالم وجود میں آگئی تو یہ موجودہ آئین کے ماتحت کام کرے گی۔ سوائے وائسرائے اور کمانڈر انچیف کے جو ایگزیکٹو کونسل کے جنگی ممبران کے طور پر کام کریں گے۔ ساری ایگزیکٹو کونسل ہندوستانی ہوگی۔ یہ تجویز بھی منظور کر لی گئی ہے کہ جہاں تک برٹش انڈیا کا تعلق ہے امور خارجہ کا محکمہ جو اس دن تک وائسرائے کے ہاتھ میں رہتا آیا ہے ایگزیکٹو کونسل کے ہندوستانی ممبر کے سپرد کر دیا جائے گا۔ ملک معظم کی حکومت نے ایک اور قدم اُٹھانے کا بھی فیصلہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ دیگر نوآبادیات کی طرح ہندوستان میں بھی ایک برٹش ہائی کمشنر مقرر کیا جائے گا جو ہندوستان میں برطانوی تجارتی اور دیگر مفاد کی حفاظت کرے گا۔ ایگزیکٹو کونسل تقریباً مکمل طور پر ہندوستانی ہوگی۔ کیونکہ پہلی بار ہندوستان کا ہوم ممبر اور فنانس ممبر دونوں ہندوستانی ہوں گے۔ اور ہندوستان کے خارجہ امور کے انتظامات کا انچارج بھی ایک ہندوستانی ممبر ہی ہوگا علاوہ بریں ایگزیکٹو کونسل کے ممبران کا انتخاب وائسرائے ہند آئندہ ہندوستان کے پولیٹیکل لیڈروں کے مشورہ سے کریں گے۔ ایگزیکٹو کونسل کے ممبرز کی شرائط کی منظوری ملک معظم سے لی جایا کرے گی۔ اس عارضی گورنمنٹ کے قیام کا ہندوستان کے قطعی آئینی تصفیہ پر کسی طرح بھی اثر نہ پڑے گا۔ نئی ایگزیکٹو کونسل کا بڑا کام یہ ہوگا (۱) جاپان کے خلاف پوری طاقت سے جنگ لڑی جائے حتّٰی کہ اسے مکمل شکست ہو جائے (۲) ہندوستان کے مستقل آئین کے فیصلہ ہونے تک برطانوی ہند کی حکومت کے کام کو ان تمام ذمہ داریوں کو سامنے رکھ کر جو جلد از جلد جنگ کے بعد کی تعمیر کے سلسلہ میں ہندوستان کے سامنے پڑے ہیں چلایا جائے (۳) جب ممکن ہو اس بات پر غور کریں کہ کن وسائل کو اختیار کرنے سے ہندوستانی پارٹیاں باہمی سمجھوتہ کر سکتی ہیں۔ میری رائے میں یہ کام بہت اہم ہے۔ مَیں اس بات کو چھپانا نہیں چاہتا کہ ان تجاویز سے ملک معظم کی حکومت کا مقصد ہندوستانی لیڈروں میں باہمی سمجھوتہ کو آسان بنانا ہے"

وائسرائے ہند لارڈ ویول نے اپنی تقریر کے آخر میں کہا۔ ہمارے راستہ میں کئی نشیب و فراز ہیں۔ ہر طرف ہمیں معاف کرو اور بھول جاؤ کے سنہری اصول پر عمل کرنا پڑے گا[1]

---

[1] "الفضل" ۱۶ احسان/جون ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۸ کالم ۱-۲۔

حضرت مصلح موعود کا پیغام ہندوستانی لیڈروں کے نام

سیدنا حضرت مصلح موعود نے جو ہندوستان کی آزادی کے دن کو قریب تر دیکھنے کے دلی طور پر آرزومند تھے، ویول تجاویز کو ازحد اہمیت دی اور ۲۲ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے خطبہ جمعہ میں نہایت دردِ دل کے ساتھ ہندوستان کے سیاسی لیڈروں کو پیغام دیا کہ انگلستان ہندوستان کی طرف اپنا صلح کا ہاتھ بڑھا رہا ہے اس برطانوی پیشکش کو قبول کرنا اپنے پر اور اپنی آئندہ نسلوں پر احسان عظیم کرنا ہے۔ چنانچہ حضور نے ارشاد فرمایا:-

"مَیں تو سمجھ ہی نہیں سکتا کہ ہندوستانی لیڈر باوجود اس کے کہ ان میں بعض بڑے بڑے سمجھدار اور بڑے بڑے عقلمند ہیں کس طرح اس بات کو نظرانداز کر رہے ہیں کہ انگریزوں کے ہاتھ میں سَو فیصدی اختیارات کے ہوتے ہوئے اگر وہ آزادی کی امید رکھتے ہیں تو نوّے فیصدی اختیارات اگر ان کے اپنے ہاتھ میں آجائیں تو کیوں وہ آزادی کی امید نہیں رکھ سکتے۔ اگر انگریزوں کو دشمن سمجھ لیا جائے تو بھی یہ غور کرنا چاہیئے کہ اگر کسی دشمن کے پاس سَو بندوقیں ہوں لیکن دوسرے شخص کے پاس کوئی ایک بندوق بھی نہ ہو اور اس حالت میں بھی وہ سمجھتا ہو کہ مَیں اپنے دشمن کا مقابلہ کر کے جیت جاؤں گا تو اگر فرض کرو اس کا دشمن اسے کہے کہ نوّے بندوقیں تم مجھ سے لے لو اور دس میرے پاس رہنے دو۔ تو ایسی حالت میں اگر وہ کہے کہ مَیں نوّے نہیں لوں گا جب دو گے سَو ہی لُوں گا تو کیا ایسے شخص کو کوئی بھی عقلمند کہہ سکتا ہے۔ یقیناً ہر شخص اُسے نادان اور ناسمجھ ہی قرار دے گا۔ اسی طرح خواہ کچھ کہہ لو اس میں کچھ شُبہ نہیں کہ ہندوستان کو جو بھی اختیارات ملیں زیادہ ملیں تب بھی اور کم ملیں تب بھی وہ اختیارات بہرحال ہندوستان کے لئے مفید اور بابرکت ہوں گے اور وہ ہندوستان کو پہلے کی نسبت آزادی کے زیادہ قریب کر دیں گے۔

پس میرے نزدیک ہندوستان کا اس پیشکش کو قبول کرنا انگریزوں سے صلح کرنا نہیں بلکہ اپنے آپ پر اور اپنی آئندہ آنے والی نسلوں پر احسان عظیم کرنا ہے۔ دو سو سال سے ہندوستان غلامی کی زندگی بسر کرتا چلا آیا ہے۔ اور یہ ایک ایسی خطرناک بات ہے جو انسانی جسم کو کپکپا دیتی ہے۔ بیشک بعض لوگ ایسے اعلیٰ اخلاق کے مالک ہوتے ہیں کہ خواہ انہیں قید خانوں

کے اندر رکھا جائے تب بھی وہ آزاد ہوتے ہیں۔ غلامی ان کے قریب بھی نہیں آتی۔ مگر بیشتر حصہ بنی نوع انسان کا ایسا ہی ہوتا ہے جو ظاہری غلامی کے ساتھ دلی غلام بھی بن جاتا ہے۔ ہم ہندوستان میں روزانہ اس قسم کے نظارے دیکھتے ہیں جو اس غلامی کا ثبوت ہوتے ہیں، جو ہندوستانیوں کے قلوب میں پائی جاتی ہے۔ ان واقعات کو دیکھنے کے بعد کون شخص ہندوستانیوں کی غلامی سے انکار کر سکتا ہے . . . . . یہاں اگر انگریز کسی کو مارتا بھی چلا جائے تو اس میں جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس کے مقابلہ میں اپنی زبان ہلا سکے۔ اب تو پھر بھی لوگوں میں کچھ آزادی کی رُوح پیدا ہو گئی ہے لیکن آج سے چند سال پہلے یہ حال تھا کہ کسی انگریز کے ساتھ لوگ ریل کے ایک کمرہ میں بھی سوار نہیں ہو سکتے تھے۔ اگر کسی ڈبہ میں انگریز بیٹھا ہوتا تھا تو بڑے بڑے ہندوستانی افسر وہاں سے ٹل جاتے تھے کہ صاحب بہادر اندر بیٹھے ہیں۔ خواہ صاحب بہادر اُن کے نوکروں سے بھی ادنیٰ ہوں۔ ہندوستان کے لوگوں کی یہ حالت جو بیان کی گئی ہے اس میں اعلیٰ اخلاق کے لوگ شامل نہیں۔ ان لوگوں کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ خواہ وہ صلیب پر لٹک رہے ہوں یا جیلخانوں میں بند ہوں تب بھی وہ آزاد ہوتے ہیں۔ کیونکہ اصل آزادی جسم کی آزادی نہیں بلکہ دل کی آزادی ہے۔ آزاد قوموں کے جرنیل جب لڑائی میں پکڑے جاتے ہیں تو کیا تم سمجھتے ہو وہ غلام بن جاتے ہیں۔ وہ غلام نہیں بلکہ آزاد ہوتے ہیں بیشک انہیں بند جگہوں میں رکھا جاتا ہے۔ لیکن بند جگہوں میں رہنے کے باوجود وہ آزاد ہوتے ہیں۔ مگر ہندوستان وہ ملک ہے جس کا بیشتر حصہ بلکہ ننانوے فیصدی حصہ یقیناً غلام ہو چکا ہے۔ اس قسم کی حالت کو اگر لمبا کیا جائے تو اس سے زیادہ اپنی قوم کے ساتھ اور کوئی دشمنی نہیں ہو سکتی۔ میں تو کہتا ہوں ایک ڈمیو کیا اگر وائسرائے کو دس ڈیٹو بھی دے دیئے جائیں تب بھی اس تغیر کی وجہ سے ہندوستان میں جو آزادی کی روح پیدا ہو گی وہ اس قابل ہے کہ اس کو خوشی سے قبول کیا جائے۔ جب تک ہندوستانیوں کے ذہن سے یہ نہیں نکل جائے گا (اور ہندوستانیوں سے مراد جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں عوام الناس ہیں نہ کہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ) کہ وہ انگریزوں کے غلام ہیں اس وقت تک ہندوستان سے کسی بہتری یا کسی بڑے کام کی امید رکھنا بالکل فضول اور عبث ہے۔ لیڈر ہونا اور بات ہے

لیکن کام عوام الناس کیا کرتے ہیں۔ ہٹلر نے انگلستان سے لڑائی کی اور بیشک بڑی جرأت اور بہادری دکھلائی۔ مگر لڑا ہٹلر نہیں بلکہ جرمن قوم لڑی۔ سٹالن نے بیشک ایک اعلیٰ مہارت جرنیل کی دکھائی اور لوگ سٹالن کی تعریف کرتے ہیں۔ لیکن سٹالن سٹالن نہیں بن سکتا تھا جب تک رُوس کا ہر آدمی بہادر اور دلیر نہ ہوتا۔ انگلستان میں مسٹر چرچل نے بیشک بڑا کام کیا ہے لیکن مسٹر چرچل کیا کام کر سکتے تھے اگر ہر انگریز اپنے اندر وہ اخلاق نہ رکھتا جو عام طور پر انگریزوں میں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح مسٹر روز ویلٹ کو بھی بڑی عزت اور شہرت حاصل ہوئی مگر ان کو عزت اور شہرت اسی وجہ سے حاصل ہوئی کہ امریکن لوگوں نے قربانی کی ایک بے نظیر رُوح دکھائی۔ ہندوستان (میں) بھی بے شک گاندھی جی کو اُونچا کرنے کے لئے لوگ کتابیں لکھتے اور تقریریں کرتے ہیں لیکن کوئی اکیلا گاندھی یا دو درجن گاندھی یا بیس درجن گاندھی یا ہزار گاندھی بھی ہندوستان کو آزاد نہیں کرا سکتا جب تک عوام الناس میں آزادی کی رُوح پیدا نہ ہو۔ پس صرف گاندھی اور نہرو کو دیکھ کر یہ خیال کر لینا کہ ہندوستان ترقی کر رہا ہے محض حماقت ہے۔ چند بڑے بڑے لیڈروں کی وجہ سے یہ سمجھ لینا کہ ہندوستان میں آزادی کی رُوح پیدا ہو گئی ہے ویسی ہی جہالت کی بات ہے جیسے بلی کبوتر پر حملہ کرتی ہے تو وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میں امن میں آ گیا ہوں جب تک ہندوستان کے عوام الناس کو ہم آزادی کی رُوح سے آشنا نہیں کر لیتے، جب تک ہندوستان کے مزدوروں کو ہم آزادی کی رُوح سے آشنا نہیں کر لیتے، جب تک ہندوستان کے زمینداروں کو ہم آزادی کی رُوح سے آشنا نہیں کر لیتے اور جب تک ہم ان میں بیداری اور حرکت پیدا نہیں کر لیتے اس وقت تک نہ ہندوستان آزاد ہو سکتا ہے نہ ہندوستان حقیقی معنوں میں کوئی کام کر سکتا ہے۔ اور یہ آزادی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک موجودہ دَور بدل نہ جائے۔ جب تک ہندوستانیوں کے ذہن سے یہ نکل نہ جائے کہ ہم غلام ہیں۔ جس دن ہندوستانیوں کے ذہن سے غلامی کا احساس نکل جائے گا اس دن ان میں تعلیم بھی آ جائے گی، ان میں جرأت اور دلیری بھی پیدا ہو جائے گی اور ان میں قربانی اور ایثار کی رُوح بھی رُونما ہو جائے گی۔ جب انسان یہ سمجھتا ہے کہ میں کسی کا غلام ہوں تو وہ کہتا

ہے مجھے کیا زمین اُلٹی ہو یا سیدھی، آسمان گرے یا قائم رہے، فائدہ تو مالک کو ہے۔ مَیں کیوں تکلیف اُٹھاؤں۔ مَیں سمجھتا ہوں وہ لیڈر لیڈر نہیں ہوں گے بلکہ اپنی قوم کے دشمن ہوں گے جو اِن حالات کے بدلنے کے امکان پیدا ہونے پر بھی چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے ضد کر کے بیٹھ جائیں اور ان معمولی معمولی باتوں میں اس اہم ترین موقع کو ضائع کر دیں۔ کہ فلاں کو کانفرنس میں کیوں لیا گیا اور فلاں کو کیوں نہیں لیا گیا۔ لوگ تو اپنے جسم کو بچانے کے لئے اپنے اور اپنے بچوں کے اعضاء تک کٹوا دیتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا کئے جا رہے ہیں کہ فلاں کو نمائندہ سمجھا جائے اور فلاں کو نہ سمجھا جائے۔ فلاں کو شامل کیا جائے اور فلاں کو شامل نہ کیا جائے۔ حالانکہ جس شخص کے دل میں حقیقی درد ہوتا ہے وہ ہر قسم کی قربانی کر کے اپنی قیمتی چیز کو بچانے کی کوشش کیا کرتا ہے . . . . یہاں چالیس کروڑ انسان غلامی میں مبتلا ہے۔ چالیس کروڑ انسان کی ذہنیت نہایت خطرناک حالت میں بدل چکی ہے۔ نسلاً بعد نسلٍ وہ ذلت اور رُسوائی کے گڑھے میں گرتے چلے جاتے ہیں وہ انگریز جس نے ہندوستان پر قبضہ کیا ہوا ہے وہ ہندوستان کو آزادی دینے کا اعلان کر رہا ہے۔ لیکن سیاسی لیڈر آپس میں لڑ رہے ہیں کہ تمہارے اتنے ممبر ہونے چاہئیں اور ہمارے اتنے . . . . . ہم ایک قلیل جماعت ہیں اور ہم ان حالات کو دیکھنے کے باوجود کچھ کر نہیں سکتے۔ لیکن ہماری جماعت یہ دُعا ضرور کر سکتی ہے کہ اے خدا خواہ مسلمان لیڈر ہوں یا ہندو تُو ان کی آنکھیں کھول اور انہیں اس بات کی توفیق عطا فرما کہ وہ ہندوستان کے چالیس کروڑ غلاموں کی زنجیریں کاٹنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ یہ نہ صرف ہمارے لئے مفید ہے بلکہ آئندہ دُنیا کے امن کے لئے بھی مفید ہے۔ اگر اس موقع پر لڑنا جائز ہوتا تو انگریز کو لڑنا چاہیئے تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کی قدرت ہے وہ وائسرائے جو انگلستان کی طرف سے ہندوستان پر حکومت کرنے کے لئے آیا ہوا ہے وہ کہتا ہے کہ مَیں ہندوستان کو آزاد کرتا ہوں۔ انگلستان کا صنّاع جو ہندوستان کو لُوٹ کر اپنی صنعت کو فروغ دے رہا ہے وہ کہتا ہے کہ مَیں ہندوستان کو آزاد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ انگلستان کی وہ ٹوری گورنمنٹ جو ہندوستان پر ہمیشہ جبری حکومت کے لئے کوشش کرتی چلی آئی ہے وہ کہتی ہے کہ مَیں ہندوستان

کو آزادی دینے کے لئے تیار ہوں۔ انگلستان کی لیبر پارٹی جو نئی پارٹی ہے اور جسے برسرِ اقتدار آنے کا پہلا موقع ملنے والا ہے یا ممکن ہے کچھ دیر کے بعد ملنے والا ہو، وہ بھی اعلان کر رہی ہے کہ ہم ہندوستان کو آزادی دینے کے لئے تیار ہیں۔ انگلستان کے پریس کا بیشتر حصہ خواہ ٹوری ہو یا لیبر ہو یا لبرل ہو، شور مچا رہا ہے کہ ہندوستان کو آزادی دے دی جائے۔ امریکہ اور فرانس اور دوسرے ممالک جن کا براہ راست ہندوستان سے کوئی واسطہ نہیں وہ بھی شور مچا رہے ہیں کہ ہندوستان کو آزادی دے دی جائے۔ لیکن اگر انگلستان ہندوستان کو آزادی دینے کے لئے تیار ہے تو ہندوستان کے اپنے بعض سپوت آزادی لینے کے لئے تیار نہیں ہیں

پس ان دنوں میں اللہ تعالیٰ سے خاص طور پر دعائیں کرو کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں یہ معاملات ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ راہِ راست پر آجائیں اور ہندوستانی غلاموں کی زنجیروں کو کاٹ کر وہ ہندوستان کو اعلیٰ مقام پر پہنچانے والے ثابت ہوں . . . .“[۱]

اخبار ”اہلحدیث“ کا تبصرہ

اخبار اہلحدیث کے ایڈیٹر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اس خطبہ جمعہ پر اس خیال کا برملا اظہار کیا کہ امام جماعت احمدیہ نے ہندوستان کی آزادی کے لئے جس جرأت، دلیری اور حق گوئی کے ساتھ مطالبہ کیا ہے اور جس زور اور ولولہ کے ساتھ حکومت کو اہل ہند کا حق آزادی دینے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس کی مثال ہندوستان کے کسی بڑے سے بڑے آزادی پسند کی تقریروں میں بھی نہیں مل سکتی۔ چنانچہ انہوں نے لکھا :-

” اب خلیفۂ قادیان کا مسلک بھی سننے کے قابل ہے۔ یہ وہی مسلک ہے جو عام کانگرسیوں اور دیگر سیاسی لوگوں کا ہے۔ یعنی سیاسی لوگ ہندوستانیوں کو حالت موجودہ میں غلامی کی ذلّت میں مبتلا سمجھتے ہیں اس لئے آزادی کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کوشش میں بعض دفعہ وہ اپنی جان پر بھی کھیل جاتے ہیں۔ قید و بند کے مصائب بھی برداشت کرتے ہیں تاکہ غلامی کی زنجیریں کٹ جائیں اور ہندوستانی آزادی کی ہوا میں خوش و خرم رہیں۔ خلیفۂ قادیان (نے) حکومت کی جدید سکیم کے متعلق اظہار خیالات کرتے ہوئے خطبہ جمعہ میں ہندوستانیوں کی ذلّت غلامی کا ذکر

---

[۱] ” الفضل “ ۲۳ احسان/جون ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء صفحہ ۴ تا ۷ ۔

کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے وہ پڑھنے اور سننے کے قابل ہے۔ آپ نے لیڈروں کو اتفاق کر کے کام کرنے کا مشورہ دیا اور کہا (آگے حضرت مصلح موعود کے خطبہ جمعہ سے اقتباس دے کر لکھا تھا)

یہ الفاظ کس جرأت اور حمیت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ کانگرسی تقریروں میں اس سے زیادہ نہیں ملتے۔ چالیس کروڑ ہندوستانیوں کو غلامی سے آزاد کرانے کا ولولہ جس قدر خلیفہ جی کی اس تقریر میں پایا جاتا ہے وہ گاندھی جی کی تقریر میں بھی نہیں ملے گا"[۱]

سیاسی لیڈروں میں خطبہ جمعہ کی اشاعت

حضرت مصلح موعود کا یہ خطبہ جمعہ اگلے ہی روز "الفضل" ۲۳ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں شائع کر دیا گیا اور ساتھ ہی اس کا الگ انگریزی ترجمہ بھی شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر نمائندہ "الفضل" نے شملہ پہنچ کر (جہاں لارڈ ویول کی دعوت پر سیاسی لیڈروں کی کانفرنس ہونے والی تھی) راشٹرپتی مولانا ابوالکلام آزاد صدر آل انڈیا نیشنل کانگرس، قائداعظم محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ، مسٹر گاندھی، ڈاکٹر خان صاحب، مسٹر حسین امام، میاں افتخار الدین، پنڈت گوبند ولبھ پنت، سری کرشن سنہا اور دوسرے بہت سے سیاسی لیڈروں تک پہنچا دیا۔[۲]

شملہ کانفرنس کی ناکامی اور ملکی انتخابات کا اعلان

سیاسی لیڈروں کی کانفرنس ۲۵ جون سے لیکر ۱۴ جولائی ۱۹۴۵ء تک جاری رہی۔ مذاکرات کے دوران قائداعظم محمد علی جناح نے انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح کانگرسی لیڈر مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر کے کوئی آبرومندانہ سمجھوتہ کر لیں اور قومی حکومت قائم ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں واضح بیان بھی دیا کہ اگرچہ مسلم لیگ کو ویول تجاویز منظور نہیں۔ پھر بھی ہم عارضی طور پر قومی حکومت کی تشکیل میں حصہ لینے کو تیار ہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ مسلم نمائندوں کا حق انتخاب صرف مسلم لیگ کو حاصل ہو۔[۳] مگر کانگرس نہ صرف یہ کہ اس پر آمادہ نہ ہوئی بلکہ اس نے مسلم لیگ کے اس موقف کو سبوتاژ کرنے اور اس کی نمائندہ حیثیت کو چیلنج کرنے کے لئے دہلی میں نیشلسٹ مسلمانوں کی ایک کانفرنس کا انتظام کیا جس میں جمعیۃ العلماء، مسلم مجلس، مومن کانفرنس، آزاد پارٹی اور انجمن وطن بلوچستان کے

---

[۱] اخبار "اہلحدیث" امرتسر ۶ جولائی ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ ۔ [۲] "الفضل" ۲۷-۲۸ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲
[۳] "قائداعظم اور دستور ساز اسمبلی" صفحہ ۱۰۳ مصنفہ محمد اشرف خان عطاء مدیر معاون "زمیندار" اشاعت منزل بل روڈ لاہور

نمائندوں سے ایک قرارداد منظور کرائی کہ مسلم لیگ تمام مسلمانوں کی نمائندہ نہیں[۵۱]۔ بنا بریں کانگرس نے نیشلسٹ مسلمانوں کے عبوری حکومت میں لئے جانے پر بہت زور دینا شروع کر دیا۔ اور اپنا نقطہ نظر یہ پیش کئے رکھا کہ اگر پانچ مسلمان ممبران کونسل ہوں تو اس میں سے دو غیر لیگی قوم پرست (کانگرسی یا کانگرس نواز) مسلمان ضرور ہونے چاہئیں۔

کانگرس کے علاوہ خود لارڈ ویول نے بھی اصرار کیا کہ مسلم لیگ کو پنجاب کے مسلمانوں کے نمائندہ کے طور پر ملک خضر حیات خاں کا ایک آدمی ضرور لینا پڑے گا۔ مگر یہ امر چونکہ مسلم لیگ کی جڑ پر کلہاڑا چلانے بلکہ اس کو اپنے ہاتھوں قبر میں اُتارنے کے مترادف تھا۔ اس لئے قائداعظم نے ایگزیکٹو کونسل کے لئے اپنے امیدواروں کی فہرست وائسرائے کو دینے سے صاف انکار کر دیا[۵۲] اور مطالبہ کیا کہ یا تو مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کیا جائے یا ملک میں انتخابات کرا کے مسلم لیگ کی نمائندہ حیثیت کا فیصلہ کر لیا جائے جس کا جواب وائسرائے نے کانفرنس کے دوران تو یہ دیا کہ عام انتخابات کرنے کا اختیار لیڈروں کی کانفرنس کو دے دیا گیا ہے۔ نئی گورنمنٹ چاہے تو ایسا کر سکے گی۔ اس کے کام میں رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی[۵۳]۔ مگر بعد ازاں لارڈ ویول نے ۱۹ ستمبر ۱۹۴۵ء کو نئی برطانوی مزدور حکومت سے لندن جا کر صلاح مشورہ کرنے کے بعد اعلان کر دیا کہ مرکزی اور صوبائی مجالس آئین ساز کے انتخابات جلد عمل میں لائے جائیں گے ان انتخابات کے بعد ہندوستان کا مستقل دستور تیار کرنے کے لئے دستور ساز اسمبلی کے ارکان کا انتخاب ہوگا۔

قائداعظم محمد علی جناح کا پیغام مسلمانانِ ہند کے نام

اس اعلان پر مسلم لیگ کے صدر قائداعظم محمد علی جناح نے کوئٹہ میں مسلمانان ہند کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

"ہمارے پیش نظر اہم مسئلہ آئندہ انتخابات کا ہے۔ موجودہ حالات میں انتخابات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انتخابات ہمارے لئے ایک آزمائش کی صورت رکھتے ہیں۔ . . . . . ہم رائے دہندگان کی اس امر کے بارے میں رائے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ **پاکستان** چاہتے ہیں یا ہندو راج کے ماتحت رہنا چاہتے ہیں۔ . . . مجھے معلوم ہے کہ

---

۵۱ "قائداعظم اور دستور ساز اسمبلی" مصنفہ محمد اشرف خاں عطا مدیر معاون "زمیندار" اشاعت منزل نیل روڈ لاہور صفحہ ۱۵۲۔

۵۲ "الفضل" ۱۱ وفا/جولائی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۸۔

۵۳ " " ۱۲ " " " " ۔

ہمارے خلاف بعض طاقتیں کام کر رہی ہیں اور کانگرس ارادہ کئے بیٹھی ہے کہ ہماری صفوں کو ان مسلمانوں کی امداد سے پریشان کر دیا جائے جو ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ وہ مسلمان ہمارے ساتھ نہیں ہیں بلکہ ہمارے دشمنوں کے ساتھ ہیں۔ یہ مسلمان ہمارے خلاف مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے کام میں بطور کارندے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ یہ مسلمان سدھائے ہوئے پرندے ہیں۔ یہ صرف شکل و صورت کے اعتبار سے ہی مسلمان ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کانگرس کے پاس دولت کے وسیع خزانے ہیں۔ ان کے پاس مضبوط تنظیم اور پریس ہے مگر حق ہمارے ساتھ ہے۔ اگر خدائے عزّ وجل نے ہماری اعانت کی تو ہم انشاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہوں گے"[۱]

فصل سوم

جماعت احمدیہ کی طرف سے مرکزی اور صوبائی انتخابات میں آل انڈیا مسلم لیگ کی پُرجوش حمایت اور عدیم النظیر تعاون اور پراپیگنڈا

ہندوؤں کی برہمی اور مسلم زعماء کا شاندار خراج تحسین

۲۵-۱۳۲۴ہش / ۴۶-۱۹۴۵ء کا معرکہ انتخاب تحریک پاکستان کا اہم ترین سنگ میل تھا جس میں جماعت احمدیہ نے اپنے مقدس امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی زیر قیادت مسلم لیگ کی زبردست تائید و حمایت کر کے قیام پاکستان کی منزل کو قریب تر لانے میں نمایاں اور تاریخی رول ادا کیا۔

حضرت امیر المومنین کی طرف سے آئندہ الیکشن میں جماعتی پالیسی کا واضح اعلان

قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانان ہند سے انتخابات میں مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کی جو تحریک کوئٹہ میں فرمائی اس کی تائید میں سب سے پہلی اور پُرزور اور ملک گیر آواز قادیان سے

---

[۱] اخبار "انقلاب" لاہور ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۸۔

بلند ہوئی۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود نے ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو "آئندہ الیکشنوں کے متعلق جماعت احمدیہ کی پالیسی" کے عنوان پر ایک مفصّل مضمون لکھا جو "الفضل" کی ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں شائع کر دیا گیا۔ اس حقیقت افروز مضمون میں حضور نے نہایت واشگاف الفاظ میں مسلم لیگ کے موقف کا مدلّل اور محکم ہونا ثابت کرنے کے بعد ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہزاروں احمدیوں کو قطعی ارشاد فرمایا کہ وہ آئندہ آنے والے انتخابات میں مسلم لیگ[ل] کی پالیسی کی ایسی پُرزور حمایت کریں کہ مسلم لیگ الیکشن کے بعد ڈٹ کر یہ اعلان کر سکے کہ مُسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد سیاسی نمائندہ جماعت ہے۔ چنانچہ آپ نے تحریر فرمایا :-

"جیسا کہ احباب کو معلوم ہے تھوڑے ہی دنوں میں تمام ہندوستان میں اوّل تو ہندوستان کی دونوں کونسلوں کے ممبروں کے انتخاب کی مہم شروع ہونے والی ہے اور اس کے بعد صوبجاتی انتخابات

ل یہاں ضمناً یہ بتانا بھی مناسب ہوگا کہ اگرچہ جماعت احمدیہ کانگرس کے مقابل آل انڈیا سوال پر ہمیشہ مسلم لیگ ہی کی موید رہی تھی اور اسی کا پراپیگنڈا کرتی تھی۔ مگر اُن دنوں پنجاب مسلم لیگ پر بعض ایسے ارکان کا قبضہ ہو گیا تھا جو احمدیوں کو من حیث الجماعت مسلم لیگ میں شامل ہونے کی اجازت تک دینے کے لئے تیار نہ تھے اور جن کا رویہ جماعت احمدیہ کی نسبت حد درجہ اشتعال انگیز تھا۔ حتیٰ کہ لاہور مسلم لیگ کے بعض پبلک جلسوں میں جماعت احمدیہ کے خلاف سخت زہر اُگلا جا رہا تھا۔ مگر یہ بات صرف صوبہ پنجاب کی حد تک محدود تھی۔ جہاں تک مسلم لیگ کی مرکزی قیادت کا تعلق ہے وہ احمدیوں سے ہم آہنگ تھی۔ چنانچہ یہ مشہور واقعہ ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور ۳۰ جولائی ۱۹۴۴ء میں مولوی عبدالحامد صاحب بدایونی نے ایک قرارداد پیش کرنا چاہی جس کا مقصد یہ تھا کہ قادیانیوں کو مسلم لیگ کی رکنیت سے خارج کر دیا جائے کیونکہ یہ لوگ باتفاق علماء دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ لیکن قائدِ اعظم محمد علی جناح نے یہ قرارداد پیش کرنے کی قطعاً اجازت نہ دی ("زمیندار" ۱۱ شعبان ۱۳۶۳ھ مطابق یکم اگست ۱۹۴۴ء بحوالہ پمفلٹ "مسلم لیگ کے شاندار اسلامی کارنامے" مرتبہ جمعیۃ علماء صوبہ دہلی شائع کنندہ سید انظار الدین قاسمی)

قائدِ اعظم کے اس جرأت مندانہ اقدام پر ہندو پریس نے بہت غوغا مچایا۔ چنانچہ "پرتاپ" (۲ اگست ۱۹۴۵ء) نے لکھا "گویا بطور مصلحت کم از کم کچھ عرصہ کے لئے غیر مسلم بھی مسلم لیگ میں رہ سکتے ہیں۔ اسلام کو پولیٹیکل مصلحتوں کے ماتحت کر دیا گیا ہے اور لطف یہ ہے کہ اسلام کے بڑے بڑے مولاناؤں کو بھی اس کے خلاف آواز اُٹھانے کی جرأت نہیں" اسی طرح اخبار "ویر بھارت" (۴ اگست ۱۹۴۵ء) نے طنز کی کہ "قائدِ اعظم ٹھہرے نئی روشنی کے آدمی! ان کی سمجھ میں نہیں آتا حضرت محمد صاحب کے سوائے کسی دوسرے شخص کو پیغمبر ماننے والے مسلمان کیوں نہیں رہتے۔ مسلمان تو تب نہ رہیں جب وہ مسٹر جناح کو اپنا قائدِ اعظم اور مسلم لیگ کو اپنی نمائندہ جماعت نہ مانیں۔ . . . . . مرنے کے بعد کوئی پیغمبر اسلام کے پاس جائے یا خلیفہ قادیان کے پاس مسٹر جناح اس سے خواہ مخواہ جھگڑا کیوں کریں۔ قادیانی مسلم لیگ میں شامل رہے تو فائدہ ہی ہے۔ مسٹر جناح کو قیامت کے روز رسول خدا کی سفارش کے علاوہ بہشت میں داخل ہونے کے لئے قادیانی نبی کا پاسپورٹ بھی مل جائے گا" اس تمسخر و استہزاء کے علاوہ جس کا مقصد تحریک پاکستان کو نقصان پہنچانے کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایک ہندو اخبار "آریہ گزٹ" (۲۷ اگست ۱۹۴۴ء) نے اس کا پس منظر بیان کرتے ہوئے یہ افسانہ بھی تراشا کہ کشمیر کے بعض احمدی کارکنوں نے مسٹر جناح کو مسلم لیگ اور پاکستان

شروع ہونے والے ہیں۔ میری اور جماعت احمدیہ کی پالیسی شروع سے یہ رہی ہے کہ مسلمانوں ہندوؤں اور سکھوں اور دوسری اقوام میں کوئی باعزت سمجھوتہ ہو جائے اور ملک میں محبت اور پیار اور تعاون کی رُوح کام کرنے لگے۔ مگر افسوس کہ اس وقت تک ہم اس غرض میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

شملہ کانفرنس ایک نادر موقعہ تھا مگر اسے بھی کھو دیا گیا اور بعض لوگوں نے ذاتی رنجشوں اور اغراض کو مقدم کرتے ہوئے ایسے سوال پیدا کر دیئے کہ ملک کی آزادی کئی سال پیچھے جا پڑی اور چالیس کروڑ ہندوستانی آزادی کے دروازہ پر پہنچ کر پھر غلامی کے گڑھے کی طرف دھکیل دیئے گئے۔ اِنّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

جہانتک میں نے خیال کیا ہے اصل سوال ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلافات کا ہے میرا مطلب یہ نہیں کہ دوسری اقوام کے مفاد نظرانداز کئے جا سکتے ہیں۔ بلکہ میرا یہ مطلب ہے کہ دوسری اقوام کے مفاد اس جھگڑے کے طے ہو جانے پر نسبتاً سہولت سے طے ہو سکتے ہیں۔ سب سے مشکل سوال ہندو مُسلم سمجھوتے کا ہی ہے اور یہ سوال پاکستان اور اکھنڈ ہندوستان کے مسائل سے بہت پہلے کا ہے۔ اصل مسائل وہی ہیں جنہوں نے مسلمانوں کا ذہن پاکستان کی طرف پھیرا ہے اور اکھنڈ ہندوستان کے خیالات کے محرک بھی وہی مسائل ہیں جو اس سے پہلے مسلمانوں کے مطالبات کو ردّ کرانے کا موجب رہے ہیں۔ کسی شاعر نے جو کچھ اس شعر میں کہا ہے کہ ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من اندازِ قدت را مے شناسم

وہی حال اس وقت پاکستان اور اکھنڈ ہندوستان کے دعووں کا ہے۔ پس اگر کسی طرح ہندو اور مسلمان قریب لائے جا سکیں تو پاکستان اور اکھنڈ ہندوستان کا آپس میں قریب ہونا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- کی حمایت کا یقین دلایا ہے بشرطیکہ "وہ پاکستان میں احمدیوں کے کعبہ کو ایک خود مختار صوبہ تسلیم کرلیں۔ اور اس صوبہ کی اسلامی پنجاب میں وہی حیثیت ہو جو اٹلی میں پوپ کے دارالخلافہ ویٹیکن کی ہے۔ انہوں نے قادیان میں مطبوعہ مجوزہ قادیان سٹیٹ کا ایک نقشہ بھی مسٹر جناح کے سامنے پیش کیا جس میں دریائے بیاس سے لے کر پوری بٹالہ تحصیل اور گورداسپور تحصیل کا بڑا حصہ دکھایا گیا۔ مسٹر جناح سے کہا گیا کہ قادیان سٹیٹ کا سرکاری مذہب احمدی ہوگا اور خلیفہ قادیان اس کے مذہبی پیشوا اور بحیثیت عہدہ گورنر ہوں گے"

بھی مشکل نہ ہوگا۔ ورنہ پاکستان یا اکھنڈ ہندوستان ہوں یا نہ ہوں، پاکھنڈ ہندوستان بننے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔

اس ہندو مسلمان سمجھوتے کی ممکن صورت یہی ہو سکتی تھی کہ ایک جماعت مسلمانوں کی اکثریت کی نمائندہ ہو اور ایک جماعت ہندوؤں کی اکثریت کی نمائندہ ہو یا ہندوؤں کی اکثریت کی نمائندہ تو نہ ہو یا ایسا کہلانا پسند نہ کرتی ہو مگر اکثر ہندوؤں کی طرف سے سمجھوتہ کرنے کی قابلیت رکھتی ہو اور یہ دونوں جماعتیں مل کر آپس میں فیصلہ کرلیں۔ شملہ میں ایسا موقعہ پیدا ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے مسلم لیگ اور ہندوؤں کے جذبات کی نمائندگی کے لئے کانگرس، یہ دونوں پارٹیاں ایک مجلس میں جمع ہو گئی تھیں۔

کانگرس کا دعویٰ ہے کہ وہ سب اقوام کے حقوق کی محافظ ہے اور ہم اس دعویٰ کو رد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کرتے۔ مگر باوجود اس کے کانگرس اس امر کا انکار نہیں کر سکتی کہ جو مسلمان یا سکھ یا عیسائی کانگرس میں شامل ہیں، وہ مسلمانوں یا سکھوں یا عیسائیوں کی اکثریت کے نمائندے نہیں ہیں۔ پس کانگرس اگر یہ دعویٰ کرے کہ ہم جو کچھ سوچتے ہیں سارے ملک کی بہتری کے لئے سوچتے ہیں یا ہم جو سکیم بناتے ہیں اس میں اسی طرح سکھوں عیسائیوں اور مسلمانوں کا خیال رکھتے ہیں جس طرح ہندوؤں کا خیال رکھتے ہیں تو ہم اس دعویٰ کو بحث ختم کرنے کے لئے سچا تسلیم کر لینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن کسی شخص کا کسی دوسرے شخص کے مفاد کو دیانتداری سے ادا کر دینا یا ایسا کرنے کا دعویدار ہونا اسے اس کی نیابت کا حق نہیں دے دیتا۔ کیا کوئی وکیل کسی عدالت میں اس دعویٰ کے ساتھ پیش ہو سکتا ہے کہ مدعی یا مدعیٰ علیہ کے مقرر کردہ وکیل سے زیادہ سمجھ اور دیانت داری سے میں اس کے حقوق پیش کر سکوں گا۔ کیا کوئی عدالت اس وکیل کے ایسے دعویٰ کو باوجود سچا سمجھنے کے قبول کر سکے گی اور کیا اس قسم کی اجازت کی موجودگی میں ڈیموکریسی ڈیموکریسی کہلا سکتی ہے؟

ڈیموکریسی یا جمہوریت کے اصول کے لحاظ سے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کسی جماعت کی نمائندگی کرنے کا کون اہل ہے۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس جماعت کی اکثریت کس کو اپنا نمائندہ قرار دیتی ہے۔

ان حالات میں کانگرس کو ہندوؤں کے سوا تمام دوسری اقوام کا نمائندہ اسی صورت میں قرار دیا جا سکتا ہے اگر ان اقوام کے اکثر افراد کانگرس میں شامل ہوں۔ جہانتک ہمارا علم ہے کانگرس میں ہندو قوم کی اکثریت کے نمائندے تو ہیں لیکن مسلمانوں سکھوں یا عیسائیوں کی اکثریت کے نمائندے نہیں ہیں۔ اس لئے خواہ کانگرس مسلمانوں، سکھوں اور عیسائیوں کے حقوق کی سکیم مسلمانوں، سکھوں یا عیسائیوں کے نمائندوں سے بہتر تجویز کر سکے، جمہوری اصول کے مطابق مسلمانوں، سکھوں اور عیسائیوں کی نمائندہ نہیں بن سکتی۔ لیکن باوجود غیر جانبدار اور ملکی تحریک ہونے کے ہندوؤں کی نمائندگی کر سکتی ہے کیونکہ ہندوؤں کی اکثریت اسے تسلیم کر چکی ہے۔

جب حالات یہ ہیں تو عقلاً اور جمہوری اصول کے مطابق قطع نظر اس کے کہ کانگرس کی سکیم مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے متعلق بہتر ہے یا مُسلم لیگ کی ـــــ مُسلم لیگ کی سکیم ہی کو مسلمانوں کی پیش کردہ سکیم سمجھا جائے گا اور کانگرس کو میدان چھوڑ کر ہندو مسلم سمجھوتے کے لئے ہندو مہا سبھا اور مسلم لیگ کو باہمی سمجھوتے کی دعوت دینی ہوگی یا پھر خود ہندو اکثریت کی نیابت میں مسلم لیگ سے سمجھوتہ کرنا ہوگا۔ اس کے سوا اور کوئی معقول صورت نہیں ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ اگر کانگرس مسلمانوں کی اکثریت کی نمائندہ نہیں ہے تو مُسلم لیگ کے نمائندہ ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مُسلم لیگ کو نمائندہ قرار دینے کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ گاندھی جی ایک طرف اور وائسرائے ہند دوسری طرف اُسے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت سمجھ کر اس سے اسلامی حقوق کے بارہ میں گفت و شنید کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ مُسلم لیگ نمائندہ ہے یا نہیں ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اب کانگرس اور گورنمنٹ اس کے سوا کوئی دوسرا نظریہ اختیار نہیں کر سکتی۔ اگر مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ نہیں ہے تو کیا وہ مُسلمانوں کے حقوق کا ایک غیر نمائندہ جماعت کے ساتھ تصفیہ کر کے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی فکر میں تھے۔

لیکن فرض کرو مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ نہیں تو پھر کون مسلمانوں کا نمائندہ ہے؟ کیا آزاد مسلمان کانفرنس، کیا احرار، کیا کوئی اور جماعت جو صرف اسلامی نام کا لیبل اپنے اوپر چسپاں کئے ہوئے ہے؟ اگر ان میں سے کوئی ایک یا سب کی سب مل کر مسلمانوں کی نمائندہ ہیں تو کیا کونسلوں میں ان لوگوں کی کثرت ہے؟ مرکزی کونسلوں میں مُسلم لیگ کے مقابل یہاں کی

اُن کی تعداد کیا ہے ؟ جہانتک مجھے علم ہے صوبہ جاتی کونسلوں میں بھی اور مرکزی کونسلوں میں بھی غیر لیگی ممبروں کی تعداد لیگی ممبروں سے بہت کم ہے۔ اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ مرکزی کونسلوں میں غیر لیگی ممبروں کی نسبت صوبہ جاتی نسبت سے بھی کم ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ صوبہ جاتی کونسلوں میں غیر لیگی ممبروں کی نسبتی زیادتی مقامی مناقشات اور رقابتوں کی وجہ سے ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ انہی ووٹروں نے صوبہ جات میں ایک پالیسی کے حق میں ووٹ دیئے اور مرکز کے لئے نمائندے بھجواتے ہوئے دوسری پالیسی کے حق میں ووٹ دیئے۔ پھر مثلاً پنجاب ہے۔ اس میں یونینسٹ ممبر اصولاً اپنے آپ کو مسلم لیگ کے حق میں قرار دیتے ہیں اور پاکستان کی علی الاعلان تائید کرتے ہیں۔ پس ہر یونینسٹ ہندو مسلم سمجھوتے کے سوال کے لحاظ سے درحقیقت مُسلم لیگی ہے بلکہ وہ تو اس امر کا مدعی ہے کہ مجھے ذاتی رنجشوں کی وجہ سے ایک طبقہ نے باہر کر دیا ہے ورنہ میں تو پہلے بھی مُسلم لیگی تھا اور اب بھی مُسلم لیگی ہوں۔ ان حالات میں صُوبہ جاتی غیر لیگی ممبروں کی تعداد مُسلم لیگی ممبروں کے مقابل پر اَور بھی کم ہو جاتی ہے۔ غرض جس نقطہ نگاہ سے بھی دیکھیں اس وقت مسلمانانِ ہند کی اکثریت مُسلم لیگ کے حق میں ہے۔ کانگرس، گورنمنٹ اور پبلک ووٹ سب کی شہادت اس بارہ میں موجود ہے۔ اور ان حالات میں اگر ہندوستان میں صلح کی پائدار بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ تو مُسلم لیگ اور کانگرس کے سمجھوتے سے ہی رکھی جا سکتی ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ باوجود اس کے شملہ کانفرنس کی ناکامی سے بددل ہو کر کانگرس نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ اب وہ مُسلم لیگ سے گفتگو نہیں کرے گی بلکہ براہ راست مسلمانوں کی اکثریت سے خطاب کرے گی۔ عام حالات میں تو یہ کوئی معیوب بات نہیں۔ اگر کانگرس شروع سے ہی اس نظریہ پر کاربند ہوتی تو کم سے کم میں اسے بالکل حق بجانب سمجھتا۔ لیکن اب جبکہ مسلمان ایک متحدہ محاذ قائم کر چکے ہیں کانگرس کا یہ فیصلہ ان لوگوں کے لئے بھی تکلیف دہ ثابت ہوا ہے جو اس وقت تک کانگرس سے ہمدردی رکھتے تھے۔ مجھے کانگرس سے اختلاف ہے اور بہت سخت اختلاف ہے۔ مگر میں اس امر کا ہمیشہ قائل رہا ہوں کہ ہندو مُسلم اتحاد کی بنیاد ہندوؤں کی طرف سے کانگرس کے ذریعہ سے ہی پڑ سکے گی اور اس اتحاد کی آرزو میں شملہ کانفرنس کے ایام میں مجھے شکوہ مسلمان نمائندوں سے ہی پیدا ہوتا رہا ہے اور بار بار میرے دل

میں یہ خیالات پیدا ہوتے تھے کہ چالیس کروڑ انسانوں کی آزادی کے لئے اگر مسلمان اپنے کچھ اور حق چھوڑ دیں تو کیا ہرج ہے۔ لیکن کانگرس کے اس اعلان نے کہ اب وہ مُسلم لیگ سے بات نہیں کرے گی بلکہ مُسلم افراد سے خطاب کرے گی میرے جذبات کو بالکل بدل دیا اور مَیں نے محسوس کیا کہ جو لوگ دروازہ سے داخل ہونے میں ناکام رہے ہیں اب وہ سرنگ لگا کر داخل ہونا چاہتے ہیں اور اس کے معنے مُسلم لیگ کی تباہی نہیں بلکہ مُسلم کیریکٹر اور مُسلم قوم کی تباہی ہے۔ پس اسی وقت سے مَیں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جب تک یہ صورت حالات نہ بدلے ہمیں مُسلم لیگ یا مُسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہیئے۔ گو ہم دل سے پہلے بھی ایسے اکھنڈ ہندوستان ہی کے قائل تھے جس میں مسلمان کا پاکستان اور ہندو کا ہندوستان برضاء و رغبت شامل ہوں اور اب بھی ہمارا یہی عقیدہ ہے بلکہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ ساری دنیا کی ایک حکومت قائم ہو تا باہمی فسادات دُور ہوں اور انسانیت بھی اپنے جوہر دکھانے کے قابل ہو۔ مگر ہم اس کو آزاد قوموں کی آزاد رائے کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں جبر اور زور سے کمزور کو اپنے ساتھ ملانے سے یہ مقصد نہ دُنیا کے بارہ میں پُورا ہو سکتا ہے اور نہ ہندوستان اس طرح اکھنڈ ہندوستان بن سکتا ہے۔

مَیں نے یہ امور اس لئے بیان کئے ہیں تا ہماری جماعت اور ہندوستان کی دوسری جماعتیں میری اس رائے کو بخوبی سمجھ سکیں جو مَیں آئندہ انتخابات کے متعلق دینے والا ہوں

جو صورت حالات مَیں نے اوپر بیان کی ہے اس کو مدّنظر رکھتے ہوئے مَیں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آئندہ الیکشنوں میں ہر احمدی کو مُسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہیئے تا انتخابات کے بعد مُسلم لیگ بلا خوف تردید کانگرس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مُسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ اگر ہم اور دوسری مسلمان جماعتیں ایسا نہ کریں گی تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائے گی اور ہندوستان کے آئندہ نظام میں ان کی آواز بے اثر ثابت ہوگی اور ایسا سیاسی اور اقتصادی دھکا مسلمانوں کو لگے گا کہ اور چالیس پچاس سال تک ان کا سنبھلنا مشکل ہو جائے گا اور مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی عقلمند آدمی اس حالت کی ذمہ داری اپنے پر لینے کو تیار ہو"[1]

---

[1] "الفضل" ۲۲ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۱۔

حضرت مصلح موعود نے جماعت احمدیہ کو انتخابات کے میدان میں مُسلم لیگ کی پُرزور حمایت کرنے کا ارشاد فرمانے کے بعد مزید لکھا کہ

"میں اس اعلان کے ذریعہ . . . . تمام صوبہ جات[1] کے احمدیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر پُورے زور اور قوت کے ساتھ آئندہ انتخابات میں مُسلم لیگ کی مدد کریں اس طرح کہ

(۱) جس قدر احمدیوں کے ووٹ ہیں وہ اپنے حلقہ کے مسلم لیگی امیدوار کو دیں۔

(۲) میرا تجربہ ہے کہ احمدیوں کی نیکی اور تقویٰ اور سچائی کی وجہ سے بہت سے غیر احمدی بھی ان کے کہنے پر ووٹ دیتے ہیں۔ پس میری خواہش یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ . . . . تمام احمدی اپنے ووٹ مُسلم لیگ کو دیں بلکہ جو لوگ ان کے زیر اثر ہیں ان کے ووٹ بھی مسلم لیگ کے امیدواروں کو دلائیں۔

(۳) ہماری جماعت چونکہ اعلیٰ درجہ کی منظم ہے اور قربانی اور ایثار کا مادہ ان میں پایا جاتا ہے اور جب وہ عزم سے کام کرتے ہیں تو حیرت انگیز طور پر دلوں کو ہلا دیتے ہیں، ہر احمدی سے یہ بھی خواہش کرتا ہوں کہ وہ اپنے حلقہ اثر سے باہر جا کر اپنے علاقہ کے ہر مسلمان کو اس وقت مُسلم لیگ کے حق میں ووٹ دینے کی تلقین کرے اور اس قدر زور لگائے کہ اس کے حلقہ اثر میں مُسلم لیگ امیدوار کی کامیابی یقینی ہو جائے۔

میں امید کرتا ہوں کہ احمدی جماعت کے تمام افراد کیا مرد اور کیا عورتیں، مرد مردوں تک پہنچ کر اور عورتیں عورتوں کے پاس جا کر اُن کے خیالات درست کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور اس امر کو اس قدر اہم سمجھیں گے کہ تمام جگہوں پر مُسلم لیگ کے کارکنوں کو یہ محسوس ہو جائے کہ

---

[1] حضور نے پنجاب کے متعلق (جہاں بعض احمدی بھی بطور امیدوار کھڑے ہو رہے تھے) یہ فیصلہ فرمایا کہ یہاں اگر کوئی احمدی کھڑا ہونا چاہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ مسلم لیگ کا ٹکٹ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اگر وہ ٹکٹ حاصل نہ کر سکے۔ اور وہ سمجھے کہ احمدی ووٹ یا اس کی قوم کا ووٹ زیادہ ہے اور اس کا جائز حق دینے سے انکار کیا جا رہا ہے تو اسے اجازت ہے کہ وہ یہ اعلان کر کے ممبری کے لئے کھڑا ہو جائے کہ میں پالیسی کے لحاظ سے مسلم لیگ سے متفق ہوں مگر مجبوراً آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو رہا ہوں ("الفضل" ۲۲ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲)

اس موقعہ پر حضرت سیدنا المصلح الموعود نے پنجاب میں مسلم لیگ کو یہاں تک پیشکش کر دی تھی کہ اگر وہ یہ فیصلہ قطعی طور پر کر دے کہ مسلم لیگ میں احمدی شامل ہو سکتے ہیں اور اسی طرح ان کے حقوق ہوں گے جس طرح دوسرے لوگوں کے ہیں تو آپ سب احمدی امیدواروں کو بٹھا دیں گے۔ مگر افسوس انہوں نے نیشنلسٹ مسلمانوں سے ڈر کر اس فیصلہ کی جرأت نہ کی گو فرداً فرداً دو درجن سے زیادہ مسلم لیگی نمائندوں نے اور بعض ضلع لیگوں نے جماعت احمدیہ سے مدد طلب کی اور جماعت نے ان سے بھرپور تعاون کیا اور وہ خدا کے فضل سے ووٹوں کی بھاری تعداد سے کامیاب ہو گئے ("الفضل" یکم تبلیغ/فروری ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱)

گویا احمدی یہ سمجھ رہے ہیں کہ مُسلم لیگ کا امیدوار کھڑا نہیں ہوا کوئی احمدی امیدوار کھڑا ہوا ہے۔ اور اس کام میں مقامی مُسلم لیگ کے ساتھ پوری طرح تعاون کریں گے اور جائز ہوگا کہ وہ اس کے ممبر ہو جائیں اگر ان کے نزدیک اور مُسلم لیگ کے کارکنوں کے نزدیک ان کا شامل ہونا وہاں کے حالات کے لحاظ سے باہر رہنے سے زیادہ مفید ہو۔ جماعت کی تعداد اور اس کے رسوخ کے لحاظ سے سندھ، صوبہ سرحد، یوپی، بنگال اور بہار میں احمدی جماعتیں خوب اچھا کام کر سکتی ہیں۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس موقعہ پر بھی اپنے روایتی ایثار اور قربانی کا نمایاں ثبوت مہیا کریں گی" [۵]

مُسلم لیگ کے مورّخ اور حضرت مُصلح موعود کا اہم بیان

مُسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے صفِ اوّل کے مورّخین نے حضرت مصلح موعود کے اس اہم بیان کو خاص اہمیّت دی ہے چنانچہ خالد اختر افغانی نے ۱۹۴۶ء میں "حالات قائدِ اعظم محمد علی جناح" کے نام سے ایک اہم کتاب لکھی جو علمیہ بکڈپو بھنڈی بازار بمبئی ۳ نے شائع کی۔ اس کتاب کے صفحہ ۳۱۴ و ۳۱۵ پر اس بیان کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح برّصغیر کے نامور ادیب اور مُسلم لیگ کے مستند اور شہرۂ آفاق مورّخ جناب رئیس احمد جعفری نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "حیات محمد علی جناح" (جو بعد کو "قائدِ اعظم اور اُن کا عہد" کے نام سے بھی شائع ہوئی) میں "اصحابِ قادیان اور پاکستان" کے زیرِ عنوان لکھا:-

"اب ایک اور دوسرے بہت بڑے فرقہ، اصحابِ قادیان کا مسلک اور رویّہ پاکستان کے بارے میں پیش کیا جاتا ہے۔ حقائق ذیل سے اندازہ ہو جائے گا کہ اصحابِ قادیان کی دونوں جماعتیں یعنی احمدیہ اور قادیانی مسلم لیگ کی مرکزیت، پاکستان کی افادیت اور مسٹر جناح کی سیاسی قیادت کی معترف اور مدّاح ہیں۔

جماعت احمدیہ (لاہور) کے امیر جناب مولانا محمد علی صاحب (جن کا مشہور انگریزی ترجمہ قرآن عالمگیر شہرت کا حامل ہے) نے ۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو متعدد اُردو روزناموں کو حسب ذیل تار ارسال فرمایا:-

"آئندہ انتخابات میں جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والے تمام اصحاب مُسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیں اور ان کی ہر ممکن مدد کریں۔ کیونکہ موجودہ وقت بہت نازک ہے اور اگر مُسلم لیگ کو

[۵] "الفضل" ۲۲ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ کالم ۲ و ۴

شکست ہو گئی تو مدتوں کے لئے مسلمانوں کی قسمت تاریک ہو جائے گی"

مرزا محمود احمد صاحب کا بیان

قادیانی گروہ کے امام جماعت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ایک طویل بیان اس سلسلہ میں شائع فرمایا جس کے جستہ جستہ حصے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

"کسی شخص کا کسی دوسرے شخص کے مفاد کا دیانت داری سے خیال رکھنا یا ایسا کرنے کا دعویٰ دار ہونا اسے اس کی نیابت کا حق نہیں دے دیتا۔ کیا کوئی وکیل کسی عدالت میں اس دعوے کے ساتھ پیش ہو سکتا ہے کہ میں مدعی یا مدعا علیہ کے وکیل سے زیادہ سمجھ دار ہوں اور دیانت داری سے اس کے حقوق کو پیش کر سکوں گا۔ کیا کوئی عدالت اس وکیل کے ایسے دعوے کو باوجود سچا سمجھنے کے قبول کر سکے گی؟ اور کیا اس قسم کی اجازت کی موجودگی میں ڈیموکریسی ڈیموکریسی کہلا سکتی ہے؟"

آگے چل کر موصوف فرماتے ہیں:۔

"کانگرس کے اس اعلان نے کہ اب وہ مسلم لیگ سے بات نہیں کرے گی بلکہ مسلمان افراد سے خطاب کرے گی، میرے جذبات کو بالکل بدل دیا اور میں نے محسوس کیا کہ جو لوگ دروازہ سے داخل ہونے میں ناکام رہے ہیں اب وہ سرنگ لگا کر داخل ہونا چاہتے ہیں اور اس کے معنی مسلم لیگ کی تباہی کے نہیں بلکہ مسلم کیریکٹر اور مسلم قوم کی تباہی ہے۔ بس اسی وقت سے میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جب تک یہ صورت حالات نہ بدلے ہمیں مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہیئے"

جناب موصوف اپنی جماعت کے اصحاب کو ہدایت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"آئندہ انتخابات میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہیئے۔ تاکہ انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلا خوف تردید کانگرس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ اگر ہم اور دوسری جماعتیں ایسا نہ کریں گی تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائے گی اور ہندوستان کے آئندہ نظام میں ان کی آواز بے اثر ثابت ہو گی اور ایسا سیاسی اور اقتصادی دھکا مسلمانوں کو لگے گا کہ اور چالیس پچاس سال تک ان کا سنبھلنا مشکل ہو جائے گا اور میں نہیں کہہ سکتا کہ کوئی عقلمند آدمی اس حالت کی ذمہ داری اپنے اُوپر لینے کو تیار ہو۔ پس میں اس اعلان کے ذریعہ تمام صوبہ جات کے احمدیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر پورے زور اور قوت کے ساتھ آئندہ انتخابات میں

مُسلم لیگ کی مدد کریں"

یُونینسٹوں کے بارہ میں جناب مرزا صاحب نے فرمایا :-

"جب تک یونینسٹ پارٹی اپنی پالیسی کی ایسی وضاحت نہیں دیتی جس سے اس کا مسلم لیگ کی مرکزی پالیسی سے پُورا تعاون اور تائید ثابت ہو اور جس کے بعد شملہ کانفرنس والے حالات کا اعادہ ناممکن ہو جائے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ کسی احمدی کو یونینسٹ ٹکٹ پر کھڑا نہیں ہونا چاہیئے"

مُسلم قوم کی مرکزیت، پاکستان، یعنی ایک آزاد اسلامی حکومت کے قیام کی تائید، مسلمانوں کے یاس انگیز مستقبل پر تشویش، عامۃ المسلمین کی صلاح و فلاح نجاح و مرام کی کامیابی، تفریق بین المسلمین کے خلاف برہمی اور غصہ کا اظہار کون کر رہا ہے؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جماعت حزب اللہ کا داعی اور امام الہند؟ نہیں! پھر کیا جانشین شیخ الہند اور دیوبند کا شیخ الحدیث؟ وہ بھی نہیں! پھر کون؟ وہ لوگ جن کے خلاف "کفر" کے فتووں کا پشتارہ موجود ہے۔ جن کی نامسلمانی کا چرچا گھر گھر ہے۔ جن کا ایمان، جن کا عقیدہ مشکوک مشتبہ اور محلِ نظر ہے۔ کیا خوب کہا ہے ایک شاعر نے

کام اس فرقۂ زہاد سے اُٹھا نہ کوئی ؎
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے "[1]

چونکہ تحریک پاکستان کے اعتبار سے اس الیکشن کو ایک فیصلہ کن حیثیت حاصل ہونے والی تھی اس لئے حضور نے اس مفصّل اعلان کے علاوہ نجی ملاقاتوں، پرائیویٹ خطوط کے علاوہ بعض دوسرے بیانات میں بھی احمدیوں کو بار بار مُسلم لیگ کی تائید و حمایت کرنے کا ارشاد فرمایا اور مسلمانوں کی قومی زندگی کے لئے انفرادی طور پر قربانی کرنے کی تاکید فرمائی۔ اس تعلق میں بطور مثال بعض واقعات کا تذکرہ ضروری ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی طرف سے حضرت مصلح موعود کے ایک خط کی پریس میں اشاعت

۱۔ محمد سرور صاحب دانی (مالگزار پردا ضلع رائے پور) کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی خدمت میں شروع اکتوبر ۱۹۴۵ء میں ایک مکتوب پہنچا جس میں انہوں نے الیکشن کے بارہ میں رہنمائی کے لئے درخواست کی تھی۔ حضرت مصلح موعود نے ان کو تحریر فرمایا کہ مسلم لیگ کی ہر

[1] "قائداعظم اور ان کا عہد" مصنفہ سید رئیس احمد جعفری (ندوی) صفحہ ۴۲۰ تا ۴۲۲۔

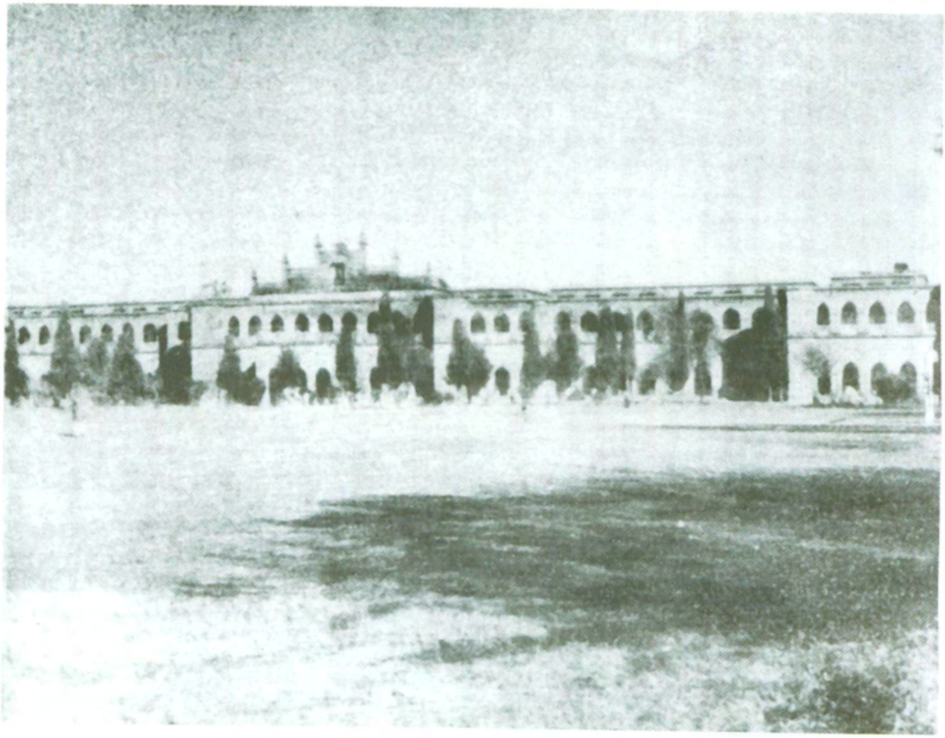

تعلیم الاسلام کالج قادیان کی پرشکوہ اور عالی شان عمارت

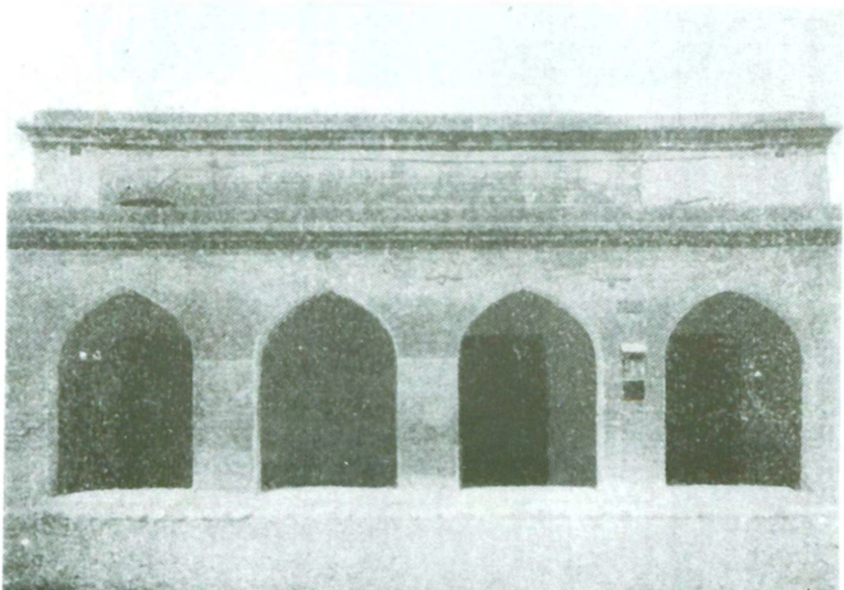

فضل عمر ہوسٹل۔ قادیان

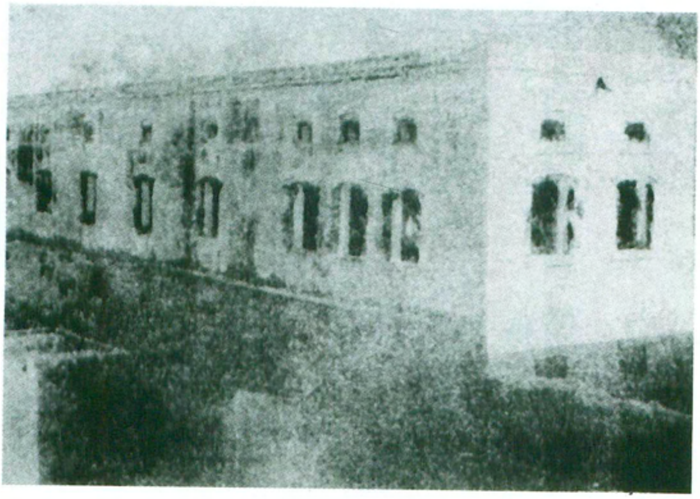

ڈی اے وی کالج لاہور کے کھنڈرات

(جو ۱ شہادت ۱۳۲۷ھش اپریل ۱۹۴۸ء کو تعلیم الاسلام کالج کے لئے الاٹ کئے گئے)

اخبار ''ڈان'' ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۳ء کا عکس

(قائداعظم محمد علی جناح کی طرف سے جماعت احمدیہ قادیان کی مرکزی مراسلت پریس میں)

DELHI, MONDAY, OCTOBER 8, 1945:

AHMADIYA COMMUNITY TO SUPPORT MUSLIM LEAGUE

QADIAN LEADER'S GUIDANCE

QUETTA, Oct. 7.—Mr. M.A. Jinnah has released the following correspondence to the Press:

Letter from the Nazir-ul-Moarifa of the Ahmadiya movement Qadian addressed to Mr. Jinnah:—

Dear Sir I beg to enclose herewith a copy of the letter from Mohd Sarwar Dani of village Malguzar Purda. District Raipur, addressed to Hazrat Amirul Momineen Khalifatul Masih. second head of the Ahmadiya community and the reply thereto for your kind perusal. Yours faithfully."

The text of the letter from Mohd Sarwar Dani referred to above: "We have the honour to make a request and a querry. We are a few Ahmadiyas here in this town and in the present electioneering campaign. We have been approached both by the League and the Congress for contributions and assistance to the respective parties and candidates Kindly guide us whom we should support."

Reply from the head of the Ahmadiya Community "You ought to support Muslim League in the present elections and offer them whatever means of co-operation and assistance you can possibly afford. Muslims do require a united front in the present crisis. Their differences if allowed to exist will affect them adversely for hundreds of years to come"—A P.I

ممکن طریق سے بھرپور مدد کریں۔ مسلمانوں کو موجودہ سیاسی بحران میں ایک متحدہ محاذ کی شدید ضرورت ہے۔ ناظر امور عامہ قادیان نے اس جوابی خط کو جو حضرت مصلح موعود کی طرف سے مسلم لیگ کے الیکشن کے سلسلہ میں اپنے مفصل مضمون کی اشاعت سے بھی قبل لکھا تھا مسلم لیگ کے صدر قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں بھجوا دیا۔ قائداعظم نے اس جوابی خط کو اس درجہ اہمیت دی کہ اسے اپنی طرف سے پریس میں اشاعت کے لئے دے دیا۔ چنانچہ دہلی کے مسلم لیگی اخبار "ڈان" نے اپنی ۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے حوالہ سے جو خبر شائع کی اس کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے:-

جماعت احمدیہ مسلم لیگ کی حمایت کرے گی

امام جماعت احمدیہ قادیان کی ہدایت

کوئٹہ ۷ اکتوبر۔ قائداعظم محمد علی جناح نے درج ذیل خط و کتابت پریس کو بھجوائی ہے۔

ناظر امور عامہ جماعت احمدیہ قادیان کا خط جناح (قائداعظم) کے نام

جناب عالی!

محمد سرور دانی (MOHAMMAD SARWAR DANI) ساکن مالگزار پردہ (MALGUZAR PURDA) ضلع رائے پور کا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں ایک خط اور (حضور کی طرف سے) اس کا جواب آں محترم کے ملاحظہ کے لئے ملفوف ہے۔

آپ کا مخلص

محمد سرور دانی کے متذکرہ بالا خط کا متن:-

"ہمیں ایک معاملہ میں حضور کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اس قصبہ میں ہم چند ایک احمدی رہتے ہیں۔ موجودہ انتخابی مہم میں مسلم لیگ اور کانگرس دونوں نے ہم سے رابطہ قائم کیا ہے کہ ہم چندوں کے ذریعہ اور دیگر ذرائع سے ان کی پارٹی اور ان کے امیدواروں کی امداد و حمایت کریں۔

ازراہ نوازش ہماری رہنمائی فرمائیں کہ ہمیں کس پارٹی کی حمایت کرنی چاہیئے"

امام جماعت احمدیہ کی طرف سے جواب

"آپ کو موجودہ انتخابات میں مسلم لیگ کی حمایت کرنی چاہیئے۔ جس طرح بھی ممکن ہو مسلم لیگ

سے تعاون کریں اور مُسلم لیگ کی ہر ممکن مدد کریں۔ مسلمانوں کو موجودہ بحران میں ایک متحدہ محاذ کی شدید ضرورت ہے۔

اگر ان کے اختلافات موجود رہے تو صدیوں تک ان کے بُرے اثرات کا خمیازہ بھگتنا پڑیگا"

تحصیل صوابی میں مُسلم لیگ کی تنظیم نو

ان دنوں تحصیل صوابی ضلع مردان (صوبہ سرحد) میں مسلم لیگ جسد بے جان کی طرح ہو چکی تھی حضرت مصلح موعود نے ڈلہوزی میں ٹوپی تحصیل صوابی کے ایک نہایت سر برآوردہ اور با اثر احمدی صاحبزادہ عبدالحمید خاں کو ملاقات کے دوران ارشاد فرمایا کہ مُسلم لیگ کی تنظیم مضبوط کریں۔ اس ارشاد کی تعمیل میں انہوں نے پورے علاقہ کا دورہ کیا اور مسلم لیگ میں زندگی کی ایک نئی رُوح پھونک ڈالی۔

اس جدوجہد کی تفصیل ایک خط میں ملتی ہے جو انہوں نے حضرت امیرالمومنین کی خدمت میں ۸ر اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو لکھا۔ اس خط کے جستہ جستہ مقامات درج ذیل ہیں :-

"پیارے امام! ڈلہوزی سے واپسی کے بعد مَیں نے مقامی لوگوں کی تنظیم مسلم لیگ کے ماتحت شروع کر دی ہے۔ تحصیل صوابی میں مُسلم لیگ کا وجود ایک عرصہ سے تھا مگر کوئی باقاعدہ کام نہ تھا۔ مَیں نے اپنے وارڈ میں ایک مجلسِ عاملہ بنائی اور اُن کی ڈیوٹی یہ مقرر کی کہ وہ تمام علاقہ میں پھر کر مُسلم لیگ کی کمیٹیاں بنائے۔ چنانچہ مَیں نے خود اُن کے ساتھ ہو کر تمام علاقہ کا دورہ کیا"

صاحبزادہ عبدالحمید خاں صاحب نے ۴ر نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو حضرت امیرالمومنین کی خدمت میں صوبہ سرحد کے حالات و کوائف سے متعلق دوبارہ یہ مفصل اطلاع دی کہ

"حضور کا ارشاد الفضل کے ذریعہ پڑھا تھا۔ اس کے علاوہ مَیں نے حضور سے بالمشافہ ڈلہوزی میں گفتگو کی تھی۔ ـ ـ ـ ـ ـ مَیں حضور کے ارشاد سے یہی سمجھا تھا کہ جیسے بھی ہو مُسلم لیگ کے ماتحت لیگ کی پالیسی کو کامیاب کرنے کے لئے کام کیا جاوے۔ چنانچہ جیسا کہ مَیں نے پہلے حضور کی خدمت اقدس میں عرض کیا تھا ڈلہوزی سے واپسی پر مَیں نے مُسلم لیگ کے ماتحت کام شروع کیا اور مقامی مُسلم لیگ کو منظم کیا اور علاقہ کا دَورہ کیا۔ چنانچہ فضا بہت اچھی بن گئی اور لوگ لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ دوست خوش تھے کہ عبدالحمید کامیاب ہو جائے گا اور دشمنوں کو فکر پیدا ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے ہر طرح مخالف پراپیگنڈا کیا اور جب کوئی صورت

کامیابی کی نظر نہ آئی تو انہوں نے احمدیت کی آڑ لے کر لوگوں کو مشتعل کرنے کی کوشش کی اور اس کے لئے انہوں نے ہمارے علاقہ کے ایک گوشہ نشین کو آلۂ کار بنایا۔ چنانچہ تمام مخالفین اس کے پاس گئے کہ ایک قادیانی میدان میں نکلا ہے۔ اور یہ دینِ اسلام کی ہتک ہے آپ میدان میں نکلیں۔ پیر صاحب خود میدان میں نکلنے کے لئے تیار نہ تھے۔ . . . ۲ کو ہم نے اپنے علاقہ کی میٹنگ بلائی جس میں تقریباً ۳۰۰ آدمی تھے جو تمام با اثر لوگ تھے۔ سیلیکشن بورڈ کا ایک ممبر بھی موجود تھا۔ پیر صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ اور اس سے پہلے لوگوں نے پوری کوشش کی تھی کہ جس طرح بھی ہو پیر صاحب خود کھڑے ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔ . . ایک دوست نے میرا نام پیش کیا۔ دوسرے . . . نے پیر صاحب کا نام پیش کیا۔ ہمارے ایک دوست نے اعتراض کیا کہ پیر صاحب گوشہ نشین آدمی ہیں یہ ایسے لوگوں کا کام نہیں۔ مگر اس کے جواب میں ایک دوسرے مخالف نے کہا کہ انبیاء اور اولیاء نے ہمیشہ اسلام کے لئے جہاد کیا ہے۔ پیر صاحب ان سے بڑے نہیں ہیں ان کو ضرور کھڑا ہونا چاہیئے۔ مَیں نے بحث کو ختم کرنے کے لئے نیز اس خیال سے کہ پیر صاحب خود کھڑے نہیں ہوتے، اس لئے مَیں نے کھڑے ہو کر کہا کہ بحث کی ضرورت نہیں، میری ضرور کچھ نہ کچھ مخالفت ہوگی اور پیر صاحب اگر خود کھڑے ہوں تو مَیں اوّل خود دستبردار ہوتا ہوں اور کوئی اَور بھی مقابلہ نہ کرے گا اور لیگ کے ٹکٹ پر صرف پیر صاحب جائیں گے اور اگر پیر صاحب خود کھڑے نہیں ہوتے تو پھر اُن کا نام پیش کرنا یا اس پر بحث کرنا وقت ضائع کرنا ہے۔ چنانچہ میرے یہ کہنے کی دیر تھی کہ ہمارے مخالف ان کے پیچھے پڑ گئے اور . . . . . اُن سے اعلان کروا دیا کہ مَیں خود کھڑا ہوتا ہوں۔ . . اور پیر صاحب بلا مقابلہ لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوگئے . . . . انتخاب سے پہلے پیر صاحب یا تو سخت مخالف تھے یا انتخاب کی شام کو میرے پاس اندھیرے میں آئے اور کہا۔ یہ کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ اب اس کے لئے تم ہی کوئی صورت نکالو۔ چنانچہ مَیں نے ان سے وعدہ کیا کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ اب جو کچھ ہو گیا وہ ہو گیا۔ اب آپ کو کامیاب کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس کے لئے کام شروع کر دیا ہے"

حضرت سیدنا المصلح الموعود نے اس مکتوب پر اپنے قلم سے لکھا:۔

"اس وقت سرحد میں لیگ منسٹری کو مضبوط کرنا ضروری ہے۔ سرحد سے کسی طرح

کانگرس کو ضرور نکالنا چاہیئے"

مسلم لیگی امیدوار کو ووٹ دینے کے لئے جماعت احمدیہ بہلولپور کو حضرت امیر المؤمنین کا تاکیدی ارشاد

چوہدری عبدالمالک صاحب پنشنر تحصیلدار پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ بہلولپور چک ۱۲۷ ضلع لائل پور نے حضور کی خدمت میں لکھا کہ مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر حافظ عبداللہ صاحب کھڑے ہو رہے ہیں۔ حضور نے ان کے خط کا یہ جواب لکھوایا کہ

"بہرحال جو شخص مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑا ہے اس کو ووٹ دیں اور نہ صرف ووٹ دیں حالانکہ عبداللہ ہمارا سخت مخالف ہے لیکن پھر بھی پوری کوشش کریں کہ وہی جیتے"۱؎

سندھ کے احمدیوں کو مُسلم لیگ کی خاطر قُربانی کرنے کی ہدایت

احباب جماعت کوٹ احمدیاں (ڈاکخانہ کوٹ عبداللہ تحصیل ماتلی ضلع حیدرآباد سندھ) نے ۲۳ نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو حضرت امیرالمؤمنین کے حضور لکھا کہ

"گذارش ہے کہ حضور کے ارشاد کے مطابق الیکشن کے سلسلہ میں ہمیں مُسلم لیگ کی حمایت کرنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ صوبہ سندھ کی اندرُونی حالت عرض ہے کہ اس علاقہ میں مُسلم لیگ نے ٹکٹ بلحاظ وقت کام کرنے والے افراد کو اور رائے عامہ کے میلان کو مدنظر نہیں رکھا۔ . . . اب حضور اپنے ارشاد سے ممنون فرمائیں"

حضرت مصلح موعود نے ارشاد فرمایا :-

"بہرحال مسلم لیگ کو ووٹ دینے ہیں بلکہ آغا صاحب کی شرافت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر ان کو ٹکٹ نہیں ملا تو بیٹھ جائیں اور اچھا نمونہ پیش کریں تاکہ تمام مسلمانوں کی طاقت بڑھے فرد کو ہمیشہ قوم کے لئے قربانی کرنی چاہیئے"

حضرت امام جماعت احمدیہ کا ایک اور اہم بیان مُسلم لیگی موقف کی حمایت میں

حضرت مُصلح موعود نے ۵ / نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو حسب ذیل الفاظ میں بیان دیا :-

"ہم کانگرس کے متعلق تو یقین رکھتے ہیں کہ اگر اس کی حکومت قائم ہوئی تو وہ تبدیلی مذہب کے متعلق ہرگز آزادی نہیں دے گی۔ کیونکہ اس بارہ میں اس سے ہم نے جتنی دفعہ سوال کیا ہے اس نے صاف جواب نہیں دیا بلکہ بہانے

۱؎ اصل خط (مرقومہ ۱۰ اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء) محفوظ ہے۔

بناتی رہی ہے۔ مُسلم لیگ کے متعلق ہماری یہ رائے ہے کہ . . . غیر مسلم جماعتیں مسلمانوں کو اس وقت تک ان کے حقوق نہیں دیں گی جب تک کہ پاکستان کے مطالبہ پر زور نہ دیا جائے۔ اور مسلمان اپنے حقوق کا آزادانہ طور پر فیصلہ کرنے کے قابل نہ ہو سکیں۔ مسلمانوں کا سو سالہ تلخ تجربہ اس بات پر شاہد ہے کہ گو ملک کا ایسا تجزیہ ایک نہایت ہی افسوسناک امر ہے لیکن اس کے سوا چارہ ہی نہیں کیونکہ غالب قوموں نے مسلمانوں کو اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ ایسا مطالبہ پیش کریں . . . اصل میں کانگرس اور مُسلم لیگ کے دعووں میں صرف یہ فرق ہے کہ کانگرس کہتی ہے کہ مسلمان پہلے اس حکومت میں شامل ہو جائیں جس میں ہندو اکثریت ہو پھر اپنا مطالبہ پیش کریں۔ اور مُسلم لیگ کہتی ہے کہ پہلے ہمیں آزادی دو۔ پھر برابر بیٹھ کر سمجھوتہ کرو۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اکثریت میں شامل ہو کر الگ ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں رہتی اور الگ ہو کر شامل ہونا عقل کے عین مطابق ہے"۔[1]

بنگال، یوپی، بہار، سی پی اور بمبئی کے احمدیوں کو لیگ کی مدد کرنے کا فرمان

موضع پاڈنی ضلع بجنور کے ایک احمدی دوست نے حضرت سیدنا المصلح الموعود کی خدمت میں بذریعہ مکتوب استفسار کیا کہ "یہاں پر کانگرس کا بہت زور ہے۔ اکثر حصہ مسلمانوں کا کانگرس کو ووٹ دے گا کیونکہ جمیعتہ علماء کی طرف سے کانگرس کے واسطے بہت کوشش ہے۔ لہٰذا . . . ارشاد عالی سے مطلع فرمایا جائے کہ اس وقت ہمارا رویہ کیا ہونا چاہیئے"۔

حضرت امیرالمؤمنین نے اپنے دستِ مبارک سے رقم فرمایا کہ

"لیگ کی ہر طرح امداد کریں۔ اپنے ووٹ بھی دیں اور جن جن پر اثر پڑ سکتا ہو ان سے بھی دلوائیں۔ بنگال، یوپی، بہار، سی پی اور بمبئی وغیرہ میں ووٹ مُسلم لیگ کو دیئے جائیں"۔[2]

حضرت امام جماعت احمدیہ کی صُوبہ سرحد کے احمدیوں کو خصوصی ہدایت

صوبہ سرحد میں کانگرسی وزارت مسلط تھی اور خدشہ تھا کہ مسلم اکثریت کا یہ صوبہ جو گویا ہندوستان کی چھاؤنی قرار دیئے جانے کا مستحق ہے، مُسلم لیگ کے ہاتھ سے کہیں نکل نہ جائے۔ حضرت امیرالمؤمنین نے اس تشویشناک صورتِ حال کا جائزہ لے کر صوبہ سرحد کے احمدیوں کے نام مندرجہ ذیل ہدایت جاری فرمائی:-

"صوبہ سرحد کے احمدیوں کو مَیں اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ مُسلمانوں کے فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس

---

[1] "الفضل" ۱۵ نبوت/ نومبر ۱۳۲۴ ہش/ ۱۹۴۵ء صفحہ ۱ ۔
[2] "الفضل" ۲۸ تبلیغ/ فروری ۱۳۲۵ ہش/ ۱۹۴۶ء صفحہ ۲ ۔

دفعہ اس صوبہ میں کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیئے اور سب لوگوں کو مرکزی مسلم لیگ کی شاخ کے نمائندوں کو ووٹ دینے چاہئیں اور انہی کی مدد کرنی چاہیئے۔ ان کے خلاف جو لوگ آزاد مسلم لیگی ٹکٹ پر کھڑے ہوئے ہیں وہ ذاتی رنجشوں کی بناء پر کھڑے ہوئے ہیں۔ کوئی سیاسی قومی سوال ان کے سامنے نہیں اس وقت ان ذاتی رنجشوں کو بھول جانا چاہیئے۔ . . . . پس صُوبہ سرحد جو گویا ہندوستان کی چھاؤنی ہے اس میں مُسلمانوں میں اختلاف کو مَیں بالکل نامناسب سمجھتا ہوں۔ اور ہر احمدی سے امید کرتا ہوں کہ جہاں بھی ہو صُوبہ سرحد کی مرکزی لیگ کی شاخ کے مقرر کردہ امیدوار کی حمایت کرے۔ اس کے حق میں ووٹ دے اور اپنے زیر اثر لوگوں سے اسے ووٹ دلوائے اور اس کے حق میں اپنے علاقہ میں پُورے زور سے کارروائی کرے"[1]

مرکزی انتخابات میں جماعت احمدیہ کا عدیم النظیر اور رُوح پرور ملی مظاہرہ اور مُسلم لیگ کی شاندار فتح

سرکاری پروگرام کے مطابق نومبر ۱۹۴۵ء کے آخر میں مرکزی اسمبلی کے انتخابات ہوئے جماعت احمدیہ نے ان انتخابات میں بلا استثناء مُسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کی حتّٰی کہ سلسلہ احمدیہ کے بزرگ (جن میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب، حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، حضرت غلام رسول صاحب راجیکی، حضرت مولوی فرزند علی خاں صاحب اور دوسری مرکزی شخصیتیں بھی شامل تھیں) ۲۴ نومبر کو بٹالہ پولنگ اسٹیشن پر تشریف لے گئے[2] جہاں اگرچہ مُسلم لیگیوں نے اپنے کیمپ کی دریوں پر سے احمدیوں کو اُٹھا دیا[3] مگر احمدی بزرگوں نے مولوی ظفر علی خاں صاحب ایڈیٹر زمیندار جیسے معاند احمدیت کو محض اس لئے ووٹ دیا کہ وہ مُسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے تھے۔ مرکزی اسمبلی میں جماعت احمدیہ کے اس بے نظیر تعاون کا کسی قدر اندازہ مجلس احرار اسلام قادیان کے ایک کتابچہ "مُسلم لیگ از مرزائیوں کی آنکھ مچولی پر مختصر تبصرہ" سے بآسانی لگ سکتا ہے۔ یہ کتابچہ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں شائع کیا گیا۔ اور اس میں مُسلم لیگ اور جماعت احمدیہ کے قدیمی روابط و مراسم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:-

---

[1] "الفضل" یکم تبلیغ/فروری ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ [2] "الفضل" ۲۳ نبوت/نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۱
[3] حضرت مصلح موعود کے ایک مکتوب بنام پیر اکبر علی صاحب مرقومہ ۲۵ نبوت/نومبر ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء سے ماخوذ۔

"صرف مُسلم لیگ پارٹی ہی ایسی پارٹی تھی جس کے ساتھ مرزائیوں کو کچھ توقعات تھیں۔ کیونکہ سر ظفراللہ خاں مرزائی ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا مُسلم لیگ کے صدر رہ چکے تھے۔ مُسلم لیگ سے مرزائیوں کے کچھ تعلّقات تھے۔ وہ بھی خفیہ خفیہ۔ ملاحظہ ہو۔

شملہ میں مکرم حضرت صاحب خلیفۃ المسیح الثانی نے خفیہ پارٹی دی جس میں لاہور کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ملٹرھنگ کی خاتون، مسز جناح، سروجنی نیڈو، کپورتھلہ کی شاہی خواتین۔ نفیس ماکولات و مشروبات کا بندوبست تھا۔ . . . اس پارٹی میں نواب مبارکہ بیگم نے بڑا کام کیا۔ یہ واقعات تخم ریزی ہیں سلسلہ کی آئندہ شاندار ترقیات کی

الفضل ۳ ستمبر ۱۹۳۷ء[1]

سر ظفراللہ خاں کی صدارت اور خفیہ پارٹیوں کے اثرات مسلم لیگ میں باقی تھے۔ مگر مرزائیوں کو علانیہ مُسلم لیگ سے پینگ بڑھانے کا موقع نہ تھا۔

کانگرس اور مُسلم لیگ میں تلخیاں بڑھیں اور پاکستان کا مطالبہ شروع ہوا۔ پہلے پہلے پنجاب لیگ نے مرزائیوں کو مُنہ نہ لگایا۔ لاہور پاکستان کانفرنس میں بھی ختم نبوت کے متعلق کچھ ذکر آیا۔ مرزائی سیخ پا ہو گیا۔ مسٹر جناح سے شکایت کی۔ انہوں نے کہہ دیا کہ پنجاب کی زمین نرالی ہے۔ فی الحال میری مداخلت جلتی پر تیل کا کام دے گی۔ لہٰذا پنجاب مُسلم لیگ کی طرف ہی رجوع کرو۔ پاکستان کے مطالبہ کو تقویت کی ضرورت تھی۔ پنجاب میں مرزائیوں کے پاس پریس موجود تھا لاہور میں پریس مرزائی نواز بھی موجود تھا۔ لہٰذا اس سے بھی پروپیگنڈہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پہلے پہل پنجاب مُسلم لیگ کے صدر نواب ممدوٹ کے علاقہ فیروزپور میں پیر اکبر علی مرزائی کو پاکستان کانفرنس کمیٹی کا صدر بنایا گیا۔ . . . . ادھر مرزائی درپردہ کوشش کرتے رہے کہ مُسلم لیگ میں اپنا سکّہ جمائیں اور مُسلم لیگ سے اپنے اسلام کا سرٹیفکیٹ حاصل کرلیں۔ . . . مرزا محمود اور اس کی پراپیگنڈہ ایجنسی نے مسٹر جناح سے خط و کتابت کی۔ مسٹر جناح نے یہ نہ سوچا کہ یہ پولیٹیکل پالیسی اسلام کو کیا نقصان پہنچائے گی۔ آخر مسٹر جناح نے مرزائیوں کو مُسلم لیگ میں شامل کر لیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مُسلم رائے عامہ کو کُند چھُری

---

[1] اس مقام پر رسالہ کی عبارت مدھم ہے۔ صحیح تاریخ پڑھی نہیں جاتی (مرتب)۔

سے ذبح کیا گیا۔ اور لیگی اخباروں میں بڑے طمطراق سے اعلان کیا گیا۔ اور موٹے حروف میں اس خبر کو نمایاں شائع کیا گیا۔

مرزائی بھی لیگ میں شامل ہوسکتے ہیں

مسٹر جناح کا بیان :-

لاہور ۳ مئی۔ جماعت احمدیہ قادیان کے ناظر امور عامہ لکھتے ہیں کہ جماعت کے صدر مقام میں پچھلے دنوں اس مسئلے پر غور ہوتا رہا ہے کہ جماعت احمدیہ کے ممبروں کو مسلم لیگ میں اجازت دی جائے یا نہ۔ حال ہی میں مسلم لیگ کے صدر نے پیر اکبر علی (مرزائی ناقل) ایم ایل اے کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے یقین دلایا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے تازہ ترین آئین کی رُو سے لیگ میں شرکت کے لئے احمدیوں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ وہ بھی دوسرے فرقے کے مسلمانوں کی طرح تمام حقوق سے مستفید ہوسکتے ہیں۔

"احسان" لیگی اخبار ۵ مئی ۱۹۴۴ء

اس اعلان کا شائع ہونا تھا کہ مرزائی اور لیگی برسرعام ہم آغوش ہوئے۔ لیگ میں مرزائیوں کو شامل کر لیا گیا اور مسلم رائے عامہ سرپیٹ کر رہ گئی۔ چنانچہ بعض مخلص لیگی مسلمانوں کو بھی مسٹر جناح کی اس غیر اسلامی حرکت پر غصہ آیا۔

۳۰ جولائی ۱۹۴۴ء کو لاہور میں مسلم لیگ کی آل انڈیا کونسل کا اجلاس ہوا۔ مولانا عبدالحامد بدایونی جن کے دل میں تھوڑی بہت اسلامی تڑپ اور غیرت موجود تھی۔ انہوں نے اس کونسل کے اجلاس میں ایک قرارداد پیش کرنے کا نوٹس دیا کہ مرزائی چونکہ مسلمان نہیں ہیں اس لئے ان کو لیگ سے نکال دیا جائے۔ قرارداد کے الفاظ کو زمیندار لاہور نے جلی الفاظ سے لکھا جو حسب ذیل ہیں :-

قادیانیوں کے اخراج کے متعلق قرارداد

مولانا عبدالحامد بدایونی نے لکھا ہے کہ دنیائے اسلام اور ہر طبقہ وخیال کے مقتدر علماء نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے پیرو دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ لہذا انہیں مسلم لیگ کے دائرے میں ہرگز شرکت کی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔ اب قادیانیوں کی مسلم لیگ میں شمولیت یا عدم شمولیت کے متعلق بعض حلقوں میں بڑا چرچا ہے۔ اس لئے آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ علمائے اسلام کے متفقہ فیصلہ کے احترام میں کوئی قادیانی مسلم لیگ میں

شریک نہیں ہو سکتا۔

جب یہ قرار داد پیش ہوئی تو مسٹر جناح نے اس پر بحث کی اجازت نہ دی۔ بھلا لیگی نقار خانے میں مذہبی باتیں کس طرح کامیاب ہو سکتی ہیں۔ وہاں تو ہر بات میں مسٹر جناح یا جناح نما لیگی امراء کے رحم پر لیگ میں رہنا پڑتا ہے۔ . . .

چنانچہ سال ۱۹۴۵ء میں جب ویول کانفرنس کے بعد انتخابات کا زمانہ شروع ہوا۔ تو مرزائیوں اور لیگیوں میں خفیہ ساز باز شروع ہوئی۔ من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو کے مصداق مرزائیوں کو عام مسلمانوں پر مسلط کرنے کی امداد کا یقین دلایا گیا۔ اور ہر ممکن طریق پر ان ذرائع سے کام لئے جانے کے پروگرام بنائے گئے جن سے مرزائی مسلمان ثابت ہوں۔

مرزا محمود خلیفہ قادیان نے اکتوبر کے مہینہ میں ایک اہم اعلان کیا جو اس کے اخبار میں چھپا جس کا عنوان تھا:۔

آئندہ الیکشنوں میں جماعت احمدیہ کی پالیسی رقم فرمودہ حضرت امیرالمومنین (مرزا محمود قادیانی)

پنجاب کے سوا تمام صوبہ جات کے احمدیوں کو مسلم لیگ کی انتخابات میں مدد کرنی چاہیئے۔ جس قدر ووٹ احمدیوں کے ہیں وہ اپنے حلقہ کے مسلم لیگی امیدواروں کو دیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ احمدی جماعت کے تمام افراد، کیا مرد اور کیا عورتیں، مرد مردوں تک پہنچ کر اور عورتیں عورتوں کے پاس جا کر اُن کے خیالات درست کرنے کی کوشش کریں گے اور اس امر کو اس قدر اہم سمجھیں کہ تمام حلقوں پر مسلم لیگ کے کارکنوں کو یہ محسوس ہو جائے کہ گویا احمدی یہ سمجھ رہے ہیں کہ مسلم لیگ کا امیدوار کھڑا نہیں ہوا کوئی احمدی امیدوار کھڑا ہوا ہے۔ اور اس کام میں مقامی مسلم لیگ کے ساتھ پوری طرح تعاون کریں اور جائز ہوگا کہ وہ اس کے ممبر بن جائیں۔

خاکسار مرزا محمود احمد ۱۲؍ اکتوبر ۱۹۴۵ء (الفضل ۲۲؍ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

یہ مقالہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ اس کے بعد مسٹر جناح نے کوئٹہ میں تقریر کی۔ اور مرزا محمود کی پالیسی (متعلق انتخابات ۱۹۴۶-۱۹۴۵ء ناقل) کو سراہا۔ اس کے بعد جب سنٹرل اسمبلی کے الیکشن شروع ہوئے تو تمام مرزائیوں نے مسلم لیگ کو ووٹ دیئے۔ یہاں تک کہ جب مولانا ظفر علیخاں ایڈیٹر زمیندار لاہور جو کسی زمانے میں مرزائیوں کے شدید ترین دشمن تھے اُن

کا مسئلہ کا باکا مقابلہ ہوا تو دفتر ضلع لیگ گورداسپور نے مرزا محمود احمد قادیانی کو ایک چٹھی لکھی جس کی نقل مطابق اصل درج کی جاتی ہے جس میں مرزائیوں کو صاف طور پر مسلمان قوم تسلیم کیا گیا۔ دھوھـ ۱۱

" دفتر ضلع مسلم لیگ گورداسپور

بخدمت جناب حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

محترمی و مکرمی! السلام علیکم

مسلم لیگ اور مسلمانان ہند کا مطالبہ یہ ہے کہ ہندوستان کو دو حصوں میں بانٹ دیا جائے جہاں مسلمان زیادہ ہیں وہ خود مختار حکومت پاکستان قائم کریں اور اپنے علاقہ میں آزاد ہو جائیں یہ تجویز انگریز اور ہندو کو پسند نہیں (. . . . . .)[1] مگر چونکہ اس صورت میں ہندو اور مسلمان اپنی جگہ مضبوط ہو جائیں گے ان میں باہمی تنازعہ نہ ہونے کے باعث انگریز شہنشاہیت کے مذہبی اصول "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" پر عمل کرنے سے قاصر ہوگا۔ ہندو اس لئے مخالف ہیں کہ وہ مسلمانوں کو دائمی طور پر مغلوب اور محکوم بنانے کے مرغوب نصب العین کے حصول سے ناکام رہے گا۔ گویا قیام پاکستان میں انگریزی حکومت اور ہندو اپنی اپنی تمنا کا خون دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جواہر لال نہرو نے کھلا چیلنج دے دیا ہے کہ مُسلم لیگ کو کچل کر رکھ دیں گے۔ اس خطرناک اعلانِ جنگ میں احرار، خاکسار، یونینسٹ اور نام نہاد مسلمانوں نے ہندوؤں کی ظاہرہ امداد کا عزم کر لیا ہے۔ یہ سب جماعتیں پاکستان اور ترقی اسلام کی راہ میں کانٹے ہیں۔ مسلمانوں کو ان سب سے دامن بچا کر آگے بڑھنا ہے۔ موجودہ انتخابات میں مُسلم لیگی نمائندے اگر کامیاب ہو گئے تو قیام پاکستان اور آزادئ اسلام کو نہ انگریز اور نہ ہندو روک سکیں گے۔ اور اگر ہم اپنی غفلت سے خدانخواستہ ناکام رہے تو ہماری سیاسی موت لازمی ہے گویا موجودہ انتخابات

[1] یہاں بریکٹ کے اندر مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے۔ "یہ تجویز مرزا محمود کو بھی پسند نہیں تھی۔ دیکھو" الفضل "۲۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء مضمون مرزا محمود۔ گو ہم پہلے بھی ایسا اکھنڈ ہندوستان کے قائل تھے جن میں مسلمان کا پاکستان اور ہندو کا ہندوستان برضا و رغبت شامل ہوں اور اب بھی ہمارا عقیدہ یہی ہے بلکہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ ساری دُنیا کی حکومت ایک ہو۔ مگر چونکہ مُسلم لیگ اس کو مسلمان کا سرٹیفکیٹ دینے والی تھی۔ اس لئے ناپسندیدگی کی صورت میں بھی ووٹ مُسلم لیگ کو دیئے" صفحہ ۲۴۔

محمود کی پالیسی کو سراہا۔ اس کے بعد جب سنٹرل اسمبلی کے الیکشن شروع ہوئے تو تمام مرزائیوں نے مسلم لیگ کو ووٹ دیئے۔ یہاں تک کہ جب مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار لاہور جو کسی زمانے میں مرزائیوں کے شدید ترین دشمن تھے ان کا مسٹر گابا کا مقابلہ ہوا۔ تو دفتر ضلع مسلم لیگ گورداسپور سے مرزا محمود قادیانی کو ایک چٹھی لکھی جس کی نقل مطابق اصل درج کی جاتی ہے۔ جس میں مرزائیوں کو صاف طور پر مسلمان قوم تسلیم کیا گیا۔ وھو ھذا۔

دفتر ضلع مسلم لیگ گورداسپورہ

بخدمت جناب حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

محترمی و مکرمی السلام علیکم

مسلم لیگ اور مسلمانان ہند کا مطالبہ یہ ہے۔ کہ ہندوستان کو دو حصوں میں بانٹ دیا جائے جہاں مسلمان زیادہ ہیں۔ وہ خود مختار حکومت پاکستان قائم کریں اور اپنے علاقہ میں آزاد ہو جائیں یہ تجویز انگریز اور ہندو کو پسند نہیں (یہ تجویز مرزا محمود کو بھی پسند نہیں تھی) (دیکھیں الفضل ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء مضمون مرزا محمود)

گو ہم پہلے بھی ایسے اکھنڈ ہندوستان کے قائل تھے جس میں مسلمان پاکستان اور ہندو کا ہندوستان برضا و رغبت شامل ہوں۔ اور اب بھی ہمارا عقیدہ یہی ہے۔ بلکہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ ساری دنیا کی حکومت ایک ہو۔

مگر چونکہ مسلم لیگ اس کو مسلمان کا سرٹیفکیٹ دینے والی تھی۔ اس لئے ناپسندگی کی صورت میں بھی ووٹ مسلم لیگ کو دیئے) مگر چونکہ اس صورت میں ہندو

انگریز شہنشاہیت کے قدیمی اصول "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" پر عمل کرنے سے قاصر ہوگا۔ ہندو اس لئے مخالف ہیں۔ کہ وہ مسلمانوں کو دائمی طور پر مغلوب اور محکوم بنانے کے مرغوب نصب العین کے حصول سے ناکام رہیگا۔ گویا قیام پاکستان میں انگریزی حکومت اور ہندو اپنی تمنا کا خون دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جواہر لال نہرو نے کھلا چیلنج دے دیا ہے۔ کہ مسلم لیگ کو کچل کر رکھ دیں گے۔ اس خطرناک اعلان جنگ میں احرار، خاکسار، یونینسٹ اور نام نہاد مسلمانوں نے ہندوؤں کی ظاہرہ امداد کا عزم کر لیا ہے۔ یہ سب جماعتیں پاکستان اور ترقی اسلام کی راہ میں کانٹے ہیں۔ مسلمانوں کو ان سب سے دامن بچا کر آگے بڑھنا ہے۔ موجودہ انتخابات میں مسلم لیگ نمائندے اگر کامیاب ہو گئے تو قیام پاکستان اور آزادی اسلام کو نہ انگریز اور نہ ہندو روک سکیں گے اور اگر ہم اپنی غفلت سے خدانخواستہ ناکام رہے۔ تو ہماری سیاسی موت لازمی ہے۔ گویا موجودہ انتخابات مسلمانوں کی آئندہ باوقار زندگی یا ذلیل موت کا سوال ہے۔ ہر مسلمان کو ذاتی منفعت اور برادری کی کشمکش سے منہ موڑ کر ملت کی بہتری کے لئے سب کچھ قربان کر دینا چاہیئے۔ مرکزی اسمبلی دہلی کے لئے حضرت مولانا ظفر علی خاں مالک اخبار زمیندار لاہور پرانے خادم اسلام و مسلم لیگ کے امیدوار ہیں۔

آپ ووٹر ہیں آپ کی ووٹ قوم کی امانت ہے

قوم آپ سے ووٹ کی بھیک مانگتی ہے۔ بروز ہفتہ بتاریخ ۲۳ ۱۲/۴۵ بمقام ڈسٹرکٹ بورڈ بٹالہ ووٹ پڑیں گے۔ سائے [illegible]

چنانچہ سال سنہ ۱۹۴۵ء میں جب ویول کانفرنس کے بعد انتخابات کا زور شروع ہوا۔ تو مرزائیوں اور لیگیوں خفیہ سازباز شروع ہوئی من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو۔ کے مصداق مرزائیوں کو عام مسلمانوں پر مسلط کرنے کی امداد کا یقین دلایا گیا۔ اور ہر ممکن طریق پر ان ذرائع سے کام لئے جانے کے پروگرام بنائے گئے۔ جن سے مرزائی مسلمان ثابت ہوں۔

مرزا محمود خلیفہ قادیان نے اکتوبر کے مہینہ میں ایک اہم اعلان کیا جو اس کے اخبار میں چھپا۔ جس کا عنوان تھا۔

آئندہ الیکشنوں میں جماعت احمدیہ کی پالیسی رقم فرمودہ حضرت امیر المومنین

(مرزا محمود قادیانی)

پنجاب کے سوا تمام صوبہ جات کے احمدیوں کو مسلم لیگ کی انتخابات میں مدد کرنی چاہیئے۔ جس قدر ووٹ احمدیوں کے ہیں۔ وہ اپنے علاقہ کے مسلم لیگی امیدوار کو دیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ احمدی جماعت کے تمام افراد کیا مرد اور کیا عورتیں مرد مردوں میں پھر کر اور عورتیں عورتوں کے پاس جاکر ان کے خیالات درست کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور اس امر کو اتنا اہم سمجھیں کہ تمام جگہوں پر مسلم لیگ کے کارکنوں کو یہ محسوس ہو جائے کہ گویا احمدی یہ سمجھ رہے ہیں کہ مسلم لیگ کا امیدوار کھڑا نہیں ہوا۔ کوئی احمدی امیدوار کھڑا ہوا ہے۔ اور اس کام میں مقامی مسلم لیگ کے ساتھ پوری طرح تعاون کریں۔ احمدی جائز ہوگا کہ وہ اس کے ممبر بن جائیں۔

خاکسار مرزا محمود احمد ۱۲ اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء (الفضل ۲۲ اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء)

یہ مقالہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ اس کے بعد مسٹر جناح نے کوئٹہ میں تقریر کی اور مرزا

مسلم لیگ اور مرزائیوں کی آنکھ مچولی

پر مختصر تبصرہ

شائع کردہ

مجلس احرار اسلام قادیان

پنجاب

مسلمانوں کی آئندہ باوقار زندگی یا ذلیل موت کا سوال ہے۔ ہر مسلمان کو ذاتی منفعت اور برادری کی کشمکش سے بلند ہو کر ملت کی بہتری کے لئے سب کچھ قربان کر دینا چاہیئے۔ مرکزی اسمبلی دہلی کے لئے حضرت مولانا ظفر علی خاں مالک اخبار زمیندار لاہور پُرانے خادمِ اسلام مسلم لیگ کے امیدوار ہیں۔ آپ ووٹر ہیں۔ آپ کی ووٹ قوم کی امانت ہے۔ قوم آپ سے ووٹ کی بھیک مانگتی ہے۔ بروز ہفتہ بتاریخ ۴۵ . ۱۲ . ۲۳ بمقام بنگلہ ڈسٹرکٹ بورڈ بٹالہ ووٹ پڑیں گے۔ برائے نوازش آپ مع دیگر ووٹران تشریف لاکر مولانا کے حق میں ووٹ دیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

عبدالعزیز ملک ایڈووکیٹ جنرل سکرٹری ڈسٹرکٹ مسلم لیگ ضلع گورداسپور شائع شدہ اخبار "سیرت" باغبانپورہ لاہور۔ ۲ر جنوری ۱۹۴۶ء

اس چٹھی پر تمام مرزائی بٹالہ گئے۔ بٹالہ کے مسلم لیگی کارکنوں نے ان سے معانقے کئے۔ ووٹ مولانا ظفر علیخاں کے حق میں گذارے گئے۔ دیگر بعض مسلم لیگ کے لیڈر لاہور سے بذریعہ کار تشریف لاکر اپنی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھتے رہے" ؎۵

مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ کی سو فیصدی کامیابی

مرکزی اسمبلی میں مسلم نشستیں ۳۰ تھیں۔ مسلم لیگ نے ہر نشست کے لئے امیدوار کھڑے کئے تھے۔ اور سب نشستوں پر قبضہ کر لیا۔ اور اس طرح اس نے ایسی فقید المثال کامیابی حاصل کی جس کی نظیر دُنیا کے کسی ملک کی دستوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ ذیل میں ان تمام مسلم لیگی نمائیندوں کی فہرست دی جاتی ہے جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے اور جن کی تائید جماعت احمدیہ نے کی:

یو۔پی۔ نواب محمد اسمٰعیل خاں۔ راجہ امیر احمد خاں آف محمود آباد۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں۔ ڈاکٹر ضیاءالدین احمد صاحب۔ خان بہادر غضنفر علی خاں صاحب۔ سر محمد یامین خاں صاحب۔

پنجاب۔ میر غلام بھیک نیرنگ۔ نواب سر محمد مہر شاہ۔ حاجی شیر شاہ صاحب۔ کیپٹن عابد حسین صاحب۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب آف زمیندار۔ حافظ محمد عبداللہ صاحب۔

؎۵ "مُسلم لیگ اور مرزائیوں کی آنکھ مچولی پر مختصر تبصرہ" شائع کردہ مجلس احرار اسلام قادیان (۱۹۴۶ء) صفحہ ۱۸۔۱۹۔ یہ رسالہ خلافت لائبریری ربوہ میں موجود ہے۔

بنگال ۔ عبدالرحمٰن صاحب صدیقی ۔ سرحسن سہروردی ۔ شیخ رفیع الدین صاحب صدیقی ۔ چودھری محمد اسمٰعیل خان صاحب ۔ مولوی تمیزالدین صاحب ۔ عبدالحمید شاہ صاحب

بمبئی وسندھ ۔ محمد موسیٰ قلعہ دار (بلامقابلہ)۔ قائداعظم محمد علی جناح ۔ احمد ای ۔ اے جعفر ۔ یوسف ہارون ۔

مدراس ۔ ایم جے جمیل محی الدین (بلامقابلہ)۔ حاجی عبدالستار اسحٰق ۔

بہار و اڑلیسہ ۔ محمد نعمان (بلامقابلہ) چودھری عابد حسین (بلامقابلہ)۔ خان بہادر حبیب الرحمٰن ۔[1]

قائداعظم محمد علی جناح کی تحریک پر ۱۱ر جنوری ۱۹۴۶ء کو ہندوستان بھر میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ "یوم فتح" منایا گیا اور صوبائی انتخابات میں کامیابی کے لئے دُعائیں کی گئیں ۔

صوبائی انتخابات میں جماعت احمدیہ کا مُسلم لیگ سے مخلصانہ تعاون

مُسلم لیگ کانگرس کی ریشہ دوانیوں اور مُسلمانوں کو روپے کے بل بوتے پر خریدنے کی تمام سازشوں کے باوجود تمام مُسلم نشستوں پر قابض ہوگئی تھی ۔ اس فتح مبین نے کانگرسی لیڈروں کو آتش زیر پا کر دیا اور انہوں نے اعلان کیا کہ وہ صوبائی نشستوں میں مسلم لیگ کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے اور پاکستان کے مطالبہ کو پیوند خاک کرکے دم لیں گے ۔ چنانچہ مسٹر پٹیل نے ۱۴ر جنوری ۱۹۴۶ء کو احمد آباد میں تقریر کرتے ہوئے کہا :۔

"مرکز میں مُسلم لیگ نے تمام نشستوں پر قبضہ کر لیا ہے ۔ اب بے شک مُسلم لیگ "یوم فتح" مناتی رہے لیکن یہ سمجھ لے کہ اس طرح پاکستان حاصل نہیں ہوگا ۔ پاکستان برطانیہ کے ہاتھوں میں نہیں ۔ پاکستان کے حصول کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کو میدان جنگ میں ایک دوسرے کے برخلاف نبرد آزما ہونا پڑے گا اور اس صورت میں خانہ جنگی ہوکر رہے گی ۔ پٹیل نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ کانگرس نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ صوبائی مجالس آئین ساز کے انتخابات میں ہر مُسلم نشست کے لئے اپنے امیدوار کھڑے کرے گی اور انتخابات کے نتائج ظاہر کر دیں گے کہ آخری فتح کانگرس کی ہوگی ۔ ہم دیکھیں گے کہ پاکستان کیسے قائم ہوتا ہے اور مُسلم لیگ کس طرح یوم فتح مناتی ہے ؟"[2]

صوبائی انتخابات کے خوشکن نتائج

کانگرسی لیڈر دھمکیاں دے رہے تھے کہ فروری ۱۹۴۶ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات شروع ہوگئے ۔ کانگرس نے ہر

---

[1] "قائداعظم اور ان کا عہد" صفحہ ۶۵۸ تا ۶۶۲ (از سید رئیس احمد جعفری)

[2] "قائداعظم اور دستور ساز اسمبلی" صفحہ ۱۷۸ - ۱۷۹ (مصنفہ محمد اشرف خاں عطاء مدیر معاون "زمیندار" لاہور ۱۹۴۶ء)

صوبہ میں مُسلم لیگ کا مقابلہ کیا۔ مگر اس کے باوجود صوبائی مجالس آئین ساز میں مُسلم لیگ کو زبردست فتح ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے:-

آسام۔ مجلس آئین ساز میں ۳۴ مُسلم نشستیں تھیں ان میں سے ۳۱ نشستوں پر مُسلم لیگ نے قبضہ کر لیا۔

سندھ۔ ۳۴ مُسلم نشستیں تھیں جن میں سے ۲۹ پر مُسلم لیگ کامیاب ہوئی۔

سرحد۔ یہاں ۳۶ مُسلم نشستوں میں سے ۱۷ مُسلم لیگ نے جیت لیں۔

یُوپی۔ ۶۶ مُسلم نشستیں تھیں۔ ۵۴ پر مُسلم لیگ نے قبضہ کر لیا۔

بہار۔ ۴۰ مُسلم نشستیں تھیں۔ ۳۴ پر مُسلم لیگ نے قبضہ کر لیا۔

مدراس۔ ۲۹ مُسلم نشستیں تھیں۔ تمام پر مُسلم لیگ نے قبضہ کر لیا۔

اُڑیسہ۔ ۴ مُسلم نشستیں تھیں۔ تمام پر مُسلم لیگ نے قبضہ کر لیا۔

بمبئی۔ ۳۰ مُسلم نشستیں تھیں۔ تمام پر مُسلم لیگ نے قبضہ کر لیا۔

پنجاب۔ کُل ۸۶ مُسلم نشستیں تھیں جن میں سے ۷۹ نشستوں پر مُسلم لیگ کامیاب ہو گئی۔

احمدیوں کی طرف سے مُسلم لیگ کی حمایت

احمدیوں نے حضرت مصلح موعود کے ارشاد کی تعمیل میں آسام، سندھ، یوپی، بہار، مدراس، اڑیسہ اور بمبئی میں سب مُسلم لیگی امیدواروں کی حمایت کی اور پنجاب کے ۳۲ حلقوں میں مُسلم لیگ کے حق میں ووٹ ڈالا اوران حلقوں کی ۲۲ نشستوں پر مُسلم لیگ کامیاب ہوئی۔[۱] جن مُسلم لیگی ممبران کو جماعت احمدیہ نے پنجاب میں ووٹ دیئے اُن میں سے بعض کے نام (مع حلقہ کے) یہ ہیں:-

خواجہ غلام صمد صاحب (جنوبی شہری حلقہ جات) سردار شوکت حیات خاں صاحب (جنوبی مشرقی حلقہ جات) ملک برکت علی صاحب (شرقی شہری حلقہ جات) خان بہادر شیخ کرامت علی صاحب (شمالی مشرقی حلقہ جات) سر فیروز خاں نون (قسمت راولپنڈی) ملک وزیر محمد صاحب (اندرون لاہور مرداں) بیگم تصدق حسین صاحب (اندرون لاہور حلقہ نسواں) محمد رفیق صاحب (بیرون لاہور حلقہ مرداں) بیگم شاہ نواز صاحبہ (بیرون لاہور حلقہ نسواں) شیخ صادق حسن صاحب (امرتسر شہر و چھاؤنی) چوہدری علی اکبر صاحب پلیڈر (کانگڑہ و مشرقی ہوشیارپور) محمد عبدالسلام صاحب (شمالی جالندھر) نواب افتخار حسین صاحب ممدوٹ (وسطی فیروزپور) میاں افتخار الدین صاحب (تحصیل قصور) چوہدری

---

[۱] "الفضل" ۲۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۵ ہش ۱۹۴۶ء صفحہ ۳۸

غلام فرید صاحب پلیڈر (مشرقی گورداسپور) چوہدری محمد حسین صاحب ایڈووکیٹ (تحصیل شیخوپورہ) خان بہادر روشن دین صاحب (تحصیل شاہدرہ) چوہدری فضل الٰہی صاحب وکیل (شمالی گجرات) چوہدری بہادل بخش صاحب (جنوب مشرقی گجرات) چوہدری جہان خان صاحب (شمال مغربی گجرات) چوہدری غلام رسول صاحب تارڑ (جنوب مغربی گجرات) رانا عبد الحمید صاحب (تحصیل پاک پٹن) سردار بہادر خان دریشک (ڈیرہ غازی خان جنوبی) غلام جیلانی صاحب گورمانی تحصیل لیہ) سید بدھن شاہ (خانیوال) خان بہادر شیخ فضل حق صاحب پراچہ (تحصیل بھلوال) میاں عبد الحق صاحب (تحصیل اوکاڑہ)[۵۱]

احمدیوں نے ان لیگیوں کے علاوہ صوبہ پنجاب میں بعض ایسے موزون اور قابل امیدواروں کو بھی کامیاب بنانے میں پوری طاقت صرف کر دی جن کو اگرچہ پنجاب مُسلم لیگ نے ٹکٹ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر چونکہ وہ اصولاً مُسلم لیگ کے حق میں رہتے اور انہیں اپنے حق سے محروم رکھا گیا تھا[۵۲] اس لئے جماعت کو یقین کامل تھا کہ وہ انتخابی مہم جیتنے کے بعد یقیناً مُسلم لیگ میں شامل ہو جائیں گے۔ مثلاً حلقہ مُسلم تحصیل بٹالہ سے حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے (ناظر اعلیٰ قادیان) کو جب مُسلم لیگی ٹکٹ حاصل کرنے میں کامیابی نہ ہوئی تو انہیں مجبوراً آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونا پڑا۔ اس حلقہ میں برسرِ اقتدار یونینسٹ پارٹی نے اپنے نمائندہ کے حق میں صُوبہ بھر میں سب سے زیادہ زور لگایا۔ سرکاری افسروں نے قدم قدم پر مداخلت کی اور احمدیوں کے خلاف ہر ممکن ہتھکنڈے استعمال کئے اور دھن، دھونس اور دھاندلی کی حد کر دی مگر اس کے باوجود چودھری صاحب ووٹوں کی بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئے۔[۵۳] پنجاب اسمبلی کی یہ سیٹ اگرچہ احمدی مردوں اور عورتوں نے نہایت اعلیٰ درجہ کے اخلاص اور بے مثال قربانی پیش کر کے خالص احمدیت کے ٹکٹ پر حاصل کی تھی[۵۴] مگر حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے ارشاد پر چودھری صاحب اسمبلی کا ممبر منتخب ہوتے ہی مُسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے صدر پنجاب مُسلم لیگ کے نام حسب ذیل تار ارسال کیا:۔

۵۱۔ ملاحظہ ہو "الفضل" ۲۸ صلح، ۲۹ صلح۔ ۲ تبلیغ ۱۳۲۵ھش / ۱۹۴۶ء۔

۵۲۔ "مُسلم لیگ اور مرزائیوں کی آنکھ مچولی پر مختصر تبصرہ" میں لکھا ہے کہ "تحصیل بٹالہ میں فتح محمد سیال مرزائی نے مرزا محمود کے کہنے کے مطابق پنجاب مسلم لیگ سے لیگ کا ٹکٹ مانگا اور تحصیل شکرگڑھ میں عبد الغفور قمر مرزائی نے لیگ کا ٹکٹ مانگا مگر ان میں سے صرف عبد الغفور قمر ایم۔ اے مرزائی کو ہی تحصیل شکرگڑھ کا ٹکٹ ملا" صفحہ ۱۹۔

۵۳۔ "الفضل" ۷ تبلیغ / فروری ۱۳۲۵ھش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۷، ۲۲ تبلیغ / فروری ۱۳۲۵ھش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۲، یکم امان / مارچ ۱۳۲۵ھش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۴۔

۵۴۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیدنا المصلح الموعود کا خطبہ جمعہ مطبوعہ "الفضل" یکم امان / مارچ ۱۳۲۵ھش / ۱۹۴۶ء۔

"گو الیکشن سے پہلے لیگ نے مجھے اپنا ٹکٹ نہیں دیا تھا لیکن اب جبکہ میں خدا کے فضل سے آزاد امیدوار کے طور پر کامیاب ہو گیا ہوں میں اپنی جماعت کی ہدایت کے ماتحت پھر دوبارہ اپنے آپ کو مسلم لیگ کی ممبری کے لئے پیش کرتا ہوں" [۱]

اس ضمن میں دوسری مثال شیخ فیض محمد صاحب پلیڈر کی ہے جو یونینسٹ ٹکٹ پر (حلقہ ڈیرہ غازیخاں وسطی سے) کامیاب ہوئے اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔[۲] جماعت احمدیہ نے شیخ صاحب سے بھی تعاون کیا۔[۳]

پنجاب کی ہندو صحافت کی برہمی اور شرمناک پراپیگنڈا

جماعت احمدیہ کی طرف سے مسلم لیگی ممبروں سے تعاون پر کانگرسی حلقے سخت بوکھلا گئے اور ہندو صحافت کھلم کھلا دشنام طرازی اور افترا پردازی پر اُتر آئی۔ اس حقیقت کا اندازہ لگانے کے لئے ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔ سردار شوکت حیات خاں مسلم لیگی امیدوار تھے۔ احمدی مردوں اور عورتوں نے انہیں مسلمانوں کا بہترین سیاسی نمائندہ سمجھتے ہوئے ووٹ دیئے۔ بات صرف اس قدر تھی۔ مگر ہندو اخبار "پرتاپ" (۲۷ فروری ۱۹۴۶ء) کی اشاعت میں اس واقعہ کو اخلاق سوز اور شرمناک رنگ سے جگہ دی۔ چنانچہ اس نے لکھا کہ:-

"لدھیانہ ۱۴ فروری۔ آج ٹانگوں اور لاریوں میں پولنگ اسٹیشنوں پر مسلمان عورتوں کو لایا گیا۔ سردار شوکت حیات کے حق میں ووٹیں ڈلوانے کے لئے قادیان سے احمدیہ لڑکیوں اور ہیرا منڈی سے بازاری عورتوں کو لایا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے سروں پر سبز رنگ کے دوپٹے لئے ہوئے تھے" [۴]

نیشنلسٹ اور کانگرس نواز علماء کی مسلم لیگ پر تنقید

انتخابات میں جماعت احمدیہ اور مسلم لیگ کے باہمی تعاون پر نیشنلسٹ اور کانگرس نواز علماء کی طرف سے مسلم لیگ اور قائداعظم پر بہت تنقید کی گئی۔ چنانچہ ناظم اعلیٰ مرکزیہ جمعیتہ علماء ہند نے "تحریک پاکستان

---

[۱] "الفضل" ۲۵ تبلیغ / فروری ۱۳۲۵ ہش (۱۹۴۶ء) صفحہ ۲۔ [۲] "قائداعظم اور دستور ساز اسمبلی" صفحہ ۱۸۳۔ [۳] "الفضل" ۸ تبلیغ / فروری ۱۳۲۵ ہش (۱۹۴۶ء) صفحہ ۶۔ [۴] اخبار "الفضل" ۱۹ تبلیغ / فروری ۱۳۲۵ ہش (۱۹۴۶ء) نے اس شرمناک پراپیگنڈا کے جواب میں "آریہ سماجی اخلاق کا جنازہ" کے عنوان سے ایک شذرہ سپردِ قلم کیا جس میں لکھا "اس خبر سے سوائے اس کے کہ نامہ نگار کے ناپاک اخلاق اور ایڈیٹر کی گندی ذہنیت آشکارا ہو جائے ہمیں تو اور کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ لیکن اتنا ہم ضرور پوچھیں گے کہ اگر یہی خبر نامہ نگار کی بہو بیٹیوں یا ایڈیٹر پرتاپ کی ماں بہنوں کے متعلق شائع ہو تو کیا وہ ان کو ناگوار نہیں گذرے گی اور ان کے دلوں کو صدمہ نہیں پہنچے گا اور خصوصاً اس وقت جبکہ اس خبر میں صداقت کا ایک ذرہ بھی نہ ہو۔ اگر تمہارے اخلاق اس قدر گندے ہو چکے ہیں کہ ان میں شرافت اور انسانیت کا ایک شمہ بھی باقی نہیں رہا تو بیشک ایک دوسرے کو گالیاں دو اور درندگی کا مظاہرہ جیسے چاہو کرو مگر خدا کے لئے شریف پردہ نشین لڑکیوں کو تو درمیان میں نہ لاؤ"۔

پر ایک نظر" نامی رسالہ میں لکھا :-

"آج مسٹر جناح بیرسٹر کی بجائے مفتی کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور سر ظفر اللہ قادیانی۔ راجہ محمود آباد شیعہ کو جو پاکستان کے حامی ہیں، مسلمان دیانتدار قرار دیتے ہیں۔ اور مولانا حسین احمد صاحب مفتی کفایت اللہ صاحب جیسے عمائدین ملت کو بددیانت بے ایمان کہہ دیتے ہیں اور لیگی اخبارات ان جملوں کو نہایت آب و تاب سے شائع کرتے ہیں۔ اور لیگی نوجوان مسٹر جناح کے فتوے پر اعتقاد رکھتے ہیں" لہ

جناب مولوی طفیل احمد صاحب مولوی فاضل دیوبند نے روزنامہ "شہباز" لاہور (مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء) میں لکھا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت حکیم الامت (مولوی اشرف علی صاحب تھانوی۔ ناقل) مسلم لیگ جیسی جماعت کی حمایت کریں۔ اب تو وہ قادیانیوں، دہریوں اور تبرائیوں کی مجسّم جماعت ہے۔ لہذا تمام متوسلین کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ حضرت والا کا اتباع کرتے ہوئے لیگ سے علیحدگی اختیار کریں"

اسی طرح جمعیتہ علماء ہند نے مسلم لیگ کے خلاف انتخابی مہم کے دوران ایک دو ورقہ "مسلم لیگ کے شاندار اسلامی کارنامے" کے نام سے تقسیم کیا جس میں قائداعظم محمد علی جناح کو محض اس وجہ سے انانیت پسند اور آمر قرار دیا کہ انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور ۱۹۴۴ء میں احمدیوں کو مسلم لیگ کی رکنیت سے خارج کئے جانے سے متعلق ایک قرارداد کو پیش تک نہیں ہونے دیا۔

ممتاز مسلم لیگی عالم جناب مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے روزنامہ "نوائے وقت" میں ایک اعلان شائع کیا تھا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کے لئے سفینۂ نجات ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں۔ اس پر امرتسر کے ایک نیشنلسٹ عالم (مولوی بہاء الحق صاحب قاسمی) نے جناب مولوی شبیر احمد صاحب کی خدمت میں لکھا کہ

"آپ کو معلوم ہوگا . . . . لیگ کے ممبر ہیں اور ان کی دونوں پارٹیاں (قادیانی اور لاہوری) الیکشن میں لیگ کو کامیاب بنانے کے لئے سر توڑ کوشش اور انتہائی جدوجہد کر رہی ہیں۔ بلکہ مرزا محمود قادیانی نے اعلان کر دیا ہے کہ مسلم لیگ کی کامیابی "احمدیت" کی کامیابی ہے۔ ان کے علاوہ آج لیگ کی سیاست پر وہ شیعہ لیڈر چھائے ہوئے ہیں جنہوں نے تبرا ایجی ٹیشن میں تبرائیوں کو ہر طرح امداد دی جس جماعت کی تشکیل اس قسم کے بے دینوں اور مرتدوں سے عمل میں لائی گئی ہو۔ اور جو جماعت کمیونسٹوں اور مرزائیوں کو "مسلمان" ہونے

لہ۔ مجوزہ ناظم جمعیتہ علماء ہند۔ مطبوعہ دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی۔

کا سارٹیفکیٹ دیتی ہو۔ اس جماعت کو "سفینۂ نجات" قرار دینا آپ کی ذات گرامی سے بعید معلوم ہوتا ہے" [1]

سرگرم اور ممتاز مسلم لیگی علماء کی طرف سے مدلل جواب

جناب مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے اس کا جواب ایک مفصل مکتوب میں دیا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:۔

"اللہ تعالیٰ کی ہزاران ہزار رحمت امام محمد بن الحسن شیبانی پر کہ انہوں نے یہ مشکل میں ڈالنے والا مسئلہ پہلے سے صاف کر دیا اور تصریح کر دی کہ اہل حق مسلمان خوارج کے ساتھ ہو کر مشرکین سے لڑیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ جنگ دفع فتنہ کفر اور اظہار اسلام کے لئے ہوگی اور اس میں اعلاء کلمۃ اللہ اور اثبات اصل طریق ہے"

"اب رہ گیا کلمہ گو مرتدین کا معاملہ، ان کی تعداد لیگ میں لا یعبا بہ ہے جن کے غلبہ کی کوئی صورت نہیں اور خدانہ کردہ آئندہ ایسا ہو تو اس وقت جو حکم ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا۔ اب الیکشن کے موقعہ پر اگر مرزا محمود وغیرہ نے بدوں لیگ میں شرکت کے لیگ کی تائید کا اعلان کر دیا یہ ان کا فعل ہے جو ہمارے لئے مضر نہیں"

"ایک چیز اور بھی ملحوظ خاطر رہے کہ یہ مرتدین و ملحدین اس طرح کے نہیں جو نفس کلمہ اسلام ہی سے اعلانیہ بیزار ہوں وہ بھی بزعم خود مشرکین سے اسی نام پر لڑتے ہیں کہ مشرکین کے غلبہ و تسلط سے مسلم قوم کو بچایا جائے اور کلمۂ اسلام کو اُن کے مقابلہ میں پست نہ ہونے دیا جائے اور مسلمانوں کے قومی و ملی استقلال کی حفاظت ہو"

(شبیر احمد عثمانی از دیوبند ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ ۲۵ نومبر ۱۹۴۵ء) [2]

جناب مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے اپنے ایک خط میں جو انہوں نے مراد آباد کے ایک صاحب (حکیم رشید علی) کے نام بھیجا، چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو اکابر مسلم لیگ میں شمار کرتے ہوئے لکھا:۔

"جن کو آج گورنمنٹ پرست کہا جاتا ہے اور وہ ہی اکابر لیگ سمجھے جاتے ہیں۔ ان ہی کی قیادت و سعادت اس وقت (۱۹۳۷ء میں ناقل) تھی۔ مسٹر جناح، نواب اسمٰعیل خاں صاحب،

---

[1] و [2] "انوار عثمانی" صفحہ ۱۴۲ (مکتوبات شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی) مرتبہ پروفیسر محمد انوار الحسن صاحب انور شیر کوٹی ۱۸۹-اے پیپلز کالونی لائلپور۔ ناشر مکتبہ اسلامیہ مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی ملا ۔

راجہ محمود آباد، چودھری خلیق الزمان اور سر ظفر اللہ خاں قادیانی سب اس میں شریک تھے۔ انہیں سے اکثر آج اس کے قائد ہیں" [۱]

اُن دنوں سیالکوٹ کے ایک عالم نے بھی احمدیوں کی مُسلم لیگ میں شرکت وتعاون پر اعتراض کیا جس پر مشہور اہلحدیث عالم جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے جو جواب دیا وہ ہمیشہ آب زر سے لکھا جائیگا۔ آپ نے کہا:۔

"احمدیوں کا اس اسلامی جھنڈے کے نیچے آجانا اس بات کی دلیل ہے کہ واقعی مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ وجہ یہ کہ احمدی لوگ کانگرس میں تو شامل ہو نہیں سکتے کیونکہ وہ خالص مسلمانوں کی جماعت نہیں ہے اور نہ احرار میں شامل ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ سب مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ صرف اپنی احراری جماعت کے لئے لڑتے ہیں جن کی امداد پر کانگریسی جماعت ہے اور حدیث الدین النصیحۃ کی تفصیل میں خود رسول مقبول نے عامۃ مسلمین کی خیر خواہی کو شمار کیا ہے (صحیح مُسلم)

ہاں اس وقت مُسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو خالص مسلمانوں کی ہے۔ اس میں مسلمانوں کے سب فرقے شامل ہیں۔ پس احمدی صاحبان بھی اپنے آپ کو ایک اسلامی فرقہ جانتے ہوئے اس میں شامل ہو گئے جس طرح کہ اہلحدیث اور حنفی اور شیعہ وغیرہم شامل ہوئے اور اس امر کا اقرار کہ احمدی لوگ اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ ہیں مولنٰا ابوالکلام صاحب کو بھی ہے۔ اُن سے پُوچھیئے۔ اگر وہ انکار کریں گے تو ہم ان کی تحریروں میں دکھا دیں گے" [۲]

گوجرانوالہ کے ایک مشہور اہلحدیث عالم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے ایک دو ورقہ [۳] میں مُسلم لیگ پر طعن کیا کہ اس میں قادیانی، رافضی، اسماعیلی اور بریلوی شامل ہیں اور انہی فرقوں کی جماعت بندی کا دوسرا نام مُسلم لیگ ہے۔ جناب مولوی میر محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے اس اعتراض کا بھی مسکت جواب دیا۔ جو یہ تھا:۔

---

[۱] "انوار عثمانی" صفحہ ۱۸۶ (مکتوبات شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی) مرتبہ پروفیسر محمد انوار الحسن صاحب انور شیر کوٹی۔

[۲] "پیغام ہدایت در تائید پاکستان و مُسلم لیگ" صفحہ ۱۱۲ - ۱۱۳، مرتبہ مولوی محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی (جنوری ۱۹۴۶ء) مطبوعہ ثنائی پریس امرتسر۔

[۳] ناشر مولوی عطاء اللہ صاحب بھوجیانی خطیب جامع اہلحدیث شہر فیروز پور۔

"اُمتِ مرحومہ کے ان سب فرقوں نے اصل اسلام جو سب میں مشترک اور متفق علیہ ہے یعنی کلمۂ اسلام لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ پر اجماع کیا ہے اور اس کلمہ طیبہ کے قائلین کو مشرکین و کفار کے تغلب سے خواہ وہ صنم پرست ہوں یا صلیب پرست ہوں بچانے پر متفق ہوئے ہیں۔ خواہ وہ تغلب اس وقت موجود ہے، خواہ اس کا آئندہ اندیشہ ہے۔ اور پاکستان کے نظام کی بناء اسی بات پر ہے . . . . اور آپ سے پوشیدہ نہیں کہ سوائے اس کے مسلمانوں کی تنظیم کی کوئی صورت نہیں۔ جو خوبی تھی آپ نے اُسے طعن بنا دیا جو سراسر بے جا ہے" [۱]

۱۹۴۵ء کے صوبائی انتخاب کے دوران مشہور اہلحدیث عالم مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے ایک بیان میں کہا:-

"پاکستان کے مفہوم پر جو اعتراضات مجھے پہنچے ہیں میں اُن کو صحیح نہیں سمجھتا۔ مثلاً یہ کہا گیا ہے کہ اس کے بانی رافضی ہیں، بدعتی ہیں اور مرزائی بھی شریک ہیں وغیرہ وغیرہ۔ میرے خیال میں یہ اعتراضات سیاسی اصول سے بالاتر ہیں۔ سیاسیات میں قوم کو بحیثیت نوع کے دیکھا جاتا ہے اصناف کا لحاظ نہیں ہوتا" [۲]

جماعت احمدیہ کی طرف سے یونینسٹ وزارت کے خلاف احتجاج

۱۹۴۵ء-۴۶ء کے انتخابات سے اگرچہ مسلم لیگ کی نمائندہ حیثیت بالکل واضح ہو گئی مگر کانگرس نے پنجاب میں سر گلانسی گورنر پنجاب کی شہ اور اشارہ پا کر یونینسٹ پارٹی کے لیڈر سر خضر حیات خاں سے تعاون کر لیا۔ سر گلانسی نے مُسلم اکثریت کو نظر انداز کر دیا اور ملک خضر حیات کی قیادت میں کانگرس، اکالی اور یونینسٹوں کے سات مسلمان ممبر ملا کر ایک کولیشن بنا دی گئی۔ ہندوستانی عیسائیوں کا تعاون حاصل کرنے کیلئے انہیں سپیکرشپ کی پیشکش کی گئی۔ اس طرح پنجاب میں مُسلم لیگ ۷۹ ممبر رکھنے کے باوجود مسلم لیگی وزارت نہ بن سکی اور عوام کی مرضی کے خلاف دوبارہ وہ حکومت ٹھونس دی گئی جو وہ انتخابات میں مسترد کر چکے تھے۔

اس غیر نمائندہ اور غیر آئینی وزارت کے خلاف ۱۰ مارچ ۱۹۴۶ء کو قادیان میں حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے کی صدارت میں ایک احتجاجی جلسہ کیا گیا جس میں مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری پرنسپل جامعہ احمدیہ نے حسب ذیل قرارداد پیش کی جو بالاتفاق پاس کی گئی:-

"مسلمانانِ قادیان کا یہ عظیم الشان اجتماع گورنر پنجاب کے اس طریق کو جو اس وقت وزارت

---

[۱] "پیغام ہدایت در تائید پاکستان و مسلم لیگ" صفحہ ۱۹۲
[۲] " " " صفحہ ۱۲۰

قائم کرنے کے لئے اختیار کیا جا رہا ہے، صوبہ پنجاب کے مسلمانوں کی حق تلفی یقین کرتا ہے۔ اس وزارت میں صوبہ کی مسلم اکثریت کی کوئی نمائندگی نہیں۔ حکومت کا فرض تھا کہ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کو تشکیل وزارت کے لئے دعوت دے کیونکہ اسی پارٹی کو اکثریت حاصل ہے۔ لیکن گورنر صاحب نے اس مسلم اکثریت والے صوبہ کے حقوق کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسی پارٹی کی وزارت مرتب کرانے کی کوشش کی ہے جو مسلمانان پنجاب کی بالکل نمائندہ نہیں ہوگی۔ ہم اس طریق کو غیر آئینی اور غیر رسمی اور خلافِ عُرف تصور کرتے ہیں اور اس کے خلاف پُر زور صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں کیونکہ اس میں صوبہ کی اکثریت کی حق تلفی ہے۔"[۵۱]

فصل چہارم

ہندوستان میں پارلیمنٹری مشن کی آمد

حضرت مصلح موعود کی راہنمائی مخلصانہ مشورہ اور مسلم لیگ اور قائداعظم کے موقف کی زبردست حمایت

عبوری حکومت کا قیام اور مسلم لیگ کا احتجاج اور فیصلہ راست اقدام

مرکزی و صوبائی انتخابات ختم ہوئے تو برطانیہ کی لیبر حکومت نے جس کے وزیر اعظم مسٹر ایٹلی تھے ہندوستان کے سیاسی تعطّل کو دُور کرنے کے لئے ایک سکیم دے کر لارڈ پیتھک لارنس (وزیر ہند)، سر سٹیفورڈ کرپس (لارڈ پریوی سیل) اور الیگزینڈر (وزیر بحر) پر مشتمل ایک وزارتی مشن ہندوستان بھیجا۔ یہ وفد ۲۵ر مارچ ۱۹۴۶ء کو دہلی پہنچا۔ اور آتے ہی مسلم لیگ اور کانگرس کے زعماء سے بات چیت میں مصروف ہوگیا۔

وزارتی مشن کے منصوبے کا مختصر خاکہ یہ تھا کہ ملک کو تین علاقوں میں ترتیب دی جائے (ا) صوبہ جات مدراس، بمبئی، یوپی، بہار، سی پی اور اڑیسہ (ب) پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد (ج) بنگال اور آسام

---

[۵۱] "الفضل" ۱۱ر امان/ مارچ ۱۳۲۵ ہش/ ۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۳ ، ۴۔

ان تین علاقوں کی اپنی اپنی علاقائی حکومت ہو اور تمام ملک کی وفاقی حکومت ہو جس میں یہ تین علاقے منسلک ہوں مرکزی حکومت کے اختیارات امور خارجہ، امور متعلقہ دفاع، صیغہ مواصلات اور ان محکمہ جات کے متعلقہ مالیات پر مشتمل ہوں اور ان تک محدود ہوں۔ بقیہ تمام امور اور صیغہ جات علاقائی حکومتوں کے سپرد ہوں۔ یہ نظام دس سال تک جاری رہے۔ دس سال کی میعاد پوری ہونے پر علاقہ ب و ج کو اختیار ہو کہ اگر ان میں سے ایک یا دونوں چاہیں تو وفاقی نظام سے علیحدہ ہو کر اپنی اپنی مستقل آزاد حکومت قائم کرلیں۔ اس امر کا فیصلہ علاقے کی مجلس قوانین ساز کے اختیار میں ہو۔ علاقہ ج کے متعلق یہ شرط بھی رکھی گئی کہ اگر علاقائی مجلس علیحدگی کا فیصلہ کرے تو آسام کے نمائندگان کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی کثرت رائے سے یہ فیصلہ کریں کہ وہ علاقے میں شامل نہیں رہنا چاہتے اور علاقہ سے علیحدگی پر وہ علاقہ الف میں شامل ہو جائیں گے۔

پارلیمنٹری مشن کی ہندوستان میں آمد پر حضرت مصلح موعود نے ایک دینی اور روحانی پیشوا کی حیثیت سے برطانوی ارکان، مسلم لیگ اور کانگرس سب کو اُن کی نازک ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی اور ہندوستان کی گتھی کو عدل و انصاف اور اخلاق کے تقاضوں کے مطابق سلجھانے کا مخلصانہ مشورہ دیا نیز مسلم لیگ کے موقف کی زبردست حمایت کی اور کانگرس کے بے بنیاد پراپیگنڈا کی حقیقت واقعات کی روشنی میں واضح فرمائی اور اُسے مشورہ دیا کہ وہ تبدیلی مذہب کے متعلق اپنا زاویۂ نگاہ بدل لے۔ حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے جس مضمون میں یہ سب امور بیان فرمائے اس کا مکمل متن درج ذیل کیا جاتا ہے۔[1]

"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

پارلیمنٹری مشن اور ہندوستانیوں کا فرض

پارلیمنٹری وفد ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے ہندوستان میں وارد ہو چکا ہے۔ مجھ سے کئی احمدیوں نے پوچھا ہے کہ احمدیوں کو اُن کے خیالات کے اظہار کا موقعہ کیوں نہیں دیا گیا۔ میں نے اس کا جواب اُن

---

[1] اس اہم مضمون کا ایک حصہ اخبار "انقلاب" لاہور نے اپنی ۱۹ اپریل ۱۹۴۶ء (صفحہ ۳) کی اشاعت میں بھی دیا تھا۔

احمدیوں کو یہ دیا کہ اوّل تو ہماری جماعت ایک مذہبی جماعت ہے (گو مسیحیوں کی انجمن کو کمیشن نے اپنے خیالات کے اظہار کی دعوت دی ہے) دُوسرے جہانتک سیاسیات کا تعلق ہے جو حال دوسرے مسلمانوں کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا۔ تیسرے ہم ایک چھوٹی اقلیت ہیں اور پارلیمنٹری وفد اس وقت اُن سے بات کر رہا ہے جو ہندوستان کے مستقبل کو بنا یا بگاڑ سکتے ہیں۔ دُنیوی نقطہ نگاہ سے ہم ان جماعتوں میں سے نہیں ہیں۔ اس لئے باوجود اس امر کے کہ جنگی سرگرمیوں کے لحاظ سے اپنی نسبتِ آبادی کے مدنظر ہم تمام دُوسری جماعتوں سے زیادہ قربانی کرنے والے تھے کمیشن کے نقطہ نگاہ سے ہمیں کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ چوتھے یہ کہ خواہ کمیشن کے سامنے ہمارے آدمی پیش ہوں یا نہ ہوں ہم اپنے خیالات تحریر کے ذریعہ سے ہر وقت پیش کر سکتے ہیں۔

سو جواب کے آخری حصہ کے مطابق مَیں چند باتیں پہلی قسط کے طور پر پارلیمنٹری وفد اور ہندوستان کے نمائندوں سے کہنا چاہتا ہوں۔

وفد کے ممبران کو مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دُنیا کا فساد سب سے زیادہ اس امر سے ترقی کر رہا ہے کہ حکومتیں اخلاقی اصول کی پیروی سیاسیات میں ضروری نہیں سمجھتیں۔ حالانکہ سیاست افراد کو تسلّی دینے کے لئے برتی جاتی ہے اور افراد جو اخلاق کی بناء پر سوچنے اور غور کرنے کے عادی ہیں جب ایک فیصلہ ایسا دیکھتے ہیں کہ جس کی بنیاد عام جانے بُوجھے ہوئے اخلاقی نظریات کے خلاف ہوتی ہے تو وہ اس سے تسلّی نہیں پاتے اور اُن کے دل کی خلش انہیں شورش اور فساد پر آمادہ کر دیتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قومی امیدوں اور امنگوں کے پُورا نہ ہونے پر بھی شورش ہوتی ہے لیکن وہ شورش دیرپا نہیں ہوتی اور اس کا ازالہ کرنا ممکن ہوتا ہے لیکن اخلاقی اصول کے خلاف کیا گیا فیصلہ سینکڑوں اور ہزاروں سال تک فساد اور بے چینی کو لمبا کئے جاتا ہے۔ پس انہیں چاہیئے کہ ہندوستان کی اُلجھنوں کا حل صرف سیاست کی مدد سے کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ اخلاق کے اصول کے مطابق اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں تا اگر اس حل سے کوئی فساد پیدا ہو تو وہ دیرپا نہ ہو۔

دوسرے اس میں کوئی شک نہیں کہ سیاسی وعدے حالات کے بدلنے سے بدل سکتے ہیں۔ مثلاً ایک گورنمنٹ سے کسی دوسری گورنمنٹ کا کوئی معاہدہ ہو۔ لیکن بعد میں اس ملک کی اکثریت اپنی گورنمنٹ کے خلاف ہو جائے تو معاہد حکومت یقیناً پابند نہیں کہ اوّل الذکر حکومت کا ان حالات میں بھی ساتھ دے۔ کیونکہ معاہدہ اس امر کی فرضیت پر مبنی تھا کہ وہ حکومت اپنے مُلک کی نمائندہ ہے جب وہ نمائندہ نہ رہے تو معاہد حکومت

کا حق ہے کہ اپنے سابق معاہدہ کو تبدیل کر دے جیسا کہ پولینڈ کی حکومت کے بارہ میں انگلستان نے کیا (اس امر کو میں نظر انداز کرتا ہوں کہ انگلستان نے پوری تحقیق اس امر کی کر لی تھی کہ نہیں کہ پولینڈ کی اکثریت سابق حکومت کے ساتھ ہے یا خاص حالات پیدا کر کے اس سے خلاف رائے لے لی گئی ہے) لیکن اگر حالات وہی ہوں جیسے کہ پہلے تھے تو پھر یہ کہہ کر سابق وعدہ کو نظر انداز کر دینا کہ حالات بدلنے پر وعدے بھی بدل سکتے ہیں اخلاق کے خلاف ہوگا۔ حکومت انگریزی کو اپنے سابق وعدوں میں کسی تبدیلی سے پہلے یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ وہ کون سے حالات تھے جن میں کوئی وعدہ انہوں نے کیا تھا اور اب کون سے نئے حالات پیدا ہو گئے ہیں جن کا طبعی نتیجہ وعدہ کی تبدیلی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جب تک وہ ایسا نہ کریں ان کا یہ کہہ دینا کہ اب حالات بدل گئے ہیں صرف متعلقہ جماعت کے دلوں میں شکوک اور جائز شکوک پیدا کرنے کا موجب ہوگا۔ اخلاق کی طاقت یقیناً انگلستان اور ہندوستان بلکہ تمام دُنیا کی مجموعی طاقت سے بھی زیادہ ہے۔ پس اگر حقیقتاً حالات نہ بدلے ہوں تو گول مول الفاظ استعمال کرنے کی بجائے پارلیمنٹری وفد کو اعلان کرنا چاہیئے کہ ہم سے پہلی حکومت بددیانتی سے ہندوستانیوں کو لڑوانے کے لئے بعض اقوام سے کچھ وعدے کر چکی ہے جو ہم برسر اقتدار ہونے کے بعد پورا کرنے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن یہ درست نہیں کہ وہ ایک ہی سانس میں پہلی حکومت کی دیانت کا بھی اظہار کرے اور اس کے وعدوں کو یہ کہہ کر توڑ بھی دے کہ بدلے ہوئے حالات میں وعدے بھی بدل جاتے ہیں۔ (حالانکہ جن حالات میں وہ وعدے کئے گئے تھے وہ بالکل نہ بدلے ہوں) عوام الناس فقروں میں آجاتے ہیں۔ لیکن عقلمند لوگ صرف فقروں سے دھوکا نہیں کھاتے۔

تیسری بات مَیں کمشن کے ممبروں سے یہ کہنی چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی حالت پیدا کر دینا جس کے نتیجہ میں ایک اقلیت اپنے حقوق لینے سے محروم رہ جائے خود انگلستان کو ہی مجرم بنائے گا۔ انگلستان یہ کہہ کر بچ نہیں سکتا کہ اس نے یہ نتیجہ پیدا نہیں کیا۔ نتائج کی ذمہ داری ذرائع کے پیدا کرنے والے پر ہی ہوا کرتی ہے۔

چوتھی بات کمشن کے ممبروں سے مَیں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ اگر وہ انصاف کو قائم رکھیں گے تو یقیناً ہندو مُسلم سمجھوتہ کرانے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ مَیں اس امر کا قائل نہیں کہ انگلستان کا بنایا ہوا ہندوستان اصل ہندوستان ہے۔ لیکن میں اس امر کا بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہندوستان میں جس قدر اتحاد بھی باہمی سمجھوتہ سے ہو سکے، وہ یقیناً ہندوستان اور دوسری دُنیا کے لئے مفید ہوگا۔ مَیں برٹش ایمپائر کے اصول کا دیرینہ مدّاح ہوں۔ میرے نزدیک برطانوی امپائر کا اصول اس وقت تک کی قائم کردہ انٹرنیشنل لیگ یا یُو۔این۔اے سے بدرجہا بہتر

ہے۔ اس کی اصلاح کی تو ضرورت ہے۔ لیکن اس کے حصہ دار بننے کا نام غلامی رکھنا ایک جذباتی مظاہرہ تو کہلا سکتا ہے حقیقت نہیں کہلا سکتا۔ مگر بہرحال ہندوستان کے مختلف حصوں کا باہمی تعاون اور ہندوستان کا برطانوی امپائر سے تعاون باہمی سمجھوتے پر مبنی ہونا چاہیئے۔

پانچویں۔ ہر سیاسی اصل ضروری نہیں کہ ہر جگہ اپنی تمام شقوں کے ساتھ چسپاں ہو سکے۔ میرا تجربہ ہے کہ انگلستان کے اکثر مدبر اپنے ملک کے تجربہ کو ہندوستان پر ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ ہندوستان کے حالات یقیناً انگلستان سے مختلف ہیں۔ یہاں آزادی کا بھی اَور مفہوم ہے اور انصاف کا بھی اَور مفہوم ہے۔ مجھے ایک صاحب نے بتایا کہ جب انہوں نے مسٹر گاندھی سے سوال کیا کہ کیا آزاد ہندوستان میں مذہب کی تبدیلی کی اجازت ہوگی۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ مذہب کی آزادی ضرور ہوگی مگر مذہب کی تبدیلی ایک سیاسی مسئلہ ہے۔ اس بارہ میں حکومت مناسب رویہ اختیار کر سکتی ہے۔ میرے نزدیک یہ نظریہ آزادی کے صریح خلاف ہے۔ مَیں نے اس امر کی تحقیق کے لئے جماعت احمدیہ کے مرکزی عہدہ داروں سے کہا کہ وہ کانگرس سے اس کا نقطہ نگاہ دریافت کریں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ جماعت کے سکرٹری نے اس بارہ میں جو چٹھی لکھی اُس کا جواب کانگرس کے سکرٹری نے نہیں دیا۔ پھر رجسٹری خط گیا۔ اس کا بھی جواب نہیں دیا۔ اس پر تیسرا خط رجسٹری کر کے ارسال کیا گیا مگر اس کا جواب بھی نہ دیا گیا۔ تب تار دی گئی کہ اگر اب بھی جواب نہ دیا گیا تو معاملہ مسٹر گاندھی کے سامنے رکھا جائیگا اس پر کانگرس کے سکرٹری نے جواب دیا کہ مسٹر بوس کو افسوس ہے کہ اب تک جواب نہیں دیا گیا (اس وقت سبھاش چندر بوس کانگرس کے پریذیڈنٹ تھے) اب جواب بھجوایا جا رہا ہے۔ یہ جواب جب موصول ہوا تو اس میں یہ لکھا تھا کہ آپ کو کانگرس کے کراچی ریزولیوشن نمبر فلاں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے جب لکھا گیا کہ اس ریزولیوشن کی تعبیر کے متعلق تو ہمارا سوال ہے۔ تو اس کا یہ جواب دیا گیا کہ کانگرس ہی اپنے ریزولیوشن کی تعبیر کر سکتی ہے۔ جب اس پر کہا گیا کہ کانگرس سے تو اس کے عہدہ دار ہی پُوچھ سکتے ہیں۔ ہمارے پاس کونسا ذریعہ ہے۔ تو اس پر جواب دیا گیا کہ ہم نہیں پوچھ سکتے، آپ ہی دریافت کریں۔ اس واقعہ نے ثابت کر دیا کہ کانگرس کے نزدیک آزادی کا مفہوم یُورپ کے زمانہ وسطیٰ والا ہے جسے مسلمان کسی صورت میں تسلیم نہیں کر سکتے۔ چنانچہ عملاً اس کا یہ نمونہ موجود ہے کہ ہندو ریاستوں میں ایک ہندو اگر مُسلمان ہو جائے، تو اوّل بغیر مجسٹریٹ کی اجازت کے وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ دوم اُسے اپنے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ کانگرس سے جو ہماری گفت و شنید ہوئی ہے اس نے ریاستوں کے اس رویہ پر مُہر تصدیق لگا دی ہے۔ غرض صرف ڈیموکریسی کے نقطہ پر نہیں جانا

چاہیئے۔ یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ ڈیموکریسی کا مفہوم کسی قوم میں کیا ہے۔ اس وقت رُوس مغربی حکومتوں کے خلاف بار بار یہ اعلان کر رہا ہے کہ مغربی ممالک سکے ری ایکشنری لوگ ہمارے خلاف یُونان اور ایران اور چین کی تائید کے نام سے غلط فضا پیدا کر رہے ہیں۔ لیکن کیا صرف ری ایکشنری کے لفظ کے استعمال کی وجہ سے انگلستان اور امریکہ کے لوگ اپنی منصفانہ پالیسی چھوڑ دیں گے۔ اگر نہیں تو صرف ڈیموکریسی کے لفظ کے استعمال سے بھی اُن کی تسلّی نہیں ہو جانی چاہیئے۔

مَیں مُسلمانوں کے نمائندوں کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ ہندوستان ہمارا بھی اسی طرح ہے جس طرح ہندوؤں کا۔ ہمیں بعض زیادتی کرنے والوں کی وجہ سے اپنے ملک کو کمزور کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔ اس مُلک کی عظمت کے قیام میں ہمارا بہت کچھ حصّہ ہے۔ ہندوستان کی خدمت ہندوؤں نے تو انگریزی زمانہ میں انگریزوں کی مدد سے کی ہے۔ لیکن ہم نے اس مُلک کی ترقی کے لئے آٹھ سو سال تک کوشش کی ہے۔ پشاور سے لے کر منی پور تک اور ہمالیہ سے لے کر مدراس تک ان محبّانِ وطن کی لاشیں ملتی ہیں جنہوں نے اس ملک کی ترقی کے لئے اپنی عُمریں خرچ کر دی تھیں۔ ہر علاقہ میں اسلامی آثار پائے جاتے ہیں۔ کیا ہم ان سب کو خیر باد کہہ دیں گے کیا ان کے باوجود ہم ہندوستان کو ہندوؤں کا کہہ سکتے ہیں۔ یقیناً ہندوستان ہندوؤں سے ہمارا زیادہ ہے قدیم آریہ ورت کے نشانوں سے بہت زیادہ اسلامی آثار اس ملک میں ملتے ہیں۔ اس ملک کے مالیہ کا نظام، اس ملک کا پنچائتی نظام، اس ملک کے ذرائع آمد و رفت سب ہی تو اسلامی حکومتوں کے آثار میں سے ہیں۔ پھر ہم اُسے غیر کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ کیا سپین میں سے نکل جانے کی وجہ سے ہم اُسے بھول گئے ہیں ہم یقیناً اُسے نہیں بھولے۔ ہم یقیناً ایک دفعہ پھر سپین کو لیں گے۔ اسی طرح ہم ہندوستان کو نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ مُلک ہمارا ہندوؤں سے زیادہ ہے۔ ہماری سُستی اور غفلت سے عارضی طور پر یہ ملک ہمارے ہاتھ سے گیا ہے۔ ہماری تلواریں جس مقام پر جا کر کُند ہو گئیں۔ وہاں سے ہماری زبانوں کا حملہ شروع ہوگا۔ اور اسلام کے خوبصورت اصول کو پیش کر کے ہم اپنے ہندو بھائیوں کو خود اپنا جزو بنا لیں گے۔ مگر اس کے لئے ہمیں راستہ کو کھلا رکھنا چاہیئے۔ ہمیں ہرگز وہ باتیں قبول نہیں کرنی چاہئیں جن میں اسلام اور مسلمانوں کی موت ہو۔ مگر ہمیں وہ طریق بھی اختیار نہیں کرنا چاہیئے جس سے ہندوستان میں اسلام کی حیات کا دروازہ بند ہو جائے۔ میرا یقین ہے کہ ہم ایک ایسا منصفانہ طریق اختیار کر سکتے ہیں۔ صرف ہمیں اپنے جذبات کو قابُو میں رکھنا چاہیئے۔ اسلام نے انصاف اور اخلاق پر سیاسیات کی بنیاد رکھ کر سیاست کی سطح کو بہت

اُونچا کر دیا ہے۔ کیا ہم اس سطح پر کھڑے ہو کر صُلح اور محبت کی ایک دائمی بُنیاد نہیں قائم کر سکتے۔ کیا ہم کچھ دیر کے لئے جذباتی نعروں کی دُنیا سے الگ ہو کر حقیقت کی دُنیا میں قدم نہیں رکھ سکتے تا ہماری دُنیا بھی درست ہو جائے اور دُوسروں کی دُنیا بھی درست ہو جائے۔

مَیں مُسلمانوں سے یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ یہ وقت اتحاد کا ہے۔ جس طرح بھی ہو اپنے اختلافات کو مٹا کر مُسلمانوں کی اکثریت کی تائید کریں اور اکثریت اپنے لیڈر کا ساتھ دے اس وقت تک کہ یہ معلوم ہو کہ اب کوئی صورت سمجھوتہ کی باقی نہیں رہی اور اب آزادانہ رائے دینے کا وقت آگیا ہے۔ مگر اس معاملہ میں جلدی نہ کی جائے تا کامیابی کے قریب پہنچ کر ناکامی کی صورت نہ پیدا ہو جائے۔

مَیں ہندُو بھائیوں سے اور خصوصاً کانگرس والوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کانگرس کے لئے مسٹر گاندھی نے اَور کچھ بھی نہ کیا ہو تو بھی اُنہوں نے اس پر یہ احسان ضرور کیا ہے کہ اُسے اس اصل کی طرف ضرور توجہ دلائی ہے کہ ہمارے فیصلوں کی بنیاد اخلاق پر ہونی چاہیئے۔ تفصیل میں مجھے خواہ اُن سے اختلاف ہو مگر اصول میں مجھے ان سے اختلاف نہیں۔ کیونکہ میرے آقا محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس اصل کو جاری کیا ہے۔ آپ لوگوں کو غور کرنا چاہیئے کہ ایک طرف تو آپ لوگ عدم تشدّد کے قائل ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کے مقابل پر اپنے مطالبات پُورے نہ ہونے کی صورت میں بعض لیڈر دھمکیاں بھی دے رہے ہیں۔ مَیں نے آج ہی ایک کانگرسی لیڈر کا اعلان پڑھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ

"کوئی اسے اچھا سمجھے یا بُرا، اس کے نتیجہ میں ملک میں شدید فساد پیدا ہوگا"

پھر لکھتے ہیں:۔

"مگر جو کوئی بھی مُلک کے موجودہ جذبات کو جانتا ہے اس بات کو معلوم کر سکتا ہے کہ کوئی طاقت اس (فساد) کو روک نہیں سکتی اندھ ممکن ہے کہ یہ (فساد) ایک ایسی شکل اختیار کر لے جسے ہم میں سے کوئی بھی روک نہ سکے"

اس لیڈر نے اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ مسٹر جناح نے بھی خون خرابہ کی دھمکی دی ہے۔ یہ درست ہے۔ مگر مسٹر جناح نے غلطی کی یا درست کام کیا، وہ عدم تشدّد کے قائل نہیں۔ ان پر یہ الزام نہیں لگ سکتا کہ وہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ مگر کانگرس جو عدم تشدّد کی قائل ہے اگر اس کا ایک لیڈر ایسی بات کرتا ہے تو وہ یقیناً دو باتوں میں سے ایک کو ثابت کرتا ہے۔ یا تو اس امر کو کہ کانگرس کی عدم تشدّد کی پالیسی صرف

اس لئے تھی کہ جب وہ جاری کی گئی کانگرس کمزور تھی۔ اس لئے اس پالیسی کے اعلان کے ذریعہ دُنیا پر یہ اثر ڈالنا مقصود تھا کہ ہم تو عدم تشدد کرنے والے ہیں۔ ہماری گرفتاریاں کر کے برطانیہ ظلم کر رہا ہے یا ہندوستانی گورنمنٹ کی آنکھوں میں خاک ڈالنا مقصود تھا کہ ہم تو عدم تشدد کے بڑے حامی ہیں۔ ہمیں اپنا کام کرنے دیں۔ ہم آپ کی حکومت کے لئے مشکلات پیدا نہیں کرتے یا پھر اس اعلان کے یہ معنے ہیں کہ پبلک پر اثر کا دعویٰ کرنے میں کانگرس حقیقت کے خلاف جاتی ہے کیونکہ ہر قوم میں سے کچھ لوگ اپنے لیڈروں کے خلاف ضرور جا سکتے ہیں لیکن قوم کا اتنا حصہ لیڈروں کے خلاف نہیں جا سکتا جو مُلک کے حالات کو قابُو سے باہر کر دے۔ یہ اسی وقت ہوتا ہے جبکہ لیڈر لیڈر رہی نہ ہو اور اپنے اثر اور قبضہ کا جھُوٹا دعویٰ کرتا ہو۔ کانگرس کے لیڈروں کو اس موقعہ پر بہت ہوشیاری سے کام کرنا چاہیئے ورنہ انہیں یاد رہے کہ سیاسی حالات یکساں نہیں رہتے۔ اس قسم کے بیج کبھی نہایت تلخ پھل بھی پیدا کر دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ خواہ وہ مانیں یا نہ مانیں اس دُنیا کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے اور وہ تعداد میں زیادہ، مال میں زیادہ حکومت میں طاقتور قوم کو تھوڑے اور کمزور لوگوں پر ظُلم نہیں کرنے دے گا۔ اسلام ہر حالت میں زندہ رہے گا خواہ مسلمانوں کی غلطیوں کی وجہ سے عارضی طور پر تکلیف اُٹھا لے۔

ایک اَور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جیسا کہ اُوپر لکھ چکا ہوں۔ مَیں اس بات کے حق میں ہوں کہ ہو سکے تو باہمی سمجھوتے سے ہم لوگ اسی طرح اکٹھے رہیں جس طرح کئی سَو سال سے اکٹھے چلے آتے ہیں لیکن فرض کرو مسلمان کلّی طور پر باقی ہندوستان سے انقطاع کا فیصلہ کریں اور برطانیہ انہیں مجبور کر کے باقی ہندوستان سے ملا دے اور جیسا کہ مسٹر جناح نے کہا ہے مسلمان بزور اس فیصلہ کا مقابلہ کریں تو یقیناً وہ قانوناً باغی نہیں کہلا سکتے۔ کیونکہ یہ ایک نیا انتظام ہوگا اور نئی گورنمنٹ۔ سابق گورنمنٹ کو کوئی حق نہیں کہ وہ مسلمانوں کو جو اس ملک کے اصل حاکم تھے۔ دوسروں کے ماتحت ان کی مرضی کے خلاف کر دے۔ اس حکومتی ردّ و بدل کے وقت ہر حصہ ملک کو نیا فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے اور اپنے حق کو بزور لینے کا فیصلہ کرتے وقت وہ انٹرنیشنل قانون کے مطابق ہرگز باغی نہیں کہلا سکتے۔ مگر کیا ہندوؤں کو بھی قانون کا تحفظ حاصل ہے۔ وہ کب اس شکل میں مُسلم صوبوں کے حاکم ہوئے تھے کہ انہیں دستور قدیمہ کو قائم رکھنے کا قانونی حق حاصل ہو۔ حکومتوں کے بدلنے پر سٹیٹس کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا۔ پس مسلمان خدانخواستہ اگر ایسا کرنے پر مجبور ہوں تو قانونی لحاظ سے وہ جائز کام کریں گے۔ ہندو اگر جبراً ان کو اپنے ماتحت لانا چاہیں تو قانونی لحاظ سے وہ ظالم ہوں گے۔ اگر

انگریز مسلمانوں کو ان کی مرضی کے خلاف بقیہ ہندوستان سے ملا دیں تو وہ بھی ظالم ہوں گے۔ کیونکہ مسلمان بھیڑ بکریاں نہیں کہ انگریز جس طرح چاہیں اُن سے سلوک کریں۔

پس مَیں نصیحت کرتا ہوں کہ اس مشکل کو محبت سے سلجھانے کی کوشش کی جائے۔ زور اور خود ساختہ قانون سے نہیں۔ مَیں ہندوؤں کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا دل ان کے ساتھ ہے ان معنوں میں کہ مَیں چاہتا ہوں کہ ہندو مسلمانوں میں آزادانہ سمجھوتہ ہو جائے اور یہ سوتیلے بھائی اس مُلک میں سگے بن کر رہیں۔"

مَیں اُوپر لکھ چکا ہوں کہ مَیں اس امر کے حق میں ہوں کہ جس طرح ہو ہندوستان کے متحد رکھنے کی کوشش کی جائے خواہ ہماری جُدائی اصلی جُدائی نہ ہو بلکہ جُدائی اتحاد کا پیش خیمہ ہو۔ مگر مَیں اپنے ہندو بھائیوں سے یہ بھی ضرور کہوں گا کہ غلط دلائل کسی حقیقت کو ثابت نہیں کر سکتے بلکہ بہت دفعہ حقیقت کو اور بھی مشتبہ کر دیتے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی دلیل ہے کہ پنجاب سندھ وغیرہ صوبوں کے الگ ہو جانے سے ہندوستان کا ڈیفنس کمزور ہو جائے گا۔ کینیڈا کے الگ ہو جانے سے کیا یونائیٹڈ سٹیٹس کا ڈیفنس کمزور ہو گیا ہے؟ میکسیکو کی آزادی سے کیا یونائیٹڈ سٹیٹس کا ڈیفنس کمزور ہو گیا ہے؟ ارجنٹائن کے الگ ہونے سے کیا برازیل کا ڈیفنس کمزور ہو گیا ہے؟ اگر مُسلم صُوبے الگ بھی ہو جائیں تو باقی ہندوستان کا کیا بگڑ سکتا ہے۔ اس وقت بھی ہندوستان کی آبادی رُوس سے قریباً دُگنی، یونائیٹڈ سٹیٹس سے قریباً اڑھائی گُنی، سابق جرمنی سے قریباً چار گُنی ہو گی اور مُلک کی وسعت بھی کافی ہو گی۔ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ مُسلم صُوبے الگ ہو کر ترقی نہیں کر سکیں گے۔ دوسری طرف یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے الگ ہو جانے سے ہندوستان اپنی عظمت کھو بیٹھے گا۔ اگر ہندوستان کی عظمت اسلامی صوبوں سے ہے تو اُن کے الگ ہونے پر اسلامی صوبوں کو نقصان کیونکر پہنچے گا۔ یہ تو وہی دلیل ہے جو رُوس اس وقت پولینڈ، رومانیہ، بلغاریہ، ٹرکی اور ایران کے بعض صوبوں پر قبضہ کرنے کی تائید میں دیتا ہے۔ رُوس اپنی تمام طاقت کے ساتھ تو جرمنی اور اٹلی کے حملہ سے جو تباہ شدہ مُلک ہیں نہیں بچ سکتا۔ نہ افغانستان اور جنوبی ایران جیسے زبردست مُلکوں کے حملوں سے بچ سکتا ہے۔ اس کے بچنے کی صرف یہی صورت ہے کہ پولینڈ اور رومانیہ اور بلغاریہ اس کے زیر تصرف ہو جائیں یا ٹرکی کے بعض صوبے اور ایران کا شمالی حصہ اُسے مل جائے۔ کیا یہ دلیل ہے؟ کیا ایسی ہی دلیلوں سے ہندو مسلمانوں کے دلوں میں اعتبار پیدا کر سکتے ہیں۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ اس نازک موقعہ پر اپنے اخلاق پر اپنے دعووں کی بنیاد رکھیں بھلا اس قسم کے دعووں سے کہ مُسلم لیگ مُسلم رائے کی نمائندہ نہیں کیونکہ اس کے منتخب ممبر جو کونسلوں

میں آئے اکثر بڑے زمیندار ہیں۔ کیا بنتا ہے۔ کیا عوام النّاس کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بڑے زمیندار کو اپنا نمائندہ مقرر کریں۔ اس دلیل سے تو صرف یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ پنڈت نہرو صاحب کے نزدیک جنہوں نے یہ امر پیش کیا ہے مسلمان اپنا نمائندہ چُننے کے اہل نہیں۔ اگر اُن کا یہ خیال ہے تو دیانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ یُوں کہیں کہ مُسلمان چونکہ اپنے نمائندے چُننے کے اہل نہیں اس لئے موجودہ ملکی فیصلہ میں اُن سے رائے نہیں لینی چاہئیے۔ اگر وہ ایسا کہیں تو خواہ یہ بات غلط ہو یا درست مگر منطقی ضرور ہوگی۔ مگر یہ کہنا کہ مُسلمانوں نے چونکہ اپنا نمائندہ چند بڑے زمینداروں کو چُنا ہے اس لئے وہ لوگ موجودہ سوال کو حل کرنے کے لئے مسلمانوں کے نمائندے نہیں کہلا سکتے ایک ایسی غیر منطقی بات ہے کہ پنڈت نہرو جیسے آدمی سے اس کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اگر اُن کا یہ مطلب نہیں تو انہوں نے اس امر کا ذکر اس موقعہ پر کیا کیوں تھا۔ درحقیقت ان کا یہ اعتراض ویسا ہی ہے جیسا کہ بعض مسلمان کہتے ہیں کہ مسٹر گاندھی عموماً مسٹر برلا کے مکان پر کیوں ٹھہرتے ہیں۔ یقیناً مسٹر گاندھی کو مسٹر برلا کے مکان پر ٹھہرنے کا پورا حق ہے کیونکہ وہاں اُن سے ملنے والوں کے لئے سہولتیں میسّر ہیں۔ اُن کے وہاں ٹھہرنے سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مالداروں کے قبضہ میں ہیں۔ اسی طرح مُسلم لیگ کے امیدوار اگر بڑے زمیندار ہوں اور مُسلم پبلک اُن کو منتخب کرلے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ لوگ مُسلمانوں کے نمائندے نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے لئے غلط قسم کا نمائندہ چُنتا ہے تو وہ اپنے کئے کی سزا خود بُھگتے گا۔ دوسرے کسی شخص کو اس کے نمائندہ کی نمائندگی میں شُبہ کرنے کا حق نہیں۔ یہ باتیں صرف لڑائی جھگڑے کو بڑھانے کا موجب ہوتی ہیں اور کوئی فائدہ ان سے حاصل نہیں ہوتا۔

پھر یہ بات ہے بھی تو غلط کہ مُسلم لیگ کے اکثر نمائندے بڑے زمیندار ہیں۔ پنجاب ہی کو لے لو اس میں ۷۹ ممبر اس وقت مُسلم لیگ کے نمائندے ہیں اور چھ یونینسٹ پارٹی کے جن سے کانگرس نے سمجھوتہ کیا ہے۔ یُونینسٹ پارٹی کے چھ ممبروں میں سے ملک سر خضر حیات، ملک سر اللہ بخش اور نواب مظفر علی بڑے زمیندار ہیں۔ گویا پچاس فیصدی ممبر بڑے زمیندار ہیں۔ دوسرے تین کو مَیں ذاتی طور پر نہیں جانتا۔ ممکن ہے ان میں سے بھی کوئی بڑا زمیندار ہو۔ اس کے مقابل پر مُسلم لیگ کے ۷۹ ممبروں میں سے صرف چار بڑے زمیندار ہیں یعنی نواب صاحب ممدوٹ، نواب صاحب لغاری، مسٹر ممتاز دولتانہ اور مسٹر احمد یار دولتانہ۔ دو اَور ہیں جو میرے علم میں بڑے زمیندار نہیں۔ مگر شاید انہیں بڑے زمینداروں میں شامل کیا جا سکتا ہو

وہ سر فیروز خاں اور میجر عاشق حسین ہیں۔ اگر ان کو بھی بڑے زمینداروں میں شامل کر لیا جائے تو یونینسٹ پارٹی جو کانگرس کی حلیف ہے اس کے ممبروں میں سے پچاس فیصدی بڑے زمینداروں کے مقابلہ پر لیگ کے ۷۹ میں سے چھ بڑے زمیندار صرف ساڑھے سات فیصدی ہوتے ہیں۔ اور کیا یہ نسبت اس بات کا ثبوت کہلا سکتی ہے کہ کوئی پارٹی بڑے زمینداروں کی پارٹی ہے۔ بڑے زمینداروں کا طعنہ مدت سے کانگرس کی طرف سے مسلمانوں کو دیا جاتا ہے۔ حالانکہ بڑا خواہ زمیندار ہو یا تاجر، اگر وہ بُرے معنوں میں بڑا ہے تو ہر شکل میں بُرا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے حلقہ کا نمائندہ ہے تو جب تک ملک کا قانون اس کی دولت اس کے پاس رہنے دیتا ہے اور جب تک کہ اس کا حلقہ اس کا انتخاب کرتا ہے وہ نمائندگی میں کسی دوسرے سے کم نہیں۔ پنجاب میں گورنمنٹ رپورٹ کے مطابق صرف تیرہ زمیندار ایسے ہیں جو آٹھ ہزار سے زیادہ ریونیو دیتے ہیں (یعنی جن کی آمد رائج الوقت مالگذاری کے اصول کے مطابق سولہ ہزار سالانہ سے زائد ہے۔ اس سے کم آمد ہرگز کسی کو بڑا زمیندار نہیں بنا سکتی۔ بلکہ یہ آمد بھی بڑی نہیں کہلا سکتی۔ اتنی آمد تو معمولی معمولی دوکانداروں کی بھی ہوتی ہے گو وہ ٹیکس سے بچنے کے لئے ظاہر کریں یا نہ کریں۔ زمیندار کا صرف یہی قصور ہے کہ وہ اپنی حیثیت ظاہر کرنے پر مجبور ہے) اُن میں غالباً کچھ غیر مُسلم بھی ہوں گے۔ اگر سب مسلمان ہی ہوں تو بھی یہ کوئی بڑی تعداد نہیں۔ اور جب یہ دیکھا جائے کہ یہ لوگ جس قدر ریونیو ادا کرتے ہیں وہ پنجاب کے کُل ریونیو کے سویں حصہ سے بھی کم ہے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ پنجاب کی اکثر زمین چھوٹے زمینداروں کے پاس ہے بڑے زمینداروں کے پاس نہیں ہے۔ بڑا زمیندار صرف یو۔ پی اور بنگال میں ہے۔ لیکن وہاں کے بڑے زمینداروں میں اکثریت ہندوؤں کی ہے جن میں سے اکثر کانگرس کی تائید میں ہیں۔ مگر اس کے بھی یہ معنے نہیں کہ ہندو اکثریت کانگرس کے ساتھ نہیں اور زمینداروں کے ساتھ شامل ہوتے ہوئے بھی کانگرس کی نمائندگی پر کوئی حرف نہیں آتا۔

ایک نصیحت مَیں کانگرس کو خصوصاً اور عام ہندوؤں کو عموماً یہ کرنا چاہتا ہوں کہ تبلیغ مذہب اور تبدیلیٔ مذہب کے متعلق وہ اپنا رویہ بدل لیں۔ مذہب کے معاملہ میں دست اندازی کبھی نیک نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔ وہ مذہب کو سیاست میں بدل کر کبھی چین نہیں پا سکتے۔ تبلیغ مذہب اور مذہب بدلنے کی آزادی انہیں ہندوستان کے اساس میں شامل کرنی چاہیئے اور اس طرح اس تنگ ظرفی کا خاتمہ کر دینا چاہیئے جو اُن کی سیاست پر ایک داغ ہے اور اس تنگی کو کوئی آزاد شخص بھی برداشت نہیں کر سکتا جب تک

مُلک کی ذہنیت غلامانہ ہے ایسی باتیں چل جائیں گی۔ لیکن جب حریت کی ہوا لوگوں کو لگی ایسے غلط نظریوں کے خلاف نفرت کے جذبات بھڑک اُٹھیں گے۔ تبدیلی تو ہو کر رہے گی۔ لیکن جو لوگ اس تنگ ظرفی کے ذمہ دار ہوں گے وہ ہمیشہ کے لئے اپنی اولادوں کی نظروں میں ذلیل ہو جائیں گے۔ وہ فطرت کے اس تقاضا کو اس حقیقت سے سمجھ بھی سکتے ہیں کہ بادشاہ اورنگ زیب کو سب سے زیادہ بدنام کرنے والا وہ غلط الزام ہے کہ اس نے مذہب میں دست اندازی کی۔ ان کا یہ خیال کہ ہم دوسرے کا مذہب بدلوانے پہ زور نہیں دیتے ایک غلط خیال ہوگا۔ کیونکہ بُدھ، کرشن، عیسیٰ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وقت کے لوگ بھی دُوسرے کا مذہب نہیں بدلواتے تھے۔ اُن کو تبلیغ سے اور اپنے ہم مذہبوں کو مذہب تبدیل کرنے سے روکتے تھے اور تبلیغ کرنے والوں، مذہب تبدیل کرنے والوں کو سزائیں دیتے تھے۔ اگر ایسا ہی ارادہ آپ لوگوں نے کیا تو اسی لعنت کے آپ حصہ دار ہوں گے جس لعنت کا بوجھ ان پہلوں پر پڑ چکا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ وقت ایسا نہیں کہ غلط اور سُنی سُنائی باتوں کو لے کر پبلک میں ہیجان پیدا کیا جائے یا پارلیمنٹری مشن پر اثر ڈالنے کی کوشش کی جائے۔ کوئی خدا کو مانے یا نہ مانے مگر فطرت صحیحہ کی مخالفت کبھی اچھا نتیجہ پیدا نہیں کرتی۔ یہ وقت سنجیدگی سے اس امر پہ غور کرنے کا ہے کہ کس طرح ہمارا مُلک آزاد ہو سکتا ہے۔ اور کس طرح ہر قوم خوش رہ سکتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ہم صرف قید خانہ بدلنے والے ہوں گے۔

مَیں نے اس مخلصانہ مشورہ میں صرف اشارات سے کام لیا ہے۔ اگر مجھے مزید وضاحت کی ضرورت ہوئی تو ملامت کرنے والوں کی ملامت سے بے پرواہ ہو کر مَیں انشاء اللہ اپنا مخلصانہ مشورہ مشن یا پبلک کے اس حصہ کے آگے پیش کروں گا جو سُننے کے لئے کان اور سوچنے کے لئے دماغ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ پارلیمنٹری وفد کو بھی اور ہندو، مُسلمان اور دوسری اقوام کے نمائندوں کو بھی صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

خاکسار مرزا محمود احمد

امام جماعت احمدیہ قادیان

۴۶-۴-۱۵ [1]

عارضی حکومت کے قیام کا اعلان

پارلیمنٹری مشن اور مُسلم لیگی اور کانگرسی لیڈروں کی باہمی بحث و تمحیص اور گفت و شنید تقریباً دو ماہ تک جاری رہی مگر اب بھی کوئی

[1] "الفضل" ۱۶ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ تا ۷

مفاہمت نہ ہو سکی۔ جس پر پارلیمنٹری مشن نے وائسرائے سے مشورہ کے بعد ۱۶ر جون ۱۹۴۶ء کو ملک میں عارضی حکومت سے متعلق مندرجۂ ذیل اعلان شائع کیا :-

۱۔ "کچھ عرصہ سے ہز ایکسیلنسی وائسرائے وزارتی مشن کے ارکان کے مشورہ سے ایک ایسی حکومت مشترکہ کی تشکیل کے امکانات تلاش کر رہے تھے جو بڑی جماعتوں اور بعض اقلیتوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔ ایسی حکومت کی تشکیل میں دونوں بڑی جماعتوں کے باہمی سمجھوتہ میں جو دشواریاں تھیں وہ گفت و شنید میں ظاہر ہوئیں۔

(۲) وائسرائے اور وزارتی مشن کو ان دشواریوں اور دقتوں کا احساس ہے اور ان کوششوں کا بھی اندازہ ہے جو دونوں جماعتوں نے ان کو حل کرنے کے واسطے کیں۔ وائسرائے اور مشن کا خیال ہے کہ اس بحث اور گفت و شنید کو طوالت دینے سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ ایک قومی اور نمائندہ عارضی حکومت بنا دی جائے تاکہ نہایت ضروری اور اہم کام کئے جا سکیں۔

(۳) وائسرائے اس مقصد کے لئے حسب ذیل حضرات کے نام دعوت نامے جاری کر رہے ہیں کہ وہ عارضی حکومت کے ارکان کی حیثیت سے کام کریں اور ۱۶ر مئی ۱۹۴۶ء کے بیان کے مطابق آئین سازی کا کام شروع کر دیں۔

(۱) سردار بلدیو سنگھ (۲) سر این۔ پی انجنیئر (۳) مسٹر جگجیون رام (۴) پنڈت نہرو (۵) مسٹر محمد علی جناح (۶) نواب زادہ لیاقت علیخاں (۷) مسٹر ایچ۔ کے مہتاب (۸) ڈاکٹر جان متھائی (۹) نواب محمد اسمٰعیل خاں (۱۰) خواجہ سر ناظم الدین، (۱۱) سردار عبدالرب خاں نشتر (۱۲) مسٹر سی راجگوپال اچاریہ (۱۳) ڈاکٹر راجندر پرشاد (۱۴) سردار ولبھ بھائی پٹیل

اگر ان لوگوں میں سے کوئی شخص ذاتی وجوہ کی بناء پر اس دعوت کو قبول نہ کر سکیں تو وائسرائے مشورہ کے بعد ان کی جگہ کسی دوسرے شخص کو مدعو کریں گے۔

(۴) وائسرائے شعبوں کی تقسیم دونوں بڑی جماعتوں کے مشورہ سے کریں گے۔

(۵) عارضی حکومت کی تشکیل کو کسی فرقہ دارانہ سوال کا حل نہ تصور کیا جائے۔ اس کا مقصد

صرف موجودہ دشواری کو فوری حل کرنا اور بہترین مشترکہ حکومت بنانا ہے۔

(۶) وائسرائے اور وزارتی مشن کو یقین ہے کہ ہندوستان کے تمام فرقے اس مسئلہ کو جلد از جلد طے کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ دستور سازی کا کام شروع ہو جائے اور درمیانی عرصہ میں ہندوستان کی حکومت کا نظام حتی الامکان بہترین طریقہ سے چلتا رہے۔

(۷) اس لئے انہیں امید ہے کہ تمام جماعتیں خصوصاً دونوں بڑی جماعتیں موجودہ جمود کو دور کرنے کے خیال سے ان تجاویز کو قبول کریں گی اور عارضی حکومت کو کامیابی کے ساتھ چلانے میں مدد کریں گی۔ اگر ان تجاویز کو قبول کر لیا گیا تو وائسرائے ۲۶ جون تک عارضی حکومت کا افتتاح کرنے کی کوشش کریں گے۔

(۸) اس صورت میں کہ دونوں بڑی جماعتیں یا ان میں سے کوئی مندرجہ بالا سطور پر مشترکہ حکومت کی تشکیل میں تعاون اور اشتراک کے لئے تیار نہ ہوں تو وائسرائے کا ارادہ ہے کہ ان لوگوں کے اشتراک سے جو ۱۶ مئی کا بیان قبول کرنے کے لئے تیار ہوں ایک عارضی حکومت بنائی جائیگی اور حتی الامکان اس میں نمائندگی کا لحاظ رکھا جائے گا۔

(۹) وائسرائے صوبوں کے گورنروں کو بھی ہدایتیں جاری کر رہے ہیں کہ صوبائی مجالس آئین ساز کے خاص اجلاس بلائے جائیں تاکہ ۱۶ مئی کے بیان کے مطابق دستور ساز جماعت کے لئے ضروری انتخابات جاری کر دیئے جائیں" [1]

مسلم لیگ اور کانگرس کا ردِ عمل

مسلم لیگ کونسل قبل ازیں ۶ جون ۱۹۴۶ء کو فیصلہ کر چکی تھی کہ "مسلم لیگ معاملہ کے خطرناک سوالات کو سامنے رکھتے ہوئے اور اگر ممکن ہو تو ہندوستانی دستوری مسئلہ کے پُرامن حل کی خواہش سے متاثر ہو کر وزارتی مشن کی مجوزہ اسکیم سے اشتراک عمل پر تیار ہے کیونکہ مشن کے پلان میں چھ مسلم صوبوں کے سیکشن (ب) اور (ج) میں درج لازمی جتھہ بندی پاکستان کی بنیاد کے طور پر موجود ہے" [2]

مسلم لیگ کے برعکس ۱۴ جون ۱۹۴۶ء کو صدر کانگرس نے وائسرائے کے نام ایک مکتوب میں یہ لکھا کہ

[1] "قائد اعظم اور دستور ساز اسمبلی" مصنفہ محمد اشرف خان عطا، صفحہ ۲۳۶ تا ۲۳۹۔

[2] "قائد اعظم اور ان کا عہد" صفحہ ۷۳۱۔

کانگرس اگرچہ کابینہ وفد کی سفارشات کو قبول کرتی ہے لیکن وہ صرف دستور ساز اسمبلی میں شریک ہوگی۔ عبوری حکومت میں شریک نہیں ہوگی۔ کیونکہ نہ وہ مرکزی کابینہ میں ہندو مسلم مساوات تسلیم کر سکتی ہے نہ آسام اور بنگال کے یورپینوں کا حق رائے دہی مجلس دستور ساز اسمبلی میں قبول کر سکتی ہے۔ نیز مطالبہ کیا کہ دستور ساز اسمبلی کو شاہی اختیارات منتقل کر دیئے جائیں اور صوبوں کی جبری زمرہ بندی بھی اُڑا دی جائے۔[1]

اب جو وزارتی مشن کا اعلان ہوا۔ اور وائسرائے نے مسلم لیگ اور کانگرس کو عبوری حکومت میں شرکت کی دعوت دی تو مسلم لیگ نے اپنی قرارداد کی روشنی میں عبوری حکومت میں شمولیت منظور کر لی مگر کانگرس نے یہ دعوت ردّ کر دی۔ اس صورت میں وائسرائے ہند کو اپنے اعلان اور جمہوری اصولوں کے مطابق عبوری حکومت کی زمامِ اقتدار مسلم لیگ کو سونپ دینی چاہیئے تھی۔ چنانچہ اس مرحلہ پر حضرت مصلح موعود نے بھی اپنے ایک بیان میں فرمایا کہ

"کانگرس نے گو مستقل انتظام کے متعلق وزارتی مشن کی سکیم منظور کر لی ہے لیکن عارضی گورنمنٹ کے متعلق تجویز مسترد کر دی ہے۔ مشن نے اعلان کیا تھا کہ اگر عارضی حکومت کے متعلق کسی پارٹی نے ہماری تجاویز منظور نہ کیں تو پھر ہم حکومت قائم کر دیں گے۔ اس اعلان کے مطابق اب اس کا فرض ہے کہ وہ کانگرس کو چھوڑ کر باقی پارٹیوں کے تعاون کے ساتھ عارضی حکومت قائم کر دے"[2]

حضور نے کانگرسی رویہ پر تنقید کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا:۔

"مسلم لیگ نے اپنے بعض مطالبات چھوڑ دیئے ہیں اور یہ قابلِ تعریف بات ہے۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ کانگرس نے سمجھوتے کی خاطر کونسا مطالبہ چھوڑا ہے . . . . اس نے اس موقعہ پر جو رویّہ دکھایا ہے وہ یقیناً عقل اور سیاست کے اصول کے خلاف ہے"[3]

الغرض کانگرس کا رویّہ کسی طرح درست نہ تھا اور اس کے عارضی حکومت کی پیشکش کو ردّ کر دینے کے بعد وائسرائے ہند لارڈ ویول کو اپنے اعلان کے مطابق مسلم لیگ کو عارضی حکومت کی دعوت دینی چاہیئے تھی مگر انہوں نے نقضِ عہد کر کے دعوت واپس لے لی جس پر مسلم لیگ کونسل نے اپنے اجلاس بمبئی میں بطور احتجاج اپنی پہلی قرارداد رضامندی بھی منسوخ کر دی۔

---

[1] "قائداعظم اور ان کا عہد" صفحہ ۷۳۵ ۔

[2] و [3] "الفضل" ۲۸ احسان / جون ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ کالم ۴ ۔

عبوری حکومت کا قیام

اب (جیسا کہ چودھری سردار محمد خاں نے اپنی کتاب "حیاتِ قائدِ اعظم" میں بالصراحت لکھا ہے) بساطِ سیاست کا نقشہ بالکل دگرگوں تھا۔ لیگ کے فیصلہ نے کانگرس کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا اور عبوری حکومت کی تشکیل میں وہ شرکت کی مستحق نہ رہی تھی۔ ان حالات میں جہاں تک آئینی نقطہ نظر کا تعلق تھا کانگریس ہی ایک ایسی پارٹی تھی جو وزارتی مشن کی پیش کردہ شرائط کے قریب پہنچ کر عارضی حکومت کی تشکیل کی دعویدار بن سکتی تھی۔ وائسرائے ہند نے جو اسی موقعہ کی تاک میں تھے کانگرس سے گٹھ جوڑ کر کے بالآخر صدر آل انڈیا کانگریس (پنڈت جواہر لال نہرو) کو عبوری حکومت کی تشکیل کی دعوت دے دی جو پنڈت جی نے فوراً قبول کر لی اور اعلان پر اعلان کرنا شروع کر دیا کہ جو ہمارے ساتھ شرکت نہ کرنا چاہے اُسے ہم مجبور نہیں کر سکتے۔ اس کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ہم اپنا کام جاری رکھیں گے۔ ہم برابر بڑھتے رہیں گے۔ ہم دستور سازی کا کام شروع کریں گے۔ ہم عبوری حکومت کو کامیابی سے تنہا چلا لیں گے۔ اور پھر انہوں نے ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء کو عبوری حکومت کا چارج بھی لے لیا۔[۱]

عبوری حکومت کی تشکیل سے کانگرس کی دلی آرزو بر آئی تھی مگر مُسلمانوں کے لئے اس کا وجود مسلمانوں کے قومی جسم میں خنجر بھونکنے کے مترادف تھا۔ ان کے ساتھ بدعہدی کی گئی، فریب کیا گیا۔ اور انہیں یکسر نظرانداز کر کے ہندو اکثریت کو اقتدار کی باگ ڈور سپرد کر دی گئی تھی۔ چنانچہ قائدِ اعظم نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ

> "آج کانگریس خوش ہے کہ اس کی دلی مُراد پوری ہو گئی اور مُسلم لیگ کو نظرانداز کرانے میں کامیاب ہو گئی۔ اگر برطانوی حکومت کانگریس کی نخوت و خود نمائی کو محرک کر کے خوش ہے اور اس سے سودا بازی کی متمنی ہے تو ہم بھی . . . . مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں"[۲]

مُسلمانانِ ہند کا مُلک گیر احتجاج

مسلمانانِ ہند نے مُسلم لیگ کے فیصلہ کے مطابق پورے مُلک میں حکومت کی بدعہدی کے خلاف دو بار منظم احتجاج کیا۔ ۱۶ اگست کو یوم راست اقدام منایا اور یکم ستمبر کو (یعنی عبوری حکومت کے قیام سے ایک روز قبل) "یوم سیاہ" منایا اور ساتھ ہی دفعتاً پہلے کلکتہ میں اور پھر بمبئی میں ہولناک فسادات پھوٹ پڑے۔

---

[۱] "حیاتِ قائدِ اعظم" صفحہ ۶۴۸-۶۴۹ (از چودھری سردار محمد خاں صاحب بی-اے۔ ناشر پبلشرز یونائیٹڈ انارکلی لاہور)

[۲] " " صفحہ ۶۵۰ ؛

راست اقدام کا فیصلہ اور حضرت مصلح موعود کی ہدایت عام مسلمانوں کو

مُسلم لیگ نے احتجاجی مظاہروں کے علاوہ حکومت کے خلاف ڈائریکٹ ایکشن کا بھی فیصلہ کر لیا تھا۔ سیدنا حضرت مصلح موعود نے اس موقعہ پر قومی مفاد کے پیش نظر یہ ہدایت فرمائی کہ اس بارہ میں قیاس آرائیوں سے قطعی اجتناب کیا جائے ورنہ مُسلم لیگ کی سکیم کو فیل کرنے کی تدابیر سوچی جائیں گی۔ چنانچہ حضور نے فرمایا :-

"لیگ کے ڈائریکٹ ایکشن کی کیا صورت ہو گی؟ اس کے متعلق لیگ کے فیصلہ سے قبل قیاس آرائی کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر قبل از وقت ڈائریکٹ ایکشن پر بحث شروع کر دی جائے کہ اس طرح ہونا چاہیئے اور اس طرح نہیں ہونا چاہیئے تو اس سے فریق مخالف فائدہ اُٹھائے گا اور سکیم کو ناکام کرنے کی تدابیر سوچ لے گا۔ اُسے معلوم ہو جائے گا کہ مدمقابل کے کون کون سے پہلو کمزور ہیں۔ اس کے برعکس اگر اس موقعہ پر خاموشی اختیار کی جائے اور ذمہ دار لوگوں کو موقع دیا جائے کہ وہ تمام نشیب و فراز کو سمجھ کر مناسب فیصلہ کریں تو اس سے فریق مخالف ہر وقت ڈرتا رہے گا کہ نہ جانے لیگ نے کیا قدم اُٹھانا ہے۔ پس اس موقعہ پر ڈائریکٹ ایکشن کی تفصیل پر علی الاعلان بحث کرنا لیگ سے خیرخواہی نہیں بلکہ دشمنی ہے اور اس کے ہاتھ کو کمزور کرنے کے مترادف ہے۔ ہاں اگر کوئی مفید تجویز ذہن میں ہو تو ذمہ دار لیڈروں سے اپنے طور پر بیان کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن علی الاعلان بحث کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے" [۱]

حضرت مصلح موعود کی ہدایت پر صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز کی جناب حمید نظامی سے اہم ملاقات

انہی ایام کا واقعہ ہے کہ حضرت مصلح موعود نے صوفی عبدالقدیر صاحب (سابق مبلغ جاپان، ایڈیٹر رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" کو ارشاد فرمایا کہ لاہور جا کر مکرم حمید نظامی صاحب ایڈیٹر" نوائے وقت" سے فوری طور پر ملاقات کریں اور اس کے بعد دہلی روانہ ہو جائیں۔ اس ملاقات کی غرض و غایت کیا تھی، اس کی تفصیل محترم صوفی صاحب کی اپنی ایک غیر مطبوعہ انگریزی یادداشت میں ملتی ہے جس کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں :-

"لاہور میں جس خاص امر کے متعلق میں نے جناب حمید نظامی صاحب سے ملاقات کرنی تھی۔

---

[۱] "الفضل" ۱۹ ستمبر / تبوک ۱۳۲۵ ہش ۱۹۴۶ء

وہ یہ تھا کہ پشاور سے اسلحہ اور گولہ بارود خفیہ طور پر ایک ہندو سیاسی لیڈر کی کار میں لاہور اور امرتسر میں لایا جا رہا تھا۔ . . . میرے ذمہ یہ فرض تفویض کیا گیا تھا کہ مَیں مکرم نظامی صاحب کو بعض ایسی تجاویز اور مشورے پیش کروں جن سے اس قسم کے سامان کی آمد پہ پابندی عائد ہو سکے اور اس کی روک تھام ہو سکے۔ ایک غرض یہ بھی تھی کہ لاہور میں مُسلم لیگ کے ذمہ دار حلقوں کو اس عظیم خطرہ کا بروقت احساس ہو سکے جو سر پہ منڈلا رہا تھا تاکہ اس سے محفوظ رہنے کے لئے جو بھی تیاری ممکن ہو وہ وقت پہ کرلی جائے بلکہ مُسلم لیگ ہائی کمان کو بھی اس سے باخبر اور آگاہ کر دیا جائے تاکہ وہ بھی ضروری اقدامات کر سکیں۔ کیونکہ یہ مہیب خطرہ اتنا قریب آچکا تھا کہ خود مسلم لیگی ہائی کمان کے بعض ممبروں کو بھی اس کی شدت کا پوری طرح احساس نہیں تھا۔

محترم نظامی صاحب سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ سوال و جواب کے چند ابتدائی مرحلوں ہی میں انہوں نے بھانپ لیا کہ مَیں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ حقیقت اور سچائی پر مبنی ہے۔ چنانچہ گفتگو اور ملاقات کے دوران اُن کا رویہ ہمدردی اور شفقت سے بھرپور رہا۔ ہم نے جی کھول کر اُن حالات کا تفصیلی جائزہ لیا کہ جن کے تحت انگریزی حکومت، ہندوستان کا انتظام اور اس کا اقتدار ہندوستان کی مرکزی حکومت کو سونپنے والی تھی۔ اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی زیرِ غور آیا کہ کیا کوئی ایسی صورت بھی ممکن ہے جس سے مُسلم لیگ اور ملک خضر حیات خاں صاحب (یونینسٹ) کی حکومت کے درمیان کوئی مفاہمت پیدا ہو سکے۔ خود نظامی صاحب بھی اس قسم کی مفاہمت کو پسند کرتے تھے۔ مگر انہیں اس کی کوئی امید نظر نہیں آتی تھی۔ تاہم میرا مقصد اس بارے میں کوئی آخری سمجھوتہ کرانا نہیں تھا بلکہ اُن کے ذہن میں صرف یہ خیال پیدا کرنا تھا کہ وہ اس بارے میں مزید غور کریں اور جس حد تک ممکن ہو اس کو عملی جامہ پہنائیں۔ مَیں لاہور میں اپنے قیام کو طول دینا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اُن سے ملاقات کے بعد مَیں دہلی روانہ ہو گیا۔"

حضرت مُصلح موعود کے قیمتی مشورے راست اقدام کمیٹی کے ارکان کو

مُسلم لیگ کی راست اقدام کمیٹی کا اجلاس دہلی میں ہونے والا تھا۔ حضرت مصلح موعود کا منشار مبارک صُوفی عبدالقدیر صاحب نیاز کو دہلی بھجوانے کا یہ بھی تھا کہ وہ اجلاس سے پہلے پہلے کمیٹی کے تمام ممبران سے فرداً فرداً ملاقاتیں کر کے انہیں خاص طور پر مندرجہ ذیل امور کے متعلق آگاہ کر دیں۔

۱۔ اگر راست اقدام شروع کیا گیا اور خدانخواستہ اس کا مقصد پورا نہ ہوا یا اس کی عملی شکل میں نقائص رہ گئے تو اس کا اثر مسلم لیگ پر انتہائی بُرا ہوگا اور اس کی ساکھ اور عزت و تکریم کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچیگا۔ لہذا راست اقدام کے پروگرام کی ہر شق کو انتہائی احتیاط سے ترتیب دینا ضروری ہے۔

۲۔ ہمیں فریق مخالف کی قوت کے متعلق کوئی غلط اندازہ نہیں لگانا چاہیئے اور نہ اپنی صلاحیتوں کے متعلق کوئی مبالغہ آمیز رائے قائم کرنی چاہیئے۔

۳۔ کوئی بھی کام عجلت میں نہیں ہونا چاہیئے اور ان طاقتوں کا صحیح اور مکمل اندازہ ہونا چاہیئے جو راست اقدام کے شروع ہوتے ہی مسلمانوں کے خلاف حرکت میں آجائیں گی۔

۴۔ جب راست اقدام کا فیصلہ کر لیا جائے تو پھر پوری کوشش اور انتہائی سرگرمی اور استقلال کے ساتھ اس کے پروگرام پر پورا پورا عمل ہونا چاہیئے تاکہ اس کی کامیابی یقینی ہو جائے اور ایک اندھا بھی اس کو دیکھ لے کہ جو کچھ کہا گیا تھا اس پر پوری طرح عمل کیا گیا ہے۔

۵۔ راست اقدام کے پروگرام میں کسی قسم کے تذبذب یا شش و پنج کی کیفیت نہیں ہونی چاہیئے۔ ارادہ اٹل ہو۔ عزم پختہ ہو اور تخت یا تختہ والا معاملہ ہو۔

جناب صوفی عبدالقدیر صاحب کا بیان ہے کہ مَیں نے دہلی میں جناب نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب سے ملاقات کی۔ ان کے حسن تدبیر، لیاقت اور معاملہ فہمی کا میرے دل پر خاص اثر ہوا۔ مَیں نے محسوس کیا کہ جو اہم امور مَیں اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر گوش گذار کرنا چاہتا تھا انہیں اُن کی اہمیت کا پہلے ہی کافی احساس ہے اور مجھے یہ معلوم کر کے اَور بھی مسرت ہوئی کہ محترم نواب صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود امام جماعت احمدیہ کی ان کوششوں کو بہ نظر استحسان دیکھتے تھے جو حضور مسلمانوں کی قومی مشکلات کو دُور کرنے کے لئے شب و روز کر رہے تھے۔ ان تمام باتوں نے میرے دل میں یہ احساس پیدا کیا کہ محترم جناب لیاقت علیخاں ایک زیرک انتہائی سمجھ دار اور نہایت ہی متوازن دل و دماغ کے آدمی ہیں جو وقت اور حالات کے تقاضوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ راست اقدام کے جن دوسرے ممبروں سے میری ملاقات ہوئی اُن میں محترم خواجہ ناظم الدین صاحب، سردار عبدالرب صاحب نشتر اور نواب اسماعیل خاں صاحب میرٹھی مجھے خوب یاد ہیں۔[1]

---

[1] یہ واقعہ جناب صوفی عبدالقدیر صاحب کی اہم یادداشت سے ماخوذ ہے۔ اصل یادداشت انگریزی میں ہے۔

فصل پنجم

حضرت مُصلح موعُود کا سفر دھلی اور مُسلم لیگ کو عبُوری حکومت میں شامل کرانے کی کامیاب کوشش

اور

وزیراعظم اٹیلی کی طرف سے ۲۰؍ فروری ۱۹۴۷ء کو مکمل آزادی کا واضح اعلان

مُلکی فضا روز بروز پہلے سے زیادہ مکدر ہو رہی تھی اور کلکتہ اور بمبئی کے فسادات کے اثرات مُلک کے گوشہ گوشہ میں پھیلتے جا رہے تھے اور دُور رس نگاہ رکھنے والے مدبّر دیکھ رہے تھے کہ یہ آگ بڑھتے بڑھتے سارے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور اس کی زد سے کوئی شہر، کوئی قریہ اور کوئی گاؤں محفوظ نہیں رہے گا۔ اس ماحول میں مُسلمانوں کی ہستی سب سے زیادہ خطرہ میں تھی کیونکہ اقتدار پر کانگرس کا قبضہ ہو چکا تھا۔ مُسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ بظاہر شکست میں بدلتی نظر آ رہی تھی اور مُسلم لیگ کے لئے آبرو مندانہ طور پر عبوری حکومت میں داخلہ کے راستے مسدود ہو گئے تھے۔ سید رئیس احمد جعفری کے بقول مُسلم لیگ نے اگرچہ حالات سے مجبور ہو کر جنگ کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن وہ صلح پر اب بھی تیار تھی۔ قائداعظم نے ایک بیان میں فرمایا کہ ہم نے اگرچہ مجبور ہو کر جنگ کا فیصلہ کر لیا ہے لیکن ہم صلح پر اب بھی تیار ہیں۔ کانگرس یا حکومت کی طرف سے پہل اور پیش قدمی ہونی چاہیئے۔ اگر ہمارا جائز اور معقول مطالبہ مان لیا گیا تو ہم بلا تامل جنگ کے خیال سے دستبردار ہو جائیں گے اور صلح کر لیں گے۔ مگر صلح کی تحریک کسی طرف سے نہیں ہوئی بلکہ مُسلم لیگ کے اعلان جنگ کا مذاق اُڑایا گیا اور اعلان کیا گیا کہ یہ محض گیدڑ بھبکی ہے۔ حکومت سے ٹکر لینا آسان نہیں۔ یہ عیش و عشرت کے خوگر لوگ جنگ نہیں لڑ سکتے۔ اور اگر لڑیں گے تو ہار جائیں گے۔ اس لئے کہ حکومت بھی ان کے مقابلہ کیلئے چوکس ہے اور وہ ڈٹ کر ان نئے سرکشوں اور باغیوں کا مقابلہ کرے گی۔[1]

مایُوسی اور نا امیدی کے اس تاریک ترین ماحول میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا المصلح الموعود کو خبر دی کہ اس

---

[1] "قائداعظم اور اُن کا عہد" صفحہ ۴۳۹-۴۴۰ء

مشکل کا حل خدا نے آپ کے ساتھ بھی وابستہ کیا ہے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود ۲۲ ستمبر ۱۹۴۶ء[۱] کی شب کو ملتِ اسلامیہ کی بے بسی کو دیکھتے اور خدا کے حضور دعائیں اور التجائیں کرتے ہوئے قادیان سے دلی تشریف لے گئے۔ اور تین ہفتوں تک دلی میں قیام فرمایا۔ اس سفر میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب، حضرت خان صاحب مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب، چوہدری اسد اللہ خاں صاحب اور چوہدری مظفر الدین صاحب بھی حضور کے ہمراہ تھے۔ علاوہ ازیں صوفی عبدالقدیر صاحب بی۔ اے پہلے ہی دہلی میں سرگرم عمل تھے اور اس سلسلہ میں علیگڈھ جا کر نواب صاحب چھتاری سے ملاقات بھی کر چکے تھے۔

حضرت مصلح موعود نے دہلی پہنچتے ہی ملک کے مشہور سیاسی لیڈروں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چنانچہ ۲۴ ستمبر کو قائد اعظم محمد علی جناح سے اور ۲۷ ستمبر کو مسٹر گاندھی سے ملاقات کی اور ملک کی سیاسی صورتِ حالات کے متعلق گفتگو فرمائی۔[۲] قائد اعظم سے ملاقات کا وقت حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے اور صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز نے طے کیا۔ یہ ملاقات نہایت مخلصانہ اور دوستانہ ماحول میں اور پُرتپاک طریق پر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہی۔[۳] جس کی خبر اورینٹ پریس کی طرف سے اخبارات میں بھی شائع ہوئی۔ ۳ اکتوبر کو آپ نے مولانا ابوالکلام صاحب آزاد سے تبادلہ خیالات فرمایا۔[۴] ازاں بعد حضور کی ملاقات نواب صاحب بھوپال چانسلر چیمبر آف پرنسز سے ہوئی[۵] جنہوں نے قیام دہلی کے دوران مسلم لیگ اور کانگرس سے رابطہ قائم کرنے اور اس کے لیڈروں کے درمیان مفاہمت کرانے میں حضور کی بالواسطہ نمائندگی اور سفارت کا حق ادا کر دیا۔ انہی دنوں ایک دعوت کے موقعہ پر خواجہ ناظم الدین آف بنگال اور سردار عبدالرب صاحب نشتر آف سرحد سے بھی حضور کی گفتگو ہوئی۔ ان ملاقاتوں کے بعد حضور نے مولانا ابوالکلام آزاد سے دوبارہ ملاقات کرنے کے علاوہ سر فیروز خاں نون سابق ڈیفنس ممبر گورنمنٹ آف انڈیا اور نواب سر احمد سعید خاں چھتاری سابق گورنر یو۔ پی[۶] سے اور ۱۰ اکتوبر کو پنڈت جواہر لال نہرو سے بھی گفت و شنید کی۔[۷] پریس کے نمائندوں میں سے چیف رپورٹر اخبار "ڈان"، ڈائریکٹر اورینٹ پریس اور سری کرشن صاحب نمائندہ "اندرا پترا" بھی حضور سے ملے۔ بعض

---

[۱] "الفضل" ۲۳ تبوک/ستمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء   [۲] "الفضل" ۳۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔

[۳] یادداشت صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز کے مطابق۔   [۴] " ۳ اخاء/اکتوبر " صفحہ ۲۔

[۵] "الفضل" ۵ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔

[۶] " " ۱۱-۱۴ " " ۔   [۷] "الفضل" ۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔

سیاسی لیڈروں سے ملاقات کے لئے حضور نے اپنے خصوصی نمائندے بھی بھجوائے چنانچہ حضور کی طرف سے چوہدری اسد اللہ خاں صاحب اور صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔ اے نے جناب نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب، سر سلطان احمد صاحب، نواب چھتاری صاحب اور سر فیروز خاں صاحب نون سے ملاقات کی۔ اسی طرح صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز نے امریکن اور انگریزی پریس کے نمائندوں میں سے کرنل برٹر (نمائندہ "لنڈن ٹائمز") ریلیف ازرڈ (نمائندہ "ڈیلی میل") اور "کرسچن سائنس مانیٹر" کی ایک نامہ نگار خاتون سے ملاقات کر کے اُن پر مسلمانانِ ہند کا نقطہ نظر واضح کیا۔[1]

اس موقعہ پر حضرت سیدنا المصلح الموعود کی اگرچہ وائسرائے ہند لارڈ ویول سے بالمشافہ گفتگو نہیں ہوئی مگر حضور نے خط و کتابت کے ذریعہ سے اُن کے ساتھ مضبوط رابطہ قائم کر لیا۔ چنانچہ حضور نے ۵ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو پہلی چٹھی اُن کے نام یہ بھجوائی کہ گو جماعت احمدیہ ایک تبلیغی جماعت ہونے کی وجہ سے من حیث الجماعت لیگ میں شامل نہیں مگر موجودہ سیاسی بحران میں اس کی اصولی ہمدردی تمام تر مُسلم لیگ کے ساتھ ہے۔ دوسری چٹھی میں وائسرائے ہند پر واضح فرمایا کہ اگر خدانخواستہ موجودہ گفت و شنید ناکام ہوتی نظر آئے تو مایوس ہو کر اُسے ناکام قرار دینے کی بجائے التواء کی صورت قرار دی جائے تا اس عرصہ میں مُسلم لیگی اور کانگرسی لیڈر بھی مزید غور کر سکیں اور پبلک خصوصاً آزاد پبلک کو بھی اپنا اثر ڈالنے کا موقع مل سکے۔ مگر اس صورت میں ضروری ہوگا کہ جس نکتہ پر ناکامی ہو رہی ہو اسے پبلک کے علم کے لئے ظاہر کیا جائے۔ اس مضمون کی وضاحت کے لئے حضرت کی طرف سے مولانا عبدالرحیم صاحب درد نے وائسرائے ہند کے پرائیویٹ سیکرٹری سے بھی ملاقات کی۔[2]

حضور نے وائسرائے ہند کے نام تیسری چٹھی اس مرحلہ پر لکھی جبکہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۶ء کی شام کو لیگ اور کانگرس کی گفت و شنید بہت نازک صورت اختیار کر گئی اور مفاہمت کی کوشش کے ناکام ہونے کا سخت خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس پر حضرت مصلح موعود نے اگلے روز ایک طرف تو جمعہ کے خطبہ[3] میں جماعت کو دُعائے خاص کی تحریک فرمائی اور دوسرے وائسرائے ہند کو توجہ دلائی کہ اگر ہز ہائی نس نواب صاحب بھوپال کی نیک مساعی کانگرس سے براہ راست سمجھوتہ کے متعلق کامیاب نہیں ہو سکیں تو اس پر مایوس ہو کر اصلاح احوال کی کوشش ترک نہیں

---

[1] "الفضل" ۷ اکتوبر ۱۹۴۶ء (۱۳۲۵ ہش اخاء) صفحہ ۲۔ نامہ نگاروں کے نام جناب صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز کی یادداشت سے لئے گئے ہیں۔

[2] " " " "

[3] " " ۳۰ " " میں مفصل خطبہ جمعہ چھپا ہوا ہے۔

کر دینا چاہیئے بلکہ انہیں چاہیئے کہ وہ حسب سابق اس معاملہ کو پھر اپنے ہاتھ میں لے لیں تاکہ کوشش کا سلسلہ جاری رہے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کامیابی کا دروازہ کھول دے۔

حضرت مصلح موعود کی یہ رُوحانی اور مادی تدابیر بالآخر کامیاب ہوگئیں اور وائسرائے ہند نے اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا[۱] اور مُسلم لیگ ہائی کمان نے نہایت درجہ فہم و فراست اور حیرت انگیز معاملہ فہمی کا ثبوت دیتے ہوئے کانگرس سے سمجھوتہ کئے بغیر اور باقی سوالات کو کُھلا رکھتے ہوئے عبوری حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا اور ۱۳ اکتوبر کو اس کی اطلاع وائسرائے ہند تک بھی پہنچا دی۔ چنانچہ پنڈت نہرو نے ۱۳ اکتوبر کو قائداعظم کے نام اپنے ایک خط میں لکھا کہ

"وائسرائے نے مجھے مطلع کر دیا ہے کہ مُسلم لیگ نے اپنی طرف سے پانچ ارکان عارضی حکومت میں نامزد کرنا قبول کر لیا ہے"[۲]

یہ فیصلہ انتہائی غیر موافق اور غیر متوقع حالات میں ہوا۔ اور اس نے کانگرس کے حلقوں میں کھلبلی مچا دی۔ اس حقیقت کا اندازہ لگانے کے لئے مسلم لیگ کے خصوصی ترجمان "نوائے وقت" کے دو اقتباس ملاحظہ ہوں۔ اخبار "نوائے وقت" نے اپنے ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۶ء کے اداریہ میں دہلی کے سیاسی مذاکرات کو بے نتیجہ قرار دیتے ہوئے لکھا:۔

"دہلی کی کانفرنس بلکہ کانفرنسوں کا بھی وہی حشر نظر آتا ہے جو شملہ کانفرنس ۱۹۴۵ء اور شملہ کانفرنس ۱۹۴۶ء کا ہوا۔ آج ایسوسی ایٹڈ پریس کی اطلاع تو یہ ہے کہ نواب بھوپال کی کوششیں ناکام رہیں۔ ابھی تک اس خبر کی تصدیق نہیں ہو سکی مگر ہمارا اپنا قیاس یہی ہے کہ یہ خبر درست ہوگی۔ دونوں شملہ کانفرنسوں میں بارہا ایسے مراحل آئے جب اچھے اچھے باخبر اور فہمیدہ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ بس اب سمجھوتہ کے مشترکہ اعلان پر دستخط ہونے رہ گئے ہیں اور وہ صبح تک ہو جائیں گے۔ باقی ساری بات پکی ہو چکی ہے۔ مگر صبح معلوم ہوا کہ ہنوز روز اوّل ہے اور ابھی مبادیات کا فیصلہ بھی نہیں ہوا"

لیکن اسی "نوائے وقت" میں اس کے سیاسی نامہ نگار کے حوالہ سے یہ خبر بھی شائع ہوئی کہ

"مسلم لیگ اور کانگرس کی گفتگوئے مصالحت کی ناکامی کے بعد سیاسی حالات نے یک لخت

---

[۱] "الفضل" ۱۸ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۵ ہش ۱۹۴۶ء صفحہ ۸ ۔ [۲] "حالات قائداعظم محمد علی جناح" صفحہ ۶۰۶ (از خالد اختر افغانی) طبع دوم ۱۹۴۶ء۔

حیرت انگیز پلٹا کھایا ہے۔ اور اس گفتگو کی ناکامی کے باوجود لیگ کی مرکزی حکومت میں شرکت یقینی خیال کی جارہی ہے۔ باخبر حلقوں کی رائے یہ ہے کہ لیگ نئی حکومت میں اپنے پانچ نمائندے بھیج دے گی اور اندر جاکر اس حکومت کو تباہ کر دے گی۔ لیگ کی عارضی حکومت میں شرکت پر آمادگی کے فوراً بعد حکومت ازسر نو مرتب کی جائے گی۔ لیگ کو اب اس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا کہ کانگرس اپنے کوٹا میں سے کوئی مسلمان نامزد کرتی ہے یا نہیں۔ لیگ ہر قدم پر مزاحمت کی نیّت سے حکومت میں شامل ہو رہی ہے۔ کانگرسی حلقوں کے لئے یہ صورت حال بالکل غیر متوقع ہے اور آج بھنگی کالونی[1] میں کچھ سراسیمگی سی نظر آتی ہے۔ بعض کانگرسی لیڈروں نے کھلم کھلا یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ اگر لیگ اس طرح کانگرس سے سمجھوتہ کئے بغیر ہی حکومت میں شامل ہو گئی تو ہمارے سب کئے دھرے پر پانی پھر جائے گا"[2]

الغرض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضرت مصلح موعود کی مساعی جمیلہ اور دعاؤں کی برکت سے مسلم لیگ فاتحانہ شان کے ساتھ عبوری حکومت میں شامل ہو گئی اور حضور ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو دہلی سے روانہ ہو کر اگلے روز گیارہ بجے کے قریب قادیان دارالامان واپس تشریف لے آئے۔[3]

حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے سفر دہلی کی تفصیل

سفر دہلی کے نہایت مختصر سے کوائف پر روشنی ڈالنے کے بعد اب اس کی تفصیل حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے درج کی جاتی ہے۔ حضور نے ۱۸ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۵ ہش/ ۱۹۴۶ء کو فرمایا:۔

"میں نے دہلی کا سفر کیوں کیا۔ اس کی وجہ درحقیقت وہ خوابیں تھیں جو "الفضل" میں چھپ چکی ہیں۔ ان خوابوں سے مجھے معلوم ہوا۔ کہ اس مسئلہ کے حل کو اللہ تعالیٰ نے کچھ میرے ساتھ بھی وابستہ کیا ہوا ہے۔ تب میں نے اس خیال سے کہ جب میرے ساتھ بھی اس کا کچھ تعلق ہے تو مجھے سوچنا چاہیئے کہ میں کس رنگ میں کام کر سکتا ہوں۔ اس مسئلہ پر غور کیا اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ممکن ہے برطانوی حکومت اس غلطی میں مبتلا ہو کہ اگر مسلم لیگ کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو مسلمان قوم بحیثیت مجموعی ہمارے خلاف نہیں ہو گی بلکہ ایسے مسلمان جو لیگ میں شامل نہیں اور ایسی جماعتیں

---

[1] مسٹر گاندھی کی رہائش گاہ۔ [2] "نوائے وقت" لاہور ۱۳ اکتوبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

[3] "الفضل" ۱۶ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۵ ہش/ ۱۹۴۶ء صفحہ ۱۔

جو لیگ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتیں اُن کو ملا کر وہ ایک منظّم حکومت ہندوستان میں قائم کر سکے گی۔ اس خیال کے آنے پر مَیں نے مزید سوچا اور فیصلہ کیا کہ ایسے لوگ جو لیگ میں شامل نہیں یا ایسے لوگ جنہیں تعصّب کی وجہ سے لیگ والے اپنے اندر شامل کرنا پسند نہیں کرتے۔ . . . ان دونوں قسم کے لوگوں کو چاہیئے کہ آپس میں مل جائیں اور مِل کر گورنمنٹ پر یہ واضح کر دیں کہ خواہ ہم لیگ میں نہیں لیکن اگر لیگ کے ساتھ حکومت کا ٹکراؤ ہوا تو ہم اس کو مسلمان قوم کے ساتھ ٹکراؤ سمجھیں گے اور جو جنگ ہوگی اس میں ہم بھی لیگ کے ساتھ شامل ہوں گے۔ یہ سوچ کر مَیں نے چاہا کہ ایسے لوگ جو اثر رکھنے والے ہوں خواہ اپنی ذاتی حیثیت کی وجہ سے اور خواہ قومی حیثیت کی وجہ سے ان کو جمع کیا جائے۔ دوسرے مَیں نے مناسب سمجھا کہ کانگرس پر بھی اس حقیقت کو واضح کر دیا جائے کہ وہ اس غلطی میں مبتلا نہ رہے کہ مسلمانوں کو پھاڑ پھاڑ کر وہ ہندوستان پر حکومت کر سکے گی۔ اسی طرح نیشنلسٹ خیالات رکھنے والوں پر بھی یہ واضح کر دیا جائے کہ وہ کانگرس کے ایسے حصوں کو سنبھال کر رکھیں اور ان کے جوشوں کو دبائیں جن کا یہ خیال ہو کہ وہ مسلمانوں کو دبا کر یا ان کو آپس میں پھاڑ پھاڑ کر حکومت کر سکتے ہیں۔ یہ سوچ کر مَیں نے ایک تار نواب صاحب چھتاری کو دیا۔ وہ بھی لیگ میں شامل نہیں لیکن مسلمانوں میں بہت رسوخ رکھنے والے آدمی ہیں۔ یُو۔ پی کے گورنر رہ چکے ہیں اور اب حکومتِ آصفیہ کے وزیرِ اعظم کے عہدہ سے واپس آئے ہیں۔ اس تار کا جواب آنے پر مَیں نے انہیں لکھا کہ میرا اب ایسا ایسا ارادہ ہے، کیا آپ اس میں شریک ہو سکتے ہیں۔ دوسرا تار مَیں نے کانگرس سے میل جول کے لئے مسز نائیڈو کو دیا۔ مسز نائیڈو میری پُرانی واقف ہیں اور وہ ہمیشہ کہا کرتی ہیں کہ میرے دل میں مسلمانوں کا بہت درد ہے اور مَیں ہندو اور مسلمان میں کوئی فرق نہیں کرتی۔ مگر افسوس کہ انہوں نے تار کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر دوبارہ تار دیا گیا تو اس کا بھی جواب نہ دیا جس کے معنی یہ تھے کہ وہ اس تحریک میں شامل ہونا پسند نہیں کرتیں۔ جب یہ باتیں ہو چکیں تو مَیں نے فیصلہ کیا کہ مجھے جلدی قادیان پہنچنا چاہیئے۔ اور اس سکیم کے متعلق مزید کارروائی کرنی چاہیئے۔ یہاں پہنچ کر جب مَیں نے غور کیا تو میرے دل میں تحریک پیدا ہوئی کہ خواب میں مَیں نے دیکھا ہے کہ صلح اور سمجھوتہ کرانے کے لئے مَیں بیچ میں ہوں۔ بیچ میں ہونے کے یہی معنے نہیں ہوتے کہ ضرور کوئی شخص بیچ میں ہو بلکہ یہ معنے بھی ہوتے

ہیں کہ اس کا ان باتوں سے کوئی اشتراک اور تعلق ہے۔ اس پر مَیں نے سوچا کہ چونکہ دلی میں فیصلے ہو رہے ہیں۔ مجھے بھی دلّی چلنا چاہیئے۔ دوسرا فائدہ اس کا یہ بھی ہوگا کہ دلّی میں ہمیں تازہ بتازہ خبریں ملتی رہیں گی اور اگر حالات بگڑتے معلوم ہوئے تو ہم فوراً دُعا کر سکیں گے۔ قادیان میں تو ممکن ہے ہمیں ایسے وقت میں خبر ملے جب واقعات گذر چکے ہوں اور دُعا کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہو کیونکہ دُعا ماضی کے لئے نہیں ہوتی مستقبل کے لئے ہوتی ہے۔ نیز مجھے یہ بھی خیال آیا کہ بعض اور بارسوخ لوگوں کو بھی اس تحریک میں شامل کرنا چاہیئے جیسے سر آغا خاں ہیں گو سر آغا خاں ہندوستان میں نہیں تھے مگر مَیں نے سمجھا کہ چونکہ ان کی جماعت بھی مسلمان کہلاتی ہے، اگر اُن کو بھی شریک ہونے کا موقعہ مل جائے تو گورنمنٹ پر یہ امر واضح ہو جائے گا کہ مسلمانوں کی ایک اَور جماعت بھی ایسی ہے جو اس بارہ میں مُسلم لیگ کے ساتھ ہمدردی رکھتی ہے۔ چنانچہ لنڈن مشنری کی معرفت مَیں نے سر آغا خاں کو بھی تار بھجوا دیا۔ اس دوران میں مَیں نے قادیان سے اپنے بعض نمائندے اس غرض کے لئے بھجوائے کہ وہ نواب صاحب چھتاری سے تفصیلی گفتگو کر لیں اور انہیں ہدایت کی کہ وہ لیگ کے نمائندوں سے بھی ملیں اور اُن پر یہ امر واضح کر دیں کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ لیگ کے مقاصد کے خلاف کوئی کام کریں۔ اگر یہ تحریک لیگ کے مخالف ہو تو ہمیں بتا دیا جائے ہم اس کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اگر مخالف نہ ہو تو ہم شروع کر دیں۔ اس پر لیگ کے بعض نمائندوں نے تسلیم کیا کہ یہ تحریک ہمارے لئے مفید ہوگی، بالکل باموقعہ ہوگی۔ اور ہم یہ سمجھیں گے کہ اس ذریعہ سے ہماری مدد کی گئی ہے، ہمارے رستہ میں روڑے نہیں اٹکائے گئے۔ چنانچہ مَیں دلّی پہنچ گیا۔ وہاں جو کچھ کام ہوا۔ اس کی تفصیلات میں مَیں اس وقت نہیں جانا چاہتا۔

میرا خیال ہے کہ مَیں ایک کتاب "سفرِ دہلی" پر لکھوں کیونکہ بہت سی باتیں ہیں جو اس سفر کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے آئندہ کام کے رستے کھولنے والی ہیں۔ سرِدست مَیں صرف اس قدر ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ جب مَیں دلّی گیا تو سر آغا خاں کی طرف سے بھی جواب آگیا۔ اور وہاں بعض اَور لیڈروں سے بھی ملاقاتیں ہوئیں جیسے سر سلطان احمد ہیں۔

مسلمانوں میں سے صرف ایک صاحب نے جواب نہیں دیا۔ حالانکہ ان کو دو دفعہ تار دیا گیا تھا اور وہ سر محمد عثمان ہیں۔ ان کے چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کے ساتھ تعلقات ہیں اور مجھ سے

ملنے کا بھی موقعہ ہوا ہے ممکن ہے وہ اس وہم میں مبتلا رہے ہوں کہ ہمارا کام کہیں لیگ کے لئے مضر نہ ہو لیکن ہم نے لیگ کے نمائندوں سے پہلے مشورہ کر لیا تھا اور ان سے کہہ دیا تھا کہ اگر ہماری یہ کوششیں اُن کے نزدیک مضر ہوں تو ہم ان کے ترک کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بہرحال جیسا کہ ظاہر ہے ہم نہ لیگ میں شامل تھے نہ کانگرس میں۔ نہ لیگ نے ہمیں اپنا نمائندہ بنایا تھا نہ کانگرس نے۔ اس لئے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ انہی کی طرح باقاعدہ ہم بھی مشورہ کی مجالس میں شامل ہوتے۔ ہماری جماعت کے بعض ناواقف دوستوں نے لکھا ہے کہ وائسرائے، پنڈت جواہر لال نہرو، مسٹر جناح کے مشوروں کا ذکر تو اخباروں میں آتا ہے، آپ کا کیوں نہیں آتا۔ انہوں نے یہ نہیں سمجھا کہ وہ تو ان سیاسی جماعتوں کے نمائندے ہیں جنہوں نے باہمی فیصلہ کرنا تھا۔ اور ہم کسی سیاسی جماعت کے نمائندہ نہیں تھے بلکہ ہم اپنا اثر ڈال کر انہیں نیک راہ بتانے کے لئے گئے تھے۔ سیاسی جماعتوں کی نمائندگی نہ ہمارا کام تھا اور نہ گورنمنٹ یا کوئی اور اس رنگ میں ہمیں بُلا سکتا تھا . . . . جو کوشش صلح کے لئے ہو سکتی تھی وہ مَیں نے کی۔ اور اسی سلسلہ میں مَیں مسٹر گاندھی سے بھی ملا۔ میرا منشاء تھا کہ مَیں ان سے تفصیل سے بات کروں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ آپس کا تفرقہ ٹھیک نہیں۔ ان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ کچھ وہ چھوڑ دیں اور کچھ لیگ چھوڑ دے تا کہ ملک کی بدامنی خطرناک رنگ اختیار نہ کر لے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ لڑتے آپ ہیں لیکن آپ لوگوں کی جان پر اس کا وبال نہیں بلکہ ان ہزاروں ہزار لوگوں پر ہے جو قصبوں میں رہتے ہیں یا دیہات میں رہتے ہیں اور تہذیب اور شائستگی کو نہیں سمجھتے وہ ایک دوسرے کو ماریں گے، ایک دوسرے کو لُوٹیں گے اور ایک دوسرے کے گھروں کو جلا دیں گے (جیسے جھگڑا لیگ اور کانگرس کا تھا لیکن مسجد اور لائبریری ڈھاکہ میں ہماری جماعت کی جلا دی گئی حالانکہ نہ ہم لڑے اور نہ ہم بدامنی پیدا کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ مگر وہاں کے ہندوؤں نے ہماری مسجد اور ہماری لائبریری کو جلا کر یہ سمجھ لیا کہ انہوں نے بڑا تیر مارا ہے اور یہ خیال کر لیا کہ انہوں نے مسلمانوں سے بدلہ لے لیا ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ جب اس قسم کے اختلافات پیدا ہو جائیں تو انسانی عقل ماری جاتی ہے اور سیاہ اور سفید میں فرق کرنا اس کے لئے مُشکل ہو جاتا ہے)

غرض گاندھی جی پر مَیں نے یہ بات واضح کی اور انہیں کہا کہ آپ کو اس بارہ میں کچھ کرنا

چاہیئے اور صلح کی کوشش کرنی چاہیئے۔ گاندھی جی نے اس کا جو جواب دیا وہ یہ تھا کہ کام آپ ہی کر سکتے ہیں مَیں نہیں کر سکتا۔ مَیں تو صرف گاندھی ہوں۔ یعنی مَیں تو صرف ایک فرد ہوں اور آپ ایک جماعت کے لیڈر ہیں۔ مَیں نے کہا مَیں تو صرف پانچ سات لاکھ کا لیڈر ہوں اور ہندوستان میں پانچ سات لاکھ آدمی کیا کر سکتا ہے۔ مگر انہوں نے اصرار کیا اور کہا کہ جو کچھ کر سکتے ہیں آپ ہی کر سکتے ہیں مَیں نہیں کر سکتا۔ جب مَیں نے دیکھا کہ گاندھی جی اس طرف نہیں آتے تو مَیں نے اس بات کو چھوڑ دیا اور پھر مَیں انہیں دوسری نصیحتیں کرتا رہا جن کی خدا نے مجھے اس وقت توفیق عطا فرمائی۔ مَیں اس موقعہ پر صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بعض دفعہ ایک چھوٹی سی بات ہوتی ہے مگر وہ خدا تعالیٰ کے ہاں قبول ہو جاتی ہے۔ جب رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد عرب اور ایران میں لڑائی چھڑی تو اس وقت ایران کے بادشاہ نے اپنے بعض رؤسا سے کہا کہ عرب ایک چھوٹا سا غیر آباد جزیرہ ہے اور وہاں کے باشندے متفرق اقوام میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کس طرح ہمارے مُلک پر حملہ کر کے چڑھ آئے ہیں۔ لوگوں نے کہا۔ اس قوم میں نئی بیداری پیدا ہوئی ہے اور اس وجہ سے اس میں جوش پایا جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ ان لوگوں کو کچھ دے دلا کر واپس کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے اسلامی جرنیل کو لکھا کہ تم ایک وفد ہمارے پاس بھیجو ہم اس سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی اور بعض دوسرے آدمیوں پر مشتمل ایک وفد بنا کر شاہ ایران کے دربار میں بھجوا دیا۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ تم نے یہ کیا شورش برپا کر رکھی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ کچھ روپیہ لے لو اور واپس چلے جاؤ۔ انہوں نے کہا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم روپیہ لے کر واپس چلے جائیں۔ اس کی حماقت دیکھو جو قوم اس کے مُلک پر چڑھ کر آئی تھی اس قوم کے متعلق اس نے یہ فیصلہ کیا کہ دو دو اشرفیاں سپاہیوں کو اور دس دس اشرفیاں افسروں کو دے کر رخصت کر دیا جائے۔ گویا لالچ بھی دی تو اتنی چھوٹی اور حقیر کہ چوہڑے بھی اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیا لغو بات ہے کہ تم نے خود لڑائی چھیڑی ہے ہم نے نہیں چھیڑی۔ اب اس کا فیصلہ میدان میں ہی ہوگا اور ہم جانتے ہیں کہ ہم ضرور کامیاب ہوں گے کیونکہ ہمارے ساتھ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ بادشاہ کو غصہ آیا اور اس نے ایک شخص سے کہا۔ ایک تھیلی میں مٹی بھر کر لاؤ۔ جب وہ مٹی بھر کر لایا تو اس نے اسے حکم دیا

کہ یہ مٹی کا بورا اس مسلمان افسر کے سر پر رکھ دو۔ اس صحابیؓ نے جب یہ دیکھا تو اس نے نہایت خاموشی سے اپنا سر جھکایا اور مٹی کا بورا اپنے سر پر اُٹھا لیا۔ بادشاہ نے اُسے کہا۔ اب جاؤ۔ اس کے سوا تمہیں اَور کچھ نہیں مِل سکتا۔ گویا جیسے پنجابی میں کہتے ہیں۔ کھیہہ کھاؤ (اردو میں یوں کہہ لو کہ تمہارے سر پر خاک) ویسا ہی اس بادشاہ نے کہا اور مٹی کا بورا مسلمان افسر کے سر پر لادتے ہوئے کہا۔ جاؤ اس کے سوا تمہیں اَور کچھ نہیں مِل سکتا۔ ایسے موقعہ پر اللہ تعالیٰ مومن کو بھی اپنے فضل سے ایک نُور اور روشنی بخش دیتا ہے۔ جب اس نے مٹی کا بورا مسلمان افسر کے سر پر رکھوایا تو انہوں نے فوراً اس کو نیک تفاول پر محمول کرتے ہوئے اُٹھا لیا اور اپنے ساتھیوں کو یہ کہتے ہوئے دربار سے نکل بھاگے کہ آجاؤ، ایران کے بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے ایران کی زمین ہمیں سونپ دی ہے۔ مشرک بُزدل بھی بڑا ہوتا ہے۔ جب انہوں نے بلند آواز سے یہ فقرہ کہا تو اس نے گھبرا کر اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے۔ انہوں نے کہا۔ اس نے کہا ہے کسریٰ نے ایران کی زمین خود اپنے ہاتھ سے ہمارے سپرد کر دی ہے یہ سُن کر بادشاہ گھبرا گیا اور اس نے کہا۔ جلدی جاؤ اور اس شخص کو پکڑ کر حاضر کرو۔ مگر اتنے میں مُسلمان گھوڑوں پر سوار ہو کر کہیں کے کہیں جا چکے تھے۔ گاندھی جی نے بھی کہا کہ میں تو کچھ نہیں کر سکتا جو کچھ کر سکتے ہیں آپ ہی کر سکتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے ایسا ہی کر دیا۔ اور میرے وہاں ہونے کی وجہ سے ہی جھگڑے کا تصفیہ ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ تصفیہ مَیں نے کیا۔ گو کوششیں ہم برابر کر رہے تھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ پہلے چار پانچ دفعہ صلح کی کوشش ہو چکی تھی۔ گورنمنٹ نے بھی زور لگایا۔ مگر اس معاملہ کا کوئی تصفیہ نہ ہوا۔ آخر میرے وہاں ہونے اور دعائیں کرنے سے نہ معلوم کونسے دلوں کی کُنجیاں کھول دی گئیں کہ میرے وہاں جانے سے وہ کام جو پہلے بار بار کی کوششوں کے باوجود نہیں ہوا تھا، ہو گیا اور گاندھی جی کا یہ فقرہ درست ثابت ہوا کہ مَیں تو یہ کام نہیں کر سکتا آپ ہی کر سکتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ جس نقطہ پر لڑائی تھی گاندھی جی نے اُسے تسلیم کر لیا تھا اور بالکل ممکن تھا کہ اگر گاندھی جی کی بات مانی جاتی تو آپس میں صُلح ہو جاتی۔ چنانچہ جب گاندھی جی سے نواب صاحب بھوپال نے ملاقات کی اور یہ فارمولا پیش کیا کہ لیگ کو مسلمانوں کا نمائندہ سمجھا جائے گا تو گاندھی جی

نے اس کو تسلیم کر لیا اور اس پر دستخط بھی کر دیئے۔ لیکن جب دستخط ہو چکے تو پنڈت نہرو صاحب نے کہہ دیا کہ ہم گاندھی جی کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں۔ اس طرح وہ بات جو گاندھی جی نے کہی تھی پُوری ہو گئی کہ مَیں تو صرف گاندھی ہوں۔ میری بات کون مانتا ہے۔ چنانچہ پنڈت نہرو صاحب نے یہی کہا کہ اس معاملہ میں گاندھی جی سے ہمارا کیا تعلق۔ یہ گاندھی جی کا اپنا فیصلہ ہے، ہمارا فیصلہ نہیں۔ میرے نزدیک گاندھی جی نے محض بات کو ٹلانے کی کوشش کی تھی۔ اور ان کا مطلب یہ تھا کہ مَیں اس تحریک میں حصہ لینا ضروری نہیں سمجھتا۔ حالانکہ مَیں وہاں محض ہندوؤں اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے گیا تھا۔ ورنہ وزارتوں میں ہمارا کوئی حصہ نہیں۔ کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی میں ہمارا کوئی حصہ نہیں . . . . پس مَیں وہاں اپنے لئے نہیں گیا تھا۔ بلکہ اس لئے گیا تھا کہ وہ ہزاروں ہزار ہندو جو مختلف علاقوں میں مارا جا رہا ہے، ان کی جان بچ جائے۔ وہ ہزاروں ہزار مسلمان جو مختلف علاقوں میں مارا جا رہا ہے، ان کی جان بچ جائے۔ نہ وہ میرے رشتہ دار ہیں نہ واقف ہیں نہ دوست ہیں۔ کوئی بھی تو ان کا میرے ساتھ تعلق نہیں سوائے اس تعلق کے کہ میرے پیدا کرنے والے خدا نے ان کو بھی پیدا کیا ہے۔ اور میرا فرض ہے کہ مَیں اُن کی جانوں کی حفاظت کروں۔ صرف اس دُکھ اور درد کی وجہ سے مَیں نے ان کوششوں میں حصہ لیا۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ گاندھی جی نے میرے اخلاص کی قدر نہ کی اور انہوں نے کہہ دیا کہ میری بات کون مانتا ہے، مَیں تو صرف گاندھی ہوں۔ انہوں نے یہ فقرہ محض ٹالنے کے لئے کہا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے واقع میں ایسا کر دکھایا اور پنڈت نہرو صاحب نے گفتگو کرنے والوں سے صاف کہہ دیا کہ یہ ہمارا فیصلہ نہیں۔ گاندھی جی کا فیصلہ ہے اور ہم گاندھی جی کا یہ فیصلہ ماننے کو تیار نہیں۔

جب حالات یہ رنگ اختیار کر گئے تو مسٹر جناح نے نہایت ہوشیاری اور عقلمندی سے کام لیتے ہوئے وائسرائے کو لکھ دیا کہ کانگرس سے تو ہمارا فیصلہ نہیں ہو سکا لیکن ہم آپ کی پیشکش کو قبول کرتے ہوئے حکومت میں شامل ہوتے ہیں۔ اس طرح کام بھی ہو گیا اور بات بھی بن گئی اور مسٹر گاندھی اس معاملہ میں خالی گاندھی بن کے رہ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ہماری غرض بھی پُوری کر دی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کہ ہمارا دہلی سے جمعہ کو چلنے کا ارادہ تھا اور ہم

سیٹیں بھی بُک کرا چکے تھے۔ مگر بُدھ کے دن ہمیں معلوم ہوا کہ مصالحت کی گفتگو میں خرابی پیدا ہو رہی ہے۔ چونکہ ہمارے تعلقات تمام لوگوں کے ساتھ تھے۔ اس لئے قبل از وقت ہمیں حالات کا علم ہو جاتا تھا۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ کام بگڑ رہا ہے۔ تو مَیں نے پھر دوستوں کو بُلایا اور ان سے مشورہ لیا اور انہیں کہا کہ ہم اتنی مدّت یہاں رہے ہیں۔ اب ہمیں پیر تک اور ٹھہرنا چاہیئے۔ پہلے تو اتوار تک ٹھہرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن معلوم ہوا کہ اتوار کو گاڑی ریزرو نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہم نے پیر کے دن چلنے کا فیصلہ کیا اور عین پیر کے دن صبح کے وقت فیصلہ ہو گیا اور ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے اس جھگڑے کو نپٹا کر اپنے گھر واپس آئے۔

اس سفر میں یہ ایک نہایت ہی خوشی کی بات مجھے معلوم ہوئی ہے کہ وہ مسلمان جو اپنے تفرقہ اور نکمّے پن کی وجہ سے مشہور ہیں اُن میں بھی اب اخلاص اور بیداری پیدا ہو چکی ہے اور وہ اپنے فرائض کو سمجھنے لگ گئے ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب چھتاری، سر آغا خاں اور سر سلطان احمد نے نہایت بے نفسی کے ساتھ اس موقعہ پر کام کیا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں اگر اُن کی بے نفسی اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا حال پبلک کو معلوم ہو جائے تو وہ اُن کی قدر کئے بغیر نہ رہے پھر سب سے زیادہ کام نواب صاحب بھوپال نے کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اسلامی تعلیم کی رُو سے سب انسان برابر ہیں۔ کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کی دیر سے عزتیں قائم ہو چکی ہیں وہ معمولی کام کرنے سے بھی گھبراتے ہیں۔ لیکن نواب صاحب نے باوجود ایک مقتدر ریاست کا نواب ہونے کے جو ادنیٰ سے ادنیٰ کام بھی ان کو کرنا پڑا انہوں نے کیا۔ یہانتک کہ منتیں بھی کیں۔ وہ گاندھی جی کے پاس گئے اور بھنگی کالونی میں اُن سے ملاقات کی۔ پہلی ملاقات بے شک بڑودہ ہاؤس میں ہوئی تھی اور نواب صاحب کے مشیر نے کہا تھا کہ ہم یہ پسند نہیں کر سکتے کہ نواب صاحب بھنگی کالونی میں جائیں۔ لیکن بعد میں انہوں نے یہ بھی پسند نہیں کیا کہ صرف بڑودہ ہاؤس میں ملاقات ہو بلکہ خود ان کے گھر وں پر گئے۔ اور رات اور دن کوشش کی کہ کسی طرح صُلح ہو جائے۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ اب مسلمانوں میں بھی قربانی اور بیداری کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ خواہ دُنیا کی نگاہ سے نواب صاحب بھوپال، نواب صاحب چھتاری، سر سلطان احمد اور سر آغا خاں کی قربانی اوجھل رہے مگر اللہ تعالیٰ

جو عالم الغیب ہے اور تمام رازوں کو جاننے والا ہے اس نے یقیناً ان لوگوں کے ایثار اور ان کی قربانی کو دیکھا ہے اور خدا کی درگاہ سے یہ لوگ بدلہ لئے بغیر نہیں رہیں گے کیونکہ خدا کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ مضمون تو اور بھی بیان کرنا تھا۔ مگر چونکہ وقت زیادہ ہوگیا ہے اس لئے اسی پر ختم کرتا ہوں" [۱]

مسلم لیگ نے پاکستان کی آئینی جنگ جیت لی

تحریک پاکستان کے اعتبار سے مُسلم لیگ کا عبوری حکومت میں شمولیت اختیار کرنا ۱۹۴۵۔۴۶ء کے انتخابات کے بعد سب سے بڑا معرکہ ہے کیونکہ مُسلم لیگ نے اس کے نتیجہ میں صرف سوا چار ماہ کے اندر اندر پاکستان کی آئینی جنگ جیت لی اور کانگرس کا یہ دیرینہ خواب کہ وہ مُسلم لیگ کو نظر انداز کرکے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر تنہا ملک کے نظام حکومت کو چلائے گی ہمیشہ کے لئے دھرے کا دھرا رہ گیا اور برطانوی حکومت کو بالآخر مطالبہ پاکستان کے سامنے ہتھیار ڈال دینا پڑے۔

جیسا کہ اشارۃً ذکر آچکا ہے جب تک مُسلم لیگ عبوری حکومت سے باہر تھی کانگرسی حلقے خوشی کے شادیانے بجا رہے تھے۔ مگر جونہی مُسلم لیگ نے اس میں داخلہ قبول کرلیا اُن کو سخت سراسیمگی طاری ہوگئی اور انہیں بھی پاکستان کی منزل صاف قریب آتے دکھائی دینے لگی چنانچہ "ملاپ" نے صاف لفظوں میں رائے دی کہ

"مَیں سمجھتا ہوں یہ جواہر لال جی اور اُن کے ساتھیوں کے جوشِ آزادی کو تارپیڈو کرنے کا جتن ہے" [۲]

اخبار "پرتاپ" نے یہ نوٹ لکھا کہ

"لیگ وائسرائے کی پیشکش کو قبول کرکے حکومت میں شامل ہو رہی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اُسے پانچ نمائندے نامزد کرنے کا ادھیکار ہوگا۔ محکموں کی تقسیم ازسرِ نو ہوگی اور وائسرائے اس بات کے لئے ذمہ دار ہوں گے کہ نئی حکومت کثرت کے بل بوتے پر اس کی رائے کو مسترد نہیں کرتی مسٹر جینا کا کہنا یہ ہے کہ لیگ حکومت میں شامل ہو رہی ہے تو ۱۹۱۹ء کے آئین کے ماتحت جس میں وائسرائے سب کچھ ہے اس کے ممبر اس کے مشیر ہیں اور بس۔ ہر ایک ممبر اپنے اپنے محکمہ کے لئے ذمہ دار ہے اور وائسرائے کے مشورہ سے سب کچھ کرسکتا ہے۔ نہرو وزارت نے مشترکہ ذمہ داری کے اصول

۱؎ "الفضل" ۳ نبوت / نومبر ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۴ تا ۶۔

۲؎ بحوالہ "نوائے وقت" ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ کالم ۳۔

پر کام شروع کیا تھا۔ مسٹر جناح نے کہہ دیا ہے کہ لیگ مشترکہ ذمہ داری کے اصول کو نہیں مانتی . .
. . . مسلم لیگ کی شمولیت کے تین نتیجے ہو سکتے ہیں (۱) اکثریت کے ساتھ مل کر کام کرے
. . . . (۲) مزاحمت کرے۔ اس پر گورنمنٹ ٹوٹ جائے یا کانگرس اس سے نکل جائے۔
(۳) گورنمنٹ ٹوٹ جائے تو لیگ کا مقصد حل ہو گیا اور اگر کانگرس کے نکل آنے پر گورنمنٹ نے حکومت لیگ کے حوالے کر دی تو پو بارہ ہو گئے" [۱]

"پرتاپ" نے اپنے ایک اور اداریۃ نوٹ میں لکھا کہ

"عارضی حکومت میں لیگ کی شمولیت سے وہ عمارت جو پنڈت جواہر لال اور ان کے رفقاء نے اپنی تقریروں کے ذریعے قائم کی تھی خود بخود گر پڑے گی۔ کسی بھی مسئلہ پر ہندوستانی پالیسی کا تصور تباہ ہو جائے گا" [۲]

ہندو پریس کے بالمقابل برطانوی اخبارات نے مسلم لیگ کی اس تاریخی کامیابی کو خوب سراہا چنانچہ لندن کے مشہور روزنامہ "ڈیلی ٹیلیگراف" نے قائد اعظم کی خدمت میں مبارکباد پیش کی اور لکھا کہ "اب کانگرس اور پنڈت نہرو کو بھی یہ احساس ہو گیا ہو گا کہ مسلمانوں کے تعاون کے بغیر ہندوستان میں صحیح معنوں میں امن قائم نہیں ہو سکتا" [۳]

انڈونیشین ری پبلک کے وزیر اعظم ڈاکٹر سلطان شہریار نے قائد اعظم محمد علی جناح کو ایک پیغام میں ہندوستان کی مرکزی حکومت میں شمولیت پر اظہار مسرت کیا اور لکھا کہ

"ہمیں امید ہے کہ مرکزی حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت سے ہندوستان کی مکمل آزادی قریب تر ہو جائے گی" [۴]

چنانچہ آئندہ پیش آمدہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ "ہندوستان کی مکمل آزادی" (جو قائد اعظم کی اصطلاح میں پاکستان کا دوسرا نام تھا [۵]) واقعی آن پہنچی ہے۔ ہوا یوں کہ قائد اعظم کے اس واضح اعلان کے باوجود کہ ہم مشترک ذمہ داری کے اصول کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ کوئی فرد واحد اس عارضی حکومت کا لیڈر ہے جناب پنڈت جواہر لال نہرو

---

[۱] بحوالہ "نوائے وقت" ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۳۔
[۲] " " " صفحہ ۴ کالم ۱۔
[۳] " " ۱۵ " صفحہ ۱ کالم ۲۔
[۴] " " ۲۲ " صفحہ ۱ کالم ۴۔
[۵] "حیات قائد اعظم" (طبع دوم) صفحہ ۶۵۴ (از چودھری سردار احمد خاں)۔

نے مُسلم لیگ کے حکومت میں شامل پانچ ممبروں کو یہ دعوت بھیج دی[1] کہ صبح دس بجے میری کوٹھی پر کابینہ کا اجلاس ہوگا وہ اس میں شامل ہوں۔ لیگ بلاک کے پارٹی لیڈر نوابزادہ لیاقت علیخاں نے شاملِ اجلاس ہونے سے انکار کر دیا جس پر ہندو پریس نے سخت احتجاج کیا کہ مُسلم لیگ نے پہلے دن ہی پنڈت جی کی قائم کردہ کنونشن توڑ ڈالی۔ "ہندوستان ٹائمز" نے تو وائسرائے تک سے فریاد کی اور مُسلم لیگ پر نکتہ چینی کی کہ وہ مشترک ذمہ داری کے اصول کو پاؤں سے روند رہی ہے۔[2]

اس قضیہ کے بعد مُسلم لیگ اور کانگرس اور وائسرائے میں سب سے بڑا مابہ النزاع مسئلہ دستور ساز اسمبلی کا اُٹھ کھڑا ہوا۔ پنڈت نہرو کو اصرار تھا کہ اسمبلی کا اجلاس ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کو ضرور بُلایا جائے۔ وائسرائے کی رائے میں انعقاد اجلاس کا یہ مناسب وقت نہ تھا۔[3] پنڈت نہرو اور ان کے کانگرسی رفقاء نہ صرف بضد تھے کہ اسے بہر حال منعقد کیا جائے بلکہ انہوں نے دوبارہ مستعفی ہونے کی دھمکی بھی دی اور پنڈت نہرو نے کانگرس سیشن کی سبجیکٹس کمیٹی کے اجلاس میں یہانتک کہہ دیا کہ " ہمارے صبر کا پیمانہ نہایت سُرعت کے ساتھ لبریز ہوتا جا رہا ہے۔ اگر حالات یہی رہے تو نہایت وسیع پیمانے پر جدوجہد ناگزیر ہو جائے گی" انہوں نے وائسرائے پر یہ الزام بھی لگایا کہ" انہوں نے جس سپرٹ میں حکومت چلانا شروع کی تھی اب وہ اُسے برقرار رکھنے میں ناکام رہے ہیں۔ مُسلم لیگ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے برطانوی تائید حاصل کر رہی ہے۔"[4]

اب وائسرائے اور برطانوی حکومت نے بھی پنڈت نہرو سے متاثر ہو کر ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کو دستور ساز اسمبلی کا اجلاس بُلانے کا فیصلہ کر لیا جس پر قائدِ اعظم نے اسمبلی کا بائیکاٹ کر دیا اور اعلان کیا کہ "وائسرائے کانگرس کے ہاتھوں کھیل رہے ہیں۔ وہ مُسلم لیگ اور ہندوستان کی دوسری جماعتوں اور ملک کی قومی زندگی کے مختلف عناصر کو بالکل نظر انداز کر کے صرف کانگرس کو مطمئن کر رہے ہیں۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ مُسلم لیگ کا کوئی نمائندہ دستور ساز اسمبلی میں شامل نہ ہوگا"[5] مُسلم لیگ کے بائیکاٹ پر برطانوی مدبرین کی آنکھیں کھُل گئیں کہ مُسلم لیگ کی عدم موجودگی میں جو دستور بنے گا وہ مُسلم قوم پر نافذ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ملک معظم کی حکومت ۶ دسمبر ۱۹۴۶ء کو مندرجہ ذیل واضح اعلان کرنے پر مجبور ہو گئی کہ

---

[1] نواب زادہ لیاقت علیخاں (مالیات) راجہ غضنفر علیخاں (حفظانِ صحت) مسٹر آئی۔ آئی چندریگر بمبئی (کامرس) مسٹر عبد الرّب نشتر سرحد (ڈاک اور پرواز) اچھوت ممبر مسٹر جوگندرناتھ منڈل بنگال (وضع قانون)

[2] "نوائے وقت" ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ ۔ [3] " نوائے وقت " ۲۱ نومبر ۱۹۴۶ء

[4] " " ۲۴ نومبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۱ ۔

[5] " " " صفحہ ۱ ۔

"مجلس دستور ساز اسمبلی کی کامیابی کا مدار متفقہ لائحہ عمل پر ہے۔ اگر ایسا آئین مرتب ہو گیا جس میں ہندوستانی آبادی کے کسی کثیر حصّہ کو نمائندگی نہیں دی گئی تو ملک معظم کی حکومت اس آئین کو نارضامند علاقوں پر مسلّط کرنے کو تیار نہیں ہوگی"

اس اعلان کا صاف مطلب یہ تھا کہ پنڈت نہرو اور اُن کی دستور ساز اسمبلی جو قوانین بھی چاہے مرتب کرے۔ وہ اس آئین کو ہندو اکثریت کے علاقوں میں جہاں چاہیں نافذ کریں۔ لیکن جہاں تک پاکستانی علاقوں کا تعلق ہے یہ آئین پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتا[۱]

وزیر ہند سر سٹیفورڈ کرپس نے ۱۲ دسمبر ۱۹۴۶ء کو دار العوام میں تقریر کی جس میں اپنے وعدہ کا اعادہ کرتے ہوئے مزید کہا کہ "اگر مُسلم لیگ دستور ساز اسمبلی میں شامل ہونے پر آمادہ نہ کی جا سکے تو ان حصوں کو جہاں مسلم لیگ اکثریت میں ہے موجودہ دستور ساز اسمبلی کے مرتب کردہ آئین کا پابند نہیں سمجھا جائے گا"[۲]

قائداعظم اور مسلم لیگ اسمبلی کے مقاطعہ پر ڈٹے ہوئے تھے کہ مسٹر ایٹلی وزیر اعظم برطانیہ نے قائداعظم محمد علی جناح، نوابزادہ لیاقت علیخاں، پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار بلدیو سنگھ کو صلاح و مشورہ اور مفاہمت کے لئے لندن طلب کیا۔ اس موقعہ پر سیدنا المصلح الموعود نے مسٹر ایٹلی کے نام ایک مکتوب لکھا جس میں استدعا کی کہ

"ہندوستانی مسلمانوں کے مفاد کو قُربان کر کے کانگرس کے حلیف نہ بنیں"

یہ خط چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ امام مسجد لنڈن نے مسٹر ایٹلی کے حوالہ کیا۔[۳]

لندن میں ان لیڈروں کی ایک مختصر سی گول میز کانفرنس بھی منعقد ہوئی مگر اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا اور بالآخر کراچی میں مُسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ یا تو ہندو دستور ساز اسمبلی منسوخ کی جائے ورنہ مُسلم دستور ساز اسمبلی کے قیام کا بھی اعلان کیا جائے۔[۴]

مسٹر ایٹلی کی طرف سے ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو مکمل آزادی دینے کا اعلان

جب ملک میں متحدہ دستور ساز اسمبلی کے امکانات یکسر ختم ہو گئے تو ۲۰ فروری[۵] ۱۹۴۷ء کو مسٹر ایٹلی وزیر اعظم نے ہندوستان کی جون ۱۹۴۸ء تک مکمل آزادی کا مندرجہ ذیل

---

[۱] "حیات قائداعظم" صفحہ ۶۵۳ (از چوہدری سردار محمد خاں) طبع دوم۔ [۲] "قائداعظم اور دستور ساز اسمبلی" صفحہ ۲۵۰ (از محمد اشرف خاں عطا)۔ [۳] "الفضل" ۱۳ فتح/دسمبر ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۱۔ [۴] "قائداعظم اور ان کا عہد" (سید رئیس احمد جعفری) صفحہ ۶۲۴۔

[۵] یاد رہے ۲۰ فروری وہی تاریخ ہے جبکہ حضرت مسیح موعودؑ کو اسیروں کے رُستگار سیدنا المصلح الموعود کی آسمانی بشارت ملی تھی۔

اعلان کیا:-

"ملک معظم کی حکومت کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا ہے کہ ہندوستانی پارٹیوں میں ابھی تک اختلافات موجود ہیں جو دستور ساز اسمبلی کو اس طرح کام کرنے سے روک رہے ہیں جس طرح کہ اسے کام کرنا چاہیئے تھا۔ وزارتی اسکیم کی حقیقی معزیت یہ ہے کہ اسمبلی (مختلف جماعتوں کی) پوری پوری نمائندہ ہو۔ ملک معظم کی حکومت کی خواہش یہ ہے کہ وزارتی وفد کی اسکیم کے مطابق ایسے بااختیار اداروں کو ذمہ داری منتقل کر دی جائے جو ہندوستان کی تمام پارٹیوں کے منظور کردہ آئین کی رُو سے قائم کئے گئے ہوں۔ لیکن سردست بدقسمتی سے ایسی کوئی واضح امید نظر نہیں آتی کہ ایک ایسا دستور اور ایسے بااختیار ادارے وجود میں آجائیں گے۔ موجودہ غیر یقینی حالت خطروں سے پُر ہے اور اُسے غیر معیّن عرصہ کے لئے طول نہیں دیا جا سکتا۔ ملک معظم کی حکومت یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ اُن کا یہ قطعی ارادہ ہے کہ ۸ رجون ۱۹۴۸ء تک ہندوستان کے ذمہ دار ہاتھوں میں اختیارات منتقل کرنے کی غرض سے ضروری تدبیریں عمل میں لائے . . . . اس وجہ سے ضروری ہے کہ تمام جماعتیں اپنے اختلافات مٹا دیں تاکہ ان بھاری ذمہ داریوں کو جو اُن پر آئیندہ سال آنے والی ہیں اپنے کاندھوں پر اُٹھانے کے لئے تیار ہو جائیں" [۱]

اس اعلان میں کانگرس اور مُسلم لیگ دونوں سیاسی جماعتوں کی تسلی کا جواز موجود تھا۔ کیونکہ ایک طرف اس میں ہندوستان کی آزادی کی فیصلہ کن تاریخ مقرر کر دی گئی تھی جو کانگرس کے لئے موجب اطمینان چیز تھی۔ دوسری طرف واضح کیا گیا تھا کہ اگر دستور ساز اسمبلی میں مُسلم لیگ شریک نہ ہوئی تو اس کی نمائندہ حیثیت قانوناً ختم کر دی جائے گی بالفاظ دیگر اکھنڈ بھارت کا کانگرسی نظریہ شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا اور پاکستان قائم ہو کر رہے گا۔

---

[۱] "قائد اعظم اور دستور ساز اسمبلی" صفحہ ۲۶۴-۲۶۵ ؎

فصل ششم

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی طرف سے خضر وزارت کے استعفاء کی کامیاب جدوجہد

اور

قائداعظم کا اظہار مسرت و شکریہ

تقسیم پنجاب کے خلاف جماعت احمدیہ کا پُرزور احتجاج، پاکستان کے حق میں حضرت مصلح موعود کا پُرشوکت بیان

انتقالِ اقتدار سے متعلق ۳؍جون ۱۹۴۷ء کی برطانوی سکیم اور قائداعظم

پنجاب کی یونینسٹ وزارت

اگرچہ برطانوی حکومت ۸؍جون ۱۹۴۸ء تک تمام اختیارات ہندوستان کو سپرد کر دینے کا اعلان کر چکی تھی۔ مگر چونکہ ایٹلی حکومت کے اعلان اور وزارتی مشن کے فارمولا کے مطابق یہ اختیارات ابتداءً صوبوں کو منتقل ہونے والے تھے اس لئے مسلم لیگ کے لئے پاکستان کے حصول میں ایک بہت بڑی رکاوٹ پیدا ہو گئی اور وہ یہ کہ اُن دنوں پنجاب میں یونینسٹ وزارت قائم تھی جس کی موجودگی میں صوبہ کے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا جانا قطعی طور پر ناممکن تھا۔ یہ صورتِ حال قائداعظم اور دوسرے تمام ذمہ دار مسلم لیگیوں کے لئے حد درجہ تشویش انگیز اور پریشان کن تھی اور بظاہر اصلاحِ احوال کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔[1]

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب میدانِ عمل میں

تحریک پاکستان کے اس انتہائی نازک موقعہ پر چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب ایک بار پھر میدانِ عمل میں نکل

---

[1] حق یہ ہے کہ مسلم لیگی زعماء ایک عرصہ سے اس تگ و دو میں مصروف تھے کہ سر خضر حیات خاں وزیر اعظم یونینسٹ حکومت کو مسلم لیگ میں شامل کریں۔ چنانچہ پنجاب لیگ کے اکابر نے خان افتخار حسین ممدوٹ صدر پنجاب مسلم لیگ کی قیادت میں ستمبر ۱۹۴۶ء کے آخری ہفتہ میں ان سے مذاکرات بھی کئے۔ سر خضر حیات خاں ان دنوں شملہ میں تھے۔ یہ مذاکرات قائداعظم کے مشورہ پر ہوئے تھے مگر ان کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔
("انقلاب" ۳۰؍ستمبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۱ کالم ۱)

آئے اور آپ نے یونینسٹ حکومت کے وزیر اعظم ملک خضر حیات خاں ٹوانہ کو یکایک عطا ہی انہیں مخلصانہ مشورہ دیا کہ موجودہ مرحلے پر انہیں وزارت سے استعفاء دے کر مسلم لیگ اور پاکستان کے لئے رستہ صاف کر دینا چاہئیے۔ بعد ازاں چوہدری صاحب موصوف ملک صاحب کی دعوت پر بنفسِ نفیس لاہور تشریف لائے اور اُن سے ملاقات کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آپ کی تحریک پر ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو اپنے عہدہ سے مستعفی ہو گئے اور اگلے روز لاہور کے اخبارات میں یہ اطلاع شائع بھی ہو گئی کہ گذشتہ چند روز سے آنریبل سر محمد ظفر اللہ خان صاحب لاہور تشریف لائے ہوئے ہیں۔ آپ نے خضر حیات خاں صاحب سے متعدد ملاقاتیں فرمائیں اور ان پر برطانوی حکومت کے تازہ اعلان کی آئینی اہمیت واضح فرمائی۔ موجودہ وزارتی تبدیلی میں آپ نے بہت نمایاں حصّہ لیا ہے۔[۱]

اس سے واضح الفاظ میں اخبار "ٹریبیون" نے اپنی ۵ مارچ ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں یہ خبر دی کہ

"معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ خضر حیات خاں صاحب نے یہ فیصلہ سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے مشورہ اور ہدایت کے مطابق کیا ہے"[۲]

اخبار "ملاپ" (مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۵۱ء) نے لکھا:۔

"یہ ایک واضح بات ہے کہ چودھری ظفر اللہ خاں نے خضر حیات کو مجبور کر کے اس سے استعفاء دلایا۔ خضر حیات کا استعفاء مسلم لیگ کی وزارت بننے کا پیش خیمہ تھا اگر خضر حیات کی وزارت نہ ٹوٹتی تو آج پنجاب کی یہ حالت نہ ہوتی"[۳]

قائداعظم کا بمبئی سے بیان اور شکریہ

مسلمانوں نے خضر حیات کے استعفاء پر جشنِ مسرت منایا اور قائداعظم محمد علی جناحؒ نے بمبئی سے بیان جاری کیا:۔

"مجھے آج صبح یہ سُن کر خوشی ہوئی ہے کہ ملک خضر حیات خاں نے اپنا اور اپنے کابینہ کا استعفیٰ داخل کر دیا ہے۔ ان کا یہ فیصلہ دانشورانہ ہے اور مجھے توقع ہے کہ ڈاکٹر خاں صاحب (وزیر اعظم سرحد ناقل) اس نیک مثال کی تقلید کریں گے"

اس کے بعد جب ناظر امور خارجہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے

۱۔ "الفضل" ۵ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۸ ۔ ۲۔ بحوالہ "الفضل" ۶ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۸ ۔
۳۔ بحوالہ "الفضل" ۱۴ نبوت/نومبر ۱۳۳۰ہش / ۱۹۵۱ء ۔

تو آپ نے جماعت احمدیہ کی اس کوشش کا بہت شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ آپ نے نہایت آڑے وقت ہماری مدد کی ہے اور کہا

" I can never forget it."

یعنی میں اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ ۵۱

ملک خضر حیات کے استعفاء کا پس منظر چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے قلم سے

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اپنی غیر مطبوعہ خود نوشت سوانح حیات میں ملک خضر حیات کے استعفاء کے پسِ منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے قلم سے تحریر فرماتے ہیں کہ

" وزیر اعظم ایٹلی نے اپنے ۲۰ر فروری ۱۹۴۷ء کے بیان میں اعلان فرمایا کہ تقسیم ملک کے بغیر چارہ نہیں۔ اور یہ کہ ملکِ معظم کی حکومت ہندوستان کے نظم و نسق کے اختیارات ہندوستان کو سپرد کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ اس پر عملدرآمد کا طریق یہ ہوگا کہ حکومت کے اختیارات صوبائی حکومتوں یا کسی متوازی ادارے کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ اور اس طور پر تقسیم کی کارروائی کی تکمیل کی جائے گی۔

جہاں اس بیان سے مجھے یہ اطمینان تو ہوا کہ آخر حکومتِ برطانیہ نے قیامِ پاکستان کو تسلیم کر لیا وہاں مجھے اس اعلان کے اس حصّے سے سخت پریشانی بھی لاحق ہوئی کہ حکومت کے اختیارات عبوری مرحلے میں صوبائی حکومتوں کو تفویض کئے جانے کا امکان ہے۔ جب جناب قائداعظم نے برطانوی وفد کے منصوبے کو منظور فرما لیا تھا اس وقت ان کے اس فیصلے سے میرا حوصلہ بہت بڑھ گیا تھا کہ وہ میرے اندازے سے بھی بڑھ کر صاحبِ تدبیر ثابت ہوئے۔ میری نگاہ میں برطانوی وفد کے منصوبے کا ایک قابلِ قدر پہلو یہ تھا کہ پہلے دس سال میں اکثریت کو موقعہ دیا گیا تھا کہ وہ اپنے منصفانہ رویے اور حُسنِ سلوک کے ذریعے اقلیتوں کا اعتماد حاصل کریں کہ آزاد ہندوستان میں اُن کے جائز حقوق کی مناسب نگہداشت ہوگی اور ان کے جذبات اور احساسات کا احترام ہوگا۔ ہر چند کہ سابقہ تجربہ کچھ ایسا امید افزا نہیں تھا پھر بھی جناب قائداعظم کا اِس منصوبے کو عملاً آزمانے پر تیار ہو جانا اس بات کا ثبوت تھا کہ اُن کا موقف کسی قسم کی ضد پر مبنی نہیں تھا۔

---

۵۱ " قیامِ پاکستان اور جماعت احمدیہ" صفحہ ۵۰ (از تقریر علامہ مولانا جلال الدین صاحب شمس سابق امام مسجد لنڈن ناشر مہتمم نشر و اشاعت نظارت دعوۃ و تبلیغ صدر انجمن احمدیہ ربوہ)

بعد کے حالات سے یہ بھی ترشح ہوتا ہے کہ ممکن ہے کانگریس کے بعض عناصر نے وفد کے منصوبے کو تسلیم کرنے کی تائید اس توقع میں کی ہو کہ مسلم لیگ اسے ردّ کر دے گی اور وفد کی ناکامی کی ذمہ داری لیگ پر ڈالی جائیگی جس کے نتیجے میں برطانوی حکومت کی نظروں میں پاکستان کا مطالبہ کمزور ہو جائے گا۔ جب لیگ نے وفد کا منصوبہ تسلیم کر لیا تو اُن عناصر کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ اور انہوں نے منصوبے کو ناکام کرنے کی راہیں تلاش کرنا شروع کیں۔ بہر صورت آخر نتیجہ یہ ہوا کہ ہر صاحب فہم کی نظر میں وفد کی ناکامی کی ذمہ داری کانگریس پر عائد ہوئی اور پاکستان کا مطالبہ مضبوط تر ہو گیا۔ لیکن اس مقصد تک پہنچنے کا پہلا مرحلہ جب یہ قرار دیا گیا کہ حکومت کے اختیارات صوبائی حکومتوں کو تفویض کئے جائیں گے تو پنجاب کے حالات کے پیش نظر میری طبیعت نہائیت کرب میں مبتلا ہوئی۔

جناب سر سکندر حیات خاں صاحب کی وفات کے بعد جناب ملک سر خضر حیات خاں صاحب پنجاب میں وزیر اعظم ہوئے۔ یہ جناب سردار صاحب کے رفقاء میں سے تھے اور ان کی جگہ یونینسٹ پارٹی کے سربراہ ہوئے۔ لیکن یونینسٹ پارٹی کے عناصر میں جلد جلد تبدیلی ہو رہی تھی۔ پارٹی کی ترکیب میں بتدریج مسلم عنصر کم ہو رہا تھا اور غیر مسلم عنصر بڑھ رہا تھا۔ صُوبے میں مُسلم لیگ کی تنظیم مضبوط ہو رہی تھی۔ اور لیگ کا رسُوخ بڑھتا جا رہا تھا۔ یہانتک کہ لیگ نے عدم تعاون کے ذریعے یونینسٹ پارٹی کو حکومت سے برطرف کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں تو لیگ بظاہر کامیاب نہ ہوئی لیکن لیگ کی وقعت رائے عامہ میں بہت بڑھ گئی اور شہری حلقوں میں خصوصاً لیگ کا اثر ہر جگہ پھیل گیا۔ جناب قائد اعظم نے اس سے قبل ہی جناب ملک صاحب پر زور دینا شروع کیا تھا کہ وہ لیگ میں شامل ہو کر اور لیگ سے مل کر کام کریں۔ لیکن وہ ایسا کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ انہوں نے سکندر جناح پیکٹ کی آڑ لینے کی کوشش کی۔ لیکن جناب قائد اعظم نے اُسے ٹھکرا دیا۔ جناب ملک صاحب کا موقف تھا کہ پاکستان کا مطالبہ مرکز سے متعلق ہے اور ہم سَو فیصدی اس کی تائید میں ہیں۔ لیکن صُوبے کے حالات کے پیش نظر یونینسٹ پارٹی جو ایک غیر فرقہ دارانہ پارٹی ہے اور جس کی تشکیل اقتصادی مقاصد کی بنا پر رکھی گئی تھی اور انہیں مقاصد کے حصول کے لئے وہ کوشاں رہی ہے، ایک موزوں پارٹی ہے اور مُسلم حقوق کا بخوبی تحفظ کر سکتی ہے اور کرتی ہے۔

اسی کشمکش کے دوران میں برطانوی وزیر اعظم کا ۲۰ر فروری ۱۹۴۷ء کا اعلان ہو گیا جس کا ایک

پہلو یہ تھا کہ پنجاب کے صوبے میں مرکزی اختیارات بھی صوبائی حکومت کو تفویض ہوں۔ اس وقت تک یونینسٹ پارٹی میں رُکنیت کی کثرت غیر مُسلم اراکین کو حاصل ہو چکی تھی۔ اگر اب بھی یہی پارٹی برسرِ اقتدار رہتی تو مُسلم لیگ کے رستے میں اور پاکستان کے قیام کے رستے میں ایک بہت بڑی روک پیدا ہو جاتی۔ مَیں جناب ملک سر خضر حیات خاں صاحب کو عرصے سے جانتا تھا اور میرے اُن کے درمیان دوستانہ مراسم تھے۔ جب تک مَیں حکومتِ ہند کا رُکن رہا مجھے گرمیوں کے موسم میں جناب ملک صاحب کے ساتھ شملے میں ملاقات کے مواقع میسّر آتے رہتے تھے۔ جب مَیں حکومت سے علیحدہ ہو کر عدالت میں چلا گیا تو ہمارے ملاقات کے مواقع کم ہو گئے اور مَیں نے سیاسی سرگرمیوں میں براہِ راست حصّہ لینا کم کر دیا۔ گو قومی معاملات میں میری دلچسپی میں کوئی کمی نہ آئی۔

اب اس مرحلے پر بڑی شدّت سے میری طبیعت اس طرف مائل ہوئی کہ مجھے جناب ملک صاحب کی خدمت میں گذارش کرنا چاہیئے کہ اب وہ صُورت نہیں رہی کہ پاکستان کے مطالبے کا تعلق مرکزی حکومت کے ساتھ ہے اور صُوبائی حکومتیں اس سے الگ ہیں کیونکہ وزیرِ اعظم ایٹلی کے اعلان کے بعد صوبائی حکومتیں لازماً اس کشمکش میں کھینچ لی جائیں گی اور مُسلم لیگ اور پاکستان کے لئے یہ امر بہت کمزوری کا باعث ہوگا کہ پنجاب میں اختیاراتِ حکومت ایک ایسی پارٹی کے ہاتھ میں ہوں جس کی اکثریت غیر مُسلم ہے۔ ساتھ ہی مجھے کچھ حجاب بھی تھا کہ مَیں سیاسیات سے باہر ہوتے ہوئے اور پنجاب کے تفصیلی حالات سے واقفیت نہ رکھتے ہوئے جناب ملک صاحب کی خدمت میں کوئی ایسی گذارش کروں جسے وہ بیجا جسارت شمار کرتے ہوئے قابلِ التفات شمار نہ کریں۔ ادھر ہر لحظہ جُوں جُوں مَیں وزیرِ اعظم برطانیہ کے اعلان پر غور کرتا میری پریشانی میں اضافہ ہوتا۔ دو دن اور راتیں مَیں نے اسی کشمکش میں گذاریں۔ مجھے بہت کم کبھی ایسا اتفاق ہوا ہے کہ مَیں رات آرام سے نہ سو سکوں۔ لیکن یہ دونوں راتیں میری بہت بےچینی کی نذر ہوئیں۔ آخر میں نے تیسری صبح جناب ملک صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھا اور انہیں اُن کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے گذارش کی کہ انہیں اس مرحلے پر وزارت سے استعفا دے کر مُسلم لیگ کا رستہ پنجاب میں صاف کر دینا چاہیئے اور اپنی ذمّہ داری سے سرخرو ہو جانا چاہیئے۔ اس عریضہ کے ارسال کرنے کے تیسرے دن جناب ملک صاحب نے ٹیلیفون پر مجھے فرمایا۔ تمہارا خط مجھے مل گیا ہے۔ مَیں ٹیلیفون پر مختصر بات ہی کر سکتا ہوں۔ مجھے اصولاً تمہارے ساتھ اتفاق ہے۔ لیکن مَیں مزید مشورہ کرنا

چاہتا ہوں۔ تم ایک دن کے لئے لاہور آجاؤ۔ میں نے گذارش کی، مَیں انشاء اللہ آج رات روانہ ہو کر کل صبح حاضرِ خدمت ہو جاؤں گا۔

میرے حاضر ہونے پر جناب ملک صاحب نے فرمایا۔ جیسے مَیں نے ٹیلیفون پر تم سے کہا تھا۔ مجھے اصولاً تمہارے ساتھ اتفاق ہے لیکن مَیں تمہاری یہاں موجودگی میں بھائی اللہ بخش (نواب سر اللہ بخش خاں ٹوانہ) کے ساتھ مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ اور پھر مظفر (نواب سر مظفر علی قزلباش) سے بھی مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ مظفر نے ہر مرحلے پر میرا ساتھ دیا ہے۔ مَیں بغیر ان دو کے مشورہ کے کوئی پختہ فیصلہ نہیں کر سکتا۔

جناب نواب سر اللہ بخش خاں صاحب تو جناب ملک صاحب کے بنگلے کے باغ میں خیمے میں فروکش تھے۔ ہم دونوں ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ملک صاحب نے فرمایا۔ بھائی جان! مَیں نے ظفر اللہ خاں کی چٹھی کل آپ کو پڑھ کر سُنا دی تھی۔ اب آپ فرمائیں۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ جناب نواب صاحب نے فرمایا۔ مَیں نے کل بھی کہا تھا اور آج بھی کہتا ہوں کہ مجھے ظفر اللہ خاں کے ساتھ اتفاق ہے۔ اس مرحلے پر صحیح طریق یہی ہے کہ تم اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤ۔ چند منٹ کی گفتگو کے بعد وہیں سے جناب ملک صاحب نے جناب نواب سر مظفر علیخاں صاحب کے ہاں ٹیلیفون کیا تو معلوم ہوا نواب صاحب اسٹیٹ تشریف لے گئے ہیں۔ وہاں ٹیلیفون نہیں تھا۔ جناب ملک صاحب نے اپنے سائق کو ارشاد فرمایا فوراً کار میں جا کر نواب سر مظفر علیخاں صاحب کو اُن کی اسٹیٹ سے لے آؤ۔ جناب نواب صاحب کی تشریف آوری پر جناب ملک صاحب نے خاکسار کے خط کا ذکر جناب نواب صاحب سے کیا اور ان کی رائے دریافت کی۔ اس پر انہوں نے فرمایا۔ ہم مُسلم لیگ کی تحریک عدم تعاون کو ناکام کر چکے ہیں۔ مجلس میں ہماری پوزیشن مضبوط ہے۔ بجٹ کا اجلاس چند دنوں میں شروع ہونے والا ہے۔ اس بات سے تو مجھے اتفاق ہے کہ ہمیں حکومت سے دست بردار ہو جانا چاہیئے لیکن میری رائے یہ ہے کہ بجٹ پاس کرنے کے بعد استعفاء دینا چاہیئے۔ یہ سُنتے ہی جناب نواب اللہ بخش صاحب نے فرمایا۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ مشورہ طلب امر یہ نہیں کہ استعفاء کب دیا جائے۔ مشورہ طلب امر یہ ہے کہ اس وقت استعفاء دیا جائے یا نہیں۔ فیصلہ یہ ہونا چاہیئے استعفاء دیا جائے یا پھر یہ ہونا چاہیئے استعفاء نہ دیا جائے۔ یہ کوئی فیصلہ نہیں آج سے ڈیڑھ ماہ یا دو ماہ بعد استعفاء دیا جائے۔ آپ کیا کہہ سکتے ہیں اس درمیانی عرصے میں کیا واقعات ہوں اور کیا مراحل پیش آئیں اور کن حالات کا آپ کو سامنا ہو۔ اگر اس وقت استعفاء نہیں ہونا چاہیئے تو بس اسی پر اکتفا کرو، استعفاء

نہیں دینا چاہیئے۔ کل کیا ہوگا یا ایک مہینہ بعد کیا ہوگا، یہ وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ پھر ایک اور امر بھی قابل غور ہے۔ اگر آپ آج یہ فیصلہ کریں۔ بجٹ پاس کرنے کے بعد استعفار دیں گے تو یہ خلاف دیانت ہے۔ بجٹ آپ پارٹی کی مدد سے پاس کریں گے۔ اس وقت تو آپ انہیں بتائیں گے نہیں کہ آپ نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ بجٹ پاس کرتے کے بعد استعفار دے دیں گے۔ اگر اس وقت آپ انہیں بتائیں گے تو ابھی سے پارٹی منتشر ہو جائے گی اور خود ہی آپ کا استعفار ہو جائے گا۔ اور اگر اس وقت نہیں بتائیں گے اور ان کی مدد سے بجٹ پاس کرنے کے بعد اُن کی خلافِ مرضی استعفار دے دیں گے تو گویا آپ نے اُن سے فریب کیا کہ ان کی مدد سے بجٹ پاس کرلیا اور پھر ان کی خلافِ مرضی استعفار دے دیا۔ اس لئے میری تو یہی رائے ہے کہ اس وقت صرف یہ طے ہونا چاہیئے کہ اس مرحلے پر آپ استعفار دیں یا نہ دیں۔ میں اپنی رائے بتا چکا ہوں کہ آپ کو استعفار دینا چاہیئے۔ آگے جیسے آپ مناسب سمجھیں۔

اس کے بعد جناب نواب مظفر علی خاں صاحب چند منٹ ٹھہر کر تشریف لے گئے۔ جناب ملک صاحب نے اسی سہ پہر کے لئے پارٹی کا اجلاس اپنے دولتکدے پر طلب فرمایا اور خود گورنر صاحب (SIR EVANS JEN-KINS) کو ملنے تشریف لے گئے۔ گورنر سے کہا۔ وزیر اعظم ایٹلی کے اعلان کے پیش نظر میں سوچ بچار کے بعد اس رائے کی طرف مائل ہوں کہ مجھے اس مرحلے پر استعفار دے دینا چاہیئے۔ لیکن پختہ فیصلہ کرنے سے پہلے میں نے آج سہ پہر پارٹی کا اجلاس طلب کیا ہے۔ اگر پارٹی کے ساتھ گفتگو کے بعد میں اس رائے پر قائم رہا تو میں آج شام پھر آپ سے ملنے کے لئے آؤں گا اور اپنے فیصلے سے آپ کو مطلع کردوں گا۔ گورنر صاحب نے فرمایا۔ یہ امر خالصتہً آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔ حالات کے پیشِ نظر میں آپ کی رائے پر کوئی اثر ڈالنا نہیں چاہتا۔ لیکن کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے خود بخود یہ رائے قائم کی ہے یا کسی طرف سے آپ کو کوئی تحریک ہوئی ہے۔ اس پر ملک صاحب نے فرمایا کہ فیصلہ تو میرا جو کچھ ہوگا اپنا ہی ہوگا لیکن وزیر اعظم ایٹلی کے اعلان کے نتیجے میں توجہ مجھے ظفراللہ خاں نے دلائی ہے۔

پارٹی کا اجلاس تین بجے سہ پہر سے چھ سات بجے تک رہا۔ میں تو اس میں شامل نہیں تھا۔ لیکن میرے کمرے تک بعض دفعہ آواز پہنچتی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ بحث گرم ہو رہی ہے۔ شام کے کھانے پر جناب ملک صاحب نے بتایا کہ پارٹی کے غیر مسلم اراکین میرے فیصلے پر بہت آزردہ تھے اور اپنے اپنے زاویہ نگاہ سے مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ میرا مجوزہ اقدام درست نہیں۔ لیکن میرا موقف یہی

رہا کہ برطانوی وزیرِ اعظم کے اعلان کے بعد میرے لئے اَور کوئی رستہ کھُلا نہیں رہا۔

کھانے کے بعد جناب ملک صاحب گورنر صاحب سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اور اپنا استعفیٰ پیش کر دیا اور ساتھ ہی گورنر صاحب کو مشورہ دیا کہ جناب نواب صاحب ممدوٹ کو بحیثیت قائد مُسلم لیگ پارٹی دعوت دی جائے کہ وہ نئی وزارت کی تشکیل کریں۔

جناب ملک صاحب کے استعفاء کا اعلان ریڈیو پر ہو گیا۔ مُسلم لیگ حلقوں میں اس خبر سے خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور صبح ہوتے ہی شہر بھر میں خضر حیات زندہ باد کے نعرے بلند ہونے لگے۔ جناب راجہ غضنفر علی صاحب اور جناب سردار شوکت حیات خاں صاحب کی سرکردگی میں بہت سے مُسلم لیگ کے سرکردہ اصحاب جناب ملک صاحب کے بنگلے پر تشریف لائے اور ملک صاحب کو مبارک باد دی، گلے لگایا اور پھُولوں کے ہار پہنائے گئے۔ اس کے برعکس غیر مُسلم حلقوں میں اس خبر سے بہت بے چینی پھَیل گئی اور اُن کی طرف سے مخالفانہ مظاہرے شروع ہو گئے۔ یہ رَو صُوبے بھر میں پھیل گئی اور بعض مقامات پر فرقہ وارانہ افسوسناک وارداتیں بھی ہوئیں۔ مَیں اُسی دن دلّی واپس چلا گیا۔

صُوبائی مُسلم لیگ قیادت کی طرف سے جناب ملک صاحب پر زور دیا گیا کہ وہ مُسلم لیگ پارٹی میں شامل ہو جائیں۔ انہوں نے وضاحت سے فرما دیا کہ وہ سیاسیات سے الگ رہنا چاہتے ہیں جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی ذہن میں بھی یہ غلط اندازہ کیا جائے کہ انہیں وزارت یا کسی سیاسی اعزاز یا منصب کی خواہش ہے۔ مُسلم لیگ پارٹی کے متعلق انہوں نے اپنی نیک خواہی کا ثبوت یُوں دے دیا کہ انہوں نے جناب نواب مظفر علی خاں صاحب قزلباش کو مشورہ دیا کہ وہ مُسلم لیگ پارٹی میں شامل ہو جائیں چنانچہ وہ شامل ہو گئے۔

جناب ملک سر خضر حیات خاں صاحب کا پہلا موقف درست تھا یا غلط، اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ اس مرحلے پر ان کا استعفاء دینا ایک نہایت قابلِ ستائش فعل تھا۔ جس کے نتیجے میں صوبہ پنجاب میں مُسلم لیگ کا رستہ صاف ہو گیا اور پاکستان کے استحکام کی صورت پیدا ہو گئی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو بہت سی مشکلات کا امکان تھا۔ اس کے مقابل پر پاکستان کے قیام کے بعد جناب ملک صاحب کے ساتھ وہ انصاف اور حُسنِ سلوک روا نہ رکھا گیا۔ جس کا ہر شہری بلا امتیاز حقدار ہے" [1]

---

[1] خود نوشت سوانح حیات چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب صفحہ ۳۸۳ تا ۳۹۰۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے تقسیم پنجاب کے خلاف پُرزور احتجاج

خضر وزارت کے استعفاء پر صرف چند دن ہی گذرے تھے، کہ کانگرس ورکنگ کمیٹی نے اپنے اجلاس دہلی (منعقدہ ۴ تا ۸ مارچ ۱۹۴۷ء) میں یہ قرارداد پاس کی کہ پنجاب کو مُسلم اور غیر مُسلم پنجاب میں تقسیم کر دیا جائے[1]۔ ازاں بعد ۱۴ اپریل کو آل انڈیا ریڈیو سے سرکاری طور پر بھی اعلان ہو گیا کہ ایسی تجویز حکومت کے زیرِ غور ہے۔

حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے یہ اعلان سُنتے ہی وائسرائے ہند کے نام حسب ذیل ایکسپرس تار ارسال کیا:-

"آل انڈیا ریڈیو میں آج رات (یعنی مورخہ ۱۵ اپریل سے قبل کی رات) اعلان ہوا ہے کہ پنجاب کو تین حصوں میں تقسیم کر دینے کی تجویز زیرِ غور ہے۔ مَیں اور میری جماعت تقسیم پنجاب کی تجویز کے خلاف پُرزور احتجاج کرتے ہیں اور خصوصاً اس تجویز کے خلاف کہ وسطی پنجاب کو مغربی پنجاب سے علیحدہ کر دیا جائے۔ ہم مسلمان پنجاب کے وسطی حصوں میں کامل اکثریت رکھتے ہیں اور ہمیں ایسے ہی انسانی حقوق حاصل ہیں جو دُنیا کے کسی حصے میں کسی قوم کو حاصل ہو سکتے ہیں۔ یقیناً ہمارے ساتھ تجارتی اموال کا سا سلوک نہیں ہونا چاہیئے"[2]

لیکن افسوس جلد ہی ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے تقسیم پنجاب کا مطالبہ اس درجہ زور پکڑ گیا کہ اسے قریباً ناگزیر خیال کیا جانے لگا۔ جس پر شروع مئی ۱۹۴۷ء میں ناظر اعلیٰ قادیان کی طرف سے قائد اعظم جناب محمد علی جناح صدر آل انڈیا مُسلم لیگ کے نام مندرجہ ذیل تار بھجوایا گیا:-

"جماعت احمدیہ پنجاب کی تقسیم کے خلاف ہے لیکن اگر یہ تقسیم ناگزیر ہو تو ہماری رائے میں اُسے تین اصولی شرطوں کے ساتھ مشروط کرنا ضروری ہے۔

اوّل۔ تمام اُن علاقوں کو اسلامی علاقہ میں شامل کیا جاوے جہاں آبادی کے تناسب کے لحاظ

---

[1] "الفضل" ۱۰ امان/مارچ ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸ کالم ۱ ۔ یاد رہے قبل ازیں پنڈت جواہر لال نہرو بمبئی میں ۱۱ نومبر ۱۹۴۵ء کو ایک تقریر کے دوران کہہ چکے تھے کہ "سوال یہ ہے کہ اگر غیر مسلم پاکستان میں رہنے سے انکار کریں تو مسٹر جناح کیا کریں گے۔ ان لوگوں کو پاکستان میں رکھنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہو سکتا ہے اور وہ ہے دباؤ کا یا پاکستانی صوبوں کے حصے بخرے کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ کیا مسٹر جناح بنگال اور پنجاب کے حصے بخرے کرنے کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے چیلنج کیا کہ بنگال اور پنجاب منقسم نہیں ہو سکتے کیونکہ دونوں میں ایک تمدنی ایکتا ہے" ("پرتاپ" ۱۳ نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۳)

[2] "الفضل" ۱۷ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲

ہے مسلمانوں کی اکثریت ہے خواہ اس کے لئے اضلاع کی حدود توڑنی پڑیں یا تسلسل کو ترک کر کے معقول جُداگانہ جزیرے بنانے پڑیں۔

دوم۔ تمام علاقوں کو اسلامی علاقے قرار دیا جائے جہاں مسلمان انفرادی طور پر سب سے بڑی پارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ جہاں مسلمانوں، ہندوؤں، اور سکھوں کی رائے معلوم ہے اچھوت اقوام اور عیسائیوں کی رائے ریفرینڈم یعنی حصول رائے عامہ کے طریق پر کی جائے۔

سوئم۔ نہروں کے ہیڈ اور بجلی کے پاور سٹیشن اور پہاڑی صحت افزا مقامات کو اُن علاقوں کے ساتھ کم از کم پندرہ سال کے عرصہ کے لئے ملحق رکھا جائے جنہیں وہ اس وقت زیادہ تر فائدہ پہنچا رہے ہیں خواہ مقامی آبادی کا تناسب اس کے خلاف ہو"[1]

ناظر اعلیٰ قادیان نے جہاں قائداعظم کو یہ تار دیا وہاں مسٹر ایٹلے وزیراعظم برطانیہ اور مسٹر چرچل لیڈر حزب اختلاف کے نام بھی تار ارسال کیا جس کی نقل قائداعظم محمد علی جناح دہلی، اورینٹ پریس اور ایسوسی ایٹڈ پریس لاہور کو بھی بھجوائیں۔ تار کے الفاظ یہ تھے :۔

"احمدیہ جماعت پنجاب کی تقسیم کے سخت خلاف ہے کیونکہ وہ جغرافیائی اور اقتصادی لحاظ سے ایک قدرتی یونٹ ہے اور اُسے ہندوستان کی تقسیم پر قیاس کرنا اور اس کا طبعی نتیجہ قرار دینا بالکل خلافِ انصاف اور خلافِ عقل ہے۔ اگر صوبوں یعنی قدرتی یونٹوں کو اس لئے تقسیم کیا جا رہا ہے کہ اقلیتوں کے لئے حفاظت کا سامان مہیا کیا جائے تو اس صورت میں یُو پی کے ۸۴ لاکھ اور بہار کے ۴۷ لاکھ اور مدراس کے ۳۹ لاکھ مسلمان زیادہ حفاظت کے مستحق ہیں۔ یہ دلیل کہ ان صوبوں کی مسلمان آبادیاں کسی حصہ میں بھی اکثریت نہیں رکھتیں ایک بالکل غیر متعلق اور غیر موثر دلیل ہے کیونکہ اگر تقسیم کو قدرتی یونٹوں کے اصول کی بجائے اقلیتوں کی حفاظت کے اصول پر مبنی قرار دینا ہے، تو پھر اس وقت ان مسلمان آبادیوں کا منتشر صورت میں پایا جانا ہرگز انصاف کے رستہ میں روک نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ اس وجہ سے ان کی حفاظت کا حق اور بھی زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے سکھوں کو بھی جیسا کہ اُن کا اہل الرّائے اور سنجیدہ طبقہ خیال کرتا ہے پنجاب کی تقسیم سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ وہ اپنی آبادی کو دو حصوں میں بانٹ کر اور دونوں حصوں میں اقلیت رہتے ہوئے اپنی

---

[1] "الفضل" ۲۸ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۵ کالم ۱، ۲

طاقت کو اور بھی کمزور کر لیتے ہیں۔ یہ ادّعا کہ پنجاب کی تقسیم آبادی کی بجائے جائداد کی بنا پر ہونی چاہیئے نہ صرف جمہوریت کے تمام مسلّمہ اصولوں کے خلاف ہے بلکہ اس سے مادّی اموال کو انسانی جانوں پر فوقیت بھی حاصل ہوتی ہے جو ایک بالکل ظالمانہ نظریہ ہے" [۵]

پاکستان کی تائید میں سیدنا المصلح الموعود کا پُرشوکت بیان

دہلی کے اخبار "ریاست" نے اپنے ایک اداراتی نوٹ میں احمدیوں کی پاکستان نواز پالیسی پر تنقید کی جس کا ملخص یہ تھا کہ احمدی پاکستان کی تائید کر رہے ہیں مگر جب پاکستان قائم ہوگیا تو اُن کے ساتھ دوسرے مُسلمان وہی سلوک روا رکھیں گے جو کابل میں افغان حکومت کی طرف سے کیا گیا تھا۔

حضرت مُصلح موعود کی خدمت میں جب اخبار "ریاست" کے اس شذرہ کی اطلاع پہنچی تو حضور نے ۱۶ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو نماز مغرب کے بعد مسجد مبارک قادیان میں ایک پُرشوکت تقریر فرمائی جس میں مطالبہ پاکستان کی معقولیت و ضرورت کو مختلف نقطہ ہائے نگاہ سے بڑی شرح و بسط سے واضح کیا۔ اور اعلان فرمایا کہ مسلمان مظلوم ہیں اور ہم تو بہرحال مظلوموں کا ساتھ دیں گے خواہ ہمیں تختہ دار پر ہی لٹکا دیا جائے۔ حضور کی یہ یادگار تقریر بجنسہٖ ذیل میں دی جاتی ہے۔ فرمایا:-

"آج مجھے ایک عزیز نے بتایا کہ دلّی کے ایک اخبار نے لکھا ہے کہ احمدی اس وقت تو پاکستان کی حمایت کرتے ہیں مگر ان کو وہ وقت بھول گیا ہے جبکہ ان کے ساتھ دوسرے مسلمانوں نے بُرے سلوک کئے تھے۔ جب پاکستان بن جائے گا تو اُن کے ساتھ مسلمان پھر وہی سلوک کریں گے جو کابل میں اُن کے ساتھ ہوا تھا اور اس وقت احمدی کہیں گے کہ ہمیں ہندوستان میں شامل کر لو۔

کہنے والے کی اس بات کو کئی پہلوؤں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کا ایک پہلو تو یہی ہے کہ جب پاکستان بن جائے گا تو ہمارے ساتھ مسلمانوں کی طرف سے وہی سلوک ہوگا جو آج سے کچھ عرصہ پیشتر افغانستان میں ہوا تھا اور فرض کرو ایسا ہی ہو جائے، پاکستان بھی بن جائے اور ہمارے ساتھ وہی سلوک روا بھی رکھا جائے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ ایک دیندار جماعت جس کی بنیاد ہی مذہب، اخلاق اور انصاف پر ہے۔ کیا وہ اس کے متعلق اس نقطہ نگاہ سے فیصلہ کرے گی کہ میرا

---

[۵] "الفضل" ۲۴ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳۔

اس میں فائدہ ہے یا وہ اس نقطہ نگاہ سے فیصلہ کرے گی کہ اس امر میں دوسرے کا حق کیا ہے۔ یقیناً وہ ایسے معاملہ میں موخرالذکر نقطہ نگاہ سے ہی فیصلہ کرے گی۔ مثلاً ایک مجسٹریٹ ایسے علاقہ میں عدالت کی کرسی پر بیٹھا ہے جس میں اس کے بعض قریبی رشتہ دار بھی رہتے ہیں اور اس کے ان رشتہ داروں کے دوسرے لوگوں کے ساتھ تنازعات بھی ہیں۔ اس کے سامنے ایک ایسا مقدمہ پیش ہوتا ہے جس میں اس کے رشتہ داروں کا ایک دشمن مدعی ہے۔ اگر اس کے پاس روپیہ ہو تو وہ اس کے رشتہ داروں کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اگر یہ مجسٹریٹ اسی مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے تو اس مدعی کے پاس روپیہ آجاتا ہے اور پھر وہ اس مجسٹریٹ کے رشتہ داروں کو دق کر سکتا ہے تو کیا ایک دیانت دار مجسٹریٹ اس ڈر سے کہ کل کو یہ روپیہ ہمارے خلاف استعمال کرے گا، اس حقدار مدعی کے خلاف فیصلہ کر دے گا؟ اگر وہ ایسا کرے گا تو یہ اُس کی صریح ناانصافی ہوگی اور اگر وہ حق پر قائم رہتے ہوئے شہادات کو دیکھتے ہوئے اور موادِ مسل کی روشنی میں مدعی کے حق میں فیصلہ دیتا ہے تو کیا کوئی دیانتدار دُنیا میں ایسا بھی ہو سکتا ہے جو اس کے فیصلہ پر یہ کہے کہ اس نے فیصلہ ٹھیک نہیں کیا اور اپنے اور اپنے رشتہ داروں پر ظلم کیا ہے۔ کوئی شریف اور دیانتدار مجسٹریٹ یہ نہیں کر سکتا کہ وہ کسی مقدمہ کا حصر اپنے آئندہ فوائد پر رکھے اور کوئی دیانتدار مجسٹریٹ ایسا نہیں ہو سکتا جو موادِ مسل کو نظرانداز کرتے ہوئے آنکھیں بند کر کے فیصلہ دے دے بلکہ ایمانداری اور دیانتداری متقاضی ہے اس بات کی کہ وہ حق اور انصاف اور غیر جنبہ داری سے کام لے کر مقدمہ کا فیصلہ سُنائے۔ وہ یہ نہ دیکھے کہ جس شخص کے حق میں مَیں ڈگری دے رہا ہوں۔ یہ طاقت پکڑ کر کل کو میرے ہی خاندان کے خلاف اپنی طاقت استعمال کرے گا۔ پس انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ وہ عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر نظرانداز کر دے اس بات کو کہ مَیں کس کے خلاف اور کس کے حق میں فیصلہ دے رہا ہوں۔ وہ نظرانداز کر دے اس بات کو کہ جس روپیہ کے متعلق مَیں ڈگری دے رہا ہوں وہ روپیہ کل کو کہاں خرچ ہوگا اور وہ بھول جائے اس بات کو کہ فریقینِ مقدمہ کون ہیں کیونکہ انصاف اور ایمانداری اسی کا نام ہے۔ پس قطع نظر اس کے کہ مُسلم لیگ والے پاکستان بننے کے بعد ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ وہ ہمارے ساتھ وہی کابل والا سلوک کریں گے یا اس سے بھی بدتر معاملہ کریں گے۔

اس وقت سوال یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے جھگڑے میں حق پر کون ہے اور ناحق پر کون۔ آخر یہ بات آج کی تو ہے نہیں۔ یہ تو ایک لمبا اور پرانا جھگڑا ہے جو بیسیوں سال سے اُن کے درمیان چلا آتا ہے۔ ہم نے بار بار ہندوؤں کو توجہ دلائی کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کو تلف کر رہے ہیں۔ یہ امر ٹھیک نہیں ہے۔ ہم نے بار بار ہندوؤں کو متنبہ کیا کہ مسلمانوں کے حقوق کو اس طرح نظر انداز کر دینا بعید از انصاف ہے اور ہم نے بار بار ہندو لیڈروں کو آگاہ کیا کہ یہ حق تلفی اور یہ ناانصافی آخر رنگ لائے گی۔ مگر افسوس کہ ہمارے توجہ دلانے ہمارے انتباہ اور ہمارے ان کو آگاہ کرنے کا نتیجہ کبھی کچھ نہ نکلا۔ ہندو سختی سے اپنے اس عمل پر قائم رہے۔ انہوں نے اکثریت کے گھمنڈ میں مسلمانوں کے حقوق کا گلا گھونٹا۔ انہوں نے حکومت کے غرور میں اقلیت کی گردنوں پر چھری چلائی اور انہوں نے تعصب اور ہندوانہ ذہنیت سے کام لیتے ہوئے ہمیشہ مسلمانوں کے جذبات کا خون کیا اور ہندو لیڈروں کو بار بار توجہ دلانے کے باوجود نتیجہ ہمیشہ صفر ہی رہا۔ ایک مسلمان جب کسی ملازمت کے لئے درخواست دیتا تو چاہے وہ کتنا ہی لائق کیوں نہ ہوتا اس کی درخواست پر اس لئے غور نہ کیا جاتا کہ وہ مسلمان ہے اور اس کے مقابلہ میں ہندو چاہے کتنا ہی نالائق ہوتا اس کو ملازمت میں لے لیا جاتا۔ اسی طرح گورنمنٹ کے تمام ٹھیکے مسلمانوں کی لیاقت، قابلیت اور اہلیت کو نظر انداز کرتے ہوئے ہندوؤں کو دے دیئے جاتے۔ تجارتی کاموں میں جہاں حکومت کا دخل ہوتا ہندوؤں کو ترجیح دی جاتی سوائے قادیان کے کہ یہاں بھی ہم نے کافی کوشش کر کے اپنا یہ حق حاصل کیا ہے باقی تمام جگہوں میں مسلمانوں کے حقوق کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کے دلوں میں ہندوؤں کے خلاف ان کی فرقہ دارانہ ذہنیت کی وجہ سے نفرت پیدا ہوتی رہی اور آخر یہ حالت پہنچ گئی جو آج سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ یہ صورت حالات کس نے پیدا کی؟ جس نے یہ صورت حالات پیدا کی وہی موجودہ حالات کا ذمہ دار بھی ہے۔ یہ سب کچھ ہندوؤں کے اپنے ہی ہاتھوں کا کیا ہوا ہے اور یہ فسادات کا تناور درخت وہی ہے جس کا بیج ہندوؤں نے بویا تھا اور اسے آج تک پانی دیتے رہے اور آج جبکہ اس درخت کی شاخیں سارے ہندوستان میں پھیل چکی ہیں۔ ہندوؤں نے شور مچانا شروع کر دیا ہے۔ مگر میں کہتا

ہوں کہ ہندوؤں کو اس وقت اس بات کا کیوں خیال نہ آیا کہ ہم مسلمانوں کے حقوق کو تلف کر رہے ہیں اور ہر محکمہ میں اور ہر شعبہ میں ان کے ساتھ بے انصافی کر رہے ہیں۔ مجھے پچیس سال شور مچاتے اور ہندوؤں کو توجہ دلاتے ہو گئے ہیں کہ تمہارا یہ طریق آخر رنگ لائے بغیر نہ رہے گا۔ لیکن افسوس کہ میری آواز پر کسی نے کان نہ دھرا اور اپنی من مانی کرتے رہے یہاں تک کہ جب ہمارا احرار سے جھگڑا تھا تو ہندوؤں نے احرار کی پیٹھ ٹھونکی اور حتی الوسع ان کی امداد کرتے رہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ جھگڑا تو ہمارے اور احرار کے درمیان مذہبی مسائل کے متعلق تھا۔ تمہیں اس معاملہ میں کسی فریق کی طرفداری کی کیا ضرورت تھی۔ اور تمہیں ختم نبوت یا وفاتِ مسیح کے مسائل کے ساتھ کیا تعلق تھا کیا تم محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد نبوت کو بند مانتے تھے کہ ہمارے اجرائے نبوت کے عقیدہ پر تم برہم ہوتے تھے؟ کیا تم حیاتِ مسیح کے قائل تھے کہ ہماری طرف سے وفاتِ مسیح کا مسئلہ پیش ہونے پر تم چراغ پا ہو گئے تھے؟ ہندوؤں کا ان مسائل کے ساتھ دُور کا بھی تعلق نہ تھا۔ احرار کی طرف سے ہندو وکلاء مُفت پیش ہوتے رہے۔ مَیں نے اس بارہ میں پنڈت نہرو کے پاس اپنا آدمی بھیجا کہ آپ لوگوں کی احرار کے ساتھ ہمدردی کس بناء پر ہے اور یہ طرفداری کیوں کی جا رہی ہے۔ انہوں نے ہنس کر کہا۔ سیاسیات میں ایسا کرنا ہی پڑتا ہے۔ اب جن لوگوں کی ذہنیت اس قسم کی ہو ان سے بھلا کیا امید کی جا سکتی ہے۔ یہ جو کچھ آج کل ہو رہا ہے یہ سب گاندھی جی، پنڈت نہرو اور مسٹر پٹیل کے ہاتھوں سے رکھی ہوئی بنیادوں پر ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انگریزوں کا بھی اس میں ہاتھ تھا۔ ان کو بھی بار بار اس امر کے متعلق توجہ دلائی گئی کہ ہندوستان کے کروڑوں کروڑ مسلمانوں کے حقوق کو تلف کیا جا رہا ہے جو ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن انہوں نے بھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا اور باوجود یہ جاننے کے ہوتا رہا کہ مسلمانوں کے حقوق تلف ہو رہے ہیں اور باوجود اس علم کے کہ مسلمانوں سے ناانصافی ہو رہی ہے مسلمان ایک مدت تک ان باتوں کو برداشت کرتے رہے۔ مگر جب یہ پانی سر سے گذرنے لگا تو وہ اُٹھے اور انہوں نے اپنے لمبے اور تلخ تجربہ کے بعد جب یہ سمجھ لیا کہ ہندوؤں کے ساتھ رہتے ہوئے اُن کے حقوق خطرے میں ہیں تو انہوں نے اپنے حقوق کی حفاظت اور آرام اور چین کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لئے الگ علاقہ کا مطالبہ پیش کر دیا

کیا وہ یہ مطالبہ نہ کرتے اور ہندوؤں کی ابدی غلامی میں رہنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ کیا وہ اتنی ٹھوکروں کے باوجود بھی نہ جاگتے۔

پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا مسلمان اتنے طویل اور تلخ تجربات کے بعد ہندوؤں پہ اعتبار کر سکتے تھے۔ ایک دو باتیں ہوتیں تو نظرانداز کی جاسکتی تھیں۔ ایک دو واقعات ہوتے تو بھلائے جاسکتے تھے۔ ایک دو چوٹیں ہوتیں تو اُن کو نظرانداز کیا جاسکتا تھا۔ ایک آدھ صوبہ میں مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچا ہوتا تو اس کو بھی بھلایا جاسکتا تھا۔ لیکن متواتر سَو سال سے ہر گاؤں میں ہر شہر میں، ہر ضلع میں اور ہر صُوبہ میں، ہر محکمہ میں، ہر شعبہ میں مسلمانوں کو دُکھ دیا گیا۔ اُن کے حقوق کو تلف کیا گیا اور ان کے جذبات کو مجروح کیا گیا اور ان کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا گیا جو زرخرید غلام کے ساتھ بھی کوئی انصاف پسند آقا نہیں رکھ سکتا کیا اب بھی وہ اپنے اس مطالبہ میں حق بجانب نہ تھے کیا اب بھی وہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے تگ و دو نہ کرتے۔ کیا اب بھی وہ اپنی عزت کی رکھوالی نہ کرتے؟ اور کیا اب بھی وہ ہندوؤں کی بدترین غلامی میں اپنے آپ کو پیش کر سکتے تھے؟ مسلمانوں کو ہمیشہ باوجود لائق ہونے کے نالائق قرار دیا جاتا رہا۔ ان کو باوجود اہل ہونے کے نااہل کہا جاتا رہا اور اُن کو باوجود قابل ہونے کے ناقابل سمجھا جاتا رہا۔ ہزاروں اور لاکھوں دفعہ ان کے جذبات کو مجروح کیا گیا۔ لاکھوں مرتبہ ان کے احساسات کو کچلا گیا اور متعدد مرتبہ ان کی امیدوں اور امنگوں کا خون کیا گیا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا اور وہ چُپ رہے۔ یہ سب کچھ اُن پہ بیتا اور وہ خاموش رہے۔ انہوں نے خاموشی کے ساتھ ظُلم سہے اور صبر کیا۔ کیا اب بھی اُن کے خاموش رہنے کا موقعہ تھا؟ یہ تھے وہ حالات جن کی وجہ سے وہ اپنا الگ اور بلاشرکت غیرے حق مانگنے کے لئے مجبور نہیں ہوئے بلکہ مجبور کئے گئے۔ یہ حق انہوں نے خود نہ مانگا بلکہ ان سے منگوایا گیا۔ یہ علیحدگی انہوں نے خود نہ چاہی بلکہ ان کو ایسا چاہنے کے لئے مجبور کیا گیا اور اس معاملہ میں وہ بالکل معذور تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ باوجود لیاقت رکھنے کے، باوجود اہلیت کے اور باوجود قابلیت کے انہیں نالائق اور ناقابل کہا جارہا ہے تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس ناانصافی کے انسداد کا سوائے اس کے اور کوئی طریق نہیں کہ وہ ان سے بالکل علیحدہ ہو جائیں۔

مَیں ہندوؤں سے پوچھتا ہوں کہ کیا مسلمان فی الواقع نالائق، ناقابل اور نااہل تھے؟ اُن کو جب کسی کام کا موقعہ ملا انہوں نے اُسے باحسن سرانجام دیا۔ مثلاً سندھ اور بنگال میں اُن کو حکومت کا موقعہ ملا ہے انہوں نے اس کو اچھی طرح سنبھال لیا ہے اور جہانتک حکومت کا سوال ہے ہندوؤں نے ان سے بڑھ کر کونسا تیر مار لیا ہے جو انہوں نے نہیں مارا۔ مدراس، بمبئی، یُو پی اور بہار وغیرہ میں ہندوؤں کی حکومت ہے جس قسم کی گورنمنٹ ان کی ان علاقوں میں ہے اسی قسم کی گورنمنٹ سندھ اور بنگال میں بھی ہے اگر لڑائی جھگڑے اور فساد وغیرہ کی وجہ سے کسی گورنمنٹ کو نااہل قرار دینا جائز ہے تو لڑائی تو بمبئی میں بھی ہو رہی ہے۔ یُو پی میں بھی ہو رہی ہے اور بہار میں بھی ہو رہی ہے۔ اگر نالائقی اور نااہلی کی یہی دلیل ہو تو بمبئی، یُو پی اور بہار وغیرہ کی گورنمنٹوں کو کس طرح لائق اور اہل کہا جاسکتا ہے۔ اور اگر کسی جگہ قتل و غارت کا ہونا ہی وہاں کی گورنمنٹ کو نااہل قرار دینے کا موجب ہوسکتا ہے تو کیوں نہ سب سے پہلے بمبئی اور بہار کی گورنمنٹوں کو نااہل کہا جائے ایک ہی دلیل کو ایک جگہ استعمال کرنا اور دوسری جگہ نہ کرنا سخت ناانصافی اور بددیانتی ہے۔ اگر یہی قاعدہ کلیہ ہو تو سب جگہ یکساں چسپاں کیا جانا چاہیئے نہ کہ جب اپنے گھر کی باری آئے تو اس کو نظرانداز کر دیا جائے۔ کسی علاقہ میں قتل و غارت اور فسادات کا ہونا ضروری نہیں کہ حاکم کی غلطی ہی سے ہو۔

مَیں پچھلے سال اکتوبر نومبر میں اس نیّت سے دہلی گیا تھا کہ کوشش کر کے کانگریس اور مُسلم لیگ کی صُلح کرا دوں۔ مَیں ہر لیڈر کے دروازہ پر خود پہنچا اور اس میں مَیں نے اپنی ذرا بھی ہتک محسوس نہ کی اور کسی کے پاس جانے کو عار نہ سمجھا صرف اس لئے کہ کانگریس اور مُسلم لیگ میں مفاہمت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ ان کے درمیان انشقاق اور افتراق رہنے کی وجہ سے مُلک کے اندر کسی قسم کا فتنہ و فساد ہونے نہ پائے۔ مَیں مسٹر گاندھی کے پاس گیا اور کہا کہ اس جھگڑے کو ختم کراؤ لیکن انہوں نے ہنس کر ٹال دیا اور کہا مَیں تو صرف ایک گاندھی ہوں آپ لیڈر ہیں آپ کچھ کریں۔ مگر مَیں کہتا ہوں کہ کیا واقعہ میں گاندھی ایک آدمی ہے اور اس کا اپنی قوم یا ملک کے اندر کچھ رُعب نہیں۔ اگر وہ صرف ایک

گاندھی ہے تو سیاسیات کے معاملات میں دخل ہی کیوں دیتا ہے۔ وہ صرف اسی لئے دخل دیتا ہے کہ ملک کا اکثر حصہ اس کی بات کو مانتا ہے۔ مگر میری بات کو ہنس کر ٹلا دیا گیا اور کہہ دیا گیا میں تو صرف گاندھی ہوں اور ایک آدمی ہوں۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ تیس کروڑ کے لیڈر ہیں اور میں ہندوستان کے صرف پانچ لاکھ کا لیڈر رہوں۔ کیا میرے کوئی بات کہنے اور تیس کروڑ کے لیڈر کے کوئی بات کہنے میں کوئی فرق نہیں۔ بیشک میں پانچ لاکھ کا لیڈر ہوں اور میری جماعت میں مخلصین بھی ہیں جو میری ہدایت پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور مجھے واجب الاطاعت تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن بہرحال وہ پانچ لاکھ ہیں اور پانچ لاکھ کے لیڈر اور تیس کروڑ کے لیڈر کی آواز ایک سی نہیں ہوسکتی۔ تیس کروڑ کے لیڈر کی آواز ضرور اثر رکھتی ہے اور ملک کے ایک معتدبہ حصہ پر رکھتی ہے۔ لیکن افسوس کہ وہی گاندھی جو ہمیشہ سیاسیات میں حصہ لیتے رہتے ہیں میری بات سننے پر تیار نہ ہوئے۔ اسی طرح میں پنڈت نہرو کے دروازہ پر گیا اور کہا کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان صلح ہونی نہایت ضروری ہے۔ لیکن انہوں نے بھی صرف یہ کہہ دیا کہ یہ ٹھیک تو ہے . . . . ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر اب کیا ہوسکتا ہے، کیا بن سکتا ہے۔ اسی طرح میں نے تمام لیڈروں سے ملاقاتیں کرکر کے سارا زور لگایا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہو جائے مگر افسوس کہ کسی نے میری بات نہ سنی اور صرف اس لئے نہ سنی کہ میں پانچ لاکھ کا لیڈر تھا اور وہ کروڑوں کے لیڈر تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ملک کے اندر جگہ جگہ فسادات ہو رہے ہیں اور قتل و غارت کا بازار گرم ہے۔ اگر یہ لوگ اُس وقت میری بات کو مان جاتے اور صلح صفائی کی کوشش کرتے تو آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ مگر میری بات کو نہ مانا گیا اور صلح سے پہلوتہی اختیار کی۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد بہار اور گڑھ مکتیسر کا واقعہ ہوا۔ اور اب پنجاب میں ہو رہا ہے۔ اگر اب بھی ان لوگوں کی ذہنیتیں نہ بدلیں تو یہ فسادات اَور بھی بڑھ جائیں گے اور ایسی صورت اختیار کرلیں گے کہ باوجود ہزار کوششوں کے بھی نہ رُک سکیں گے۔ اس وقت ضرورت صرف ذہنیتیں تبدیل کرنے کی ہے۔ اگر آج بھی ہندو اقرار کرلیں کہ ہم سے غلطی ہوئی تھی۔ آؤ مسلمانو! ہم سے زیادہ سے زیادہ حقوق لے لو تو آج ہی صلح ہوسکتی ہے اور یہ تمام جھگڑے رفع دفع ہوسکتے ہیں۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ بغض پر بغض کی بنیادیں رکھتے چلے جاتے ہیں اور انجام سے بالکل غافل بیٹھے ہیں۔ اگر وہ صلح

کرنا چاہیں۔ اگر وہ پیٹنا چاہیں اور اگر وہ گلے ملنا چاہیں تو یہ سب کچھ آج ہی ہو سکتا ہے مگر اس کا صرف اور صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے ذہنیتوں میں تبدیلی۔ پس آج یہ سوال نہیں رہا کہ ہمارے ساتھ پاکستان بن جانے کی صورت میں کیا ہوگا، سوال تو یہ ہے کہ اتنے لمبے تجربہ کے بعد جبکہ ہندو حاکم تھے، گو ہندو خود تو حاکم نہ تھے بلکہ انگریز حاکم تھے لیکن ہندو حکومت پر چھائے ہوئے تھے۔ جب ہندو ایک ہندو کو اس لئے ملازمت دے دیتے تھے کہ وہ ہندو ہے۔ جب ہندو اس لئے ایک ہندو کو ٹھیکہ دے دیتے تھے کہ وہ ہندو ہے اور جب وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندوؤں کو صرف اس لئے قابل اور اہل قرار دیتے تھے کہ وہ ہندو ہیں۔ اور جب ہندو انگریز کی نہیں بلکہ اپنی حکومت سمجھتے ہوئے ہندوؤں سے امتیازی سلوک کرتے تھے اور جب وہ نوکری میں ہندو کو ایک مسلمان پر صرف یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ ہندو ہے فوقیت دیتے تھے اس وقت کے ستائے ہوئے دُکھائے ہوئے اور تنگ آئے ہوئے مُسلمان اگر اپنے الگ حقوق کا مطالبہ کریں تو کیا ان کا یہ مطالبہ ناجائز ہے؟ کیا یہ ایک روشن حقیقت نہیں کہ ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا رہا جو نہایت ناواجب نہایت ناروا اور نہایت ناانصافانہ تھا۔ حال کا ایک واقعہ ہے۔ ہمارا ایک احمدی دوست فوج میں ملازم ہے۔ باوجودیکہ اس کے خلاف ایک بھی ریمارک۔ نہ تھا اور دوسری طرف ایک سکھ کے خلاف چار ریمارکس تھے اس سکھ کو اُوپر کر دیا گیا اور احمدی کو گرا دیا گیا۔ جب وہ احمدی انگریز کمانڈر کے پاس پہنچا اور اپنا واقعہ بیان کیا تو اس نے کہا۔ واقعی آپ کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ تم درخواست لکھ کر میرے پاس لاؤ لیکن جب وہ احمدی درخواست لے کر انگریز افسر کے پاس پہنچا تو اس نے درخواست اپنے پاس رکھ لی اور اسے اُوپر نہ بھجوایا۔ کئی دن کے بعد جب دفتر سے پتہ لیا گیا کہ آخر وجہ کیا ہے کہ درخواست کو اُوپر بھجوایا نہیں گیا تو دفتر والوں نے بتایا کہ اصل بات یہ ہے کہ شملہ سے آرڈر آ گیا ہے کہ کوئی اپیل اس حکم کے خلاف اُوپر نہ بھجوائی جائے۔ جس قوم کے ساتھ اتنا لمبا عرصہ یہ انصاف برتا گیا ہو کیا وہ اس امر کا مطالبہ نہ کرے گی کہ اسے الگ حکومت دی جائے۔ ان حالات کے پیشِ نظر ان کا حق ہے کہ وہ یہ مطالبہ کریں اور ہر دیانتدار کا فرض ہے کہ خواہ اس میں اس کا نقصان ہو، مُسلمانوں کے اس مطالبہ کی تائید کرے۔

پس ایک نقطہ نگاہ تو یہ ہے جس سے ہم اس اخبار کے متعلقہ مضمون پر غور کر سکتے ہیں۔ دوسرا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ بیشک ہمیں مسلمانوں کی طرف سے بھی بعض اوقات تکالیف پہنچ جاتی ہیں اور ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ شاید وہ ہمیں پھانسی پر چڑھا دیں گے۔ لیکن میں ہندوؤں سے یہ پوچھتا ہوں کہ تم لوگوں نے ہمیں کب سُکھ دیا تھا۔ تم لوگوں نے ہمیں کب آرام پہنچایا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور تم لوگوں نے کب ہمارے ساتھ ہمدردی کی تھی۔ کیا بہار میں بے گناہ احمدی مارے گئے یا نہیں؟ کیا ان لوگوں کی جائدادیں تم لوگوں نے تباہ کیں یا نہیں؟ کیا اُن کو بے جا دُکھ پہنچایا یا نہیں؟ کیا گڑھ مکتیسر میں شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور کا لڑکا تمہارے مظالم کا شکار ہوا یا نہیں؟ حالانکہ وہ ہیلتھ آفیسر تھا اور وہ تمہارے میلے میں اس لئے گیا تھا کہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو جائے تو اُس کا علاج کرے۔ اگر تم میں سے کسی کو زخم لگ جائے تو اس پر مرہم پٹی کرے اور اگر تم میں سے کوئی بخار سے مَر رہا ہو تو اُسے کونین کھلائے۔ وہ ایک ڈاکٹر تھا اور ڈاکٹری ایک ایسا پیشہ ہے جس کو فرقہ دارانہ حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ وہ بیچارا تمہارے علاج معالجہ کے لئے گیا تھا اس کو تم نے کیوں قتل کر دیا؟ کیا اس سے بڑھ کر بھی شقاوتِ قلبی کی کوئی اَور مثال ہو سکتی ہے؟ کیا اس سے آگے بھی ظلم کی کوئی حد ہے؟ پھر اس کی بیوی نے خود مجھے اپنے دردناک حالات سنائے اس نے بتایا کہ غنڈوں نے اس کے مُنہ میں مٹی ڈالی۔ اسے مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ اس کے کپڑے اُتار لئے اور اُسے دریا میں پھینک دیا اور پھر اسی پر بس نہ کی بلکہ دریا میں پھینک کر سوٹیوں کے ساتھ دباتے رہے تاکہ اس کے مَرنے میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ تیرنا جانتی تھی اور وہ ہمت کر کے ہاتھ پاؤں مار کر دریا سے نکل آئی اور پھر کسی کی مدد سے ہسپتال پہنچی۔[1]

---

[1] مورخِ پاکستان سید رئیس احمد جعفری نے اپنی کتاب "قائداعظم اور ان کا عہد" میں اس دردانگیز واقعہ کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:
"ڈاکٹر ہارون الرشید جو محکمہ صحت کے انچارج تھے بے دردی سے قتل کر دیئے گئے۔ ان کی اہلیہ محترمہ کے کپڑے اتار دیئے گئے اور مجمع میں سے کسی ایک شخص کو بہ حیثیت شوہر منتخب کر لینے کا حکم دیا گیا۔ انہوں نے انکار کیا تو انہیں مارتے مارتے ادھ مُوا کر دیا گیا۔ یہ واقعہ دریا کے کنارے پیش آیا تھا۔ ان کی سمجھ میں کچھ اَور تو نہ آیا۔ وہ دریا میں کود پڑیں اور نیم بے ہوش حالت میں بہت دُور جا نکلیں ایک آدمی نے انہیں دیکھ لیا۔ وہ ان کی بہتی ہوئی لاش کو گھسیٹتا ہوا کنارے لایا۔ کچھ رمق زندگی کی باقی تھی۔ علاج معالجہ سے اچھی ہو گئیں۔ اب اپنے وطن لاہور میں ہیں۔ گڑھ مکتیسر کے شہیدوں کی بے گور و کفن لاشیں کئی دن تک شارع عام میں پڑی سڑتی رہیں۔ کوئی ان کی نماز پڑھنے والا، انہیں دفن کرنے والا بھی نہ تھا۔ آہ

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"

(صفحہ ۷۵۴-۷۵۵)

کیا اس سے بڑھ کر بے دردی کی کوئی مثال ہو سکتی ہے کہ ایک ناکردہ گناہ شخص اور پھر عورت پر اس قسم کے مظالم توڑے جائیں؟ کیا اس قسم کی حرکات سفاکانہ نہیں ہیں؟ ان حالات کی موجودگی میں اگر ہمارے لئے دونوں طرف ہی موت ہے تو ہم ان لوگوں کے حق میں کیوں رائے نہ دیں جن کا دعویٰ حق پر ہے۔

پھر تیسرا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اگر ہم ان تمام حالات کی موجودگی میں جو اُوپر ذکر ہو چکے ہیں انصاف کی طرفداری کریں گے تو کیا خدا تعالیٰ ہمارے اس فعل کو نہ جانتا ہوگا کہ ہم نے انصاف سے کام لیا ہے۔ جب وہ جانتا ہوگا تو وہ خود انصاف پر قائم ہونے والوں کی پشت پناہ ہوگا۔ لکھنے والوں نے تو لکھ دیا کہ احمدیوں کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو کابل میں اُن کے ساتھ ہوا تھا مگر مَیں اُن سے پوچھتا ہوں کہاں ہے امان اللہ؟ اگر اس نے احمدیوں پر ظلم کیا تھا تو کیا خدا تعالیٰ نے اس کے اسی جُرم کی پاداش میں اس کی دھجیاں نہ اُڑا دیں؟ کیا خدا تعالیٰ نے اس کی حکومت کو تباہ نہ کر دیا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی حکومت کے تار و پود کو بکھیر کر نہ رکھ دیا؟ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی ذریت سمیت ذلیل اور رُسوائے عالم نہ کر دیا؟ کیا خدا تعالیٰ نے مظلوموں پر بے جا ظلم ہوتے دیکھ کر ظالموں کو کیفرِ کردار تک نہ پہنچایا؟ اور کیا اللہ تعالیٰ نے امان اللہ کے اس ظلم کا اس سے کما حقہٗ بدلہ نہ لیا؟ ہاں کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی شان و شوکت رُعب اور دبدبہ کو خاک میں نہ ملا دیا؟

پھر مَیں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیا ہمارا وہ خدا جس نے اس سے پیشتر ہر موقعہ پر ہم پر ظلم کرنے والوں کو سزائیں دیں کیا نعوذ باللہ اب وہ مر چکا ہے؟ وہ ہمارا خدا اب بھی زندہ ہے اور اپنی ساری طاقتوں کے ساتھ اب بھی موجود ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر ہم انصاف کا پہلو اختیار کریں گے اور اس کے باوجود ہم پر ظلم کیا جائے گا تو وہ ظالموں کا وہی حشر کرے گا جو امان اللہ کا ہوا تھا۔ اگر ہم پہلے خدا پر یقین رکھتے تھے تو کیا اب چھوڑ دیں گے؟ ہمیں اللہ تعالےٰ کی ذات پر کامل یقین ہے۔ وہ انصاف کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے اور ظالموں کو سزا دیتا ہے۔ وہ اب بھی اسی طرح کرے گا جس طرح اس سے پیشتر وہ ہر موقعہ پر ہماری نصرت اور اعانت فرماتا رہا۔ اس کی پکڑ، اس کی گرفت اور اس کی بطش اب بھی شدید ہے جس طرح کہ پہلے شدید

تھی۔ کیا اب ہم نعوذ باللہ یہ سمجھ لیں گے کہ ہمارے انصاف پہ قائم ہو جانے سے وہ ہمارا ساتھ چھوڑ دے گا۔ ہرگز نہیں۔ یہ احمدیت کا پودا کوئی معمولی پودا نہیں۔ یہ اس نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے اور وہ خود اس کی حفاظت کرے گا اور مخالف حالات کے باوجود کرے گا۔ دشمن پہلے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے مگر یہ پودا اُن کی حسرت بھری نگاہوں کے سامنے بڑھتا رہا۔ تاریکی کے فرزندوں نے پہلے بھی حق کو دبانے کی کوشش کی مگر حق ہمیشہ ہی اُبھرتا رہا اور اب بھی اللہ تعالےٰ کے فضل سے اسی طرح ہوگا یہ چراغ وہ نہیں جسے دشمن کی پھونکیں بجھا سکیں یہ درخت وہ نہیں جسے عداوت کی آندھیاں اکھاڑ سکیں مخالف ہوائیں چلیں گی، طوفان آئیں گے، مخالفت کا سمندر ٹھاٹھیں مارے گا اور لہریں اُچھالے گا مگر یہ جہاز جس کا ناخدا خود خدا ہے پار لگ کر ہی رہے گا۔ امان اللہ کا واقعہ یاد دلانے سے کیا فائدہ۔ کیا تمہیں صرف امان اللہ کا ظلم ہی یاد رہ گیا اور تم نے اس کے انجام کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں تمہیں وہ واقعہ یاد رہ گیا۔ مگر اس واقعہ کا نتیجہ تم بھول گئے۔ کیا امان اللہ کی ذلت اور رُسوائی کی کوئی مثال تمہارے پاس موجود ہے۔ تم نے وہ واقعہ یاد دلایا تھا تو تم اس کا انجام بھی دیکھتے۔ جب وہ یورپ روانہ ہوا تو خود اس کے ایک درباری نے خط لکھا کہ ہماری مجالس میں بار بار یہ ذکر آیا ہے کہ یہ جو کچھ ہماری ذلت ہوئی وہ اسی ظلم کی وجہ سے ہوئی ہے جو ہم نے احمدیوں کے ساتھ کیا تھا۔ امید ہے کہ اب جبکہ ہمیں سزا مل چکی ہے آپ ہمارے لئے بددعا نہ کریں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اس کے درباریوں کو یہ یقین تھا کہ اس کی ذلت کا سبب اُس کا ظلم ہے۔ آج وہی امان اللہ جو ایک بڑی شان و شوکت، رُعب و جلال اور دبدبہ کا مالک تھا اپنے ظلم کی وجہ سے اس حال کو پہنچ چکا ہے کہ وہ اٹلی میں بیٹھا اپنی ذلت کے دن گذار رہا ہے وہ کتنا چالاک اور ہوشیار بادشاہ تھا کہ اس نے اپنی باجگذار ریاست کو آزاد بنا دیا۔ مگر جب اُس نے غریب احمدیوں پر ظلم کیا تو اس کی ساری طاقت اور قوت مٹا دی گئی اور اس نے اپنے ظلم کا نتیجہ پالیا اور ایسا پایا کہ آج تک اس کی سزا بھگت رہا ہے۔ ایک طالبِ حق اور انصاف پسند آدمی کے لئے یہی ایک نشان کافی ہے۔ کاش! لوگ اس پر غور کرتے۔

شاید یہاں کوئی شخص یہ اعتراض کر دے کہ امان اللہ کے باپ نے بھی تو احمدی مروائے تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے ناواقفی سے ایسا کیا تھا اور امان اللہ نے جان بوجھ کر

کیونکہ ہمارے استفسار پر اس کی حکومت کی طرف سے لکھا گیا تھا کہ بیشک احمدی مبلّغ بھجوا دیئے جائیں اب وہ وحشت کا زمانہ نہیں رہا، ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ لیکن جب ہمارے مبلّغ وہاں پہنچے تو اس نے انہیں قتل کرا دیا۔ پھر یہ بھی نہیں کہ حبیب اللہ کو سزا نہیں ملی۔ وہ بھی اس سزا سے باہر نہیں رہا کیونکہ اس کی ساری نسل تباہ ہوگئی۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف امان اللہ کا بدلہ نہیں لیا بلکہ اس بدلہ میں حبیب اللہ اور عبدالرحمٰن بھی شامل ہیں۔

پس یہ ہے ہمارا تیسرا نقطۂ نگاہ۔ ان تینوں نقطہ ہائے نگاہ سے دیکھتے ہوئے ہمارے لئے گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ ہم نے تو اس معاملہ کو انصاف کی نظروں سے دیکھنا ہے اور انصاف کے ترازو پر تولنا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں انصاف کا یہ حال ہے کہ برابر سَو سال سے ہندو مسلمانوں کو تباہ کرتے چلے آ رہے تھے اور صرف ہندو کا نام دیکھ کر ملازمت میں رکھ لیتے رہے اور مسلمان کا نام آنے پر اس کی درخواست کو مسترد کر دیتے رہے۔ جب درخواست پر رلا رام کا نام لکھا ہوتا تو درخواست کو منظور کر لیا جاتا رہا۔ اور جب درخواست پر عبدالرحمٰن کا نام آجاتا تو اُسے ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا۔ اس بات کا خیال نہ رکھا جاتا رہا کہ رلا رام اور عبدالرحمٰن میں سے کون اہل ہے اور کون نا اہل۔ اس بات کو ملحوظ نہ رکھا جاتا رہا کہ رلا رام اور عبدالرحمٰن میں سے کون قابل ہے اور کون نا قابل، اور اس امر کو پیش نظر نہ رکھا جاتا رہا کہ رلا رام اور عبدالرحمٰن میں سے کون لائق ہے اور کون نالائق۔ صرف ہندوانہ نام کی وجہ سے اُسے رکھ لیا جاتا اور صرف اسلامی نام کی وجہ سے اُسے ردّ کر دیا جاتا۔

ہم نے ان حالات کی وجہ سے بار بار شور مچایا۔ ہندو لیڈروں سے اس ظلم کے انسداد کی کوشش کے لئے کہا مگر کسی کے کان پر جُوں تک نہ رینگی اور رینگتی بھی کیسے، وہ اپنی اکثریت کے نشے میں چُور تھے، وہ اپنی حکومت کے رُعب میں مدہوش تھے اور وہ اپنی طاقت کی وجہ سے بدمست تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہر جہت سے نقصان پہنچانے کی کوششیں کیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی ہر ترقی کی راہ میں روکاوٹیں ڈالیں اور انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ہر ممکن سازشیں کیں۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم مظلوم قوم کی مدد کریں۔ چاہے وہ ہمیں ماریں یا دُکھ پہنچائیں۔ ہمیں تو ہر قوم نے ستایا اور دُکھ دیا ہے۔ لیکن ہم نے انصاف نہیں چھوڑا۔ جب

ہندوؤں پر مُسلمانوں نے ظلم کیا ہم نے ہندوؤں کا ساتھ دیا۔ جب مسلمانوں پر ہندوؤں نے ظلم کیا ہم نے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ جب لوگوں نے بغاوت کی ہم نے حکومت کا ساتھ دیا۔ اور جب حکومت نے ناواجب سختی کی ہم نے رعایا کی تائید میں آواز اُٹھائی اور ہم اسی طرح کرتے جائیں گے خواہ اس انصاف کی تائید میں ہمیں کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اُٹھانی پڑے۔ ہمیں سب قوموں کے سلوک یاد ہیں۔ کیا ہمیں وہ دن بھُول گئے ہیں جب سردار کھڑک سنگھ صاحب نے تقریر کی تھی کہ ہم قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور قادیان کے ملبہ کو دریا بُرد کر دیں گے۔ پھر کیا لیکھرام ہندو تھا یا نہیں؟ وہ لوگ جنہوں نے احراریوں کا ساتھ دیا تھا وہ ہندو تھے یا نہیں؟

مگر ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ جو شخص یا جماعت خدا تعالیٰ کا پیغام لے کر کھڑی ہو اُس کی ساری دُنیا دشمن ہوتی ہے۔ اس لئے لوگوں کی ہمارے حق کے ساتھ دشمنی ایک طبعی امر ہے ہم نے ملکانہ میں جہاں لاکھوں مسلمانوں کو آریوں نے مُرتد کر دیا تھا اور شدھ بنا لیا تھا جا کر تبلیغ کی اور انہیں پھر حلقہ بگوش اسلام کیا اور جب وہاں اسلام کو غلبہ نصیب ہو گیا اور آریہ مغلوب ہو گئے تو وہی لوگ جو ملکانوں کے ارتداد کے وقت شور مچاتے تھے کہ احمدی کہاں گئے اور کہتے تھے وہ اب کیوں تبلیغ نہیں کرتے، وہی شور مچانے والے ملکانوں کے دوبارہ اسلام لانے پر ان کے گھر گھر گئے اور کہتے پھرے تم آریہ ہو جاؤ مگر مرزائی نہ بنو۔ ادھر ہندو ریاستوں نے ظلم پر ظلم کئے۔ الور والوں نے بھی ظلم کیا اور بھرت پور میں بھی یہی حال ہوا۔ جب ہمارے آدمی وہاں جاتے تو راجہ کا حکم پہنچ جاتا کہ تمہاری وجہ سے امن شکنی ہو رہی ہے جلد از جلد اس علاقے سے نکل جاؤ۔

ملکانہ کے ایک گاؤں میں ایک بُڑھیا مائی جمیا شدھ ہونے سے بچی تھی باقی اس کے تین چار بیٹے آریوں نے مُرتد کر لئے تھے اور بیٹوں نے اس بُڑھیا ماں سے کہا تھا کہ ماں! ہم دیکھیں گے کہ اب مولوی ہی آ کر تمہارا فصل کاٹیں گے۔ کسی نے مجھے لکھا کہ ایک بُڑھیا کو اس قسم کا طعنہ دیا گیا ہے اور اب اس کی فصل پک کر تیار کھڑی ہے۔ مَیں نے کہا۔ اسلام اور احمدیت کی غیرت چاہتی ہے کہ اب مولوی اور تعلیمیافتہ لوگ ہی جا کر اس بُڑھیا کا کھیت کاٹیں۔ چنانچہ مَیں نے اس کے لئے تحریک کی تو بڑے بڑے تعلیمیافتہ لوگ جن میں جج بھی

تھے اور بیرسٹر بھی، وکلاء بھی تھے اور ڈاکٹر بھی، مولوی بھی تھے اور مدرس بھی۔ اور انہیں میں چوہدری ظفراللہ خان صاحب کے والد مرحوم بھی گئے اور خان بہادر شیخ محمد حسین صاحب سیشن جج بھی گئے ان سب تعلیم یافتہ لوگوں نے جا کر اس بڑھیا کا کھیت کاٹا۔ اُن کے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے مگر اس بات کا اتنا رعب ہوا کہ اس سارے علاقہ میں احمدیوں کی دھاک بیٹھ گئی مگر وہاں کے راجہ نے اتنا ظُلم کیا کہ یہ لوگ چار پانچ میل گرمی میں جاتے تھے تو رات کو واپس سٹیشن پر آ کر سوتے تھے۔ چودھری نصراللہ خان صاحبؓ باوجودیکہ بڈھے آدمی تھے ان کو بھی مجبوراً روزانہ گرمی میں چار میل جانا اور چار میل آنا پڑتا تھا۔ آخر میں نے اپنا ایک آدمی گورنمنٹ ہند کے پولیٹیکل سکرٹری کی طرف بھجوایا کہ اتنا ظلم نہیں کرنا چاہیئے۔ اس ریاست میں جو چار پانچ لاکھ ہندو ہے وہ فساد نہیں کرتا اور ہمارے چند آدمیوں کے داخلہ سے فساد کا اندیشہ ہے۔ اس وقت پولیٹیکل سکرٹری سرتھامسن تھے۔ انہوں نے جواب دیا میں اس میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں راجہ سے کہوں گا۔ اگر وہ مان جائے تو بہتر ہے۔ سرتھامسن نے ہمدردی کی مگر ساتھ معذوری کا اظہار بھی کیا۔ لیکن ابھی اس پر پندرہ دن بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ راجہ پاگل ہوگیا اور اس کو ریاست سے باہر نکال دیا گیا اور پاگل ہونے کی حالت میں ہی وہ مرا۔ اسی طرح اس وقت کے الور والے راجہ کو بھی بعد میں سیاسی جرائم کی وجہ سے نکال دیا گیا۔

پس ہمارا خدا جو علیم اور خبیر ہے وہ اب بھی موجود ہے۔ اگر ہم انصاف سے کام لیں گے اور پھر بھی ہم پر ظُلم ہوگا تو وہ ضرور ظالموں کو گرفت کئے بغیر نہ چھوڑے گا۔ ظلم تو ہمیشہ سے نبیوں کی جماعتوں پر ہوتا آیا ہے۔ مگر یہ نہایت ذلیل احساسات ہیں جو اس اخبار نے پیش کئے ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے بھی ہم پر ہمیشہ ظلم کیا۔ شروع شروع میں جب احمدی تالاب سے مٹی لینے جاتے تھے تو یہاں کے سکھ وغیرہ ڈنڈے لے کر آجاتے تھے۔ آخر ہمارے ساتھ کس نے کمی کی۔ مگر ہر موقعہ پر خدا ہماری مدد کرتا رہا۔ ہمارا دشمن اگر ہمارے ساتھ ظلم اور بے انصافی بھی کرے تو ہم انصاف سے کام لیں گے اور جب تک یہ رُوح ہمارے اندر پیدا نہ ہو جائے خدا ہمارا ساتھ نہیں دے گا۔ پس ہم دیکھیں گے کہ حق کس کا ہے۔ ہندو کا ہوگا تو اس کی مدد کریں گے۔ سکھ کا ہوگا تو اس کی مدد کریں گے۔ مسلمان کا ہوگا تو اس کی مدد کریں گے۔ ہم کسی

کی دوستی اور دشمنی کو نہیں دیکھیں گے بلکہ اس معاملہ کو انصاف کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ اور جب انصاف پر قائم ہونے کے باوجود ہم پر ظلم ہوگا تو خدا کہے گا انہوں نے دشمنوں کے ساتھ انصاف کیا تھا کیا میں ان کا دوست ہو کر ان سے انصاف نہ کروں گا اور اس کی غیرت ہمارے حق میں بھڑکے گی جو ہمیشہ ہمارے کام آئے گی۔ (انشاء اللہ)"[۱]

۳ر جون کا برطانوی اعلان

ملک کے حالات روز بروز ابتر ہو رہے تھے اور مفاہمت کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اسی لئے انگریزی حکومت نے انتقال اقتدار کی مہم کو جلد از جلد سر کرنے کے لئے آخری قدم یہ اُٹھایا کہ لارڈ ویول کو لندن واپس بُلا لیا اور ان کی جگہ لارڈ مونٹ بیٹن کو وائسرائے بنا کر بھیج دیا جنہوں نے ۳ر جون ۱۹۴۷ء کو وہ سکیم نشر کی جو کابینہ کی مکمل تائید کے ساتھ اپنے ہمراہ لائے تھے۔ اس سکیم میں اختیارات کے تفویض کرنے کا یہ ڈھانچہ تجویز کیا گیا کہ مُسلم اکثریت کے صوبوں میں سے سندھ، سرحد اور بلوچستان کی صوبائی اسمبلیوں سے استصواب کیا جائے کہ وہ موجودہ دستور ساز اسمبلی میں رہنا چاہتی ہیں یا ایک جدید اور جُداگانہ دستور ساز اسمبلی میں جانا چاہتی ہیں۔ جہانتک بنگال اور پنجاب کا تعلق ہے ان کی مجالس قانون ساز (یورپین ممبروں کے علاوہ) دو حصوں میں تقسیم ہو کر مجتمع ہوں۔ ایک حصے میں مُسلم اکثریت والے اضلاع کے نمائندے ہوں اور دوسرے حصے میں باقی اضلاع کے۔ اور اگر ان دو حصوں میں سے کسی حصہ کی معمولی اکثریت نے بھی تقسیم کی موافقت میں رائے دی تو اس صوبہ کو تقسیم کر دیا جائے گا اور ان کی حد بندی کے لئے گورنر جنرل ایک حد بندی کمیشن مقرر کریں گے جو حد بندی اس بنیاد پر کرے گا۔ کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی اکثریت والے رقبے باہمی یکسانیت رکھتے ہوں۔ فرقہ دارانہ یکسانیت و اختلاط کے علاوہ دُوسرے اُمور (OTHER FACTORS) بھی ملحوظ رکھنے ہوں گے۔

اس سکیم میں یہ بھی تصریح کر دی گئی کہ اضلاع کی آبادی معلوم کرنے کے لئے ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار قطعی سمجھے جائیں گے۔ سکیم میں پنجاب و بنگال کے مندرجہ ذیل اضلاع مُسلم اکثریت والے اضلاع تسلیم کئے گئے :-

پنجاب (قسمت لاہور) اضلاع گوجرانوالہ۔ گورداسپور۔ لاہور۔ شیخوپورہ

(قسمت راولپنڈی) اضلاع اٹک۔ گجرات۔ جہلم۔ میانوالی۔ راولپنڈی۔ شاہ پور

---

[۱] "الفضل" ۱۲ر ہجرت / مئی ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ تا ۶

(قسمت ملتان) اضلاع ڈیرہ غازیخان۔ جھنگ۔ لائل پور۔ منٹگمری۔ ملتان

بنگال (قسمت چاٹگام) اضلاع چاٹگام۔ نواکھلی۔ پٹرا

(قسمت ڈھاکہ) اضلاع باقرگنج۔ ڈھاکہ۔ میمن سنگھ

(قسمت پریسیڈنسی) اضلاع جیسور۔ مرشد آباد

(قسمت راجشاہی) اضلاع بوگرا۔ دیناج پور۔ پبنہ۔ راجشاہی[1]

قائداعظم کا بیان

قائداعظم نے اس سکیم کے نشر ہونے کے بعد مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ وائسرائے نے اسی سلسلے میں مختلف قوتوں کے ساتھ نہایت بہادری سے جنگ کی ہے اور ان کی جدوجہد نے میرے خیالات پر جو اثر کیا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے ہر ایک کام نہایت منصفانہ اور غیر جانب دارانہ طور پر انجام دیا ہے اور اب اس کا دارومدار ہم پر ہے کہ ہم وائسرائے کی مہم کو قدرے آسان کریں اور جہاں تک ہمارے اختیار میں ہو ہندوستان کو اقتدار منتقل کرنے کے لئے انہوں نے جس مقصد کا ذمہ لیا ہے اس میں پوری پوری مدد کریں تاکہ کامل امن اور سکون کے ساتھ یہ اقتدار ہندوستانیوں کے سپرد کر دیا جائے"[2]

فصل ہفتم

حضرت مصلح موعود کی طرف سے سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل

اور

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کا معرکۃ الآراء مضمون "خالصہ ہوشیار باش"

۳ جون کی برطانوی سکیم کے بعد مطالبہ تقسیم پنجاب کو آئینی حیثیت حاصل ہو گئی اور حکومت نے اس کے فیصلہ کے لئے ۲۳ جون ۱۹۴۷ء کا دن مقرر کیا۔ یہ فارمولا چونکہ بظاہر سکھوں کے ایماء اور اُن کے فائدہ کے لئے

---

[1] ملخصاً از "قائداعظم اور ان کا عہد" صفحہ ۴۸۵ تا ۴۹۳۔ [2] "ایضاً" صفحہ ۴۹۴۔

تسلیم کیا گیا تھا اس لئے حضرت مصلح موعود نے "سکھ قوم کے نام دردمندانہ اپیل" کے عنوان سے ایک ٹریکٹ لکھا جو دس دس ہزار کی تعداد میں بزبان اردو و گورمکھی شائع کیا گیا۔[۵] حضور نے اس ٹریکٹ میں سکھوں سے نہایت درجہ دردمند دل کے ساتھ اپیل فرمائی کہ وہ سنجیدگی اور متانت اور حقیقت پسندی سے اپنے موقف پر نظرِ ثانی کریں اور پنجاب کو تقسیم کرانے کی بجائے قائداعظم اور مسلم لیگ سے سمجھوتہ کرلیں۔ نیز قبل از وقت انتباہ بھی کر دیا کہ تقسیم پنجاب کے فیصلہ سے انہیں قومی اعتبار سے قطعاً کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اور اُن کا مستقبل مخدوش ہو جائے گا۔ حضور کا یہ ٹریکٹ آپ کے سیاسی فہم و تدبر اور بصیرت و فراست کا زندہ شاہکار ہے جس کی تاریخی اہمیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ ذیل میں حضرت مصلح موعود کا یہ مضمون بجنسہٖ درج کیا جاتا ہے:۔

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

هُوَ النَّاصِرُ

سکھ قوم کے نام ـــــ دردمندانہ اپیل

پنجاب کے بٹوارے کا برطانوی فیصلہ ہو چکا ہے۔ اب خود اہلِ پنجاب نے اس کے متعلق اپنی آخری منظوری دینی ہے یا اس سے انکار کرنا ہے۔ پیشتر اس کے کہ اس کے متعلق کوئی قدم اُٹھایا جائے مناسب ہے کہ ہم اس کے متعلق پوری طرح سوچ لیں۔ ایک دفعہ نہیں دس دفعہ۔ کیونکہ تقسیم کا معاملہ معمولی نہیں بہت اہم ہے۔ اس وقت تک جو تقسیم کا اعلان ہوا ہے اس کا حسب ذیل نتیجہ نکلا ہے:۔

ہندو (انگریزی علاقہ کے) ۲۱ کروڑ میں سے ساڑھے انیس کروڑ ایک مرکز میں جمع ہو گئے ہیں اور صرف ڈیڑھ کروڑ مشرقی اور مغربی اسلامی علاقوں میں گئے ہیں۔ گویا اپنی قوم سے جدا ہونے والے ہندوؤں کی تعداد صرف سات فی صدی ہے۔ باقی ترانوے فیصدی ہندو ایک جھنڈے تلے جمع ہو گئے ہیں۔ مسلمان (انگریزی علاقہ کے) آٹھ کروڑ میں سے پانچ کروڑ دو اسلامی مرکزوں میں جمع ہو گئے ہیں اور تین کروڑ ہندو اکثریت کے علاقوں میں چلے گئے ہیں۔ گویا اپنی قوم سے جدا ہونے والے مسلمان سینتیس[۳۷] فی صدی ہیں۔ سکھ (انگریزی علاقہ

---

[۵] رپورٹ سالانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان بابت سال ۱۳۲۶-۲۷ ہش ۱۹۴۷-۴۸ء صفحہ ۷۔

میں رہنے والے) ۲۱ لاکھ مشرقی پنجاب میں چلے گئے ہیں اور سترہ لاکھ مغربی پنجاب میں رہ گئے ہیں۔ گویا ۴۵ فی صدی سکھ مغربی پنجاب میں چلے گئے ہیں اور ۵۵ فی صدی مشرقی پنجاب میں۔ اور تینوں قوموں کی موجودہ حالت یہ ہو گئی ہے۔ ہندو ننانوے فی صدی اپنے مرکز میں جمع ہو گئے ہیں مسلمان چونسٹھ فیصدی اپنے دو مرکزوں میں جمع ہو گئے ہیں۔ سکھ پچپن فیصدی ایسے دو مرکزوں میں جمع ہو گئے ہیں جہاں انہیں اکثریت کا حاصل ہونا تو الگ رہا پچیس فیصدی تعداد بھی انہیں حاصل نہیں۔ کیا اس صورت حالات پر سکھ خوش ہو سکتے ہیں؟ بات یہ ہے کہ اس بٹوارہ سے ہندوؤں کو بے انتہا فائدہ پہنچا ہے۔ مسلمانوں کو اخلاقی طور پر فتح حاصل ہے لیکن مادی طور پر نقصان۔ سکھوں کو مادی طور پر بھی اور اخلاقی طور پر بھی نقصان پہنچا ہے۔ گویا سب سے زیادہ گھاٹا سکھوں کو ہوا ہے اور اس سے کم مسلمانوں کو۔ ہندوؤں کو کسی قسم کا بھی کوئی نقصان نہیں ہوا۔ صرف اس غنیمت میں کمی آئی ہے جو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔

لیکن ابھی وقت ہے کہ ہم اس صورت حالات میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ۲۳ تاریخ کے بعد پھر یہ سوال آسانی سے حل نہ ہو سکے گا۔ سکھ صاحبان جانتے ہیں کہ احمدیہ جماعت کو کوئی سیاسی اور مادی فائدہ اِس یا اُس سکیم سے حاصل نہیں ہوتا۔ احمدی جماعت کو ہر طرف سے خطرات نظر آ رہے ہیں۔ ایک پہلو سے ایک خطرہ ہے تو دوسرے پہلو سے دوسرا۔ پس مَیں جو کچھ کہہ رہا ہوں عام سیاسی نظریہ اور سکھوں کی خیر خواہی کے لئے کہہ رہا ہوں۔ مَیں جس علاقہ میں رہتا ہوں گو اس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے لیکن سکھ اس علاقے میں کافی ہیں اور ہمارے ہمسائے ہیں اور ان کی نسبتِ آبادی کوئی ۲۳ فیصدی تک ہے۔ اس لئے سکھوں سے ہمارے تعلقات بہت ہیں۔ بعض سکھ رؤسا سے ہمارا خاندانی طور پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ سے بھائی چارہ اب تک چلا آتا ہے۔ اس لئے میری رائے محض خیر خواہی کی بناء پر ہے۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ سکھ صاحبان اس طرح کٹ کر رہ جائیں۔ اگر تو کوئی خاص فائدہ سکھوں کو پہنچتا تو مَیں اس تجویز کو معقول سمجھتا۔ مگر اب تو صرف اس قدر فرق پڑا ہے کہ سارے پنجاب میں مسلمان (تعداد میں) اوّل تھے، ہندو دوم، اور سکھ سوم۔ اور اب مشرقی پنجاب میں ہندو اوّل، مسلمان دوم اور سکھ سوم ہیں۔ سکھ اگر اس بٹوارے سے دوم ہو جاتے تو کچھ معقول بات بھی تھی۔ مگر صرف مسلمان اوّل سے دوم ہو گئے ہیں اور ہندو دوم سے اوّل سکھوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ پُرانے پنجاب میں مسلمانوں نے اپنے حق سے ساڑھے پانچ فیصدی سکھوں کو دے دیا تھا۔ اب تک ہندوؤں کی طرف سے کوئی اعلان نہیں ہوا کہ وہ کتنا حصّہ اپنے حصّہ میں سے سکھوں کو دینے کو تیار

ہیں۔ پرانے پنجاب میں چودہ فیصدی سکھوں کو اکیس فیصدی حصہ ملا ہوا تھا۔ اب اٹھارہ فیصدی سکھ مشرقی پنجاب میں ہو گئے ہیں۔ اگر ہندو جو تعداد میں اوّل نمبر پر ہیں مسلمانوں کی طرح اپنے حق سے سکھوں کو دیں تو سکھوں کو نئے صوبہ میں چھبیس فیصدی حق ملنا چاہیئے۔ گو سکھ پُرانے انتظام پر خوش نہ تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے صُوبہ تقسیم کروایا ہے۔ اس لئے انہیں ہندوؤں سے تیس فیصدی ملے تو وہ تب دُنیا کو کہہ سکتے ہیں کہ دیکھو پُرانے پنجاب سے ہم زیادہ فائدہ میں رہے ہیں۔ مسلمانوں نے ہمیں ڈیوڑھا حق دیا تھا۔ اب ہندوؤں نے اپنے حق سے کاٹ کر ہمیں پونے دو گنا دے دیا ہے۔ اس لئے ہمارا بٹوارہ پر زور دینا درست تھا۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا اور ہندوؤں نے اپنے حصہ سے اس نسبت سے بھی سکھوں کو نہ دیا جس نسبت سے پُرانے پنجاب میں مسلمانوں نے سکھوں کو دیا تھا تو سکھ قوم لازماً گھاٹے میں رہے گی۔ نئے صوبہ میں اٹھارہ فیصدی سکھ ہوں گے۔ بتیس فیصدی مسلمان اور پچاس فیصدی ہندو۔ اگر ہندو اسی نسبت سے اپنا حق سکھوں کو دیں جس طرح مسلمانوں نے پنجاب میں دیا تھا تو سکھوں کو چھبیس فیصدی حق مل جائے گا اور نمائندگی کی یہ شکل ہو گی کہ بتیس فیصدی مسلمان چھبیس[۲۶] فیصدی سکھ اور بیالیس فیصدی ہندو۔ لیکن اوّل تو ایسا کوئی وعدہ ہندوؤں نے سکھوں سے اب تک نہیں کیا۔ وہ غالباً یہ کوشش کریں گے کہ مسلمانوں کے حق سے سکھوں کو دینا چاہیں۔ لیکن سکھوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس سے فتنہ کا دروازہ کھُلے گا۔ جب مسلمان زیادہ تھے انہوں نے اپنے حصہ سے سکھوں کو دیا۔ اب ہندو زیادہ ہیں انہیں اپنے حصہ سے سکھوں کو دینا چاہیئے ورنہ تعلقات ناخوشگوار ہو جائیں گے۔

فرض کرو کہ ہندو سکھوں کو اپنی نیابت کے حق سے دے بھی دیں جتنا انہیں مسلمانوں نے اپنے حق سے دیا ہوا تھا تو پھر بھی سکھ صاحبان کو ان امور پر غور کرنا چاہیئے:۔

(۱) تمام سکھ امراء منٹگمری، لائل پور اور لاہور میں بستے ہیں۔ اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ لائل پور منٹگمری اور لاہور کے سکھ زمینداروں کو ملا کر فی سکھ آٹھ ایکڑ کی ملکیت بنتی ہے۔ لیکن لدھیانہ، ہوشیار پور، فیروز پور، امرتسر کی سکھ ملکیت کے لحاظ سے ایک ایکڑ فی سکھ ملکیت ہوتی ہے۔ کیونکہ لدھیانہ اور جالندھر میں سکھوں کی ملکیت بہت کم ہے اور اسی وجہ سے وہ زیادہ تر مزدوری پیشہ اور فوجی ملازم ہیں یا ملک سے باہر جا کر غیر ممالک میں کمائی کرتے ہیں۔

اس وجہ سے اگر یہ تقسیم قائم رہی تو اس کا ایک نتیجہ یہ نکلے گا کہ مالدار سکھ مغربی پنجاب سے جا

ملیں گے۔ اور اگر مسلمانوں کا رویہ اُن سے اچھا رہا اور خدا کرے اچھا رہے تو ان کی ہمدردی مشرقی سکھ سے بالکل جاتی رہے گی اور کوئی مالی امداد وہ اُسے نہ دیں گے۔ اور مشرقی علاقہ کا سکھ جو پہلے ہی بہت غریب ہے اپنی تعلیمی اور تہذیبی انجمنوں کو چلا نہ سکے گا۔ دُوسرے اُسے یہ نقصان ہوگا کہ سکھ قوم مشرقی حصہ میں اقتصادی طور پر اپنا سر اُونچا نہ رکھ سکے گی۔ تیسرے اس سے یہ نقص پیدا ہوگا کہ ہوشیار پور، فیروزپور، جالندھر اور لدھیانہ کے سکھ پہلے سے بھی زیادہ غیر ملکوں کی طرف جانے کے لئے مجبور ہوں گے۔ اور مشرقی پنجاب کے سکھوں کی آبادی روز بروز گرتی چلی جائے گی اور شاید چند سال میں ہی مشرقی پنجاب میں بھی سکھ چودہ فیصدی پر ہی آجائیں۔

پانچویں اس امر کا بھی خطرہ ہے کہ اس بٹوارے کی وجہ سے مغربی پنجاب کی حکومت یہ فیصلہ کرے کہ وہ زمین جو مشرقی پنجاب کے لوگوں کو مغربی پنجاب میں جنگی خدمت کی وجہ سے دی گئی ہے وہ اس بناء پر ضبط کر لی جائے کہ اب ان خدمات کا صلہ دینا نئے ہندو مرکز کے ذمہ ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ جب وہ لوگ الگ ہو گئے ہیں تو اس خدمت کا صلہ جو درحقیقت مرکزی خدمت تھی وہ صوبہ دے جس کا وہ شخص سیاسی باشندہ بھی نہیں ہے۔ زمیندارہ نقصان کے علاوہ کہ سکھوں کی دو تہائی جائیداد مغربی پنجاب میں رہ جائے گی ایک اَور بہت بڑا خطرہ بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ جو سکھ تجارت کرتے ہیں ان میں سے اکثر حصہ کی تجارت مغربی پنجاب سے وابستہ ہے سوائے سردار بلدیو سنگھ صاحب کے جن کی تجارت ہندو علاقہ سے وابستہ ہے، باقی سب سکھ تجارت مسلمان علاقہ سے وابستہ ہے۔ سکھوں کی تجارت جیسا کہ سب لوگ جانتے ہیں پنجاب میں راولپنڈی، کوئٹہ، جہلم اور بلوچستان سے وابستہ ہے۔ اور تجارت کی ترقی کے لئے آبادی کی مدد بھی ضروری ہوتی ہے۔ جب سکھوں کی دلچسپی مغربی پنجاب اور اسلامی علاقوں سے کم ہوگی تو لازماً اس تجارت کو بھی نقصان پہنچے گا سوائے سردار بلدیو سنگھ صاحب کے جن کی تجارت بہار سے وابستہ ہے اَور کونسا بڑا سکھ تاجر ہے جو مشرقی پنجاب یا ہندوستان میں وسیع تجارت رکھتا ہو۔ ساری کشمیر کی تجارت جو راولپنڈی کے راستہ سے ہوتی ہے یا جہلم کے ذریعہ سے ہوتی ہے سکھوں کے پاس ہے۔ ایران سے آنے والا مال اکثر سکھوں کے ہاتھ سے ہندوستان کی طرف آتا ہے اور اس تجارت کی قیمت کروڑوں تک پہنچتی ہے۔ اگر یہ تاجر موجودہ افراتفری میں اپنی تجارتوں کو بند کریں گے تو نئی جگہ کا پیدا کرنا اُن کے لئے آسان نہ ہوگا اور اگر وہ اپنی جگہ پر رہیں گے تو اسلامی حصہ ملک میں اُن

کی آبادی کے کم ہو جانے کی وجہ سے وہ اس سیاسی اثر سے محروم ہو جائیں گے جو اب ان کی تائید میں ہے اور پھر اگر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنے پہلے علاقہ میں ہی رہیں تو آہستہ آہستہ ان کی ہمدردی اپنے مشرقی بھائیوں سے کم ہو جائے گی اور سکھ انجمنیں ان کی امداد سے محروم رہ جائیں گی۔ یہ امر بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ مشرقی صوبہ کا دارالحکومت لازماً دہلی کے پاس بنایا جائے گا اور اس طرح امرتسر اپنی موجودہ حیثیت کو کھو بیٹھے گا۔ اس وقت تو لاہور کے قریب ہونے کی وجہ سے جہاں کافی سکھ آبادی ہے امرتسر تجارتی طور پر ترقی کر رہا ہے۔ لیکن اگر دارالحکومت مثلاً انبالہ چلا گیا تو انبالہ بوجہ امرتسر سے دُور ہونے کے قدرتی طور پر اپنی تجارتی ضرورتوں کے لئے امرتسر کی جگہ دہلی کی طرف دیکھے گا اور لاہور حکومت کے اختلاف کی وجہ سے امرتسر سے پہلے ہی جدا ہو چکا ہوگا۔ پھر امرت سر کی تجارت کا ½ حصہ اس مال کی وجہ سے ہے جو افغانستان بخارا اور کشمیر سے آتا ہے یہ مال بھی اپنے لئے نئے راستے تلاش کرے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امرتسر کی تجارتی حیثیت بہت گر جائے گی۔ اور یہ شاندار شہر جلد ہی ایک تیسرے درجہ کا شہر بن جائے گا

اگر مغربی پنجاب نے مشرقی پنجاب کی ڈگریوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو وہ اٹھارہ لاکھ سکھ جو مغربی پنجاب میں بستے ہیں، ایک بڑا کالج مغربی پنجاب میں بنانے پر مجبور ہوں گے اور چونکہ بڑے زمیندار اور بڑے تاجر سکھ مغربی پنجاب میں ہیں، ان کے لئے ایک بہت بڑا کالج بنانا مشکل نہ ہوگا۔ اس طرح خالصہ کالج امرت سر بھی اپنی شان کھو بیٹھے گا۔ اور سکھوں کے اندر دو متوازی سکول اقتصادی اور سیاسی اور تمدنی فلسفوں کے پیدا ہو جائیں گے۔

بے شک ساری قوموں کو ہی اس بٹوارہ سے نقصان ہوگا۔ لیکن چونکہ ہندوؤں کی اکثریت ایک جگہ اور مسلمانوں کی اکثریت ایک جگہ جمع ہو جائے گی انہیں یہ نقصان نہ پہنچے گا۔ یہ نقصان صرف سکھوں کو پہنچے گا جو قریباً برابر تعداد میں دونوں علاقوں میں بٹ جائیں گے اور دونوں میں سے کوئی حصہ اپنی بڑائی کو دوسرے حصہ پر قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ آبادی کے تبادلہ سے یہ مشکل حل کی جا سکے گی لیکن یہ درست نہیں۔ لائل پور، لاہور، منٹگمری، شیخوپورہ، گوجرانوالہ اور سرگودھا کے سکھ اپنی نہری زمینوں کو چھوڑ کر بارانی زمینوں کو لینے کے لئے کب تیار ہوں گے۔ اور اگر وہ اس پر راضی ہو گئے تو مالی لحاظ سے یہ ان کے لئے بڑا اقتصادی دھکا ہوگا جس کی وجہ سے قومی انحطاط شروع ہو جائے گا۔

پس پیشتر اس کے کہ سکھ صاحبان پنجاب کے بٹوارے کے متعلق کوئی فیصلہ کریں انہیں ان سب امور پر غور کر لینا چاہیئے تا ایسا نہ ہو کہ بعد میں اس مشکل کا حل نہ نکل سکے اور پچھتانا پڑے۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ اگر مشکلات پیدا ہوئیں اور ان کا کوئی علاج نہ نکلا تو اس وقت پھر سکھ صاحبان مغربی پنجاب میں آ سکتے ہیں لیکن یہ خیال درست نہیں۔ اس لئے کہ اگر اب سکھ صاحبان پنجاب کے بٹوارے کے خلاف رائے دیں تو اُن کے ووٹ مسلمانوں کے ووٹوں سے مل کر بٹوارے کو روک سکتے ہیں۔ لیکن اگر بعد میں انہوں نے ایسا فیصلہ کیا تو یہ صاف بات ہے کہ انبالہ ڈویژن ان کے ساتھ شامل نہ ہوگا۔ اور اگر مغربی پنجاب سے ملا تو صرف جالندھر ڈویژن ملے گا اور اس وقت پنجاب کی یہ حالت ہوگی کہ اس میں پندرہ فیصدی سکھ ہوں گے۔ اور پندرہ فیصدی ہندو اور ستر فیصدی مسلمان۔ حالانکہ متحدہ پنجاب کی صورت میں بیالیس فیصدی ہندو اور سکھ ہوں گے اور چھپن فیصدی مسلمان اور دو فیصدی دوسرے لوگ۔ ظاہر ہے کہ جو بیالیس فیصدی لوگ حکومت میں جو آواز اور اثر رکھتے ہیں وہ تیس فیصدی لوگ کسی صورت میں نہیں رکھ سکتے۔ پس بعد کی تبدیلی کسی صورت میں سکھوں کو وہ فائدہ نہیں پہنچا سکتی جو اس وقت کی تبدیلی پہنچا سکتی ہے کیونکہ ایک دفعہ پنجاب بانٹا گیا تو پھر انبالہ ڈویژن کو واپس لانا سکھوں کے اختیار سے باہر ہو جائے گا۔

سکھ صاحبان کو یہ امر بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ ابھی سے ہندوؤں کی طرف سے یہ آواز اُٹھائی جا رہی ہے کہ یو پی کے چند اضلاع ملا کر مشرقی پنجاب کا ایک بڑا صوبہ بنا دیا جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو اس نئے صوبہ میں ہندو ساٹھ فی صدی، مسلمان تیس فی صدی اور سکھ صرف دس فی صدی رہ جائیں گے۔ بعض سکھ صاحبان یہ کہتے سُنے جاتے ہیں کہ جالندھر ڈویژن کی ایک سکھ ریاست بنا دی جائے گی۔ بیشک اس صورت میں سکھوں کی آبادی کی نسبت اس علاقہ میں بڑھ جائے گی۔ مگر اس صورت میں بھی مختلف قوموں کی نسبت آبادی یوں ہوگی ۲۵/۶۰، سکھ ۳۴/۵۰، مسلمان اور تقریباً چالیس فیصدی ہندو۔ اس صورت حالات میں بھی سکھوں کو زیادہ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ پُرانے پنجاب میں بھی تو سکھوں کو بائیس فیصدی نمائندگی ملی ہوئی تھی۔ پس اگر جالندھر ڈویژن کا الگ صوبہ بھی بنا دیا گیا۔ تو اس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچے گا کیونکہ انبالہ ڈویژن کے الگ ہو جانے کی وجہ سے انبالہ صوبہ پر کُلّی طور پر ہندوؤں کا قبضہ ہو جائے گا اور جالندھر ڈویژن میں بوجہ چالیس فیصدی رہ جانے کے سکھ ان سے اپنے لئے زیادہ نمائندگی کا مطالبہ نہیں کر سکیں گے اور توازن بہت مضبوطی سے ہندوؤں

کے ہاتھ میں چلا جائے گا اور وہ انبالہ کے صوبہ میں بغیر کسی سے سمجھوتہ کرنے کے حکومت کرسکیں گے اور جالندھر میں کچھ سکھوں یا مسلمانوں کو ملا کر حکومت کرسکیں گے۔ ایک اور سخت نقصان سکھوں کو اس صورت میں یہ پہنچے گا کہ جالندھر ڈویژن کے سکھوں میں کمیونزم بہت زیادہ زور پکڑ رہی ہے۔ فیروز پور، لدھیانہ اور ہوشیار پور اس کے گڑھ ہیں۔ اس علیحدگی کی وجہ سے ان لوگوں کی آواز بہت طاقت پکڑ جائے گی۔ اور اکالی پارٹی چند سالوں میں ہی اس خطرناک بلا کا مقابلہ کرنے سے اپنے آپ کو بے بس پائے گی۔ خصوصاً جب کہ سیاسی چالوں کی وجہ سے بعض خود غرض پارٹیاں کمیونسٹوں کی مدد کرنے پر آمادہ ہو جائیں گی۔ جیسا کہ گذشتہ الیکشن پر سکھ صاحبان کو تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ مَیں نے کافی روشنی ان خطرات پر ڈال دی ہے جو سکھوں کو پیش آنے والے ہیں۔ اور مَیں امید کرتا ہوں کہ ۲۳ جون کو ہونے والی اسمبلی کی میٹنگ میں وہ ان امور کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کریں گے۔ اس طرح مَیں سمجھتا ہوں کہ چونکہ سب سے زیادہ اثر عوام سکھوں پر پڑنے والا ہے۔ وہ بھی اپنے لیڈروں پر زور دینگے کہ اس خودکشی کی پالیسی سے اُن کو بچایا جائے۔ مَیں لکھ چکا ہوں کہ مَیں بوجہ ایک چھوٹی سی جماعت کا امام ہونے کے کوئی سیاسی غرض اس مشورہ میں نہیں رکھتا۔ اس لئے سکھ صاحبان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ میرا مشورہ بالکل مخلصانہ اور محض ان کی ہمدردی کی وجہ سے ہے۔ اگر سیاست میرے اختیار میں ہوتی تو مَیں انہیں ایسے حقوق دے کر بھی جن سے اُن کی تسلی ہو جاتی، انہیں اس نقصان سے بچاتا۔ مگر سیاست کی طاقت میرے ہاتھ میں نہیں اس لئے مَیں صرف نیک مشورہ ہی دے سکتا ہوں۔ ہاں مجھے امید ہے کہ اگر سکھ صاحبان مسٹر جناح سے بات کریں تو یقیناً انہیں سکھوں کا خیر خواہ پائیں گے۔ مگر انہیں بات کرتے وقت یہ ضرور مدنظر رکھ لینا چاہیئے کہ ہندو صاحبان انہیں کیا کچھ دینے کو تیار ہیں۔ کیونکہ خود کچھ نہ دینا اور دوسروں سے لینے کے مشورے دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ اس میں مشورہ دینے والے کا کچھ حرج نہیں ہوتا۔ پس اچھی طرح اُونچ نیچ کو دیکھ کر وہ اگر مُسلم لیگ کے لیڈروں سے ملیں تو مجھے امید ہے کہ مُسلم لیگ کے لیڈر انہیں نا امید نہیں کریں گے۔ اگر مجھ سے بھی اس بارہ میں کوئی خدمت ہو سکے تو مجھے اس سے بے انتہا خوشی ہوگی۔

آخر میں مَیں سکھ صاحبان کو مشورہ دیتا ہوں کہ سب کاموں کی کُنجی خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ گورونانک دیوجی اور دوسرے گوروؤں کے طریق کو دیکھیں۔ وہ ہر مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے تھے۔ اس وقت ان کو بھی اپنی عقل پر سارا انحصار رکھنے کی بجائے خدا تعالیٰ سے دُعائیں کرنی چاہئیں

تا اللہ تعالیٰ انہیں وہ راستہ دکھا دے جس میں اُن کی قوم کی بھی بھلائی ہو اور دوسری قوموں کی بھی بھلائی ہو یہ دن گذر جائیں گے۔ یہ باتیں بھول جائیں گی۔ لیکن محبت اور پریم کے کئے ہوئے کام کبھی نہیں بھولیں گے اگر بٹوارہ بھی ہونا ہے تو وہ بھی اس طرح ہونا چاہیئے کہ ایک قوم کا گاؤں دوسری قوم کے گاؤں میں اس طرح نہ گھُسا ہوا ہو کہ جس طرح دو کنگھیوں کے دندانے ملا دیئے جاتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو سرحد میں چھاؤنیاں بن جائیں گی اور سینکڑوں میل کے بسنے والے لوگ قیدیوں کی طرح ہو جائیں گے اور علاقے اُجڑ جائیں گے۔ یہ میری نصیحت سکھوں ہی کو نہیں مُسلمانوں کو بھی ہے۔ میرے نزدیک تحصیلوں کو تقسیم کا یُونٹ تسلیم کر لینے سے اس فتنہ کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ اگر اس سے چھوٹا یُونٹ بنایا گیا۔ تو جتنا جتنا چھوٹا وہ ہوتا جائے گا اُتنا اُتنا نقصان زیادہ ہوگا۔ ایک عرب شاعر اپنی معشوقہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

ع فَاِنْ کُنْتِ قَدْ اَزْمَعْتِ صَرْمًا فَاَجْمِلِیْ

یعنی اے میری محبوبہ! اگر تُو نے جُدا ہونیکا فیصلہ ہی کر لیا تو کسی پسندیدہ طریق سے جدا ہو۔

مَیں بھی ہندو مُسلمان سِکھ سے کہتا ہوں کہ اگر جُدا ہونا ہی ہے تو اس طرح جدا ہو کہ سرحدوں کے لاکھوں غریب باشندے ایک لمبی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ شاید کسی کے دل میں یہ خیال گذرے کہ میں نے ہندوؤں کو کیوں مخاطب نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک ہمدردی کا سوال ہے ہندو بھی ہمارے بھائی ہیں اور مَیں ان کا کم ہمدرد نہیں۔ مگر ہندو چونکہ اپنے مرکز کی طرف گئے ہیں۔ اُن کا فوری نقصان تو ہوگا مگر بوجہ اس کے کہ وہ اکثر تاجر پیشہ ہیں وہ جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں گے۔ اس لئے انہیں یہ کہنا کہ اس تقسیم سے آپ کا دائمی نقصان ہوگا جھوٹ بن جاتا ہے۔ اس لئے مَیں نے انہیں مخاطب نہیں کیا ورنہ اُن سے مجھے کم ہمدردی نہیں۔

آخر میں مَیں دُعا کرتا ہوں کہ اے میرے رب! میرے اہلِ مُلک کو سمجھ دے اور اوّل تو یہ ملک بٹے نہیں۔ اور اگر بٹے تو اس طرح بٹے کہ پھر مل جانے کے راستے کھُلے رہیں۔ اَللّٰھُمَّ آمین۔

خاکسار مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ قادیان۔

(۱۷ جون ۱۹۴۷ء) [۱]

---

[۱] یہ مضمون "الفضل" ۱۹ احسان/جون ۱۹۴۷ء ۱۳۲۶ ہش صفحہ ۱ تا ۴ میں بھی چھپ گیا تھا۔

"خالصہ ہوشیار باش" حضرت مصلح موعودؓ کے علاوہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی اس موقعہ پر پے در پے مضامین[1] لکھے جن میں حقائق و دلائل کی روشنی میں آپ نے تقسیم پنجاب کے مطالبہ کے عوامل و نتائج کا مفکرانہ طریق سے تجزیہ فرمایا اور سکھ بھائیوں کو نہایت مخلصانہ مشورے دیئے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کے قلم سے نکلے ہوئے یہ سب حقیقت افروز مضامین سلسلہ کے لٹریچر میں محفوظ ہیں اور پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ یوں تو یہ سب معرکۃ الآرا مضامین اپنے اپنے رنگ میں نہایت درجہ معلومات افزا اور مدلّل اور منفرد علمی شان کے حامل تھے مگر جس مضمون نے سکھوں میں ایک زبردست جنبش پیدا کر دی[2] وہ مسلم لیگ کے ترجمان "پاکستان ٹائمز" میں چھپا۔ اس مضمون کا عنوان تھا "POSITION OF SIKHS IN DIVIDED PUNJAB" (منقسم پنجاب میں سکھوں کی حیثیت"۔ نواب مظفر خاں[a] آف واہ نے ۲۰ مئی ۱۹۴۷ء کو اس مضمون کی نسبت بذریعہ خط مندرجہ ذیل تاثرات کا اظہار کیا:-

"آپ کا مضمون بڑی دلچسپی سے پڑھا۔ یہ نہایت بہترین مضمون ہے جو سکھوں اور مسلمانوں دونوں کو اپیل کرتا ہے۔ میں نے عزت مآب خان لیاقت علیخاں اور دوسرے مسلم لیگی قائدین کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے۔ مجھے خدشہ صرف یہ ہے کہ مسلمان اخبار کے اس مضمون کو بہت کم سکھ مطالعہ کریں گے۔ حیرت ہے کہ باوجود فیاضانہ سلوک کے سکھ بہت کم توجہ دے رہے ہیں"

اس انگریزی مضمون کا ترجمہ اخبار "الفضل" قادیان (۹ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء) اور اخبار "خادم" پٹیالہ (۱۶ جون ۱۹۴۷ء) میں بھی "خالصہ ہوشیار باش" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اور بذریعہ پمفلٹ اردو، انگریزی اور گورمکھی زبانوں میں بھی پنجاب کے طول و عرض میں وسیع طور پر پھیلایا گیا[3][4]

---

[1] ملاحظہ ہو "الفضل" ۱۰۔ ۱۹۔ ۲۲ ہجرت/مئی و ۱۴۔ ۲۰ احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء ÷

[2] اس مضمون پر اخبار "شیر پنجاب" (۱۵ جون ۱۹۴۷ء صفحہ ۷-۸) نے اپنے اداریہ (بعنوان "مرزا بشیر احمد صاحب کے پیغام کا جواب") میں سخت جرح اور تنقید کی جس کے جواب میں آپ نے ایک نہایت مدلّل و مفصّل مضمون "الفضل" (۲۰ جون ۱۹۴۷ء) میں لکھا جو قابل مطالعہ ہے ÷

[3] "الفضل" ۲۰ احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱ ÷

[4] مشہور سکھ اخبار "شیر پنجاب" نے ۲۵ فروری ۱۹۵۱ء کو اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور احمدیوں کی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنے محققانہ مضمون میں تحریر فرمایا:۔

"سیاسی حالات بھی عجیب طرح رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ ابھی ۱۹۴۶ء کے اوائل کی بات ہے جبکہ پنجاب اسمبلی کے انتخابات ہو رہے تھے کہ سکھ قوم اس بات پر ہندوؤں سے سخت بگڑی ہوئی تھی کہ وہ کانگرس کے نظام کے ماتحت ان کی پنتھک حیثیت اور پنتھک وقار کو تباہ کرنا چاہتے ہیں اور ان کی مستقل قومی حیثیت کو مٹا کر اپنے اندر جذب کر لینے کے درپے ہیں چنانچہ اسی زمانہ کے بعد کا واقعہ ہے کہ سکھوں کے مشہور لیڈر ماسٹر تارا سنگھ صاحب نے اپنے "سنت سپاہی" نامی گورمکھی رسالہ کے اگست ۱۹۴۶ء کے نمبر میں "ہندو مسلماناں نال ساڈے سنبدھ" کے مضمون کی ذیل میں لکھا تھا کہ

"مذہبی اصولوں کے لحاظ سے سکھ مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں مگر تہذیب اور برادری کے تعلقات ہندوؤں سے زیادہ ہیں . . . . ہندوؤں میں ایک حصہ ایسا ہے جو ہمیں نگل جانا چاہتا ہے . . . . مسلمانوں سے ہمارے تعلقات بھی کم ہیں اور خطرہ بھی کم ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تائید پاکستان سے متعلق سابقہ جد و جہد پر طنز کرتے ہوئے زیر عنوان "پاکستان کے احمدیوں پر مصائب" لکھا کہ

" احمدیوں کی پاکستان میں اس غیر محفوظ و خطرناک پوزیشن اور مصائب کا کون ذمہ دار ہے۔ اس کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے ؎ اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست

اس کے ذمہ دار خود احمدی لیڈر ہیں جنہوں نے پاکستان کے قیام کی سرگرم حمایت کی اور اپنے ساتھ ڈوبنے کی سکھوں کو بھی ترغیب دینے کی جسارت کی۔ اس سلسلہ میں جون ۱۹۴۷ء میں سول ملٹری گزٹ لاہور میں قادیان کے صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے نے ایک مضمون "تقسیم شدہ پنجاب میں سکھوں کی پوزیشن" کے عنوان سے چھپوایا۔ اس مضمون کا ترجمہ احمدیوں کے سرکاری اخبار الفضل میں اور بعد میں ایک پمفلٹ "خالصہ ہوشیار باش" میں بھی چھپوا کر تقسیم کیا گیا جس میں سکھوں کو یہ دوستانہ مشورہ دیا گیا کہ وہ پنجاب کی تقسیم کو روکیں کیونکہ اس طرح سکھ پنتھ بھی تقسیم ہو جائے گا اور وہ کہیں کے نہ رہیں گے نیز سکھوں اور مسلمانوں کے عقائد میں یکسانیت ہے۔ اس لئے انہیں مسلمانوں کے ساتھ مل کر رہنا چاہیئے۔ اگر سکھ اس وقت اس مشورہ کو قبول کر کے کوئی غلط قدم اُٹھا لیتے تو اب احمدی حضرات ہی سوچیں کہ اس کا انجام کتنا خطرناک ہوتا۔ اگر پاکستانی مسلمان احمدیوں کی پاکستان کیلئے قربانیوں ان کی مسلمانوں کی سی شکل و صورت، ان کے مسلمانوں کے سے نام، ان کا مسلمانوں کی کتاب اور پیغمبر پر ایمان اور شریعت اسلامیہ پر اُن کے عمل کے باوجود بھی انہیں مُرتد کافر جہنمی دجال مکار فریبی ہی سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ اقتصادی سیاسی معاشرتی شادی و غمی کے تعلقات رکھنے کو تیار نہیں تو وہ سکھوں سے کیونکر انصاف کر سکتے "

("شیر پنجاب" ۲۵ فروری ۱۹۵۱ء بحوالہ "الفضل" ۲۱ امان/مارچ ۱۹۵۱ء ۱۳۳۰ ہش)

. . . میں مسلمانوں سے سمجھوتہ اور بہتر تعلقات پیدا کرنے کے حق میں ہوں . . . ہندوؤں میں ایسے لوگ ہیں جو ڈھنگ یا اُستادی سے سکھوں کو نگل جانا چاہتے ہیں . . . . ہندوؤں کا پچھلا وطیرہ اور تاریخ ہمیں پُورا بھروسہ نہیں ہونے دیتی اور ہمیں خبردار ہی رہنا چاہیئے . . . . یقین رکھو کہ کانگرس اور ہندوؤں نے ہماری علیحدہ پولیٹیکل ہستی کو مٹانے کی کوشش کرنی ہے پچھلے انتخابات میں یہ کوشش بہت زور سے کی گئی تھی لیکن ہم بچ گئے ۔ اگر آج پنجاب اسمبلی کے سارے سکھ ممبر کانگرس ٹکٹ پر ہوتے تو ہم ختم تھے"

یہ الفاظ جن کے لکھے جانے پر ابھی بمشکل نو ماہ کا عرصہ گذرا ہے ایک ایسے سکھ لیڈر کے قلم سے نکلے ہیں جو ہندو سے سکھ بنا ہے اور ہم ان الفاظ پر قیاس کر کے سمجھ سکتے ہیں کہ اس وقت قدیم سکھوں اور خصوصاً جاٹ سکھوں میں ہندوؤں کے متعلق کیا خیالات موجزن ہوں گے ۔ مگر آج یہی پنجاب کا نامور خالصہ ہندوؤں کی آغوش میں راحت محسوس کر رہا ہے ۔ مجھے تسلیم کرنا چاہیئے کہ اس غیر معمولی تبدیلی کی ذمہ داری کسی حد تک مسلمانوں پر بھی عائد ہوتی ہے جنہوں نے سکھوں کو اپنے ساتھ ملانے میں پُوری توجہ اور جدّوجہد سے کام نہیں لیا ۔ مگر اس انقلاب کا اصل سہرا ہندو سیاست کے سَر ہے جس نے اتنے قلیل عرصہ میں اپنی گہری تدبیر کے ذریعہ سکھ کو گویا بالکل اپنا بنا لیا ہے ۔ لیکن جس اتحاد کی بنیاد محض دوسروں کی نفرت و عداوت کے جذبہ پر ہو وہ زیادہ دیر پا نہیں ہوا کرتا اور سمجھ دار سکھوں کی آنکھیں آہستہ آہستہ اس تلخ حقیقت کے دیکھنے کے لئے کھُل رہی ہیں کہ ان کے لئے پنجاب میں ہندوؤں کی سانجھ سَو فیصدی خسارہ کا سَودا ہے ۔ "پنجاب کی تقسیم" یا "پنجاب کا بٹوارہ" ایک ایسا نعرہ ہے جس کے وقتی طلسم میں ہندو سیاست نے سکھ کو مخمور کر رکھا ہے ۔ مگر کیا کبھی کسی دانشمند سکھ نے ٹھنڈے دل سے اس حقیقت پر غور کیا ہے کہ پنجاب کی مزعومہ تقسیم کے نتیجہ میں سکھ کیا لے رہا ہے اور کیا دے رہا ہے ۔ یہ دو ٹھوس حقیقتیں بچے بچے کے علم میں ہیں کہ (۱) پنجاب میں سکھ تیرہ ۱۳ فیصدی ہے اور (۲) پنجاب کے ۲۹ ضلعوں میں سے کوئی ایک ضلع بھی ایسا نہیں ہے جس میں سکھوں کی اکثریت ہو ۔ کیا اس روشن صداقت کے ہوتے ہوئے پنجاب کی کوئی تقسیم سکھ مفاد کو فائدہ پہنچا سکتی ہے ؟ جو قوم ہر لحاظ سے اور ملک کے ہر حصّہ میں اقلیت ہے ۔ وہ ملک کے بٹنے سے بہرحال مزید کمزوری کی

طرف جائے گی اور ملک کی ہر تقسیم خواہ وہ کسی اصول پر ہو اس کی طاقت کو کم کرنے والی ہوگی نہ کہ بڑھانے والی۔ یہ کہنا کہ فلاں حصہ کے الگ ہوجانے سے اس حصہ میں سکھوں کی آبادی کا تناسب بڑھ جائیگا ایک خطرناک سیاسی دھوکا ہے۔ کیونکہ بہرصورت پنجاب کے دونوں حصوں میں سکھ ایک کمزور اقلیت رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں ایک حصہ کے اندر تناسب آبادی میں خفیف سی زیادتی کی وجہ سے اپنی مجموعی طاقت کو بانٹ لینا خودکشی سے کم نہیں۔ برطانوی پنجاب میں سکھوں کی موجودہ آبادی ساڑھے سینتیس [۳۷½] لاکھ ہے اور اُن کی آبادی کا تناسب تیرہ [۱۳] فی صدی ہے۔ اب موجودہ تجویز کے مطابق پنجاب اس طرح بانٹا جارہا ہے کہ ایک حصہ میں پونے سترہ [۱۶¾] لاکھ سکھ چلا جاتا ہے اور دوسرے میں پونے اکیس [۲۰¾] لاکھ۔ اور جس حصہ میں پونے اکیس [۲۰¾] لاکھ جاتا ہے وہاں اُن کی آبادی قریباً اٹھارہ [۱۸] فی صدی ہوجاتی ہے اور دوسرے حصہ میں قریباً دس فی صدی رہ جاتی ہے تو کیا اس صورت میں دُنیا کا کوئی سیاستدان یہ خیال کرسکتا ہے کہ ایسی تقسیم سکھوں کے لئے مفید ہوگی جہاں وہ تیرہ [۱۳] فی صدی سے قریباً اٹھارہ [۱۸] فی صدی ہوجائیں گے وہاں بھی بہرحال وہ ایک کمزور اقلیت رہیں گے اور ان کے لئے تناسب آبادی کا خفیف فرق عملاً بالکل بےنتیجہ اور بےسُود ہوگا۔ مگر دوسری طرف یہ تقسیم ان کی مجموعی طاقت کو دو حصوں میں بانٹ کر (یعنی ۳۷ کی بجائے ۱۶ اور ۲۱ کے دو حصے کرکے) ان کی قومی طاقت کو سخت کمزور کردے گی۔ یہ ایک ٹھوس اور بیّن حقیقت ہے جسے دُنیا کا کوئی مسلّمہ سیاسی اصول رد نہیں کرسکتا۔ اگر پنجاب ایک رہے تو سکھ قوم ساڑھے سینتیس [۳۷½] لاکھ کی ایک زبردست متحد جماعت ہے جس کا سارا زور ایک ہی نقطہ پر جمع رہتا ہے۔ لیکن اگر پنجاب بٹ جائے تو خواہ وہ کسی اصول پر بٹے سکھوں کی طاقت بہرحال دو حصوں میں بٹ جائے گی اور دوسری طرف ان کے آبادی کے تناسب میں بھی کوئی معتد بہ فرق نہیں آئے گا اور وہ بہرصورت دونوں حصوں میں ایک کمزور اقلیت ہی رہیں گے۔ کیا یہ حقائق اس قابل نہیں کہ سمجھدار سکھ لیڈر ان پر ٹھنڈے دل سے غور کریں؟

یہ کہنا کہ پنجاب کے مختلف ضلعے یا زیادہ صحیح طور پر یُوں کہنا چاہئیے کہ مختلف حصے آبادی کی نسبت سے نہیں بٹنے چاہئیں بلکہ مختلف قوموں کی جائداد اور مفاد کی بنیاد پر بٹنے چاہئیں ایک طفل تسلّی سے زیادہ نہیں کیونکہ

اوّل تو یہ مطالبہ دُنیا بھر کے مسلّمہ سیاسی اصولوں کے خلاف ہے۔ اور جمہوریت کا بنیادی نظریہ اس خیال کو دُور سے ہی دھکّے دیتا ہے۔

دُوسرے جائدادیں ایک آنی جانی چیز ہیں اور ان پر اس قسم کے مستقل قومی حقوق کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی جو انسانی جانوں اور ان جانوں کے تحفظ اور ترقی سے تعلق رکھتے ہیں۔

تیسرے اس سوال کو اُٹھانے کا یہ مطلب ہے کہ مُلک کے نئے دَور کی سیاست کی بنیاد مساواتِ انسانی پر رکھنے کی بجائے روزِ اوّل سے ہی انفرادی برتری اور جماعتی تفوّق اور جبر و استبداد پر رکھی جائے جس کے خلاف غریب ہندوستان صدیوں سے لڑتے ہوئے آج خدا خدا کر کے آزادی کا مُنہ دیکھنے لگا ہے۔

چوتھے سکھوں کی یہ جائدادیں بڑی حد تک اُن کی حکومت کے زمانہ کی یادگار ہیں جبکہ اُن میں سے کئی ایک نے اوّلاً اپنی طوائف الملوکی کے زمانہ میں اور بعدہٗ اپنی استبدادی حکومت کے دوران میں دوسرے حقداروں سے چھین کر ان جائیدادوں کو حاصل کیا۔ تو کیا یہ انصاف و دیانتداری کا مطالبہ ہے کہ اس رنگ میں حاصل کئے ہوئے اموال پر آئندہ سیاست کی بنیاد رکھی جائے ہم ان کی یہ جائیدادیں اُن سے واپس نہیں مانگتے۔ جو مال ان کا بن چکا ہے وہ انہیں مبارک ہو مگر ایسے اموال پر سیاسی حقوق کی بنیاد رکھنا جو آج سے چند سال قبل کسی اَور کی ملکیت تھے، دیانتداری کا طریق نہیں ہے۔

پانچویں۔ دُنیا کا بہترین مال انسان کی جان ہے جو نہ صرف دوسرے مالوں سے افضل اور برتر ہے بلکہ ہر قسم کے دوسرے اموال کے پیدا کرنے کا حقیقی ذریعہ ہے۔ پس جان اور نفوس کی تعداد کے مقابلہ پر پیسے کو پیش کرنا ایک ادنیٰ ذہنیت کے مظاہرہ کے سوا کچھ نہیں۔

چھٹے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سکھوں کی جائیداد کی مالیت واقعی زیادہ ہے کیونکہ جائیداد کی قیمت عمارتوں کی اینٹوں یا زمین کے ایکڑوں پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ بہت سی باتوں کا مجموعی نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ اور جب تک ان ساری باتوں کا غیر جانبدارانہ جائزہ نہ لیا جائے۔ سکھوں کا یہ دعویٰ کہ ہماری جائیدادیں زیادہ ہیں۔ ایک خالی دعویٰ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا خصوصاً جبکہ ابھی تک ایکڑوں کا صحیح قوم وار تناسب بھی گنتی میں نہیں لایا جاسکا۔

سکھ صاحبان کا یہ خیال کہ ہندو اور ہم ایک ہیں اور اس لئے ان کے ساتھ مل کر مشرقی پنجاب میں ہماری اکثریت ہو جائے گی پہلے دھوکے سے بھی زیادہ خطرناک دھوکا ہے کیونکہ اس میں ایک ایسے پیچیدار اصول کا واسطہ پڑتا ہے جس کا حل نہ ہندو کے پاس ہے اور نہ سکھ کے پاس۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہندو اور سکھ ایک قوم ہیں؟

اس سوال کے امکاناً دو ہی جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہاں وہ ایک قوم ہیں اور دوسرے یہ کہ نہیں بلکہ وہ دو مختلف قومیں ہیں جن کا مذہب اور تہذیب و تمدن جداگانہ ہے مگر ان کا آپس میں سیاسی سمجھوتہ ہے۔ اب ان دونوں جوابوں کو علیحدہ علیحدہ لے کر دیکھو کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ اگر سکھ اور ہندو ایک قوم ہیں تو ان کا اس غرض سے پنجاب کو دو حصوں میں بانٹنے کا مطالبہ کہ انہیں اس ذریعہ سے ایک علیحدہ گھر اور وطن میسر آ جاتا ہے۔ بالبداہت باطل ہو جائے گا کیونکہ جب سکھ اور ہندو ایک ہیں تو ظاہر ہے کہ مستقبل کے ہندوستان میں جتنے بھی صوبے ہوں گے وہ جس طرح ہندوؤں کا گھر اور وطن ہوں گے اسی طرح سکھوں کا بھی گھر اور وطن ہوں گے۔ اور اگر یہ کہو کہ پنجابی سکھوں کا وطن کونسا ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو جب ہندو اور سکھ ایک قوم تسلیم کئے گئے تو پنجابی سکھ کے علیحدہ وطن کا سوال ہی نہیں اُٹھ سکتا۔ جب سکھ بھی ہندوستان کی وسیع ہندو جاتی کا حصہ ہے تو ظاہر ہے کہ جب ہندو جاتی کو وطن مل گیا تو لازماً سکھ کو بھی مل گیا۔ اور اس کا علیحدہ مطالبہ سراسر باطل ہے۔ دُوسرے اگر ہندو قوم کے ساتھ ایک ہوتے ہوئے پنجابی سکھ کو علیحدہ وطن کی ضرورت ہے تو یو پی اور بہار اور مدراس وغیرہ کے مسلمانوں کو کیوں علیحدہ وطن کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ پنجاب کے ۳۷ لاکھ سکھ کے مقابل پر یُوپی کا مسلمان ۸۴ لاکھ اور بہار کا مسلمان ۴۷ لاکھ ہے۔ اگر مسلمان اپنے سوا کروڑ کمزور بھائیوں کو یُو۔ پی اور بہار میں ہندوؤں کے رحم پر چھوڑ سکتے ہیں تو پنجاب کے ۳۷ لاکھ سکھ جو بقول خود بہادر بھی ہیں اور صاحبِ مال و زر بھی، پنجاب کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کیوں نہیں رہ سکتے۔

دوسرا امکانی پہلو یہ ہے کہ سکھ ہندوؤں سے ایک الگ اور مستقل قوم ہیں اور علیحدہ مذہب اور علیحدہ تمدن رکھتے ہیں جس کی علیحدہ حفاظت کی ضرورت ہے تو اس صورت میں سوال یہ ہے کہ پنجاب کی تقسیم ان کے لئے کونسا حفاظت کا رستہ کھولتی ہے؟ وہ بہر حال پنجاب کے

مشرقی حصہ میں بھی ایک اقلیت ہوں گے جو وسیع ہندو اکثریت کے رحم پر ہوگی اور اکثریت بھی وہ جو صرف انہی کے علاقہ میں اکثریت نہیں ہوگی بلکہ سارے ہندوستانی صوبوں کی بھاری اکثریت اس کی پُشت پر ہوگی۔ یہ ماحول کس زندہ اور مستقل قوم کو چین کی نیند سونے دے سکتا ہے؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب قومیں دو ہیں تو پھر ان کا موجودہ سیاسی سمجھوتہ بھی کسی اعتبار کے قابل نہیں۔ کیونکہ اُسے کل کے حالات بدل کر کچھ کی کچھ صورت دے سکتے ہیں۔ چنانچہ اُوپر والے مضمون میں ہی ماسٹر تارا سنگھ صاحب لکھتے ہیں کہ

> "لڑائی جھگڑے تو زمانہ کے حالات کے ماتحت ہوتے اور مٹتے رہتے ہیں۔ نہ کبھی کسی قوم سے دائمی لڑائی ہوسکتی ہے اور نہ دائمی صُلح۔ اب بھی ہمارا مسلمانوں کے ساتھ کبھی جھگڑا ہوگا اور کبھی صلح ہوگی۔ یہی صورت ہندوؤں کے ساتھ ہونی ضروری ہے۔"
>
> (سنت سپاہی اگست ۱۹۴۶ء)

اور ماسٹر تارا سنگھ صاحب کے خیال پر ہی بس نہیں، دُنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ دو مستقل قوموں میں اس قسم کے عارضی سیاسی سمجھوتے ہرگز اس قابل نہیں ہوا کرتے کہ ان کے بھروسہ پر ایک قوم اپنی طاقت کو کمزور کر کے ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو دوسری قوم کے رحم پر ڈال دے۔ اور سکھ صاحبان تو اپنی گذشتہ ایک سالہ تاریخ میں ہی ایک تلخ مثال دیکھ چکے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ وہ پھر بھی حقائق سے آنکھیں بند رکھنا چاہتے ہیں۔

کہا جا سکتا ہے کہ گذشتہ فسادات میں سکھوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں نقصان پہنچا ہے۔ اس لئے انہیں مسلمانوں پر اعتبار نہیں رہا۔ مَیں گذشتہ ڈھائی ماہ کی تلخ تاریخ میں نہیں جانا چاہتا مگر اس حقیقت سے بھی آنکھیں بند نہیں کی جاسکتیں کہ سب جگہ مسلمانوں کی طرف سے پہل نہیں ہوئی اور زیادہ ذمہ واری پہل کرنے والے پر ہوا کرتی ہے اور فسادات تو جنگل کی آگ کا رنگ رکھتے ہیں جو ایک جگہ سے شروع ہو کر سب حصوں میں پھیل جاتی ہے اور خواہ اس آگ کا لگانے والا کوئی ہو۔ بعد کے شعلے بلا امتیاز سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا کرتے ہیں۔ مَیں اس دعویٰ کی ذمہ واری نہیں لے سکتا کہ مسلمانوں نے کسی جگہ بھی زیادتی نہیں کی۔ لیکن کیا سکھ صاحبان یہ یقین رکھتے ہیں کہ سکھوں نے بھی کسی جگہ زیادتی نہیں کی؟ آخر امرتسر میں چوک

پراگ داس وغیرہ کے واقعات لوگوں کے سامنے ہیں اور پھر کئی جگہ بعض بے اصول ہندوؤں نے تیلی لگا کر سکھوں اور مسلمانوں کو آگے کر دیا ہے اور بالآخر کیا سکھوں کے موجودہ حلیفوں نے بہار میں ہزارہا کمزور اور بالکل بے بس مسلمانوں پر وہ قیامت برپا نہیں کی تھی جس کی تباہی اور قتل و غارت کو نہ پنجاب پہنچ سکتا ہے اور نہ نواکھلی یا کوئی اور علاقہ۔ پس اگر گلے شکوے کرنے لگو تو دونوں قوموں کی زبانیں کھل سکتی ہیں۔ لیکن اگر ملک کی بہتری کی خاطر "معاف کر دو اور بھول جاؤ" کی پالیسی اختیار کرنا چاہو تو اس کے لئے بھی دونوں قوموں کے لئے اچھے اخلاق کے مظاہرہ کا رستہ کھلا ہے۔ مَیں تو شروع سے ہی اپنے دوستوں سے کہتا آیا ہوں کہ موجودہ فسادات کا سلسلہ ایک دَورِ سوء VICIOUS CIRCLE کا رنگ رکھتا ہے۔ احمد آباد کے بعد کلکتہ اور کلکتہ کے بعد نواکھلی اور نواکھلی کے بعد بہار اور گڑھ مکتیسر اور بہار اور گڑھ مکتیسر کے بعد پنجاب و سرحد اور اس کے بعد خدا جانے کس کس کی باری آنے والی ہے الا جبتک کوئی قوم جرأت کے ساتھ اس زنجیر کی کسی کڑی کو درمیان سے توڑ نہیں دے گی اس آگ کا ایک شعلہ دوسرے شعلہ کو روشن کرتا جائے گا جبتک یا تو یہ دونوں قومیں آپس میں لڑ لڑ کر تباہ ہو جائیں گی اور یا قتل و غارت سے تھک کر انسان بننا سیکھ لیں گی۔ انتقام کی کڑی ہمیشہ صرف جرأت کے ساتھ اور عفو اور درگذر کے عزم کے نتیجہ میں ہی توڑی جا سکتی ہے ورنہ یہ ایک دلدل ہے جس میں سے اگر ایک پاؤں پر زور دے کر اُسے باہر نکالا جائے تو دوسرا پاؤں اَور بھی گہرا دھنس جاتا ہے۔ پس اگر ملک کی بہتری چاہتے ہو تو مُسلمان کو بہار اور گڑھ مکتیسر کو بھلانا ہوگا اور ہندو اور سکھ کو نواکھلی اور پنجاب کو۔ ہاں ان واقعات سے بہت سے سبق بھی سیکھنے والے ہیں جو دونوں قومیں انتقام کے جذبہ کو قابو میں رکھ کر ہی سیکھ سکتی ہیں۔

مَیں سکھ صاحبان سے یہ بات بھی کہنا چاہتا ہوں کہ وہ موجودہ جوش و خروش کی حالت میں اس بات کو ہرگز نہ بھولیں کہ عموماً دو قوموں کے درمیان تین بنیادوں پر ہی سمجھوتے ہوا کرتے ہیں۔ اوّل یا تو اُن کے درمیان مذہبی اصولوں کا اتحاد ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اکٹھا رہنا چاہتی ہیں۔ اور یا دوم ان کا تہذیب و تمدن ایک ہوتا ہے اور یا سوم ان کے اقتصادی نظریئے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اب اگر ان تینوں لحاظ سے دیکھا جائے تو سکھ کا سمجھوتہ مسلمان سے ہونا چاہیئے نہ کہ ہندو کے ساتھ۔ کیونکہ

اوّل تو سکھوں اور مسلمانوں کے مذہبی اصول ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہیں کیونکہ دونوں قومیں توحید کی قائل ہیں اور ان کے مقابل پر ہندو لوگ مشرک اور بُت پرست ہیں جن کے ساتھ سکھوں کا مذہبی لحاظ سے کوئی بھی اشتراک نہیں اور اسی لئے ماسٹر تارا سنگھ صاحب نے صاف طور پر مانا ہے کہ

"مذہبی اصولوں کے لحاظ سے سکھ مسلمانوں سے زیادہ قریب ہیں"

دُوسرے تہذیب و تمدّن بھی مُسلمانوں اور سکھوں کا بہت ملتا جلتا ہے کیونکہ دونوں سادہ زندگی رکھنے والے اور فیّاض جذبات کے مالک اور قدیم مہمان نوازی کے اصولوں پر قائم ہیں اور اس کے مقابل پر ہندو تمدّن اس سے بالکل مختلف ہے۔

تیسرے اقتصادی نقطۂ نگاہ کے لحاظ سے بھی مُسلمان اور سکھ ایک دوسرے کے بہت زیادہ قریب ہیں کیونکہ دونو کی اقتصادیات کا اسّی فیصدی حصّہ محاصل اراضی اور فوجی پیشے اور ہاتھ کی مزدوری سے تعلّق رکھتا ہے۔ مَیں نے اکثر دیکھا ہے کہ ایک سکھ اور مسلمان زمیندار آپس میں اس طرح گھُل مِل جاتے ہیں کہ گویا وہ ایک ہی ہیں۔ مگر یہ ذہنی اور قلبی اتحاد ایک ہندو اور سکھ کو نصیب نہیں ہوتا۔

پس مَیں اپنے سکھ ہموطنوں سے دردمندانہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ گذشتہ واقعات کو بھُلا کر اپنے مستقبل اور فطری مفاد کی طرف توجّہ دیں۔ دیکھو ہر زخم کے لئے خدا نے ایک مرہم پیدا کی ہے اور قومی زخم بھی بھُلانے سے بھلائے جا سکتے ہیں۔ مگر غیر فطری جوڑ کبھی بھی پائدار ثابت نہیں ہوا کرتے۔ اگر ایک آم کے درخت کی شاخ نے دوسرے آم کی شاخ کے ساتھ ٹکرا کر اُسے توڑا ہے تو بیشک یہ ایک زخم ہے جسے مرہم کی ضرورت ہے۔ مگر یہ حقیقت پھر بھی قائم رہیگی کہ جہاں پیوند کا سوال ہوگا آم کا پیوند آم کے ساتھ ہی قائم ہوگا۔ دو لڑنے والے بھائی لڑائی کے باوجود بھی بھائی رہتے ہیں۔ مگر دو غیر آدمی عارضی دوستی کے باوجود بھی ایک نہیں سمجھے جا سکتے۔ ہم ہندوؤں کے بھی خلاف نہیں۔ وہ بھی آخر اسی مادرِ وطن کے فرزند ہیں اور بہت سی باتوں میں ان سے بھی ہمارا اشتراک ہے اور ہماری دلی خواہش تھی کہ کاش ہندوستان بھی ایک رہ سکتا۔ لیکن اگر ہندوستان کو مجبوراً بٹنا پڑا ہے تو کم از کم پنجاب تو تقسیم ہونے سے بچ جائے تا اُسے مسلمان بھی اپنا کہہ سکیں۔

اور سکھ بھی اور اس کے اندر بسنے والے ہندو بھی اور شاید پنجاب کا خمیر آئندہ چل کر ہندوستان کو بھی باہم ملا کر ایک کر دے لیکن جب تک یہ بات میسّر[ل] نہیں آتی۔ اس وقت تک کم از کم مسلمان اور سکھ تو ایک ہو کر رہیں۔ یہ جذبہ خود سمجھدار سکھ لیڈروں میں بھی پیدا ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ گیانی شیر سنگھ فرماتے ہیں :۔

"شمالی ہندوستان کے امن کی ضمانت سکھ مُسلم اتحاد ہے۔ . . . اگر کوئی شخص سکھ مُسلم فساد کے زہر کا بیج بوتا ہے تو وہ مُلک کا اور خدا کا اور نسلِ انسانی کا دشمن ہے"

(اخبار "پنجاب" امرتسر ۱۱؍ جنوری ۱۹۴۲ء)

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہندو کو ہندوستان کے باقی صوبوں میں وطن مل رہا ہے اور مسلمان کو پنجاب وغیرہ میں۔ کیا اچھا ہوتا کہ سکھ بھی اتنی تعداد میں ہوتا اور اس صورت میں آباد ہوتا کہ اُسے بھی ایک وطن مل جاتا۔ لیکن افسوس ہے کہ موجودہ حالات میں اس کمی کا ازالہ کسی کے اختیار میں نہیں ہے کیونکہ پنجاب کو خواہ کسی صورت میں بانٹا جائے سکھ بہرحال اقلیت میں رہتا ہے۔ بلکہ دو حصّوں میں بٹنے سے اپنی طاقت کو اَور بھی کم کر دیتا ہے۔ تو پھر کیوں نہ وہ اس قوم کے ساتھ جوڑ ملائے جس کے ساتھ اس کا پیوند ایک طبعی رنگ رکھتا ہے اور پھر اس کے بعد محبّت اور تعاون کے طریق پر اور ترقی کے پُرامن ذرائع کو عمل میں لاکر اپنی قوم کو بڑھائے اور اپنے لئے جتنا بڑا چاہے وطن پیدا کرے۔

آج سے پچاس سال قبل سکھ پنجاب میں صرف بیس۲۰ بائیس۲۲ لاکھ تھے مگر اب اس سے قریباً دوگنے ہیں۔ اسی طرح آج سے چالیس سال قبل مسلمان پنجاب میں اقلیت کی حیثیت رکھتے تھے مگر اب وہ ایک قطعی اکثریت میں ہیں اور اس کے مقابل پر ہندو برابر کم ہوتا گیا ہے۔ پس اس قدرتی پھیلاؤ اور سکیڑ کو کون روک سکتا ہے؟ پس سکھوں کو چاہیئے کہ غصّہ میں آکر اور وقتی رنجشوں کی رَو میں بہہ کر اپنے مستقل مفاد کو نہ بھُلائیں۔ انہیں کیا خبر ہے کہ آج جس قوم کے ساتھ وہ سمجھوتہ کر کے پنجاب کو دو حصّوں میں بانٹنا چاہتے ہیں۔ وہ کل کو اپنی وفاداری کا عہد نہ نبھا سکے اور پھر سکھ نہ اِدھر کے رہیں اور نہ اُدھر کے۔ اُن کے لئے بہرحال حفاظت اور ترقی کا

ل سہوِ کتابت سے "نیسر ہے" لکھا گیا (ناقل)

بہترین رستہ یہی ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ ایک باعزت سمجھوتہ کریں اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ اُن کے جائز اور معقول مطالبات کو فراخدلی کے ساتھ قبول کریں۔

بالآخر سکھ صاحبان کو یہ بات بھی ضرور یاد رکھنی چاہیئے کہ خواہ کچھ ہو سکھوں کے لاتعداد مفاد وسطی اور شمالی اور مغربی پنجاب کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ان کے بہت سے مذہبی مقامات اُن علاقوں میں واقعہ ہیں۔ ان کی بہترین جائدادیں ان علاقوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے بہت سے قومی لیڈر انہیں علاقوں میں پیدا ہوئے اور انہیں میں جوان ہوئے اور انہیں میں بس رہے ہیں اور پھر ان کی قوم کا بہترین اور غالباً مضبوط ترین حصہ جسے سکھ قوم کی گویا جان کہنا چاہیئے انہیں علاقوں میں آباد ہے۔ تو کیا وہ ہندو قوم کے عارضی سیاسی سمجھوتہ کی وجہ سے جس کا حشر خدا کو معلوم ہے اپنے ان وسیع مفاد کو چھوڑ کر مشرقی پنجاب میں سمٹ جائیں گے؟

خالصہ! ہوشیار باش۔ خالصہ! ہوشیار باش“ [1]

پنجاب کی قسمت کا فیصلہ

ان لاجواب مضامین سے (جو اُس دَور کی تحریک پاکستان کا انتہائی قیمتی اور موجب صد افتخار علمی سرمایہ ہیں) یہ حقیقت کھُل کر سامنے آجاتی ہے کہ جماعت احمدیہ نے آخری مرحلہ تک تقسیم پنجاب کو رُکوانے کی سرفروشانہ کوششیں برابر جاری رکھیں لیکن چونکہ فرقہ دارانہ کشیدگی انتہاء کو پہنچ چکی تھی اور کانگرس نے سکھوں کے دل و دماغ میں پاکستان کے خلاف نفرت و حقارت کی بے پناہ آگ بھر دی تھی اس لئے ۲۳ر جون ۱۹۴۷ء کو غیر مُسلم ممبران اسمبلی کی اکثریت نے پنجاب کی تقسیم کے حق میں ووٹ ڈالے اور پانچ دریاؤں کی سرزمین اپنی وحدت کھو بیٹھی اور پھر مسلمانوں کی آزمائش کا ایسا خونین باب کھُل گیا جس کے سامنے مُسلم سپین کی تباہی کے المناک ترین مناظر بھی ہیچ نظر آنے لگے۔

---

[1] ”الفضل“ ۹ر ہجرت/مئی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳ تا ۵۔

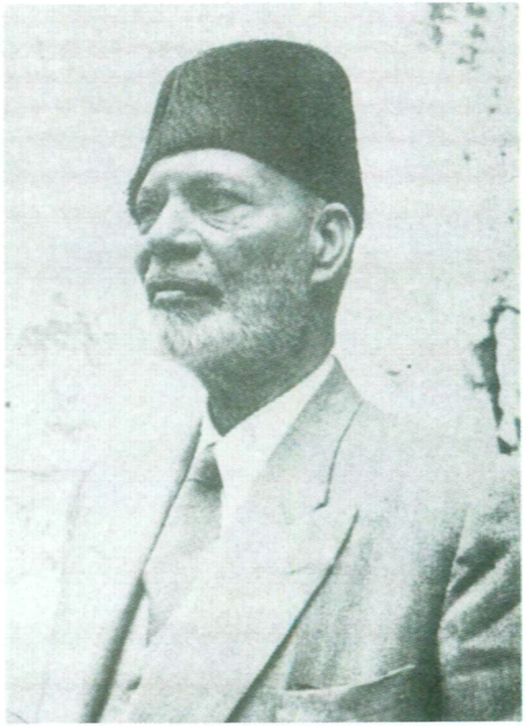

حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب

جناب مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور

فصل ہشتم

حد بندی کمیشن کیلئے تیاری کے ابتدائی اقدامات۔ امریکہ اور برطانیہ سے بذریعہ ہوائی جہاز قیمتی لٹریچر کی درآمد۔ لنڈن سکول آف اکنامکس کے ممتاز جغرافیہ دان مسٹر سپیٹ کی خدمات کا حصول۔ نائب وزیر ہند کے بیان پر شدید احتجاج۔ جماعت احمدیہ کا میمورنڈم اور جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی وکالت۔ استصواب سرحد کیلئے جماعت احمدیہ کی

سنہری خدمات

خفیہ سرکلر ۴؍ جون ۱۹۴۷ء کو یعنی تقسیم پنجاب کے دوسرے ہی روز اخبار "ٹریبیون" نے اپنے نامہ نگار خصوصی کے قلم سے یہ خبر شائع کی کہ ایک خفیہ سرکلر کے ذریعہ سکھ تنظیموں کی تمام صوبائی شاخوں کو مطلع کیا گیا ہے کہ ہندو اور سکھ وکلاء حد بندی کمیشن کے روبرو مندرجہ ذیل خطوط پر اپنا کیس پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں:۔

۱۔ پاکستانی حدود کم سے کم کر دی جائیں تا زیادہ سے زیادہ علاقہ مشرقی پنجاب میں شامل ہو سکے۔

۲۔ آبادی اور جائدادوں کے تبادلہ کا سوال بہت اہم ہے۔

۳۔ رہتک، گوڑگاؤں، کرنال اور حصار کے وہ حصے جہاں ہندی بولی جاتی ہے صوبہ میرٹھ اور دلّی کے ساتھ ملحق کئے جائیں اور باقیماندہ مشرقی پنجاب کو جس میں پنجابی بولنے والے سکھوں اور ہندوؤں کی اکثریت ہے سکھوں کا قومی گھر بنا دیا جائے۔

۴۔ سکھوں کی دفاعی خدمات اور قربانیوں کے پیش نظر مشرقی پنجاب اور ہندوستان میں ان کی سیاسی پوزیشن کو مضبوط کیا جائے اور انہیں خاص وزن دیا جائے۔

۵۔ اُن کے مقدس مقامات کی زیارت کا حق اور ان کی جائدادوں کا انتظام انہی کے کنٹرول میں ہو اور قومی معاہدات کے ذریعہ ان کی حفاظت کی ضمانت دی جائے۔

۶۔ اس بات کی انتہائی جد و جہد کی جائے کہ شہیدی بار (بشمول ننکانہ صاحب تحصیل شیخوپورہ تحصیل گوجرانوالہ اور ضلع لائل پور) کا الحاق مشرقی پنجاب سے کیا جائے۔

۷۔ گذشتہ ساٹھ ستر برس میں سکھوں نے لائل پور، سرگودھا، شیخوپورہ، ملتان اور منٹگمری کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ تنہا لائل پور کا ضلع، جالندھر اور انبالہ کی ڈویژنوں سے زیادہ مالیہ ادا کرتا ہے۔ سکھوں نے یہاں نہریں کھدوائیں اور تمام سرمایہ ان علاقوں میں لگا دیا۔ لہٰذا وہ ان اضلاع کے آدھے رقبہ کے یقیناً حقدار ہیں۔

۸۔ وہ علاقے جو مشرقی پنجاب میں شامل نہ کئے جائیں ان میں فسادات کی روک تھام کے لئے تبادلہ آبادی کی سہولت ضرور مہیا کی جانی چاہیئے۔ (ملخصاً)

حد بندی کمیشن کے ارکان اور صدر کا تقرر اور دریائے چناب کو مشرقی حد مقرر کرنے کا سکھ مطالبہ

۳۰؍ جون کو پنجاب اور بنگال کے سرحدی کمشنوں کے ممبروں کا اعلان کر دیا گیا۔ پنجاب کے کمیشن کے ممبر جسٹس دین محمد، جسٹس محمد منیر، جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ مقرر کئے گئے۔[1] ازاں بعد ۵؍ جولائی کو پنجاب اور بنگال کمشنوں کا صدر سر سیرل ریڈکلف کو مقرر کیا گیا۔[2] اور ۸؍ جولائی کو سکھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ حد بندی کمیشن کو چاہیئے کہ وہ مشرقی پنجاب کی حد دریائے چناب کو مقرر کرے ورنہ سکھ ۳؍ جون کی برطانوی سکیم کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ اس تجویز نے پنتھ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔[3]

محضر نامے بھجوانے کی آخری تاریخ

حد بندی کمیشن کا پہلا اجلاس ۱۴؍ جولائی ۱۹۴۷ء کو لاہور میں ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ جو جماعتیں صوبے کی تقسیم کے متعلق کوئی میمورنڈم کمیشن کے سامنے پیش کرنا چاہیں وہ زیادہ سے زیادہ ۱۸؍ جولائی کو چار بجے بعد دوپہر تک پیش کر دیں۔ ہر میمورنڈم کے ساتھ چار زائد نقول اور ایسے نقشے بھی پیش کئے جائیں جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ صوبے کی حد کس جگہ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ تمام میمورنڈم کمیشن کے سیکرٹری کے دفتر واقع پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی میں پیش کئے جائیں۔ کسی پرائیویٹ شخص کا میمورنڈم وصول نہیں کیا جائے گا۔[4]

---

[1] "الفضل" ۲؍ وفا/جولائی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸۔ [2] "الفضل" ۸؍ وفا/جولائی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸۔

[3] " ۸؍ " صفحہ ۱۔ [4] " ۱۶؍ " صفحہ ۸۔

متنازعہ فیہ اضلاع کا اعلان

کمیشن نے اس روز صوبہ کے ۲۹ اضلاع میں سے پندرہ[۱] اضلاع کو متنازعہ فیہ اضلاع قرار دیا۔ جن میں گورداسپور اور لاہور کے ضلعے بھی شامل تھے حالانکہ ۳؍جون کی برطانوی سکیم میں ان کو قطعی طور پر مُسلم اکثریت کا ضلع تسلیم کیا گیا تھا۔ ان متنازعہ فیہ اضلاع میں فوج متعین کر دی گئی[۱] تا اُن کی نسبت فیصلہ نشر ہونے پر امن و امان برقرار رکھا جاسکے۔

حد بندی کمیشن کا پروگرام

حد بندی کمیشن نے ۱۵؍جولائی کے دوسرے اجلاس میں یہ پروگرام طے کیا کہ وہ ۲۱؍جولائی سے مختلف پارٹیوں کے دعاوی کی سماعت لاہور ہائیکورٹ میں شروع کر دے گا۔ پہلے چار دن ہندوؤں اور سکھوں کے وکلاء اور اس کے بعد چار دن مسلمانوں کے وکلاء اپنے دلائل دیں گے۔ پھر ایک دن ہندوؤں اور سکھوں کو مُسلم لیگ کے دلائل کا جواب دینے کے لئے دیا جائے گا۔ اسی ضمن میں پولیس نے یہ اطلاع بھی دی کہ مُسلم لیگ کی طرف سے چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب، ہندوؤں کی طرف سے بمبئی کے مشہور بیرسٹر سر سیتلواد اور سکھوں کی طرف سے سردار ہرنام سنگھ ایڈووکیٹ پیش ہوں گے۔[۲]

کمیشن کے متعلق خبر کی اشاعت پر گورنر پنجاب کی پابندی

۱۹؍جولائی کو گورنر پنجاب نے ایک حکم جاری کیا جس میں سرکاری اعلان کے سوا حد بندی کمیشن سے متعلق کوئی اطلاع یا تبصرہ سنسر کئے بغیر شائع کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔[۳]

جماعت احمدیہ کے کیس کی تیاری میں بھاری مُشکلات

جہاں ہندوؤں اور سکھوں کو اپنا کیس تیار کرنے میں بہت آسانیاں میسّر تھیں وہاں مُسلم لیگ اور جماعت احمدیہ کے لئے یہ انتہائی سنگین اور ازحد کٹھن مرحلہ تھا۔ اوّل تو حد بندی کے اصول و قواعد جاننے والے ماہروں کا فی الفور دستیاب ہونا مشکل تھا۔ دُوسرے پنجاب کی مردم شماری (۱۹۴۱ء) کا ریکارڈ مہیا کر کے ایسے اعداد و شمار مرتب کرنا جن سے زیادہ سے زیادہ علاقہ مغربی پنجاب میں شامل ہو سکے، اور مختلف پاور اسٹیشنوں، نہروں اور دریاؤں پر مغربی پنجاب کے حقوق اور کنٹرول ثابت کرنا یہ سب کام ایک زبردست مہم کی حیثیت رکھتے تھے۔ تیسرے بین الاقوامی قوانین کی کتابیں اور مشہور باؤنڈری کمیشنوں کی ضروری اور تازہ رپورٹیں جو اس مقصد کی تکمیل کے لئے درکار تھیں وہ ملک میں ناپید تھیں اور ان کا نہایت تنگ وقت میں بیرونی ممالک سے منگوایا جانا بہت دشوار تھا اور اخراجات کا مسئلہ مزید برآں تھا۔

۱؎ "الفضل" ۲۴ وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸ ۔ ۲؎ "الفضل" ۱۷ وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸ ۔
۳؎ " " ۲۱ " " " ۔

حضرت مصلح موعود کی زیر ہدایت تیاری کے ابتدائی اقدامات

حضرت مصلح موعود نے اس معاملہ میں عجب حیرت انگیز ذہانت اور غیر معمولی فہم و تدبر کا ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ ابھی پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ بھی نہیں ہوا تھا کہ حضور نے صوبہ پنجاب کی مردم شماری کے تفصیلی اعداد و شمار جمع کرنے اور متعلقہ ضروری تیاری کرنے کا ابتدائی کام نہایت باقاعدگی سے شروع کرا دیا اور اس کی نگرانی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ناظر اعلیٰ کے سپرد فرمائی۔ اس سلسلہ میں "قیام امن و صلح" کے نام سے ایک خاص دفتر کا قیام بھی عمل میں لایا گیا اور حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد، حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال اور سلسلہ کے بعض دوسرے بزرگ اور مخلص خدام اس قومی اور ملی خدمت کے لئے ۳۱ جولائی ۱۹۴۷ء یعنی حد بندی کمیشن کی سماعت کے آخری اجلاس تک برابر مصروف عمل رہے۔ قادیان ہندی مسلمانوں کی واحد بستی تھی جہاں پاکستانی حدود کے آئینی تحفظ کے لئے جانفروشوں کی ایک جماعت (جن میں احمدی پروفیسر، ڈرافسمین اور نقشہ نویس خاص طور پر شامل تھے) دن رات ایک کئے ہوئے تھی اور دل سے متمنی تھی کہ ان کا مقدس مرکز بہر حال پاکستان میں شامل رہے۔ اس دور کا اکثر ریکارڈ اگرچہ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں غارت ہو گیا ہے مگر اس کے بعض کاغذات اب بھی تعلیم الاسلام کالج کی پرانی فائلوں میں محفوظ ہیں۔ ان کاغذات میں حلقہ پٹواری پٹھانکوٹ و شکر گڑھ کے ہر گاؤں کی تفصیلی مردم شماری مندرجہ ذیل نقشہ کی صورت میں درج ہے:۔

ضلع ________ تحصیل ________

حلقہ گرداور ________ حلقہ پٹواری ________

نمبر شمار	گاؤں	کُل آبادی			ہندو					مُسلم			سِکھ			عیسائی			دیگر		
					شیڈولڈ ذات اور دھرمی		دیگر ہندو														
		مرد	عورت	میزان	مرد	عورت	مرد	عورت	میزان	مرد	عورت	میزان	مرد	عورت	میزان	مرد	عورت	میزان	مرد	عورت	میزان

مردم شماری کی ان تفصیلات کے علاوہ ترکی عراق حد بندی کے متعلق لیگ آف نیشنز کمیشن ۲۶-۱۹۲۴ء کی پیش کردہ سفارشات کا مکمل متن بھی موجود ہے جو فل سکیپ سائز کے ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے سرورق پر یہ الفاظ درج ہیں:۔

"FRONTIER SETTLEMENT BETWEEN TURKEY AND IRAQ RECOMMENDED BY LEAGUE OF NATIONS COMMISSION ON TURKO - IRAQ BOUNDRY 1924-26."

(سفارشات حد بندی مابین ترکی و عراق پیش کردہ لیگ آف نیشنز کمیشن ۲۶-۱۹۲۴ء)

اس ریکارڈ میں اس معاہدہ کا متن بھی شامل ہے جو ۱۹۲۶ء میں کُردوں کے متعلق برطانیہ اور عراق کے مابین قرار پایا۔

امریکہ سے بین الاقوامی باؤنڈری لٹریچر کی درآمد اور برطانیہ کے ایک ماہر جغرافیہ دان کی خدمات کا حصول

حضرت مصلح موعود نے مرکز میں کام شروع کرانے کے ساتھ ہی امریکہ اور یورپ کے مبلغین کو فوری ہدایت بھجوائی کہ وہ بین الاقوامی قانون حد بندی سے متعلق مشتمل لٹریچر بھجوانے کے علاوہ کوئی ماہر خصوصی تلاش کریں اور اس سے ہندوستان آنے جانے کے اخراجات اور فیس وغیرہ کا تصفیہ کر کے اطلاع دیں۔

بین الاقوامی باؤنڈری لٹریچر مہیا کرنے اور اس کے ماہر کی تلاش میں جماعت احمدیہ کو کس قدر دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا کسی قدر اندازہ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔ اے۔ ایل ایل بی امام مسجد لندن کے ایک خط (مورخہ ۷ ارجون ۱۹۴۷ء) سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے حضرت سیدنا المصلح الموعود کی خدمت میں لکھا "باؤنڈری کے ماہر کی تلاش جاری ہے۔ کل ہماری سالیسٹرز کی فرم نے مسٹر کیمپویل کے۔ سی کا نام تجویز کیا جن کو انگلستان کی باؤنڈریز کے معاملات میں ماہر سمجھا جاتا ہے۔ سالیسٹرز نے کل کیمپویل کے کلرک کو اند مجھے بُلایا تا تفصیلی گفتگو کی جا سکے۔ ان کا کہنا ہے کہ بین الاقوامی حدود کا ماہر یہاں سے کوئی نہیں مل سکتا۔ لیکن دیگر ذرائع سے تلاش جاری ہے۔ لارڈ ہیلی نے خط لکھا ہے کہ وہ فارن آفس انفارمیشن سے پتہ کرا سکتے ہیں۔ ان کو لکھا گیا ہے کہ وہ پتہ کرا دیں۔ یونائیٹڈ نیشنز انفارمیشن سنٹر والوں نے جنیوا میں لیگ آف نیشنز کے دفتر کو باؤنڈری کمیشن کی رپورٹوں کے بارہ میں لکھنے کو کہا۔ "ٹائمز" اور "نیوز کرانیکل" نے تلاش میں مدد دینے

کا وعدہ کیا ہے۔ ہز میجسٹی سٹیشنری آفس سے جو رپورٹ ملی تھی وہ حضور کی خدمت میں بھیج دی گئی تھی۔ مزید مہیا کرنے سے اس نے لاعلمی کے باعث معذوری ظاہر کی۔ یہ رپورٹیں باؤنڈری کمیشن کے نام کے ماتحت شائع نہیں ہوئیں اور نہ ہی باؤنڈری انڈکس میں موجود ہیں۔ اس لئے جب تک دیگر عناوین جن کے ماتحت یہ شائع ہوئیں یا جن دیگر مطبوعات میں یہ شامل ہیں علم نہ ہو ان کو حاصل نہیں کیا جا سکتا . . . بندہ نے حضور کی خدمت میں ایمری کی تجویز تحریر کی تھی کہ سر والٹر مونکٹن مشیر قانونی حیدرآباد کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

امام مسجد لنڈن نے ایک دوسرے مکتوب میں اطلاع دی کہ "COL: T.M PENNEY جو کہ ہندوستان میں سروے کے محکمہ میں ایک لمبا عرصہ رہا ہے اور آجکل کیبنٹ آفس میں جنگ کی تاریخ کے نقشوں کی تیاری پر متعین ہے پانچ ہزار روپیہ تنخواہ پر اور آمد و رفت کے خرچ اور رہائش کے انتظام پر آنے کے لئے تیار ہے"

آخر انتہائی جدوجہد اور بہت تلاش کے بعد امریکہ اور برطانیہ سے باؤنڈری لٹریچر دستیاب ہو گیا جو بذریعہ ہوائی جہاز ہندوستان پہنچا جس کے ڈاک خرچ پر ہزار روپیہ سے زائد رقم ادا کرنا پڑی۔

جہاں تک کسی باؤنڈری ایکسپرٹ کا تعلق تھا جماعت احمدیہ لنڈن سکول آف اکنامکس کے ایک ممتاز جغرافیہ دان ڈاکٹر اوسکر ایچ۔ کے سپیٹ (O.H.K. SPATE) کی خدمات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ مسٹر سپیٹ جلد ہی لنڈن سے ہندوستان پہنچ گئے اور یہ وضاحت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ ان کے تمام اخراجات جماعت احمدیہ نے برداشت کئے۔ مسٹر سپیٹ نے اپنی مشہور کتاب (INDIA AND PAKISTAN) (انڈیا اور پاکستان) کے متعدد مقامات پر قادیان کے حالات لکھے ہیں اور حاشیہ میں اپنے اس سفر کا بھی تذکرہ کیا ہے۔[1]

جماعت احمدیہ کی طرف سے ضروری معلومات کی فراہمی اور نقشوں کی تیاری

جماعت احمدیہ کے مرکز کی طرف سے مسٹر سپیٹ کو جو ضروری معلومات بہم پہنچائی گئیں۔ ان کا مختصر خاکہ یہ تھا:-

۱۔ مسلم لیگ اور مسلمانوں کی نگاہ میں ہندوستان اور پاکستان (انڈیا اور مسلم انڈیا) کا حقیقی تصور کیا ہے؟

---

[1] صفحہ ۱۸۴ - ۱۸۹ تا ۱۹۲ - ۴۷۸ - یہ کتاب پہلی بار ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی اور اس کے ناشرین مندرجہ ذیل ہیں:-

London: Methuen & Co. Ltd:

New York: E.P. Dutton & Co. Inc:

۲۔ مُسلم اکثریت کے سترہ اضلاع کونسے ہیں اور بارہ غیر مُسلم اکثریت کے اضلاع کون سے ؟

۳۔ مردم شماری ۱۹۴۱ء کے تفصیلی اعداد و شمار

۴۔ پنجاب باؤنڈری کمیشن کی تحقیقات کے لئے دائرہ کار (TERMS OF REFERENCE) کیا ہے۔ اس ضمن میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے ایک اہم انگریزی نوٹ بھی سپرد قلم فرمایا جس کا ترجمہ "الفضل" (۱۹ر جولائی ۱۹۴۷ء) میں بھی شائع ہوا۔

۵۔ گورداسپور واضح مُسلم اکثریت کا ضلع ہے اور قادیان ہیں جو اس کی تحصیل بٹالہ میں واقع ہے مسلمانوں کا تناسب نوے فیصد سے بھی زیادہ ہے۔ مگر ان حقائق کے باوجود پاکستان کے مخالفوں کی نگاہیں ضلع گورداسپور اور خصوصاً تحصیل بٹالہ پر لگی ہوئی ہیں تا جماعت احمدیہ کے مرکز کو پاکستان سے الگ کر کے اس کی طاقت کو کمزور کر دیا جائے۔

۶۔ حدبندی کمیشن کے آئینی اختیارات کیا ہیں ؟

یہ اور اس نوعیت کی دوسری وسیع معلومات کے فراہم ہونے پر مسٹر سپیٹ حیران رہ گئے۔ چنانچہ جب وہ حد بندی کمیشن کا کام ختم کر کے انگلستان واپس گئے تو انہوں نے ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن اور اوورسیز لیگ کے ایک مشترکہ اجلاس میں جماعت احمدیہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا :-

"اس جماعت کی دعوت پر میں ایک ماہر جغرافیہ دان کی حیثیت سے ہندوستان گیا تھا۔ جہانتک میرے فن کا تعلق ہے میرا وہاں جانا ازدیادِ علم کا باعث ہوا اور میرے لئے بہت مفید ثابت ہوا۔ اس کے علاوہ نہ صرف یہ کہ احمدیہ جماعت کی طرف سے مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی گئی بلکہ فنّی امداد میں بھی کمالِ حُسنِ کارکردگی کا جو معیار پیش کیا گیا وہ حیرت میں ڈالنے والا تھا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ سلسلہ احمدیہ کی تنظیم اور وہ جذبہ جس پر پوری تنظیم کی بنیاد ہے یقیناً از حد قابلِ تعریف ہے" [1]

جماعت احمدیہ نے مسٹر سپیٹ کی مدد سے حد بندی کے لئے تمام ضروری مواد کو آخری شکل دی۔ اور تحصیل بٹالہ اور ضلع گورداسپور کے الگ الگ ایسے نقشے تیار کرائے جن میں گاؤں، ذیل، قانونگو کے حلقہ اور تھانوں کو یونٹ قرار دیا گیا تھا۔

---

[1] "الفضل" ۱۸ر نبوت/نومبر ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء

حضرت مصلح موعود کی طرف سے قائداعظم کو خصوصی پیغام

باؤنڈری کمیشن کے لئے تیاری کے دوران دو اہم واقعات پیش آئے جن کا ذکر کرنا ازبس ضروری ہے۔

پہلا واقعہ یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے اپنی طرف سے مولوی عبدالرحیم صاحب درد کو یہ پیغام دے کر قائداعظم محمد علی جناح کے پاس بھیجا کہ

"بیشک آپ ستلج[1] پر اصرار کریں لیکن یہ ساتھ ہی کہہ دیں کہ اگر ہمیں بیاس سے ورے دھکیلا گیا تو ہم نہ مانیں گے اور واقعہ میں نہ مانیں تب کامیاب ہوں گے ورنہ وہ بیاس سے ورے بھی دھکیل دیں گے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ سارا پنجاب ہی تقسیم نہ ہو۔ تاہم تقسیم کو تسلیم کر لیں تو محفوظ موقف ہمارا بیاس ہے ستلج نہیں"[2]

نائب وزیر ہند کے بیان پر قائداعظم اور جماعت احمدیہ کا شدید احتجاج

دوسرا اہم واقعہ یہ ہے کہ مسٹر آرتھر ہنڈرسن نائب وزیر ہند نے ۱۴؍جولائی کو برطانوی پارلیمنٹ میں ہندوستان کی آزادی کے بل پر بحث کرتے ہوئے یہ بیان دیا کہ باؤنڈری کمیشن کا بڑا اصول یہ ہوگا کہ مسلم و غیر مسلم اکثریت کے متصل علاقوں کو پاکستان یا ہندوستان میں شامل کر دیا جائے۔ لیکن خاص حالتوں میں "دیگر امور" مثلاً سکھوں کی پوزیشن کا خاص خیال رکھا جائے گا۔

اس فتنہ انگیز بیان نے مسلمانوں میں تشویش و اضطراب کی ایک لہر دوڑا دی اور قائداعظم نے وائسرائے ہند کے پاس اس پر احتجاج کیا جو اسی دن برطانوی کابینہ تک پہنچا دیا گیا اور قائداعظم کو یقین دلایا گیا کہ مسٹر ہنڈرسن کے فقرے حد بندی کمیشن کے لئے ہدایت کا درجہ نہیں رکھتے۔[3]

اس سلسلہ میں جماعت احمدیہ کی طرف سے ۱۹؍جولائی ۱۹۴۷ء کو مسٹر ایٹلی وزیر اعظم برطانیہ کے نام مندرجہ ذیل احتجاجی تار بھیجا گیا۔

"مسٹر ہینڈرسن نے پارلیمنٹ میں جو یہ بیان دیا ہے کہ باؤنڈری کمیشن کی ٹرمز آف ریفرنس میں جو "دوسرے حالات" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ سکھوں کے مقدس مقامات کا خیال رکھے

---

[1] یاد رہے سکھوں کے مقابل بعض مسلم لیگی زعماء نے ان دنوں مطالبہ کیا تھا کہ دریائے ستلج کے پار تک کا علاقہ پاکستان میں شامل کیا جائے کیونکہ پاکستان کی یہی قدرتی حد بنتی ہے (الفضل ۱۴؍وفا/جولائی ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸)۔

[2] اقتباس از مکتوب حضرت مصلح موعود مرقومہ ۱۱؍اگست ۱۹۴۷ء۔

[3] "الفضل" ۲۴؍وفا/جولائی ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸۔

کی غرض سے استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ بیان نہایت بے موقع سراسر نامناسب اور بالکل بے بنیاد ہے۔ اس بیان سے کمیشن کے کام پر ناجائز اثر پڑنے کے علاوہ مسلمانوں کے ساتھ بھی انتہائی بے انصافی کا دروازہ کھلتا ہے جن کے مقدس مقامات سکھوں کے مقدس مقامات سے تعداد اور اہمیت دونوں میں بہت زیادہ ہیں۔ یہ بات بالکل خیال میں نہیں آسکتی کہ جب وائسرائے نے ٹرمز آف ریفرنس کا اعلان ہندوستانی پارٹیوں کے اتفاق رائے سے کیا تھا اور ان ٹرمز آف ریفرنس کے مطابق کمیشن اپنا کام بھی شروع کر چکا ہے تو مسٹر ہینڈرسن کو اس بیان کی کیا ضرورت تھی۔ ہینڈرسن صاحب اس بات کو بھی بھولے ہوئے ہیں کہ "دوسرے حالات" کے الفاظ صرف پنجاب کے باؤنڈری کمیشن کے لئے ہی استعمال نہیں کئے گئے بلکہ بنگال کے کمیشن کے لئے بھی استعمال کئے گئے ہیں حالانکہ بنگال میں کوئی سکھ نہیں ہیں۔ لہذا مسٹر ہینڈرسن کے اس بیان کی فوری تردید ہونی چاہیئے" [1]

مسلم لیگ کی طرف سے جماعت احمدیہ کو اپنا علیحدہ محضر نامہ شامل کرنے کی تحریک

باؤنڈری کمیشن کی تشکیل پر تجویز کی گئی کہ جتنے زیادہ محضر نامے مسلمانوں کی طرف سے پیش کئے جائیں بہتر ہیں۔ اس خیال کے ماتحت جماعت احمدیہ سے بھی کہا گیا کہ وہ علیحدہ میمورنڈم پیش کرے۔ چنانچہ جماعت احمدیہ اور اس کے علاوہ مسلم لیگ گورداسپور نے بھی علیحدہ محضر نامہ تیار کیا جو غلام فرید صاحب ایم ایل اے، شیخ کبیر الدین صاحب سابق نمائندہ مسلم لیگ، شیخ شریف حسین صاحب وکیل، شیخ محبوب عالم صاحب اور مرزا عبدالحق صاحب کی مشترکہ کوشش سے مرتب کیا گیا تھا۔

لیکن اس کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اصل فریق مسلم لیگ اور کانگرس ہیں اس لئے اپنا کیس پیش کرنے کا وقت صرف انہیں کو دیا جائے گا۔ جب یہ فیصلہ حضرت مصلح موعود کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے بھی علیحدہ محضر نامہ پیش کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا۔ لیکن بعد میں جب کانگرس نے اپنے وقت میں سے کچھ وقت سکھوں اور اچھوتوں کو بھی دے دیا تو مسلم لیگ نے اس خیال سے کہ شاید اس کا تقسیم ملک پر کچھ اثر ہو ...... دوبارہ تجویز کیا کہ وہ بھی چند محضر نامے پیش کرا دے۔ چنانچہ اس نے اپنے وقت میں احمدیوں اور عیسائیوں کو علیحدہ [2] میمورنڈم پیش کرنے کی اجازت دے دی۔ جس کا پس منظر یہ تھا کہ کانگرس نواز علماء بخاص طور پر ۱۹۴۵ء کے الیکشن سے

---

[1] "الفضل" ۲۲ رو فا/جولائی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ ÷ [2] حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے ۲۷ دسمبر ۱۹۵۰ء کی تقریر میں بڑی شرح و بسط سے یہ واقعہ بیان فرمایا، نیز بتایا کہ مسلم لیگ کی طرف سے ہمیں جو علیحدہ میمورنڈم دیئے جانے کی اجازت دی گئی اس کے گواہ نواب افتخار حسین صاحب ممدوٹ، خواجہ عبدالرحیم صاحب سابق کمشنر، چوہدری اکبر علی صاحب اور دیگر مسلم لیگی کارکن ہیں ("الفضل" ۲ صلح/جنوری ۱۳۳۰ ہش/۱۹۵۱ء صفحہ ۴-۵)۔

یہ پراپیگنڈا کر رہے تھے کہ احمدی مسلمان نہیں اور یقینی خدشہ تھا کہ ہندو یا سکھ باؤنڈری کمیشن کے سامنے اپنی بحث کے دوران یہ سوال اُٹھا دیں گے کہ احمدی چونکہ مسلمان نہیں اس لئے ضلع گورداسپور کی مردم شماری میں ان کو مسلمانوں میں سے خارج کر دیا جائے تو یہ ضلع لازماً غیر مسلم اکثریت کا ضلع قرار پاتا ہے اور مسلمان اقلیت میں رہ جاتے ہیں۔ اس تشویشناک صورتِ حال کے پیشِ نظر مُسلم لیگ چاہتی تھی کہ جماعت احمدیہ بھی مُسلم لیگ کے وقت میں ایک علیحدہ محضر نامہ ضرور پیش کر دے تا حد بندی کمیشن پر یہ ثابت ہو جائے کہ احمدی اگر مُسلمان قرار نہ بھی دیئے جائیں تب بھی یہ لوگ پاکستان میں آنا چاہتے ہیں۔

یہ محضر نامہ چونکہ مسلم لیگ کے کیس کو مضبوط بنانے اور اس کے موقف کو تقویت دینے کے لئے تیار کیا گیا تھا اس لئے حضرت سیدنا المصلح الموعود بنفس نفیس قادیان سے لاہور تشریف لائے اور اپنے ساتھ شیخ بشیر احمد صاحب اور مولوی عبدالرحیم صاحب درد کو لے کر جسٹس محمد منیر صاحب کی کوٹھی پر پہنچے۔ جہاں جسٹس دین محمد صاحب بھی آگئے۔

پنجاب کے ان ممتاز مُسلم قانون دانوں کو جو ریڈ کلف ایوارڈ میں بطور رُکن بھی شامل کئے گئے۔ تیار شدہ محضر نامہ کی ٹائپ شدہ کاپیاں دی گئیں اور سب نے شروع سے لے کر آخر تک اس پر قانونی طور پر بحث تمحیص کی اور اس بات کا پورا پورا اطمینان کر لیا گیا کہ میمورنڈم کا کوئی فقرہ بلکہ لفظ ایسا نہ ہو جس سے مسلمانوں کے مقاصد کو ذرہ برابر بھی نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔ غرضکہ جب ہر طریق سے تسلّی و تشفی ہو گئی۔ تب اس کو ریڈ کلف ایوارڈ کے سکرٹری تک پہنچا دیا گیا۔[1]

جماعت احمدیہ کا محضر نامہ

ذیل میں اس تاریخی دستاویز کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔۔ نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

سلسلہ احمدیہ جو مسلمانوں کا ایک اہم مذہبی فرقہ ہے اور جس کی شاخیں تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں، اس کا مرکز گورداسپور کے ضلع میں واقع ہے۔ مغربی اور مشرقی پنجاب کی جو عارضی تقسیم ہوئی ہے اس میں یہ ضلع پنجاب کے دونوں حصوں کی سرحد پر واقع ہے۔ اس لئے سرحدی نزاع میں فریقین اس ضلع کے دعویدار ہیں۔ پس اپنے قانونی حقوق کے تحفظ کے لئے یہ ضروری ہے کہ جماعت احمدیہ بھی اپنا نقطۂ نگاہ

---

[1] "الفضل" ۲ صلح / جنوری ۱۳۳۰ھش / ۱۹۵۱ء (ملخصاً از خطاب سیدنا المصلح الموعود)

باؤنڈری کمیشن کے سامنے پیش کرے۔

پیشتر اس کے کہ ہم ان خاص امور پر روشنی ڈالیں جن سے ہماری جماعت کو اس کے مرکز کے ضلع گورداسپور میں واقع ہونے کی وجہ سے واسطہ پڑا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ کمیشن کے سامنے بعض بنیادی امور رکھیں جن کا تعلق ان مطالبات سے ہے جو ہم پیش کرنا چاہتے ہیں۔

ہمارا یقین ہے کہ کمشن کا یہ فرض ہے کہ وہ علاقہ جات کو پنجاب کی مذہبی آبادی پر تقسیم کرے۔ اس کا یہ کام نہیں کہ وہ صوبے کو سیاسی یا اقتصادی اعتبار سے تقسیم کرنے کی کوشش کرے۔ اگر ایسا ہوتا تو کمشن کی ہدایات میں قدرتی حدود اور اقتصادی وسائل پر خاص زور دیا جانا چاہیئے تھا یا پھر انتظامی لحاظ سے جو ملک کے حصے ہو سکتے ہیں ان کو مدنظر رکھا جاتا۔ لیکن نہ ہی اس عارضی تقسیم میں جو ہو چکی ہے اور نہ ہی کمشن کے فرائض میں سوائے آبادی کے کسی اور بنیادی امر کا ذکر ہے۔ عارضی تقسیم میں تقسیم کی حد بندی ضلع کو قرار دیا گیا ہے۔ جن اضلاع میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان کو مغربی پنجاب میں اور جن میں غیر مسلموں کی اکثریت ہے، ان کو مشرقی پنجاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اگر انتظامی امور کا لحاظ رکھا جاتا تو امرتسر کا ضلع مغربی پنجاب میں شامل ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اس عارضی تقسیم میں بیاس کے بائیں جانب صرف امرت سر کا ضلع ہی ایسا ہے جو مشرقی پنجاب میں شامل کیا گیا ہے حالانکہ انتظامی لحاظ سے اگر تقسیم ہوتا تو قدرتی حدود مثلاً دریاؤں اور پہاڑوں کو خاص اہمیت دی جاتی۔ اسی طرح اگر اقتصادی امور کو تقسیم میں مدنظر رکھا جاتا تو پھر کانگڑہ کا ضلع مغربی پنجاب میں شامل ہونا چاہیئے کیونکہ ذرائع نقل وحمل کے لحاظ سے کانگڑہ ریلوے لائن کے ذریعہ مغربی پنجاب سے ملحق ہے۔ اور تجارتی لحاظ سے بھی اس کا تعلق مغربی پنجاب سے ہے۔ مگر اس حقیقت کے پیش نظر کہ امرتسر اور کانگڑہ کے اضلاع مشرقی پنجاب میں شامل کئے گئے ہیں یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ پنجاب کی تقسیم کا بنیادی اصول صرف آبادی ہی کو قرار دیا گیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کمیشن کے دائرہ عمل میں "دیگر امور" کے الفاظ آتے ہیں۔ لیکن یہ "دیگر امور" ظاہر ہے کہ آبادی سے کم مرتبہ پر اور اس کے تحت میں یہ کوئی متوازی یا دوسرا بنیادی اصول نہیں ہے۔ بلکہ پہلے اصول کے ضمنیات میں ہی شامل ہے۔ یہ "دیگر امور" اسی وقت متعلقہ امور قرار دیئے جا سکتے ہیں جبکہ مسلم اور غیر مسلم آبادی بالکل برابر ہو یا جبکہ ایک فریق کی آبادی کا تسلسل دوسرے فریق کی آبادی کے تھوڑے سے رقبے کے بیچ میں آنے کی وجہ سے ٹوٹ جائے اور جبکہ یہ روکاوٹ ایک آبادی کے تسلسل میں دوسری آبادی کی

موجودگی کے سبب اتنی کم ہو کہ اُسے کوئی اہمیت نہ دی جا سکتی ہو۔

اگر ان "دیگر امور" کو وہی اہمیت حاصل تھی جو آبادی کو ہے تو پھر عارضی تقسیم میں بھی ان کا لحاظ رکھا جاتا۔ بجائے اس کے صرف کمشن کے دائرۂ عمل میں شامل کیا گیا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ آبادی کے ضمن کے طور زیر غور لائے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف "دیگر امور" سے مراد وہ چھوٹی چھوٹی چیزیں تھیں جنہیں حد بندی کے وقت مدنظر رکھا جانا مقصود تھا۔ اور یہ بات طے شدہ تھی کہ آبادی کے سوال کو ہمیشہ فوقیت حاصل رہے گی۔ کمشن کا تعلق بنیادی طور پر آبادی کے سوال اور اس کے تسلسل سے ہے۔ اس امر کو نظر انداز کرنا یا کسی اور امر کو اتنی اہمیت دینا کمشن کے اختیارات اور دائرۂ عمل سے باہر ہے۔

پریس کانفرنس کے موقعہ پر وائسرائے نے صاف طور پر بیان دیا تھا کہ

"ملکِ معظم کی حکومت سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ زرعی جائیداد کی بناء پر تقسیم ملک کی حمایت کرے گی۔ موجودہ انگریزی حکومت کسی صورت میں بھی ایسا نہیں کر سکتی"

("ٹریبیون" ۵ر جون "ڈان" ۶ر جون ۱۹۴۷ء)

اسی پریس کانفرنس میں وائسرائے سے یہ سوال کیا گیا۔

"آپ نے اپنی کل کی نشری تقریر میں یہ فرمایا تھا کہ تقسیم شدہ صُوبوں کی آخری حد بندی یقینی طور پر اس کے عین مطابق نہیں ہوگی جو عارضی طور پر اختیار کی گئی ہے۔ آپ نے ایسا کیوں کہا؟"

اس کے جواب میں وائسرائے نے فرمایا :-

"محض اس وجہ سے کہ گورداسپور کے ضلع میں مُسلمانوں اور غیر مُسلموں کی آبادی میں تناسب ۵۰٫۴ اور ۴۹٫۶ ہے اور فرق صرف ۰٫۸ فیصد کا ہے۔ پس یہ ایک عام فہم بات ہے آپ خود سمجھ لیں گے کہ اس کا امکان نہیں کہ کمشن تمام ضلع کو مُسلمانوں کی اکثریت والے علاقوں میں شامل کر دے۔ اسی طرح سے بنگال کے ایک ضلع میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ مَیں نہیں چاہتا کہ ان اضلاع کے اقلیتی باشندے یہ فرض کر لیں کہ یہ طے شدہ امر ہے کہ ان کو ایسے علاقوں میں شامل کیا جا رہا ہے جن میں ان کے فرقے کی اکثریت نہیں ہے"

(سول اینڈ ملٹری گزٹ ۵ر جون ۱۹۴۷ء)

اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ وائسرائے نے جن اعداد و شمار کا حوالہ دیا ہے یہ درست نہیں

ہیں (دیکھو پنجاب مردم شماری رپورٹ ۱۹۴۱ء) مندرجہ بالا سوال اور جواب سے یہ واضح ہے کہ کمشن کسی اکثریت والے علاقے کو ملحقہ علاقے سے جُدا کر کے کسی دوسرے علاقے سے نہیں ملائے گا اور یہ کہ اگر عارضی تقسیم سے کوئی انحراف ہوا تو اس کا فیصلہ ملحقہ اکثریت والے علاقوں کی بنا پر ہوگا اس لئے کہ وائسرائے کے اعلان میں "دیگر امور" مثلاً جائداد کی قسم کی تصریحات ہرگز شامل نہیں۔ نیز اعلان میں یہ بھی فیصلہ شدہ بات ہے کہ کمیشن کسی ایسے علاقے کو جس میں ایک فرقہ کی اکثریت ہے کسی ایسے علاقے سے نہیں ملائے گا جس میں اس فرقہ کی اکثریت نہیں۔

نیز ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ہندوستان کے مسئلہ کے حل کے لئے اور فرقوں کے باہمی تنازعات کے فیصلہ کے لئے "دیگر امور" میں جائداد اور اس قسم کی اور باتیں شامل تھیں تو کیوں اس وقت پنجاب اور بنگال کی اسمبلیوں کے یورپین ممبروں کو اپنے رسمی ووٹنگ کے حق سے محروم کیا گیا جبکہ پنجاب اور بنگال کی اسمبلیاں دستور ساز اسمبلی کے لئے اپنے نمائندے منتخب کرنے کے لئے منعقد ہوتی تھیں۔ نیز اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ آیا وہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی میں۔ کیا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ یورپین ممبروں کی اسمبلی میں نمائندگی کی بڑی وجہ اُن کی جائداد اور اُن کے تجارتی اور صنعتی مفادات ہیں؟ یہی وجہ تھی کہ جب بنیادی سیاسی حقوق کے فیصلے کا وقت آیا تو ان یورپین ممبروں کو جنہیں ان کی جائداد اور ان کے اقتصادی مفادات کی بنا پر نمائندگی دی گئی تھی اس فیصلہ کے وقت ووٹ دینے کے حق سے محروم کر دیا گیا کہ وہ کس دستور ساز اسمبلی میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔

اسی طرح اگر کسی مُلک کی تقسیم جائیداد کی بنا پر جائز ہے تو پھر ہمیں سندھ کے صوبے کو بھی تقسیم کرنا پڑے گا۔ اس صوبے میں بڑے بڑے زمینداروں میں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ مزید برآں تقسیم کے لئے اگر جائیداد جائز بنیاد ہو سکتی ہے تو پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پنجاب کو تقسیم کرنے کی زحمت نہیں کرنی چاہیئے تھی اسے ہندوؤں اور سکھوں کے حوالے کر دینا چاہیئے تھا کیونکہ پنجاب میں تجارت، صنعت اور تعلیم وغیرہ تقریباً تمام اُن کے قبضے میں ہیں۔ اس صورت میں مسلمان کسی ایک ضلع کے لئے بھی مطالبہ نہیں کر سکتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہندوستان یا اس کے کسی حصّے کی تقسیم کا سوال محض اس لئے اُٹھایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو یہ جائز شکایت تھی کہ غیر مُسلموں کے ہاتھ میں اُن کے سیاسی حقوق محفوظ نہیں۔ اس صوبے

میں بھی جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے زمینیں، ٹھیکے اور تعلیم کے لئے حکومت کی طرف سے مالی عطیات غیر مسلموں کو ہی ملتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس ترقی کے کوئی راستے باقی نہیں رہے۔ اس لئے مسلمانوں کے مفاد کے لئے یہ ضروری تھا کہ ان کے اکثریت والے علاقوں کو ملک کے باقیماندہ حصے سے جُدا کیا جائے تاکہ وہ اس قابل ہوں کہ اپنی ترقی کے منصوبے بنائیں اور اپنی قسمت کا آپ فیصلہ کریں۔ سالہا سال کے تصادم اور کشمکش کے بعد انگریزی حکومت اور ہندو کانگرس نے مسلمانوں کے اس مطالبہ کو قبول کیا ہے۔ اب وہی دلیل جس کی بنا پر مسلمانوں کو اکثریت والے علاقوں میں علیحدہ رہنے کا حق دیا گیا ہے۔ اس بات کے لئے استعمال نہیں کی جانی چاہیئے کہ ان کے علاقوں میں سے کچھ حصے چھینے جا سکیں گے۔ اگر پاکستان کا تصور یہ تھا کہ مسلمانوں کو موقع دیا جائے کہ وہ اپنی سیاسی اور اقتصادی زندگی کے نقصانات کی تلافی کر سکیں اور اگر تقسیم کا خیال جسے انگریزی حکومت اور کانگرس دونوں نے تسلیم کیا ہے درست ہے تو پھر جائداد اور اقتصادی حالت کی فوقیت کی بنا پر مسلمانوں کے علاقوں کی تقسیم کی کوشش پاکستان کے نظریہ کو کالعدم قرار دینے کے مترادف ہے اس لئے ایسی تقسیم بنیادی طور پر غلط ہونے کی بنا پر رد کر دینے کے قابل ہے۔

کانگرس متنازعہ فیہ مسئلے میں سب سے اہم فریق مخالف ہے۔ لیکن کانگرس نے پہلے ہی یہ نظریہ تسلیم کر لیا ہے کہ سیاسی حقوق کے تعین میں جائیداد کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ ان تمام صوبوں میں جن پہ کانگرس حکمران ہے زمینداری سسٹم منسوخ کیا جا رہا ہے۔ یو پی، مدراس اور بہار میں اس قسم کے قوانین پاس کرائے جا رہے ہیں جو بڑے زمینداروں کے اراضیاتی مفاد کو ضبط کرنے کے مترادف ہیں۔ اگر زمینداروں کے مفادات سیاسی حقوق کے لئے پیمانہ قرار دیئے جا سکتے ہیں تو چاہیئے تھا کہ یو پی، مدراس اور بہار میں کانگرس بڑے زمینداروں کو اسی نسبت سے زیادہ سیاسی حقوق دیتی لیکن اس کی بجائے کانگرسی حکومتیں زمینداری سسٹم کو ختم کرنے کے لئے قانون بنا رہی ہیں۔ بنگال میں زمین کا بیشتر حصہ ہندوؤں کی ملکیت ہے اور اس لحاظ سے یہ صوبہ ہندوؤں کے حوالے کیا جا سکتا تھا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا اور عارضی تقسیم میں بنگال کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔

بفرضِ محال (جو بہر حال امر محال ہی ہے) اگر "دیگر امور" میں ایسی باتیں شامل کر لی جائیں جیسے جائیداد/ تجارتی مفادات، انکم ٹیکس، تعلیمی ترقی وغیرہ امور شامل کر لئے جائیں تو ہمیں یہ دریافت کرنا پڑے گا کہ کن حالات اور کن ذرائع سے غیر مسلموں نے زمین، تعلیم اور تجارت میں یہ تفوق حاصل کیا ہے؟

جیسا کہ ہم نے کہا ہے یہ غیر مُسلموں کا تفوّق صرف اس وجہ سے ہے کہ انگریزوں کے ہندوستان میں وارد ہونے کے وقت غیر مُسلموں نے حصولِ دولت اور اقتصادی برتری کے تمام سرکاری وسائل اور اداروں پر قبضہ کر لیا۔ انگریزوں سے پہلے مسلمان ہندوستان کے حُکمران تھے۔ انگریزوں نے مُلک مسلمانوں سے لیا۔ لارڈ کرزن کے زمانہ تک انگریزوں کی یہ پالیسی رہی کہ مُسلمانوں کو کمزور رکھا جائے۔ لارڈ کرزن نے پہلی مرتبہ یہ سوال اُٹھایا کہ کیا ایسا کرنا جائز اور درست ہے؟ اس میں شک نہیں کہ لارڈ کرزن کو اس آواز کے اُٹھانے کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی لیکن اس نے یہ ثابت کر دیا کہ ایسے اَور انگریز بھی موجود تھے جو حق اور انصاف کی حمایت میں اپنی ذاتی شہرت اور ترقی کو خطرے میں ڈال کر بھی اپنی ہی حکومت کی پُرانی انتظامی روایات اور حکمت عملی کی مخالفت کرنے کی اہلیّت رکھتے تھے۔ پس اقتصادی اور تعلیمی میدان میں مسلمانوں کی پسماندگی گورنمنٹ کی پالیسی اور سیاسی اغراض کا نتیجہ تھی۔ اب یہ وقت آیا ہے کہ انہیں ان محرومیوں اور دشواریوں سے نجات دلائی جائے۔ لیکن اس کی بجائے تجویز یہ ہو رہی ہے کہ جو کچھ ان کے قبضہ میں باقی رہ گیا ہے وہ بھی کسی نہ کسی بہانے ان سے چھین لیا جائے۔

سِکھوں کا مطالبہ ہے کہ انہیں پنجاب کی نہری نو آبادیات میں (ان کی ملکیّت میں برتری کی بنا پر) زائد رقبہ دیا جائے۔ اس کی تردید بھی ہمارے مندرجہ بالا جواب سے ہو جاتی ہے۔ نہری آبادیاں سرگودھا، لائل پور، منٹگمری، شیخوپورہ، ملتان کے اضلاع میں ہیں۔ نہروں کی کھدائی سے پہلے ان لوگوں میں جو یہاں آکر آباد ہوئے تھے بمشکل ۵ فیصدی غیر مُسلم تھے۔ اس لئے یہ علاقے مسلمانوں کے تھے۔ قلیل آبادی کی وجہ سے یہاں کے مقامی باشندے زمینوں کے کثیر حصّے کو اپنے مویشیوں کی چراگاہ کے طور پر استعمال کرتے تھے کیونکہ پانی کی قلّت کی وجہ سے تمام زمین زیرِ کاشت نہیں لائی جا سکتی تھی۔ نہروں کی تعمیر کے موقعہ پر گورنمنٹ نے یہ اعلان کرتے ہوئے کہ چونکہ زمینیں ویران ہو گئی تھیں اس لئے اب وہ حکومت کی ملکیّت ہو گئی ہیں۔ اپنی مقبوضہ زمینوں میں سے کچھ زمین سکھوں کو ان کی خدمات کے عوض گورنمنٹ نے مفت عطا کر دی اور کچھ علاقے پرائیویٹ خریداروں کے پاس بیچ دیئے گئے۔ اس طرح سے زمین کا ایک معتد بہ حصہ سکھوں کی ملکیّت میں چلا گیا۔ اس سے زیادہ ناانصافی کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ زمین جو مسلمانوں کی تھی وہ تو غیر مُسلموں کے حوالہ کر دی گئی اور اب مسلمانوں کو اس بناء پر اُن کے آبائی علاقوں سے محروم کیا جاتا ہے کہ غیر مُسلموں کے پاس اُن سے زیادہ زمین ہے۔ ہم یہ بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ عطیہ جات مرکزی حکومت

کی خدمت کے صلہ میں دیئے گئے تھے کیونکہ یہ فوجی خدمات کا معاوضہ تھا۔ اب جبکہ ہندوستان کی تقسیم ہو چکی ہے مغربی پنجاب یہ حق رکھتا ہے کہ وہ ہندوستان سے ان زمینی عطیہ جات کے نقد معاوضے کا مطالبہ کرے۔

ہندوؤں کے قبضے میں آج زمینیں ہیں۔ یہ ہندو ساہوکاروں کے سُودی کاروبار اور ان کی حد سے بڑھی ہوئی شرح سُود کا نتیجہ ہیں جو وہ زمینداروں کو قرض دے کر وصول کرتے تھے۔ ہمارے اس دعوے کی تصدیق پنجاب کی عدالتوں کے ریکارڈ سے ہو سکتی ہے۔ کئی مثالیں ایسی ہیں کہ چالیس یا پچاس روپیہ اصل زر کا معمولی قرضہ آخر کار بیچارے زمیندار کی ہزاروں روپے کی زمین سے محرومی کا باعث ہو گیا۔ زمینداروں کی اس زبوں حالی کو دُور کرنے کے لئے حکومت پنجاب نے اور اس کے بعد دوسری صوبائی حکومتوں نے قانون انتقال اراضی پاس کئے۔ لیکن ان قوانین کا اطلاق ماضی پر نہ ہوا۔ اس لئے جو زمینیں ہندو ساہوکاروں کے قبضے میں چلی گئی تھیں وہ اصل مالکوں کو واپس نہ مل سکیں۔ اب پُرانی بے انصافی کی بنا پر نئی بے انصافی کی جا رہی ہے۔ کیونکہ یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ زمین جو ہندوؤں کے ہاتھوں میں ان کے قابل اعتراض سُودی کاروبار کے نتیجہ میں چلی گئی تھی انہیں یہ حق دلاتی ہے کہ وہ مسلمانوں سے مزید ان کے علاقے حاصل کر لیں۔

مختصر یہ ہے کہ کوئی مطالبہ جو مشرقی پنجاب والے مغربی پنجاب سے زمین کے حقوق یا تعلیمی برتری کی بنا پر کریں وہ اس اصول ہی کے خلاف ہے جس کی وجہ سے ہندوستان کو بھارت اور پاکستان میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بونڈری کمشن کا کام یہ نہیں کہ اس اصول کو بدلنے کی سعی کرے بلکہ اس کی غرض اس اصول کو منصفانہ طور پر عملی جامہ پہنانا ہے۔

ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر "دیگر امور" سے مراد جائداد اور اس قسم کی اور چیزیں نہیں تو پھر ان سے کیا مراد ہو سکتی ہے اور ان کے کیا معنی ہیں؟ ہمارے خیال میں اس فقرے کا مطلب معلوم کرنے کے لئے ہمیں کمشن پر عائد کردہ فرائض کی طرف رجُوع کرنا پڑے گا۔ چنانچہ اس کے فرائض میں واضح طور پر درج ہے کہ

"بونڈری کمشن کو یہ ہدایت ہے کہ وہ دونوں پنجابوں کے مُسلمانوں اور غیر مُسلموں کے ملحقہ اکثریت والے علاقوں کی تحقیق کی بنا پر حد بندی کرے۔ ایسا کرنے کے لئے وہ دیگر

امور کو بھی مدّنظر رکھیں گے"

مندرجہ بالا الفاظ سے ظاہر ہے کہ "دیگر امور" سے مراد وہ امور ہیں جو اس وقت ظاہر ہوں گے جبکہ کمشن حد بندی کرے گا اور فرقہ وار اکثریت والے علاقوں کی تعیین کرے گا۔ اس لئے "دیگر امور" سے مُراد جائداد یا اسی قسم کی اَور چیزیں نہیں ہوسکتیں نہ ہی وہ اکثریت کے حقوق کی نفی کرسکتا ہے۔ ان سے مراد صرف وہ مطالبات یا قابلِ غور باتیں ہیں جن کا حد بندی کی معمولی تفاصیل طے کرتے وقت خیال رکھا جاسکتا ہے۔ ہمارے ذہن میں اس کی چند مثالیں بھی ہیں۔ مثلاً اگر کسی ایک فرقے کا اکثریت والا بڑا علاقہ اقلیت کے دیہات کے تنگ حلقے میں ہے تو ایسی حالت میں کمشن کے لئے یہ جائز ہوگا کہ یہ فیصلہ دے کہ اگرچہ ایک مخصوص آبادی نے دوسرے فرقہ کی بڑی آبادی کے گرد حلقہ ڈال رکھا ہے یہ تنگ حلقہ دوسرے فرقہ کے اکثریت والے وسیع رقبہ کو اس کی زیادہ آبادی والے علاقے سے ملحق کر دیا جائے۔ یا ایک اَور مثال لیجئے: ایک وسیع علاقہ جس میں کسی ایک فرقہ کی اکثریت آباد ہے اپنے فرقے کی اکثریت والے علاقے سے ایک ایسے چھوٹے سے علاقے سے جدا ہوتا ہے جس میں دوسرے فرقے کے لوگ آباد ہیں تو اس صورت میں ایک بڑی آبادی کی وحدت کے راستے میں چھوٹا علاقہ روک نہ بن سکے گا۔ ایک تیسری مثال بھی ہے۔ یعنی فرض کریں کہ سرحد پر ایک ایسا قصبہ آجاتا ہے جس کے متعلق جھگڑا ہے تو اس صورت میں ہماری رائے یہ ہے کہ اس قصبہ کی آبادی کی اکثریت پر فیصلہ ہونا چاہیئے۔

باؤنڈری کمیشن نے عام طور پر یہ تسلیم کیا ہے کہ قصبہ تعلیمی اور سماجی ترقی کا ایک ذریعہ ہے۔ جب کسی کے مفاد اور ملحقہ دیہاتی علاقے کے مفاد میں تصادم ہو تو اس صورت میں قصبے کے مطالبات کو ترجیح ہوگی۔

"دیگر امور" کی آخری اور چوتھی مثال جسے کمشن کو آبادی کے علاوہ مدّنظر رکھنا ہوگا یہ ہے کہ اگر ایک فرقہ کی آبادی کا تسلسل اس وجہ سے ٹوٹ جائے کہ بیچ میں دوسرے فرقے کا علاقہ آجاتا ہے جو بہت بڑا نہ ہو اور اس علاقہ کے پرے نزدیک ہی اکثریت والے فرقے کا کوئی مذہبی مرکز واقع ہو تو اس صورت میں یہ درست نہ ہوگا کہ اس مذہبی مرکز کو اس فرقہ سے صرف اس وجہ سے جُدا کر دیا جائے کہ درمیان میں ایک چھوٹا سا رقبہ دوسرے فرقے کا آجاتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے

کہ اکثریت کے ساتھ انصاف کا تقاضا ہے کہ اس قسم کے بیانوں کی آڑ لے کر اکثریت کو وسیع علاقوں سے محروم نہ کیا جائے۔ اس قسم کا تطابق اقدام کے لئے صرف نہایت ہی قلیل رقبوں کے لئے ہونا چاہیئے۔

پس "دیگر امور" سے صرف اسی قسم کے امور مراد لئے جا سکتے ہیں جن کی اُوپر مثالیں دی گئی ہیں۔ ان سے یہ مراد ہرگز نہیں لی جا سکتی کہ بعض سرحدی اضلاع مثلاً گورداسپور اور لاہور کے بعض حصّوں کو صرف اس وجہ سے مشرقی پنجاب سے ملا دیا جائے کہ مغربی پنجاب کے بعض اور حصّوں میں ہندوؤں کا تجارت میں زیادہ حصّہ ہے یا سکھّوں کے قبضے میں مسلمانوں سے زیادہ زمین ہے۔ اس بارے میں وائسرائے کا اعلان بالکل واضح ہے۔ وائسرائے کا یہ اطمینان دلانا ہندوؤں مُسلمانوں اور سکھّوں سب کے لئے یکساں ہے۔

ہم یہاں ایک اَور سوال اُٹھانا چاہتے ہیں۔ ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ "دیگر امور" سے مراد وہی ہے جو غیر مُسلم لے رہے ہیں۔ اس صورت میں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہم آبادی کے علاوہ دوسرے مطالبوں کی اصل قیمت کس طرح لگائیں؟ ہمیں ان مطالبات کا اندازہ لگانے کی کوئی راہ تلاش کرنا ہوگی۔ اگر مغربی پنجاب کا ایک حصّہ مشرقی پنجاب سے اس لئے ملایا جا سکتا ہے کہ مغربی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھّوں کے پاس مسلمانوں سے زیادہ زمین، زیادہ تجارتی ادارے اور زیادہ کالج ہیں یا یہ کہ وہ مسلمانوں سے زیادہ ٹیکس ادا کرتے ہیں تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ کتنے مسلمان کس قدر زمین، تجارتی اداروں، ٹیکس یا کالجوں کے برابر شمار ہوں گے؟ بہرحال ہمیں بتانا چاہیئے کہ مغربی پنجاب کے کتنے مسلمانوں کی آزادی لائل پور میں ہندوؤں کی زمینوں یا راولپنڈی میں غیر مُسلم کالجوں یا سیالکوٹ میں غیر مُسلم کارخانوں کے عوض سلب ہوگی۔ جب تک آزادی کی قیمت طے نہ ہو ہم پنجاب کو جائیداد کی بناء پر تقسیم نہیں کر سکتے۔ ہم آزادی کے دَور میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ کوئی شخص بھی اتنی جراُت کر سکے اور کہے کہ وہ ا فرقے کے اتنے افراد کو ان کی مرضی کے خلاف ب فرقے کے علاقے میں دھکیل دے گا صرف اس لئے کہ ب فرقہ کے قبضے میں ا فرقہ سے زیادہ زمین یا زیادہ کالج ہیں یا وہ زیادہ انکم ٹیکس ادا کرتا ہے۔ ایسا اقدام غلاموں کی تجارت کے مترادف ہوگا بلکہ غلاموں کی تجارت میں ایک بدترین قسم کی مثال ہوگی۔

مختصر طور پر حقیقت یہ ہے کہ

(۱) باؤنڈری کمیشن کا کام پنجاب کو تقسیم کرنا نہیں ہے بلکہ پہلے سے تقسیم شدہ پنجاب کی حد بندی میں

معمولی تفصیلات کو طے کرنا ہے اور اس میں ایسی چھوٹی چھوٹی ترمیمیں کرنا ہے جو ضروری اور انصاف پر مبنی ہوں۔

(۲) ان ترمیموں کے بارے میں کمشن کو یہ ہدایت ہے کہ وہ ان "دیگر امور" کو مدّنظر رکھے جو آبادی کی بنار پر حدبندی کے لئے ضروری ہوں۔

(۳) "دیگر امور" کے الفاظ کا تعلق مغربی اور مشرقی پنجاب کی درمیانی حدود سے ہے نہ کہ صوبہ کے باقیماندہ حصوں سے

(۴) وائسرائے نے پریس کانفرنس میں جو اعلان کیا ہے وہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ کمشن کا صرف یہ کام ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ اگر کوئی سرحدی ضلع آبادی کے لحاظ سے مجموعی طور پر کسی ایک فرقے کا ہے تو اس صورت میں اس ضلع کے وہ حصے جن کا رقبہ کافی ہو اور جن میں دوسرے فرقے کے لوگوں کی اکثریت ہو اس ضلع سے جُدا کئے جائیں اور ان کا الحاق ان کے اپنے فرقے کے ساتھ والے علاقے سے کیا جائے۔ اس اعلان سے یہ ہرگز معلوم نہیں ہوتا کہ ایک فرقہ کی اکثریت والا حصہ دوسرے فرقے کی اکثریت والے حصہ سے ملا دیا جائے۔

(۵) غیر مُسلموں کا یہ دعویٰ کہ "دیگر امور" سے مراد دولت جائداد وغیرہ ہیں، وائسرائے کے اعلان کے علاوہ انسانی عقل اور ضمیر کے بھی خلاف ہے۔

ان عام خیالات کے اظہار کے بعد اب ہم اس سوال کو لیتے ہیں جس میں کہ سلسلہ احمدیہ کو خاص دلچسپی ہے یعنی وہ سوال جس کا تعلق ان مخصوص حالات سے ہے جو قادیان اور اس کے گرد و نواح سے متعلق ہیں اور جن کو مشرقی اور مغربی پنجاب کے درمیان حدّ فاصل قائم کرتے وقت ضرور مدّنظر رکھنا چاہیئے۔ اس بارے میں ہم مندرجہ ذیل معروضات پیش کرتے ہیں :-

۱۔ قادیان تھانہ بٹالہ تحصیل بٹالہ اور ضلع گورداسپور میں واقع ہے۔ ہماری گذارش ہے کہ یہ دعوےٰ کہ گورداسپور کا ضلع مغربی پنجاب میں شامل ہونا چاہیئے اس قدر واضح اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہے کہ اس کے متعلق بحث بونڈری کمشن کے دائرۂ عمل سے باہر ہے۔ بیشک پریس کانفرنس کے موقع پر وائسرائے نے یہ کہا تھا کہ اس ضلع میں مسلمانوں کو ۵۰.۴ ؍ اکثریت حاصل ہے اور اس لئے یقینی طور پر اس کے بعض حصوں میں غیر مُسلموں کی اکثریت ہو گی مگر ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ

وائسرائے اسبارہ میں صحیح حالات سے آگاہ نہیں۔ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ میں ضلع گورداسپور میں مسلمانوں کی آبادی کل آبادی کا ۵۱٫۱۴ فی صد ہے اور اس طرح سے مسلمانوں کو دوسروں پر ۲٫۲۸ ٪ کی اکثریت حاصل ہے نہ کہ ۰٫۸ فی صد۔

اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ ہندوستانی عیسائی اور اچھوت ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ سیاسی اتحاد میں شامل ہیں تو بھی مسلمان غیر مسلموں سے ۲٫۲۸ ٪ اکثریت میں ہیں لیکن ہمیں یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ عیسائی لیڈر مسٹر ایس۔ پی سنگھا نے جو بٹالہ ضلع گورداسپور کے رہنے والے ہیں۔ غیر مبہم طور پر یہ اعلان کردیا ہے کہ ان کا فرقہ پاکستان میں رہنے کو ترجیح دے گا۔ سنٹرل کرسچین ایسوسی ایشن نے سنگھا صاحب کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ گورداسپور کے ضلع میں عیسائیوں کی آبادی ۴٫۴۶ ٪ ہے۔ اگر ہم عیسائی آبادی کو مسلمان آبادی میں شامل کردیں تو اس صورت میں ضلع گورداسپور کے وہ لوگ جو پاکستان میں شمولیت چاہتے ہیں ان کی تعداد ۵۵٫۶۰ فی صد ہو جاتی ہے۔ یہ فرق درحقیقت نمایاں فرق ہے۔ برٹش گورنمنٹ کی تجویز میں جالندھر کا ضلع مشرقی پنجاب میں شامل کیا گیا ہے۔ جالندھر میں غیر مسلم صرف ۵۴٫۴۷ ٪ ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ گورداسپور کا ضلع جس میں آبادی کا ۵۵٫۶۰ ٪ پاکستان کی حمایت میں ہے ایک متنازعہ فیہ علاقہ قرار دیا جائے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ عیسائیوں کو ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ شامل کرنے کے فیصلہ پر عیسائیوں کی رائے اثر انداز نہیں ہوسکتی تو پھر ہمیں کہنا پڑے گا کہ حقائق کو بدلا نہیں جاسکتا۔ اگر عیسائی کہتے ہیں کہ ہم پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ عیسائی پاکستان جانا نہیں چاہتے۔ بیشک گورنمنٹ یہ تو کہہ سکتی ہے کہ ہمیں اس بات کی پروا نہیں کہ عیسائی کہاں جانا چاہتے ہیں اور یہ کہ دونو ملکوں کے درمیان حدبندی کے لئے عیسائیوں کی رائے کو وقعت نہیں دی جائے گی۔ لیکن یہ بات معقول نظر نہیں آتی کہ گورنمنٹ عیسائیوں کے پاکستان کی طرف رجحان کو خلاف پاکستان قرار دے۔ اگر ہم عیسائیوں کو شامل نہ بھی کریں پھر بھی مسلمان ۲٫۲۸ ٪ کی اکثریت میں ہیں۔ مسلمانوں کی اس نمایاں اکثریت کو یقیناً وہ اہمیت دینی چاہیئے جس کی وہ مستحق ہے۔

۲۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر مسلمانوں کی اکثریت ضلع گورداسپور میں کم ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پٹھانکوٹ کی تحصیل میں مسلمان ۳۸٫۸۸ ٪ ہیں۔ لیکن جب ہم باقی تین تحصیلوں کو دیکھتے ہیں

تو بٹالہ میں ۵۵،۰۷ ٪ مسلمان ہیں، گورداسپور میں ۵۲،۱۵ اور شکرگڑھ میں ۵۱،۰۳۲ (رپورٹ مردم شماری ۱۹۴۱ء)۔ ان اعداد و شمار کی رُو سے یہ واضح ہے کہ اگر ہم تحصیل بٹالہ کے عیسائیوں کو ہندوؤں اور سکھوں میں شامل کر بھی دیں تو پھر بھی تحصیل بٹالہ میں مسلمان ۱۰،۱۴ ٪ کی اکثریت میں ہیں۔ تحصیل گورداسپور میں ۴،۳۰ ٪ اور تحصیل شکرگڑھ میں ۶،۲۸ ٪ کی۔ اگر عیسائیوں کو مسلمانوں کے ساتھ ملا دیا جائے تو تب بٹالے کی تحصیل میں سے جو لوگ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں ان کی تعداد ۵۳،۶۰ ٪ ہو جاتی ہے اور جو ہندوستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں ان کی تعداد گھٹ کر ۳۹،۴۷ ٪ رہ جاتی ہے۔ گورداسپور کی تحصیل میں مُسلم اور عیسائی آبادی مل کر ۵۹،۲۴ ٪ اور باقی لوگ ۴۰،۷۶ ٪ کی اقلیت میں ہو جاتے ہیں۔ شکرگڑھ کی تحصیل میں مُسلم اور عیسائی آبادی ۵۴،۸۴ ٪ ہو جاتی ہے اور غیر مُسلم ۴۵،۱۶ ٪ ہو جاتے ہیں۔

ان اعداد و شمار کو مدِنظر رکھتے ہوئے اگر ہم فی الحال پٹھانکوٹ کو زیرِ غور نہ لائیں تو یہ ظاہر ہے کہ گورداسپور کے باقی کسی حصے کے مشرقی پنجاب کے ساتھ الحاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ تینوں تحصیلوں میں مسلم عیسائی آبادی ۵۸، ٪ ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وائسرائے کے اعلان کو مدِنظر رکھتے ہوئے گورداسپور، بٹالہ اور شکرگڑھ کی تحصیلوں میں سے کوئی بھی مغربی پنجاب سے جُدا کر کے مشرقی پنجاب میں شامل نہیں کی جا سکتی۔ ایسا اقدام سراسر بے انصافی پر مبنی ہوگا اور غیر آئینی بھی۔

۳۔ تحصیل پٹھانکوٹ کے متعلق ہماری رائے ہے کہ یہ باوجود مسلم اقلیت کا علاقہ ہونے کے مغربی پنجاب میں شامل ہونی چاہیئے۔ پٹھانکوٹ کی پوزیشن نرالی ہے۔ "دیگر امور" والا اصول یہاں بالکل اطلاق پاتا ہے۔ دریائے راوی اس تحصیل سے ہوتا ہوا مغربی پنجاب میں داخل ہوتا ہے اور اس دریا میں سے نہریں نکالی گئی ہیں جن کے ہیڈ ورکس مادھوپور میں ہیں۔ یہ نہریں زیادہ تر مغربی پنجاب کو سیراب کرتی ہیں۔ اگر یہ تحصیل جس میں غیر مُسلم ۳۵۰۰۰ کی اکثریت میں ہیں مغربی پنجاب سے جدا کر دی جائے تو اس کا اثر مغربی پنجاب کی تیس لاکھ آبادی پر جس میں ہندو اور سکھ بھی شامل ہیں بہت تباہ کُن ہوگا۔ اس لئے یہ بالکل مناسب ہوگا کہ تیس لاکھ کے مفاد کو ۳۵۰۰۰ کے مفاد پر قربان نہ کیا جائے۔ اس لئے پٹھانکوٹ کا معاملہ بالکل استثنائی صورت کا ہے اور اس کی پنجاب کے دوسرے حصوں میں نظیر نہیں ملتی۔ اس لئے یہ تحصیل خاص غور کی مستحق ہے اور "دیگر امور" کے تحت میں شمار کیا جانے والا مناسب کیس ہے۔

ضمناً یہ بات بھی قابلِ تذکرہ ہے کہ اس تحصیل کے کچھ حصے ریاست چنبہ کی ملکیت ہیں اور ان میں ہندوؤں کی غالب اکثریت ہے۔ اگر ان علاقوں کو جُدا کر دیا جائے تو دوسرے حصّوں کی اکثریت میں معتد بہ کمی آ جائے گی۔ اگر کمشن کے آخری فیصلہ میں مسلمانوں کی عظیم اکثریت والی تحصیلیں جو عارضی تقسیم میں مشرقی پنجاب میں شامل کر دی گئی ہیں پاکستان کو واپس نہ ملیں تو پٹھانکوٹ ہندوستان کو دیئے جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

۴۔ اگلا سوال یہ ہے کہ اگر تقسیم کی اکائی ایک تحصیل سے کم علاقہ قرار دیا جائے تو اس کا قادیان اور اس کے ملحقہ علاقہ پر کیا اثر ہوگا؟ اس کے متعلق ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ تقسیم کی اکائی یا تو ضلع ہو یا تحصیل۔ تحصیل سے کم اکائی سے مطلب حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ

(ا) اگر تقسیم کی اکائی تحصیل سے کم ہو تو ملک کی حفاظت اور اندرونی تجارت پر کنٹرول زیادہ مشکل ہو جائے گا۔

(ب) وائسرائے کے اعلان میں ۱۹۴۱ کی مردم شماری کے اعداد و شمار کو تسلیم کیا گیا ہے اور مردم شماری کی رپورٹ میں تحصیلوں سے کم علاقوں کے اعداد نہیں ہیں۔ اس لئے یہ ظاہر ہے کہ جب مردم شماری کی رپورٹ کو آبادی کی بنیاد قرار دینا ہے تو پھر تقسیم کی اکائی یا ضلع چاہیئے یا تحصیل۔ جس کے اعداد مردم شماری کی مطبوعہ رپورٹ میں درج ہیں۔

(ج) اگر ہم بغرض بحث یہ فرض کر لیں کہ بونڈری کمیشن تقسیم کی خاطر تحصیل سے کم علاقہ کو اکائی کے طور پر استعمال کرے تو ایسی اکائی صرف تھانہ ہو سکتا ہے یا گرداور کا حلقہ یا ذیل یا گاؤں۔ پس اگر گاؤں کو اکائی قرار دیا جائے تو مُسلم علاقے امرتسر، فیروزپور، جالندھر، ہوشیار پور، لدھیانہ اور انبالہ کے اضلاع میں کیکر ٹنے کے بہت سے پنجوں کی طرح پھیل جائیں گے۔ اسی طرح غیر مُسلم علاقے ٹکڑوں میں لاہور اور گورداسپور کے اضلاع میں مل جائیں گے۔ اس قسم کی تقسیم قیامِ امن کے لئے مفید نہیں۔ اس سے سرحد پر رہائش کی تکالیف میں اضافہ ہوگا۔

اس سے ذرا بڑی اکائی ذیل ہے۔ ذیل میں پچاس ساٹھ گاؤں شامل ہوتے ہیں۔ ذیل کا فائدہ صرف یہ ہے کہ دیہات کو اطلاع اور گورنمنٹ کے اعلانات پہنچانے میں آسانی ہوتی ہے۔ ذیلدار کوئی گورنمنٹ کا ملازم نہیں ہوتا بلکہ صرف ایک زمیندار ہوتا ہے جو اعزازی طور پر ذیلدار کی حیثیت میں کام کرتا ہے۔ اُس

کا کام یہ ہوتا ہے کہ پولیس اور محکمہ مال کے افسروں کی عام طور پر مدد کرے۔ ذیل بھی ایک غیر مناسب اکائی ہے۔ لیکن اگر بونڈری کمشن ذیل کو ہی ایک یونٹ کے طور پر ماننے کے لئے تیار ہو تو پھر گڑھ ذیل میں جس میں قادیان شامل ہے مسلمانوں کی اکثریت ۶۱،۱۰ ٪ ہے۔ درحقیقت قادیان کے مشرق میں دریائے بیاس تک اور مغرب میں بٹالہ تک تمام ذیلیں ایسی ہیں جن میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہے بالفرض اگر ذیل کو بھی تقسیم کے لئے یونٹ تسلیم کرلیا جائے تو پھر بھی قادیان ضرور مغربی پنجاب میں شامل ہونا چاہیئے۔

ذیل سے بڑی یونٹ (اکائی) قانونگو کا علاقہ ہوتا ہے۔ اس یونٹ میں ستر سے اسی گاؤں شامل ہوتے ہیں اگر اس یونٹ کو تقسیم کے لئے اکائی مانا جائے تو پھر بھی قادیان لازمی طور پر مغربی پنجاب میں شامل رہنا چاہیئے کیونکہ قادیان کے قانونگو کے حلقہ میں مسلمانوں کو ۵۴،۲۴ ٪ کی اکثریت حاصل ہے۔ دراصل قادیان سے بیاس تک ایسے حلقوں میں مسلمانوں کی واضح اکثریت ہے۔

قانونگو کے حلقے سے بڑا حلقہ تھانے کا حلقہ ہے۔ سو اس کی حیثیت انتظامی ہوتی ہے۔ عام لوگوں کے لئے اس حلقہ کو یونٹ تسلیم کرنے سے لامتناہی مشکلات کا سامنا ہوگا۔ لیکن اگر تھانے کو ہی یونٹ تسلیم کرنا ہے تو پھر بھی قادیان مغربی پنجاب میں شامل ہونا چاہیئے کیونکہ بٹالہ کے تھانے میں جس میں قادیان واقع ہے مسلمانوں کی تعداد ۵۵،۹۸ ٪ ہے۔ بٹالہ کے شمال مشرق میں جو تھانہ ہے اس میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ صرف تھانہ سری گوبندپور میں جو قادیان سے جنوب مشرق میں ہے غیر مسلم اکثریت میں ہیں۔ لہذا قادیان لازمی طور پر مغربی پنجاب میں شامل ہونا چاہیئے خواہ تقسیم کا یونٹ ضلع ہو یا تحصیل، تھانہ ہو یا حلقہ قانونگو یا ذیل۔ اسے مغربی پنجاب سے جُدا کرنا حد درجے کی ناانصافی اور غیر دانشمندانہ اقدام ہوگا۔

لیکن اگر گاؤں کو تقسیم کا یونٹ قرار دیا جائے تو قادیان کی پوزیشن ذرا مختلف ہو جاتی ہے۔ بٹالہ سے شروع کرکے ہم گاؤں بہ گاؤں جائزہ لیں تو لگاتار مسلمانوں کے اکثریت والے گاؤں آتے ہیں۔ صرف قادیان کے شمال میں ایک گاؤں میں غیر مسلموں کی تعداد مسلمانوں سے بقدر ۲۴ زیادہ ہے۔ وہاں سے قادیان کی جانب ایک سالم گاؤں مسلمانوں کا ہے۔ اس کے بعد قادیان آتا ہے جس میں ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کی رُو سے دس ہزار سے زیادہ آبادی ہے۔ لیکن اس وقت اس کی آبادی پندرہ ہزار سے زائد ہے اور اس میں مسلمان اکثریت ۹۰ ٪ سے زیادہ ہے۔ اس لئے یہ معقول دلیل ہے کہ ایسا گاؤں

جس میں صرف غیر مسلم ۴۲ کی اکثریت میں ہوں ارد گرد کے مسلمان اکثریت کے علاقے اور قادیان کے درمیان جس میں قریباً چودہ ہزار مسلمان ہیں، روک نہیں سمجھا سکتا۔ اس کے علاوہ ہم نے پہلے ہی اس بات پر زور دیا ہے کہ گاؤں مناسب اکائی نہیں لیکن اگر گاؤں کو یونٹ قرار دینا ہے تو پھر یہ یونٹ بطور قاعدہ سارے پنجاب میں استعمال ہونا چاہیئے۔ لیکن گاؤں کو یونٹ تسلیم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صوبے کو نہایت ہی بُرے طور پر نامناسب اور نامکمل ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

نقشوں کے پانچ سیٹ جو تحصیل، تھانے، قانون گو سرکل اور ذیل کی بناء پر تیار کئے گئے ہیں ضمیمہ ۲ کے طور پر ساتھ شامل کئے جاتے ہیں تاکہ بآسانی بطور حوالہ استعمال کئے جاسکیں۔

ہم پہلے ہی بالوضاحت بتا چکے ہیں کہ "دیگر امور" صرف اس وقت زیر غور لانے چاہئیں جب حدِّ فاصل کی تعیین میں معمولی تفصیلات کا فیصلہ کیا جا رہا ہو۔ اس لئے اگر گاؤں کو یونٹ قرار دیا جائے تو "دیگر امور" کے اس اصول کو جائز طور پر استعمال کر کے اس صورت میں قادیان کا تسلسل دوسری مسلم اکثریت کے علاقوں کے ساتھ معمولی طور پر ٹوٹتا ہے۔ اُسے دیگر امور کے اصول کو جائز طور پر استعمال کر کے دُور کیا جاسکتا ہے۔

ہماری رائے میں اَور بھی بہت سے "دیگر امور" ہمارے اس دعوے کی حمایت میں پیش کئے جاسکتے ہیں کہ قادیان مغربی پنجاب کا حصہ ہونا چاہیئے۔

۱۔ قادیان سلسلہ احمدیہ کا مرکز اور صدر مقام ہے اور اسے معمولی مذہبی مقامات سے بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ سکھوں اور ہندوؤں کے مقدّس مقامات کو جو تقدیس حاصل ہے وہ فرقہ دارانہ روایات کی بناء پر ہے لیکن قادیان کی تقدیس اور عظمت کی بنیاد خدا تعالیٰ کے الہام اور گذشتہ انبیاء کی بہت سی پیشگوئیوں پر ہے۔ جماعت احمدیہ کے افراد کی نگاہ میں قادیان کی تقدیس مکّہ اور مدینہ کی تقدیس سے دوسرے درجہ پر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے مقدّس مقامات کے سوا اور کوئی ایسا مقام نہیں جس کی تقدیس مذہبی کتب یا خدا تعالیٰ کے الہام پر مبنی ہو جیسا کہ مکّہ اور مدینہ کو سب نبیوں کے سردار حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے غیر فانی تقدیس حاصل ہوئی ہے۔ قادیان نے بھی یہ تقدیس آنحضرتؐ کے رُوحانی شاگرد اور جانشین تحریک احمدیت کے بانی حضرت احمدؑ کے طفیل اسلام کی خدمت کے لئے حاصل کی ہے۔ بانی سلسلہ احمدیہ جنہوں نے قادیان کو اس تحریک کا مرکز قرار دیا ہے احمدیوں کے نزدیک آخری زمانے کے وہ عظیم الشان مصلح ہیں جن کے وجود میں حضرت مسیح

علیہ السلام کی بعثت ثانیہ کی پیشگوئی پوری ہوتی ہے۔ نیز وہ حضرت رسول کریمؐ کے رُوحانی شاگرد اور ان کے خدا تعالےٰ کی طرف سے مقرر کردہ خلیفہ ہیں اور ان کے وجود میں وہ تمام پیشگوئیاں پُوری ہوتی ہیں جو گزشتہ انبیاء نے آخری زمانہ کے متعلق کی ہیں۔ اس لئے ہمارے نزدیک ہندوستان کے کسی اَور مذہبی مقام کا تقدس کے لحاظ سے قادیان سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے فرقے بے شک اس وقت تعداد میں زیادہ ہیں لیکن جس اصول پر ان کے مذہبی مقامات کو تقدس حاصل ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے جس کی بنا پر احمدیوں کے مرکز کی تقدیس کا انحصار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی دوسرے فرقے کو اپنے مرکز سے وہ لگاؤ نہیں جو احمدیوں کو قادیان سے ہے۔

اس وقت ہندوستان میں احمدیوں کی تعداد قریباً ۵ لاکھ ہے۔ مگر اُن احمدیوں کی تعداد جو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر قادیان میں جمع ہوتے ہیں دوسرے مذاہب کے اسی قسم کے اجتماعوں کے مقابلہ میں نسبتاً بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ محکمہ ریلوے کو زائرین کی آمد و رفت کے لئے چار دن تک سپیشل گاڑیاں چلانی پڑتی ہیں۔ دُور دراز کے علاقوں سے لوگ ہجرت کر کے قادیان آباد ہوتے رہتے ہیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جبکہ اسی صدی کے شروع میں قادیان کی آبادی صرف چند نفوس پر مشتمل تھی اس وقت یہ آبادی ۱۴۰۰۰ سے کم نہیں اور یہ صرف ہندوستان کے مختلف علاقوں کے لوگوں پر ہی مشتمل نہیں بلکہ غیر ممالک کے لوگ بھی یہاں آکر آباد ہوئے ہیں اور سوسائٹی کے ہر طبقہ کے لوگوں کی یہ شدید خواہش ہوتی ہے کہ وہ اسلام کی خدمت کے لئے زندگی وقف کر کے قادیان آکر آباد ہوں۔ دُنیا کے تمام علاقوں سے لوگ یہاں مذہبی اور رُوحانی تربیت کے لئے آتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوؤں کی تعداد تیس کروڑ اور سکھوں کی پچاس لاکھ کے قریب ہے لیکن ہندوستان سے باہر تبدیلی مذہب کر کے مزید اقوام کے لوگ ان میں شامل نہیں ہوتے۔ لیکن سلسلہ احمدیہ کی شاخیں امریکہ، کینیڈا، ارجن ٹائنا، انگلستان، فرانس، سپین، اٹلی، شام، فلسطین، ایران، افغانستان، چین، لنکا، ماریشس، برما، ملایا، انڈونیشیا، کینیا، ٹانگانیکا، یوگنڈا، ابی سینیا، سوڈان، نائیجیریا، گولڈ کوسٹ اور سیرالیون میں پائی جاتی ہیں۔ بعض غیر ممالک میں مقامی جماعتوں کی شاخیں سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ہزاروں کی تعداد میں امریکن شہری احمدیت کے معتقد ہیں۔ اس وقت بھی قادیان میں ایک انگریز سابق لیفٹیننٹ اور ایک

شامی بیرسٹر دینی تعلیم کے لئے موجود ہیں۔ ایک جرمن سابق فوجی افسر عنقریب قادیان میں بطور مسلم مشنری ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے آ رہے ہیں۔ اسی طرح امریکہ، سوڈان اور ایران سے بھی نو مبائع دینی تعلیم کے لئے قادیان آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی انڈونیشیا، افغانستان، چین اور افریقہ سے طالب علم ہمارے مرکز میں آئے ہیں۔ اس لئے قادیان کو جو مقام مذہبی مرکز ہونے کی حیثیت سے حاصل ہے وہ بہت بلند ہے۔ اگر مذہبی مقامات "دیگر امور" میں شامل ہیں تو بلاشک شُبہ قادیان کا نمبر اوّل ہے۔

۲۔ تحریک احمدیت کے ہندوستان میں ۵۷۴ مقامی مراکز ہیں جن میں ۴۷۵ یعنی ۸۲٪ کے قریب پاکستان میں واقع ہیں (ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۲) اس لئے قادیان کو مغربی پنجاب سے جدا کرنا تحریک کے مستقبل کے لئے نقصان دہ ہوگا۔

۳۔ تحریک احمدیت کے مقدس بانی قادیان میں پیدا ہوئے اور اکثر کتابیں جو انہوں نے اپنی تعلیم کی اشاعت کے لئے لکھیں، اُردو زبان میں ہیں۔ آپ کی بعض کتابیں عربی اور فارسی میں ہیں ہندوستان کی حکومت نے پہلے سے ہی اُردو کو ختم کر دینے کا ارادہ ظاہر کر دیا ہے۔ ہندوستان ریڈیو جو زبان استعمال کر رہا ہے وہ ابھی سے ایسی ہے کہ ایک عام مسلمان کی سمجھ سے بالا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ زبان اردو بولنے والوں کے لئے بالکل اجنبی ہو جائے گی۔ اگر قادیان کا الحاق مشرقی پنجاب سے کر دیا گیا تو اس کا مطلب ان دو میں سے ایک ہوگا۔ یا تو قادیان احمدیوں میں اُردو زبان کی ترقی اور فروغ کے لئے جدوجہد کو جاری رکھے اور اس طرح اپنے نوجوانوں کو گورنمنٹ کی ملازمتیں حاصل کرنے سے محروم کر دے اور اپنے افراد کو صنعت اور تجارت میں ترقی کرنے سے روک دے یا قادیان اُردو کو خیرباد کہہ دے جس میں سلسلہ کا مذہبی لٹریچر ہے اور اس طرح اپنے مذہبی مستقبل کے لحاظ سے خودکشی کر لے۔ سلسلہ احمدیہ کے لئے ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بھی قابل قبول اور ممکن نہیں نہ کوئی معقول انسان ان کو قبول کرنے کا مشورہ دے سکتا ہے۔ علاوہ ازیں سلسلہ احمدیہ کی ہندوستان سے باہر بیسیوں شاخیں ایسی ہیں جو قدرتی طور پر پاکستان سے زیادہ گہرے تعلقات کی خواہاں ہوں گی۔

پیشتر اس کے کہ ہم اگلا امر پیش کریں یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ جہاں سکھ قوم کا مطالبہ کہ اُن

کی یکجہتی کو تحفظ دیا جائے۔ اکثریتی علاقے کے طے شدہ اصول کے خلاف ہے۔ ہمارا یکجہتی کے تحفظ کا مطالبہ اس اصول کی تائید میں ہے۔

۴۔ احمدیوں کا صرف ایک ہی کالج ہے اور وہ قادیان میں واقع ہے۔ اگر قادیان کو مشرقی پنجاب سے ملا دیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ایک مملکت کے (ایک فرقے کے) طلباء کی اکثریت کو دوسری مملکت میں واقع کالج میں تعلیم حاصل کرنا پڑے گی۔ یہ امر نہایت ہی نقصان دہ ہوگا اور مثبت طور پر طلبا اور ادارے کے معیار کو تباہ کرنے کا موجب ہوگا۔

۵۔ تحریک احمدیت کے مقدس بانی کا یہ ارشاد ہے کہ احمدیہ فرقے کا مرکز ہمیشہ قادیان ہوگا۔ اس لئے نہ تو جماعت کے لئے اور نہ ہی موجودہ امام کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ جماعت کے مرکز کو قادیان سے کسی اور جگہ منتقل کریں۔

۶۔ اس تحریک کے مقدس بانی قادیان کی سرزمین میں مدفون ہیں۔ بعض انتظامات کے ماتحت جن کا بیان کرنا یہاں غیر ضروری ہے سلسلہ کے سرکردہ افراد کی نعشیں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے یہاں دفن کرنے کے لئے لائی جاتی ہیں۔ اس لئے احمدیوں کے لئے اپنے مرکز کو قادیان سے کسی اور جگہ لے جانا ممکن نہیں ہے۔

۷۔ متعدد مقدس عمارتیں اور یادگاہیں قادیان میں موجود ہیں اس لئے بھی احمدی اپنا مرکز تبدیل نہیں کر سکتے۔

۸۔ اس فرقے کی جائیداد کا قریباً ۹۰٪ مغربی پنجاب اور پاکستان میں واقع ہے اور اگر قادیان کو مشرقی پنجاب سے ملا دیا جائے تو اس جماعت کے مرکز کو مالی وسائل کے اعتبار بیحد نقصان پہنچیگا۔

۹۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قادیان میں ہے۔ پس اگر قادیان کو مشرقی پنجاب سے ملا دیا گیا تو یہ دیگر مسلمانوں کے لئے عموماً اور احمدیوں کے لئے خصوصاً تباہ کن اقدام ہوگا۔

۱۰۔ بعض ذمہ دار انگریز حکام کے بیانات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "دیگر امور" کے الفاظ خاص طور پر سکھوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں جنہوں نے حکومت انگریزی کی بڑی خدمات سرانجام دی ہیں۔ لیکن اگر دونوں جماعتوں کی تعداد کو مدنظر رکھا جائے تو اگرچہ احمدیوں کی تعداد سکھوں سے بہت تھوڑی ہے۔ لیکن انہوں نے جو بے لوث خدمت دونوں عالمگیر جنگوں میں

سرانجام دی ہیں وہ کسی طرح بھی سکھوں کی خدمت سے کم نہیں۔ قادیان نے جس کی آبادی ۱۴۰۰۰ ہے دوسری عالمگیر جنگ کے موقع پر فوج کے لئے ۱۴۰۰ رنگروٹ مہیا کئے۔ جماعت احمدیہ اگرچہ ایک چھوٹی سی جماعت ہے لیکن ۲۰۰ سے زائد احمدیوں نے شاہی کمیشن حاصل کیا (ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۳) اس لحاظ سے اگر تعداد کی نسبت کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو احمدیہ جماعت ہندوستان کی تمام جماعتوں سے اوّل نمبر پہ آتی ہے۔

بیسیوں احمدی والدین نے اپنے تمام بالغ بیٹوں کو اپنے واجب الاحترام امام کے فرمان پر لبیک کہتے ہوئے جنگی خدمات کے لئے پیش کر دیا۔ ذیل کے دو اقتباسات ان خدمات پر جو احمدی احباب نے جنگ کے موقع پر سرانجام دی ہیں بطور بلیغ شہادت کے پیش کئے جا سکتے ہیں۔

"میں آپ کے نوٹس میں وہ عظیم الشان کام لانا چاہتا ہوں جو ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب پٹیالہ اور ان کے افسروں، نیز کنور جس جیت سنگھ اور سید زین العابدین ولی اللہ شاہ ناظر امور عامہ و خارجہ جماعت احمدیہ قادیان اور سردار کرتار سنگھ دیوانہ نے ٹیکنیکل بھرتی کے سلسلے میں کیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ پرزور سفارش کرتا کہ ان کی خدمت میں سنہری گھڑیاں بطور انعام پیش کی جاتیں۔ لیکن یہ چونکہ بزرگ ہستیاں ہیں میں صرف اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ ڈائریکٹر آف ریکروٹنگ ان کی قابل قدر خدمات اور امداد کے اقرار کا اعلان فرما دیں۔" (اقتباس از خط بصیغہ راز مورخہ ۲۶/۴/۴۴ از اے۔ ٹی۔ آر۔ او جالندھر بنام ڈی۔ ٹی۔ آر۔ او سب ایریا نمبر ۲ لاہور)

نیز کیپٹن سجان سنگھ صاحب اسسٹنٹ ٹیکنیکل ریکروٹنگ آفیسر جالندھر چھاؤنی سیکرٹری امور عامہ وخارجہ جماعت احمدیہ قادیان کو لکھتے ہیں:-

"میں شکریے کے ساتھ آپ کی ان بے بہا خدمات کا اعتراف کرتا ہوں جو آپ نے ٹیکنیکل آدمیوں کی بھرتی کے سلسلے میں سرانجام دی ہیں۔ آپ نے جنگی کوششوں میں گہری دلچسپی لی ہے اور ایک بڑی تعداد کاریگروں، کلرکوں اور جنگی کاموں کی تربیت لینے والے نوجوانوں کی مہیا کی ہے اور آپ نے پبلک میں اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے بھی کام لیا ہے اور محکمہ بھرتی کے سٹاف سے فراخدلی کے ساتھ تعاون کیا ہے۔ مجھے اس امداد کا بھی اعتراف

ہے کہ جو آپ کے مقامی سکرٹریوں اور معاونین کی طرف سے میرے حلقہ میں ہر جگہ مجھے ملی ہے۔ آپ کی کوششوں کے نتیجے میں قریباً سات ہزار رنگروٹ فوجی خدمات کے لئے بھرتی ہوئے ہیں۔

مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ اگر آپ اپنے ماتحتوں کو ہدایت جاری کر دیں کہ وہ اپنی کوششوں کو دوچند کر دیں تاکہ ہم اتنی ہی مدت میں پہلے سے دُگنے رنگروٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ مَیں یقیناً امید رکھتا ہوں کہ آپ آئندہ بھی اسی طرح امداد جاری رکھیں گے"

(ڈی۔ او نمبر جے ایم / ۱۱/۱۴ ۲۹۳۶ دفتر ٹیکنیکل بھرتی جالندھر مورخہ ۱۲ اپریل ۱۹۴۳ء)

اس خط میں صرف ان احمدی رنگروٹوں کا ذکر ہے جو کہ اپریل ۱۹۴۳ء تک پنجاب کے صرف ایک ڈویژن میں بھرتی ہوئے تھے۔ اگر دوسرے ڈویژنوں اور بعد میں بھرتی ہونے والے رنگروٹوں کو شامل کیا جائے تو تعداد . . . ۱۵ سے بہت زیادہ ہو جائے۔

پس ہمارے نزدیک اگر سکھوں کی خدمات ان کو پنجاب کی تقسیم میں کسی قسم کے خاص لحاظ کا حقدار بنا دیتی ہیں تو جماعت احمدیہ بھی اپنی خدمات کے عوض اسی طرح کے لحاظ کی حقدار ہے۔ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سکھوں کی خدمات کا اور طرح سے بھی بدلہ دیا جاتا رہا ہے لیکن جماعت احمدیہ نے کبھی اپنی خدمات کے عوض کسی بدلے کی خواہش نہیں کی ہے۔

۱۱۔ قادیان ایک شہر ہے۔ اس لئے شہر کے مطالبات کو ارد گرد کے کسی ایک دِہ یا کئی دیہات کے مطالبات پر ترجیح ملنی چاہیئے۔

الغرض آبادی کے تسلسل کے علاوہ دیگر اس قدر امور قادیان کے اس مطالبے کے حق میں ہیں کہ اسے مغربی پنجاب میں شامل کیا جائے کہ کسی صورت میں بھی اس کے خلاف کوئی اور مطالبہ قابل غور قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس جگہ ہم ایک اَور امر کی بھی تردید کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں جن کی بناء پر کہا جاتا ہے کہ گورداسپور کو مغربی پنجاب میں شامل کرنا ممکن نہیں۔ بعض سرکاری حلقوں میں یہ کہا جا رہا ہے کہ اقتصادی زندگی اور ذرائع رسل و رسائل کے پیش نظر اس ضلع کا الحاق مشرقی پنجاب سے ہونا چاہیئے مگر یہ خیال درست نہیں کیونکہ آبادی کی اکثریت کے بنیادی اصول کو نظر انداز کرنا بونڈری کمیشن کے اختیارات اور مفوضہ فرائض سے باہر ہے۔ یہ

کمیشن اِس لیئے مقرر نہیں کیا گیا ہے کہ پسماندہ آبادیوں کے مفاد کی حفاظت کرے اور یہ فیصلہ کرے کہ ان کی صحیح ضروریات کیا ہیں۔ اس کے ذمہ یہ کام ہے کہ مُسلمانوں اور غیر مُسلموں کے مسلسل اکثریت والے علاقوں کی تعیین کر کے ان کے درمیان حدّ فاصل قائم کرے۔ اور اگر اس سے اس ضلع کے باشندوں کو کوئی تکلیف ہو تو یہ صرف گورداسپور کے ضلع کی اکثریت کا کام ہے کہ وہ فیصلہ کرے کہ آیا وہ اس تکلیف کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہے کہ اس کے راستے غیر ملک میں سے گذریں۔ اور اگر وہ اسے برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں تو کسی اَور کو اعتراض کرنے کا حق نہیں پہنچتا اور نہ اُن کے اس حق سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ وہ جس طرح چاہیں اُسے استعمال کریں۔

علاوہ ازیں یہ کوئی ناقابل حل مشکل بھی نہیں ہے جیسا کہ اُن ممالک کے عمل سے ظاہر ہے جہاں کامیابی سے اس دقت کو حل کیا گیا ہے۔ اس قسم کا ایک مسئلہ اس بونڈری کمیشن کو بھی درپیش تھا جسے لیگ آف نیشنز نے شام اور عراق کی حد بندی کے لئے مقرر کیا تھا کیونکہ عراق کی مجوزہ ریلوے لائن کا ایک حصّہ مجبوراً شام کے بعض حصّوں میں سے ہو کر گذرتا تھا۔ عراق اس وقت انگریزوں کے زیر حکومت تھا اور شام فرانسیسیوں کے۔ کمیشن نے اس کا جو حل تجویز کیا وہ یہ تھا:۔

"اگر انگریزی ریلوے لائن کے کسی حصّے کا بعض ٹیکنیکل وجوہات کی بناء پر فرانسیسی علاقے میں سے گذرنا ناگزیر ہو تو اس صورت میں فرانسیسی حکومت ایسے حصّے کو جو ان کے علاقے میں واقع ہوگا۔ پورے طور پر اس مقصد کے لئے غیر جانبدار علاقہ قرار دے دے گی۔ کہ انگریزی حکومت اور اس کے ٹیکنیکل ماہرین کو ریلوے ضروریات کے لئے وہاں تک پہنچنے میں پوری پوری سہولتیں بہم پہنچائے"

اس حوالے کو درج کرنے کے بعد مسٹر سٹیفن بی جونز اپنی کتاب موسومہ BOUNDRY MAKING میں لکھتے ہیں:۔

"یہ عبارت بتاتی ہے کہ آمد و رفت کے ذرائع کی وحدت حدود میں تبدیلی کئے بغیر بھی قائم رکھی جا سکتی ہے۔ مختلف قسم کی غیر علاقوں میں آمد و رفت کے حقوق کا جن میں گلّوں کی موسمی نقل و حرکت بھی شامل ہے عہد و پیمان کے ذریعے تصفیہ کر لیا جاتا ہے"

پس اگر لاہور سے نگروٹہ تک ریلوے لائن مغربی پنجاب کے حصّے آئے یا مشرقی پنجاب کے حصّے

میں، اس لائن کا امرتسر سے نگروٹہ تک کا ٹکڑا آئے یا ہر ایک اس حصے پر ہی قابض ہو جو اس کے علاقے میں سے گذرتی ہے بہرصورت اس مشکل کو آپس میں تصفیئے کے ذریعے حل کیا جا سکتا ہے۔ پس صرف اس مشکل کی بناء پر اکثریت کی خواہشات کو ٹھکرانے اور اس علاقے کو پنجاب کے دوسرے حصہ میں شامل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

اگر ایسا سمجھوتہ ممکن نہ ہو تو گورداسپور کے ضلع کو براہ راست پاکستان سے اس طرح ملایا جا سکتا ہے کہ بٹالے سے چھوٹی سی ریلوے لائن ڈیرہ بابا نانک تک بنا دی جائے جو پہلے ہی نارووال کے راستے پاکستان سے ملا ہوا ہے۔

اب ہم اس سوال پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ آبادی کی اکثریت کی بناء پر گورداسپور کو مغربی پنجاب سے الحاق کا جو حق پہنچتا ہے اس کے علاوہ بھی اور دیگر امور ایسے ہیں جن سے اس حق کی تائید ہوتی ہے۔

۱۔ اوّل امرتسر کو مشرقی پنجاب میں شامل کر کے قدرتی حدود کے اصول کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے جس کی بناء پر ایسا کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہاں کے باشندوں کی اکثریت کی خواہشات کا خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن اس طرح سے مشرقی پنجاب کو یہ موقع دیا گیا ہے کہ وہ اپنے فوجی انتظامات کو دریائے بیاس سے پرے تک اس علاقے میں لے جائیں جو جائز طور پر مغربی پنجاب کا ہے۔ اب اگر باوجود اس امر کے کہ وہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے اگر گورداسپور کا ضلع یا اس کا کوئی حصہ بھی مشرقی پنجاب میں شامل کر دیا جائے تو یہ نہ صرف اکثریت کی خواہشات کی قربانی ہو گی بلکہ اس کی مدد سے مشرقی پنجاب امرتسر کو آسانی سے مغربی پنجاب پر حملہ آور ہونے کے لئے بطور مرکز استعمال کر سکتا ہے۔ اس کے تو یہ معنی ہوں گے کہ مغربی پنجاب کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے مشرقی پنجاب کے حوالے کر دیا جائے۔

بیشک اس وقت ہندوستان اور پاکستان دونوں اعلان کر رہے ہیں کہ ان کا ارادہ پُرامن ہمسائیوں کی طرح رہنے کا ہے۔ لیکن اس بات کی گارنٹی نہیں دی جا سکتی کہ آئندہ دونوں ملکوں کے درمیان اُلجھنیں پیدا نہ ہوں گی۔ اس لئے دونوں ملکوں کے درمیان جنگ کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئیے۔ پس اگر ضلع گورداسپور یا اس کا کوئی حصہ مشرقی پنجاب میں شامل کر دیا گیا تو جنگ کی صورت میں امرتسر جنگی کارروائیوں کا بڑا مرکز بن جائے گا اور چونکہ وہاں سے مغربی پنجاب کا دارالحکومت صرف

۱۸ میل کے فاصلے پر واقع ہے اس لئے یہ مغربی پنجاب کے خلاف فوجی دباؤ کے لئے بہترین مقام بن جائے گا۔ اس لئے اس نکتہ نگاہ سے لاہور کے تحفظ اور مغربی پنجاب کے تحفظ کے لئے جس کا لاہور صدر مقام ہے یہ نہایت ضروری ہے کہ گورداسپور کا ضلع مغربی پنجاب میں شامل ہو تاکہ دریائے بیاس کے اس طرف جو مشرقی پنجاب کے علاقے ہیں ان کو پاکستان پر جب اور جس وقت چاہیں حملہ کرنے کی کھلی چھٹی نہ مل جائے۔ لیکن اگر امرتسر کے علاوہ گورداسپور کا ضلع بھی مشرقی پنجاب میں شامل کر دیا گیا تو فوجی نقطہ نگاہ سے پوزیشن بالکل بدل جائے گی اور اس صورت میں مشرقی پنجاب نہ صرف لاہور کی شہ رگ کے قریب اور اس لئے تمام مغربی پنجاب کی شہ رگ کے قریب اپنی مضبوط فوجی چوکیاں قائم کرنے کے قابل ہو جائے گا بلکہ ضلع گورداسپور کے ملحقہ علاقے میں نقل و حرکت کے لئے جگہ مل جائے گی۔ اور یہ امر مغربی پنجاب کے تحفظ کے لئے ایسا خطرہ ہوگا جو اس کے سارے دفاعی نظام کو مفلوج کرنے کا موجب ہو سکے گا۔ اس لئے مغربی پنجاب کا حق ہے کہ وہ گورداسپور کے ضلع کو جو مسلم اکثریت کا ضلع ہے (اور یہ اکثریت مغربی پنجاب میں شامل ہونا چاہتی ہے) اپنے میں شامل کرنے پر مصر ہو کیونکہ یہ اس کے مشرق سے حملہ کے خلاف دفاعی نظام کے لئے نہایت ضروری ہے۔ نیز حدود کی تعیین میں جھگڑوں کو طے کرنے کے لئے یہ منصفانہ اصول تسلیم شدہ ہے کہ جہاں کوئی متنازعہ فیہ علاقہ ایسی جنگی پوزیشن کا حامل ہو کہ ایک دعویٰ دار ملک کے لئے اس کا حصول مدافعانہ حیثیت سے ضروری ہو اور دوسرے کے لئے جارحانہ حیثیت سے اور باقی امور دونوں کے لئے یکساں ہوں تو اس فریق کے دعویٰ کو ترجیح دی جائے گی جس کے لئے اس کی اہمیت مدافعانہ پہلو سے ہے۔

۲۔ گورداسپور کے مسلمانوں کی اکثریت جاٹ قوم سے تعلق رکھتی ہے جس کا بیشتر حصہ مغربی پنجاب کے اضلاع سیالکوٹ، شیخوپورہ، لائلپور اور لاہور میں بستا ہے۔ اس لئے گورداسپور کے مسلمانوں کو ایسے علاقے سے جُدا نہیں کرنا چاہیئے جس میں ان کی ذات کی اکثریت آباد ہے۔ بیشک انبالے کی کمشنری میں بھی جاٹ آباد ہیں لیکن وہ اکثر ہندو ہیں اور گورداسپور کے جاٹوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ پس گورداسپور کے ضلع کو مغربی پنجاب سے جُدا کرنے سے گورداسپور کے مسلمانوں کی سماجی زندگی کے راستے میں ناقابل حل مشکلات حائل ہو جائیں گی۔

۴۔ گورداسپور میں جو زبان بولی جاتی ہے جہاں وہ لاہور، سیالکوٹ اور دیگر ملحقہ علاقوں مثلاً شیخوپورہ اور گجرانوالہ کی زبان سے بہت ملتی ہے وہاں یہ اس زبان کے مشابہ نہیں ہے جو مشرقی اضلاع میں بولی جاتی ہے۔ اس زبان کے بولنے والے لوگوں کی اکثریت چونکہ مغربی پنجاب میں رہے گی اس لئے گورداسپور کے مسلمان بھی اسی طرف جانے چاہئیں

آخر میں ہم قدرتی حدود کی خوبیوں اور نقائص کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں ـــــــ جہاں وہ قدرتی روک کا کام دیتی ہیں اور ان کا تحفظ آسانی سے ہو سکتا ہے۔ تجربہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اکثر کئی قسم کے تکلیف دہ تنازعات کا دائمی موجب بھی بن جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر جہاں کہیں دریا دو ملکوں کے درمیان حدّ فاصل ہوتا ہے تو جب بھی اس میں طغیانی دیہاتی علاقہ کو متاثر کرتی ہے یا یہ اپنا راستہ بدل لیتا ہے۔ متاثرہ علاقے کی ملکیت کے متعلق جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب مقامی بند تعمیر کرنے کا سوال درپیش ہو تو پھر بھی بڑی دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ماہی گیری اور جہاز رانی سے متعلقہ حقوق کے جھگڑوں کا ایک سلسلہ لامتناہی پیدا کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم یہ سفارش کرتے ہیں کہ اگر کہیں دریا کو حد فاصل بنانے کا فیصلہ ہو تو لمبائی کی بجائے اس کی تقسیم چوڑائی کے اعتبار سے ہونی چاہیئے اس طرح سے اس قسم کے جھگڑوں کے مواقع میں بہت حد تک کمی ہو جائے گی۔

آخر میں ہم خدا تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ کمیشن کے ممبروں کی رہنمائی فرمائے اور انہیں ایسے فیصلے کی توفیق دے جس سے تمام متعلقہ علاقوں کی آبادی کے تمام عناصر مطمئن ہو سکیں اور ساتھ ہی ہماری یہ بھی دُعا ہے کہ خداوند کریم ہمارے سمیت ان تمام لوگوں کی بھی رہنمائی فرمائے جو اپنے خیالات کو کمیشن کے سامنے رکھ کر اس کی مدد کی کوشش کر رہے ہیں۔ خدا کرے کہ اس بحران میں ہمارا مقصد قیام امن، خدمتِ خلق اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہو۔

۱۔ مرزا بشیر احمد ایم۔ اے ناظر اعلیٰ جماعت احمدیہ قادیان

۲۔ عبدالرحیم درد ایم۔ اے سابق امام مسجد لنڈن ناظر تعلیم و تربیت جماعت احمدیہ قادیان

۳۔ مرزا عزیز احمد ایم۔ اے ناظر دعوت و تبلیغ جماعت احمدیہ قادیان

۴۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ (سابق پروفیسر ابو بیہ کالج یروشلم) ناظر امور عامہ و خارجہ جماعت احمدیہ قادیان

۵۔ عبدالباری بی۔ اے آنرز ناظر بیت المال جماعت احمدیہ قادیان

۶۔ قاضی محمد عبداللہ بی۔ اے ناظر ضیافت جماعت احمدیہ قادیان

۷۔ شیر علی بی۔ اے ناظر تالیف و تصنیف جماعت احمدیہ قادیان

۸۔ فتح محمد سیال ایم۔ اے، ایم ایل اے نائب ناظر دعوت و تبلیغ جماعت احمدیہ قادیان

ممبران صدر انجمن احمدیہ قادیان

میمورنڈم کے آخر میں تین ضمیمے بھی شامل کئے گئے۔

پہلا ضمیمہ مندرجہ ذیل چھ اہم نقشوں پر مشتمل تھا جنہیں باؤنڈری ایکسپرٹ مسٹر سپیٹ کی رہنمائی میں نہایت محنت و کاوش سے تیار کیا گیا تھا۔

۱۔ نقشہ پنجاب (تحصیل کو تقسیم کا یونٹ قرار دینے کی صورت میں)

۲۔ نقشہ ضلع گورداسپور (تحصیل کو تقسیم کا یونٹ قرار دینے کی صورت میں)

۳۔ " " " (تھانہ " " " " ")

۴۔ " " " (حلقہ قانونگو " " " ")

۵۔ " " " (ذیل " " " " ")

۶۔ نقشہ اضلاع گورداسپور، امرتسر اور سیالکوٹ کے بعض حصوں کا (بعد میں شامل کیا گیا)

دوسرے ضمیمے میں پاکستان (بشمول حلقہ قادیان، گورداسپور، جموں کشمیر) میں موجود ۷۴۵ احمدی جماعتوں کی فہرست دی گئی تھی۔

اور تیسرے ضمیمہ میں اُن ۱۹۹ احمدی افسروں کی فہرست درج تھی جنہیں جنگ عظیم ثانی میں شاہی کمشن دیا گیا تھا۔

حضرت مصلح موعود کی لاہور میں تشریف آوری

۱۸ جولائی ۱۹۴۷ء کو مختلف جماعتوں کے محضر نامے حد بندی کمیشن کو پہنچ گئے جس کے دو روز بعد ان کے وکلاء کی بحث کا آغاز ہو گیا۔ یہ موقعہ مسلمانان ہند کے لئے عموماً اور جماعت احمدیہ کے لئے خصوصاً زندگی اور موت کے سوال کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے حضرت سیدنا المصلح الموعود مع خدام کمشن کی کارروائی دیکھنے اور سُننے کے لئے ۲۲ جولائی ۱۹۴۷ء کو صبح کی گاڑی سے لاہور تشریف لے گئے[1] اور پانچ دن کے قیام کے بعد

[1] "الفضل" ۲۳ وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱۔

۲۷ جولائی ۱۹۴۷ء کو نو بجے صبح کی گاڑی سے وارد قادیان ہوئے۔[1] مگر اگلے روز (۲۸ جولائی کو) دوبارہ معہ خدام ۶½ بجے صبح بذریعہ کار لاہور تشریف لائے۔[2] اور لیگ کے کیس کی بحث مکمل ہونے کے بعد ۳۱ جولائی کو بذریعہ کار ۷½ بجے شام قادیان پہنچ گئے۔[3] الغرض حضور نے ایوارڈ کی کارروائی بچشم خود ملاحظہ فرمائی۔

حضرت مصلح موعود کا ایک ارشاد فرمودہ نوٹ باؤنڈری کمیشن سے متعلق

جماعت احمدیہ کے پرانے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے ۸ اگست ۱۹۴۷ء کو باؤنڈری کمیشن ایوارڈ کے تعلق میں مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے کے لئے جو حضور انور کے خصوصی نمائندہ کی حیثیت میں ان دنوں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقاتیں کر رہے تھے حسب ذیل نوٹ لکھوایا:۔

۱۔ "اگر اپر باری جناب نہر کا نظام علاقہ کو آبادی کی بناء پر تقسیم کرنے پر روک ہے اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کی کثرت آبادی کو قربان کرنے کا خیال پیدا ہو رہا ہے تو بیشک مسلمانوں کی اکثریت والے رقبہ کے حصہ نہر کو بند کر دیا جائے۔ وہ اس نقصان کے باوجود اپنی آبادی کی اکثریت والے علاقہ کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور نہر کے لئے اپنی آزادی کو قربان نہیں کرنا چاہتے۔

۲۔ ضلع گورداسپور کو نہر کا حصہ اتنا قلیل لگتا ہے (یعنی وہ کل رقبہ زیر کاشت قریباً ساڑھے نو لاکھ ایکڑ کے مقابلہ پر صرف ایک لاکھ پندرہ ہزار کے قریب ہے) اور پھر اس نہری حصہ میں بھی مسلمانوں کا بہت معقول حصہ ہے۔ پس غیر مسلموں کے اتنے قلیل نہری حصہ کی وجہ سے جو ضلع کے رقبہ کا ایک بالکل مفید جزو ہے۔ تحصیل بٹالہ و گورداسپور کو جس میں مسلمانوں کی مجموعی اکثریت قریباً ۵۴ فیصد ہے قربان نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں کی یہ اکثریت عیسائی آبادی کو ملا کر جو مسلمانوں کے ساتھ ہے قریباً ۶۰ فیصد ہو جاتی ہے۔

۳۔ ضلع لاہور اور ضلع گورداسپور جو مسلم اکثریت کے ضلع ہیں: ان میں نہری علاقہ قریباً ساڑھے نو لاکھ ایکڑ ہے۔ اس کے مقابل پر امرتسر کے ضلع میں صرف چار لاکھ ایکڑ نہری رقبہ ہے پس ڈبل رقبہ کو نصف رقبہ کے تابع نہیں کیا جا سکتا جبکہ ضلع امرتسر کی تحصیل اجنالہ بھی مسلم اکثریت کا علاقہ

---

[1] "الفضل" ۲۸ وفا / جولائی ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ ؎ [2] "الفضل" ۲۹ وفا / جولائی ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۸
[3] " یکم ظہور / اگست " صفحہ ۸

ہے اور ضلع امرت سر کے ساڑھے چار لاکھ نہری ایکڑوں میں اجنالہ کا بھی معقول حصہ شامل ہے

۴۔ اگر پھر بھی امرت سر کے ضلع کو اہمیت دینی ضروری سمجھی جائے تو گورداسپور کے نہری پانی کو بقیہ نہری پانی سے الگ کر دیا جائے اور اس تبدیلی پر جو خرچ ہو وہ مغربی پنجاب سے لے لیا جائے۔ اسی طرح لاہور کی نہر بھی اجنالہ کے واسطے سے الگ ہو سکتی ہے جو پانی قصور کی طرف امرت سر کی طرف سے جاتا ہے وہ اجنالہ کے نہری پانی کی مقدار بڑھا کر لاہور کی طرف سے قصور کی طرف منتقل کیا جا سکتا ہے بغیر اس کے کہ امرت سر کے پانی کو کوئی نقصان پہنچے۔ یہ خیال ہے کہ ضلع امرت سر کی تحصیل اجنالہ میں مُسلم اکثریت ہے اور قصور میں تقسیم کئے جانے والے پانی کو اس تحصیل کے ذریعہ سے تحصیل لاہور میں سے گزارا جائے۔ تحصیل لاہور کا پانی پہلے سے ہی اس نہر کے ذریعہ سے ہی جاتا ہے۔

۵۔ اگر کسی وجہ سے یہ صورت بھی تسلّی بخش نہ سمجھی جائے تو جہاں تک نہر کے انتظام کا تعلق ہے یہ انتظام مشرقی اور مغربی پنجاب کی حکومتوں کا مشترکہ رکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح آبادی کی اکثریت کو قربان کرنے کے بغیر ایک صورت پیدا کی جا سکتی ہے اور اس قسم کے انتظام یورپ کے کئی ممالک میں دریاؤں کے متعلق کئے جا چکے ہیں۔

۶۔ اسی طرح جہاں ریلوے لائن کے بارہ میں اس قسم کی دقت ہو اور ریل کا راستہ بدلا نہ جا سکے تو متعلقہ حصہ میں ریل کا انتظام بھی دونوں حکومتوں کو مشترکہ طور پر دیا جا سکتا ہے مگر کثرت آبادی کو دوسری قوم کے ماتحت کر کے تباہ نہیں کرنا چاہیئے۔

۷۔ اُوپر کے اصولوں میں سے جو اصول بھی اختیار کیا جائے وہ مسلمانوں اور غیر مسلمانوں پر یکساں طور پر چسپاں ہونا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ ایک جگہ غیر مسلموں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہو تو اس کو استعمال کر لیا جائے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہو تو چھوڑ دیا جائے۔

۸۔ اگر بہرحال سکھوں کو خوش کرنا ہے تو بٹالہ تحصیل کا وہ حصہ جو دریائے بیاس پر واقع ہے۔ کوئی چار پانچ میل چوڑا اور اتنا لمبا کہ سری گوبند پور اس میں آ جائے ضلع امرتسر میں ملا دیا جائے اسی طرح بٹالہ تحصیل کے بقیہ حصہ میں مسلمانوں کی آبادی کی نسبت اور بھی بڑھ جائیگی جو ویسے بھی یہ آبادی سالم تحصیل میں ۵۵ فیصد ہے۔ اسی طرح پٹھانکوٹ کی تحصیل کا وہ حصہ جو

ایسباری دوآب کی نہر سے اُوپر کی طرف واقع ہے مسلم لیگ کی تجویز کے مطابق کاٹ کر مشرقی پنجاب کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ضلع گورداسپور کے بقیہ حصہ میں مُسلم اکثریت جو پہلے ہی معقول ہے اور بھی زیادہ ہو جائے گی۔

۹۔ جو اعداد و شمار صدر صاحب کے سامنے بغیر ہمارے علم میں آئے پیش کئے جائیں وہ ہمیں بھی دکھائے جائیں کیونکہ کمیشن کے سامنے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ جو اعداد و شمار اس وقت افسران نے تیار کئے ہیں وہ تحقیق پر غلط ثابت ہوئے ہیں چنانچہ لاہور کے غیر مُسلم زمینداروں کی تعداد غلط ثابت ہوئی۔ اسی طرح گورداسپور کے غیر مُسلم زمینداروں کے اعداد و شمار غلط ثابت ہو چکے ہیں۔ اسی طرح شیخوپورہ کی دو ذیلوں کی غیر مُسلم آبادی زیادہ بتائی گئی تھی یہ بھی تحقیق پر غلط ثابت ہوئی۔ یہ سب اعداد و شمار ہندو افسروں نے تیار کئے تھے۔ پس ہو سکتا ہے کہ کوئی پرائیویٹ نقشہ یا اعداد و شمار جو پریذیڈنٹ تیار کروائے اس کے سامنے غلط نقشہ یا اعداد و شمار پیش کر دیئے جائیں۔ پس ایسا نقشہ یا اعداد و شمار ہمیں دکھا لینے چاہئیں تاکہ ہم اپنا اعتراض پیش کر سکیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

جماعت احمدیہ کے موقف کی وضاحت جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی طرف سے

حد بندی کمیشن کے سامنے ۲۱ر جولائی سے لے کر ۲۴ر جولائی تک پہلے مسٹر سیتلواد (بمبئی کے مشہور بیرسٹر) نے ہندوؤں کے نقطہ نگاہ کی وضاحت کی۔ پھر سردار ہرنام سنگھ صاحب نے سکھوں کا کیس پیش کیا۔ ۲۵ر جولائی سے لے کر ۳۰ر جولائی تک کے اجلاس مُسلم لیگ کے لئے مخصوص رہے۔ مُسلم لیگ کی ہائی کمان نے اپنے وقت میں سب سے پہلے جناب شیخ بشیر احمد صاحب بی۔ اے، ایل ایل بی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور کو جماعت احمدیہ کا موقف پیش کرنے کا موقعہ دیا۔ جناب شیخ صاحب موصوف نے ۲۵ اور ۲۶ر جولائی کے اجلاسوں میں نہایت عمدگی اور قابلیت سے جماعت احمدیہ کی نمائندگی کی جس کی تفصیل باؤنڈری کمیشن کے انگریزی ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ آپ کی اس یادگار اور ناقابل فراموش بحث کا مکمل اُردو ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

۲۵ر جولائی ۱۹۴۷ء

اس کے بعد مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ جماعت احمدیہ کی طرف سے پیش ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔

"مَیں اپنے بیان اور دلائل کو صرف اس معیّن معاملہ تک محدود رکھنا چاہتا ہوں کہ قادیان کو (جو جماعت احمدیہ کا مرکز ہے) مغربی پنجاب میں شامل کیا جائے۔ جناب سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب جو مُسلم لیگ کی طرف سے سینئر وکیل اور مختار اعلیٰ ہیں آپ کے سامنے ان امور پر بحث فرمائیں گے جو جغرافیائی، اقتصادی اور بعض دوسری بنیادوں پر غیر مُسلموں کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ضلع گورداسپور کا معاملہ بھی اُن اضلاع میں سے ہے جن کے متعلق اس کمشن کے سامنے بڑی سرگرمی سے بحث ہوتی رہی ہے۔ لیکن جماعت احمدیہ اور مُسلم لیگ کے مابین بعض پہلو مشترک ہیں اور جیسا کہ مَیں نے پہلے ذکر کیا ہے اُن کا ذکر مَیں اس لئے چھوڑ رہا ہوں کہ جب سر محمد ظفر اللہ صاحب مُسلم لیگ کا موقف آپ کے سامنے پیش کریں گے تو اس بحث میں وہ امور اور مشترک پہلو لازماً آجائیں گے۔

اب جیسا کہ مَیں نے کمشن کا دائرہ کار اور اس کے مقاصد آپ کے سامنے پڑھ کر سُنائے ہیں کمشن کا کام یہ ہے کہ وہ مغربی اور مشرقی پنجاب کے درمیان ان حدود کی تعیین کرے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے اکثریت والے علاقوں کی بنیاد پر حدِ فاصل کے طور پر کام دے سکیں۔ ایسا کرتے ہوئے ہمیں لازماً بعض دوسرے عناصر کو بھی ملحوظ رکھنا پڑے گا۔ چنانچہ حدود کی تعیین کے نہایت اہم مقصد کے پیش نظر مَیں بڑے ادب کے ساتھ یہ بنیادی اور مرکزی اصول آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ "آبادی کی اکثریت" ہی دراصل وہ بنیاد ہے جس پر حدّوں کی تعیین منحصر ہے۔ باقی تمام امور کسی نہ کسی رنگ میں اسی ایک بنیادی اصول کے ماتحت آجاتے ہیں۔ اور اسی بنیادی اصول کو مَیں اپنے اس دعویٰ کی بنیاد قرار دیتا ہوں کہ قادیان کو مغربی پنجاب میں شامل کیا جائے۔

سب سے پہلی بات جس سے اس دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ قادیان اس علاقے میں شامل ہے جو مُسلم آبادی کی اکثریت والا علاقہ ہے اور جس کی سرحدیں مغربی پنجاب کے اصل علاقے سے ملتی ہیں۔ اس غرض کے لئے مَیں آپ کی خدمت میں وہ نقشہ پیش کرنا چاہتا ہوں جو جماعت احمدیہ کی طرف سے پیش کردہ میمورنڈم کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ آپ اس میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ تحصیل بٹالہ جسے سبز رنگ دے کر مسلمانوں کی اکثریت والا علاقہ دکھایا گیا ہے اس میں قادیان شامل ہے۔ پھر جو عام مُسلم اکثریت والا علاقہ ہے اس کے ساتھ ہی تحصیل بٹالہ کی حدود ملتی ہیں۔ آپ خواہ تقسیم کے کسی اصول کی

بنیاد پر اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ یعنی خواہ تحصیل یا ذیل کے علاقے کے طور پر یا تھانے اور قانونگو کے حلقہ کے طور پر۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ علاقہ بہر حال مُسلم اکثریت والے علاقے میں شامل ہے اور قادیان جغرافیائی طور پر بہر صورت اسی مُسلم اکثریت والے علاقے میں ہی واقع ہے۔ مَیں تو کہوں گا کہ اَور سب باتوں کو جانے دیجئے، صرف یہی دلیل کہ قادیان اُس علاقے میں شامل ہے جو مُسلم آبادی کی اکثریت والا علاقہ ہے اور جس کی سرحدیں اس علاقے کے ساتھ بالکل متّصل ہیں جو مغربی پنجاب کا اصل علاقہ ہے، یہ ثابت کرنے کیلئے کافی ہے کہ قادیان کو مغربی پنجاب کے ساتھ شامل ہونا چاہیئے۔

مگر اس کے علاوہ بعض اَور پہلو بھی قابلِ غور ہیں جن سے مندرجہ بالا دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے۔ تحصیل اجنالہ اور تحصیل نارووال کے علاقے تحصیل بٹالہ کے ساتھ بالکل ملے ہوئے ہیں اور ضلع گورداسپور کی تمام تحصیلوں میں صرف تحصیل بٹالہ ہی ایسی تحصیل ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت نہایت نمایاں اور واضح ہے۔ یہاں مسلمانوں کی آبادی ۵۵٫۰۶ فیصدی ہے۔ تحصیل نارووال میں مُسلم آبادی ۵۴٫۹۲ فیصد ہے اور تحصیل اجنالہ میں ۵۰٫۷۶ فیصدی ہے۔ یہ تمام اعداد و شمار سرکاری ہیں اور آپ خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ تحصیل بٹالہ کے ساتھ ملنے والی دونوں تحصیلوں میں مُسلم اکثریت ہے۔ پس اگر اکثریت والی تحصیلوں کی باہمی سرحدات کو ہی بنیاد قرار دیا جائے تب بھی یہ ماننا پڑے گا کہ قادیان جو تحصیل بٹالہ میں واقع ہے اور جس میں واضح طور پر مسلمانوں کی اکثریت ہے مغربی پنجاب کے ساتھ شامل ہونے کا پُورا حق رکھتا ہے۔

مَیں نہایت ادب سے عرض کروں گا کہ فریقِ مخالف کے وکلاء نے آپ کا خاصا وقت صرف اِس بحث میں صرف کیا کہ بعض "دوسرے عناصر" ہیں جن پر غور کیا جانا ضروری ہے مگر مَیں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ "تقسیم" اور "حدود کی تعیین" کا معاملہ صرف اور صرف "آبادی کی اکثریت" پر منحصر ہے۔ مخالف وکلاء "اکثریت والے علاقوں کی متصل سرحدات" پر تو بحث کرتے رہے لیکن . . . . .

جسٹس محمد منیر: کیا آپ نے اس نقطۂ نظر پر بھی غور کیا ہے جس کی بناء پر آپ کے مخالف وکلاء نے اُس علاقے کو "مُسلم اکثریت والا علاقہ" قرار نہیں دیا جسے آپ "مُسلم علاقہ" کہہ رہے ہیں۔ اس کے متعلق آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

شیخ بشیر احمد: جناب والا! مجھے علم ہے کہ اس علاقہ میں کچھ تھوڑا سا حصّہ غیر مُسلموں سے بھی آباد ہے

اور بعض دوسری قوموں کے لوگ بھی کچھ رقبے پر سکونت رکھتے ہیں۔ لیکن جب ایک واضح اکثریت ہمارے سامنے ہو تو ایک معمولی سے حصے پر قابض "قلیت" اس کے مقابلے پر کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور پھر ایک اور طریق سے بھی اگر اس صورتِ حال کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ علاقہ مُسلم اکثریت والا علاقہ . . . . .

جسٹس محمد منیر: میرا خیال ہے کہ جس انداز سے فریقِ مخالف نے یہ معاملہ پیش کیا ہے آپ نے اس پر غور نہیں کیا۔

شیخ بشیر احمد: مَیں اس وقت یہاں موجود نہیں تھا۔ . .

جسٹس محمد منیر: وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اس تحصیل سے صرف تین ایسے قصبات الگ کر لئے جائیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے یعنی قادیان - بٹالہ - اور فتح گڑھ چوڑیاں — تو باقی تمام تحصیل "غیر مُسلم اکثریت والا علاقہ" بن جاتی ہے۔

شیخ بشیر احمد۔ جناب میری عرض یہ ہے کہ اس قسم کے قصبات کو الگ کرنے کے لئے کوئی اصول یا معیار بھی تو ہو۔ آخر یہ کیسے معلوم کیا جائے کہ فلاں علاقہ "مُسلم اکثریت" والا ہے یا "غیر مُسلم اکثریت" والا ہے میری گذارش یہ ہے کہ خواہ آپ تھانہ بطور یونٹ تسلیم کریں یا "قانونگو رقبہ" بطور یونٹ تسلیم کریں۔ خواہ آپ "ذیل" کو معیار مانیں یا "تحصیل" کو۔ آپ کو بہرحال کوئی نہ کوئی اصول بطور "بنیاد" کے ماننا پڑیگا یہ ہمارے لئے ممکن نہیں کہ ہم . . . .

جسٹس دین محمد: کل آپ ہمارے سامنے مفصل نقشہ پیش فرمائیں۔

شیخ بشیر احمد: جہانتک "دوسرے امور" کا تعلق ہے مَیں آپ کے سامنے سِکھوں کے دعویٰ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کل ننکانہ صاحب اور امرتسر میں سِکھوں کے مقدس مقامات کے متعلق اچھی خاصی بحث ہوئی ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ ننکانہ صاحب حضرت بابا گورونانک کی جنم بھومی ہے۔ نیز امرتسر اور سری گوبند پور میں سکھوں کے مقدس تاریخی مقامات ہیں۔ ان تاریخی مقامات کا ذکر سکھ میمورنڈم کے صفحہ ۵۲ اور پیراگراف ۵۶ میں یوں کیا گیا ہے :-

"سِکھوں کے لئے نہر اپر باری دوآب کا متصل علاقہ نہایت درجہ اہمیت رکھتا ہے۔ امرتسر جہاں سِکھوں کا مشہور سُنہری گوردوارہ (دربار صاحب) واقع ہے سِکھ مذہب کی روایات اور

تاریخ کا مرکز ہے۔ یہاں سب سے پہلے گورو رامداس سنہ ۱۵۷۴ء میں تالاب کے کنارے آباد ہوئے جہاں مغل بادشاہ اکبر کی طرف سے انہیں سنہ ۱۵۷۷ء میں پانچ صد بیگھہ زمین عطا فرمائی گئی۔ تالاب کا نام "امرت۔سر" یا "آب حیات کا چشمہ" رکھا گیا۔ گو بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نام کی وجہ ایک گرو امرداس تھے جو گورو رامداس سے پہلے گذر چکے تھے۔

گورو ارجن نے یہ سنہری گوردوارہ (دربار صاحب) تعمیر کیا اور پھر رفتہ رفتہ اس کی مذہبی اور سیاسی اہمیت میں اضافہ ہوتا گیا۔ سنہ ۱۷۶۲ء میں احمد شاہ ابدالی کی واپسی کے وقت جبکہ اس کے در و دیوار تقریباً کھنڈرات کی شکل اختیار کر چکے تھے اس نے پھر ترقی کرنی شروع کی اور جلد ہی یہ ایک آزاد سکھ جماعت کا مستقل اور معروف مرکز بن گیا۔ "اکال بنگہ" کا مقام اور اس کی عمارت جس کا رُخ دربار صاحب کی طرف ہے، سکھوں کے لئے ایک رُوحانی مرکز کی حیثیت رکھتی ہے اور "بابا اٹل" کی سات منزلہ عمارت جس کو بنے ہوئے اب تقریباً ایک صدی ہو گئی ہے گورو ہرگوبند صاحب کے ایک لڑکے کی یادگار کے طور پر قائم ہے۔

امرت سر سے ایک پختہ سڑک جس کی لمبائی ۱۴ میل ہے اس شہر کو ترن تارن سے ملاتی ہے اور ترن تارن کا قصبہ امرتسر کے 'ماجھا' علاقہ کا مشہور ترین مقام ہے مگر اس کی تمامتر اہمیت مذہبی رنگ رکھتی ہے۔ اس تقدس کا مرکز وہ تالاب ہے جو تقریباً تین سَو مربع گز ہے اور جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُسے گورو ارجن صاحب نے تعمیر کروایا۔ تالاب کے چاروں طرف چلنے پھرنے کے لئے پختہ روشیں قائم ہیں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کو ترن تارن کے گوردوارہ سے بیحد عقیدت تھی۔ یہ گوردوارہ سنہ ۱۷۶۸ء میں تعمیر ہوا۔ اور مہاراجہ کے حکم سے اس پر تانبے کی چمکدار پتریاں چڑھائی گئیں . . . .

جہانتک گورداسپور کا تعلق ہے "امپیریل گزٹ آف انڈیا پنجاب" کی جلد دوم صفحہ ۵۹ میں لکھا ہے کہ اس ضلع کی تمام تاریخی اہمیت زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ اس ضلع کا تعلق سکھوں کے عروج کے ساتھ وابستہ ہے۔ دریائے راوی کے کنارے ڈیرہ بابا نانک کے مقام پر سکھوں کے مقدّس مقامات . . . . .

(عدالت برخاست ہو گئی)

اگلے روز مورخہ ۲۶ جولائی ۱۹۴۷ء باونڈری کمیشن کا اجلاس لاہور کی ہائیکورٹ کی عمارت میں صبح ۱۰ بجے شروع ہوا:۔

شیخ بشیر احمد: کل عدالت کے برخاست ہونے سے پہلے میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کر رہا تھا، کہ جہاں تک کمیشن کے دائرہ کار اور اس کے مقاصد کا تعلق ہے۔ حدود کی تعیین کے بارے میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ تعیین صرف "اکثریت والے علاقے" کے اصول کی بناء پر ہی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔ حدود کی تعیین کے لئے خواہ آپ "تحصیل" کو معیار بنائیں یا "ذیل" کو، "تھانے کے حلقے" کو معیار مقرر کریں یا قانونگو کے حلقے کو، ہر صورت میں قادیان "مسلم اکثریت والے علاقے" میں آتا ہے۔ جہانتک "دوسرے عناصر" کا تعلق ہے، میں نے عرض کیا تھا کہ سکھوں کی طرف سے بعض تجاویز پیش کی گئی ہیں جن کی بنیاد اُن کے مقدس مذہبی مقامات کی تاریخی اہمیت پر ہے۔ یہ مقامات ننکانہ صاحب، امرتسر اور سری ہرگوبندپور میں واقع ہیں۔ میں یہاں اس امر کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ "مذہبی مقامات" کی اہمیت، خود انگلستان کے "ایوانِ جمہور" یا "ہاؤس آف کامنز" میں بھی تسلیم کی گئی ہے اور اب یہ فاضل ججوں پر منحصر ہے کہ وہ ان مذہبی مقامات کی اہمیت کو کتنی وقعت دیتے ہیں۔

بہرکیف اگر "مذہبی مقامات" کے تقدس اور ان کی اہمیت کو پیشِ نظر رکھا جائے تو میں یہ عرض کروں گا کہ قادیان جیسے عظیم الشان مذہبی مرکز کو بعض ایسی خصوصیات حاصل ہیں جن کی بناء پر اسے اولین استحقاق کا حامل قرار دیا جا سکتا ہے اور اس کی "شمولیت" کے سوال پر نہایت سنجیدگی سے غور کرنا ضروری ہے۔

قادیان حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا مولد اور مرکز ہے۔ جناب بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے دعویٰ کیا کہ وہ اس آخری زمانے میں مسیح اور مہدی کے مقام پر فائز ہیں۔ بیشک آپ کے اس دعوے کی سخت مخالفت ہوئی مگر اس مخالفت کے باوجود تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے ارد گرد دُور و نزدیک سے بہت سے لوگ آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ آپ کو یہ بلند ترین روحانی مرتبہ حضرت محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نتیجہ میں ملا اور آپ انہی کے خادم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی عالمگیر تحریک کا مرکز قادیان ہے۔ آپ کی تحریک کے آغاز سے ہی اس مقدس مقام سے روشنی اور ہدایت کی کرنیں چار دانگ عالم میں بکھرنا شروع ہو گئیں۔ چنانچہ دُنیا کے تمام حصوں سے بے شمار لوگ اپنی رُوحانی پیاس بُجھانے اور اپنے علم و معرفت میں اضافہ کے لئے اس مقام پر آنا شروع ہو گئے۔ آج اسی مقام پر آپ کا جسم اطہر دفن ہے اور حضور کے ساتھ ہی سینکڑوں کی تعداد میں جماعت کے چیدہ اور سر برآوردہ افراد کہ جنہوں نے اپنی زندگیاں اسلام کی اشاعت کے لئے صرف کر دیں اور اسلام کی خاطر مسلسل قربانی اور ایثار کا مظاہرہ کیا یہاں دفن ہیں۔ جماعت کے علماء یہاں مسلسل تعلیم و تربیت کے کام میں مشغول ہیں اور جماعت کی مرکزی انجمن کا جو صدر انجمن احمدیہ کہلاتی ہے یہاں مستقل مرکز موجود ہے۔ اسی طرح جماعت کا خزانہ جہاں لاکھوں روپے چندے کے طور پر وصول ہوتے ہیں اسی مقام پر ہے۔ یہاں مبلّغین کا ایک کالج بھی موجود ہے۔ جہاں جماعتی ضروریات کے مطابق مختلف مربیان اور معلّمین تیار کئے جاتے ہیں اور پھر ان سب سے بڑھ کر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خلیفہ ثانی کہ جن کے وعظ و نصیحت کو سُننے کے لئے دُور دراز سے لوگ آتے ہیں یہاں قادیان میں موجود ہیں۔

غرضکہ قادیان جماعت احمدیہ کا ایک زندہ اور فعّال مرکز ہے اور یہ جماعت کی دینی اور ملّی سرگرمیوں کی آماجگاہ ہے کیونکہ جماعت کے افراد یہاں متعدد مرتبہ اپنی رُوحانی اور علمی پیاس کو بجھانے اور اپنی مذہبی، تہذیبی اور تمدّنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں کثرت کے ساتھ آتے رہتے ہیں۔

جسٹس محمد منیر: جماعت کی تعداد کتنی ہے؟

شیخ بشیر احمد: پانچ لاکھ

جسٹس تیجا سنگھ: کیا گذشتہ مردم شماری میں انہیں علیحدہ طور پر شمار کیا گیا تھا؟

شیخ بشیر احمد: گذشتہ مردم شماری میں احمدی اور غیر احمدی میں کوئی امتیاز نہیں کیا گیا۔ ہاں البتہ اگر کسی نے اصرار کیا کہ میرے نام کے ساتھ "شیعہ" لکھا جائے تو اس کے نام کے ساتھ "شیعہ" لکھ لیا گیا۔ اور اگر کسی نے کہا کہ اس کے نام کے ساتھ "حنفی" لکھا جائے تو "حنفی" لکھ لیا گیا۔

جلسہ سالانہ کے موقعہ پر عموماً پچاس ہزار سے زیادہ افراد قادیان آتے ہیں اور اس حقیقت کا ثبوت خود ریلوے کے ٹکٹوں کی فروخت سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جلسے میں عملاً شرکت کرنے والے پچاس ہزار سے بھی زائد ہوتے ہیں۔

جسٹس تیجا سنگھ: پچاس ہزار تو برطانوی پنجاب میں ہوئے۔ اس کے علاوہ دیگر مقامات پر کتنے ہیں؟

شیخ بشیر احمد: کل تعداد غالباً دس لاکھ ہوگی اور یہ بڑا محدود اندازہ ہے جیسا کہ میں ابھی آپ کے سامنے اعداد و شمار پیش کروں گا۔ بہت سے غیر ممالک میں بسنے والے افراد اپنے آپ کو "احمدی" کہلانا پسند کرتے ہیں۔

جسٹس دین محمد: آپ کے پیش کردہ اعداد و شمار کی ترتیب میں کسی قدر غلط فہمی معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ ۵ لاکھ احمدی پنجاب سے تعلق رکھتے ہیں اور ۵ لاکھ دوسرے علاقوں سے۔ پھر آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ پچاس ہزار احمدی جلسہ سالانہ میں شریک ہوتے ہیں۔

شیخ بشیر احمد: جناب! یہ حقیقت ہے اور اس کی تصدیق ریلوے کے حکام سے کی جا سکتی ہے۔

جسٹس تیجا سنگھ: آپ کو یہ اعداد و شمار کیسے معلوم ہوئے جب کہ مردم شماری سے اتنی تعداد ثابت نہیں ہوتی۔

شیخ بشیر احمد: جب پچاس ہزار افراد جلسہ سالانہ میں شرکت کرتے ہیں تو اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ جماعت کی اصل تعداد کیا ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ جماعت ایک عالمگیر پیغام کی حامل ہے اور دائرۂ اسلام میں اس کی حیثیت ایک بہت بڑی بین الاقوامی تحریک کی سی ہے۔ . . . میں آپ کے سامنے بعض مقتدر اصحاب کی وہ آراء پیش کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے جماعت احمدیہ کے متعلق ظاہر کی ہیں۔ سب سے پہلے تو میں انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے چودھویں ایڈیشن کا حوالہ پیش کرتا ہوں جس کی جلد ۱۰ کے صفحات ۷۱۱ - ۷۱۲ پر لکھا ہے:۔

"**جماعت احمدیہ:** اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں اس جماعت کی سرگرمیاں صرف ہندوستان مغربی افریقہ، ماریشس اور جاوا تک ہی محدود نہیں بلکہ انہوں نے زیکوسلویکیا اور لنڈن تک پھیلی ہوئی ہیں اور انہوں نے بہت سے یورپین اصحاب کو دائرۂ اسلام میں داخل کرنے میں خاصی کامیابی حاصل کی ہے۔"

اس کے بعد ایک مصنف جس کا نام گریون ہے۔ رسالہ "مسلم ورلڈ" جلد ۲۱ نمبر ۲ کے صفحہ ۱۵۰ پر لکھتا ہے:۔

"اب ہم احمدی اصحاب کا ذکر کرتے ہیں جو کٹر ہندوؤں کے بالمقابل مسلمانوں میں بھی ویسے ہی پختہ عقیدے کے مالک ہیں۔ ان کا جوش، اخلاص اور جذبۂ قربانی نہایت قابلِ تعریف ہے"

ڈاکٹر مرے (MURRAY) اپنی کتاب "انڈین اسلام" کے صفحہ ۲۲۳ پر رقمطراز ہے:۔

"احمدی صاحبان اس وقت دُنیا میں اسلام کے سب سے بڑے مدعی اور اس کی سب سے زیادہ

اشاعت کرنے والے ہیں"

ڈاکٹر لیسی بیری (LACEY BEERY) اپنی کتاب "ISLAM AT THE CROSS ROADS" کے صفحہ ۹۹ پر لکھتے ہیں :-

"احمدی مبلغ نہ صرف ہندوستان کے مختلف حصّوں میں بھیجے جاتے ہیں بلکہ انہیں شام، مصر اور انگلستان میں بھی بھیجا جاتا ہے اور پھر اُن کا کام صرف یہی نہیں کہ وہ لوگوں کو اسلام میں داخل کریں بلکہ وہ برطانوی عوام کے نقطۂ نظر کو اسلام کے بارے میں نہایت بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اُن کے دلوں میں اسلام کے متعلق ہمدردی، خلوص اور یگانگت کے جذبات پیدا کر کے وہ تمام غلط فہمیاں اور کدورت دُور کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو دلوں میں پیدا ہو گئی ہوں اُن کی کوشش ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ہے"

پھر جناب سر ٹامس آرنلڈ اپنی کتاب "ISLAMIC FAITH" کے صفحہ ۷۰-۷۱ پر لکھتے ہیں:-

"حضرت احمد (علیہ السلام) کی جماعت کا اکثر حصّہ تو پنجاب میں ہے۔ لیکن اُن کے مبلّغین نہایت سرگرمی سے اشاعتِ اسلام کا کام انگلستان، جرمنی، برطانوی مقبوضات کے علاقوں میں اور اُن کے علاوہ دُنیا کے دوسرے علاقوں میں بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف عام مسلمانوں کو نئے سرے سے اسلام میں داخل کیا ہے بلکہ وہ بہت سے عیسائیوں کو بھی حلقہ بگوش اسلام کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں"

پھر پروفیسر ایچ۔ اے۔ گِب (PROF. H.A. GIBB) اپنی کتاب "WHITHER ISLAM" کے صفحہ ۲۱۴ پر تحریر فرماتے ہیں :-

"تحریک احمدیت نے اپنی فعّالیت اور کشش کے باعث تمام دُنیا میں اپنے پیروکار پیدا کر لئے ہیں۔ اس تحریک کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب تھے جو قادیان (پنجاب) کے رہنے والے تھے۔ جاوا اور سماٹرا کے ممالک میں اِس تحریک نے دوسری اسلامی تنظیموں کے بالمقابل اپنے آپ کو بہت زیادہ مؤثر بنا لیا ہے۔ احمدیت کے عقائد ایک خاص اخلاقی رنگ رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ دانش کے لئے یہ تحریک بہت زیادہ کشش کا باعث ہے۔"

پھر اس کے بعد ولیم کیش (WILLIAM CASH) اپنی کتاب "EXPANSION OF ISLAM" کے صفحہ ۲۲۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ فرقہ (جماعت احمدیہ) مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سب سے زیادہ اشاعتِ اسلام کی تڑپ رکھنے والا ہے"

جناب باسل میتھیوز (BASIL MATHEWS) اپنی کتاب "YOUNG ISLAM INTREK" کے صفحہ ۱۳۶ پر لکھتے ہیں:۔

"باوجود اس کے کہ اس جماعت (جماعت احمدیہ کی تعداد تھوڑی ہے مگر اس کا اثر ونفوذ اس کے مقابل پہ بہت زیادہ ہے"

ان تمام حوالہ جات کو پیش کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ میں آپ کی خدمت میں یہ واضح کروں کہ دوسرے مقتدر اصحاب جماعت احمدیہ کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔ اور یہ بالکل سچ ہے کہ جماعت احمدیہ اپنا ایک خاص اور منفرد مقام رکھتی ہے اور اس جماعت کا مرکز قادیان تمام دُنیا کے احمدیوں کی سرگرمیوں اور ان کی تبلیغی مساعی کا مرکز ہے کیونکہ اسی مقام سے انہیں ایک رُوحانی کشش حاصل ہوتی ہے اور یہی جماعت کی تبلیغی تڑپ کی جان ہے۔ مَیں آپ کے سامنے بالکل سادہ حقائق پیش کر رہا ہوں چنانچہ اسی سلسلے میں جب مَیں آپ کے سامنے سکھ صاحبان کے تین مقدس مذہبی مقامات کا ذکر کروں گا تو آپ پر قادیان اور ان مذہبی مقامات کا فرق واضح ہو جائے گا۔۔۔۔

جماعت احمدیہ کے افراد کو جو بے پناہ عقیدت اور محبّت اپنے امام یعنی بانیٔ سلسلہ احمدیہ سے ہے اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ سن ۱۹۰۰ء میں قادیان کی آبادی بمشکل چالیس پچاس احمدی گھرانوں پر مشتمل تھی۔ یہ بستی فقط ایک معمولی سا گاؤں تھا جس کی کوئی بھی خصوصیت قابل ذکر نہ تھی۔ نہ یہاں ذرائع آمد و رفت تھے اور نہ ہی کوئی سلسلہ رسل و رسائل۔ غرضکہ اس وقت کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ بستی کسی وقت ایک عظیم الشان اور ترقی یافتہ قصبہ کی شکل اختیار کرلے گی۔

جسٹس تیجا سنگھ: اس فرقے کی بنیاد کب پڑی؟

شیخ بشیر احمد: یہ فرقہ ۱۸۸۹ء میں قائم ہوا۔ مَیں عرض کر رہا تھا کہ سن ۱۹۰۰ء میں اس کی آبادی چند گھروں سے زائد نہیں تھی۔ مگر اس کے بعد رفتہ رفتہ لوگوں نے دُور و نزدیک سے اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ کر یہاں

آباد ہونا شروع کیا تاکہ وہ اپنے مقدس امام کے قدموں میں بیٹھ کر روحانی فیض حاصل کریں اور اپنے علم اور معرفت کی تشنگی کو بجھائیں۔ آج قادیان کی آبادی پندرہ ہزار نفوس سے زائد ہے جس میں تقریباً ۹۰ فیصدی احمدی ہیں۔ مَیں یہ وضاحت اس لئے کر رہا ہوں تاکہ آپ کو علم ہو سکے کہ جماعت کے لوگوں کو اپنے مرکز سے کس قدر محبت اور عقیدت ہے۔ آج قادیان میں بنگال، آسام، بہار، اڑیسہ، یوپی، سی پی، حیدرآباد دکن، مدراس، بمبئی، سندھ، لنکا، افغانستان، ماریشس، انڈونیشیا، ترکی، شام، چین اور انگلستان تک سے آنے والے لوگ آباد ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اپنے وطن سے پہلے تو اس نیت کے ساتھ آئے کہ یہاں عارضی رہائش رکھ کر دین سیکھیں مگر پھر اُن میں سے بڑی اکثریت یہیں مستقلاً آباد ہو گئی اور انہوں نے قادیان کو اپنا وطن بنا لیا۔

مرکز احمدیت کی عالمگیر کشش اور تحریکِ احمدیت کی ہمہ گیری کا اندازہ آپ اس امر سے بھی کر سکتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کی شاخیں امریکہ، کینیڈا، ارجن ٹائن، انگلستان، فرانس، سپین، اٹلی، شام، فلسطین، ایران، افغانستان، چین، لنکا، ماریشس، برما، ملایا، انڈونیشیا، کینیا، ٹانگانیکا، یوگنڈا، ابی سینیا، سوڈان، نائیجیریا، گولڈ کوسٹ اور سیرالیون میں قائم ہیں۔ ان میں سے بعض مقامات پر سینکڑوں کی تعداد میں مقامی احمدی احباب موجود ہیں جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ جماعت نہ صرف گنتی کے لحاظ سے مضبوط ہے بلکہ اس کو ایک بین الاقوامی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔

جناب والا! اب مَیں آپ کے سامنے سکھوں کے ان دعاوی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جن کی بنیاد ان کے مقدس مذہبی مقامات پر ہے۔ ان کے نزدیک ننکانہ صاحب کا مقام اس لئے مقدس ہے کہ وہاں حضرت باباگورونانک کی پیدائش ہوئی۔ سری گوبند پور اس لئے مقدس ہے کہ وہ سکھوں کے تیسرے گورو کے ساتھ ایک خاص تعلق رکھتا ہے اور امرتسر کے مقام کو اس لئے تقدیس حاصل ہے کہ اس کا تعلق سکھوں کے چوتھے گورو صاحب کے ساتھ ہے۔ مَیں ان دعاوی کے متعلق سکھ صاحبان کے مذہبی جذبات کے پیشِ نظر کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا۔ مگر مَیں یہ ضرور عرض کروں گا کہ اگر آپ ان مقامات کی آبادی کا نقشہ اور ان کے اعداد و شمار ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ امرتسر میں سکھوں کی آبادی کا تناسب ۱۵/۰۲ فیصدی ہے۔ ننکانہ صاحب میں جہاں کہ حضرت باباگورونانک صاحب کی پیدائش ہوئی سکھوں کی تعداد تیرہ ہزار کی آبادی میں سے صرف ۷۲۴ ۵ ہے اور سری گوبند پور تو

ایک معمولی گاؤں ہے اور کسی جہت سے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ بیشک یہ مقامات مقدس ہیں مگر سکھ صاحبان ان سے کوئی رُوحانی فیض حاصل نہیں کر رہے۔

سردار دربارا سنگھ۔ مَیں شیخ بشیر احمد صاحب کے ان الفاظ کے خلاف پرزور احتجاج کرتا ہوں۔ انہوں نے یہ کہہ کر کہ "سکھ ان مقامات سے کوئی فیض حاصل نہیں کر رہے" سکھوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔ مَیں بڑی تحدّی کے ساتھ یہ کہوں گا کہ یہ مقامات سکھوں کے مقدس مقامات ہیں اور وہ اُن سے رُوحانی فیض حاصل کرتے ہیں۔

جسٹس دین محمد۔ وہ کسی فرقے کے جذبات کو مجروح نہیں کر رہے۔ وہ صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ان مقامات پر سکھ نہایت مختصر تعداد میں ہیں۔

سردار دربارا سنگھ: اپنے جوش کے عالم میں انہوں نے یقیناً سکھوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔

جسٹس تیجا سنگھ: یہ کمشن کا کام ہے کہ وہ دیکھے کہ اُن کے دلائل میں کس قدر وزن ہے۔

سردار دربارا سنگھ: جو کچھ شیخ بشیر احمد صاحب نے کہا ہے مَیں اس کے خلاف پُرزور احتجاج کرتا ہوں۔

جسٹس دین محمد: آپ کا "احتجاج" نوٹ کر لیا گیا ہے۔ مَیں شیخ بشیر احمد صاحب سے کہوں گا کہ وہ اپنی طرف سے نتائج نکالنے پر زور نہ دیں۔ صرف اصل اعداد و شمار پیش کریں۔

شیخ بشیر احمد: جماعت احمدیہ کی ۷۴۵ شاخیں ہیں اور ان میں سے ۷۰۴ پاکستان میں واقع ہیں گویا تقریباً ۹۴ فیصدی شاخیں اس علاقے میں آتی ہیں جہاں پاکستان قائم ہوگا۔ پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ جماعت کا مالی نظام چندوں کی اُن رقوم پر قائم ہے جو جماعت کے افراد اپنی خوشی اور رضاء رغبت سے اپنی مرکزی انجمن کو بھیجتے ہیں۔ پس اقتصادی لحاظ سے بھی یہ نہایت ضروری ہے کہ قادیان کو پاکستان کے علاقے میں شامل کیا جائے۔ پھر اس کے علاوہ یہ بھی واقعہ ہے کہ مرکزی انجمن احمدیہ کا تقریباً ۱۵ ہزار ایکڑ رقبہ آراضی جو اس کا اپنا خرید کردہ ہے پاکستان کی حدود میں واقع ہے اور اس اراضی سے کئی گُنا زیادہ قیمت کی جائدادیں جو جماعت احمدیہ کے افراد کی ملکیّت ہیں پاکستان کی حدود میں واقع ہیں۔ ان حقائق کی رُو سے بھی قادیان پاکستان میں شامل ہونے کا حق رکھتا ہے۔

اب مَیں جماعت احمدیہ کے لٹریچر کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس حقیقت پر چنداں زور دینے کی ضرورت نہیں کہ جماعت احمدیہ کے لٹریچر کا کثیر حصّہ اُردو زبان میں ہے اور جماعت کے ادبی

اور ثقافتی سرمائے کی بقاء کے لئے ضروری ہے کہ اس زبان کا یہ تعلق قائم رکھا جائے۔ جہانتک ہمیں معلوم ہوا ہے بھارت میں جس زبان کو ترقی دی جارہی ہے اس کا اُردو زبان سے کوئی واسطہ نہیں اور اگر جماعت کے افراد کو مجبور کیا گیا کہ وہ ہندی زبان سیکھیں جو انڈین یونین کی ملکی زبان ہوگی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جماعت اپنا تمام ادبی اور ثقافتی اثاثہ تباہ کر دے یا اس کی اہمیت کو بالکل ختم کر دے۔ اس کے برعکس اگر وہ اُردو زبان کے ساتھ بدستور اپنا تعلق برقرار رکھنے کی کوشش کریں تو وہ اقتصادی طور پر سخت نقصان اُٹھا رہے ہوں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ لسانی اعتبار سے بھی جماعت احمدیہ کا مرکز پاکستان کے علاقے میں ہو۔

جسٹس تیجا سنگھ: جماعت احمدیہ کا اسلام کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

شیخ بشیر احمد: تمام احمدی اوّل سے آخر تک مسلمان ہیں اور وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا ایک حصہ سمجھتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ایک دُنیا جانتی ہے کہ جماعت احمدیہ کا مقصد اسلام کی اشاعت ہے اور وہ اسلام کے پیغام کو دُنیا کے ہر کنارے تک پہنچانا اپنا فرض اور سعادت سمجھتے ہیں۔ پس اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ ان کے لئے ایسے حالات نہ پیدا کئے جائیں جو انہیں خواہ مخواہ مشکلات میں دھکیل دیں۔ جیسا کہ آپ صاحبان جانتے ہیں۔ بھارت کے ہندوؤں میں ایک فرقہ "سناتن دھرمی" کہلاتا ہے اور یہ لوگ تبدیلیٔ مذہب کے شدید مخالف ہیں۔ پس اگر جماعت احمدیہ کے مرکز کو بھارت کے ماتحت رکھا گیا تو قدرتاً جماعت احمدیہ کے مقصد کو سخت ضعف پہنچے گا۔ اور میں یہ واضح کر دوں کہ شاید جماعت اسے برداشت نہ کر سکے۔

اس کے علاوہ ایک اَور ضروری امر ہے جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا مناسب سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ کمشن کی طرف سے بعض الفاظ کی حدود اور اُن کی تعیین کے سلسلے میں "مُسلم" اور "غیر مُسلم" کی اصطلاحات کی تعریف کی گئی ہے۔

"غیر مُسلم" ایک منفی قسم کی اصطلاح ہے اور اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو اپنے آپ کو "اسلام" کے دائرے سے باہر سمجھتے ہیں۔ لہذا خود کمشن کے نقطۂ نظر کے پیشِ نظر بھی یہ ضروری ہے کہ تمام 'مسلمان کہلانے والوں' کو ایک جماعت کے طور پر الگ حیثیت دی جائے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ 'مسلمان' اور 'غیر مسلمان' کا اطلاق جن لوگوں پر ہو سکتا ہے ان میں قدرتاً ایک امتیاز

اور تفریق پیدا ہو جائے گی اور ان کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو گی۔ مَیں یہ بھی عرض کروں گا۔ کہ "غیر مُسلم" کا لفظ "مُسلم" کے لفظ کی طرح کسی ایک جماعت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ غیر مسلموں میں پارسی، عیسائی اور ہندو وغیرہ سبھی لوگ آجاتے ہیں (اور یہ سب قومیں ہندوستان میں آباد ہیں)۔ چونکہ کمشن کا کام یہ ہے کہ وہ "مُسلم اکثریت والے علاقے" اور "غیر مُسلم اکثریت والے علاقوں" کی واضح طور پر نشان دہی کرے اس لئے تمام مسلمانوں کو بہرحال ایک ہی 'وحدت' کے طور پر شمار کرنا زیادہ مفید ہوگا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صرف "مسلمان" ہی وہ جماعت ہیں جو خود علیحدہ طور پر شمار کئے جانے کا حق رکھتے ہیں (سِکھ صاحبان "غیر مسلموں" کے زمرے میں آتے ہیں) اور کمشن کے فرائض و مقاصد کی رُو سے صرف مسلمان ہی ہیں جن کی اکثریت والے علاقے کی تعیین اس وقت ہمارا کام ہے یاد رہے کہ مُلک کی تقسیم "مذہب" کے اصول کی بناء پر ہو رہی ہے اور قادیان کی حیثیت اس وقت بین الاقوامی یُونٹ کی سی ہے جو دُنیائے اسلام کے ساتھ ایک مضبوط اور گہرا تعلق رکھتا ہے اور مَیں یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ جب پاکستان بنے گا تو بہرحال اسلامی ملکوں سے اس کے گہرے روابط قائم ہوں گے اور جہانتک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے اُسے بہرحال ان ممالک کے ساتھ تعلقات رکھنے میں زیادہ سہولت حاصل ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ میری درخواست ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے اس مطالبے پر نہایت ہمدردانہ غور فرمایا جائے۔

مَیں آخری گذارش کے طور پر یہ بھی عرض کروں گا کہ سِکھوں کو بوجہ اس حُسنِ خدمت کے جو انہوں نے انگریزی حکومت کے لئے سرانجام دی ایک وسیع و عریض نہری رقبہ بطور عطیہ کے عطا فرمایا گیا۔ اسی طرح جماعت احمدیہ بھی یہ کہنے کا حق رکھتی ہے کہ وہ بھی اپنی خدمات میں ہرگز پیچھے نہیں۔ ضمیمہ ۳ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جماعت احمدیہ کے ۱۹۹ ممتاز افراد نے فوج میں کمشن حاصل کیا اور انہوں نے حکومت کے لئے نہایت قابلِ تعریف خدمات سرانجام دیں۔ پس اس بناء پر جماعت احمدیہ کا مطالبہ اولین اہمیّت کا حامل ہے اور اس قابل ہے کہ اسے انصاف کے تقاضوں کے مطابق پورا پورا حق دیا جائے۔

مَیں یہ بھی عرض کروں گا کہ جماعت احمدیہ نے اپنی خدمات کے عوض کبھی انعام یا عطیہ جات کی خواہش یا مطالبہ نہیں کیا۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ ہم حکومتِ وقت کے ساتھ پُورا پُورا تعاون کرتے ہیں۔ ہم آئندہ

بھی قانون کا پُورا احترام کریں گے اور حکومتِ وقت کے ساتھ دلی تعاون اور اطاعت کے جذبے سے کام لیں گے۔

ہمارے سکھ دوستوں نے اس امر پر زور دیا ہے کہ اُن کی اقتصادی بہبود پر کسی صورت میں بھی آنچ نہیں آنی چاہیئے اور انہوں نے اس سلسلے میں انکم ٹیکس وغیرہ کے اعداد و شمار بھی پیش کئے ہیں۔ مَیں فقط یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انکم ٹیکس کے پیش کردہ اعداد و شمار ان کی اقتصادی برتری یا بہبود کی دلیل نہیں۔ یہ عطیہ جات تو اُن کی خدمات کے عوض بطور انعام کے ہیں جو انہیں دیئے گئے۔ اب وہ اگر ان اعداد و شمار کو مزید رقبہ حاصل کرنے کے لئے بطور دلیل کے استعمال کرنا چاہتے ہیں تو یہ صریح زیادتی ہوگی کیونکہ ان کی خدمات کا حق انہیں پہلے ہی مل چکا ہے۔

پس انہی الفاظ کے ساتھ مَیں جماعت احمدیہ کا کیس آپ کی پُوری توجّہ کے لئے پیش کرتا ہوں۔ اور اسے ختم کرتا ہوں۔

صُوبہ سرحد کا استصواب اور جماعت احمدیہ کے وفد کشمیر کا تعاون

۳ر جون ۱۹۴۷ء کی برطانوی سکیم میں صوبہ سرحد کے عوام کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ پاکستان یا ہندوستان دستور ساز اسمبلی میں شرکت کرنے کے لئے رائے دیں۔

قائدِ اعظم نے صوبہ سرحد کے معرکۂ استصواب کی خصوصی اہمیّت کے مدّنظر صوبہ سرحد مُسلم لیگ کے مسلمانوں اور تمام لیگی لیڈروں کو ہدایت فرمائی کہ وہ سرحد کے مسلمانوں کو اس طرح منظم کریں کہ سرحد اس رائے شماری میں متفقہ طور پر پاکستانی دستور ساز اسمبلی میں شمولیت کا فیصلہ کرلے۔ قائدِ اعظم کی اپیل کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ ۱۷ر جولائی ۱۹۴۷ء کو تمام سرحد کے تمام حلقہ جات انتخاب میں پولنگ ختم ہوا۔ اور قریباً دو لاکھ اکانوے ہزار ووٹروں نے پاکستان کے حق میں اور قریباً دو ہزار ووٹروں نے اس کے خلاف ووٹ دیئے اور صوبہ سرحد پاکستان میں شامل ہو گیا۔[1]

اس استصواب عامہ میں جماعت احمدیہ نے سرحد مسلم لیگ کا ہاتھ بٹانے اور سرحدی مسلمانوں کو پاکستان میں شریک کرنے کی جدوجہد میں سرگرم حصّہ لیا چنانچہ جناب خواجہ غلام نبی صاحب گلکار ایم ایل اے کشمیر اسمبلی کی سرکردگی میں جماعت احمدیہ کشمیر کا ایک خصوصی وفد ان دنوں سرحد میں پہنچا اور اس نے اپنی خدمات

---

[1] "الفضل" ۲۱ر وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸ کالم ۲۔

سرحد مسلم لیگ کے سپرد کیں اور سنہری خدمات انجام دیں جس کا اقرار مسلم لیگ ریفرنڈم کمیٹی کے پریذیڈنٹ نے حسب ذیل الفاظ میں کیا :-

"وفد نے ہمارا بہت ہاتھ بٹایا اور صحیح اسلامی رُوح کا مظاہرہ کیا ہے۔ اُن کا یہ جذبہ اعانت و اخوت کشمیر اور سرحد کے تعلقات کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔ اُن کی یہ مساعی بہت ہی قابل شکریہ ہیں"[۱]

فصل نہم

قائداعظم کی طرف سے مسلم لیگ کی ترجمانی کیلئے چودھری محمد ظفر اللہ خاں کا انتخاب

آپ کا حقیقت افروز محضر نامہ اور مدلّل اور فاضلانہ بحث

قائداعظم کی خوشنودی اور اخبار "نوائے وقت"۔ جسٹس محمد منیر اور جسٹس کیانی کا زبردست خراج تحسین

سکھ اور ہندو پریس کا واضح اعتراف

قائداعظم سے چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی اہم ملاقات اور مسلم لیگ کی وکالت کیلئے آپ کا تقرر

جماعت احمدیہ کی طرف سے امریکہ اور برطانیہ میں باؤنڈری لٹریچر اور اس کے ماہر کی تلاش کا کام ابھی ابتدائی مراحل ہی میں تھا کہ پنجاب مُسلم لیگ نے تجویز کیا کہ پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب وکیل کے فرائض انجام دیں۔ پنجاب مُسلم لیگ نے دہلی میں قائداعظم کی خدمت میں اپنی رائے کی اطلاع دی جس پر قائداعظم کی خصوصی ہدایت پر نوابزادہ لیاقت علی خاں نے چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو تار دیا کہ قوم کو آپ کی

---

[۱] "الفضل" ۱۲ ظہور / اگست ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۲ ۔

خدمات کی ضرورت ہے۔ آپ فوراً قائداعظم سے ملیں۔ چودھری صاحب موصوف اُن دنوں حضرت مصلح موعود کی اجازتِ خاص سے نواب سر حمید اللہ خاں صاحب والیٔ بھوپال کے آئینی مشیر کی حیثیت سے بھوپال میں مقیم تھے اور عنقریب ریاستوں کے آئینی مستقبل کی وضاحت کے لئے انگلستان روانہ ہو رہے تھے۔

چنانچہ ملّتِ اسلامیہ کا یہ مایۂ ناز، جانباز اور قابل فخر سپاہی (جو ۱۹۲۷ء میں "مُسلم آؤٹ لُک" کے مشہور مقدمہ ناموس رسُول کی شاندار وکالت کرنے کے بعد سے اب تک قوم و ملک کی انتہائی بے لوث اور بیحد مخلصانہ خدمت میں برابر مصروف تھا اور آزادیٔ ہند کے معرکہ میں ایک انقلابی اور فیصلہ کُن کردار ادا کر چکا تھا)[1]، مُسلمانانِ ہند کے مقبول و محبوب سیاسی رہنما کی دعوت پر لبیک کہتا ہوا ۱۷ / جون ۱۹۴۷ء کو بھوپال سے دہلی پہنچ گیا۔

قائد اعظم نے دوران ملاقات آپ کو حد بندی کمیشن کے سامنے پنجاب مُسلم لیگ کی وکالت کا اہم اور نازک فریضہ سونپا اور بتایا کہ اگر کمیشن میں باہمی کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا تو پھر یہ معاملہ ایک آزاد ثالث کے ذریعہ سے طے کرایا جائے گا۔ قائد اعظم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وہ پاکستان دستور ساز اسمبلی کے لئے انگلستان سے ایک ماہر دستور اور ایک عمدہ ڈرافسمین بھی ساتھ لائیں جو اس سلسلہ میں مفید کام کر سکے۔

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے قائد اعظم سے ملاقات کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ مُسلم لیگی کارکنوں کو باؤنڈری کمیشن کے سلسلہ میں بعض ضروری ہدایات دیں اور پھر پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق جُون کے آخری ہفتہ میں[2] انگلستان تشریف لے گئے جہاں آپ ہندوستانی ریاستوں کے حکمرانوں کے اہم اجلاس میں شرکت اور مسٹر اٹیلی وزیر اعظم برطانیہ اور دوسرے برطانوی افسروں سے مذاکرات کے بعد ۱۱ / جولائی[3] کو

---

[1] تاریخ احمدیت جلد پنجم (صفحہ ۵۷۷ - ۵۹۶) میں برصغیر کے اس مشہور مقدمہ کی روداد آچکی ہے۔ لاہور کے مسلمان وکلاء کے متفقہ فیصلہ پر آپ اس مقدمہ کی وکالت کے لئے پیش ہوئے تھے آپ نے اپنی عدالتی تقریر ان تاریخی الفاظ پر ختم فرمائی کہ:۔

"حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کے احکام کے سامنے دنیا کی چالیس کروڑ آبادی کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں جن کی غلامی پر دنیا کے جلیل القدر شہنشاہ، عظیم الشان وزراء، مشہور عالم جرنیل اور کرسیٔ عدالت پر رونق افروز ہونے والے جج (جن کی قابلیت پر زمانہ کو ناز ہے) فخر کرتے ہیں۔ ایسے انسان کامل کے متعلق راجپال کی ذلیل تحریر کو کسی جج کا یہ قرار دینا کہ اس سے نبی کریمؐ کی کوئی ہتک نہیں ہوئی تو پھر مسلم آؤٹ لُک کے مضمون سے بھی یہ فیصلہ قرار دینے والے کو کہ اس سے کسی کی کوئی تحقیر نہیں ہوئی ہم صائب الرائے ٹھہراتے ہیں"

اس موقعہ پر مولوی ظفر علی خاں صاحب فرطِ جوش سے آبدیدہ ہو گئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور چودھری صاحب کا ہاتھ چوم کر آپ کو گلے سے لگا لیا ("دور جدید" لاہور ۱۶ / اکتوبر ۱۹۲۷ء صفحہ ۳ - ۴)۔

[2] بعض کاغذات سے آپ کی روانگی کی تاریخ ۲۴ / جون متعین ہوتی ہے۔

[3] "الفضل" ۱۴ / وفا / جولائی ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۸۔

انگلستان سے روانہ ہو کر ۱۳ر جولائی ۱۹۴۷ء کو لاہور پہنچے اور اگلے روز حد بندی کمیشن کے پہلے اجلاس میں شریک ہوئے جس میں فیصلہ ہوا کہ تمام جماعتیں اپنے اپنے میمورنڈم ۱۸ر جولائی ۱۹۴۷ء کو چار بجے دوپہر تک پیش کر دیں۔

مُسلم لیگ کا محضر نامہ پنجاب حد بندی کمیشن میں

چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے تین چار روز کے مختصر وقت میں مُسلم لیگ کا محضر نامہ کن مشکلات کے ہجوم میں لکھا، کمیشن کے صدر ریڈ کلف نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا اور پھر کس طرح حق و انصاف کا خون کیا اس کی تفصیل اگلے اوراق میں چودھری صاحب کے الفاظ میں آرہی ہے۔ اس مقام پر آپ کے لکھے ہوئے حقیقت افروز محضر نامے کا ترجمہ دینا چاہتے ہیں جو حد بندی کمیشن میں مُسلم لیگ کی طرف سے پیش کیا گیا تھا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

یہ میمورنڈم مُسلم لیگ کی طرف سے پنجاب بوُنڈری کمیشن کو پیش کیا گیا

۱۔ اُن اختیارات کی رُو سے جو ملک معظم کی حکومت کی طرف سے اُن کے اعلان مجریہ ۳ر جون ۱۹۴۷ء کی رُو سے باؤنڈری کمشن کو تفویض کئے گئے ہیں، اس کمشن نے اُن اہم ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ہے جو ملک کی موجودہ نازک صورت حالات میں اس کے سامنے ہیں۔ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے کے لئے کمشن کے لئے لازمی ہے کہ وہ اس پسِ منظر کو بھی سامنے رکھے جس کی بناء پر اس مُلک کی تقسیم لازمی قرار دی گئی ہے اور جس کے نتیجہ میں اس وقت پنجاب کی تقسیم بھی پیش نظر ہے۔

۲۔ وہ بڑے بڑے علاقے جو اس وقت صوبہ پنجاب میں شامل ہیں انتظامی لحاظ سے بھی اور تمدنی اور لسانی اعتبار سے بھی ایک وحدت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تمام صوبہ ایک ''اقتصادی یُونٹ'' کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ اس کے مختلف حصے اپنی اقتصادی اور ثقافتی ترقی و بہبود کے لئے ایک دوسرے پر مکمل انحصار رکھتے ہیں۔ گذشتہ نصف صدی سے لوگوں کی طرز رہائش اور ان کا معیار زندگی آپس میں ایک دوسرے سے مسلسل میل جول اور تعلقات کی وجہ سے بہت حد تک یکساں ہو گیا ہے اور اس کی وجہ سے پنجاب کی ''وحدت'' ایک ٹھوس حقیقت بن گئی ہے۔

۳۔ اس بناء پر پنجاب کی تقسیم اصولاً خطرناک نتائج کا سبب بن سکتی ہے۔ 'خطرناک' اس لئے کہ اگر اس صوبے کو تقسیم کر دیا جائے تو لوگوں کی ترقی، خوشحالی اور مجموعی طور پر اس صوبہ کی بہبودی اور اس کے مستقبل پر اس کا نہایت ہی ناخوشگوار اثر پڑے گا۔

۴۔ ملک معظّم کی حکومت نے پنجاب کی تقسیم کا جو فیصلہ کیا ہے وہ اپنی خوشی اور رغبت سے نہیں کیا۔ اور پھر یہ بھی نہیں کہ وہ اس کے نتائج سے بے خبر تھی بلکہ یہ فیصلہ مجبوراً ملک میں سیاسی پارٹیوں کی آویزش اور اس کے باہمی سمجھوتے کی راہ میں پیدا ہونے والے تعطّل کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ ملک معظّم کی حکومت یہ محسوس کرتی ہے کہ اس تعطّل کو دُور کرنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ پنجاب اور بنگال کو تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی حالات سے قطع نظر کر کے موجودہ حالات کے اُن خاص پہلوؤں کو سامنے رکھیں جن میں سے بعض کی نشاندہی جناب وائسرائے کی طرف سے نشر کردہ اعلان مورخہ ۳ر جون ۱۹۴۷ء میں کی گئی ہے۔ یہ نشری اعلان درحقیقت ملک معظّم کی حکومت کے اسی تاریخ کے اعلان کے لئے بطور تمہید کے ہے۔ جناب وائسرائے صاحب نے فرمایا ہے:-

> "مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان میں نہ تو کیبنٹ مشن کی تجاویز پر اور نہ ہی کسی اور تجویز پر کوئی ایسا سمجھوتہ ممکن ہو سکا ہے جس سے ہندوستان کی وحدت اور سالمیت برقرار رہے ہم ایسے علاقوں میں جہاں ایک فرقہ کی اکثریت آباد ہے انہیں مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف کسی دوسرے فرقے کی اکثریت کی حکومت کے ماتحت زندگی بسر کریں۔ اس کا لازمی نتیجہ ملک کی تقسیم ہے۔
>
> چنانچہ جب مُسلم لیگ نے ملک کی تقسیم کا مطالبہ کیا تو کانگرس نے انہی دلائل اور انہی وجوہات کی بناء پر بعض صوبوں کی تقسیم کا مطالبہ بھی پیش کر دیا۔ میرے نزدیک یہ دلائل بالکل معقول ہیں۔ کسی بھی فریق نے اپنے اکثریت والے علاقے کو دوسرے کی حکومت میں تحویل کرنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔ . . . .
>
> چنانچہ پنجاب، بنگال اور آسام کے ایک حصّے میں رہنے والے لوگوں کی رضامندی کی خاطر یہ ضروری ہوگیا ہے کہ ان صوبوں میں "مُسلم" اور "غیر مُسلم" اکثریت والے علاقوں کی حدود کی تعیین کر دی جائے۔ گو یہ وضاحت بھی میں کر دینا چاہتا ہوں کہ معیّن طور پر

ان حدود کو مقرر کرنا باؤنڈری کمشن کا کام ہوگا اور یہ ضروری نہیں ہوگا کہ کمشن انہی حدود کو تسلیم کرے جو آج عارضی طور پر طے کر لی گئی ہیں۔

ہم نے سکھوں کی پوزیشن پر بھی کما حقہٗ غور کیا ہے۔ یہ بہادر فرقہ اس وقت پنجاب کی آبادی کا ⅛ ہے مگر ان کی رہائش اور آبادی اتنی بکھری ہوئی ہے کہ پنجاب کو خواہ کسی طریق پر تقسیم کر دیا جائے سکھ بہر حال تقسیم ہو کر رہ جائیں گے۔ مجھے افسوس ہے کہ یہ تقسیم جس کا خود سکھ بھی مطالبہ کرتے ہیں انہیں ٹکڑوں میں بانٹ دے گی۔ مگر یہ فیصلہ کہ معین طور پر تقسیم کس طرح عمل میں لائی جائے گی باؤنڈری کمشن کا کام ہوگا اور اس کمشن میں سکھوں کو نمائندگی دی جائے گی"

جناب وائسرائے کے اعلان کے مندرجہ بالا اقتباسات سے ثابت ہے کہ صوبہ پنجاب کی تقسیم غیر مسلم اصحاب کے اس اصرار اور ان کی عدم رضامندی کا نتیجہ ہے کہ وہ کسی طرح بھی اپنے اکثریت والے علاقوں کو صوبے کی اس حکومت کے سپرد نہیں کرنا چاہتے جس میں کہ مسلمانوں کو مجموعی لحاظ سے اکثریت حاصل ہے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ ایسے علاقے جہاں انہیں اکثریت حاصل ہے اور جن کی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں پنجاب سے بالکل الگ کر دیئے جائیں۔ جناب وائسرائے صاحب نے فرمایا تھا کہ جن دلائل کی بناء پر مسلم لیگ نے ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ کیا تھا انہی دلائل کی بناء پر کانگرس بھی بعض صوبوں کی تقسیم عمل میں لانا چاہتی ہے۔

مسلم لیگ کی طرف سے تقسیم کا مطالبہ اس اصول پر تھا کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان میں مسلمانوں کی الگ اور آزاد حکومت قائم کی جائے۔ علیحدگی کا یہ مطالبہ نہ تو ان علاقوں کے مذہبی تقدس کی بناء پر تھا اور نہ ہی تاریخی روابط پر تھا، نہ ہی اس میں کوئی جذباتیت تھی، نہ ہی جائدادوں کا کوئی سوال تھا اور نہ ہی اس مطالبے کا محرک کوئی تہذیبی یا تمدنی امور تھے کہ جن کی بناء پر یہ علیحدگی ضروری ہوتی۔ ملک کی تقسیم کا یہ مطالبہ فقط اس اصول پر تھا کہ جن صوبوں میں ایک فرقہ کو اکثریت حاصل ہے اس فرقے کو انسانی اور جمہوری حقوق کی بناء پر یہ حق بھی دیا جائے کہ وہ اپنے قائم کردہ نظام کے مطابق اس میں زندگی بسر کر سکے۔ مسلم لیگ کو علم تھا کہ علیحدگی کے اس اصول کے مطابق اسے اپنے بہت سے عظیم الشان اور نہایت ہی اہم تاریخی اور تمدنی ورثہ سے بھی محروم ہونا پڑے گا جو اس کی تہذیب و

ثقافت کا طغرائے امتیاز ہے۔ مثال کے طور پر دہلی کی جامع مسجد، لال قلعہ، قطب مینار، تغلق آباد، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اور دیگر اولیاء اللہ کے عظیم الشان مقابر اور ان کی یادگاریں، شاہ ہمایوں اور دوسرے مسلمان بادشاہوں کے عالیشان مقبرے اور پھر تاج محل جیسی حسین تخلیق جو صرف فنِ تعمیر کے اعتبار سے ہی یگانۂ روزگار نہیں بلکہ اپنے جمالیاتی ذوق کی بناء پر بھی مرجع خلائق ہے اور اہلِ نظر و بینش کے لئے ایک عجیب رُوحانی کیف کا سامان رکھتی ہے۔ شہنشاہ اکبر جیسے بلند ترین انصاف پسند بادشاہ کا عالیشان مقبرہ جو سکندریہ کے مقام پر دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے، حضرت اعتماد الدولہ کا مقبرہ، فتح پور سیکری کا شاہی مقام اور آگرے کے گرد و نواح میں قلعے، محلات، مساجد اور دیگر یادگاری عمارتوں اور مقابر کا عظیم المرتبت سلسلہ۔ اس کے علاوہ لکھنؤ کے گرد و نواح میں عظیم الشان یادگاری مقامات، اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کا مقدس اور عالیشان مقبرہ جس کے ارد گرد کئی اولیاء اللہ کے مقابر اور ان کی مقدس یادگاریں قائم ہیں۔ بنارس میں حضرت شہنشاہ اورنگ زیب کی دیدہ زیب مسجد، پٹنہ اور بہار شریف میں کئی تاریخی مقدس یادگاریں، مقابر اور عمارات جو تاریخ کے ابواب میں سنہری آب و تاب کا حکم رکھتی ہیں اور مسلمانوں کے زرّیں دورِ حکومت کے لئے ایک مشعلِ راہ کا کام دیتی ہیں اور جن کے ساتھ عام مسلمانوں کو ایک خاص جذباتی اور رُوحانی وابستگی ہے، ان تمام یادگاروں کے متعلق مُسلم لیگ کو علم تھا کہ ہندوستان کی تقسیم کے وقت انہیں ان سب سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ پھر اس کے علاوہ وہ لاکھوں اور کروڑوں روپے کی جائدادیں، بالخصوص اودھ میں وہ وسیع و عریض تعلقے جن پر رئیسانِ اودھ برسوں سے قابض ہیں اور ہزاروں مسلمانوں کی بے اندازہ جائداد اور وسیع تر اراضیات جو اس صُوبے میں اور مختلف علاقوں میں مسلمانوں کا سرمایہ ہیں اور جو اس امر کا ثبوت ہیں کہ کس طرح صدیوں سے مسلمانوں کی برتری کا پرچم اور ان کی حکمرانی کا جھنڈا یہاں کی سرزمین پر لہراتا رہا۔ یہ تمام عظیم الشان ورثہ انہیں چھوڑنا پڑے گا۔ ان تمام امور کے باوجود مُسلم لیگ نے اور عامۃ المسلمین کے ذہن نے کبھی اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا کہ انسانی اقدار دولت اور مادی وسائل سے زیادہ اہم ہیں اور انسانی رُوح کی عظمت ان تمام مادّی اور جسمانی ذخائر پر حاوی ہے۔ مُسلم لیگ کا ان متذکرہ امور کے بارے میں طرزِ عمل یا نقطۂ نگاہ کچھ بھی ہو۔ یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ان کی طرف سے تقسیم کے مطالبے

کی فقط ایک ہی بنیاد تھی اور وہ "آبادی کی اکثریت" کا اصول تھا۔ خود ہز ایکسیلنسی وائسرائے صاحب بہادر نے بھی یہ فرمایا ہے کہ جو دلائل مُسلم لیگ کی طرف سے ہندوستان کی تقسیم کے لئے پیش کئے گئے ہیں انہی دلائل کی بنا، پر کانگرس نے بھی بعض صوبوں کی تقسیم کا مطالبہ پیش کیا ہے اور لیگ کے مطالبے کی بنیاد جیسا کہ اُوپر عرض کیا جاچکا ہے آبادی کی اکثریت کا اصول ہے۔ لہذا صاف ثابت ہے کہ یہی اصول غیر مُسلموں کے مطالبے میں بھی کار فرما ہے اور اسی اصول کے متعلق ملک معظّم کی حکومت کے اعلان مجریہ ۳ر جون ۱۹۴۷ء میں اشارہ بھی کیا گیا ہے۔

اس اعلان کا پیراگراف ۹ حسب ذیل ہے :۔

"تقسیم کے جُملہ امور کے تصفیہ کے لئے بنگال اور پنجاب کی لیجسلیٹو (قانون ساز) اسمبلیوں کے ممبران دُو گروپوں میں منقسم ہوجائیں گے۔ ایک گروپ اُن ضلعوں سے متعلق ہوگا (جیسا کہ ضمیمہ سے ظاہر ہے) جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور دوسرا گروپ ان ضلعوں سے تعلق رکھنے والا ہوگا جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہے فی الحال یہ اقدام ایک عارضی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ صوبوں کی حدود کی تعیین کا سوال جو بعض امور کی تحقیقات کے بعد کیا جائیگا اس باؤنڈری کمیشن کے فیصلے پر منحصر ہوگا۔ جسے گورنر جنرل مقرر فرمائیں گے۔ گورنر جنرل ہی اس کمشن کے ممبران کو مقرر کریں گے اور وہی اس کا دائرہ کار تجویز فرمائیں گے۔ جب یہ کمشن مقرر ہوجائے گا تو وہ پنجاب کے دونوں حصّوں کی حدود کی تعیین کرے گا جس کی بنیاد "مُسلم اکثریت والے علاقے" اور "غیر مسلم اکثریت والے علاقے" ہوں گے۔ یعنی ایسے علاقے جہاں دونوں قوموں کی الگ الگ اکثریت ہو اور وہ پنجاب کے دونوں حصّوں کی سرحدات سے ملتے ہوں۔ کمشن کو یہ بھی ہدایت ہوگی کہ وہ بعض "دوسرے امور" کو بھی پیشِ نظر رکھے۔ یہی ہدایات بنگال باؤنڈری کمشن کے لئے بھی واجب العمل ہوں گی اور جب تک دونوں کمشن پنجاب اور بنگال کی اندرونی حدود کی تعیین مکمل نہیں کرلیتے اس وقت تک وہ عارضی حدود (جن کا ضمیمہ میں ذکر موجود ہے) قابلِ عمل سمجھی جائیں گی۔"

۶۔ جیسا کہ مندرجہ بالا اعلان سے واضح ہے باؤنڈری کمشن کا مقصد یہ ہے کہ "مُسلم" اور "غیر مُسلم اکثریت والے علاقوں" کی حدود کی تعیین کی جائے اور اس مقصد کے پیشِ نظر بعض

"دوسرے امور" کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ اس سلسلہ میں اگر سرحدات کی تعیین کے بارے میں کوئی معمولی ردّ و بدل کی ضرورت ہو تو اس پر عمل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ایسا نہ ہو کہ کسی علاقے کی آبادی کا کثیر حصہ جو اکثریت والے علاقے سے تعلق رکھتا ہے، تبدیل کر کے ایسے علاقے میں ڈال دیا جائے۔ جہاں وہ اقلیت میں رہ جائیں چنانچہ کمشن کے دائرۂ کار کی وضاحت کرتے ہوئے اس امر پر خاص زور دیا گیا ہے:۔

"کمشن کا کام یہ ہوگا کہ وہ پنجاب کے دونوں حصّوں کی سرحدّات کو معیّن کرے۔ اور حدود کی تعیین کی بنیاد اس اصول پر ہو کہ "مُسلم" اور "غیر مسلم" اکثریت والے علاقوں کی حدود ان دونوں حصّوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملتی ہوں۔ اس غرض کے لئے بعض "دوسرے امور" کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے"

باؤنڈری کمشن کے دائرۂ کار اور اس کے قیام کے مقصد سے یہ بات واضح ہے کہ کمشن اس امر کی تعیین کرے گا کہ وہ کون سے علاقے ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریّت ہے اور وہ کونسے علاقے ہیں جہاں غیر مُسلموں کی اکثریت ہے! اور پھر یہ بھی کہ ان علاقوں کی سرحدّات پنجاب کے دونوں حصّوں سے کہاں کہاں ملتی ہیں۔ جب ایک مرتبہ ان سرحدّات کی تعیین ہو جائے تو پھر تقسیم کا خط کھینچنا آسان ہوگا۔ مگر اس خط کھینچنے سے پہلے ضروری ہے کہ بعض "دوسرے امور" کو بھی ملحوظ رکھا جائے کیونکہ ان امور کے پیش نظر ہو سکتا ہے کہ کہیں کہیں کچھ معمولی ردّ و بدل کی ضرورت پڑے اور اعلان میں اس امر کی پُوری گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر عدل و انصاف کے تقاضوں کے ماتحت سرحدّات میں کہیں معمولی ردّ و بدل کی ضرورت ہو تو اس پر عمل کر لیا جائے۔

اب یہ بات بالکل واضح ہے کہ معیّن طور پر علاقوں کی تقسیم کا سوال صرف تبھی پیدا ہوتا ہے، جب "اکثریت والے علاقوں" کی تعیین مکمّل ہو جائے اور اس امر کی صراحت ہو جائے کہ ان علاقوں کے "قُرب" سے کیا مراد ہے۔ یعنی وہ کونسا اصول ہے۔ جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ فلاں "اکثریت والا علاقہ" فلاں وجہ سے "قُرب" کی حیثیت رکھتا ہے لہذا اُسے پنجاب کے فلاں حصّے کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ باؤنڈری کمشن کو اس لفظ کی مکمل تعریف اور توضیح کرنی پڑے گی۔ کیونکہ صرف اسی تعریف کی بناء پر ہی کمشن متذکرہ علاقوں کی شمولیّت کا فیصلہ

کر سکتا ہے۔ البتہ جب ایک دفعہ ہمارے سامنے معیّن طور پر اس لفظ کی "تشریح" آجائے تو پھر بڑی آسانی سے ہم ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کی بناء پر "اُن اکثریت والے علاقوں" کے متعلق فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اس مقام پر یعنی جہانتک الفاظ کی تشریح اور توضیح کا سوال ہے "دوسرے امور" کو بیچ میں لانا ہرگز مناسب اور ضروری نہیں ہوگا۔ "دوسرے امور" پر غور کرنے کا معاملہ صرف اس صورت میں پیدا ہوتا ہے جب عملاً سرحدوں کی تعیین کا کام شروع ہو جائے اور ابتدائی امور کلی طے ہو جائیں۔

۷۔ اب کمشن نے یہ دیکھنا ہے کہ اکثریت والے علاقوں کے "قرب" سے کیا مراد ہے؟ اگر صوبائی "وحدت" کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو تمام پنجاب کا علاقہ اور تمام بنگال کا علاقہ "مسلم اکثریت والے علاقے" ہیں کیونکہ واضح طور پر ان میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ مگر چونکہ ان دونوں صوبوں کی اندرونی تقسیم کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے اس لئے ہمیں چھوٹے پیمانے پر ایک اور معیار مقرر کرنا پڑے گا۔ تقسیم کے فیصلہ کے وقت ایک خیال یہ بھی تھا کہ ہم "ضلع" کو معیار مقرر کر لیں اور اسی بناء پر اکثریت والے علاقے طے کر لیں۔ اگر یہ خیال قطعی اور آخری ہوتا تو باؤنڈری کمیشن کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ تمام ضلعوں کی حدود ہر شخص کو معلوم ہیں اور اس بناء پر اکثریت والے علاقے طے کئے جا سکتے تھے۔ لیکن کمشن کے ذمّہ کام یہ ہے کہ وہ نہ صرف اکثریت والے علاقوں کو معیّن کرے بلکہ پنجاب کے دونوں حصّوں کے ساتھ اُن اکثریت والے علاقوں کی "ملحق" سرحدات کا مسئلہ بھی طے کرے یعنی یہ واضح کرے کہ فلاں علاقے کے "قرب" کی وجہ سے وہ علاقہ یا خطّہ اس قابل ہے کہ اُسے پنجاب کے فلاں حصّے کے ساتھ شامل کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ کمشن کو اس مقصد کے حصول کے لئے تقسیم کا ایسا معیار قائم کرنا پڑے گا جس سے پنجاب کے دونوں حصّے جو دو علیحدہ علیحدہ صوبوں کی حیثیت سے کام کریں گے آزادانہ طور پر اپنے فرائض سرانجام دے سکیں۔ اس مقصد کے لئے یہ بھی ضروری ہوگا کہ حدود کی تعیین اور سرحدی لائن کا قیام اتنا مکمل ہو اور ایسا قابلِ عمل ہو کہ دونوں صوبے عمدہ پڑوسیوں کی طرح اپنی اپنی انتظامی ذمہ داریوں کو نبھا سکیں اور خوش اسلوبی کے ساتھ رہتے ہوئے ایک دوسرے سے تعاون کر سکیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ "سرحدی لائن" محض ایک تخیل کا کرشمہ ہو یا ایک نقّاش کے موٹے قلم کی طرح آڑھی ترچھی ہوتی ہوئی کسی ایک گاؤں کے پیٹ میں سے تو گذر جائے اور دوسرے کو بالکل ہی ادھ موا چھوڑ دے۔ کمشن کو ہر حالت میں ایک "انتظامی یونٹ" بنانا پڑے گا جس

کی بنا پر تمام سرحدی امور کو طے کیا جا سکے۔ چونکہ "ضلع" کو انتظامی یونٹ تسلیم نہیں کیا گیا اس لئے اب ایک ہی صورت باقی ہے اور وہ یہ کہ "تحصیل" کو "انتظامی یونٹ" مان لیا جائے۔

۸۔ "تحصیل" کو انتظامی یونٹ تسلیم کر لینے اور اسے تقسیم کا معیار بنا لینے کے بعد کمشن کا کام یہ ہوگا کہ وہ صوبے کا ایک ایسا نقشہ تیار کرے جس میں تحصیل وار مسلمانوں اور غیر مسلموں کی آبادی کے تعداد و شمار بتائے گئے ہوں اور پھر اس آبادی کے تناسب سے تقسیم کا خط اس طرح کھینچا جائے کہ جس تحصیل میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور اس کی سرحدیں مسلمانوں کی اکثریت والے علاقے سے ملتی ہیں اُسے مسلمانوں کے علاقے کے ساتھ، اور جس تحصیل میں غیر مسلموں کی اکثریت ہے اور اس کی سرحدیں غیر مُسلموں کے اکثریت والے علاقے سے ملتی ہیں اُسے غیر مُسلموں کی اکثریت والے علاقے کے ساتھ ملا دیا جائے۔ اس اصول کے مطابق معمولی کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے یعنی تحصیل کے رقبہ جات میں ایسے ٹکڑے جہاں مسلمانوں یا غیر مُسلموں کی اکثریت باؤنڈری لائن کے بالکل قریب ہو وہاں انہیں اپنے اپنے اکثریت والے علاقے کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے۔

۹۔ جب یہ ابتدائی مراحل طے پا چکیں تب باؤنڈری کمیشن اس امر کا مجاز ہوگا کہ وہ "دوسرے امور" پر غور کرنے کے نتیجہ میں اگر مقامی طور پر سرحدات کی تعیین کے سلسلہ میں کوئی ردّ و بدل کرنا چاہے تو کر دے۔ مگر یہ ردّ و بدل بہر حال مقامی نوعیت کا ہوگا یعنی مقامی ضروریات کے پیشِ نظر کیا جائے گا۔ اس کی وجہ سے تقسیم کے اصل معیار پر ہرگز کوئی حرف نہیں آئے گا۔ مثال کے طور پر اگر علاقوں کی تقسیم کے وقت یہ معلوم ہو کہ آبپاشی کے نظام کا منبع کسی دوسرے مُلک میں ہے اور جن زمینوں کو اس منبع سے نکلنے والی نہریں سیراب کرتی ہیں وہ کسی اور مُلک میں آجاتی ہیں تو نہروں کے منبع اور نہری زمینوں کو ایک ہی مُلک میں یکجا کر دیا جائے گا اور ایسا کرنا بالکل جائز اور انصاف کے تقاضوں کے مطابق بالکل درست ہوگا۔

۱۰۔ اگر تقسیم کے لئے یہ اصول تسلیم کر لئے جائیں تو معلوم ہوگا کہ (بہ استثنار ان حالات کے جو "دوسرے امور" پر غور کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوں) ضلع گورداسپور کی تحصیل پٹھانکوٹ مغربی پنجاب کے علاقے سے نکال کر مشرقی پنجاب کی تحویل میں دے دی جائے گی۔ مگر ضلع گورداسپور کی باقی تمام تحصیلیں اور اسی طرح بقیہ سولہ اضلاع کی تمام تحصیلوں میں مسلمان مجموعی لحاظ سے اکثریت میں ہوں گے۔ تحصیل اجنالہ جو ضلع امرتسر کی تحصیل ہے اور جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور جس کی

سرحدیں لاہور، سیالکوٹ اور ضلع گورداسپور کی حدود سے ملتی ہیں، مغربی پنجاب میں شامل ہوگی۔

۱۱۔ اسی اصول کے مطابق یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ ضلع جالندھر کی دو تحصیلوں یعنی تحصیل نکودر اور تحصیل جالندھر جن کی سرحدات آپس میں بھی ملتی ہیں اور ضلع فیروزپور کی دو تحصیلوں یعنی تحصیل زیرہ اور تحصیل فیروزپور سے بھی ملتی ہیں۔ اِن دونوں میں آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

۱۲۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ دریائے ستلج کے بائیں کنارے کے ساتھ کا علاقہ جو تحصیل فیروزپور کے ساتھ ملا ہوا ہے اور مکتسر اور فاضلکا تحصیلوں میں سے گزرتا ہوا ریاست بہاولپور تک چلا گیا ہے مسلمانوں کی اکثریت سے آباد ہے۔ اسی علاقہ میں وادیٔ ستلج کا مشہور سلیمانکی ہیڈ ورکس قائم ہے جہاں سے نہروں کا جال نہ صرف منٹگمری اور ملتان کے اضلاع کو سیراب کرتا ہے۔ بلکہ مغربی پنجاب اور ریاست بہاولپور کے نظام آبپاشی کے لئے بھی روحِ رواں کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ علاقہ ضلع منٹگمری کے ساتھ ملحق ہے اور واقعہ یہ ہے کہ دریا کے دونوں طرف مسلمانوں کے مشہور قبیلہ "وٹو" کے لوگ کثرت سے آباد ہیں۔

۱۳۔ اسی طرح اگر ہم ضلع جالندھر کی تحصیل نکودر اور ضلع فیروزپور کی تحصیل زیرہ کے درمیان سے دریائے ستلج کے دونوں کناروں کے علاقے پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ پنجاب اور ریاست نالاگڑھ کی حد تک کا تمام علاقہ جس میں روپڑ کا شہر بھی آباد ہے ایک ہی قسم کے مسلمان قبائل سے آباد ہے۔

۱۴۔ تحصیل جالندھر کی مخالف جانب کی سرحد کے ساتھ کا علاقہ جو ضلع ہوشیارپور کی دو تحصیلوں تحصیل دسوہہ اور تحصیل ہوشیارپور کے ساتھ ملحق ہے، کثرت سے مسلمانوں سے آباد ہے۔ اس علاقے کا کچھ حصہ دریائے بیاس کے ساتھ ساتھ تحصیل بٹالہ اور تحصیل گورداسپور کے ساتھ بھی ملا ہوا ہے اور تحصیل جالندھر تحصیل بٹالہ اور تحصیل گورداسپور کے ساتھ بھی ملحق ہے۔

۱۵۔ پس اُن "دیگر امور" سے قطع نظر کہ جن کی بابت مَیں ابھی کچھ بیان کروں گا۔ مغربی پنجاب اور مشرقی پنجاب کے درمیان تقسیم کا خط اس طرح کھینچا جانا چاہیئے جیسا کہ اس میمورنڈم کے ساتھ والے نقشہ میں اُسے ظاہر کیا گیا ہے یعنی مقام "A" سے لے کر "B" "C" کے ساتھ ساتھ اور اسی طرح "ڈی"۔ "ایف"۔ "جی"۔ "ایچ"۔ "آئی"۔ "جے"۔ "کے" سے لے کر "ایل" کے مقام تک جیسا کہ اس گراف پہ سبز لائن سے ظاہر ہے جو اس میمورنڈم کے ساتھ منسلک ہے۔

۱۶۔ اگر مندرجہ بالا طریق پر سرحدات کی تعیین کی جائے تو ضلع امرتسر کی دو تحصیلیں تحصیل امرتسر اور تحصیل ترنتارن جن میں غیر مسلموں کی اکثریت ہے۔ مسلم اکثریت والے علاقوں میں گھر کر رہ جائینگی اور وہ مشرقی پنجاب کے ساتھ ملحق نہیں رہیں گی۔ یہی حالت ضلع گوڑگاؤں کی دو تحصیلوں فیروزپور جھرکا اور نوح تحصیلوں کی ہو گی جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ یہ دونوں تحصیلیں بھی غیر مسلموں کی اکثریت والے علاقے میں گھر کر رہ جائیں گی اور وہ مغربی پنجاب کے ساتھ ملحق نہیں رہیں گی۔ پس ان کا حل یہی ہے کہ ضلع امرتسر کی دونوں تحصیلیں مغربی پنجاب کے ساتھ اور ضلع گوڑگاؤں کی دونوں تحصیلیں مشرقی پنجاب کے ساتھ شامل کر دی جائیں اور 'مسلم' اور 'غیر مسلم' دونوں اس تصفیہ پر رضامند ہو جائیں۔

۱۷۔ "دیگر امور" کے سلسلے میں ایک اہم امر جو قابلِ غور ہے اور جس کا حل بڑی سنجیدگی اور دانشمندی سے ہونا چاہئیے وہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا طریق پر علاقے کی تقسیم کے نتیجہ میں اپر باری دوآب کی نہروں کا ہیڈ ورکس جو ضلع گورداسپور کی تحصیل پٹھانکوٹ میں مادھوپور کے مقام پر واقع ہے مشرقی پنجاب میں آجاتا ہے اور تمام وہ علاقہ جس کو مادھوپور سے نکلنے والی نہریں سیراب کرتی ہیں (سوائے چند میل کے علاقے کے) مغربی پنجاب میں آجاتا ہے۔ یہ صورت حال ایسی نازک ہو گی کہ اس سے دونوں حکومتوں کے درمیان مستقل جھگڑے اور مخاصمت کی بنیاد قائم ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپر باری دوآب کے علاقہ میں بسنے والی تمام مسلم اور غیر مسلم آبادی کی معیشت اور ان کی روزی کا انحصار نہری ہیڈ ورکس کی مکمل غور و پرداخت پر منحصر ہو گا۔ اگر ہیڈ ورکس کا نظام خوش اسلوبی کے ساتھ چلتا رہے تب تو نہری علاقوں کی آبادی کی معیشت برقرار رہے گی ورنہ اقتصادی لحاظ سے انہیں شدید دھکا لگے گا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے یہ تجویز نہایت ضروری ہے کہ مادھوپور کے ہیڈ ورکس کا نظام اس جگہ سے دو میل اوپر کے مقام سے لے کر نہر اپر باری دوآب کے ساتھ ساتھ اس مقام تک جہاں تحصیل پٹھانکوٹ کی حد تحصیل گورداسپور سے مل جاتی ہے مغربی پنجاب میں شامل کر دیا جائے۔ (یہ خط مقام "ایل" سے لے کر مقام "ایم" تک سبز رنگ کے ساتھ نقشہ میں دکھایا گیا ہے)

اس طریق سے ۱,۱۰,۷۷۴ نفوس مغربی پنجاب میں شامل ہو جائیں گے اور ان میں سے ۵۰۲۸۴ مسلمان ہوں گے گویا تقریباً ۴۵٫۴ فیصدی آبادی مسلمان ہو گی۔

۱۸۔ سکھ اصحاب کی طرف سے اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ مغربی پنجاب میں مختلف جگہوں پر ان کی مقدس

مذہبی یادگاریں اور مقدس مقامات موجود ہیں۔ مگر ہمیں یہ علم نہیں ہو سکا کہ اُن کی یہ دلیل کس اصول پر قائم ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ مغربی پنجاب میں جہاں جہاں سکھوں کے مقدس مقامات موجود ہیں وہ تمام علاقے مشرقی پنجاب میں شامل کر دیئے جائیں۔ ہرگز نہیں۔ اگر یہی اصول کار فرما ہو تو ضلع کیمبلپور میں حسن ابدال کا مقام جہاں 'پنجہ صاحب' واقع ہے مشرقی پنجاب میں شامل کرنا پڑے گا پس "دیگر امور" پر غور کرنے کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ ہم اس قسم کی بنیادوں پر تقسیم کا کام شروع کر دیں۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ سکھوں کے مذہبی مقامات میں پٹنہ کا مقام بھی شامل ہے۔ (جہاں گورو گوبند سنگھ صاحب کی ولادت ہوئی) اور ننديھر کا مقام بھی شامل ہے (جہاں اُن کی آخری آرامگاہ اور کچھ تبرکات موجود ہیں) اسی طرح مغربی پنجاب کی حدود سے باہر کئی ایسے مقامات ہیں جو سکھوں کے نزدیک مقدس ہیں۔ ننديھر کو ہی لے لیجئے جو حضور نظام دکن کی ریاست کی حدود کے اندر واقع ہے۔ ان میں سے کبھی بھی کسی کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ اُسے سکھوں کے مذہبی مقدس مقام ہونے کی وجہ سے پنجاب کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ بالخصوص ننديھر کا مقام اس لئے قابلِ ذکر ہے کہ وہ ایک مسلمان حکمران کی راجدھانی میں واقع ہے مگر آجتک سکھوں کی طرف سے کبھی ایسی شکایت نہیں آئی کہ اس مقام کے بارے میں مسلمانوں کی طرف سے انہیں کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہو یا وہاں کی حکومت نے اُن کے ساتھ کوئی متعصبانہ برتاؤ کیا ہو۔

۱۹- پھر اگر کسی فرقے کے مقدس مقامات یا ان کی مذہبی عبادت گاہیں یا یادگاریں تقسیم کے اصول کی بنیاد بن سکتی ہیں تو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ مشرقی پنجاب کے اضلاع میں وہ تمام مقامات جہاں مسلمان بزرگوں اور بادشاہوں کے مزار، اُن کی بنائی ہوئی مسجدیں اور ان کے مقدس مقامات موجود ہیں مغربی پنجاب میں شامل کر دیئے جائیں۔ آپ کو علم ہے کہ مشرقی پنجاب میں بیسیوں مقامات پر جہاں مسلمان بزرگوں اور ان کے مشائخ اور اُن کے اولیاء کے مزار اور اُن کی مقدس یادگاریں موجود ہیں۔ ہر سال بڑی تعداد میں میلے اور عُرس منعقد ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض اتنے اہم ہوتے ہیں کہ گورنمنٹ کے مقامی دفاتر میں ان دنوں میں تعطیلات کر دی جاتی ہیں تاکہ عوام ان میں شامل ہو سکیں۔ پس مسلمانوں میں بھی عقیدت کے جذبات کی ہرگز کمی نہیں۔ اور اگر یہی اصول کار فرما ہو تو ہمیں بہرحال ان کی عقیدت اور ان کے مذہبی جذبات کا ویسے ہی احترام کرنا

پڑے گا جیسے کہ سکھ صاحبان کے جذبات کا۔

۲۰۔ ان دنوں اخبارات میں اس امر کا بھی خاصا چرچا ہے اور اسے باقاعدہ ایک مہم کی صورت میں چلایا جا رہا ہے کہ پنجاب کی تقسیم جائداد کے اصول کی بناء پر عمل میں لائی جائے۔ یعنی "مسلموں" اور "غیر مسلموں" کے مابین پنجاب کو ہر دو قوموں کے درمیان ملکیتی جائیداد کے معیار کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔ یہ دلیل بھی کسی طے شدہ بنیاد کے نہ ہونے کے سبب بالکل بے بنیاد ہے کیونکہ جناب وائسرائے صاحب اپنی پریس کانفرنس منعقدہ ۴؍جون ۱۹۴۷ء میں صاف اور واضح الفاظ میں اعلان فرما چکے ہیں :-

"ملکِ معظم کی حکومت تقسیم کے اصول کو ملکیتی جائداد کی بناء پر طے کیا جانا ہرگز پسند نہیں کرتی"

۲۱۔ اس ضمن میں باؤنڈری کمشن کے دائرۂ کار اور ان کے مقاصد کا ذکر کر دینا بھی مناسب ہوگا۔ جناب وائسرائے صاحب نے مندرجہ بالا کانفرنس سے صرف ایک روز پیشتر مورخہ ۳؍جون ۱۹۴۷ء کو ریڈیو پر ملکِ معظم کی حکومت کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے کمشن کی مفوضہ ذمہ داریوں کا بھی ذکر فرمایا تھا چنانچہ وائسرائے کے بیان کے پیراگراف ۹ میں کمشن کی ان ذمہ داریوں کا ذکر موجود ہے۔ اس پیراگراف میں جو الفاظ اور مضمون بیان کیا گیا ہے اس پر لیگ اور کانگرس دونوں کا اتفاق رائے موجود ہے۔ چنانچہ وائسرائے صاحب نے جو وضاحت اور تشریح فرمائی ان میں یہ صراحت موجود ہے کہ "دیگر امور کا جائداد یا ملکیتی زمین سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس تشریح کے پیشِ نظر مسلم لیگ نے باؤنڈری کمشن کے دائرۂ کار اور اس کے مقاصد کی توثیق کر دی۔ اب جبکہ مسلم لیگ اور کانگرس دونوں کمشن کے معین دائرۂ کار کے متعلق متفق ہو چکے ہیں کمشن کے لئے ہرگز مناسب نہیں کہ وہ اپنے دائرہ کار کی حدود سے تجاوز کرے۔

۲۲۔ اس کے علاوہ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسلم لیگ کے مطالبات میں جو اس میمورنڈم میں پیش کئے گئے ہیں تقسیم کا بنیادی اصول "آبادی" کو قرار دیا گیا ہے اور یہی اصول "غیر مسلم" اصحاب نے بھی تسلیم کیا ہے اور وائسرائے صاحب کا ۳؍جون والا اعلان بھی اسی بنیاد کی توثیق کرتا ہے۔ چنانچہ وائسرائے صاحب نے فرمایا کہ غیر مسلم اصحاب کی طرف سے بعض صوبوں کی تقسیم کا جو مطالبہ کیا گیا ہے اس کی بنیاد

بھی اسی اصول پر قائم ہے کہ جن علاقوں میں غیر مُسلم اصحاب کی اکثریت ہے انہیں ان کی مرضی کے خلاف ہرگز ان علاقوں میں مدغم نہ کیا جائے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ لہذا حقیقت یہی ہے کہ "آبادی کی اکثریت" والا اصول ہی تمام تقسیم کی جان ہے اور مُلک یا صُوبہ جات کی اندرونی تقسیم تقاضا کرتی ہے کہ اسی اصول کو حقیقی بنیاد تصوّر کیا جائے۔ کسی اور معیار کو تقسیم کی بنیاد قرار دینا بالکل غیر متعلق ہوگا اور طے شدہ امور کے قطعی منافی ہوگا۔ ہزایکسیلنسی وائسرائے صاحب نے صاف فرمایا ہے کہ

"کسی بھی بڑے علاقہ کو جہاں ایک فرقہ کی اکثریت ہے وہاں کے رہنے والوں کی مرضی کے خلاف کسی دوسرے بڑے علاقے میں جہاں وہ اقلیت میں ہو جاتے ہوں مدغم کرنا ہرگز درست نہیں ہوگا"

۲۳- چنانچہ اس اصول کے پیش نظر اگر جائداد کی بناء پر کسی بڑے علاقے کو جہاں مُسلمانوں کی اکثریت ہے اکثریت کی مرضی کے خلاف مشرقی پنجاب میں شامل کیا گیا اور انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ غیر مُسلموں کی حکومت میں زندگی بسر کریں تو یہ تقسیم مُلک اور تقسیم صوبہ جات کے بنیادی اصول کی خلاف ورزی ہوگی۔

۲۴- یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی نہایت مناسب ہوگی کہ جس حد تک زرعی زمینوں کی ملکیت کا سوال ہے (گو اس کا تقسیم ملک سے ہرگز کوئی تعلق نہیں اور نہ ہونا چاہیئے) غیر مُسلموں کا یہ دعوی کہ وہ مسلمانوں پر برتری رکھتے ہیں درست نہیں۔ صوبہ کے ان حصّوں میں جہاں نئی آبادکاری ہوئی ہے۔ اور جن میں ترقیاتی سکیمیں نافذ کی جارہی ہیں مسلمانوں کا حصّہ دوسروں پر غالب ہے اور یقیناً اُن کی تعداد کے لحاظ سے اُن کی ملکیّت اور آبادکاری کا تناسب بہت زیادہ ہے۔

۲۵- یہاں یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب مسلمانوں نے تقسیم ملک کا مطالبہ کیا تو منجملہ دیگر وجوہات کے تقسیم کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ غیر مُسلموں نے مُسلمانوں کی دولت، ان کی ملکیّت اور ان کے وسائل کو انتہائی ناجائز طریقے سے ہتھیانا شروع کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں مُسلمانوں کی دولت اور ان کی ملکیّت آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی اور غیر مُسلموں کی دولت اور ملکیت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اب اگر تقسیم کا اصول "آبادی کی اکثریت" مان لیا جائے تو یہ انتہائی ستم ظریفی ہوگی کہ مسلمانوں کو ان علاقوں سے بھی محروم کر دیا جائے جہاں ان کی اکثریت پائی جاتی ہے۔ باؤنڈری کمیشن کے لئے اس حقیقت پر غور کرنا بھی نہایت ضروری ہے کہ اضلاع شاہپور، لائلپور، شیخوپورہ، منٹگمری اور ملتان کے نوآبادیاتی رقبے درحقیقت مسلمانوں کی

ملکیت تھے اور ان مسلمان قبائل کا گذارہ ان کے مویشیوں پر اور ان کی زرعی زمینوں پر موقوف تھا۔ لیکن جب ان علاقوں میں نہری آبپاشی کا طریق رائج ہوا تو یہ تمام علاقہ حکومت کی ملکیت قرار دے دیا گیا اور اسے دوسرے اضلاع کے لوگوں کے ہاتھ یا تو فروخت کر دیا گیا یا بطور عطیہ جات دے دیا گیا۔ یہ حقیقت اتنی دردانگیز ہے کہ ان علاقوں کے مسلمان مالکانِ اراضی اس پر انتہائی احتجاج کرتے آئے ہیں۔

بہت سے غیر مسلم اصحاب جنہوں نے مذکورہ بالا اضلاع میں اراضی خریدی اور پھر اس پر مالکانہ حقوق حاصل کئے۔ انہوں نے اس زمین کی قیمت اس روپیہ میں سے دی جو وہ سُودی کاروبار کے ذریعے حاصل کر چکے تھے۔ اس کاروبار کی تفصیل خود حکومت کے کاغذات ہی سے حاصل کی جا سکتی ہے اور یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ غریب کسان جو ان زمینوں پر آباد تھے بنیوں کے سُودی ہتھکنڈوں میں پھنس کر غربت، افلاس اور محرومی کی کس خطرناک حد تک پہنچ گئے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی حالتِ زار اس قدر نازک اور اتنی ناگفتہ بہ ہو چکی تھی کہ حکومت کو بھی مداخلت کرنا پڑی اور سنہ ۱۹۰۰ء میں ایک قانون "پنجاب اراضی ایکٹ سنہ ۱۹۰۰ء" بنایا گیا جس کی رُو سے سُودی بنیاد پر زمین کا حصول ناجائز قرار دیا گیا۔ اس کے باوجود صورت حال کچھ زیادہ بہتر نہیں ہوئی مسٹر کیلورٹ اور مسٹر میلکم ڈارلنگ کی تحقیقاتی رپورٹوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ان علاقوں میں کسانوں کی حالت بدستور ابتر رہی۔ حتیٰ کہ صرف چند برس پیشتر پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کو ایسے اقدامات اختیار کرنے پڑے جن سے ان عام زمینداروں اور مزارعین کو اشک شوئی کے طور پر کچھ امداد ملنا مقصود تھی اور ان کی تکالیف کا کسی قدر ازالہ ہوتا تھا۔ لہٰذا ایسے حالات میں ان تمام حقائق کے باوجود اگر تقسیم کی بنیاد پھر بھی "جائداد" ہی تصور کی جائے تو یہ زخموں پر نمک چھڑکنے والی بات ہوگی۔

۲۶۔ جہاں تک مغربی پنجاب کا تعلق ہے میں واضح طور پر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مغربی پنجاب میں کسی فرقے کے ساتھ اس کی مملوکہ جائداد کی بنیاد پر سلوک نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی وہاں کی حکومت کسی کی جائداد میں مداخلت کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ لہٰذا جائداد کو پنجاب کے دو حصّوں کی تقسیم کی بنیاد قرار دینا بالکل بعید از قیاس ہے۔

۲۷۔ اس ضمن میں اس امر کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ غیر مسلم اصحاب یا سکھ صاحبان پر پنجاب کی تقسیم ٹھونسی نہیں جا رہی بلکہ اس تقسیم کا مطالبہ وہ خود کر رہے ہیں اور جیسا کہ وائسرائے صاحب نے اعلان

فرمایا ہے صُوبہ میں اس تقسیم کی بنیاد "غیر مسلموں کی اکثریت والے علاقے" ہیں۔ پس غیر مُسلم اصحاب کا اس بنیاد کو چھوڑ کر دوسرے معیار اختیار کرنا اور اس طرح مسلمانوں کے ساتھ کشمکش اور تعصّب کی فضا پیدا کرنا ہرگز درست نہیں۔

۲۸۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ "مشرقی پنجاب" نے بھارت کی حکومت کا ایک حصّہ بننا منظور کیا ہے اور اس لحاظ سے وہ اپنی آبادی، وسائل اور سرحدات کے اعتبار سے بھارت کی حکومت کا ایک نہایت موثر اور دُوررس جزو بن جائے گا۔ یہ پوزیشن پاکستان کے دونوں حصّوں میں سے کسی ایک صوبے کو بھی اتنی مستحکم طور پر حاصل نہیں ہو گی کیونکہ پاکستان کے وسائل ہندوستان کے مقابلہ میں نسبتاً بہت تھوڑے ہوں گے۔ پس "آبادی کی اکثریت" والے معیار کو چھوڑ کر دوسری بنیادوں کو وقوع میں لانا فقط اس لئے کہ مشرقی پنجاب کی سرحدات اور زیادہ آگے بڑھ جائیں یا یہ علاقہ مغربی پنجاب کے تھوڑے سے علاقے میں سے بھی کچھ اَور ہتھیا لے، ہرگز قرینِ انصاف نہیں۔ بھارت کی حکومت کے پاس تو پہلے ہی اتنا علاقہ ہے اور اتنے وسائل ہیں کہ وہ پاکستان کے علاقے کے وسائل اور اس کے رقبے سے کہیں زیادہ ہے۔

۲۹۔ یہاں ایک اَور بات بھی خصوصیّت سے نوٹ کرنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ سکھ صاحبان نے اپنے آپ کو بحیثیتِ قوم ہندو قوم میں مُدغم ہونا قبول کر لیا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ ان کے نزدیک ان کے قومی مفادات وہی ہیں جو ہندو قوم کے ہیں۔ پس جب وہ اپنے قومی مفادات کو ہندو مفادات میں مدغم کر دینا پسند کرتے ہیں تو پھر علیحدہ طور پر اپنے مخصوص مطالبات کیوں پیش کرتے ہیں؟ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اگر تقسیم خود ان پر ٹھونسی جاتی اور اس لحاظ سے وہ محسوس کرتے کہ وہ ایک کمزور اقلیت کی شکل میں تبدیل ہو گئے ہیں تب تو علیحدہ طور پر ان کے مطالبات کا پیش کیا جانا معقول بھی تھا۔ اور مناسب بھی۔ لیکن سکھوں نے تقسیم کا مطالبہ خود کیا ہے اور انہوں نے پنجاب کی تقسیم کے معاملہ میں بھی ہندوؤں کی مکمل ہمنوائی کی ہے۔ لہٰذا تقسیم کے مقاصد کے پیش نظر ہم سکھوں کو کوئی علیحدہ حیثیت ہرگز نہیں دے سکتے۔ وہ اصولی طور پر "غیر مُسلم بلاک" میں ہی شامل ہیں کیونکہ انہوں نے خود اس میں شامل ہونا پسند کیا ہے۔

۳۰۔ اس میمورنڈم کے آغاز میں تقسیم کی جو 'بنیاد' تجویز کی گئی ہے وہ دونوں صوبوں میں تحصیل وار "مسلمانوں"

اور "غیر مسلموں" کی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے تھی۔ یعنی تجویز یہ تھی کہ جس تحصیل میں مسلمانوں کی اکثریت ہو اُسے مغربی پنجاب کے ساتھ اور جس تحصیل میں غیر مُسلموں کی اکثریت ہو اُسے شرقی پنجاب کے ساتھ شامل کر دیا جائے۔ لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ عیسائی صاحبان کی یہ خواہش ہے کہ پنجاب کی تحصیلوں میں عیسائی آبادی کے لحاظ سے اُن کی تعداد کا زیادہ سے زیادہ حصّہ (جس حد تک ممکن ہو سکے) مغربی پنجاب میں شامل کر دیا جائے۔ اس نقطۂ نظر سے تحصیلوں میں آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں اور عیسائیوں کا تناسب حسب ذیل ہوگا:-

	تحصیل	مُسلم	عیسائی	میزان
۱-	اجنالہ	۵۹٫۴ ٪	۵٫۳ ٪	۶۴٫۷ فیصدی
۲-	جالندھر	۵۱٫۱ ٪	۱٫۵ ٪	۵۲٫۶ "
۳-	نکودر	۵۹٫۴ ٪	۰٫۶ ٪	۶۰٫۰ "
۴-	زیرہ	۶۵٫۶ ٪	۱٫۶ ٪	۶۷٫۲ "
۵-	فیروزپور	۵۵٫۲ ٪	۱٫۹ ٪	۵۷٫۱ "

۳۱ - اس نقطۂ نظر سے اگر ہم صورت حال کا جائزہ لیں تو ہمیں سرحدات میں کچھ تھوڑی سی ترمیم کرنی پڑیگی ضلع ہوشیارپور کی تحصیل دسوہہ میں کل آبادی ۲۷۲۲۴۶ ہے جس میں سے مسلمان ۱۳۲۱۰۵ ہیں۔ گویا کہ مسلمانوں کی آبادی ۴۸٫۴ فیصدی ہے۔ عیسائیوں کی تعداد ۴۷۲۹ ہے۔ اب اگر مسلمانوں کی تعداد میں عیسائیوں کی تعداد بھی شامل کر دی جائے تو یہ تعداد ۱۳۶۸۳۴ بن جاتی ہے گویا کہ کُل آبادی کے نصف سے کچھ زیادہ ہو جاتی ہے اس بناء پر تحصیل دسوہہ مستحق ہے کہ اُسے مغربی پنجاب میں شامل کیا جائے۔

۳۲ - خلاصہ کلام یہ ہے کہ باؤنڈری کمشن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے پنجاب کے دونوں حصّوں کی تقسیم ایسے طریق پر کرے کہ اس کے عمل پر کسی جہت سے بھی وہ امور یا مصالح اثر انداز نہ ہوں جن کا تقسیم کی بنیاد سے کوئی تعلق نہیں۔ اور تقسیم کی اصل بنیاد یہ ہے کہ مُسلمانوں اور غیر مُسلموں کی اکثریت والے علاقے جو مغربی یا مشرقی پنجاب کی سرحدات سے ملتے ہوں اپنی اپنی نوعیت کے لحاظ سے پنجاب کے ان دونوں حصّوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملحق

کر دیئے جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ "دیگر امور" پر غور کرتے ہوئے یہ خطرناک فروگذاشت سرزد ہو جائے کہ ایسا علاقہ جو مسلمانوں یا غیر مسلموں کی اکثریت والا علاقہ ہے کسی ایسی حکومت کے ساتھ شامل کر دیا جائے جس کے ماتحت رہنا اس علاقے کی اکثریت پسند نہ کرتی ہو۔ اسی طرح ان "دیگر امور" کے پیش نظر ایسا بھی نہ ہو کہ علاقوں کی کتر و بیونت ایسے انداز سے کی جائے کہ جو اکثریت والا علاقہ ہے وہ تبدیل ہو کر اقلیت میں رہ جائے۔ یہ ہر دو صورتیں انصاف کے صریح خلاف ہوں گی۔

۳۴۔ یہ وہ خطوط ہیں جن کی بناء پر ہم باؤنڈری کمشن سے درخواست کرتے ہیں کہ ان کی بناء پر پنجاب کو مغربی اور مشرقی حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ہمیں اپنی نیک نیتی پر پورا یقین ہے اور اس کے ساتھ اپنے مقصد کی سچائی پر پورا بھروسہ ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی ہمیں اللہ تعالےٰ کی ذات پر جو ارحم الراحمین ہے اور جو مشرق و مغرب کا مالک ہے، کامل یقین ہے اسی خدا کے حضور ہم عاجزی سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ کمشن کے ممبران کی خود رہنمائی فرمائے اور اُن لوگوں کو بھی صحیح اور سچا راستہ دکھائے جو اس تمام کارروائی میں حصہ لے رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ اپنے فضل اور رحم کے ساتھ ہم سب کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کے بندوں کی صحیح خدمت کر سکیں، اور امن و امان کے ساتھ آپس میں مل جُل کر زندگی بسر کر سکیں تاکہ حقیقت میں خدا تعالےٰ کا نام بلند ہو اور اس کی عزت اور شان و شوکت تمام قلوب میں راسخ ہو جائے کیونکہ وہی ہستی ہے جو تمام چیزوں سے بالا ہے اور ہر لحاظ سے واجب عزت اور لائق صد احترام ہے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین۔

گوشوارہ نمبر ۱

مغربی پنجاب کے اضلاع میں فرقہ وارانہ نقشہ آبادی

عیسائی اور دوسرے لوگ	اونچی ذات کے ہندو	اچھوت اقوام	سکھ	مسلمان	کُل آبادی	کُل رقبہ مربع میل میں
۴۵۰۰۹۷	۲۰۳۶۱۷۶	۳۳۶۹۴۳	۱۶۸۳۸۵۳	۱۳۳۲۲۵۸۸	۱۶۸۳۰۶۵۴	×
۲٫۷٪	۱۲٫۱٪	۲٫۰٪	۱۰٫۰٪	۷۳٫۲٪	۱۰۰٪	

گوشوارہ نمبر ۲

نقشہ آبادی بلحاظ اُن تجاویز کے جو میمورنڈم میں پیش کی گئی ہیں

عیسائی اور دوسرے لوگ	اُونچی ذات کے ہندو	اچھوت اقوام	سکھ	مُسلمان	کُل آبادی	کُل رقبہ (مربع میل میں)
۵۰۴۷۲۵	۲۴۹۸۴۷۳	۵۴۸۳۶۰	۲۶۰۴۷۱۲	۱۴۲۷۱۶۷۶	۲۰۴۲۷۹۴۶	..
٪ ۲٫۴۷	٪ ۱۲٫۲۴	٪ ۲٫۶۸	٪ ۱۲٫۷۵	٪ ۶۹٫۸۶	٪ ۱۰۰	

گوشوارہ نمبر ۳

تحصیل ہائے اجنالہ، فیروزپور، نکودر، زیرہ، جالندھر اور ملحقہ مُسلم اکثریت والے علاقوں میں نقشہ آبادی

۳۹۹۰۲	۳۰۶۴۶۵	۱۹۶۱۵۲	۴۷۹۷۰۷	۱۴۴۰۵۹۹	۲۴۶۲۸۲۵	..
٪ ۱٫۶۲	٪ ۱۲٫۴۴	٪ ۷٫۹۷	٪ ۱۹٫۴۸	٪ ۵۸٫۴۹	٪ ۱۰۰	

چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی قائداعظم سے ملاقات اور مسلم لیگ کے محضرنامہ اور حد بندی کمشن کے مفصل واقعات

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اپنی غیر مطبوعہ خود نوشت سوانح حیات میں حد بندی کمیشن کے سلسلہ میں قائداعظم سے ملاقات، مسلم لیگ کے محضر نامہ اور ریڈ کلف ایوارڈ سے متعلق اپنے پیش آمدہ اور چشمدید واقعات پر نہایت شرح و بسط سے قلم اٹھایا ہے اور اس سلسلہ میں بعض نہایت پُراسرار گوشوں کو پہلی بار بے نقاب کیا ہے۔

جناب چودھری صاحب موصوف کے بیان فرمودہ واقعات تحریک پاکستان کا ایک اہم باب ہیں اور ان کے بغیر ہماری کوئی قومی و ملّی تاریخ مکمل نہیں قرار دی جا سکتی۔ لہٰذا ان کا موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کیا جانا ضروری ہے۔

چودھری صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

"لارڈ مونٹ بیٹن وائسرائے بن کر آئے تو آزادی کے متعلق ضروری انصرامات اور درمیانی مراحل جلد جلد طے ہونا شروع ہوئے۔ ۱۹۴۷ء کے دوران میں کیا کیا اُتار چڑھاؤ ہوئے۔ کیا کیا چالیں چلی گئیں۔ کونسے منصوبے کامیاب ہوئے اور کونسے ناکام، بنی نوع انسان کا کن بلند گھاٹیوں اور کن پست وادیوں سے گذر ہوا۔ اور یہ سال اپنے پیچھے کتنی نیک یادیں اور منحوس ورثے چھوڑ گیا۔ ان کا شمار کرنا اور ان کی صحیح تصویر پیش کرنا ایک دیانت دار، راست جو، محنتی اور خدا ترس مورخ کو چاہتا ہے جو کسی وقت ضرور پیدا ہوگا لیکن ابھی ظاہر نہیں ہوا۔

برطانوی وزیر اعظم نے اپنے ۳ جون ۱۹۴۷ء کے بیان میں تقسیم مُلک کے منصوبے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے ہوتے ہی مَیں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے فیڈرل کورٹ سے علیحدہ ہو جانا چاہیئے چنانچہ مَیں نے اپنا استعفاً بھیج دیا کہ ۱۰ جون سے مَیں عدالت سے علیحدہ ہو جاؤں گا اس وقت میرا ارادہ تھا کہ تقسیم کے بعد مَیں لاہور میں وکالت کی پریکٹس شروع کروں گا لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ ان دنوں عالی جناب نواب سر حمید اللہ خاں صاحب مُعلّٰے القاب والیٔ بھوپال دلّی میں فروکش تھے۔ جب انہیں میرے ارادے سے اطلاع ہوئی تو انہوں نے کمال شفقت سے فرمایا کہ تم کچھ عرصے کے لئے بھوپال میرے پاس آجاؤ تاکہ مَیں اس مشکل مرحلے میں جو والیانِ ریاست کو درپیش ہے تم سے مشورہ کر سکوں۔ جناب نواب صاحب کی طرف سے مَیں پہلے بھی بہت کریمانہ الطاف کا مورد رہا تھا۔ ان کا ارشاد میرے لئے واجب التعمیل تھا۔ چنانچہ مَیں عدالت سے علیحدہ ہوتے ہی بھوپال چلا گیا چونکہ ابھی کوئی صحیح اندازہ نہیں تھا کہ بھوپال میں کتنا عرصہ قیام ہوگا اور اس کے بعد کیا حالات ہوں گے۔ اس لئے ہم

نے اپنا ذاتی سامان سترہ بڑے بڑے کھوکھوں میں احتیاط کے ساتھ محفوظ کر کے ایک دوست کے ہاں پرانی دلّی میں رکھوا دیا۔ چند دن بعد ہی دلّی میں بے چینی اور بدامنی کے آثار شروع ہو گئے اور جیسے تقسیم کی تاریخ قریب آتی گئی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ اس کے بعد معلوم نہ ہو سکا ہمارے سامان کا کیا حشر ہوا۔ جہاں انسانی جان، عزّت، آبرو کی کوئی قدر باقی نہیں رہ گئی تھی اور لاکھوں انسان ہر نوع کی وحشت اور بہیمیت کا شکار ہو رہے تھے وہاں محض سامان کے متعلق دریافت بھی کرنا سنگدلی کے مترادف ہوتا۔ نہ ہم نے پوچھا نہ کچھ معلوم ہوا۔

بھوپال میں ہمارے لئے مکان، سامان ہر سہولت عالیجناب نواب صاحب کے فرمان سے مہیّا کر دی گئی اور جتنا عرصہ ہم بھوپال میں ٹھہرے ہم نے بفضل اللہ بہت آرام پایا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ جب آزادئ ہند کے ایکٹ کا مسوّدہ پارلیمنٹ میں پیش ہونے کا وقت قریب آیا تو عالیجناب نواب صاحب نے خاکسار کو ارشاد فرمایا۔ تم دو ہفتے کے لئے لندن چلے جاؤ۔ تمہاری وہاں بہت سے اراکینِ پارلیمنٹ سے شناسائی ہے۔ تم وہاں یہ جائزہ لینا کہ مسودے پر بحث کے دوران میں کیا کسی ایسی وضاحت کا امکان ہے جس سے نئے آئین میں والیانِ ریاست ہائے ہند کے حقوق کی حفاظت ہو سکے۔ اگر ایسا کوئی موقعہ ہو تو اس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرنا۔ مَیں جناب نواب صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں سفرِ انگلستان کے لئے تیار ہوا۔ تو دلّی سے پیغام آیا کہ جناب قائداعظم نے خاکسار کو طلب فرمایا ہے۔ چنانچہ مَیں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ پنجاب میں جو کمیشن حد بندی کے لئے قائم کیا جانے والا ہے اس کے روبرو مسلم لیگ کی طرف سے وکالت کی ذمّہ داری ہم تمہارے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ مَیں نے گذارش کی، مَیں حاضر ہوں لیکن جناب نواب صاحب کے ارشاد کے ماتحت مَیں عازمِ انگلستان ہونے والا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کمیشن کی کارروائی کب شروع ہو گی اور مجھے تیاری کے لئے کتنا وقت ملیگا۔

قائداعظم: تم انگلستان کتنا عرصہ ٹھہرو گے؟

ظفراللہ خاں: میرا اندازہ تو پندرہ دن کا ہے۔

قائداعظم: پھر تمہیں کوئی فکر نہیں ہونا چاہیئے۔ کمشن کی کارروائی کے شروع ہونے میں ابھی خاصی دیر ہے۔ ابھی تو کوئی امپائر بھی مقرر نہیں ہوا۔

ظفراللہ خاں: امپائر کے متعلق مَیں ایک گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ ہمیں کسی ایسے شخص کے تقرر پر مُصر رہنا

چاہیئے جس کی دیانت پر پُورا اعتماد ہو سکے۔ آپ لندن کی رہائش کے زمانے میں پریوی کونسل کے روبرو پریکٹس کرتے رہے ہیں۔ آپ کو اتفاق ہوگا کہ برطانوی LORDS OF APPEAL اپنے ماحول اور اپنے فرائض کے لحاظ سے نہایت دیانتدار اور غیر جانبدار ہوتے ہیں۔ آپ زور دیں کہ ان میں سے کسی کو امپائر مقرر کیا جائے۔ ہر انسان غلطی کر سکتا ہے لیکن ہمیں یہ یقین ہونا چاہیئے کہ جو صاحب مقرر ہوں وہ کسی کے اثر رسوخ کے ماتحت یا کسی کے کہنے کہلانے کے نتیجہ میں کوئی فیصلہ نہ کریں۔

قائداعظم: مَیں تمہارے مشورے کو ذہن میں رکھوں گا

ظفراللہ خاں: آپ کو کوئی اندازہ بتایا گیا ہے کہ مجھے تیاری کے لئے کتنا عرصہ درکار ہوگا ؟

قائداعظم: جیسے مَیں نے کہا ہے تمہیں کافی وقت میسّر ہوگا۔ لاہور کے وکلاء نے پورا کیس تیار کر لیا ہوگا تمہیں صرف اپنے دلائل کو ترتیب دینا ہوگا اور اسلوب بحث طے کرنا ہوگا۔

ظفراللہ خاں: مَیں لندن سے واپسی پر کراچی سے سیدھا لاہور چلا جاؤں گا۔ وہاں مَیں کس کو اطلاع دوں؟

قائداعظم: نواب ممدوٹ سب انتظام کریں گے۔

جناب قائداعظم سے رخصت ہو کر مَیں لندن چلا گیا۔ جب وزیراعظم ایٹلی نے ایکٹ آزادیٔ ہند کا مسودہ ایوان عام میں پیش کیا تو مَیں ایوان کی گیلری میں موجود تھا۔ وزیراعظم کی تقریر بہت صاف اور واضح تھی لیکن ایک امر سے مجھے حیرانی بھی ہوئی اور پریشانی بھی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں بیان کیا، ہم تو چاہتے تھے کہ لارڈ مونٹ بیٹن ہندوستان اور پاکستان دونوں کے آزادی کے بعد پہلے گورنر جنرل ہوں لیکن افسوس ہے کہ مسٹر جناح رضامند نہ ہوئے۔ قائداعظم کے متعلق افسوس کا اظہار مجھے پسند نہ ہوا۔ اس تفصیل کا ذکر اوّل تو ضروری نہیں تھا اور اگر وزیراعظم کی رائے میں یہ ذکر ضروری اور مناسب تھا تو ساتھ ہی یہ بھی مناسب تھا کہ وہ کہتے کہ اس تجویز پر اتفاق نہ ہوا۔ قائداعظم کا نام لے کر اظہار افسوس سے ترشح ہوتا تھا کہ وزیراعظم کو اس تجویز کے ناکام رہنے پر قائداعظم سے ذاتی رنج تھا اور انہوں نے ایوان کے سامنے اس رنج کو یُوں تشہیر کیا۔ بعد میں متعدد مواقع پر اُن سے ایسی حرکات سرزد ہوئیں جن سے میرے اس قیاس کو تقویت پہنچی یوں بھی مسٹر ایٹلی حسنِ خُلق کا نمونہ شمار نہیں ہوتے رہے۔

سر سیموئیل ہور جو گول میز کانفرنس کے دوران میں وزیر ہند ہوئے تھے بعد میں وزیر بحر اور پھر وزیر

خارجہ ہوئے اور HOAR - LAVAL PACT کے ردِ عمل کے نتیجے میں مستعفی ہوئے۔ اپنی ہسپانوی سفارت کا عرصہ میڈرڈ میں گذار کر واپس آچکے تھے۔ میڈرڈ میں حُسنِ کارکردگی کے صلے میں وہ VISCOUNT بنا دیئے گئے تھے اور اب LORD TEMPLEWOOD کے نام سے ایوان الامرا کے رُکن تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے لندن آنے کی غرض بیان کی۔ انہوں نے فرمایا۔ میں اس معاملے میں ایوان الامراء میں کچھ وضاحت حاصل کرنے کی سعی کروں گا۔ جب مسودہ ایوان عام سے منظور ہو کر ایوان الامراء میں زیرِ بحث آیا تو دورانِ بحث میں لارڈ ٹیمپل وڈ نے سوال کیا کہ والیانِ ریاستہائے سے متعلق شِق سے کیا یہ مراد ہے کہ آزادی کے بعد ایک والئ ریاست کو اختیار ہوگا کہ ہندوستان کے ساتھ ریاست کی طرف سے الحاق کرے یا پاکستان کے ساتھ الحاق کرے یا اگر پسند کرے تو دونوں میں سے کسی کے ساتھ الحاق نہ کرے۔ آزاد رہے ؟

ایوان الامراء میں مسودے کی نگہداشت نائب وزیرِ ہند LORD LISTOWEL کے سپرد تھی۔ انہیں اس سوال کی توقع بھی نہیں تھی اور یہ سوال ان کے لئے پریشان کُن بھی تھا۔ وزیرِ اعظم بہت محتاط تھے کہ پارلیمنٹ میں مسودے کے زیرِ بحث آنے پر والیانِ ریاست کے متعلّق کسی ایسی بات پر زور نہ دیا جائے جس پر کانگریس بگڑ بیٹھے۔ شِق متعلقہ کے الفاظ واضح تھے اور اُن کی صحیح تعبیر وہی تھی جو لارڈ ٹیمپل وڈ نے اپنے سوال میں پیش کی لیکن لارڈ لسٹوئیل کھُلے الفاظ میں اسے تسلیم کرنے سے جی چُراتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے جواباً صرف اپنے سر کو اثباتی جنبش دے دی جس پر لارڈ ٹیمپل وڈ نے فوراً یہ کہہ کر ان کی جنبشِ سر کو ریکارڈ پر ثبت کردیا۔ I TAKE IT THAT THE NOBLE LORD'S NOD CONFIRMS MY ASSUMPTION جناب نواب صاحب نے بعض نجی امور کے متعلق مجھے ہدایت فرمائی تھی کہ میں ان کی طرف سے ہز ہائی نس جناب آغا خاں کی رائے دریافت کروں۔ لندن پہنچنے پر مجھے معلوم ہوا کہ ہز ہائی نس پیرس میں ہیں۔ میں نے وہاں ان کی خدمت میں گذارش ارسال کی کہ خاکسار شرفِ ملاقات کا متمنی ہے۔ ان کا تار آیا۔ کل شام مجھے RITZ میں ملو اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ دوسرے دن جب میں RITZ پہنچا اور CONCIERGE سے اطلاع کرنے کو کہا تو GEORGE نے مجھ سے کہا ہز ہائی نس ابھی ابھی پہنچے ہیں معلوم ہوتا ہے ان کے دل میں تمہاری بہت قدر ہے کیونکہ آج پیرس کے گھوڑ دوڑ کے میدان LONGCHAMPS میں پرنس علی خاں کا گھوڑا GRAND PRIZE میں اوّل آیا ہے اور اس وقت جوڈنر پرنس علی خاں کے

اعزاز میں دیا جا رہا ہے اس میں ہز ہائی نیس کی شمولیت دونوں باپ بیٹوں کے لئے بہت خوشی اور فخر کا موجب ہوتی لیکن ہز ہائی نیس تمہیں ملنے کے لئے یہاں چلے آئے ہیں مگر ہیں بہت خوش۔ تم اوپر جاتے ہی سب سے پہلے اس جیت پر مبارک باد دینا (جارج سترہ سال سے مجھے جانتا تھا اور اُسے معلوم تھا کہ ہز ہائی نیس میرے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے ہیں۔ جارج اور RITZ ایک قسم کے توام تھے۔ بڑا لمبا عرصہ ان کا جوڑ رہا۔ جارج کی سرگذشت جو ایک لحاظ سے RITZ اور RITZ میں ٹھہرنے والوں کی سرگذشت ہے GEORGE OF THE RITZ کے نام سے چھپ چکی ہے)

ہز ہائی نیس خاکسار کے ساتھ اسی شفقت سے پیش آئے۔ جو آپ کا خاصہ تھی۔ امور مشورہ طلب کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرماتے رہے۔ لیکن یہ گفتگو ایک مجلس میں ختم نہ ہوسکی۔ فرمایا کل دوپہر مجھے واپس پیرس جانا ہے۔ یہاں سے روانہ ہوکر COUTTS' BANK میں جاؤں گا۔ اگر تم دس بجے صبح مجھے وہاں مل جاؤ تو مَیں بقیہ امور کے متعلق وہاں تمہیں نوٹ لکھوا دوں گا (COUTTS' BANK پرائیویٹ بینک ہے۔ بڑی مدت سے قائم ہے اور نہایت قابلِ اعتماد ہے۔ شاہی خاندان کے حسابات بھی اسی بینک کے ساتھ ہیں) مَیں وقتِ مقررہ پر STRAND میں بینک کے دفتر میں حاضر ہوگیا۔ الگ بیٹھ کر ہز ہائی نیس نے بقیہ امور کے متعلق بھی اپنا مشورہ نوٹ کروا دیا اور وہیں سے واپس پیرس روانہ ہوگئے۔

مَیں ابھی لندن میں ہی تھا کہ SIR CYRIL RADCLIFFE کے حد بندی کمشن کے امپائر ہونے کا اعلان ہوگیا۔ مجھے PALL MALL کا وہ مقام خوب یاد ہے جہاں مَیں نے یہ اعلان اخبار میں دیکھا اور یہ بھی خوب یاد ہے کہ میری طبیعت اس خیال سے بہت پریشان ہوئی کہ جناب قائداعظم نے ایک پریکٹس کرتے ہوئے بیرسٹر کو جو پارلیمنٹ کے ممبر بھی ہیں کیسے امپائر تسلیم کرلیا۔ ان پر تو کئی قسم کا اثر ڈالا جانے کا امکان ہوسکتا ہے۔ پھر خیال آیا کہ محض قیاس کی بناء پر پریشان ہونا بے کار ہے۔ کیوں نہ ان سے مل کر ان کے متعلق رائے قائم کی جائے۔ مَیں نے حاضرِ خدمت ہونے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے اپنے مکان واقع HIGHGATE پر ملنے کا وقت عطا فرمایا۔ اس سے مجھے کچھ اطمینان ہوا کہ سفر کی تیاری میں مصروف ہونے کے باوجود عدم فرصت کی بناء پر عذر نہیں کیا۔ پھر اپنے دفتر یا ایوانِ عام میں طلب نہیں فرمایا جس سے ترشح ہوتا کہ رسمی علیک سلیک کے سوائے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ تو نہ میری نیت تھی نہ مناسب تھا کہ مَیں اُن سے ان کے فرائض سے متعلق کوئی ایسی بات چیت کرتا جو اُن کی رائے یا فیصلے پر اثر انداز

ہوسکتی۔ لیکن وہ مجھے جانتے نہیں تھے اس لئے میری نیت یا ارادے کے متعلق کوئی قیاس نہیں کرسکتے تھے۔ پھر بھی ان کا مجھے ملاقات کے لئے وقت دینا کم سے کم یہ ظاہر کرتا تھا کہ انہیں اپنے پر ضرور اعتماد ہے جو میرے لئے باعثِ اطمینان تھا۔ چنانچہ مَیں حاضرِ خدمت ہوا۔ گفتگو بالکل سرسری تھی۔ اپنے پروگرام کے متعلق اتنا فرمایا کہ مَیں جلد روانہ ہونے والا ہوں۔ لیکن جہانتک مَیں اندازہ کرسکا اُن کی طبیعت پر اُن کے فرائض کی اہمیت اور ان کے سرانجام دینے کے متعلق کسی قسم کے شوق یا جوش کا تأثر نہیں تھا۔ مَیں اُن کی ملاقات کے لئے پریشان لیکن کچھ اطمینان حاصل کرنے کی توقع میں گیا اور پریشان تر واپس آیا۔

لندن میں کم سے کم عرصہ ٹھہرنے کے بعد مَیں واپس روانہ ہوگیا اور کراچی سے سیدھا لاہور گیا۔ مَیں اپنے اندازے سے ایک دن قبل لاہور پہنچا۔ سٹیشن پر اصحاب کرام کا بہت ہجوم تھا۔ جناب نواب صاحب ممدوٹ سے یہ سُن کر کہ SIR CYRIL RADCLIFFE لاہور پہنچ چکے ہیں اور دوسری صبح گیارہ بجے فریقین کے وکلاء کو طلب فرمایا ہے۔ حیرت اور پریشانی ہوئی۔ ساتھ ہی جناب نواب صاحب نے فرمایا۔ کل ½۲ بجے بعد دوپہر میرے مکان پر تمہاری ملاقات وکلاء کے ساتھ ہوگی۔ اس سے مجھے کچھ ڈھارس ہوئی کہ گو وقت تھوڑا ہے۔ مجھے اَور تو کوئی کام ہے نہیں۔ وکلاء کے ساتھ متواتر مشورے کا پروگرام طے کرکے اللہ تعالیٰ کے فضل اور صبح شام تیاری میں صرف کرکے اور اس کی عطا کردہ توفیق سے بحث کے شروع ہونے تک کیس کا ڈھانچہ تیار ہوجائے گا۔ نواب صاحب نے ارشاد فرمایا۔ تمہارا قیام تو میرے ہاں ہی ہوگا؟ میں نے گذارش کی مَیں اپنے دیرینہ کرمفرما جناب سر سیّد مراتب علی صاحب کے ہاں ٹھہرنے کا انتظام کرچکا ہوں۔ ان کا مکان آپ کے دولتکدے سے بہت قریب ہی ہے (اس گفتگو کے دوران میں ہم سٹیشن سے باہر نکل رہے تھے۔ جناب نواب صاحب میری بائیں جانب تھے اور جناب ملک سر فیروز خاں نون صاحب میرے دائیں ہاتھ پر تھے۔ جناب ملک صاحب نے جناب نواب صاحب کا آخری جملہ سُنتے ہی جُھک کر میرے کان میں کہا ان کے ہاں نہ ٹھہرنا۔ ان کا مکان تو ریلوے جنکشن کی طرح ہر وقت پُر ہجوم رہتا ہے۔ تمہیں کام کی طرف توجہ کرنا دشوار ہوگا اور بالکل یکسوئی حاصل نہیں ہوگی۔ مَیں نے جو گذارش نواب صاحب کی خدمت میں کی تھی جناب ملک صاحب سے دوہرا دی۔ ان کا اطمینان ہوگیا) پھر نواب صاحب نے فرمایا میرے پاس دو کاریں ہیں۔ بڑی کار مَیں تمہارے استعمال کے لئے تمہاری جائے قیام پر بھیج دوں گا۔ مَیں نے گذارش کی۔ نواب صاحب مَیں یہاں کام کرنے کے لئے آیا ہوں سیر کرنے نہیں آیا۔ اپنے کام کے متعلق جو آنا جانا

ہو گا۔ اس کیلئے سواری کی ضرورت بے شک ہو گی، اس کا جو بھی مناسب انتظام ہو آپ فرما دیں۔ اس کے علاوہ مجھے کسی سواری کی ضرورت نہیں۔ جہانتک مجھے یاد پڑتا ہے یہ سوموار کی شام تھی۔

منگل کی صبح ۱۱ بجے ہم سر سیرل ریڈ کلف کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ کمشن کے اراکین جناب خانبہادر شیخ دین محمد صاحب، جناب مسٹر محمد منیر صاحب، جناب لالہ مہر چند مہاجن صاحب اور جناب سردار تیجا سنگھ صاحب بھی موجود تھے۔ سر سیرل نے کمشن کا پروگرام یہ بتایا کہ سب فریق آئندہ جمعہ کی دوپہر تک اپنے تحریری بیان داخل کر دیں۔ آئندہ سوموار کو کمشن زبانی بحث کی سماعت شروع کرے گا۔ مَیں خود سماعت میں شریک نہیں ہوں گا کیونکہ اگر کمشن بالاتفاق یا کثرت رائے سے حد بندی کر دے تو میری طرف سے کسی دخل اندازی کی ضرورت نہیں ہو گی۔ میرا کام صرف اس صورت میں فیصلہ دینا ہے کہ کمشن کے اراکین کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکیں نہ بالاتفاق نہ کثرت رائے سے۔ لیکن کمشن کے روبرو جو کچھ بیان کیا جائیگا۔ اس کی تفصیلی رپورٹ ہر روز مجھے بھیج دی جایا کرے گی۔ یہ پروگرام بھی میرے لئے پریشانی کا باعث تھا۔ منگل کی دوپہر ہو چکی تھی اور تحریری بیانات جمعہ کی دوپہر تک داخل کئے جانے تھے۔ مجھے اتنا بھی معلوم نہیں تھا۔ کہ میرے ساتھ کون وکلاء صاحبان کام کریں گے۔ آیا انہوں نے تحریری بیان تیار کر لیا ہے یا کس حد تک تیار کیا ہے۔ مجھے بحث کی تیاری کے لئے کیا کرنا ہو گا؟ اس تیاری کے لئے میرے رفقاء کہاں تک میری مدد کر سکیں گے؟ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ہماری طرف سے کمشن کے روبرو کیا ادّعا پیش ہونا چاہیئے۔

مَیں اب بہت بیتابی سے ۲½ بجے سہ پہر کا منتظر تھا کہ اپنے رفقاء اور مشیران سے مل کر ان سب امور کے متعلق تفاصیل معلوم کر دوں۔ اور ہم سب مستعدی سے اپنے اپنے کام کے پیچھے لگ جائیں۔ اوّل تو جو کچھ بقیہ کام تحریری بیان کی تکمیل کے لئے ضروری ہو اُسے سرانجام دیا جائے اور پھر بحث کی تیاری کی جائے۔

مَیں وقتِ مقررہ پر ممدوٹ وِلاّ میں حاضر ہو گیا۔ وکلاء اصحاب کی تو کوئی کمی نہیں تھی۔ اکثر اصحاب کے ساتھ مَیں اپنی پریکٹس کے زمانے میں کام کر چکا تھا اور انہیں اچھی طرح سے جانتا تھا۔ بعض ان میں سے برسوں میرے سینئر تھے۔ ان کے علاوہ بھی بعض کے ساتھ میری جان پہچان تھی۔ یہ اجتماع ممدوٹ وِلاّ کے گول کمرے میں تھا اور مجھے کسی قدر حیرت ہوئی کہ اتنی تعداد میں قانون دان اصحاب کو کیوں جمع کیا گیا ہے۔ مَیں نے سب صاحبان کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد کہا۔ صاحبان آپ میں سے کون کون صاحب اس کیس میں میرے رفیقِ کار ہیں؟ اس پر جناب ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب نے فرمایا کس کیس میں؟

ظفراللہ خاں۔ یہی تقسیم کے کیس میں جس کے لئے مَیں حاضر ہوا ہوں!

خلیفہ شجاع الدین۔ ہمیں کسی کیس کا کوئی علم نہیں۔ ہم سے تو صرف یہ کہا گیا کہ تم تقسیم کے کیس کے لئے آئے ہو۔ اور مسلم لیگ کا کیس کمشن کے روبرو تم پیش کرو گے اور تمہیں ملنے کے لئے ہمیں اس وقت یہاں آنے کی دعوت دی گئی۔

مَیں نے جناب نواب صاحب کی طرف استفساراً دیکھا۔ آپ مسکرا دیئے!

مَیں نہایت سراسیمگی میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور گذارش کی۔ آپ صاحبان سے معذرت چاہتا ہوں۔ وقت بہت کم ہے اور مجھے کیس کی تیاری شروع کرنا ہے۔ آپ کی تکلیف فرمائی کا ممنون ہوں لیکن اب رخصت چاہتا ہوں جناب نواب صاحب کمرے سے میرے ساتھ ہی باہر آئے اور مَیں نے اُن کی خدمت میں گذارش کی۔ اس وقت تو مجھے کچھ سوجھ نہیں رہا۔ لیکن بہرصورت آئندہ دو دنوں میں تحریری بیان تیار کرنا ہے اور پھر اس کی تائید میں بحث کی تیاری کرنا ہے۔ کل صبح سے مجھے کچھ نہ کچھ لکھوانا ہوگا۔ آپ یہ انتظام فرما دیں کہ کل صبح دو اچھے ہشیار تیز رفتار سٹینوگرافر میرے پاس پہنچ جائیں اور کاغذ پنسل قلم دوات ٹائپ کی مشینیں وغیرہ تمام دفتری سامان ساتھ لیتے آئیں۔ مَیں انہیں باری باری لکھوانا شروع کروں گا۔ نواب صاحب نے فرمایا۔ تم فکر نہ کرو۔ زود نویس اور تمام دفتری سامان صبح سات بجے تمہاری قیامگاہ پر موجود ہوگا۔ مَیں نے شکریہ ادا کیا اور اپنی بیکسی اور بے سروسامانی کے بوجھ سے لدا ہوا قیامگاہ پر واپس ہوا۔ نماز میں درگاہِ رب العزّت میں فریادی اور ملتجی ہوا۔ الٰہی مَیں تن تنہا عاجز اور بیکس اور ذمہ داری اس قدر بھاری، اس امانت کی کما حقّہا ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟ تُو جانتا ہے مَیں تو بالکل خالی اور صِفر ہوں لیکن تجھے ہر قدرت ہے تو اپنے فضل و رحم سے مجھے فہم اور توفیق عطا فرما اور خود میرا ہادی و ناصر ہو۔

مجھے اپنی پریکٹس کے زمانے میں کئی بار بہت تھوڑے عرصے میں پیچیدہ مقدمات کی بحث کی تیاری کرنا پڑی تھی۔ لیکن یہ کوئی پریشان کن تجربہ نہیں تھا۔ ضروری کاغذات مہیا کر دیئے جاتے تھے۔ اہم مقدمات میں کوئی رفیق کار ساتھ شامل ہوتا تھا۔ موافق مخالف مواد اور عناصر پیشِ نظر ہوتے تھے۔ صرف یکسوئی اور توجہ درکار ہوا کرتے تھے۔ یہاں ذمہ داری تو اس قدر اہم اور گراں اور باقی صِفر! اگر جناب قائدِ اعظم لاہور میں تشریف فرما ہوتے تو مَیں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ہدایات طلب کرتا لیکن وہ دلی تشریف فرما تھے۔ ٹیلیفون پر بات ہو سکتی تھی۔ لیکن ٹیلیفون پر ہدایات حاصل کرنا مشکل تھا اور ساتھ ہی مجھے یہ بھی احساس تھا کہ جو تیاری

کیس کے متعلق ہونا تھی وہ تو مُسلم لیگ کی لاہور کی قیادت کے ذمّے تھی۔ مَیں اگر قائدِ اعظم کی خدمت میں کچھ گذارش بھی کروں تو وہ ایک رنگ کا شکوہ ہوگی جو اُن کی پریشانی کا موجب ہوگی۔ مجھے تو اس سے کچھ مدد مل نہیں سکے گی۔

مَیں نماز سے فارغ ہوا تو معلوم ہوا جناب خواجہ عبدالرحیم صاحب تشریف لائے ہیں۔ جناب خواجہ صاحب ان دنوں کمشنر راولپنڈی تھے لیکن لاہور میں پناہ گزینوں کے استقبال اور ان کی خبرگیری کا انصرام ان کے سپرد تھا۔ ان کا دفتر میری قیام گاہ کے مقابل کے بنگلے کے سامنے دو خیموں میں تھا۔ جناب خواجہ صاحب نے فرمایا۔ تمہارا وقت بہت قیمتی ہے۔ مَیں زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا۔ ایک تو مَیں یہ کاغذات لایا ہوں۔ مَیں کچھ عرصے سے اپنے طور پر سرکاری ریکارڈ میں سے دیہات، تھانہ جات، تحصیلوں اور اضلاع کے فرقہ وارانہ آبادی کے اعداد و شمار جمع کرنے کی طرف متوجہ تھا۔ یہ تمام صوبے کی آبادی کے نقشہ جات ہیں۔ ممکن ہے تمہیں کیس کی تیاری میں ان سے کچھ مدد مِل سکے۔ دوسرے اگر تمہیں کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو میرے اختیار اور بس میں جو کچھ ہوگا مَیں حاضر ہوں۔ میرا دفتر سامنے ہی ہے اور یہ میرا ٹیلیفون نمبر ہے

مَیں نے خواجہ صاحب کا تہِ دل سے شکریہ ادا کیا اور وہ تشریف لے گئے۔ میرا دل اللہ تعالیٰ کے شکر سے لبریز ہوگیا اور مَیں نے یُوں محسوس کیا کہ اُس قادر و رحیم نے میری بیکسی پر رحم کی نظر ڈالی اور اپنی طرف سے ایک بے بہا خزانہ مجھے عطا فرمایا۔ میرے دل کی ڈھارس بندھی کہ جس قادر ہستی نے چند لمحوں کے اندر غیب سے اس قدر قیمتی مواد مجھے عطا فرمایا ہے جس کے بغیر مَیں ایک قدم بھی اُٹھا نہیں سکتا تھا وہ ضرور بقیہ مراحل میں بھی میری دستگیری فرمائے گا اور اپنی رحمت سے مجھے فہم اور توفیق عطا فرمائے گا۔ ساتھ ہی چار وکلاء صاحبان تشریف لے آئے۔ جناب صاحبزادہ نصرت علی صاحب اور جناب شیخ نثار احمد صاحب منٹگمری سے۔ جناب سیّد محمد شاہ صاحب پاک پٹن سے اور جناب چوہدری علی اکبر صاحب ہوشیار پور سے اور فرمایا ہم تمہارے ساتھ شریکِ کار ہوں گے۔ جو خدمت چاہو ہم سے لو۔ یہ مزید فضل اللہ تعالیٰ کا ہوا کہ اس نے چار بااخلاص مستعد کام کرنے والوں کے دل میں تحریک کی کہ وہ میرے ساتھ آکر شامل ہوں۔ اور میرے مشیر اور معاون ہوں۔ لاہور کے وکلاء میں سے جناب احمد سعید صاحب کرمانی وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہے اور جس کام کے لئے ان کی خدمت میں گذارش کی جاتی اس کی طرف توجہ فرماتے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو دُنیا اور آخرت میں اپنی رحمت سے وافر حصہ عطا فرمائے۔ آمین۔

میرے چاروں رفقائے کار نے نہایت محنت، مستعدی اور جانفشانی کے ساتھ دن رات میرے کام میں تعاون کیا۔ ہر قسم کی تکلیف برداشت کی۔ لیکن نہ صرف یہ کہ حرفِ شکایت زبان پہ نہ آیا بلکہ ماتھے پر کبھی تیور بھی نہ آیا اور تمام وقت پوری بشاشت کے ساتھ مصروفِ کار رہے۔ ہر مرحلے پر ان کا مشورہ میرے لئے حوصلہ بڑھانے کا موجب ہوا۔ اور ان کا مشفقانہ تعاون میرے لئے قلبی اطمینان کا موجب ہوا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

جناب چوہدری علی اکبر صاحب کے سپرد آبادی کے اعداد و شمار کی تصدیق اور ضروری معلومات کا بہم پہنچانا تھا۔ انہوں نے اپنے فرائض کو بڑی مستعدی سے نباہا۔ اگرچہ انہیں ان کی سرانجام دہی میں بہت دوڑ دھوپ کرنا پڑی جولائی کے مہینے میں لاہور کا موسم بہت ناسازگار رہتا ہے۔ لیکن جناب چوہدری صاحب کے رستے میں موسم کی شدت کسی قسم کی روک پیدا نہ کر سکی۔ چُور ہو کر آتے اور اپنے کام کی رپورٹ سُنا کر فرش پر ہی دراز ہو جاتے اور کوفت سے آرام حاصل کرتے۔ کمشن کے روبرو بحث کے دوران میں جب کبھی آبادی کے اعداد و شمار کے متعلق فریقین کے درمیان اختلاف پیدا ہوتا تو ایک صاحب فریق مخالف کی طرف سے اور جناب چوہدری صاحب ہماری طرف سے نامزد کئے جاتے کہ دفتر آبادی میں جا کر متنازعہ اعداد و شمار کی تصدیق کریں اور بفضل اللہ ہر بار ہمارے پیش کردہ اعداد و شمار کی تصدیق ہوتی۔ جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جناب خواجہ عبدالرحیم صاحب نے جو نقشہ جات ہمیں عنایت فرمائے تھے وہ بہت محنت اور توجہ سے تیار کئے گئے تھے۔

جناب خواجہ صاحب کے تشریف لے جانے اور وکلاء صاحبان کی تشریف آوری کے بعد ہم نے طبعاً پہلا کام یہ کیا کہ طریقہ تقسیم کے متعلق سرکاری بیان کا مطالعہ کیا اور اس کا تجزیہ کیا اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ملحقہ اکثریت کے علاقوں کی تشخیص کے لئے معیار کا تجویز کرنا لازم ہے۔ گاؤں تو عملاً ایسا معیار بن نہیں سکتا تھا کیونکہ بعض علاقوں میں ایک گاؤں میں اگر مُسلم اکثریت تھی تو ساتھ کے گاؤں میں غیرمسلم اکثریت تھی۔ اس بنا پر کوئی معقول حد بندی تجویز نہیں ہو سکتی تھی۔ تھانہ کو اگر معیار تجویز کیا جاتا تو اس صورت میں بھی یہی مشکل بہت جگہ درپیش تھی۔ دراصل انتخاب تحصیل اور ضلع کے درمیان تھا گو ہم نے یہ بھی طے کیا کہ بحث کے دوران میں ہماری طرف سے کشنری اور دوآبوں کو معیار اختیار کرنے کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے۔ صوبے بھر کے اخبارات میں ملحقہ اکثریت کے علاقوں پہ بحث بازی ہو رہی

تھی مسلمانوں کی طرف سے۔ لدھیانہ تک کا علاقہ مسلم اکثریت کا علاقہ بیان کیا جاتا تھا اور غیر مسلموں کی طرف سے جہلم تک کا علاقہ غیر مُسلم اکثریت کا علاقہ بیان کیا جاتا تھا۔ عارضی انتظامی تقسیم میں راولپنڈی اور ملتان ڈویژن اور لاہور ڈویژن کے جملہ اضلاع سوائے ضلع کانگڑہ کے مغربی پنجاب میں شامل کئے گئے تھے۔ اگر ہماری طرف سے ضلع کو معیار قرار دیا جاتا تو ان اضلاع میں سے امرتسر کو ترک کرنا پڑتا۔ ایک خدشے کا اظہار کیا گیا کہ اگر ہم نے ضلع کو معیار قرار دیا تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے گا کہ ہم انتظامی تقسیم سے کم علاقہ لینے پر رضامند ہیں اور اس کے نتیجہ میں ممکن ہے ہمارے علاقے کو اور بھی کم کر دیا جائے۔

تحصیل کو معیار قرار دینے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا تھا کہ ضلع فیروز پور کی دو تحصیلیں فیروز پور اور زیرہ، ضلع جالندھر کی دو تحصیلیں نواں شہر اور جالندھر مُسلم اکثریت کے علاقے میں شمار ہوتی تھیں۔ ان کے ساتھ آگے مشرق کی طرف ملحقہ تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور تھی۔ اس تحصیل میں نہ مسلمانوں کی کثرت تھی نہ ہندوؤں اور سکھوں کی کثرت تھی۔ عیسائی آبادی جس طرف شامل کی جاتی اس فریق کی کثرت بن جاتی۔ اس تحصیل کے عیسائیوں کی طرف سے سر سیرل ریڈ کلف کی خدمت میں محضر نامہ ارسال کیا گیا تھا کہ ہمیں مسلمانوں کے ساتھ شمار کیا جائے۔ اگر تحصیل کو معیار قرار دیا جاتا تو فیروز پور، زیرہ، نواں شہر، جالندھر اور عیسائیوں کے شامل ہونے کے ساتھ دسوہہ، پانچوں تحصیلیں مسلم اکثریت کے علاقے میں شمار ہوتیں۔ ریاست کپورتھلہ میں بھی مسلمانوں کی کثرت تھی وہ بھی ان تحصیلوں سے ملحق علاقہ تھا۔ ضلع امرتسر میں اجنالہ تحصیل میں مسلمانوں کی کثرت تھی اور امرتسر اور ترنتارن میں غیر مسلموں کی کثرت تھی۔ لیکن اگر فیروز پور، زیرہ، نواں شہر، جالندھر اور کپورتھلہ پاکستان میں شامل کئے جاتے تو امرتسر اور ترنتارن غیر مسلم اکثریت کے ملحق علاقے نہ رہتے کیونکہ وہ چاروں طرف سے مُسلم اکثریت کے علاقوں سے گھرے ہوئے تھے۔ ضلع گورداسپور میں بٹالہ، گورداسپور اور شکر گڑھ کی تحصیلوں میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ تحصیل پٹھانکوٹ میں اکثریت غیر مسلموں کی تھی۔ اور یہ تحصیل ضلع کانگڑہ اور ضلع ہوشیار پور سے ملحق بھی تھی جو غیر مُسلم اکثریت کے اضلاع تھے۔

ہم سب کا میلان اسی طرف ہوا کہ تحصیل کو معیار قرار دیئے جانے پر زور دیا جائے لیکن ہمارا میلان فیصلہ کن عنصر نہیں تھا۔ ہم مُسلم لیگ کی طرف سے کیس تیار کر رہے تھے۔ ہماری طرف سے کیا کیس پیش کیا جائے اس کا فیصلہ کرنا مُسلم لیگ کے اختیار میں تھا۔ ہمارے اختیار میں نہیں تھا۔ پنجاب میں مُسلم لیگ کے صدر جناب نواب صاحب ممدوٹ تھے۔ ان سے استصواب لازمی تھا۔ وہ شدت تواضع اور

انکسار کی وجہ سے خود کوئی فیصلہ فرماتے ہی نہیں تھے اور چونکہ ہر امر میں اپنے قریبی مشیران کی رائے کو قبول فرماتے تھے۔ اس لئے تفاصیل پر غور کرنے بلکہ تفاصیل کا علم حاصل کرنے سے بھی پرہیز کرتے تھے۔

ان ایام میں ان کے قریب ترین مشیران جناب میاں ممتاز محمد خاں صاحب دولتانہ اور جناب سردار شوکت حیات خاں صاحب تھے۔ جناب سردار صاحب کی طبیعت علیل تھی۔ جناب میاں صاحب کی خدمت میں خاکسار نے گذارش کی کہ میرے تحریری بیان تیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس امر کا فیصلہ کیا جائے کہ ملحقہ اکثریت کے علاقوں کی تشخیص کے لئے ہماری طرف سے کیا معیار پیش کیا جائے۔ انہوں نے فرمایا تم سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔ جو تم تجویز کرو وہی بہتر ہوگا۔ مَیں نے کہا یہ امر لیگ کی طرف سے طے ہونا چاہیئے۔ مَیں تو ایک فرد واحد ہوں اور میری حیثیت وکیل کی ہے۔ مجھے جو ہدایات لیگ کی طرف سے دی جائیں مجھے ان کی پابندی کرنا ہوگی۔ جناب میاں صاحب نے میری رائے دریافت کی۔ مَیں نے مختصر طور پر اپنا اور اپنے رفقائے کار کا رجحان بیان لکھ دیا۔ جناب میاں صاحب نے فرمایا تو بس یہی ٹھیک ہے۔ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔ بعد میں قسم قسم کی قیاس آرائیاں کی گئی ہیں جن کی بنیاد کسی حقیقت پر نہیں۔ کہا گیا ہے کہ چونکہ جناب نواب صاحب ممدوٹ کی خاندانی جاگیر کا بیشتر حصہ تحصیلوار بٹوارے میں پاکستان میں شامل کئے جانے کی امید کی جاسکتی تھی اس لئے انہوں نے تحصیل وار بٹوارے پر زور دیا۔ یہ محض اتہام ہے اور بالکل بے بنیاد اتہام ہے۔ خاکسار کی دانست میں جناب نواب صاحب ان تفاصیل سے بالکل ناواقف تھے اور اگر واقف تھے بھی تو یہ واقعہ ہے کہ ان کی طرف سے خاکسار کو ایک لفظ بھی اس بارے میں نہیں کہا گیا۔ نہ خاکسار نے ان سے دریافت کیا نہ انہوں نے خود کچھ فرمایا نہ کسی قسم کا اشارہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب واقعات اس سرعت سے پیش آتے گئے اور صوبے کے حالات میں اس تیزی کے ساتھ ابتری پیدا ہونا شروع ہوگئی کہ طبائع میں انتشار اور سراسیمگی سرائت پذیر ہوتے گئے اور کسی امر پر سنجیدگی سے غور کرنا مشکل ہوتا چلا گیا۔ ان امور کے متعلق پہلے سے کوئی تیاری نہیں کی گئی تھی نہ اُن پر سنجیدہ غور ہوا تھا اس لئے فیصلہ مشکل تھا۔ بعد کے پیدا ہونے والے حالات ابھی پردہ غیب میں تھے۔ اس وقت ان کے متعلق صحیح اندازہ ممکن نہیں تھا۔ آرزوؤں اور خدشات، قیاسات اور تخیلات کی فراوانی تھی۔ صحائف اور جرائد انہی سے پُر تھے۔ آج جو ابوالحکم ہونے کے مدعی ہیں اس وقت خاموش اور دم بخود تھے۔

مَیں اپنے رفقائے کار کے ساتھ تا دیر مشورے اور تیاری میں مصروف رہا۔ ان کے تشریف لے جانے کے بعد بھی کھانے اور نماز سے فارغ ہو کر اعداد و شمار کی پڑتال اور سرکاری اعلان کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے اور تحریری بیان کے لئے نوٹ تیار کرنے میں بہت سا وقت صرف ہوا۔ غرض منگل کا دن بہت پریشانیوں میں صرف ہوا لیکن سوتے وقت تک میری طبیعت میں کسی قدر سکون پیدا ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے بنیادی مواد بھی میسّر فرما دیا اور مخلص رفقائے کار بھی عطا فرمائے اور میری بے علمی اور جہالت کی تاریکی میں کچھ اُجالا بھی کر دیا۔

بُدھ کی صبح کو مَیں جلد تیار ہو کر ناشتے سے فارغ ہو گیا۔ سات بج چکے تھے لیکن جناب نواب صاحب کے ارسال کردہ زود نویس ابھی تشریف نہیں لائے تھے۔ ان کی انتظار میں مَیں مزید دیکھ بھال اور تیاری میں مصروف رہا۔ ½ ۷ بج گئے، پونے آٹھ بجے، آٹھ بج گئے۔ اب پھر مَیں پریشان ہوا۔ جناب خواجہ عبدالرحیم صاحب کی خدمت میں ٹیلیفون پہ گذارش کی۔ انہوں نے فرمایا۔ مَیں ابھی انتظام کرتا ہوں چند منٹ کے بعد انہوں نے اطلاع دی۔ میرے دونوں سٹینوگرافر مع ضروری سامان نو بجے تک تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ یہ دونوں صاحبان نو بجے سے قبل ہی تشریف لے آئے اور مَیں نے تحریری بیان کا مسودہ املاء کروانا شروع کر دیا۔ اتنے میں میرے رفقائے کار بھی تشریف لے آئے اور میرے ساتھ شامل ہو گئے۔ مَیں املاء کرواتا اور وہ چوکس نگرانی رکھتے اور جہاں ضرورت ہوتی مشورہ دیتے یا اصلاح کرتے۔ دونوں زود نویس اپنے فن میں ماہر تھے اور بہت توجّہ، محنت اور اخلاص کے ساتھ کام کرتے رہے جس سے ہمارے لئے بہت سہولت ہو گئی۔ فجزاہما اللہ احسن الجزاء

جناب نواب صاحب کے تجویز کردہ زود نویس بحث کے آخر تک ہمیں میسّر نہ آئے اور نہ ہی نواب صاحب کی طرف سے کوئی اطلاع ملی کہ وہ کیا ہوئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اُن دنوں لاہور ہی میں تشریف فرما تھے۔ بُدھ کی سہ پہر کو جناب مولانا عبدالرحیم درد صاحب خاکسار کے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ حضرت صاحب نے مجھے بھیجا ہے کہ تم سے دریافت کروں کہ حضرت صاحب کس وقت تشریف لا کر تمہیں تقسیم کے بعض پہلوؤں کے متعلق معلومات بہم پہنچا دیں۔ خاکسار نے گذارش کی، خاکسار جس وقت ارشاد ہو۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔ جناب درد صاحب نے فرمایا حضور کا ارشاد ہے۔ تم نہایت اہم فرض کی

سرانجام دہی میں مصروف ہو۔ تمہارا وقت بہت قیمتی ہے، تم اپنے کام میں لگے رہو ہم وہیں آجائیں گے۔ یہی مناسب ہے چنانچہ حضور تشریف لائے اور بٹوارے کے اصولوں کے متعلق بعض نہایت مفید حوالوں کی نقول خاکسار کو عطا کیں اور فرمایا۔ اصل کتب کے منگوانے کے لئے ہم نے انگلستان فرمائش بھیجی ہوئی ہے۔ اگر بروقت پہنچ گئیں تو وہ بھی تمہیں بھیج دی جائیں گی۔ نیز ارشاد فرمایا ہم نے اپنے خرچ پر حد بندی کے ایک ماہر پروفیسر کی خدمات انگلستان سے حاصل کی ہیں۔ وہ لاہور پہنچ چکے ہیں اور نقشہ جات وغیرہ تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ تم تحریری بیان تیار کر لینے کے بعد ان کے ساتھ مشورے کے لئے وقت نکال لینا وہ یہاں آکر تمہیں یہ پہلو سمجھا دیں گے۔ چنانچہ متعلقہ کتب انگلستان سے قادیان پہنچیں اور وہاں سے ایک موٹر سائیکل سوار SIDE - CAR میں رکھ کر انہیں لاہور لائے اور دوران بحث میں وہ ہمیں میسر آگئیں اور اُن سے ہمیں بہت مدد ملی۔ پروفیسر SPATE نے دفاعی پہلو خاکسار کے ذہن نشین کر دیا۔ ہندو فریق کی طرف سے ہندوستان کے دفاع کی ضروریات کی بنا پر مسٹر ایم ایل سیتلواڈ نے بڑے زور سے دریائے جہلم تک کے علاقے کا مطالبہ کیا لیکن میری طرف سے پروفیسر SPATE کے تیار کردہ نقشہ جات کے پیش کرنے اور ان کی اہمیت واضح کرنے کے بعد فریق مخالف کی طرف سے ایک لفظ بھی جواباً اس موضوع پر نہ کہا گیا۔ بحث کے دوران میں حضرت خلیفۃ المسیحؓ خود بھی اجلاس میں تشریف فرما رہے اور اپنی دعاؤں سے مدد فرماتے رہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

بُدھ کی شام کو جناب خان بہادر شیخ دین محمد صاحب تشریف لائے۔ نہایت پریشان تھے۔ فرمایا تم اپنی تیاری کرو اور جیسے بن پڑے بحث بھی کرنا اور منیر اور مَیں جو کچھ ہم سے ہو سکے گا ہم کریں گے۔ لیکن میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ یہ سب کچھ محض کھیل ہے۔ حد بندی کا فیصلہ ہو چکا ہوا ہے اور اسی کے مطابق حد بندی ہو گی۔ نہ تم کچھ کر سکتے ہو نہ ہم کچھ کر سکتے ہیں۔

ظفر اللہ خاں : آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا ؟

جناب شیخ دین محمد صاحب : کل جب تم لوگ چلے آئے تو سر سیرل ریڈکلف کے ساتھ جو ہماری گفتگو ہوئی، اس کے دوران میں اس نے ذکر کیا۔ کل صبح مَیں ہوائی جہاز میں اردگرد کا علاقہ دیکھنے کے لئے جا رہا ہوں۔ اس پر مَیں نے کہا اگر آپ حد بندی کے سلسلے میں علاقہ دیکھنے جا رہے ہیں تو آپ ضرور کچھ تاثر اس معائنے سے اخذ کریں گے ادھر بطور امپائر آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنا فیصلہ اسی مواد کی

بنا پر کریں جو کمشن کے روبرو پیش کیا جائے اور جو کمشن آپ کی خدمت میں ارسال کرے۔ اس پرواز سے جو تاثر آپ حاصل کریں گے اس کا علم کمشن کو کیسے ہوگا؟ اس پر سر سیرل نے کہا۔ مجھے اس غرض کے لئے جو ہوائی جہاز مہیا کیا گیا ہے وہ فوجی نوع کا ہے اور اس میں زیادہ گنجائش نہیں۔ لیکن اگر آپ پسند کریں تو آپ میں سے دو اراکین میرے ساتھ چل سکتے ہیں۔ چنانچہ طے ہوا کہ مُنیر اور تیجا سنگھ آج صبح ریڈکلف کے ساتھ جائیں۔ ان کی روانگی آج صبح سات بجے والٹن کے ہوائی میدان سے تھی۔ جب یہ سب وہاں جمع ہوئے تو پائیلاٹ نے کہا۔ صاحبان آپ دیکھتے ہیں کہ آسمان گرد آلود ہو رہا ہے۔ مَیں آپ کو لے تو چلتا ہوں لیکن گرد کی وجہ سے اوپر سے آپ کو کچھ نظر تو آئے گا نہیں محض آپ کا وقت ضائع ہوگا۔ اس پر ریڈکلف نے پرواز منسوخ کر دی۔ وہاں سے چلتے وقت منیر نے پائلاٹ سے کہا۔ اگر مطلع صاف ہوتا تو تم ہمیں کہاں لے جانے والے تھے؟ اس نے اپنے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اور ایک پرزہ کاغذ نکال کر منیر کے حوالے کیا اور کہا یہ تھیں میری ہدایات، ان سے تم خود اندازہ کر لو۔ مُنیر وہ پرزہ لے آیا اور مجھے دکھایا۔ اس میں درج تھا۔ مشرق کی طرف جا کر دریائے راوی کے اس مقام کے اُوپر پہنچو جہاں دریا پہاڑی علاقے سے نکل کر میدان میں بہنا شروع کرتا ہے۔ وہاں سے دریائے راوی کے اُوپر پرواز کرتے ہوئے فلاں مقام تک آؤ جو ضلع لاہور میں ہے۔ وہاں سے دریا کو چھوڑ کر بائیں جانب ہو جاؤ اور فلاں سمت میں دریائے ستلج کے پار تک پرواز کر کے فلاں مقام کے اُوپر سے لَوٹ کر لاہور واپس آجاؤ۔ مَیں اس کاغذ کو دیکھنے کے وقت سے نہایت پریشان ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ جو لائن اس کاغذ میں درج ہے وہی حد بندی کی لائن ہے اور یہ طے شدہ بات ہے۔ اب تم تو اپنا تحریری بیان داخل کرو گے اور اجلاس عام میں بحث کرو گے۔ تمہارا موقف واضح ہوگا اور ہر شخص اس کا اندازہ کرلیگا ہمارا کام پسِ پردہ ہوگا۔ جب حد بندی کا اعلان ہوگا تو مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوگا اور وہ مُنیر کو اور مجھے ذمہ دار ٹھہرائیں گے اور موردِ الزام کریں گے۔ چنانچہ ہم دونوں نے فیصلہ کیا ہے کہ مَیں آج رات دلی جاؤں، اور کل صبح قائداعظم سے مل کر یہ سارا ماجرا انہیں سناؤں اور ان سے اجازت طلب کروں کہ مُنیر اور مَیں کمشن سے مستعفی ہو جائیں۔ اس کے بعد قائداعظم جیسے بن پڑے اس گتھی کو سُلجھا لیں۔

ظفراللہ خان۔ اس بات پر تو مجھے آپ کے ساتھ اتفاق ہے کہ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہے کہ حد بندی کی تعیین پہلے سے ہو چکی ہے اور یہ باقی تمام کارروائی محض فریب رہی ہے اور مَیں آپ کی پریشانی میں بھی شریک

ہوں۔ آپ ضرور دلّی تشریف لے جائیں۔ لیکن قائداعظم کی خدمت میں گذارش کرتے ہوئے یہ بات ضرور ذہن میں رکھیں کہ وہ بہت قانونی طبیعت کے مالک ہیں۔ اس لئے آپ اپنے استعفاء کی بنیاد کسی قانونی عذر پر رکھیں ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ رضامند نہیں ہوں گے۔

جناب شیخ دین محمد صاحب: تمہارے ذہن میں کوئی قانونی عذر آتا ہے۔

ظفراللہ خاں: آپ اجازت دیں تو میں اپنے خیال کا اظہار کر دیتا ہوں۔

جناب شیخ دین محمد صاحب: کہو۔

ظفراللہ خان: آپ قائداعظم صاحب کی خدمت میں یہ گذارش کریں۔ ہم نے سر سیرل ریڈکلف کو امپائر تسلیم کیا ہے اور ہم ان کے فیصلے کی پابندی کریں گے۔ لیکن امپائر کا فرض ہے کہ وہ اپنے فیصلے پر پہنچنے میں کسی دوسرے شخص کی رائے یا مشورے سے متاثر نہ ہو۔ یہ کاغذ ظاہر کرتا ہے کہ کسی جانب سے امپائر کو یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ صوبہ پنجاب کی حدبندی کی یہ لائن ہو۔ اب آپ کا یہ حق ہے کہ آپ مطالبہ کریں کہ آپ کا یہ اطمینان کیا جائے کہ امپائر کی اس مجوزہ پرواز سے کیا غرض تھی اور اس پرواز کی لائن کی کیا اہمیّت ہے۔ اگر آپ کا اطمینان ہو جائے کہ یہ محض امپائر کی طبیعت کا لطیفہ ہے تو فبہا ورنہ آپ مطالبہ کریں کہ اس پرواز کا مشورہ اُسے کس نے دیا اور اس میں کیا راز پنہاں ہے؟ اگر کسی دوسرے شخص کا تداخل ثابت ہو تو آپ حق بجانب ہوں گے کہ آپ کہہ دیں ہمیں امپائر کی غیر جانبداری پر اطمینان نہیں۔ اس پر ہم دونوں اپنا استعفیٰ پیش کر دیں گے۔

جناب شیخ دین محمد صاحب: مَیں اپنی طرف سے تو ہر کوشش کروں گا۔ پرسوں صبح دلّی سے واپسی پر مَیں تمہیں اپنی ملاقات کا نتیجہ بتا دوں گا۔

جمعرات کی سہ پہر کو جناب کرنیل محمد ایوب خاں صاحب (موجودہ صدر پاکستان)[1] تشریف لائے اور حالاتِ حاضرہ پر اپنے تبصرے سے خاکسار کو مستفید فرمایا۔

جمعرات کی شام تک تحریری بیان کا مسودہ تیار ہو گیا۔ میں نے جناب سردار شوکت حیات خاں صاحب کے دولت خانے پر ٹیلیفون کیا تو معلوم ہوا جناب سردار صاحب کی طبیعت علیل چلی جا رہی ہے اور درجہ حرارت ۱۰۲ ہے۔ پلنگ پر ہیں اور طبعاً تشریف آوری سے معذور ہیں۔ پھر میں نے جناب میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ صاحب کے دولتکدے پر ٹیلیفون کیا کہ مَیں چاہتا تھا آپ دونوں صاحب تشریف لا کر مسودے کا ملاحظہ

[1] حضرت چوہدری صاحب نے جب وقت یہ تحریر لکھی، اس وقت محمد ایوب خان ہی صدر پاکستان تھے مگر اب محمد یحییٰ خان صدر ہیں۔ (مرتب)

فرمائیں۔ لیکن جناب سردار صاحب تو ناسازئ طبع کی وجہ سے معذور ہیں۔ آپ بہرحال ضرور تشریف لے آئیں۔
چنانچہ وہ تشریف لے آئے۔ مَیں نے تحریری بیان کا مسودہ ان کی خدمت میں پیش کر دیا اور گذارش کی آپ اسے پڑھ لیں جو ترمیم یا تبدیلی آپ اس میں پسند فرمائیں وہ خاکسار کو بتا دیں تاکہ آپ کے ارشاد کے مطابق اصلاح کر دی جائے۔ انہوں نے ازراہِ نوازش فرمایا جیسے تم نے لکھا ہے ٹھیک ہوگا مجھے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ مَیں نے اصرار کیا آپ ضرور توجہ سے اسے پڑھیں اور آزادی سے تنقید کریں مَیں مُسلم لیگ کی طرف سے بحث کرنے کی خاطر اطمینان کرنا چاہتا ہوں کہ لیگ کی طرف سے مجھے کیا ہدایت ہے۔ جس مسودے کی آپ تصدیق فرمادینگے وہی میرا ہدایت نامہ ہوگا اور اسی کے مطابق مَیں بحث کروں گا۔ میرے اصرار پر جناب میاں صاحب نے مسودہ توجہ اور غور سے پڑھا۔ پڑھنے کے دوران میں بھی پسندیدگی کا اظہار فرماتے رہے اور آخر میں فرمایا اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔

جمعہ کی صبح کو مَیں نے مسودے کی آخری نظرثانی کی اور صاف ٹائپ ہونے کے لئے دے دیا۔ جناب شیخ دین محمد صاحب دلّی سے واپسی پر سٹیشن سے ہی تشریف لائے اور بتایا کہ قائداعظم استعفاء کی تجویز پر رضامند نہیں ہوئے۔ فرمایا ہے تم سب لوگ اپنی طرف سے پوری کوشش کرو اور فکر نہ کرو سب کچھ ٹھیک ہوگا۔

مسودہ صاف ٹائپ ہو چکا تو مَیں نے آخری بار پڑھ کر جناب شیخ نثار احمد صاحب کے سپرد کیا اور وہ جا کر اسے کمشن کے دفتر میں بارہ بجے سے قبل داخل کر آئے۔

جمعہ کے خطبے میں مَیں نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا کہ پنجاب میں مسلمانوں پر وہی وقت آرہا ہے جو سپین میں آیا تھا۔ اس لئے آستانہ الٰہی پر گرے رہو اور بہت خشوع سے دعائیں کرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور اس مصیبت کو ٹال دے۔

بقیہ حصہ دن اور ہفتہ اور اتوار کے دونوں دن بحث کی تیاری میں صرف ہوئے۔ سوموار کو کمشن کے روبرو بحث شروع ہو گئی۔ تحریری بیان اور تقریری بحث کمشن کے ریکارڈ میں موجود ہیں۔ جو صاحب واقفِ حقیقت ہونا چاہیں انہیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ ہندو فریق کی طرف سے بحث مسٹر سیتلواڈ نے کی۔ ان کے مشیروں اور معاونوں میں ہندو قانون دانوں کے چیدہ دماغ شامل تھے جن میں جناب بخشی ٹیک چند صاحب پیش پیش تھے۔ بحث کے خاتمے پر مجھ سے ایک معزز مُسلم قانون دان دوست نے ذکر کیا کہ جناب بخشی صاحب نے ان سے فرمایا اگر حدبندی کا فیصلہ دلائل اور بحث ہی کی بنا پر ہوا تو تم لوگ بازی لے گئے۔

میرے قیام لاہور کے عرصے میں معزز اور محترم میزبان جناب سر سید مراتب علی صاحب نے میرے اور میرے رفقاء کی خدمت اور تواضع میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ ہم سب کے دل ان کے بیشمار احسانات اور عنایات کے احساس سے پُر تھے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزا۔ چونکہ ان کا دولتکدہ ان ایام میں کمشن کے روبرو مسلم لیگ کی نمائندگی کا مرکز بن گیا تھا اس لئے خورد و نوش کے صیغے میں خاص طور پر اُن کی مہمان نوازی بہت وسیع ہوتی چلی گئی۔ لیکن یہ امر ان کی دلی راحت ہی کا موجب ہوا۔ اور انہوں نے نہایت فراخدلی اور خندہ پیشانی سے اُسے سرانجام دیا۔ بحث کے دوران ہم سب کے عدالت جانے اور عدالت سے لوٹنے کا انتظام بھی جناب سید صاحب ہی فرماتے رہے۔ غرض تواضع کا کوئی پہلو کسی وقت ان کی باریک بین نگاہ سے اوجھل نہ ہوا۔ امن اور سکون کے حالات میں ان کی پیہم نوازش کا سلسلہ نہایت ممتاز حیثیت رکھتا ہے لیکن انہوں نے یہ تمام خدمت اور تواضع اس اعلیٰ پیمانے پر ایسے حالات میں سرانجام دی جب ہر طرف نفسا نفسی کا عالم تھا اور یہ سب فرائض انہوں نے خالصۃً رضاکارانہ طور پر اپنے ذمے لے لئے تھے۔

مَیں بحث کے سلسلے میں ابھی لاہور ہی میں تھا کہ مجھے جناب قائداعظم کا پیغام پہنچا کہ فارغ ہونے پر بھوپال جاتے ہوئے مَیں دِلّی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بھوپال جاؤں۔ انہوں نے کمال شفقت سے خاکسار کو شام کے کھانے کی دعوت دی۔ حاضر ہونے پر خاکسار کو معانقے کا شرف بخشا اور فرمایا میں تم سے بہت خوش ہوں اور تمہارا نہایت ممنون ہوں کہ جو کام تمہارے سپرد کیا گیا تھا تم نے اسے اعلیٰ قابلیت سے اور نہایت احسن طریق سے سرانجام دیا۔ کھانے کے دوران میں طریقہ تقسیم اور کارروائی تقسیم کے موضوع پر گفتگو رہی۔ آپ سے رخصت ہو کر مَیں بھوپال چلا گیا۔

حد بندی کے فیصلے میں تعویق ہوتی گئی جب فیصلے کا اعلان ہوا مَیں بھوپال ہی میں تھا۔ فیصلے کا اعلان مَیں نے ریڈیو پر سُنا اور سُنتے ہی مجھ پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ آہستہ آہستہ یہ خیال میرے دل میں پختہ ہوتا گیا کہ اس واضح ظلم اور بے انصافی کی مصیبت کی تہہ میں اللہ تعالےٰ کی کوئی حکمت مخفی ہے جسے وہی جانتا ہے اور جو اپنے وقت پر ظاہر ہو جائے گی۔ حد بندی کی آخر وہی لائن قائم ہوئی جس کا اندازہ جناب شیخ دین محمد صاحب نے فریقین کے تحریری بیانات داخل ہونے سے بھی دو دن پہلے کر لیا تھا سوائے اس کے کہ اُس اندازے میں فیروزپور اور زیرہ کی تحصیلیں پاکستان میں شامل تھیں اور آخری فیصلے میں انہیں پاکستان سے الگ کر کے ہندوستان میں شامل کر دیا گیا تھا۔ اس کی زبردست تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ فیصلے

کے اعلان سے اندازاً دس دن پہلے گورنر جنرل کے پرائیویٹ سیکرٹری MR. GEORGE ABEL نے مغربی پنجاب کے گورنر SIR EVANS JENKINS کو ٹیلیفون پر اطلاع دی کہ پنجاب کی حد بندی کی لائن یُوں ہوگی۔ گورنر صاحب ان کے کہنے کے مطابق لائن نوٹ کرتے گئے۔ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے کہا۔ یہ امپائر کا فیصلہ ہے۔ اڑتالیس گھنٹوں کے اندر اس کا اعلان ہو جائے گا۔ آپ اپنے حاکم پولیس کے ساتھ مشورہ کر کے اس کے عملی نفاذ کا انتظام کر لیں۔ اس لائن کے مطابق بھی فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلیں پاکستان میں شامل تھیں۔ فیصلے کا اعلان اڑتالیس گھنٹے بعد نہیں بلکہ دس دن بعد ہوا۔ اور آخری فیصلے میں ان تحصیلوں کو پاکستان سے علیحدہ کر کے ہندوستان میں شامل کر دیا گیا۔

پسِ پردہ اس عرصے میں کیا کارروائی ہوئی اور کونسی چال کارگر ہوئی یہ غیب کی بات ہے جس کی حقیقت ابھی ظاہر نہیں ہوئی۔ لیکن بعض امور غور طلب اور نتیجہ خیز ہیں۔ جو اطلاع پرائیویٹ سیکرٹری نے مغربی پنجاب کے گورنر کو دی وہی اطلاع انہوں نے مشرقی پنجاب کے گورنر مسٹر ترلویدی کو بھی دی ہوگی۔ جناب پنڈت جواہر لال نہرو اس وقت سربراہِ حکومت تھے۔ یہ قرین قیاس ہے کہ مسٹر ترلویدی نے وہ اطلاع جناب پنڈت صاحب کو پہنچائی۔ اب صورت یہ تھی کہ دریائے ستلج سے جاری ہونے والی نہروں کے HEAD WORKS تحصیل فیروز پور میں تھے۔ ان نہروں کے پانی کا ۸۳ فیصدی پانی پاکستان میں جاتا تھا۔ فقط ۱۷ فیصدی نہر بیکانیر کے ذریعے ریاست بیکانیر میں جاتا تھا۔ ریاست بیکانیر میں صرف یہی ایک نہر تھی اور ریاست کی خوشحالی میں اس نہر کا بہت بڑا حصہ تھا۔ ریاست بیکانیر اگر ایک طرف ہندوستان سے ملحق تھی تو دوسری طرف پاکستان سے ملحق تھی۔ مہاراجہ بیکانیر کانگریس کے استبداد سے پریشان تھے۔ اگر ان کی نہر کا دہانہ پاکستان میں چلا جاتا تو عین ممکن تھا کہ اس وقت کے حالات میں وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کے امکان پر غور کرنا شروع کر دیتے۔ بیکانیر سے آگے ریاست جیسلمیر تھی جس کی آبادی کی کثرت مسلمان تھی اور مہاراجہ جیسلمیر کے تعلقات اپنی ریاست کے مسلمانوں کے ساتھ بہت خوشگوار تھے۔ وہ بھی مہاراجہ بیکانیر کی طرح کانگریس سے خائف تھے۔ اگر مہاراجہ بیکانیر پاکستان کے ساتھ الحاق کے امکان پر غور کر سکتے تھے تو مہاراجہ جیسلمیر کے ذہن میں بھی یہ امکان پیدا ہو سکتا تھا۔ یہ امکان جناب پنڈت صاحب اور ان کے رفقاء کے لئے بہت پریشانی کا موجب ہوتا۔ اُدھر اگر HEAD WORKS ہندوستان کے تسلط میں آجاتے تو گویا ہندوستان کے ہاتھ میں پاکستان کی ایک رگِ جان آجاتی اور یُوں بھی فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلوں کے پاکستان میں شامل ہو جانے سے پاکستان

کا قدم اس مقام پر ستلج اور بیاس کے پار پہنچ جاتا۔ یہ جملہ امکانات لازماً جناب پنڈت صاحب کے لئے پریشانی اور اذیت کا موجب تھے۔ جناب پنڈت صاحب کے ذاتی تعلقات لارڈ مونٹ بیٹن کے ساتھ نہایت گہرے دوستانے کے تھے اور اب یہ حقیقت مسلّم ہو چکی ہے کہ لارڈ مونٹ بیٹن جناب قائد اعظم کے ہاتھوں بہت آزردہ تھے کیونکہ جناب قائد اعظم نے یہ تجویز ردّ کر دی تھی کہ آزادی حاصل ہونے پر وہ پاکستان اور ہندوستان دونوں کے گورنر جنرل ہوں۔ اگر جناب پنڈت صاحب نے امپائر کی تجویز کردہ لائن کی اطلاع پاکر فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلوں کے پاکستان میں شامل کئے جانے پر لارڈ مونٹ بیٹن کے پاس پُرزور احتجاج کیا ہو اور کہہ دیا ہو کہ اس صورت میں ہم تقسیم کے تمام منصوبے ہی کو سرے سے ردّ کر دیں گے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لارڈ مونٹ بیٹن کو اس صورت میں اپنی تمام کوششوں کی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا اور آزاد ہندوستان کا گورنر جنرل بننا بھی ایک خواب ثابت ہوتا جو شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ امپائر کے فیصلے کی اطلاع تو انہیں پہلے سے ہی تھی۔ جناب شیخ دین محمد صاحب کو جو کاغذ جناب شیخ محمد منیر صاحب نے دیا یا دکھایا تھا وہ اس امر کی شہادت ہے کہ حد بندی کی لائن امپائر کے ہندوستان پہنچنے سے پہلے طے پا چکی تھی اور یقیناً لارڈ مونٹ بیٹن کے ایما سے طے پائی ہوگی۔ جناب پنڈت صاحب کے احتجاج کے نتیجے میں امپائر کو اس ترمیم پر رضامند کر لینا کوئی مشکل امر نہ تھا۔

لارڈ مونٹ بیٹن کی طرف سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ حد بندی کے فیصلہ کے اعلان سے قبل انہیں فیصلے کا کوئی علم نہیں تھا اس بیان کے قبول کرنے کے رستے میں بعض مشکلات ہیں:۔

۱۔ امپائر کی لاہور میں مجوزہ پرواز جو طوفانِ گرد کی وجہ سے ترک ہوئی کس نے تجویز کی تھی اور اس کی کیا غرض تھی؟

۲۔ اس پرواز کی سمت اور حدود وہی تجویز کی گئی تھیں جو حد بندی کی اس لائن کی تھیں جو گورنر جنرل کے پرائیویٹ سکرٹری نے مغربی پاکستان کے گورنر کو بتائیں اور جن کے متعلق کہا گیا یہ حد بندی کا فیصلہ ہے جن کا اعلان اڑتالیس گھنٹے کے اندر ہو جائے گا۔ آپ اپنے حاکم پولیس کے مشورے کے ساتھ اس کے عملی نفاذ کی تجویز تیار کرلیں۔ یہ توارد کیسے ہوا؟ پرواز کی سمت اور حدود کس نے تجویز کی تھیں اور کس غرض کے لئے تجویز کی تھیں؟

۳۔ امپائر کے فیصلے کا اعلان اپنے وقت پر کیوں نہ ہوا؟ آٹھ دن کی تاخیر کی کیا وجہ تھی؟

۴۔ بقول پرائیویٹ سیکرٹری گورنر جنرل جن حدود کی اطلاع انہوں نے گورنر مغربی پنجاب کو دی۔ ان کی تعیین پرائیویٹ سیکرٹری نے ان دستاویزات سے کی جو امپائر کے سیکرٹری MR. BEANMONT نے تیار کی تھیں۔ یہ اطلاع اور یہ دستاویزات مسٹر بوماؤنٹ نے مسٹر ایبل کو ان کے منصب اور حیثیت کی وجہ سے دیں جس کی غرض صرف یہ ہو سکتی تھی کہ گورنر جنرل کو امپائر کے فیصلے کی اطلاع کر دی جائے۔

۵۔ مسٹر ایبل نے جو اطلاع گورنر مغربی پنجاب کو دی وہ گورنر جنرل کے حکم سے ہی دی جا سکتی تھی۔ ایسے اہم معاملے میں پرائیویٹ سیکرٹری اپنی مرضی سے بغیر ارشاد گورنر جنرل کے یہ اقدام نہیں کر سکتا تھا۔

یہاں ایک اور اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔ جب مسٹر ایبل نے گورنر مغربی پنجاب کو حد بندی کی لائن کی اطلاع دی اور فرمایا یہ امپائر کا فیصلہ ہے اس وقت یا تو امپائر اپنا فیصلہ کر چکا تھا اور اس کے سیکرٹری نے فیصلہ گورنر جنرل کی اطلاع کے لئے مسٹر ایبل کو بھیج دیا۔ یا معاملہ ابھی امپائر کے زیر غور تھا۔ پہلی صورت میں جب امپائر نے فیصلہ مکمل کر لیا اور اس کی اطلاع گورنر جنرل کو بذریعہ اس کے پرائیویٹ سیکرٹری کے کر دی تو امپائر کے اختیارات ختم ہو گئے۔ اس کے بعد امپائر کو فیصلے میں ترمیم اور تبدیلی کا کوئی اختیار نہ رہا۔ دوسری صورت میں اگر معاملہ ابھی اس کے زیر غور تھا تو امپائر نے یہ اطلاع گورنر جنرل کے سیکرٹری کو کس غرض کے لئے دی؟ اس کی ایک ہی غرض ہو سکتی تھی کہ وہ گورنر جنرل کی رضامندی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس صورت میں وہ ایک ناجائز بات کا مرتکب ہوا جو اس کے منصب اور اس کی غیر جانبدارانہ حیثیت کے متناقض تھی اور جس سے اس کا مزعومہ فیصلہ باطل ہوتا ہے اور قابلِ نفاذ نہیں رہتا۔" [1]

ایک اہم واقعہ

حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے مذکورہ بالا خود نوشتہ حالات و واقعات سے تقسیم برصغیر کے دوران لارڈ ماؤنٹ بیٹن، سر سیرل ریڈ کلف اور ہندوؤں کی باہمی سازش بے نقاب ہو جاتی ہے نیز اس امر پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ کس طرح پاکستان کو مسلم اکثریت کے علاقوں سے محروم کر کے عدل و انصاف کا خون کیا گیا ہے۔ اسی ضمن میں ذیل میں ایک اہم واقعہ درج کیا جاتا ہے۔

سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"۱۹۴۷ء میں جب باؤنڈری کمیشن بیٹھا تو اس کمشن کے سامنے اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے دجل کیا گیا۔ ہندوؤں نے یہ دجل کیا کہ انہوں نے باؤنڈری کمشن کے سامنے یہ بات پیش کر دی کہ گو ضلع گورداسپور کی مجموعی آبادی میں مسلمان زیادہ ہیں لیکن ضلع کی بالغ آبادی میں اکثریت ہندوؤں

[1] خود نوشت سوانح عمری حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب صفحہ ۳۹۰ تا ۴۰۸ (غیر مطبوعہ)

کی ہے اور چونکہ ووٹ بالغ آبادی نے دینا ہے اس لئے یہ ضلع بھارت میں شامل ہونا چاہئیے۔
ہم جب وہاں سے واپس آئے تو ہم سب بہت پریشان تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں یہ ڈالا کہ اگر ہمیں ۱۹۳۵ کی سنسز رپورٹ CENSUS REPORT مل جائے کہ اس وقت تک سب سے آخر میں ۱۹۳۵ء میں ہی سنسز CENSUS ہوئی تھی اور ایک کیلکولیٹنگ مشین CALCULATING MACHINE مل جائے جو جلد جلد ضرب، اور تقسیم کرتی ہے تو مَیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے راتوں رات ایک ایسا نقشہ تیار کر سکتا ہوں کہ اس سے ضلع گورداسپور کی بالغ آبادی کی صحیح تعداد سنسز CENSUS کے اصول کے مطابق معلوم ہو جائے گی۔ سنسز CENSUS کے متعلق انہوں نے بعض اصول مقرر کئے ہوئے ہیں اور انہوں نے عُمر کے لحاظ سے گروپ بنائے ہوئے ہیں اور ہر گروپ کی وفات کی فی صد انہوں نے مقرر کی ہوئی ہے۔ وہ تو ایک سال کی عُمر سے شروع کرتے ہیں لیکن ہم نے ایسی عُمر سے یہ کام شروع کرنا تھا کہ انہیں ۱۹۴۷ میں بلوغت تک پہنچا دیں۔ مثلاً انہوں نے یہ اصول بنایا ہوا ہے کہ تین سال کی عُمر کے بچے چار سال کی عمر کے ہونے تک سَو میں سے پچانوے رہ جائیں گے۔ پھر چار سال سے پانچ سال کی عمر ہونے تک وہ سَو میں سے اٹھانوے رہ جائیں گے۔ پھر انہوں نے بعض اسی قسم کے اصول وضع کئے ہوئے ہیں اور ہمیں ہر گروپ کو ضربیں اور تقسیمیں دے کر ہندوؤں اور مسلمانوں کی علیحدہ علیحدہ تعداد نکالنی تھی اور وہ تعداد معلوم کرنی تھی جو ۱۹۴۷ء میں بالغ ہو چکی تھی اور جو پہلے بالغ تھے ان کی تعداد تو پہلے ہی دی ہوئی تھی۔ مَیں نے حضرت فضلِ عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں عرض کیا تو حضور نے فوراً مناسب انتظام کر دیا۔ راتوں رات مجھے شاید پچاس ہزار یا ایک لاکھ ضربیں دینی پڑیں اور تقسیمیں کرنی پڑیں۔ لیکن بہرحال ایک نقشہ تیار ہو گیا اور اس نقشہ کے مطابق ضلع گورداسپور کی مُسلم بالغ آبادی کی فیصد مجموعی لحاظ سے کچھ زائد تھی کم نہیں تھی۔ اگلے دن صبح جب مکرم چوہدری ظفر اللہ خانصاحب نے یہ حساب پیش کیا تو ہندو بہت گھبرائے کیونکہ وہ تو اپنے آپ کو حساب کا ماہر سمجھتے تھے۔ اور انہیں خیال تھا کہ مسلمانوں کو حساب نہیں آتا۔"[1]

چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی فاضلانہ اور مدلّل بحث پر خراج تحسین

چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب کی خود نوشت سوانح کا ایک

[1] "الفضل" ربوہ ۱۰/ نومبر ۱۳۴۸ ہش/ ۱۹۶۹ء صفحہ ۷-۸

طویل مگر نہایت اہم، معلومات افزا اور ضروری اقتباس اُوپر درج کرنے کے بعد اب ہم بتاتے ہیں کہ حضرت چوہدری صاحب موصوف نے حد بندی کمیشن کے سامنے ۲۶ جولائی سے لے کر ۳۰ جولائی ۱۹۴۷ء[1] تک مُسلم لیگ کا نقطۂ نگاہ غیر معمولی قابلیّت و لیاقت سے واضح فرمایا[2]۔ آپ کی فاضلانہ اور مدلّل بحث بھی ریڈکلف ایوارڈ کے ریکارڈ سے منسلک ہے اور اگر کتاب کی تنگ دامانی مانع نہ ہوتی تو یہاں اس بے مثال آئینی و سیاسی دستاویز کا ترجمہ ضرور دے دیا جاتا۔ مگر افسوس ہمیں بالآخر مختصراً صرف اس بات پر اکتفا کرنا پڑے گا کہ دنیائے اسلام کے اس بطلِ جلیل اور پاکستان کے مایۂ ناز فرزند نے مسلمانانِ ہند کے اس انتہائی نازک موڑ میں ان کی ترجمانی کا حق اس شان سے ادا کیا کہ مسلمانوں کے ہر سنجیدہ، مخلص اور دردمند طبقے نے بیک زبان ہو کر آپ کی تعریف کی۔ چنانچہ آپ کے اس ملّی اور قومی کارنامہ پر جو خراجِ تحسین ادا کیا گیا اس کے چند نمونے یہ ہیں:۔

اخبار "نوائے وقت" کا ادارتی نوٹ

باؤنڈری کمیشن کے اجلاس کے خاتمہ پر اخبار "نوائے وقت" یکم اگست ۱۹۴۷ء نے ایک ادارتی نوٹ میں چوہدری صاحب کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا:۔

"حد بندی کمیشن کا اجلاس ختم ہوا۔ سنسر کی پابندیوں کی وجہ سے ہم نہ اس اجلاس کی کارروائی چھاپ سکے نہ اب اس پر تبصرہ ہی ممکن ہے۔ کمیشن کا اجلاس دس دن جاری رہا۔ ساڑھے چار دن مسلمانوں کی طرف سے بحث کے لئے مخصوص رہے۔ مسلمانوں کے وقت میں سے ہی ان کے دوسرے حامیوں کو بھی وقت دیا گیا۔ اس حساب سے کوئی چار دن سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے مسلمانوں کی طرف سے نہایت مدلّل، نہایت فاضلانہ اور نہایت معقول بحث کی۔ کامیابی بخشنا خدا کے ہاتھ میں ہے مگر جس خوبی اور قابلیت کے ساتھ سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے مسلمانوں کا کیس پیش کیا۔ اس سے مسلمانوں کو اتنا اطمینان ضرور ہو گیا کہ ان کی طرف سے حق و انصاف کی بات نہایت مناسب اور احسن طریقہ سے اربابِ اختیار تک پہنچا دی گئی ہے۔ سر ظفر اللہ خاں صاحب کو کیس کی

---

[1] اس روز آپ نے مُسلم لیگ کی ہدایت پر بہاولپور کی طرف سے بھی کیس پیش فرمایا ("الفضل" یکم اگست ۱۹۴۷ء صفحہ ۸)

[2] بحث کی تیاری کے سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ چوہدری صاحب نے میمورنڈم داخل کرانے کے اگلے دن ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو قادیان فون کیا کہ گیانی واحد حسین صاحب اور گیانی عباد اللہ صاحب مسلمانوں نے اپنے عہدِ حکومت میں سکھوں کے ساتھ جو نیک سلوک کیا اور جاگیریں دیں ان کے حوالے اور اصل کتب لے کر جلد لاہور آجائیں۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں سکھ لٹریچر کے یہ دونوں ممتاز فاضل ضروری کتابیں لے کر لاہور پہنچ گئے اور مُسلم لیگ کے کیس کی تائید میں مطلوبہ مواد فراہم کر دیا۔

تیاری کے لئے بہت کم وقت ملا مگر اپنے خلوص اور قابلیت کے باعث انہوں نے اپنا فرض بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ ہمیں یقین ہے کہ پنجاب کے سارے مسلمان بلا لحاظ عقیدہ ان کے اس کام کے معترف اور شکر گذار ہوں گے“ [۱]

قائداعظم کی خوشنودی

مسلم لیگی ترجمان اخبار ”نوائے وقت“ لاہور نے ۲۴ راگست ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں (جبکہ قائداعظم زندہ تھے) حسب ذیل نوٹ لکھا:-

”جب قائداعظم نے یہ چاہا کہ آپ پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں تو ظفراللہ خاں نے فوراً یہ خدمت سرانجام دینے کی حامی بھری۔ جو افراد کمشن کے ارکان کی حیثیت سے جج بنا کر بٹھائے گئے تھے وہ باعتبار تجربہ وصلاحیت آپ کے مقابلہ میں طفلانِ مکتب سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے۔ لیکن قائداعظم کی خواہش تھی کہ ظفراللہ کمیشن کے سامنے ملّت کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں اس لئے آپ نے بلا تامّل یہ کام اپنے ذمّہ لیا اور اُسے ایسی قابلیت سے سرانجام دیا کہ قائداعظم نے خوش ہو کر آپ کو یُو این او میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کر دیا جس طرح آپ نے ملّت کی وکالت کا حق ادا کیا تھا اس سے آپ کا نام پاکستان کے قابلِ احترام خادموں میں شامل ہو چکا تھا۔ آپ نے ملک و ملّت کی جو شاندار خدمات سرانجام دیں تو قائداعظم انہیں حکومت پاکستان کے اس عہدے پر فائز کرنے پر تیار ہو گئے جو باعتبار منصب وزیر اعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے قائداعظم نے چوہدری صاحب کو بلا تامّل پاکستان کا وزیر خارجہ بنا دیا۔ لیکن ظفراللہ کے ہاتھوں وہ زبردست کارنامہ انجام دینا باقی تھا جس سے اس کا نام تاریخ پاکستان میں ہمیشہ زندہ رہے گا (یعنی یو۔ این۔ او میں مسئلہ کشمیر کی وکالت۔ ناقل)“ [۲]

جسٹس محمد منیر کا اعلان حق

جسٹس محمد منیر نے جو ریڈ کلف ایوارڈ کے مسلمانوں کی طرف سے ممتاز رُکن اور پنجاب کی ”تحقیقاتی عدالت“ کے صدر تھے، اپنی عدالتی رپورٹ میں لکھا:-

”عدالتِ ہذا کا صدر جو اس (باؤنڈری) کمیشن کا ممبر تھا اس بہادرانہ جدوجہد پر تشکر و امتنان کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے جو چوہدری ظفراللہ خاں صاحب نے گورداسپور کے معاملہ میں کی تھی۔ یہ حقیقت باؤنڈری کمیشن کے کاغذات میں ظاہر و باہر ہے اور جس شخص کو اس مسئلہ سے دلچسپی ہو وہ شوق سے اس ریکارڈ کا معائنہ کر سکتا ہے چوہدری ظفراللہ خاں نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات انجام دیں۔ اُن

---

[۱] روزنامہ ”نوائے وقت“ یکم اگست ۱۹۴۷ء ۔ [۲] روزنامہ ”نوائے وقت“ ۲۴ راگست ۱۹۴۸ء ۔

کے باوجود بعض جماعتوں نے عدالت تحقیقات میں ان کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ قابل شرم ناشکرے پن کا ثبوت ہے"۔ [1]

سکھ اور ہندو پریس کا واضح اعتراف

اب سکھ اور ہندو پریس کی زبانی چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کی فقید المثال جدوجہد کا اعتراف پڑھیئے والفضل ماشہدت بہ الاعداء۔

۱۔ سکھوں کے ہفت روزہ گورمکھی اخبار "گرج" نے آزادی ایڈیشن میں لکھا:۔

"مجھے خوب یاد ہے کہ سردار ہرنام سنگھ سکھوں کا کیس کمیشن کے سامنے پیش کر رہے تھے تو وہ جائیدادوں، باروں اور بلڈنگوں کو ہی گناتے رہے لیکن جب سر ظفر اللہ کی باری آئی تو انہوں نے ایک فقرے میں بات ختم کردی کہ میرا قابل دوست سروں کے بدلہ میں اینٹوں کی گنتی کرتا رہا ہے۔

"COUNTING BRICKS AGAINST HEADS"

اور یہاں آج سروں سے فیصلے ہوں گے، ان کی بات درست تھی۔ قوم پتھروں کے ساتھ ہی ٹکرا رہی تھی سکھ لیڈر قوم کی کشتی میں اتنے پتھر ڈال چکے تھے کہ اس کا ہندو پاک سمندر سے تیر آنا مشکل سی بات تھی" [2]

۲۔ اخبار "ہندو" جالندھر نے اپنی ۲۷ ستمبر ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں لکھا:۔ "اب ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد کی سُنیئے "سر محمد ظفر اللہ خاں اور جماعت احمدیہ کے سرکاری ادھیکاری اس بات پر بضد تھے اور ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ ضلع گورداسپور بھی پاکستان میں آئے۔ وہ تو قادیان کو پاکستان میں لانا چاہتے تھے نہیں تو اپنا سنٹر قادیان چھوڑنا پڑتا تھا چنانچہ اعلان آزادی سے تین دن پہلے تو عارضی طور پر ضلع گورداسپور بھی پاکستان میں آچکا تھا۔ ان تین دنوں میں قادیان کو خوب سجایا گیا۔

[1] "رپورٹ تحقیقاتی عدالت" صفحہ ۲۰۹ ÷ [2] ہفت روزہ "گرج" دلی آزادی ایڈیشن متعلقہ اقتباس کا چربہ ملاحظہ ہو:۔

ਮੈਨੂੰ ਯਾਦ ਹੈ ਕਿ ਜਦ ਸਰਦਾਰ ਹਰਿਨਾਮ ਸਿੰਘ ਸਿੱਖਾਂ ਦਾ
ਕੇਸ ਕਮਿਸ਼ਨ ਅੱਗੇ ਪੇਸ਼ ਕਰ ਰਹੇ ਸਨ, ਤਾਂ ਉਹ ਜਾਇਦਾਦਾਂ,
ਬਾਰਾਂ ਤੇ ਬਿਲਡਿੰਗਾਂ ਹੀ ਗਿਣਾਂਦੇ ਰਹੇ, ਪਰ ਜਦ ਸਰ ਜ਼ਫ਼ਰਉੱਲਾ
ਦੀ ਵਾਰੀ ਆਈ, ਤਾਂ ਉਸ ਨੇ ਇਕ ਫ਼ਿਕਰੇ ਵਿਚ ਹੀ ਗੱਲ ਮੁਕਾ ਦਿੱਤੀ
ਕਿ ਮੇਰਾ ਲਾਇਕ ਦੋਸਤ ਸਿਰਾਂ ਦੇ ਬਦਲੇ ਇੱਟਾਂ ਨੂੰ ਗਿਣਦਾ ਰਿਹਾ ਹੈ

Counting bricks against heads

ਤੇ ਇਥੇ ਅੱਜ ਸਿਰਾਂ ਨਾਲ ਫ਼ੈਸਲੇ ਹੋਣੇ ਹਨ। ਉਸ ਦੀ ਗੱਲ ਠੀਕ ਸੀ,
ਕੌਮ ਪੱਥਰਾਂ ਨਾਲ ਟਕਰਾ ਰਹੀ ਸੀ। ਸਿੱਖ ਆਗੂ ਕੌਮ ਦੀ ਬੇੜੀ ਵਿਚ
ਇਤਨੇ ਪੱਥਰ ਪਾ ਚੁੱਕੇ ਸਨ ਕਿ ਇਸ ਦਾ ਹਿੰਦ-ਪਾਕ ਦੇ ਸਾਗਰ ਵਿਚੋਂ
ਤਰ ਜਾਣਾ ਮੁਸ਼ਕਲ ਜਹੀ [illegible] ਗਿਣਤ,

[3] بحوالہ "الفضل" ۱۲ اخاء / اکتوبر ۱۳۳۱ ہش / ۱۹۵۲ء صفحہ ۲ ÷

چوتھا باب

"حجۃ اللہ" حضرت نواب محمد علی خانصاحبؓ کے انتقال اور سیدنا حضرت مُصلح موعودؓ کے لیکچر "اسلام کا اقتصادی نظام" سے لیکر یورپ میں نئے احمدیہ مشنوں کے قیام اور تحریک آزادیٔ انڈونیشیا کی پرجوش حمایت تک۔

از

صفر ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش ۱۹۴۵ء

تا

شوال ۱۳۶۵ھ مطابق ظہور/اگست ۱۳۲۵ہش ۱۹۴۶ء

خلافتِ ثانیہ کا تبیسواں (۳۲) سال

فصل اوّل

حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خانصاحب رئیس مالیرکوٹلہ کا انتقال

اِس سال کا نہایت اندوہناک واقعہ حجۃ اللہ حضرت نواب محمد علی خانصاحب، کا انتقال پُر ملال ہے جو ماہ تبلیغ/فروری میں ہوا۔

حضرت نواب محمد علی خانصاحب کے خاندانی حالات | حضرت نواب محمد علی خانصاحب ریاست مالیرکوٹلہ کے

فرمانروا خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو نسلاً شیروانی افغان ہے اور جس کے جدامجد ایک باخدا بزرگ حضرت شیخ صدر جہاں ۱۴۶۹ء میں جلال آباد سے ہندوستان تشریف لائے اور سلطان بہلول لودھی کی بیٹی سے بیاہے گئے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"محبی فی اللہ نواب محمد علی خانصاحب رئیس خاندان ریاست مالیر کوٹلہ یہ نواب صاحب ایک معزز خاندان کے نامی رئیس ہیں۔ مورث اعلیٰ نواب صاحب موصوف کے شیخ صدر جہاں[1] ایک باخدا بزرگ تھے جو اصل باشندہ جلال آباد سروانی قوم کے پٹھان تھے۔ ۱۴۶۹ء میں عہد سلطنت بہلول لودھی میں اپنے وطن سے اس ملک میں آئے۔ شاہ وقت کا اُن پر اسقدر اعتقاد ہوگیا کہ اپنی بیٹی کا نکاح شیخ موصوف سے کر دیا۔ اور چند گانوٗ جاگیر میں دے دیئے چنانچہ ایک گانوٗ کی جگہ میں یہ قصبہ شیخ صاحب نے آباد کیا جس کا نام مالیر ہے۔ شیخ صاحب کے پوتے بایزید خاں نامی نے مالیر کے متصل قصبہ کوٹلہ کو تقریباً ۱۵۷۳ء میں آباد کیا جس کے نام سے اب یہ ریاست مشہور ہے۔ بایزید خاں کے پانچ بیٹوں میں سے ایک کا نام فیروز خاں تھا اور فیروز خاں کے بیٹے کا نام شیر محمد خاں، اور شیر محمد خاں کے بیٹے کا نام جمال خاں تھا۔ جمال خاں کے پانچ بیٹے تھے مگر ان میں سے صرف دو بیٹے تھے جن کی نسل باقی رہی یعنی بہادر خاں اور عطاء اللہ خاں۔ بہادر خاں کی نسل میں سے یہ جوان صالح خلف رشید نواب غلام محمد خاں صاحب مرحوم ہے جس کا عنوان میں ہم نے نام لکھا ہے خدا تعالیٰ اس کو ایمانی امور میں بہادر کرے اور اپنے جد شیخ بزرگوار صدر جہاں کے رنگ میں لادے۔ سردار محمد علی صاحب نے گورنمنٹ برطانیہ کی توجہ اور مہربانی سے ایک شائستگی بخش تعلیم پائی جس کا اثر اُن کے دماغی اور دلی قویٰ پر نمایاں

---

[1] ۔ سر لیپل ایچ گرفن اور کرنل میسی نے پنجاب چیفس میں ریاست مالیر کوٹلہ کے خاندان کا شجرہ نسب دیکر مفصل تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح مولانا ضیاء الدین صاحب علوی وکیل امروہوی اپنی کتاب "مرآۃ الانساب" میں لکھتے ہیں کہ:۔

"شیخ صدرالدین یا صدر جہاں ۸۶۶ھ میں مقام دراعبن سے (جو شیخ قتال نے آباد کیا تھا) بطور سیاحت ہندوستان آئے اور جہاں اب مالیر آباد ہے یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا یہاں ایک جھونس کا گھر بنا کر مشغول عبادت ہوئے اتفاقاً سلطان بہلول لودی ان کی زیارت کو آیا اور دعا کی استدعا کی اور دل میں خیال کیا کہ اپنی لڑکی کا نکاح ان سے کردونگا۔ چنانچہ بعد میں اُس نے ایسا ہی کیا اور شیخ صدرالدین کو نذر میں ۶۸ دیہات دیئے۔ شیخ صدرالدین نے بعد نکاح اس گاؤں کو آباد کیا اور مالیر نام رکھا بعمر ۸۰ سال ۱۵۱۵ء میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ یہ بڑے کامل بزرگ تھے اب بھی مالیر میں ان کی قبر زیارتگاہ عام ہے۔"

(مرآۃ الانساب" صفحہ ۳۰۔۱۳۱ حاشیہ طبع اول ۳۰ اپریل ۱۹۱۰ء مطبع رحیمی)

ہے۔ان کی خداداد فطرت بہت سلیم اور معتدل ہے اور باوجود عنفوان شباب کے کسی قسم کی حدت اور تیزی اور جذبات نفسانی اُن کے نزدیک آئے معلوم نہیں ہوتے"۔ [1]

ولادت اور قبل از بیعت خدمات ملّیہ

حضرت نواب محمد علی خاں کی ولادت یکم جنوری ۱۸۷۰ء کو ہوئی ابتدائی تعلیم چیفس کالج (انبالہ و لاہور) میں حاصل کی۔ ساڑھے سات برس کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ اُٹھ گیا اور چھوٹے بہن بھائیوں کی ساری ذمہ داری اُن پر آ پڑی۔ شروع ہی سے دینی شغف رکھتے تھے اسلام اور مسلمانوں کے لئے فیاض تھے۔ مالی قربانی کرنے میں ہمیشہ فخر محسوس کرتے تھے۔ ۱۸۸۶ء سے ۱۸۹۴ء تک محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس سے وابستہ رہے اور جیسا کہ اس کے سالانہ جلسوں کی روئدادوں سے ظاہر ہے ہمیشہ چندہ دیتے رہے۔ علیگڑھ کے مشہور سٹریچی ہال کی تعمیر میں جن اصحاب نے پانچ سو روپیہ دیا ان میں آپ بھی تھے۔ چنانچہ ہال میں تیسرے نمبر پر آپ کی یادگار مندرجہ ذیل الفاظ میں موجود ہے:۔

"پانصد روپیہ عطیہ خانصاحب محمد علی خان رئیس مالیر کوٹلہ بشکریہ ولادت برخوردار محمد عبد الرحمن خاں ۹ ار اکتوبر ۱۸۹۴ء"

حضرت مسیح موعودؑ سے خط و کتابت عقیدت اور بیعت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپ کے سلسلہ خط و کتابت کا آغاز ۱۸۸۹ء کے دوران آپ کے استاد مولوی عبد اللہ صاحب فخری کاندھلوی کی تحریک پر ہوا جو خود ۴ مئی ۱۸۸۹ء کو بیعت کر چکے تھے چنانچہ آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں دعا کیلئے خط لکھا اور نہایت انکسار اور تواضع سے اپنے روحانی علاج کی درخواست کی۔ جسپر حضور نے تحریر فرمایا کہ دعا بلا تعلق نہیں ہو سکتی آپ بیعت کر لیں۔ مگر انہوں نے عرض کیا کہ میں شیعہ ہوں اور اہل تشیع ائمہ اثنا عشر کے سوا کسی کو ولی یا امام نہیں تسلیم کرتے اس لئے میں آپ کی بیعت کیسے کر سکتا ہوں؟ اس کا مفصل جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لدھیانہ (محلہ اقبال گنج مکان شاہزادہ حیدر) سے ۱۰ اگست ۱۸۸۹ء کو تحریر فرمایا جو مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر چہارم" کے شروع میں درج ہے۔ حضور نے اس خط میں نواب صاحب کو اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی کہ

"اگر یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ تمام برکتوں اور امامتوں اور ولایتوں پر مُہر لگا چکا ہے اور آئندہ کے

---

[1] "ازالہ اوہام" طبع اوّل صفحہ ۴۸۷-۴۸۸

لئے وہ راہیں بند ہیں تو خدائے تعالیٰ کے سچے طالبوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی دل توڑنیوالا واقعہ نہ ہوگا گویا وہ جیتے ہی مر گئے اور اُن کے ہاتھ میں بجز چند خشک قصّوں کے اور کوئی مغز دار بات نہیں"۔ نیز آیت اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا "یہ آیت صاف بتلاتی ہے کہ کمالات امامت کا راہ ہمیشہ کے لئے کھُلا ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا اس عاجز نے اسی راہ کے اظہار ثبوت کے لئے بیس ہزار اشتہار مختلف دیار و امصار میں بھیجا ہے اگر یہی کھلا نہیں تو پھر اسلام میں فضیلت کیا ہے؟ یہ تو سچ ہے کہ بارہ امام کامل اور بزرگ اور سید القوم تھے مگر یہ ہرگز سچ نہیں کہ کمالات میں اُن کے برابر ہونا ممکن نہیں۔ خدائے تعالیٰ کے دونوں ہاتھ رحمت اور قدرت کے ہمیشہ کے لئے کھلے ہیں اور کھُلے رہیں گے اور جس دن اسلام میں یہ برکتیں نہیں ہوں گی اس دن قیامت آجائے گی۔ .... ایک آدمی آپ لوگوں میں اس مدعا کے ثابت کرنے کے لئے کھڑا ہے کیا آپ لوگوں میں سے کسی کو خیال آتا ہے کہ اس کی آزمائش کروں؟"[1]

اس خط کے بعد اگلے سال جولائی ۱۸۹۰ء میں پہلی بار قادیان پہنچے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے فیضیاب ہوئے۔ ازاں بعد اگست ۱۸۹۰ء میں آپ حضور اقدس کی زیارت کے لئے لدھیانہ تشریف لے گئے اور بالآخر جب پوری طرح اطمینان قلب نصیب ہوگیا تو ۱۹ نومبر ۱۸۹۰ء[2] کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر لی اور لکھا کہ:۔

"ابتدا میں گو مَیں آپ کی نسبت نیک ظن ہی تھا۔ لیکن صرف اسقدر کہ آپ اور علماء اور مشائخ ظاہری کی طرح مسلمانوں کے تفرقہ کے مؤیّد نہیں ہیں بلکہ مخالفانِ اسلام کے مقابل پر کھڑے ہیں مگر الہامات کے بارہ میں مجھ کو نہ اقرار تھا اور نہ انکار۔ پھر جب میں معاصی سے بہت تنگ آیا اور اُن پر غالب نہ ہو سکا تو میں نے سوچا کہ آپ نے بڑے بڑے دعوے کئے ہیں یہ سب جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ تب مَیں نے بطور آزمائش آپ کی طرف خط و کتابت شروع کی جس سے مجھ کو تسکین ہوتی رہی اور جب قریباً اگست میں آپ سے لودھیانہ ملنے گیا

---

[1] "مکتوبات احمدیہ" جلد پنجم نمبر چہارم ص ۲-۳ (مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اشاعت یکم فروری ۱۹۴۳ء)۔

[2] رجسٹر بیعت۔

تو اس وقت میری تسکین خوب ہو گئی اور آپ کو ایک باخدا بزرگ پایا اور بقیہ شکوک کا پھر بعد کی خط و کتابت میں میرے دل سے بکلی دھویا گیا اور جب مجھے یہ اطمینان دی گئی کہ ایک ایسا شیعہ جو خلفائے ثلاثہ کی کسر شان نہ کرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو سکتا ہے۔ تب مَیں نے بیعت کر لی۔ اب میں اپنے آپ کو نسبتاً بہت اچھا پاتا ہوں اور آپ گواہ رہیں کہ میں نے تمام گناہوں سے آئندہ کے لئے توبہ کی ہے۔ مجھ کو آپ کے اخلاق اور طرز معاشرت سے کافی اطمینان ہے کہ آپ ایک سچے مجدّد اور دُنیا کے لئے رحمت ہیں۔" ؎۱

حضرت نواب صاحب کا ذکر "ازالہ اوہام" میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ مطابق جولائی ۱۸۹۱ء میں "ازالہ اوہام" حصہ دوم شائع فرمائی تو اس میں اپنے دوسرے محبین کے علاوہ نمبر ۸ پر حضرت نواب صاحب کا ذکر خاص فرمایا اور اس میں ان کے خاندانی حالات بیان کرنے کے بعد اور مندرجہ بالا خط کا اقتباس دینے سے قبل تحریر فرمایا:۔

"مَیں قادیان میں جبکہ وہ ملنے کے لئے آئے اور کئی دن رہے پوشیدہ نظر سے دیکھتا رہا ہوں کہ التزام ادائے نماز میں ان کو خوب اہتمام ہے اور صلحاء کی طرح توجہ اور شوق سے نماز پڑھتے ہیں اور منکرات اور مکروہات سے بکلی مجتنب ہیں مجھے ایسے شخص کی خوش قسمتی پر رشک ہے جس کا ایسا صالح بیٹا ہو کہ باوجود بہم پہنچنے تمام اسباب اور وسائل غفلت اور عیاشی کے اپنے عنفوان جوانی میں ایسا پرہیزگار معلوم ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بتوفیقہ تعالیٰ خود اپنی اصلاح پر آپ زور دے کر رئیسوں کے بیجا طریقوں اور چلنوں سے نفرت پیدا کر لی ہے اور نہ صرف اسی قدر بلکہ جو کچھ ناجائز خیالات اور اوہام اور بے اصل بدعات شیعہ مذہب میں ملائی گئی ہیں اور جس قدر تہذیب اور صلاحیت اور پاک باطنی کے مخالف اُن کا عملدرآمد ہے ان سب باتوں سے بھی اپنے نور قلب سے فیصلہ کر کے انہوں نے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔" ؎۲

حضرت نواب صاحب نے جماعت احمدیہ میں شمولیت کے بعد اپنے اوقات و اموال حضرت مسیح موعودؑ اور سلسلہ حقہ کے لئے عملاً وقف کر دیئے۔

؎۱ "ازالہ اوہام" طبع اوّل ص ۴۸۹-۴۹۰ ۔ ؎۲ ایضاً ص ۴۸۸-۴۸۹ ۔

حضرت نواب صاحب کی خدمات سلسلہ

حضرت نواب صاحب کی زمانہ مسیح موعود سے متعلق خدمات کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ مختصراً صرف یہ بتانا کافی ہوگا کہ آپ نے آئینہ کمالات اسلام اور اس سے پہلی تصانیف کی خریداری میں بھاری اعانت کی جس پر حضرت اقدس نے اپنے اشتہار ۱۰ اگست ۱۸۹۲ء میں خوشنودی کا اظہار فرمایا[1]۔ اسی سال دسمبر ۱۸۹۲ء میں جماعت کا دوسرا مشہور سالانہ جلسہ منعقد ہوا جس میں آپ حضرت مسیح موعود کے خصوصی ارشاد کی تعمیل میں شریک ہوئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جلسہ میں آنے والے ۳۲۷ صحابہ کی فہرست میں نمبر ۳۰۱ پر آپ کا نام درج فرمایا[2]۔ ۱۸۹۶ء میں آپ نے حضرت اقدس کی خدمت میں درخواست کی کہ میں حضرت حافظ مولانا نورالدین صاحب سے قرآن مجید پڑھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضور کے ارشاد پر حکیم الامت مع اہلبیت مالیر کوٹلہ تشریف لے گئے اور چند ماہ تک قیام فرمایا اس دوران میں حضرت نواب صاحب نے حکیم الامت اور آپ کے شاگردوں کی خاطر تواضع کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ۹۷-۱۸۹۶ء میں آپ نے "الدار" کی توسیع کے لئے دل کھول کر چندہ دیا۔ ۱۸۹۸ء کے آغاز میں قادیان میں تعلیم الاسلام سکول کا اجرا ہوا جس کے بہت سے اخراجات سالہا سال تک آپ اپنی گرہ سے ادا فرماتے رہے۔ اسی سال (۱۸۹۸ء میں) آپ کی تحریک پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کے نام میموریل بھیجا جس کے آخر پر اپنے جن ۳۱۶ صحابہ کے نام رقم فرمائے ان میں سرفہرست آپ کا نام لکھا[3]۔ ۴ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو حضرت مسیح موعود نے اشتہار "من انصاری الی اللہ" میں اپنے صحابہ کے اخلاص کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کی نسبت یہ الفاظ لکھے کہ:-

"یہ بھی قابل ذکر ہے کہ حبی فی اللہ سردار نواب محمد علی خان صاحب بھی محبت اور اخلاص میں بہت ترقی کر گئے ہیں اور فراست صحیحہ شہادت دیتی ہے کہ وہ بہت جلد قابل رشک اخلاص اور محبت کے منار تک پہنچیں گے اور وہ ہمیشہ حتی الوسع مالی امداد میں بھی کام آتے رہے ہیں اور امید ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ خدا کی راہ میں اپنے مالوں کو فدا کریں گے"[4]

حضور کی یہ فراست بعد کے آنیوالے واقعات نے حرف بحرف صحیح ثابت کر دی چنانچہ جولائی ۱۹۰۰ء میں

---

[1] - "تبلیغ رسالت" جلد دوم صفحہ ۱۱۵-۱۱۶۔ ایضاً مکتوبات جلد پنجم نمبر چہارم صفحہ ۱ ؛

[2] - ملاحظہ ہو "آئینہ کمالات اسلام" ضمیمہ صفحہ ۱۶ ؛

[3] - تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۲ ؛ [4] - تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۶۹ ؛

"منارۃ المسیح" کی آسمانی تحریک پر آپ نے سو روپیہ چندہ دیا۔ اور حضور نے اپنے دستِ مبارک سے فہرست چندہ دہندگان میں پہلا نام حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب طبیب شاہی کا اور دوسرا آپ کا درج فرمایا۔[1] نومبر ۱۹۰۱ء میں آپ فونوگراف لیکر قادیان حضرت مسیح موعود کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے اس کے لئے ایک لطیف تبلیغی نظم کہی جو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی آواز میں حضور کی بعض دوسری منظومات کے ساتھ فونوگراف میں محفوظ کی گئی اور قادیان کے غیر مسلموں کو سنائی گئی۔ یکم مارچ ۱۹۰۳ء کو حضرت مسیح موعود کے سامنے کشفاً آپ کی تصویر آئی اور الہام ہوا "حجۃ اللہ"۔ صبح کی سیر کے وقت حضور نے نواب صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اس کے متعلق یوں تفہیم ہوئی کہ چونکہ آپ اپنی برادری اور قوم میں سے اور سوسائٹی میں سے الگ ہوکر آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام حجۃ اللہ رکھا۔ یعنی آپ اُن پر حجت ہونگے۔ قیامت کے دن اُن کو کہا جاوے گا کہ فلاں شخص نے تم سے نکل کر اس صداقت کو پرکھا اور مانا تم نے کیوں ایسا نہ کیا یہ بھی تم میں سے ہی تھا اور تمہاری طرح کا ہی انسان تھا"[2]

۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو مجسٹریٹ لالہ آتمارام صاحب نے مقدمہ کرم دین کے فیصلہ میں حضرت مسیح موعودؑ کو پانچ سو روپیہ اور حکیم فضل الدین صاحب کو دو سو روپیہ جرمانہ کیا۔ حضرت نواب محمد علی خاں صاحب نے اپنے ایک آدمی کے ہاتھ اسی روز احتیاطاً نو سو روپیہ کی رقم بھجوادی تھی جس میں سے سات سو روپیہ کی رقم فی الفور ادا کردی گئی۔ جنوری ۱۹۰۶ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بہشتی مقبرہ کی آمد کے انتظام کیلئے صدر انجمن احمدیہ قادیان کا قیام فرمایا۔ اور اسکی مجلس معتمدین کے ۱۴ ممبروں میں آپ کو بھی نامزد فرمایا آپ صف اوّل کے موصیوں میں سے تھے اور ۶ ستمبر ۱۹۰۶ء کو اپنی آمد کے دسویں حصّہ کی وصیت کردی تھی۔ ۱۷ فروری ۱۹۰۸ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی دامادی کا شرف بخشا یعنی جہاں آپ کے مورث اعلیٰ کے گھر میں بادشاہ وقت کی بیٹی آئی وہاں آپ سے مسیح الزمان و مہدی دوران علیہ السلام کی مقدس صاحبزادی (حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ) کا نکاح ہوا اور رخصتانہ کی تقریب سعید (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال مبارک کے بعد) ۱۴ مارچ ۱۹۰۹ء کو عمل میں آئی۔ اس روز حضرت نواب صاحب نے اپنی ڈائری میں اپنے قلم سے لکھا:۔

"الحمد للہ کہ آج وہ دن ہے جس روز میرا نکاح حضرت کی بڑی صاحبزادی مبارکہ بیگم صاحبہ

---

[1] تبلیغ رسالت جلد نہم ص ۵۹۔

[2] الحکم ۱۰ مارچ ۱۹۰۳ء ص ۱۱۔

سے بعد نماز عصر مسجد اقصیٰ میں بالعوض ۔۔۔ ۱۱۱ (۵۶۰۰ ہزار - ناقل) روپیہ ہو گیا یہ وہ فضل اور احسان اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اگر میں اپنی پیشانی کو شکر کے سجدے کرتے کرتے گھسا دوں تو بھی خداوند کے شکر سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ میرے جیسا نابکار اور اس کے ساتھ یہ نور۔ یہ خدا تعالیٰ کا خاص رحم اور فضل ہے اے خدا اے میرے پیارے مولا جب تو نے اپنے مرسل کا مجھ کو داماد بنایا ہے اور اس کی لخت جگر سے میرا تعلق کیا ہے تو مجھ کو بھی نور بنا دے تاکہ اس کے قابل ہو سکوں"۔ [1]

حضرت نواب محمد علی خان صاحب نے خلافت اولیٰ کے زمانہ میں نہ صرف نظام خلافت کے استحکام میں نمایاں حصہ لیا بلکہ سلسلہ احمدیہ کی مالی ضروریات کو پورا کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہے۔ چنانچہ جماعتی چندوں کے ساتھ ساتھ سلسلہ احمدیہ کے پہلے باتنخواہ مبلغ حضرت شیخ غلام احمد صاحب واعظ کے سب اخراجات برداشت کئے، دارالضعفاء کے ۲۲ مکانوں کے لئے ایک وسیع قطعہ زمین عطا فرمایا اور وسط ۱۹۱۳ء میں الفضل کے اجرا پر مالی اعانت کی اور اس کے دفتر کے لئے اپنے مکان کی نچلی منزل مخصوص کر دی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا:۔

"تیسرے شخص جن کے دل میں اللہ نے تحریک کی وہ مکرمی خان محمد علی خان صاحب ہیں آپ نے کچھ روپیہ نقد اد کیا۔ کچھ زمین اس کام کے لئے دی۔ پس وہ بھی اُس رو میں جو اللہ تعالیٰ نے الفضل کے ذریعہ سے چلائی حصہ دار ہیں اور سابقون الاولون میں ہونے کے سبب اس امر کے اہل ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو ہر قسم کی مصائب سے محفوظ و مامون رکھکر اپنے فضل کے دروازے اُن کیلئے کھولے"۔ [2]

حضرت خلیفہ اولؓ نے اپنے وصال سے چند روز قبل ۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو اپنے آئندہ خلیفہ کی نسبت جو مشہور وصیت لکھی اس پر حضرت خلیفہ اولؓ کے حکم سے حضرت نواب صاحب نے بھی بطور گواہ دستخط فرمائے۔

خلافت ثانیہ کے عہد مبارک میں آپ تیس سال بقید حیات رہے اس دوران میں بھی آپ نے خلیفۂ وقت کی ہر اہم تحریک میں نمایاں حصہ لیا خصوصاً ۱۹۲۳ء کے زمانہ ارتداد ملکانہ میں تبلیغ اسلام کیلئے ایک ہزار روپیہ کی خطیر رقم دینے کے علاوہ پیرانہ سالی کے باوجود اپنے خرچ پر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اور حضرت شیخ محمد حسین صاحب ریٹائرڈ سب جج علیگڑھ کو لیکر ملکانہ قوم کے علاقوں میں

---

[1] - الفضل ۱۳/ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۱۔ [2] - الفضل ۸ / جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۵ کالم ۲۔

تشریف لے گئے جہاں حکام اضلاع سے ملاقاتیں بھی کیں اور شدّت گرما میں کئی کئی دن پیدل چل کر علاقہ ملکانہ کا دورہ فرمایا۔ واقعات کا قریب سے جائزہ لیا اور میدان جہاد میں کام کرنیوالے مبلغین کو قیمتی ہدایات دیں۔

نومبر ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید کا آغاز ہوا تو آپ اس کی پانچ ہزاری فوج میں شامل ہو گئے۔ اور اس کے پہلے سال سے دسویں سال تک (جو آپ کی زندگی کا آخری سال تھا) آپ کی طرف سے جو چندہ اس مد میں دیا گیا اس کی میزان تین ہزار تین سو ساٹھ روپے بنتی ہے۔ آپ کے اہلبیت اور صاحبزادگان کا چندہ اس کے علاوہ ہے الغرض حضرت نواب محمد علی خانصاحب زندگی بھر سلسلہ احمدیہ کی نہایت اہم خدمات بجالاتے رہے۔ اور ناممکن ہے کہ سلسلہ احمدیہ کی کوئی تاریخ آپ کی ان سنہری خدمات کے تذکرہ کے بغیر مکمل قرار دی جا سکے۔

حضرت نواب صاحب کی مرض الموت اور تجہیز و تکفین

حضرت نواب صاحب کی طبیعت اگست ۱۹۴۴ء سے علیل چلی آتی تھی پیشاب میں خون آنے کی تکلیف تھی جس کی وجہ سے نقاہت بہت زیادہ ہو گئی۔ اور بالآخر یہی عارضہ مرض الموت بن گیا اور آپ مسلسل چوّن سال تک اسلام و احمدیت کی مہمات میں شاندار اور نمایاں حصّہ لینے کے بعد ۱۰ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو اپنے مولائے حقیقی کے دربار میں حاضر ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

وفات کی خبر ملتے ہی قادیان کے مرد اور خواتین حضرت نواب صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گئے اسیطرح حضرت امیر المومنین مصلح موعودؓ بھی تشریف لے گئے اور رات کے گیارہ بجے تک وہیں رہے۔ اگلے دن دوپہر کی گاڑی سے آپ کے بعض عزیز جن میں نوابزادہ خورشید علی خاں صاحب خلف سر ذوالفقار علی خانصاحب سر موصوف کی بیگم صاحبہ اور اس خاندان کی بعض دیگر خواتین تشریف لائیں۔ نوابزادہ احسان علیخان صاحب کئی روز پیشتر سے ہی جب سے کہ حضرت نواب صاحب کی طبیعت زیادہ کمزور ہو گئی تھی۔ قادیان میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت نواب صاحب کے فرزند اکبر نوابزادہ عبدالرحمٰن خانصاحب بھی کئی روز سے یہاں تشریف فرما تھے۔ نواب سر ذوالفقار علی خاں صاحب کی صاحبزادی بیگم اعزاز رسول صاحب آف سندیلہ بھی کئی روز سے یہیں تھیں۔ ان کے علاوہ لاہور، امرتسر، کپورتھلہ، جالندھر وغیرہ سے بعض احمدی احباب اور صاحبزادگان خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام بھی نماز جنازہ میں

شرکت کے لئے پہنچ گئے۔ تین بجے جنازہ باہر لایا گیا۔ اس وقت تک احمدی احباب کی کثیر تعداد جمع ہو چکی تھی۔ جنازہ کوٹھی کی بیرونی ڈیوڑھی میں رکھا گیا۔ جہاں ہزاروں احباب نے ایک ترتیب کے ساتھ حضرت نواب صاحب کی آخری زیارت کی۔ اس کے بعد چارپائی کے ساتھ لمبے بانس باندھ دیئے گئے۔ تاکہ کندھا دینے والوں کو سہولت ہو۔ حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے جنازہ کو کندھا دیا۔ اور جنازہ گاہ تک ہزاروں افراد نے کندھا دینے کا ثواب حاصل کیا۔ جنازہ دارالفضل اور دارالعلوم کی درمیانی سڑک پر سے شہر اور پھر وہاں سے باغ متصل مقبرہ بہشتی لے جایا گیا۔ جہاں جانب غرب نماز جنازہ پڑھنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ قریباً تین ہزار افراد شریک ہوئے۔ نماز جنازہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور تمام مجمع نے رقت اور خشیت کے ساتھ حضرت نواب صاحب کے لئے دعائیں کیں۔ بعد ازاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار والے احاطہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب مرحوم و مغفور کے بائیں جانب آپ کو دفن کیا گیا۔ [1]

ولی عہد ریاست مالیر کوٹلہ کی قادیان میں بغرض تعزیت تشریف آوری

۱۲ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو حضرت نواب صاحب کی تعزیت کے لئے ہز ہائینس نواب صاحب مالیر کوٹلہ (ہز ہائینس نواب محمد احمد علی خانصاحب) کی طرف سے ریاست کے ولیعہد نواب زادہ افتخار علی خاں صاحب بذریعہ موٹر قادیان تشریف لائے آپ کے ساتھ ہز ہائی نس نواب صاحب آف مالیر کوٹلہ کے میر منشی جناب عبداللہ شاہ صاحب بھی تھے۔ ان کے علاوہ سر ذوالفقار علی خاں کے دوسرے فرزند نوابزادہ رشید علیخاں بھی تشریف لائے۔ [2]

۱۴ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو ہز ہائی نس کے چھوٹے صاحبزادہ نوابزادہ الطاف علی خانصاحب مع اپنی ہمشیرہ کے بذریعہ کار تشریف لائے۔ [3]

مزار کا کتبہ

حضرت نواب صاحب کے مزار مبارک پر جو کتبہ نصب کیا گیا اس کی عبارت حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے تجویز فرمائی تھی جو یہ ہے:۔

---

[1] - الفضل ۱۲ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ؛ [2] - الفضل ۱۳ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۱ ؛
[3] - الفضل ۱۵ ″ ″ صفحہ ۱ کالم ۲ ؛

"مزار

حضرت نواب محمد علی خاں صاحب رضؓ

آف مالیرکوٹلہ

جو یکم جنوری ۱۸۷۰ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۰ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بیعت سے مشرف ہوئے اور ۱۰ فروری ۱۹۴۵ء کو قادیان میں وفات پا کر اپنے مولا کے حضور پہنچ گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے خاص صحابہ میں سے تھے جنہیں خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ایک الہام میں "حجۃ اللّٰہ" کے نام سے یاد فرمایا اور حضور نے اپنی صاحبزادی نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے ذریعہ انہیں اپنی دامادی سے مشرف کیا اور ان کے متعلق ازالہ اوہام میں لکھا:۔

جوان، صالح ..... ان کی خداداد فطرت بہت سلیم اور معتدل ہے۔ التزام ادائے نماز میں ان کو خوب اہتمام ہے .... منکرات و مکروہات سے بکلّی مجتنب ہیں مجھے ایسے شخص کی خوش قسمتی پر رشک ہے جس کا ایسا صالح بیٹا ہو۔"

اور اپنے خط میں نواب صاحب مرحوم کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"میں آپ سے ایسی محبّت رکھتا ہوں جیسا کہ اپنے فرزند عزیز سے محبت ہوتی ہے اور دُعا کرتا ہوں کہ اس جہان کے بعد بھی خدا تعالیٰ ہمیں دارالسلام میں آپ کی ملاقات کی خوشی دکھائے۔" [1]

حضرت نواب صاحب کی سوانح پر مفصّل تالیف

حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی سوانح اور فضائل و خدمات پر جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے نے "اصحاب احمد" کی جلد دوم میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور اپنی اس قابل قدر تالیف میں حضرت نواب صاحب کی عبادت گذاری دین سے محبّت، دعاؤں سے شغف، غرباء پروری، فیاضی، انکسار، خدام سے حسن سلوک، مالی مجاہدات، شوق تبلیغ، غیبت سے نفرت، صاف گوئی، جرأت، احترام سلسلہ احمدیہ، نظام خلافت سے محبّت، اپنوں اور غیروں سے حُسنِ سلوک۔ غرضیکہ آپ کی سیرت و شمائل کے متعدد واقعات قلمبند کئے ہیں جو ازدیاد ایمان افروز ہیں اور پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں ؏

---

[1] "اصحاب احمد" جلد دوم صفحہ ۶۲۲-۶۲۳ (مؤلفہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے)۔

فصل دوم

حضرت مصلح موعود کا معرکۃ الآراء لیکچر "اسلام کا اقتصادی نظام" اور اس کے وسیع اثرات

احمدیہ ہوسٹل لاہور میں جلسہ

۲۵ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء کا دن تاریخ احمدیت کا ایک ناقابل فراموش اور یادگار دن ہے۔ کیونکہ اس روز حضرت مصلح موعود نے احمدیہ انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام (احمدیہ ہوسٹل ۲۳ ڈیوس روڈ) لاہور کے وسیع احاطہ میں "اسلام کا اقتصادی نظام" کے موضوع پر ایک معرکۃ الآراء اور انقلاب انگیز تقریر فرمائی جو قریباً ساڑھے چار بجے سے شروع ہو کر سوا سات بجے شام تک جاری رہی۔ صدارت کے فرائض مسٹر رام چند منچندہ صاحب ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور نے ادا کئے۔

گو یہ جلسہ پبلک نہ تھا بلکہ اس میں صرف کالجوں کے پروفیسر، طلبا اور دیگر معززین کو دعوت نامہ کے ذریعہ مدعو کیا گیا تھا تاہم ہر مذہب و ملت کے تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوئے مسلم عیسائی، ہندو اور سکھ شرفاء کے علاوہ تعلیم یافتہ خواتین کی ایک خاصی تعداد بھی تھی۔ اور لاہور کے بیرونجات مثلاً قادیان، امرتسر، فیروزپور، قصور، گجرات اور شاہدرہ سے بھی دوست جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ سامعین کی کل تعداد چار ہزار کے لگ بھگ ہوگی۔ حضور کی تقریر تحقیقی و علمی ہونیکے باوجود اس قدر دلچسپ اور مؤثر تھی کہ باوجودیکہ دو گھنٹہ پینتیس منٹ تک جاری رہی سب حاضرین نے اسے نہایت دلچسپی، متانت اور شوق کیساتھ سنا اور پروفیسر اور طلباء خاص طور پر اس سے لطف اندوز ہوتے۔ دوران تقریر میں بکثرت مسلم اور غیر مسلم احباب حضور کی تقریر کے نوٹ لکھتے رہے۔ [1]

حضرت مصلح موعود کا انقلاب انگیز خطاب

حضرت مصلح موعود نے اپنے فاضلانہ خطاب کے آغاز میں سب سے پہلے نہایت لطیف پیرایہ میں اسلام کی اقتصادی تعلیم کا ماحول بیان فرمایا اور پھر اموال سے متعلق اسلامی نظریہ کی وضاحت کی اور نہایت تفصیل سے بتایا کہ اسلام نے کس طرح دولت کے غلط استعمال ہی کو نہیں روکا اس کے ناجائز طور پر حصول کا بھی مؤثر سدباب

---

[1] ۔ الفضل ۲۸ تبلیغ / فروری ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۳ و ۴، ۱۷ امان / مارچ ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۲۔

حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعودؓ ''اسلام کا اقتصادی نظام'' کے موضوع پر لیکچر دے رہے ہیں
حضور کے بائیں طرف بالترتیب مسٹر رامچند منچندہ ایڈووکیٹ اور شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کرسیوں پر بیٹھے ہیں
(سٹیج پر بیٹھنے والے معززین کے نام ضمیمہ میں ملاحظہ ہوں)

فرمایا ہے۔

اپنی تقریر کے دوسرے حصے میں حضور نے کمیونزم کی تحریک کا مذہبی اور اقتصادی اور سیاسی، نظریاتی اور عملی ہر لحاظ سے تفصیلی جائزہ لیا اور آخر میں روس کے متعلق بائیبل (حزقیل ب ۳۸-۳۹) کی ایک عظیم الشان پیشگوئی کا اُردو متن سُنانے کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور اپنی پیشگوئی کا بھی ذکر فرمایا۔

حضرت مصلح موعود چونکہ اسلام کی نمائندگی فرما رہے تھے اس لئے حضور نے کمیونزم پر تنقید کرتے ہوئے کمیونزم کے ان حصوں کو خاص طور پر لیا جو مذہب پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ حصہ اس پوری تقریر کا نقطۂ عروج تھا۔ جس کو بیان کرتے ہوئے آپ کی آواز میں جلال اور قوت و شوکت کا ایک نمایاں رنگ پیدا ہوگیا۔ ذیل میں اس مقام کے بعض ضروری اقتباسات درج کئے جاتے ہیں تا اندازہ ہو سکے کہ پوری تقریر کس شان کی تھی اور کس جذبہ سے کی گئی۔ حضور نے ارشاد فرمایا:۔

"سب سے پہلا اعتراض جو کمیونسٹ نظام پر مجھے اور ہر موت کے بعد کی زندگی کے ماننے والے کو ہونا چاہیئے یہ ہے کہ اس میں شخصی طوعی جدوجہد جو زندگی کے مختلف شعبوں میں ظاہر ہو کر انسان کو اُخروی زندگی میں مستحق ثواب بناتی ہے اُس کے لئے بہت ہی کم موقعہ باقی رکھا گیا ہے ..... مثلاً اسلام اُن مذاہب میں سے ہے جو اپنے پیرووں کو یہ حکم دیتا ہے کہ جاؤ اور دنیا میں تبلیغ کرو۔ جاؤ اور لوگوں کو اپنے اندر شامل کرو کیونکہ دُنیا کی نجات اسلام سے وابستہ ہے۔ وہ شخص جو اسلام سے باہر رہے گا نجات سے محروم رہے گا اور اُخروی زندگی میں ایک مجرم کی حیثیت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا۔ تم ایک مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے پاگل کہہ لو۔ بیوقوف کہہ لو۔ جاہل کہہ لو۔ بہر حال جب تک وہ اسلام کی سچائی پر یقین رکھتا ہے۔ جبتک وہ بنی نوع انسان کی نجات صرف اسلام میں داخل ہونے پر ہی منحصر سمجھتا ہے اسوقت تک وہ اپنا فرض سمجھتا ہے کہ مَیں اپنے ہر اُس بھائی کو جو اسلام میں داخل نہیں اسلام کا پیغام پہنچاؤں۔ اُسے تبلیغ کروں اور اس پر اسلام کے محاسن اس عمدگی سے ظاہر کروں کہ وہ بھی اسلام میں داخل ہو جائے ..... لیکن کمیونسٹ نظام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ..... اوّل تو وہ سیاسی طور پر تبلیغ کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن چونکہ یہ اقتصادی مضمون ہے اس لئے اسے نظر انداز بھی کر دو تو سوال یہ ہے کہ ایک اقلیت اکثریت کے مذہب کو بدلنے کے لئے کس قدر قربانی

کے بعد لٹریچر وغیرہ مہیّا کر سکتی ہے۔ مثلاً ہماری جماعت ہی کو لے لو۔ ہم اقلیت ہیں۔ مگر ہم دنیا میں اسلام کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ ہمارے آدمی اگر روس میں تبلیغ کرنے کے لئے جاتے ہیں تو ہر شخص یہ آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ ۷ کروڑ رشین کو مسلمان بنانے کیلئے کتنے کثیر لٹریچر کی ضرورت ہے، اور کتنا مال ہے جو اس جدوجہد پر خرچ ہو سکتا ہے۔ ہماری جماعت اس جدوجہد کو ای صورت میں جاری رکھ سکتی ہے جب کسی کی کمائی اُس سے پوری نہ چھین لی جائے اور کھانے پینے اور پہننے کے علاوہ بھی اس کے پاس روپیہ ہوتا وہ اس سے ایسے اخراجات کو پورا کر سکے جن کو وہ اپنی اُخروی بھلائی کے لئے ضروری سمجھتی ہے لیکن کمیونزم کا اقتصادی نظام تو کسی کے پاس زائد روپیہ رہنے ہی نہیں دیتا کیونکہ وہ اس جدوجہد کو کام ہی نہیں سمجھتا اس کے نزدیک مادی کام کام ہیں لیکن مذہبی کام کام نہیں ہیں۔ ...... اگر کمیونسٹ یہ کہتے کہ ہم مذہب کے مخالف ہیں اور اُسے غیر ضروری قرار دیتے ہیں تو گو پھر بھی ہمیں اختلاف ہوگا مگر ہمیں افسوس نہ ہوتا۔ ہم سمجھتے کہ جو کچھ ان کا دل میں عقیدہ ہے اُسی کو اپنی زبان سے ظاہر کر رہے ہیں مگر ہمیں افسوس ہے تو یہ کہ کمیونسٹ یہ بات ظاہر نہیں کرتے۔ وہ کھلے بندوں یہ نہیں کہتے کہ ہم اپنے نظام کے ماتحت تمہارے مذہب کو اپنے ملک میں پھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ بلکہ وہ گھر کے پچھلے دروازہ سے گھر میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر مذہب کے ماننے والے اُس وقت اُن کی اس چالاکی سے واقف ہوتے ہیں جبکہ وہ اپنی شخصیت کھو چکے ہوتے ہیں اور کمیونزم سے اُن کی ہمدردی اور محبت اتنی بڑھ چکی ہوتی ہے کہ اُن کی آنکھوں پر پٹی بندھ جاتی ہے۔ کمیونزم اگر کھلے بندوں کہے کہ ہم اُخروی زندگی کو کوئی قیمت نہیں دیتے ہم اُس کے پرچار کے لئے کوئی سامان تمہارے پاس نہیں چھوڑنا چاہتے تو آنکھوں کھلے لوگ اُس میں داخل ہوں۔ مگر دوسرے ممالک میں اس حصہ کو پوری طرح مخفی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ کمیونزم صرف ایک اقتصادی نظام ہے۔ مذہب سے اس کا کوئی ٹکراؤ نہیں۔ حالانکہ مذہب نام ہے تبلیغ کرنے کا۔ مذہب نام ہے ایک دوسرے کو خدا تعالیٰ کے احکام پہنچانے کا خواہ یہ تقریر کے ذریعہ ہو یا تحریر کے ذریعہ ہو۔ لٹریچر کے ذریعہ ہو یا کتابوں کے ذریعہ ہو۔ مگر کمیونزم تو کسی انسان کے پاس کوئی زائد روپیہ چھوڑتا

ہی نہیں ۔ پھر ایک مذہبی آدمی ٹریکٹ کس طرح چھپوائے اور کتابیں کس طرح ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلائے ۔ اس پابندی کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ مذہب کی اشاعت رک جائے اور لامذہبیت کا دَور دَورہ ہو جائے ۔

اب اس سوال کا دوسرا پہلو لو ۔ ہر مسلمان یہ کہتا ہے کہ مَیں روپیہ نہیں مانگتا ۔ لیکن مَیں اسلام کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیتا ہوں ۔ وہ کہتا ہے کہ مَیں سارے روس میں پھرونگا اور اپنے خیالات اُن لوگوں پر ظاہر کرونگا ۔ میں گاؤں بہ گاؤں اور قصبہ بہ قصبہ اور شہر بہ شہر جاؤں گا اور لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کروں گا ۔ سوال یہ ہے کہ کیا کمیونسٹ گورنمنٹ ایک مسلمان کو اپنی زندگی وقف کرنے اور اسلام کی اشاعت کے لئے اپنے ملک میں پھرنے کی اجازت دے گی ۔ یا جبراً اُسے اس کام سے روکے گی اور اُسے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں محبوس کر دے گی یقیناً اس کا ایک ہی جواب ہے کہ کمیونسٹ گورنمنٹ اُسے جبراً اس کام سے روکے گی اُسے دین اور مذہب کا کام نہیں کرنے دے گی "۔

"..... قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ع۱۱) یعنی اے مسلمانو! تم میں سے ایک جماعت پورے طور پر مذہبی نگرانی کے لئے دنیوی کاموں سے فارغ ہونی چاہیئے اور اس جماعت کے افراد کا یہ کام ہونا چاہیئے کہ وہ نیک باتوں کی طرف لوگوں کو بلائیں ۔ عمدہ باتوں کی تعلیم دیں اور بُرے اخلاق سے لوگوں کو روکیں ۔ پس اسلامی تعلیم کے ماتحت ایک حصہ کلی طور پر اس غرض کے لئے وقف ہونا چاہیئے ۔ یہ صحیح بات ہے کہ اسلام زندگی وقف کرنیوالوں کو کوئی خاص حقوق نہیں دیتا مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک خاص کام اُن کے سپرد کرتا ہے ۔ اسلام پادریت (PRIESTHOOD) کا قائل نہیں ۔ مگر وہ مذہبی نظام کا ضرور قائل ہے ۔ عیسائیت تو جن لوگوں کے سپرد تبلیغ کا کام کرتی ہے ان کو دوسروں سے بعض زائد حقوق بھی دے دیتا ہے مگر اسلام کہتا ہے کہ ہم ان لوگوں کو کوئی زائد حق نہیں دیں گے جو دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کریں گے لیکن یہ ضرور ہے کہ زندگی وقف کرنیوالے کے سپرد خاص طور پر یہ کام ہوگا کہ وہ اسلام کو پھیلائے اور تبلیغی یا تربیتی نقطہ نگاہ کو ہر وقت

اسلام کی خدمت کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد سمجھے۔ اس قسم کے لوگوں کی نفی کر کے نظامِ اسلام کبھی باقی نہیں رہ سکتا۔ آخر ایک تفصیلی آئین بغیر اس کے ماہروں اور بغیر اس کے مبلغوں کے کس طرح چل سکتا ہے۔ اسلام وہ مذہب ہے جو دُنیا کے تمام مذاہب میں سے سب سے زیادہ مکمل ہے اور وہ ایک وسیع اور کامل آئین اپنے اندر رکھتا ہے۔ وہ عبادات کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے وہ اقتصادیات کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے وہ سیاسیات کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے وہ آقا اور ملازمین کے حقوق کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ معلّم اور متعلّم کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ میاں اور بیوی کے حقوق کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے وہ تجارت اور لین دین کے معاملات کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ ورثہ کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ بین الاقوامی جھگڑوں کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ قضاء کے متعلق بھی تعلیم دیتا ہے غرض ہزاروں قسم کی تعلیمیں اور ہزاروں قسم کے قانون ہیں جو اسلام میں پائے جاتے ہیں اور اُن میں سے ایک ایک امر مکمل تعلیم اور کامل معلّموں کو چاہتا ہے جو رات دن اسی کام میں لگے رہیں جب تک اس تفصیلی آئین کو سکھانے والے لوگ اسلام میں موجود نہیں ہوں گے۔ لوگ سیکھیں گے کیا اور کس سے۔ اور اسلام پر مسلمان عمل کس طرح کریں گے۔ اور اسلام دنیا میں پھیلے گا کس طرح؟

تفسیر کا علم خود ایک مکمل علم ہے۔ جب تک مفسّر نہ ہو یہ علم زندہ نہیں رہ سکتا اور مفسّر بننے کے لئے سالہا سال تک تفاسیر کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ لغت کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ صرف و نحو کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ احادیث کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر پُرانی تفاسیر کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے مذاہب کی کتب اور ان کی تاریخ خصوصًا تاریخ عرب اور تاریخ بنی اسرائیل اور بائیبل کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ بغیر ان باتوں کے جاننے کے کوئی شخص قرآن کریم کے مطالب کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست کسی کو سمجھائے۔ مگر ایسے آدمی دنیا میں کتنے ہوتے ہیں۔ صدیوں میں کوئی ایک آدھ ایسا پیدا ہوتا ہے باقی تو کسب سے جو تقویٰ کے ساتھ ہو یہ مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن کمیونسٹ تو اس کام کو کام ہی نہیں سمجھتے۔ وہ کسی کو قرآن کریم اور تفسیر اور عربی بارہ سال تک

پڑھنے اور پھر دوسروں کو پڑھانے کا موقعہ کب دے سکتے ہیں۔ وہ تو ایسے شخص کو یا قید کردیں گے یا اس کا کھانا پینا بند کردیں گے کہ وہ نکما اور قوم پر بوجھ ہے۔ اسی طرح حدیث کا علم بھی علاوہ درجنوں حدیث کی کتب کے، درجنوں اُن کی تشریحات کی کتب کے اور اس کے ساتھ لغت اور صرف و نحو اور اسماء الرجال کی کتب پر مشتمل ہے۔ بغیر حدیث کے علم کے مسلمانوں کو اسلام کی تفصیلات کا علم ہی نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر اس علم کے ماہرین کے جو اپنی عمر اس علم کے حصول میں خرچ کریں۔ مسلمانوں میں اس علم کی واقفیت پیدا ہی نہیں ہو سکتی مگر کمیونزم تو اس علم کے پڑھنے کو ہی لغو اور فضول اور بیکار قرار دیتی ہے۔ وہ اس علم کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کو اپنی عمر اس علم کے حصول میں قطعاً خرچ نہ کرنے دی گی۔ یا ایسے آدمی کو قید کرے گی یا اُسے فاقوں سے مارے گی۔ کیونکہ وہ اُس کے نزدیک بیکار وجود ہے اور قوم پر بار.....۔

ہمارے نزدیک جو شخص مشین چلا رہا ہے وہ بھی کام کر رہا ہے اور جو شخص مذہب پھیلا رہا ہے وہ بھی کام کر رہا ہے اور جو مذہب کی تعلیم دے رہا ہے۔ وہ بھی کام کر رہا ہے اور جو مذہب کی تعلیم حاصل کر رہا ہے وہ بھی کام کر رہا ہے مگر اُن کے نزدیک جو شخص مشین چلاتا ہے وہ تو کام کرنے والا ہے مگر جو شخص مذہب، پڑھتا یا پڑھاتا یا پھیلاتا ہے وہ نکما اور بے کار ہے اُن کے نزدیک لوگوں کو الف اور با ء سکھانا کام ہے مگر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اگر لوگوں کو سکھایا جائے تو یہ کام نہیں۔ بلکہ نکماپن ہے.....۔

اب دیکھو ہمارے نظریہ اور ان کے نظریہ میں کتنا بڑا فرق ہے اور مشرق و مغرب کے اس قدر بُعد کو کس طرح دُور کیا جا سکتا ہے ؟

اِس تفصیل کے ماتحت کمیونزم نظام میں وہ شخص جس کی پیروں کی مَیل کے برابر بھی ہم دُنیا کے بڑے بڑے بادشاہ کو نہیں سمجھتے جس کے لئے ہم میں سے ہر شخص اپنی جان کو قربان کرنا اپنی انتہائی خوش بختی اور سعادت سمجھتا ہے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو رات اور دن خدا کی باتیں سُنا کر بنی نوع انسان کی روح کو روشن کیا کرتے تھے۔ اسی طرح مسیحؑ، موسیٰؑ۔ ابراہیمؑ۔ کرشنؑ۔ رام چندرؑ۔ بدھؑ۔ زرتشتؑ۔ گورونانکؒ۔ کنفیوشسؑ۔ یہ سب

کے سب نعوذ باللہ نکمے اور قوم پر بار تھے اور ایسے آدمیوں کو اُن کے قانون کے ماتحت یا تو فیکٹریوں میں کام کے لئے بھجوا دینا چاہیئے۔ تاکہ اُن سے جوتے بنوائے جائیں۔ یا اُن سے بُوٹ اور گرگابیاں تیار کرائی جائیں یا اُن سے کپڑے سلائے جائیں۔ یا اُن کو لوگوں کے بال کاٹنے پر مقرر کیا جائے اور اگر یہ لوگ اس قسم کا کام کرنے کے لئے تیار نہ ہوں تو پھر اُن کا کھانا پینا بند کیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک یہ لوگ نکمے اور قوم پر بار ہیں۔ کمیونسٹ نظام تصویر بنانے کو کام قرار دیتا ہے۔ وہ سٹیچو (STATUE) بنانے کو کام قرار دیتا ہے مگر وہ رُوح کی اصلاح کو کوئی کام قرار نہیں دیتا بلکہ اُسے نکما پن سمجھتا ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ روٹی ہی انسان کا پیٹ نہیں بھرا کرتی اور صرف غذا ہی رُوح کے اطمینان کا موجب نہیں ہوتی۔ بلکہ ہزاروں ہزار انسان دنیا میں ایسے پائے جاتے ہیں کہ اگر اُن کو عبادت سے روک دو تو وہ کبھی بھی چین نہیں پائیں گے خواہ اُن کی غذا اور لباس کا کس قدر خیال رکھا جائے۔

تعجب ہے کہ کمیونسٹ نظام چھ گھنٹہ فیکٹریوں میں کام کرکے سینما اور ناچ گھروں میں جانیوالے اور شراب میں مست رہنے والے کو کام کرنے والا قرار دیتا ہے۔ وہ فوٹو گرافی اور میوزک کو کام قرار دیتا ہے مگر وہ رُوح کی درستی اور اخلاق کی اصلاح کو کوئی کام قرار نہیں دیتا پچھلے دنوں مارشل مالی نووسکائی (MOLI NOVSKY) سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے لڑکے کس کام میں دلچسپی لیتے ہیں تو اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔ کہ:۔

"THEY ARE INTERESTED IN PHOTOGRAPHY, MUSIC AND KEEPING RABBITS."

گویا کمیونزم نظام میں ایک پندرہ سال کا بچہ جو فوٹو گرافی میں اپنے وقت کو گذار دیتا ہے۔ جو میوزک میں دن رات مشغول رہتا ہے۔ جو خرگوشوں کو پال پال کر اُن کے پیچھے بھاگا پھرتا ہے وہ تو کام کرنے والا ہے اور اس بات کا مستحق ہے کہ اُسے روٹی دی جائے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمؐ۔ مسیحؑ۔ موسیٰؑ۔ کرشن۔ بدھؑ۔ زرتشت۔ گورونانکؒ۔ یہ اگر خدا کے نام کو دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ تو وہ جاہل کہتے ہیں کہ یہ نعوذ باللہ من ذالک۔ پیرا سائٹس (PARASITES) ہیں۔ یہ سوسائٹی کو ہلاک کرنیوالے جراثیم تھے۔ یہ اس قابل نہیں ہیں کہ اُن کو کام کرنیوالا قرار دیا جائے

حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دن کو بھی کام کیا اور رات کو بھی کام کیا۔ انہوں نے دن کو دن نہیں سمجھا اور راتوں کو رات نہیں سمجھا۔ تعیش کو انہوں نے اپنے اُوپر حرام کر لیا اور اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے بنی نوع انسان کی علمی اور اخلاقی اور روحانی اصلاح کے لئے کام کیا۔ مگر یہ لوگ اُن کے نزدیک نکمّے اور قوم پر بار تھے۔ وہ سنیما میں اپنے رات اور دن بسر کرنے والے تو کام کرنے والے ہیں اور یہ لوگ جو دن کو بنی نوع انسان کی اصلاح کا کام کرتے اور راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے یہ کوئی کام کرنے والے نہیں تھے۔ وہ لوگ جو مظلوموں کی مدد کیا کرتے تھے۔ جو اخلاق درست کیا کرتے تھے۔ جو ہر قسم کی تکالیف برداشت کر کے دُنیا میں نیکی کو پھیلاتے اور بدی کو مٹاتے تھے وہ تو نکمّے تھے اور یہ سینما میں جانے والے اور شراب میں پی پی کر ناچنے والے اور بانسریاں منہ کو لگا کر پیں پیں کرنے والے کام کرنے والے ہیں۔

غرض جہاں تک واقعات کا سوال ہے کمیونسٹ نظام میں ان لوگوں کی کوئی جگہ نہیں۔ مَیں دوسری دُنیا کو نہیں جانتا۔ مگر مَیں اپنے متعلق یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ نظام جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی جگہ نہیں خدا کی قسم اُس میں میری بھی جگہ نہیں۔ ہم اُس ملک کو اپنا ملک اور اُس نظام کو اپنا نظام سمجھتے ہیں جس میں ان لوگوں کو پہلے جگہ ملے اور بعد میں ہمیں جگہ ملے۔ وہ ملک اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے بند ہے تو یقیناً ہر سچے مسلمان کے لئے بھی بند ہے۔ وہ حقیقت پر پردہ ڈال کر مذاہب پر عقیدت رکھنے والوں کو اس نظام کی طرف لا سکتے ہیں۔ مگر حقیقت کو واضح کر کے کبھی نہیں لا سکتے۔"[1]

جناب لالہ رام چند مچندہ صاحب کی صدارتی تقریر

حضرت مصلح موعود کی اس پر شوکت تقریر کے بعد صدر جلسہ جناب لالہ رام چند مچندہ صاحب نے ایک مختصر تقریر کی جس میں کہا:-

"مَیں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مجھے ایسی قیمتی تقریر سُننے کا موقعہ ملا۔ اور مجھے اس بات سے خوشی ہے کہ تحریک احمدیت ترقی کر رہی ہے اور نمایاں ترقی کر رہی ہے۔ جو تقریر اس وقت آپ لوگوں نے سُنی ہے اُس کے اندر نہایت قیمتی اور نئی نئی باتیں حضور نے

---

[1] "اسلام کا اقتصادی نظام" صفحہ ۶۰ تا ۷۰، طبع اوّل۔

بیان فرمائی ہیں مجھے اس تقریر سے بہت فائدہ ہوا ہے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں نے بھی ان قیمتی معلومات سے بہت فائدہ اٹھایا ہوگا۔ مجھے اس بات سے بھی بہت خوشی ہوئی ہے۔ کہ اس جلسہ میں نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی شامل ہوئے ہیں اور مجھے خوشی ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات بہتر ہو رہے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے بہت سے معزز دوستوں سے مجھے تبادلہ خیالات کا موقعہ ملتا رہتا ہے۔ یہ جماعت اسلام کی وہ تفسیر کرتی ہے جو اس ملک کے لئے نہایت مفید ہے پہلے تو مَیں سمجھتا تھا اور یہ میری غلطی تھی کہ اسلام صرف اپنے قوانین میں مسلمانوں کا ہی خیال رکھتا ہے۔ غیر مسلموں کا کوئی لحاظ نہیں رکھتا مگر آج حضرت امام جماعت احمدیہ کی تقریر سے معلوم ہوا کہ اسلام تمام انسانوں میں مساوات کی تعلیم دیتا ہے اور مجھے یہ سُنکر بہت خوشی ہوئی ہے۔ میں غیر مسلم دوستوں سے کہونگا کہ اس قسم کے اسلام کی عزّت و احترام کرنے میں آپ لوگوں کو کیا عذر ہے؟ آپ لوگوں نے جس سنجیدگی اور سکون سے اڑھائی گھنٹہ تک حضور کی تقریر سُنی ہے۔ اگر کوئی یورپین اس بات کو دیکھتا تو وہ حیران ہوتا کہ ہندوستان نے اتنی ترقی کرلی ہے جہاں میں آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے سکون کے ساتھ تقریر کو سُنا۔ وہاں میں اپنی طرف سے اور آپ سب لوگوں کی طرف سے حضرت امام جماعت احمدیہ کا بار بار اور لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنی نہایت ہی قیمتی معلومات سے پُر تقریر سے ہمیں مستفید فرمایا۔" [۱]

معزز اور تعلیمیافتہ طبقہ پر تقریر کا اثر

تقریر نے تعلیم یافتہ طبقہ کے دماغ سے مغربی ماہرین معاشیات کے بوسیدہ اور سرتاپا ناقص خیالات کے اثر کو زائل کر کے ایک زبردست روشنی پیدا کردی۔ کیونکہ یہ تقریر جہاں بےنظیر قرآنی علوم و معارف پر مشتمل تھی وہاں اُس میں اشتراکیت کے نقائص پر بھی نہایت محققانہ اور عالمانہ بحث کی گئی تھی۔ کمیونزم کے ردّ میں خود یورپین مفکر بھی اُن خیالات کا اظہار کرنے سے قاصر رہے ہیں جو حضور نے اس تقریر میں بیان فرمائے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اقتصادیات کی نسبت اسلامی تعلیم کی ترجمانی ایسے ولولہ انگیز انداز میں فرمائی کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں حلقوں میں اسلام کی برتری کی دھوم مچ گئی اور لاہور کے کالجوں میں تو ایک ہیجان پیدا ہوگیا۔ بہت سے اعلیٰ سرکاری حکام پروفیسران، وکلاء بیرسٹر اور سٹوڈنٹس نے بڑے شوق سے پورا لیکچر سُنا اور اپنے حلقوں میں اسے پھیلایا۔

---

[۱] روزنامہ الفضل قادیان مورخہ ۲ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵۔

چنانچہ تقریر سُننے کے بعد اکثر کی زبان پر تعریفی کلمات تھے بلکہ ایک کثیر طبقہ نے اس بات کا اقرار کیا کہ عقاید کے میدان میں گو ہم حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے ساتھ اختلاف رکھتے ہوں۔ مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ آپ موجودہ زمانہ میں ہندوستان کے بہترین عالم ہیں اور حقیقت بھی یہی تھی کہ علم اقتصاد کے متعلق قرآنی حقائق و معارف کا انکشاف اور یورپ کے اقتصادی فلسفہ کا ردّ آجتک کسی انسان کی طرف سے ایسے رنگ میں پیش نہیں ہوا کہ خود منکرین اسلام ایسے نظام کی فضیلت کا اقرار کریں۔ اور خود اشتراکیت کے حامی اشتراکیت کی خامیاں تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں۔ چنانچہ حضرت مولانا شیر علی صاحب کا بیان ہے کہ اُنہوں نے تقریر کے بعد بعض غیر احمدی نوجوانوں کو آپس میں یہ گفتگو کرتے ہوئے سُنا کہ اگر اب بھی تم نے کمیونسٹ کی تائید کی تو تم پر لعنت ہے۔ اسی طرح ایک پروفیسر پر اس کا اتنا اثر پڑا کہ وہ رو پڑا۔

تقریر کے اختتام پر غیر احمدی پروفیسر صاحبان اور طلباء کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا کہ چونکہ وقت کی قلت کی وجہ سے حضور اپنی تقریر میں مضمون کے تمام پہلوؤں پر اپنے خیالات کا اظہار نہیں فرما سکے اس لئے ایک اور تقریر فرمائی جائے جس میں مضمون کے باقی حصص کی وضاحت ہو جائے تا لوگ علوم کے اس چشمہ سے سیراب ہو سکیں جو اللہ تعالےٰ نے حضور کو عطا فرمایا ہے۔ نیز یہ کہ یہ تقریر فوری طور پر کتابی صورت میں چھپوا دی جائے۔ اسی طرح پنجاب یونیورسٹی شعبہ اقتصادیات کے ایم۔ اے کے بعض طلبہ نے اس تقریر کا انگریزی ترجمہ چھپوا کر یونیورسٹی اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کے پروفیسروں کے پاس بھیجنے کی تجویز پیش کی۔ نیز کہا کہ جہاں مختلف سکیمیں ہندوستان کی آئندہ فلاح اور اقتصادی ترقی کے متعلق دوسرے لوگوں کی طرف سے پیش ہو رہی ہیں وہاں یہ اسلامی نظام جو حضور نے پیش فرمایا ہے مسلمانوں کے خیالات کی نمائندگی کرے گا۔ اس تقریر کے پہلے حصہ کی نسبت مسلمان پروفیسروں اور طالبعلموں نے یہ رائے دی کہ اسلامی اقتصادی نظام اس طرز پر پہلے کبھی پیش نہیں کیا گیا۔ نہ ہندوستان کے کسی موجودہ مسلمان عالم نے اس موضوع پر اس رنگ میں قلم اُٹھایا ہے کہ اسلامی نظام کو تمام نقائص سے پاک ثابت کر کے ایسے رنگ میں پیش کرے کہ وہ قابل عمل ہونے کے علاوہ بہترین نظام معیشت بھی ہو۔ جہاں تک غیر مسلم طبقہ کا تعلق ہے اُن کے نزدیک اسلامی نظام کی وہ شکل جو حضور نے بیان فرمائی قابل عمل ہونے کے ساتھ ساتھ عالمگیر رواداری اور اخوت اور مساوات کے اصول پر مبنی ہے۔ جیسا کہ صاحب صدر لالہ رام چند منچندہ نے اپنی صدارتی تقریر میں واضح لفظوں میں

اقرار کیا۔ [1]

الغرض حضرت مصلح موعودؓ کے اس لیکچر نے چوٹی کے علمی طبقوں میں ایک تہلکہ مچا دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسے ہر سطح پر غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ [2]

ایک غیر احمدی پروفیسر کا مکتوب

ایک غیر احمدی پروفیسر نے (جو اس تقریر میں موجود تھے اور پھر جلد ہی مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے گورنمنٹ کے خرچ پر امریکہ چلے گئے) اپنے ایک احمدی دوست کو امریکہ سے خط لکھا۔ کہ

"یہاں مذہب پر کبھی کبھی گفتگو ہو جاتی ہے۔ خدا کے فضل سے مذہبی بحث میں قادیانی لٹریچر جو مَیں نے پڑھا ہے خوب کام دیتا ہے لوگوں کو بحث کرنے کی عادت تو ہے لیکن مذہب سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں چند منٹ کی گفتگو کے بعد خاموش ہو جاتے ہیں ..... یہاں روسی نظام پہ بھی بحث ہوتی تھی۔ آجکل کے تعلیم یافتہ روسی نظام کے دلدادہ ہیں لیکن روسی نظام اسلامی نظام کا خاتمہ ہے۔ روسی نظام میں انفرادی آزادی نہیں ملتی۔ اس لئے مذہب کے نقطہ نگاہ سے کسی شخص کا قیامت کے دن حساب لینا بے سود ہے۔ اسلام ہر شخص کی آزادی چاہتا ہے تاکہ ہر شخص کو پورا اختیار ہو کہ نیکی بدی میں جو راستہ چاہے اختیار کرسکے روسی نظام ایک پیچیدہ مشین ہے جس میں ایک انسان مشین کے ایک پرزہ کی طرح کام کرتا ہے اور اپنی مرضی سے یا اپنے اختیار سے کام نہیں کرسکتا۔ اس لئے جو مذہب دوسری دنیا اور جزا اور سزا کا دعویٰ کرتا ہے وہ روسی نظام کے خلاف ہے۔

اس مسئلہ پر لاہور میں خلیفہ صاحب نے ایک لمبی تقریر کی تھی اور بے شمار دلائل سے ثابت کیا تھا کہ ہر لحاظ سے اسلامی نظام دُنیا کا بہترین نظام ہے۔ مَیں آپ کے ساتھ اس تقریر کو سُننے کیلئے لاہور گیا تھا۔ اس تقریر سے میرے علم میں بہت اضافہ ہوا اور جو دلائل سنے وہ سب یاد ہیں اور جب کبھی روسی نظام پر بحث کرنے کا موقع ملتا ہے تو خلیفہ صاحب کی لمبی تقریر خوب کام دیتی ہے۔ جو کتابیں یہاں تقسیم کرنے کے لئے لایا تھا وہ تقسیم کی جارہی ہیں۔ بہت سی تقسیم ہو چکی ہیں" [3]

---

[1] ۔ الفضل ۱۷ امان/مارچ ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲، الفضل ۵ امان/مارچ ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲، الفضل ۱۴ امان/مارچ ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۲-۳۔

[2] ۔ حضرت مصلح موعودؓ کا ارادہ دو تین ماہ میں "کمیونزم اور مذہب" کے عنوان پر بھی ایک تقریر ارشاد فرمانے کا تھا اور اس کیلئے ایک رات بیٹھکر اُسکے نوٹ بھی لکھ لئے تھے مگر افسوس لاہور میں اس کیلئے کوئی مناسب تقریب پیدا نہ ہوسکی اور دنیا ایک لازوال اور انمول علمی خزانے سے محروم رہی۔ (الفضل ۱۴ امان/مارچ ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶)

[3] ۔ روزنامہ الفضل قادیان مورخہ ۱۰ مئی ۱۹۴۶ء صفحہ ۵۔

سیّد عبدالقادر صاحب ایم۔اے وائس پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور کے تاثرات

جناب سیّد عبدالقادر صاحب ایم۔اے وائس پرنسپل (صدر شعبہ تاریخ) اسلامیہ کالج نے اسلام اور اشتراکیت (ISLAM AND COMMUNISM) کے عنوان پر اخبار "سن رائز" لاہور (۲۴ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء) میں ایک نوٹ دیا جس کا ایک حصّہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"اسلام کا اقتصادی نظام اور کمیونزم کے موضوع پر (حضرت) مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کا لیکچر سُننے کا مجھے بھی فخر حاصل ہوا۔ یہ لیکچر بھی آپ کے دوسرے لیکچروں کی طرح جو مجھے سُننے کا اتفاق ہوا ہے عالمانہ خیالات میں جلا پیدا کرنے والا اور پُراز معلومات تھا مرزا صاحب خداداد قابلیت کے مالک ہیں۔ اور اس موضوع کے ہر پہلو پر آپ کو پورا پورا عبور حاصل ہے۔ اس وجہ سے آپ کے خیالات اس بات کے مستحق ہیں۔ کہ ہم ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ان پر توجہ کریں۔" [1]

لیکچر کے مختلف غیر ملکی زبانوں میں تراجم اور اُس کے عالمی اثرات

یہ اہم لیکچر جو مولوی محمد یعقوب صاحب فاضل طاہر کی ہمت و کاوش سے من و عن ضبط تحریر میں آگیا تھا ہندوستان کے مختلف تعلیمیافتہ طبقوں کے اصرار پر ماہ ظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں دفتر تحریک جدید کی طرف سے شائع کر دیا گیا۔ اس پہلے اردو ایڈیشن کے بعد[2] اس تقریر کے انگریزی، ہندی، ہسپانوی، ترکی، جرمنی، اور عربی زبانوں میں بھی تراجم شائع ہو چکے ہیں اور قلوب و اذہان میں ایک خوشگوار انقلاب پیدا کرنے کا موجب بن رہے ہیں۔ بطور نمونہ ہسپانوی ترجمہ پر میڈرڈ کے مشہور اور ضخیم رسالہ "انسٹی ٹیوٹ آف پولیٹیکل سائنس" کا ریویو ملاحظہ ہو:۔

"ہمارے ملک میں جماعت احمدیہ کے نمائندہ کرم الٰہی ظفر نے جماعت احمدیہ کے موجودہ امام کا ایک معرکۃ الآراء لیکچر شائع کیا ہے جس کا پہلا عنوان "حقیقی امن کی طرف لے جانیوالا راستہ" ہے اور جس میں کمیونزم کے مقابلے میں اسلامی اقتصادی نظام کو پیش کیا گیا ہے اسلام اور کمیونزم دونوں نظاموں کو ایک وسیع انٹروڈکشن کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور

---

[1] ترجمہ الفضل ۳۰ امان/۳۰ مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء۔

[2] لیکچر کا دوسرا اُردو ایڈیشن امان/مارچ ۱۳۴۸ہش/۱۹۶۹ء میں نظارت اصلاح و ارشاد ربوہ نے نہایت دیدہ زیب کتابت و طباعت اور دیدہ زیب سرورق سے شائع کیا ہے۔ اس کے بعد تیسرا ایڈیشن وقف جدید ربوہ کی طرف سے اسی سال چھپ چکا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بین الاقوامی پیچیدہ مسائل دَورِ حاضرہ کے نہایت اہم مسائل ہیں۔ جن کی طرف دُنیا بھر کی توجہ ہے۔

دنیا کے نہ ختم ہونے والے مصائب، بدامنی اور گمراہی کا باعث یہ ہے کہ دُنیا اپنی مشکلات کا حل محض عقلی تدبیروں سے ڈھونڈنا چاہتی ہے اور مادی دنیا طمع اور حرص میں اندھی ہوکر دیگر ممالک پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ جماعت احمدیہ جو ایک پُرامن جماعت ہے اس بدامنی اور ظلم و فساد کی وجہ دو باتوں کو قرار دیتی ہے۔ اوّل سیاسی طور پر بلا تمیز رنگ، ملک، زبان، مذہب، بنی نوع انسان کے اتحاد کے لئے کوشش کا فقدان۔ دوم اس چیز کا سوشل رنگ میں لحاظ نہ رکھنا۔ اسلام اپنے تمام سیاسی، اقتصادی اور تمدنی اور دیگر ہر قسم کے نظاموں کی بنیاد اس امر پر رکھتا ہے جو ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بادشاہت اور مالکیّت صرف خداتعالےٰ کو ہی حاصل ہے۔ پس اگر کسی شخص کے سپرد حکومت کرنیکی ذمہ داری کی جائے تو ایک اقتدار ہے جو قوم نے اس کے سپرد کیا جو اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے۔

اسلام کے یہ اصول ہسپانیہ کے موجودہ اور عام قدیم روایتی اصولوں سے بہت ملتے ہیں یعنی اقتدار کا حق و انصاف کے ساتھ استعمال خدا سے گہرا رابطہ اور رعایا کے حقوق کی نگہداشت۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے چار اصول قائم کئے ہیں۔ (۱) یہ کہ حکومت لوگوں کی عزّت، جان و مال کی حفاظت قوم کی ترقی کی ذمہ دار ہے۔ بلکہ حکومت کا مقصد یہی ہے۔ (۲) حکومت ملکیت نہیں بلکہ امانت ہے۔ (۳) انتخابی حکومت افراد اور قوم کے اندر عدل کرنے کے لئے خداوند تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے۔ (۴) حاکموں کو ہمیشہ غیر جانبدارانہ پالیسی اختیار کرتے ہوئے رعایا کے افراد کے اندر حق و انصاف سے کام لینا چاہیئے اور اقوام اور افراد میں تفریق نہ پیدا کریں۔

اِن اصولوں کے ماتحت آپ مسلمانوں کو پر زور تاکید کرتے ہیں کہ خواہ انہوں نے مختلف قسم کے نظام اختیار کر لئے ہوں۔ اہل اسلام کے درمیان عدم مساوات کو دُور کریں اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ ایک فریق یا قوم کو اُونچا کیا جائے۔ اور دوسرے کو نیچا۔ ایک کو دبایا جائے اور دوسرے کو بڑھایا جائے۔ وہ مساوات کے لئے یہ طریق اختیار نہیں

کرتا کہ طاقت سے ایک طبقہ کی دولت چھینے اور اس کو طاقت کے بل پر ادنیٰ حالت گزارنے پر مجبور کرے۔

اسلام انفرادی آزادی کو تسلیم کرتا ہے اور حرّیت شخصی کی پوری پوری حفاظت کرتا ہے تا تسابق کی رُوح قائم رہے لیکن ساتھ ہی دنیا بھر کی دولت سمیٹنے کی ناجائز نفسانی خواہش کو بھی روکتا ہے۔ تا بنی نوع انسان کو تباہی سے بچایا جائے۔ اسلام اس اصول کو اس طرح قائم کرتا ہے کہ اسراف سے منع کرتا ہے۔ عیش وعشرت کی زندگی کی ممانعت ہے۔ تجارت جس میں نفع ونقصان دونوں متوقع ہوں۔ میں سود کی ممانعت زکوٰۃ۔ صدقہ وخیرات کے دوسرے بہت سے فرائض خمس۔ آخر میں ورثہ کی تقسیم کے ذریعہ۔ چنانچہ اس طرح اسلام کا اقتصادی نظام خود بخود دولت جمع نہیں ہونے دیتا۔ اگر کوئی فرد جمع کر بھی لے تو آہستہ آہستہ کم ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ مالک کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

بیان کردہ اصولوں کو بین الاقوامی زندگی میں قابل عمل بنانے کے لئے آپ نے بتایا ہے کہ دنیا کی کسی بڑی طاقت کو یہ حق نہیں کہ اپنی قوم کی طاقت دوسروں پر ظلم کرتے ہوئے بڑھانے کی کوشش کرے اور نہ کوئی نظام ایسا ہونا چاہیئے۔ خواہ تمدنی ہو یا سیاسی۔ اور نہ ہی ایسا فلسفہ ہونا چاہیئے جو بنی نوع انسان کو غلام بنائے اور غیر ملکیوں پر اقتدار کی ناجائز خواہش کرتا ہو۔ کمیونزم کا نظام ہو یا سرمایہ داری کا نظام ہو۔ (سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین صاحب کے پیش کردہ نظام سے بالکل مختلف ہیں کیونکہ ان ہر دو نظاموں میں سلطنت کی باگ ڈور ہاتھوں میں لینے والے افراط کی طرف نکل گئے ہیں۔

کتاب کے آخری حصہ میں جماعت احمدیہ کے امام نے کمیونزم کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور اس تحریک کے نظام اقتصادیات کا اچھی طرح سے تجزیہ کیا ہے اور پھر اس کا قرآن مجید کے اصولوں کے ساتھ مقابلہ کرکے دکھایا ہے۔ آپ نے کمیونزم کی مساوات کی تھیوری اور سرمایہ دار سٹیٹ کی عملاً عدم مساوات کے واقعات کو بھی اچھی طرح سے بیان فرمایا ہے۔

آخر میں آپ نے واضح اعلان فرمایا ہے کہ ہم احمدی کسی کے بھی دشمن نہیں ہم ہر ایک کے خیر خواہ ہیں اور کہ ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں جو بھی نظام جاری ہو وہ اقتصادی ہو یا سیاسی،

تمدنی ہو یا معاشرتی - بنی نوع انسان کی آزادیٔ ضمیر - روحانیت - اخلاق کی آزادی پر مشتمل ہو - اور انسانی خوبیوں کی قدر کی جائے - کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" کی قیمت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ باقاعدہ حوالوں سے کام لیا گیا ہے اور موجودہ پاکستان کے خیالات کا آئینہ دار ہے جو سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہے - اگرچہ جماعت احمدیہ اس سلطنت کی ایک شاخ ہے اور شمالی افریقہ کے حنفی - مالکی - شافعی - اہلسنت مسلمانوں سے ایک الگ فرقہ ہے - لیکن اس جماعت کے زبردست پراپیگنڈہ اور موجودہ روحانی طاقت ہمیں قائل کرتی ہے کہ ہم سب ان کے لٹریچر میں سے ہسپانوی زبان میں پیشکردہ "اسلام کا اقتصادی نظام" کا مطالعہ کریں" ۔ لہ

فصل سوم

منارۃ المسیح ہال کی تعمیر اور مرکزی لائبریری کے قیام کی تحریکات جنگ عظیم کا خاتمہ اور نشانِ رحمت کا ظہور - فتنۂ اشتراکیت کے خلاف اعلانِ جنگ، ایٹم کے استعمال پر احتجاج، توسیع تعلیم کی سکیم، نو واقفین کی انگلستان کو روانگی حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کی سالانہ جلسہ پر اہم تقریر -

منارۃ المسیح ہال کے لئے تحریک اور اخلاص و فدا کاری کا شاندار منظر

یوں تو جب سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے خدا تعالیٰ سے بشارت پاکر مصلح موعود ہونے کا اعلان فرمایا جماعت احمدیہ کے اندر خدمتِ دین کے لئے ایک نیا جوش، نئی اُمنگ اور نیا ولولہ پیدا ہو گیا تھا - اور وہ خدا کے موعود اور برگزیدہ خلیفہ کی آواز پر خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے تیار ہو گئی تھی اور قربانی کے میدان میں آگے ہی آگے قدم بڑھاتی رہی مگر مجلس مشاورت ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں مخلصین احمدیت نے قربانی و ایثار اور اخلاص و فدا کاری کا ایسا شاندار منظر پیش کیا جو اپنی مثال آپ تھا -

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یکم شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو مجلس مشاورت کا تیسرا دن تھا - اس روز

لہ - روزنامہ الفضل لاہور - مورخہ ۱۶ ستمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۴

حضرت مرزا شریف احمد صاحب ناظر دعوت و تبلیغ نے ایجنڈا کی تجویز نمبر ۵[۵۱] سے متعلق سب کمیٹی[۵۲] کی حسب ذیل سفارش پیش فرمائی کہ:۔

"وقت آگیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشا کے ماتحت نظارت دعوت و تبلیغ کے زیر اہتمام قادیان میں ایک مذہبی کانفرنس کی جائے۔ تفصیلی قواعد بنانے کیلئے ایک سب کمیٹی بنادی جائے۔ اس کانفرنس کے اخراجات کے لئے مبلغ دو ہزار روپیہ اس بجٹ میں رکھا جائے۔ سب کمیٹی کی بحث کے دوران میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ الفاظ مندرجہ اشتہار خطبہ الہامیہ پڑھکر سنائے گئے:۔

"بالآخر میں ایک ضروری امر کی طرف اپنے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس مینارہ میں ہماری یہ بھی غرض ہے۔ کہ مینارہ کے اندر یا جیسا کہ مناسب ہو ایک گول کمرہ یا کسی اور وضع کا کمرہ بنایا جائے جس میں کم از کم ۱۰۰ آدمی بیٹھ سکے۔ اور یہ کمرہ وعظ اور مذہبی تقریروں کے کام آئے گا۔ کیونکہ ہمارا ارادہ ہے۔ کہ ایک یا دو دفعہ قادیان میں مذہبی تقریروں کا جلسہ ہوا کرے۔ اور اس جلسہ پر ایک ایک شخص مسلمانوں، ہندوؤں، آریوں، عیسائیوں اور سکھوں میں سے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرے۔ مگر شرط یہ ہوگی، کہ کسی مذہب پر کسی قسم کا حملہ نہ کرے۔ فقط اپنے مذہب کی تائید میں جو چاہے تہذیب سے کہے۔"

حضرت مرزا شریف احمد صاحب یہ تجویز پڑھ ہی رہے تھے کہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح المصلح الموعود اچانک کرسی سے اُٹھے اور پاس ہی فرش پر جو تھوڑی سی جگہ تھی وہاں سجدہ میں پڑ گئے۔

---

[۵۱] ۔ تجویز نمبر ۵ یہ تھی:۔ "قادیان دارالامان میں ہر سال نظارت دعوت و تبلیغ کے زیر انتظام ایک ریلیجس کانفرنس منعقد ہوا کرے جیسا کہ تعمیر منارۃ المسیح کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کا منشاء مبارک تھا اور اس کیلئے مناسب اخراجات کی بجٹ میں گنجائش رکھی جائے۔"

[۵۲] ۔ سب کمیٹی کے ممبران۔ پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب (صدر) حضرت مرزا شریف احمد صاحب ناظر دعوت و تبلیغ (سیکرٹری) حضرت مرزا بشیر احمد صاحب (ناظر تعلیم و تربیت) پیر صلاح الدین صاحب (ملتان) چوہدری سعد الدین صاحب اے۔ ڈی۔ آئی راولپنڈی۔ مرزا غلام حیدر صاحب (نوشہرہ چھاؤنی) سید امجد علی صاحب (سیالکوٹ)۔ مولوی برکت علی صاحب لائق لدھیانہ۔ مولوی عبدالواحد صاحب (کشمیر) ڈاکٹر عبدالاحد صاحب (فضل عمر ریسرچ)۔ ماسٹر عطا محمد صاحب (امرتسر)۔ مولوی عبدالقادر صاحب صدیقی (حیدرآباد دکن)۔ سید ارشد علی صاحب (لکھنؤ) چوہدری محمد شریف صاحب وکیل منٹگمری۔ چوہدری ابوالہاشم صاحب (قادیان)۔ مولوی ابوالعطاء صاحب۔ حکیم عبدالرشید صاحب (گکھڑ کے جج) عبدالکریم صاحب کوئٹہ۔ مرزا احمد بیگ صاحب۔ مولوی الحاج نذیر احمد علی صاحب مبلغ سیرالیون۔

یہ دیکھتے ہی تمام حاضرین اپنی اپنی جگہ پر سجدہ میں گر گئے اور حضور کے اٹھنے پر جب اللہ اکبر کہا گیا تو اُٹھے جس کے بعد حضرت امیرالمومنین نے فرمایا :-

" قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اکثر لوگ خدا کے نشانوں سے اعراض کرتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔ آج سے ۵۴ سال پہلے وہ شخص جس کی جوتیوں کا غلام ہونا بھی ہم اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہیں اسے اس وقت کی اپنی جماعت کی حالت دیکھتے ہوئے ایک بہت بڑا مقصد اور کام یہ نظر آیا کہ ایک ایسا کمرہ بنایا جائے جس میں سو آدمی بیٹھ سکے۔ مگر آج ہم ایک ایسے کمرے میں بیٹھے ہیں جو اس غرض سے نہیں بنایا گیا تھا۔ کہ مختلف مذاہب کے لوگ اس میں تقریریں کریں۔ مگر اس میں پانچ سو کے قریب آدمی بیٹھے ہیں۔ اور وہ بھی کرسیوں پر۔ جو زیادہ جگہ گھیرتی ہیں۔ گویا اُس زمانہ میں جماعت کی طاقت اور وسعت کی یہ حالت تھی کہ سو آدمیوں کے بیٹھنے کا کمرہ بنایا جائے اور سو آدمیوں کو بٹھانے کیلئے جگہ بنانے کی غرض سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اعلان کرنا پڑا۔ اور اسے ایک بڑا کام سمجھا گیا۔ اور خیال کیا گیا۔ کہ سو آدمیوں کے بیٹھنے کے لئے کمرہ بنانا بھی مشکل ہوگا۔ مجھے منارۃ المسیح کی تعمیر کے وقت کی یہ بات یاد ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام شہ نشین پر بیٹھے تھے۔ اور میر حامد شاہ صاحب کے والد میر حکیم حسام الدین صاحب سامنے بیٹھے تھے۔ منارہ بنانے کی تجویز ہو رہی تھی۔ ۲/۱ ہزار جو جمع ہوا تھا۔ وہ بنیادوں میں ہی صرف ہوگیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس فکر میں تھے۔ کہ اب کیا ہوگا۔ حکیم حسام الدین صاحب زور دے رہے تھے۔ کہ حضور یہ بھی خرچ ہوگا اور وہ بھی ہوگا۔ اور کئی ہزار روپیہ خرچ کا اندازہ پیش کر رہے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کی باتیں سُنکر فرمایا۔ حکیم صاحب کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ منارہ کی تعمیر کو ملتوی کر دیا جائے۔ چنانچہ ملتوی کر دیا گیا۔

ایک تو وہ وقت تھا۔ اور ایک آج ہے۔ کہ مسجد مبارک کی توسیع کے لئے عصر کی نماز کے وقت میں نے مقتدیوں سے ذکر کیا اور عشاء کی نماز سے پہلے پہلے ۱۸ ہزار کے وعدے اور رقوم جمع ہوگئیں۔ اور بیرونی احباب کو اس چندہ میں شریک ہونے کا موقع ہی نہ ملا۔ یہ نشان کسی نابینا کو نظر نہ آئے۔ مگر ہر بینا کو نظر آ رہا ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ اپنے فضل سے

جماعت کو بڑھا رہا اور سلمان پیدا کرتا جا رہا ہے۔ کہ اُس وقت جو بات بہت بڑی معلوم ہوتی تھی۔ آج بہت ہی معمولی اور حقیر سی نظر آتی ہے۔ اور آج جو چیز بہت بڑی معلوم ہوتی ہے وہ کل حقیر ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہی سلوک ہماری جماعت سے برابر چلا جا رہا ہے۔ اور اس بات کا خیال کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح دل بھر آتا اور آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ کہ کاش جماعت کی یہ ترقی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ہوتی تا آپ بھی اس دنیا میں اپنے کام کے خوشکن نتائج دیکھ لیتے۔ (یہ فرماتے فرماتے حضور پر رقت طاری ہو گئی پھر تھوڑی دیر توقف کے بعد فرمایا)۔

اس تجویز کا اصل مقصد کانفرنس منعقد کرنا ہے جس میں ہر مذہب کے نمائندے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں۔ سب کمیٹی نے اس کے لئے دو ہزار روپے تجویز کئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جو دوست اس کے متعلق کچھ کہنا چاہیں نام لکھا دیں۔"

ازاں بعد حضرت اقدس کی اجازت سے مندرجہ ذیل اصحاب نے اپنی معروضات پیش کیں۔

۱۔ شیخ عبد الحمید صاحب آڈیٹر

"تمام لجنات اس تجویز کی تائید کرتی ہیں"۔

۲۔ میاں غلام محمد صاحب اختر

"سیدی میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں۔ کہ اس مقصد کے لئے بجٹ میں کوئی رقم نہ رکھی جائے۔ بلکہ ہم خدام سے جس قدر رقم کی ضرورت ہے۔ انفرادی طور پر لی جائے تا کہ بجٹ کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک سو آدمیوں کے جگہ کی خواہش ظاہر فرمائی تھی اسے سو گنا کر کے اُن کے لئے جگہ بنائی جائے۔ ہمیں جو کچھ ملا ہے محض حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے ملا ہے اور وہ آپ ہی کا ہے۔ آپ جتنی رقم چاہیں۔ ہم سے لیں۔ ہم اسے انتہائی خوشی اور مسرت کے ساتھ پیش کریں گے"۔

۳۔ مرزا احمد بیگ صاحب آف پٹی

"میں اختر صاحب کی تائید کرتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ مبارک تجویز ہے۔ ہماری خوشی کی کوئی حد نہ ہوگی۔ اگر ہمیں اس کی توفیق ملے۔ ہم اس کے لئے ہر قربانی

کرنے کے لئے تیار ہیں۔

۴۔ بشیر الدین صاحب بھاگلپوری

"خدا تعالیٰ کا بڑا شکر ہے۔ میں نے ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اس وقت آپ سے سُنا تھا کہ قادیان مرجع خاص و عام ہوگا۔ اور اب دیکھ لیا ہے کہ عظیم الشان جماعت بن رہی اور بنتی جارہی ہے۔ اس لئے بہت زیادہ آدمیوں کے بیٹھنے کے لئے ہال بننا چاہیئے۔ کیونکہ ساری دُنیا کے مذاہب کے نمائندے آئیں گے۔ اور بڑے بڑے لوگ آئیں گے۔ ہماری ساری جائیدادیں اس ہال کی تعمیر کے لئے حاضر ہیں"۔

۵۔ محمد ابراہیم صاحب[۱]

"آج سے ٹھیک دو ماہ قبل مَیں نے یہ تجویز لکھکر بھیجی تھی۔ ہمارے لئے نہ صرف اسے عملی جامہ پہنانا بہت بڑی سعادت کا باعث ہوگا۔ بلکہ حضور کی کتب اور تحریروں سے حضور کی سب تجاویز اور خواہشوں کو جمع کر لیا جائے تاکہ وہ جماعت کے سامنے رہیں اور انکو عملی جامہ پہنانے کا خیال رہے۔ اور اس وقت دو ہزار یا جتنے روپے کی ضرورت ہو لے لیا جائے"۔

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے فرمایا کہ:۔

"دو ہزار روپیہ تو ایک شخص نے ہی دیدیا ہے اس کا تو اب سوال ہی نہیں"۔

اس موقعہ پر بعض اصحاب نے خود بخود رقوم پیش کرنی شروع کر دیں۔ جس پر حضور نے فرمایا:۔

"دوستوں نے چندہ دینا شروع کر دیا ہے اور اس بات کا انتظار نہیں کیا کہ مَیں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ مجھ پر جو اس وقت وجد کی حالت طاری ہوئی۔ اور میں سجدہ میں گر گیا۔ اس کی وجہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے حالات اور بعد کے حالات کا فرق ہے۔ اس وقت دو ہزار روپیہ کا جو سوال ہے وہ تو ایک دوست نے پورا کر دیا ہے۔ اور وہ کیا اس سے بہت زیادہ چندہ ہو سکتا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس تجویز کے پیچھے جذبہ کیا کار فرما ہے۔ یہی کہ باہر سے کتنے آدمی آسکیں گے۔ چونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اب بیس پچیس ہزار

---

[۱] ۔ اس نام کے چار دوست کوٹ کریم بخش، اسما عیلہ (گجرات) مسجد فضل قادیان اور ننگل سے مجلس مشاورت ۱۳۰۴ش/۱۹۲۵ء میں بطور نمائندہ شامل تھے مگر رپورٹ سے یہ وضاحت نہیں ملتی کہ اس کارروائی میں حصہ لینے والے کون تھے؟ ٭

احمدی ہی جلسہ پر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں چاہیئے۔ کہ ہم ایک ایسا ہال بنائیں جس میں ایسے جلسے ہوتے رہیں یا شیڈ کے طور پر ایسی جگہ بنائیں جس میں کم از کم ایک لاکھ آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ ہو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کے لئے دُعا فرمائی ہے کہ ایک سے ہزار ہو دیں اور نبی کی اولاد اس کی جماعت بھی ہوتی ہے۔ اسلئے ۱۰۰ کو ہزار سے ضرب دیں۔ تو ایک لاکھ بنتا ہے۔ ان کے بیٹھنے کے لئے جگہ بنانی چاہیئے۔ گو ہم جانتے ہیں کہ کچھ ہی عرصہ کے بعد آنے والے کہیں گے کہ یہ بیوقوفی کی گئی۔ کم از کم دس لاکھ کے لئے تو جگہ بنانی چاہیئے تھی۔ پھر اور آئیں گے جو کہیں گے یہ کیا بنا دیا کروڑ کے لئے جگہ بنانی چاہیئے تھی۔ اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ پانچ سال میں دو لاکھ روپیہ ہم اس غرض کے لئے جمع کریں۔ پانچ سال کا عرصہ اس لئے مَیں نے رکھا ہے۔ کہ اس وقت تک جنگ کی وجہ سے جو گرانی ہے وہ دور ہو جائے گی۔ اور ہم ایسی عمارت بنا سکیں گے۔ اس لئے فی الحال مَیں یہ تجویز کرتا ہوں کہ آئندہ پانچ سال میں اس بات کو مدّنظر رکھکر دو لاکھ روپیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے جمع کریں میں اس تجویز کو بھی منظور کرتا ہوں۔ کہ بجٹ میں یہ رقم رکھنے اور مجلس شوریٰ میں پیش کرنے کی بجائے انفرادی طور پر جماعت سے لے لی جائے۔ دو ہزار روپیہ جو چوہدری اسداللہ خاں صاحب نے دیا ہے۔ اسی دو لاکھ کی رقم میں داخل کرتا ہوں۔ یہ رقم اعلان کر کے طوعی چندہ سے پوری کر لی جائے گی۔

سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب کہتے ہیں میرا ایک خواب ہے وہ سُنانا چاہتا ہوں۔ وہ کھڑے ہو کر خواب سُنا دیں"۔

اس پر حضرت سیٹھ صاحب نے حسب ذیل خواب سُنایا:۔

"اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ جب وہ کسی اپنے برگزیدہ بندے کو بھیجتا ہے تو جو لوگ اسے پہلے مانتے ہیں ان کو اس کی صداقت کے نشانات بتا دیتا ہے۔ ۱۹۰۰ء میں جب میں یہاں آیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ الہامیہ سُنایا تو اس کے بعد میں پھر بمبئی چلا گیا وہاں مَیں نے تہجد کی نماز کے وقت رؤیا دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک

بہت بڑے بڑے ہال میں لیکچر دے رہے ہیں ۔ بمبئی میں بڑے سے بڑا ہال دس ہزار آدمیوں کے بیٹھنے کا ہے مگر وہ اتنا بڑا ہال ہے کہ ایک لاکھ آدمی اس میں آسکتے ہیں ۔ مجھے اس کے دروازہ پر کھڑا کیا گیا ۔ اور کہا گیا کہ جو لوگ آئیں تم انہیں ریسیو (RECIEVE) کرو اندر اندر بھیجتے جاؤ ۔

خدا تعالیٰ نے قریباً پچاس سال قبل یہ خوشخبری مجھے سنائی اسے پورا ہوتا آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں ۔ اس کی شہادت دیتا ہوں "۔

اس وقت تک حضور کے آگے میز پر وعدوں کی تحریریں اور نقد رقوم بہت سی جمع ہو چکی تھیں ۔ جن کے متعلق حضرت امیرالمومنین نے فرمایا :۔

" یہ رقعے اور روپے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری والے اٹھالیں ۔ مَیں اس بارہ میں بری ہوتا ہوں ۔ خدا تعالیٰ کے حضور دفتر والے جواب دِہ ہوں گے "۔

یہ فرماتے پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضور جلسہ ختم ہی کرنے والے ہیں اور حضور نے رقوم پیش کرنے والوں کے نام سُنانے کا ارشاد فرمایا اور اپنی طرف سے دس ہزار روپیہ اس فنڈ میں دینے کا ارشاد فرمایا ۔ ابھی چند ہی نام سُنائے گئے تھے کہ اس کثرت سے احباب نے اپنے نام پیش کرنے شروع کر دیئے کہ حضور نے فرمایا ۔ احباب باری باری بولیں تا اُن کے نام لکھے جا سکیں ۔ اور ساتھ ہی حضور نے کئی اور اصحاب کو نام لکھنے پر مقرر کر دیا ۔ کچھ دیر بعد حضور نے فرمایا ۔ کہ

" مَیں اپنی طرف سے ، اپنے خاندان کی طرف سے ، نیز چوہدری ظفر اللہ خانصاحب اور ان کے دوستوں اور سیٹھ عبداللہ بھائی صاحب کے خاندان اور جماعت احمدیہ کی طرف سے اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ بیرونی جماعتوں کو اس فنڈ میں شریک ہونے کا موقعہ دینے کے بعد دو لاکھ میں جو کمی رہے گی وہ ہم پوری کر دیں گے "۔

اسی اثناء میں ساری فہرست تیار ہونے کے بعد جب رقوم کی میزان کی گئی تو حضور نے اعلان فرمایا کہ :۔

" اِس جلسہ میں شریک ہونے والوں نے اپنی طرف سے یا اپنے غیر حاضر دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے جو چندے پیش کئے ہیں ان کی فہرست تیار کر لی گئی ہے ۔ ممکن ہے

جلدی میں ان رقوم کی میزان کرنے میں کچھ غلطی ہو گئی ہو ۔ لیکن اس وقت جس قدر چندہ ہو چکا ہے ۔ وہ دو لاکھ بائیس ہزار سات سو چونسٹھ روپے شمار کیا گیا ہے ۔"

اس کے بعد حضرت مصلح موعود نے یہ فرماتے ہوئے کہ یہ سجدہ شکر ہے پھر سجدہ کیا اور تمام مجمع حضور کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گیا اور نہایت رقت سے دعائیں کیں ۔ سجدہ سے اُٹھنے پر حضور نے فرمایا :۔

" بعض مواقع پر بولنے سے خاموشی زیادہ اچھی ہوتی ہے اس لئے میں اس جلسہ کو اللہ کے نام پر ختم کرتا ہوں اور دوستوں کو واپسی کی اجازت دیتا ہوں ۔ مجھے جو کچھ کہنا ہوگا بعد میں خطبات میں کہوں گا ۔" [1]

اس کے بعد مجلس مشاورت کا آخری اجلاس برخواست ہو گیا ۔

منارۃ المسیح ہال کے ساتھ ایک عظیم الشان لائبریری کے قیام کی تجویز اور اس کے لئے مفصل سکیم ۔

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کو اللہ تعالیٰ نے دُوربین آنکھ بخشی تھی اور آپ کا ہر نیا قدم بصیرت اور معاملہ فہمی کی نئی سے نئی راہیں کھول دیتا تھا ۔ منارۃ المسیح ہال کی تحریک کسی سوچی ہوئی تجویز کا نتیجہ نہیں تھی ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجلس شوریٰ کے موقعہ پر خود ہی جماعت کے دلوں میں ایسا زبردست جوش اور اخلاص پیدا کر دیا کہ اندازہ سے بھی زیادہ چندہ نقد اور وعدوں کی صورت میں ہو گیا ۔ اور جب یہ خبر شائع ہوئی تو باہر کے دوستوں کی طرف سے بھی تقاضا ہونے لگا کہ ہمیں بھی ثواب میں شامل کیا جائے اور ساتھ ہی چندے بھی آنے لگے ۔

حضرت مصلح موعود نے ایک طرف تو خطبہ جمعہ (۲۰ شہادت / اپریل ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء) میں اعلان فرمایا کہ جماعت کا ہر فرد اس مدّ میں چندہ لکھوا سکتا ہے اور پانچ سال کے عرصہ میں بالاقساط یا یکمشت ادا کر سکتا ہے مگر دوسری طرف جماعت کے دوستوں کو بتایا کہ مجوزہ ہال کم از کم پچیس لاکھ روپیہ میں بنے گا ۔ اتنی بڑی رقم خرچ کرنے کے بعد ہمیں ایسی صورت سوچنی چاہیئے کہ جس سے ہم اس ہال کو اسلام کی تبلیغ کا عظیم الشان مرکز بنا دیں اور وہ اس طرح ممکن ہے کہ ہال کے ساتھ سولہ لاکھ روپے کے مصرف سے ایک عظیم اور مثالی لائبریری بھی بنائیں جس میں دُنیا کے تمام مذاہب کی اہم کتابیں اور اسلام کی قریباً ساری کتابیں جمع کرنے کی کوشش کی جائے ۔

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۴ھش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۱۵۵ تا صفحہ ۱۶۱ ۔

اس سلسلہ میں حضور نے مجوزہ لائبریری کی نسبت ایک تفصیلی سکیم بھی تیار کی ۔ چنانچہ فرمایا :۔

" یوں تو لائبریری پڑھنے ہی کے لئے ہوتی ہے ۔ لیکن ہماری غرض چونکہ یہ ہوگی کہ اسلام کی تبلیغ کو ساری دنیا میں پھیلائیں اس لئے ساری دنیا میں تبلیغ پھیلانے کے لئے ضروری ہوگا کہ ہم ایسے آدمی تیار کریں جو ہر زبان جاننے والے ہوں ۔ یا اگر ہر ایک زبان نہیں تو نہایت اہم زبانیں جاننے والے ہوں ۔ جن زبانوں میں ان مذاہب کی کتابیں پائی جاتی ہیں مثلاً یونانی ہے ، عبرانی ہے تاکہ عیسائیت اور یہودیت کا لٹریچر پڑھ سکیں اور عربی جاننے والے بھی ہوں تاکہ اسلام کا لٹریچر پڑھ سکیں ۔ فارسی جاننے والے بھی ہوں تاکہ اسلام کا لٹریچر پڑھ سکیں ۔ سنسکرت اور تامل جاننے والے بھی ہوں تاکہ ہندو اور ڈریوڈینس کا لٹریچر پڑھ سکیں ۔ پالی زبان جاننے والے بھی ہوں تاکہ بدھوں کا لٹریچر پڑھ سکیں ۔ چینی زبان جاننے والے ہوں تاکہ کنفیوشس کا لٹریچر پڑھ سکیں اور پہلوی زبان بھی جاننے والے ہوں تاکہ زرتشتیوں کا لٹریچر پڑھ سکیں ۔ اسی طرح پرانی وہ تہذیبیں ایسی ہیں کہ گو اب وہ تہذیبیں مٹ چکی ہیں مگر اُن کا لٹریچر ملتا ہے ان میں سے ایک پُرانی تہذیب بغداد میں تھی اور ایک مصر میں تھی ان کا لٹریچر پڑھنے کے لئے بابلی زبان اور ہیرو گرافی جاننے والے چاہئیں تاکہ ان کے لٹریچر کو پڑھ کر اسلام کی تائید میں جو حوالے مل سکیں ان کو جمع کریں اور ان کے ذریعہ اسلام پر جو حملے ہوتے ہیں ان حملوں کا جواب دے سکیں ..... پس ہمارے لئے ضروری ہوگا کہ ہم اس قسم کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے والے لوگ پیدا کریں اور ان کو اس کام کے لئے وقف کریں کہ وہ لائبریری میں بیٹھکر کتابیں پڑھیں اور معلومات جمع کر کے مدوّن صورت میں مبلغوں کو دیں تا وہ انہیں استعمال کریں ۔ اسی طرح وہ اہم مسائل کے متعلق تصنیفات تیار کریں ۔ اگر ان لوگوں کی رہائش اور گزارہ کے لئے دو لاکھ روپیہ وقف کریں تو یہ اٹھارہ لاکھ روپیہ بنتا ہے پھر ان کی کتب کو شائع کرنے کے لئے ایک مبلغ کی ضرورت ہے جس کے لئے ادنیٰ اندازہ دو لاکھ کا ہے اس کے علاوہ پانچ لاکھ روپیہ اندازاً اس بات کے لئے چاہیئے کہ جو تصنیفات وہ تیار کریں ان کو شائع کیا جائے اور پھر ایسا انتظام کیا جائے کہ نفع کے ساتھ وہ سرمایہ واپس آتا جائے اور دار المصنفین کا گذارہ اس کی آمد پر ہو ۔ یہ وہ صحیح طریقہ ہے جس کے ذریعہ سے ہم علمی دنیا میں ہیجان پیدا کر سکتے ہیں اور اس کام کے لئے پچیس لاکھ روپے کی ضرورت ہے " ؎۱

؎۱ ۔ الفضل یکم ہجرت/مئی ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صہ ۳ ۔

قادیان میں میڈیکل سکول کے اجراء کی تجویز

حضرت مصلح موعود کا ارادہ تھا کہ قادیان میں جلد سے جلد ایک میڈیکل سکول کا قیام عمل میں لایا جائے۔ چنانچہ حضور نے مشاورت (۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء) کے نمائندگان کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"دوسرا پروگرام میرے مدنظر یہ ہے کہ ہم جلد سے جلد یہاں ایک میڈیکل سکول جاری کر دیں۔ کیونکہ بعض ممالک میں ہم کامیاب طور پر تبلیغ نہیں کر سکتے جب تک کثرت سے ہماری جماعت میں ڈاکٹر نہ ہوں۔ دوسرے اس سکول کی ضرورت ہماری جماعت کو اس لئے بھی ہے کہ عورتوں کیلئے ڈاکٹری تعلیم کا حصول دوسرے کالجوں میں اب بہت مشکل ہو گیا ہے۔ گورنمنٹ کا رجحان اب اس طرف ہو گیا ہے کہ ایم۔ بی بی۔ ایس تک سب کو تعلیم دلائی جائے اور ایم۔ بی بی۔ ایس تک تعلیم دینے کے لئے کالجوں میں مرد پروفیسر مقرر ہوتے ہیں۔ اسلامی شعار چونکہ پردہ ہے۔ اس لئے آئندہ ہماری عورتوں کی میڈیکل تعلیم میں سخت مشکلات ہو جائیں گی گو مجھے یقین نہیں آتا کہ بیس ہزار روپیہ سالانہ کے خرچ سے ہم میڈیکل سکول قادیان میں جاری کر سکتے ہیں۔ اگر یہ درست ہو تو شاید میں لمبا انتظار بھی نہ کروں اور فوراً اس سکول کو جاری کر دوں کیونکہ ایک تو ڈاکٹر عورتیں پیدا کرنا ہمارے تبلیغی اثر کو بہت وسیع کر دے گا۔ دوسرے ہم اپنے مبلغین کو دینیات کے ساتھ ڈاکٹری کی تعلیم آسانی کے ساتھ دلا سکتے ہیں۔ مثلاً وہ لڑکے جو انٹرنس پاس ہوں اور انہیں بطور مبلغ ہم رکھنا چاہتے ہوں اُن کے متعلق یہ ہو سکتا ہے کہ میڈیکل سکول میں داخل کر کے ہم ان کو ڈاکٹری تعلیم دلا دیں اور دوسری طرف علیحدہ انہیں دینی تعلیم بھی دیتے رہیں۔ اس ذریعہ سے اچھوت اقوام میں اپنے تبلیغی اثر کو بہت وسیع کیا جا سکتا ہے۔ بالخصوص جنوبی ہند اور افریقہ میں اس سکیم کے ماتحت مبلغ اپنی روزی بھی کما سکتے ہیں اور اسلام اور احمدیت کی اشاعت بھی کر سکتے ہیں۔" [1]

دوسری جنگ عظیم کا خاتمہ اور خدا تعالیٰ کے فضل و رحمت کے نشان کا ظہور

یورپ کی دوسری جنگ عظیم جو یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو شروع ہوئی تھی اس سال، رمئی ۱۹۴۵ء (مطابق ، رہجرت ۱۳۲۴ہش) کو ختم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے دوران جنگ میں بہت سے واقعات

---

[1] رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۳۷-۳۸

کی خبریں حضرت مصلح موعود کو قبل از وقت بتائیں جو لفظاً لفظاً پوری ہوئیں ۔ مثلاً بلجیم کے بادشاہ لیوپولڈ کی معزولی ، برطانیہ کی طرف سے فرانس کو الحاق کی پیشکش ، امریکہ کی طرف سے برطانیہ کو ۲۰۰ جہازوں کی روانگی سفارتخانوں کے کاغذات کو نذر آتش کئے جانا ، جرمن لیڈر ہر ہیس کا انگلستان میں اُترنا ، ایک سال کے اندر جنگ کا رُخ یکسر پلٹ جانا ، جنگ کے یونان تک پہنچنے کے بعد روس کی شمولیت اور امریکہ کا سرگرم عمل ہونا ، امریکن فوج کی ہندوستان میں آمد اور لیبیا کے محاذِ جنگ کا حیرت انگیز نظارہ[1] ۔ غرضکہ متعدد پیشگوئیاں تھیں جن کا پورا ہونا پوری دنیا نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور اسلام اور احمدیت کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ۔ ان پیشگوئیوں کے علاوہ جو جنگ کے زمانہ میں حرف بحرف پوری ہوئیں ۔ جنگ کا خاتمہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا ایک عظیم الشان نشان بن گیا اور وہ اس طرح کہ یہ جنگ اسی سال اسی مہینہ بلکہ اسی تاریخ کو ختم ہوئی جس کا قبل از وقت اعلان حضرت مصلح موعود نے فرما دیا تھا ۔

چنانچہ سیّدنا حضرت مصلح موعود نے اپنے خطبہ جمعہ (فرمودہ ۱۱ ؍ ماہ ہجرت ؍ مئی ۱۳۲۴ ہش ؍ ۱۹۴۵ء) میں اس نشان رحمت پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا ۔ کہ

"اس ہفتے خدا تعالیٰ نے اپنے فضل اور اپنی رحمت کا نشان اس رنگ میں دکھایا ہے ۔ کہ یورپ کی جو ابتدائی اور اصلی جنگ تھی وہ ختم ہو چکی ہے اس جنگ کے متعلق مَیں نے بارہا بیان کیا تھا کہ قرآن مجید سے اور خدا تعالیٰ کے فعل سے جہاں تک مَیں سمجھتا ہوں یہ جنگ ۱۹۴۵ء کے شروع میں ختم ہو جائے گی ۔ یعنی اپریل ۱۹۴۵ء یا جون ۱۹۴۵ء تک ....."

اِس استدلال کی بنیاد کیا تھی ؟ اس کی وضاحت میں حضور نے ارشاد فرمایا : ۔

"میرے اس استدلال کی بنیاد کہ جنگ اپریل ۱۹۴۵ء میں ختم ہو جائے گی اس بات پر تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحریک جدید کے باعث کے نتیجہ میں یہ جنگ پیدا کی گئی ۔ چنانچہ اس مضمون کے متعلق کثرت سے میرے خطبات موجود ہیں کہ گورنمنٹ کی طرف سے ہماری جماعت کو جو تکالیف دی گئی ہیں ان کے نتیجہ میں اسے یہ ابتلا پیش آیا ہے ۔ اور تحریک جدید کے ساتھ اس کی وابستگی ہے ۔ چنانچہ مَیں نے جو یہ کہا تھا کہ جنگ اپریل ۱۹۴۵ء کے آخر میں ختم ہو جائے گی یہ اسی بناء پر کہا تھا کہ تحریکِ جدید کا آخری سال دعدوں کے لحاظ سے تو ۱۹۴۴ء میں ختم ہوتا ہے لیکن جہاں تک

---

[1] ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۶ ؍ ماہ ہجرت ؍ مئی ۱۳۲۴ ہش ؍ ۱۹۴۵ء صفحہ ۱ تا ۴ ۔ ایضاً المبشرات ۔

سارے ہندوستان کے لئے چندوں کی ادائیگی کا تعلق ہے اس لحاظ سے یہ مدت اپریل ۱۹۴۵ء
میں ختم ہوتی ہے ۔ اور جون یا جولائی اس لحاظ سے کہا تھا کہ بیرونجات کے چندوں کی ادائیگی کی آخری
میعاد جون یا جولائی میں جاکر ختم ہوتی ہے ۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ چندوں کی ادائیگی کی آخری تاریخ
جو مقرر ہے وہ سات ہوتی ہے ۔ یعنی اگر ہندوستان کے ان علاقوں کے لئے جہاں اردو بولی اور
سمجھی جاتی ہے ۔ ۳۱ جنوری مقرر ہے تو یہ میعاد سات فروری کو جاکر ختم ہوتی ہے ۔ اور اگر
ہندوستان کے ان علاقوں کے لئے جہاں اُردو بولی اور سمجھی نہیں جاتی ۔ ۳۰ اپریل مقرر ہے
تو یہ میعاد سات مئی کو جاکر ختم ہوتی ہے ۔ کیونکہ یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ اگر وعدہ لکھوانے کی
تاریخ ۳۰ اپریل تک رکھی جائے تو چونکہ بعض جگہ ہفتہ میں ایک دفعہ ڈاک آتی ہے ۔ اس
وعدہ کے روانہ ہونے کی آخری تاریخ اگلے مہینہ کی سات ہونی چاہیئے ۔ اس اصل کے
مطابق ہندوستان کے ان علاقوں کے لئے جہاں اُردو بولی اور سمجھی جاتی ہے آخری میعاد سات
فروری مقرر ہے اور ہندوستان کے ان علاقوں کے لئے جہاں اُردو بولی اور سمجھی نہیں جاتی وعدوں
کی ادائیگی کی آخری میعاد سات مئی مقرر ہے ۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ جس دلیل پر میری
بنیاد تھی کہ تحریکِ جدید کے آخری سال کے اختتام پر یہ جنگ ختم ہوگی ۔ میری وہ بات اس
رنگ میں پوری ہوئی کہ جنگ نہ صرف اسی سال اور اسی مہینہ میں ختم ہوئی جو میں نے بتایا تھا
بلکہ عین سات مئی کو آکر سپردگی کے کاغذات پر دستخط ہوئے ۔ چونکہ وعدوں کی ادائیگی کے لئے
ایک سال مقرر ہے ۔ اس لئے دس سالہ دَور تحریک کے چندوں کی ادائیگی کی آخری تاریخ
حسب قاعدہ ۷ مئی ۱۹۴۵ء ہوتی ہے ۔ اور اسی تاریخ کو سپردگی کے کاغذات پر جرمنی کے نمائندوں
نے دستخط کئے ۔ گویا قانونی طور پر عین اسی تاریخ پر آکر جنگ ختم ہوئی جو تحریکِ جدید کے چندوں
کی ادائیگی کے لحاظ سے سارے ہندوستان کے لئے آخری تاریخ ہے ۔ اور جس کے بارے
میں میں بار بار متواتر اڑھائی سال سے اعلان کر رہا تھا ۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کا یہ کتنا بڑا نشان ہے
صوفیاء لکھتے ہیں کہ بعض دفعہ بندے کی زبان اور ہاتھ خدا تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں ۔ قرآن مجید میں
بھی خدا تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے ۔ مَا رَمَیْتَ اِذْ
رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بدر کے موقع پر جب تُو نے

مٹھی بھر کر کنکر پھینکے تھے بظاہر تو وہ تو نے ہی دعائیہ رنگ میں پھینکے تھے لیکن ہم نے تیرے ہاتھ کو اپنا ہاتھ بنا لیا۔ اور اسے کفار کی تباہی کا موجب بنا دیا۔ تو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے یہ سلوک رہا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ اُن کی زبان کو اپنی زبان بنا لیتا ہے۔ مَیں نے متواتر بیان کیا تھا کہ میں جو کہتا ہوں کہ جنگ ۱۹۴۵ء کے شروع میں ختم ہو جائے گی۔ مَیں یہ کسی الہام کی بناء پر نہیں کہتا۔ بلکہ میرے استدلال کی بنیاد اس بات پر ہے کہ چونکہ تحریک جدید کا آخری سال چندوں کی ادائیگی کے لحاظ سے ۱۹۴۵ء کے شروع میں یعنی اپریل میں جاکر ختم ہوتا ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ جنگ ۱۹۴۵ء کے شروع یعنی اپریل میں ختم ہو جائیگی خدا تعالیٰ نے میری اس بات کو لفظاً لفظاً پورا کیا اور نہ صرف سال اور مہینہ کے لحاظ سے بلکہ تاریخ اور دن کے لحاظ سے بھی یہ بات لفظاً لفظاً پوری ہوئی۔ الحمد للّٰہ"۔ ؎۱

اشتراکیت کے خلاف اعلان جنگ

سیّدنا حضرت مصلح موعود کے بے نظیر لیکچر "اسلام کا اقتصادی نظام" کی برکت سے جماعت احمدیہ میں اشتراکیت کے خلاف پہلا مضبوط محاذ قائم ہو گیا تھا۔ قادیان میں اس موضوع پر لیکچر ہوئے اور الفضل میں مضمون لکھے گئے۔ اور خاص طور پر کانپور میں جو کمیونسٹوں کا ان دنوں زبردست گڑھ تھا اس زہر کے ازالہ کی کوششیں جاری کر دیگئیں اور اس کے خوشکن اثرات بھی ظاہر ہونے لگے۔ چنانچہ ایک شخص جو اشتراکیت کی طرف مائل تھا احمدی ہو گیا۔

اس ابتدائی جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کے کمیونسٹوں نے اپنے ایجنٹ بھیج کر براہ راست قادیان میں فتنہ پیدا کرنے کا ارادہ کر لیا اور اس سلسلہ میں حضرت مصلح موعود کو بھی گمنام خطوط لکھے جس پر حضرت امیرالمومنین نے کمیونسٹوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ

"کمیونسٹ میرے مقابلہ میں جیت نہیں سکتے ...... کیونکہ میری آواز میری نہیں بلکہ میری زبان سے خدا اپنی آواز دنیا میں پھیلا رہا ہے اور خدا کا مقابلہ کرنے کی ان کمیونسٹوں میں تو کیا ان کے سرداروں میں بھی طاقت نہیں"۔ ؎۲

اس مرحلہ پر حضور پُرنور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب وقت آگیا ہے کہ جماعت احمدیہ اس فتنہ کی سرکوبی میں سرگرم عمل ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے ۲۹ ماہ احسان/جون ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء کو ایک مفصل خطبہ جمعہ دیا۔ یہ خطبہ دراصل عہد حاضر

؎۱ - الفضل ۱۴ ہجرت/مئی ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱-۲۔ ؎۲ - الفضل ۵ وفا/جولائی ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۳-۵۔

کے اس عظیم ترین فتنہ کے خلاف اعلان جنگ تھا جو اسلامی افواج کے روحانی سپہ سالار نے مسجد اقصیٰ قادیان کے منبر پر کیا۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

"ہمارے سامنے کمیونزم کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو نہ صرف عقلی لحاظ سے اسلام کے لئے خطرناک ہے بلکہ مذہبی لحاظ سے بھی وہ بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ گذشتہ انبیاء نے ہزاروں سال سے اس فتنہ کے متعلق خبر دی ہوئی ہے۔ مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق احادیث میں بھی آتا ہے اور پہلی کتب میں بھی کہ تمام گذشتہ انبیاء نے اس زمانہ کے فتنوں کی خبر دی تھی اور جب ہم فتن کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں سب سے زیادہ اس فتنہ کی خبر معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ حزقیل نبی نے اپنی کتاب میں روس کے ایک فتنہ کے متعلق پیشگوئی کی ہے اور بتایا ہے کہ آخری زمانہ میں اس کے ذریعہ دین پر حملہ کیا جائے گا۔ گویا وہ فتنے جنکی تمام انبیاء نے خبر دی ہے ان میں اگر نام لے کر کسی فتنہ کی خبر دی گئی ہے تو وہ یہی فتنہ ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ فتنہ کتنا اہم ہے کہ اس نے آج سے ہزاروں سال پہلے اس کے متعلق خبر دیدی تھی تا کہ آخری زمانہ میں کمزور ایمان والے لوگ یہ نہ کہدیں کہ یہ خطرہ محض خیالی ہے۔ ہر نئی تبدیلی سے لوگ ڈر جاتے اور بغیر سوچے سمجھے اس کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ چونکہ اس نظام کے ذریعے تمدن میں ایک تبدیلی واقع ہوتی ہے اس لئے اس تبدیلی سے ڈر کر سوویٹ نظام کی مخالفت کی جاتی ہے۔ ورنہ درحقیقت اس میں خطرہ کی کوئی بات نہیں۔

بے شک جہاں تک سیاسیات کا تعلق ہے ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ حکومت سے تعلق رکھنے والی چیز ہے اور حکومت سے تعلق رکھنے والی عملی سیاست خواہ روس کی ہو یا کسی اور ملک کی ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا لیکن جہاں تک سیاسیات کے فلسفہ کا سوال ہے ہمارا تعلق فلسفۂ سیاست سے ضرور ہے۔ کیونکہ فلسفہ ایسی چیز ہے جو ہر انسان سے تعلق رکھتا ہے۔ پس عملی سیاسیات سے بیشک ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ اسے روس جانے، فرانس جانے، انگلستان جانے یا امریکہ جانے۔ لیکن جہاں تک اس کے مضر عقائد کا سوال ہے جنکا مذہب پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ ہر مذہب والا جس کے خلاف بات پڑتی ہے اس کا فرض ہے کہ وہ اس فتنہ کا مقابلہ کرے اور اس زہر کا ازالہ کرنے کی پوری کوشش کرے مگر کمیونسٹوں

کی طرف سے چونکہ ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ ہم غرباء کی تائید اور ان کی مدد کے لئے کھڑے ہوئے ہیں اسلئے عام طور پر خواہ ہندو ہوں یا مسلمان اس عقیدہ کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ بلکہ ہندوستان میں بعض مولوی ایسے موجود ہیں جو عام طور پر کمیونزم کی تائید کرتے رہتے ہیں اسی طرح بعض مسلمان اخبارات کے ایڈیٹر ہیں جو اس کی تائید میں زور شور سے مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ان اقتصادیات کا ہمارے ملک سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ وہ اقتصادیات خالص روس کی ترقی کے لئے ہیں اور روس ہی ان سے فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ مگر بعض دفعہ ایک چیز ایسی خوشنما معلوم ہوتی ہے کہ انسان اسے لینے کی کوشش کرتا ہے خواہ وہ کتنی ہی مضر کیوں نہ ہو..... بعض دفعہ انسان ایک چیز کو اچھا اور خوشنما سمجھتا ہے اور اُسے لینے کی خواہش کرتا ہے مگر وہ ہوتی بُری ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کونسی چیز انسان کے لئے اچھی ہے اور کونسی بُری۔ وہ خدا جس نے آج سے اڑھائی ہزار سال پہلے حزقیل نبی کے ذریعہ اس فتنہ کی خبر دی تھی اس خدا کا یہ فعل ظاہر کر رہا ہے کہ اس فتنہ کو معمولی سمجھنا یا اس کے خطرناک نتائج سے اپنی آنکھیں بند کر لینا نادانی اور حماقت ہے۔ آج کل کے لوگوں کے متعلق تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہیں کمیونزم سے حسد ہے بُغض اور کینہ ہے جو اُن کے دلوں میں پایا جاتا ہے یا وہ پرانی لکیر کے فقیر ہیں۔ یا ایسے جاہل ہیں کہ اقتصادیات کے فلسفہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ مگر سوال یہ ہے کہ آج سے پچیس سو سال پہلے حزقیل نبی کو کس نے اس فریب اور دغا میں شامل کر لیا تھا۔ آخر یہ کیا بات ہے کہ حزقیل نبی نے آج سے پچیس سو سال پہلے یہ خبر دی جو آج بھی بائیبل میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حزقیل نبی کو آج کل کے زمانہ کے لوگوں نے اس فریب میں شامل کر لیا تھا۔ کیا اینٹی کمیونزم پالیسی کو اختیار کرتے وقت ہٹلر نے حزقیلؑ سے منصوبہ کیا تھا۔ یا کیا مسولینی نے کمیونزم کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھنے کے لئے حزقیل سے منصوبہ کر لیا تھا یا کیا انگلستان کی کسی اینٹی کمیونزم پارٹی نے حزقیل سے منصوبہ کر لیا تھا یا امریکہ کے رہنے والوں میں سے کسی شخص میں یہ طاقت تھی کہ وہ آج سے پچیس سَو سال پہلے کے کسی نبی سے اپنی تائید میں کوئی خبر لکھوا سکتا۔ اور اگر کسی آدمی میں یہ طاقت ہو سکتی ہے کہ وہ پچیس سَو سال پہلے اپنے متعلق کوئی خبر لکھوا دے۔ تو وہ آجکل کے لوگوں سے کیا ڈر سکتا ہے۔ جو شخص ایسا کر سکتا ہے اس کے متعلق یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو بھی ملیامیٹ کر سکتا ہے۔

پس یہ وہ فتنہ ہے جس کا حزقیل نبی کی پیشگوئی میں ذکر آتا ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں جو بہت بڑے فتن پیدا ہونے والے ہیں اُن کی سب نبیوں نے خبر دی ہے۔ گویا آپ نے بھی اس رنگ میں حزقیل نبی کی پیشگوئی کی تائید کر دی۔ یہ امر بتاتا ہے کہ جہاں تک عملی سیاست کا تعلق ہے گو ہمارا کسی حکومت سے کوئی لگاؤ نہیں۔ مگر جہاں تک اس فلسفۂ سیاست کا تعلق ہے خدا اس نظام کا دشمن ہے اور آج سے ہزاروں سال پہلے خدا نے اپنے انبیاء کے ذریعہ اس فتنہ کی اسی لئے خبر دی ہے تاکہ مومنوں کا ایمان مضبوط رہے اور کمزور لوگ مذہب کے خلاف اس تحریک کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو جائیں پس ہماری جماعت کو اس فتنہ کے مقابلہ کے لئے پوری طرح تیار ہو جانا چاہیئے۔ میں نے تحریک کی تھی کہ کالجوں کے پروفیسر اس طرف خصوصیت سے توجہ کریں اور وہ لڑکوں کے سامنے اس پر تقریریں کرتے رہیں۔ میں نے کہا تھا کہ ہمارے ماہرفن جو اقتصادیات یا مذہب میں مہارت رکھتے ہیں وہ کمیونزم کے اُن اثرات پر روشنی ڈالیں جو اقتصاد اور مذہب پر پڑتے ہیں۔ اسی طرح میں نے کہا تھا کہ ہمارے مبلّغ اپنے تبلیغ کے دائرہ کو کمیونسٹ پارٹی کی طرف وسیع کر دیں۔ غرض میں نے جماعت کو اس فتنہ کی اہمیت بتاتے ہوئے انہیں نصیحت کی تھی کہ وہ اس فتنہ کو مٹانے کے لئے پوری طرح تیار ہو جائیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ میری اس نصیحت کا کسی قدر اثر بھی ہوا ہے۔ خصوصاً کانپور جو کمیونزم کا گڑھ ہے وہاں ہماری جماعت کے بعض افراد نے کوشش کی چنانچہ ایک آدمی جو کمیونزم کی طرف مائل تھا احمدی ہو گیا ہے۔ اور مزید تبلیغ جاری ہے۔ اسی طرح اس موضوع پر قادیان میں بھی کچھ لیکچر ہوئے ہیں اور باہر سے بھی "الفضل" میں بعض مضامین شائع ہوئے ہیں جن میں سے بعض مضمون اچھے تھے اور اس میں مفید معلومات لوگوں کے سامنے پیش کئے گئے تھے۔ مگر یہ کام اس قسم کا نہیں کہ میں نے خطبہ پڑھا۔ لوگوں نے دو چار دن توجہ کی اور پھر خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ یہ کام تو ایسا ہے کہ اس میں ہزاروں ہزار آدمی مشغول ہو جانے چاہئیں تب دُنیا میں کچھ حرکت پیدا ہو سکتی ہے جو تنظیم ان لوگوں میں پائی جاتی ہے وہ ایسی ہے کہ ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور ان کے لاکھوں مبلّغ دُنیا میں پائے جاتے ہیں۔ گذشتہ دنوں امریکہ کے ایک اخبار میں شائع ہوا تھا کہ

ہندوستان میں کمیونسٹ خیالات کی اشاعت کے لئے بارہ ہزار مبلغ روس میں تیار کئے جاتے ہیں۔ اس سے تم سمجھ لو کہ اگر بارہ ہزار مبلغ ایک وقت میں روس کے ایک مدرسہ میں تیار کئے جا رہے ہیں تو پندرہ بیس سال میں وہ مختلف ممالک میں اپنے کس قدر مبلغ پھیلا چکے ہوں گے۔ میں سمجھتا ہوں ان کے مبلغ چار پانچ لاکھ سے کم نہیں ہو سکتے۔ اب بتاؤ وہ کام جو دنیا میں چار پانچ لاکھ باقاعدہ مبلغ علاوہ لاکھوں دوسرے آدمیوں کے کر رہا ہے اگر اس کا مقابلہ کرنے کے لئے پانچ دس آدمی پندرہ بیس دن کام کر کے خاموش ہو جائیں تو اس کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔

پس ضرورت ہے کہ تقریر کے ذریعہ سے، تحریر کے ذریعہ سے، گفتگو کے ذریعہ سے، طلباء کے ذریعہ سے، وکلاء کے ذریعہ سے، ڈاکٹروں کے ذریعہ سے، مزدوروں کے ذریعہ سے، پیشہ وروں کے ذریعہ سے، صنّاعوں کے ذریعہ سے، سیاحوں کے ذریعہ سے، تاجروں کے ذریعہ سے اس تحریک کے وہ تمام پہلو جو مذہب سے ٹکراؤ رکھتے ہیں بیان کئے جائیں اور لوگوں کو بتایا جائے کہ درحقیقت یہ اسلامی اقتصاد کی ایک بگڑی شکل ہے۔ جو کمیونزم کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ اسلام نے جو چاہا تھا کہ امیر اور غریب کے فرق کو مٹا کر دنیا میں مساوات قائم کی جائے، غرباء کو آگے بڑھنے کے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ دولت کو چند محدود ہاتھوں میں نہ رہنے دیا جائے اور امراء کو نسلاً بعد نسلٍ اپنی دولت پر قابض نہ رہنے دیا جائے۔ اس نظام کی کمیونسٹ نظام نے ایک نقل اتاری ہے۔ مگر ایسے بھونڈے طریق پر کہ اس نے انسانی آزادی کو کچل دیا ہے۔ اور وہ بلاوجہ مذہب کے خلاف کھڑا ہو گیا ہے۔ جب اس رنگ میں ہر مذہب اور ہر قوم اور ہر فرقہ اور ہر پیشہ اور ہر حرفہ والے کو ہم اپنے خیالات پہنچائیں گے اور متواتر اور مسلسل پہنچائیں گے۔ تب اس کے نتیجہ میں انہیں کمیونزم سے نفرت ہو گی اور تبھی ہماری جدوجہد صحیح نتائج کی حامل ہو گی" [1]

---

[1] الفضل ۵ ر ماہ وفا / جولائی ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۳، ۴

ایٹم بم کے استعمال کے خلاف احتجاج

۶ اگست ۱۹۴۵ء کی صبح کو سوا نو بجے اتحادیوں نے جاپان کے اہم صنعتی شہر اور بندرگاہ ہیروشیما پر پہلی بار ایٹم بم استعمال کیا جس سے اس کی چھ لاکھ آبادی میں سے پونے چار لاکھ آدمی ہلاک ہو گئے۔ ۶۰ فیصدی عمارتیں پیوند خاک ہو گئیں۔ اور بم گرنے کے بعد اتنی شدید گرمی پیدا ہوئی کہ اس کی شدت کے دائرہ کے اندر کوئی ذی روح چیز زندہ نہیں رہی۔ کیا انسان کیا حیوان کیا چرند اور کیا پرند سب کے سب جھلس کر خاک ہو گئے۔ اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود کو الہاماً خبر دی گئی تھی کہ "ان شہروں کو دیکھ کر رونا آئے گا"[1] یہ دردناک نظارہ چشم فلک نے پہلی دفعہ جاپان میں دیکھا۔ بعد ازاں ۹ اگست کو ناگاساکی شہر میں بم نے ہیروشیما سے بھی زیادہ تباہی مچائی۔[2]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے ۱۰ اگست ۱۹۴۵ء کو ڈلہوزی ایک خطبہ دیا جس میں ایٹم بم ایسے مہلک ہتھیار کے استعمال کے خلاف زبردست احتجاج کیا اور بتایا۔ کہ

> "ہمارا مذہبی اور اخلاقی فرض ہے کہ ہم دنیا کے سامنے اعلان کر دیں کہ ہم اس قسم کی خونریزی کو جائز نہیں سمجھتے خواہ حکومتوں کو ہمارا یہ اعلان برا لگے یا اچھا۔"

نیز فرمایا۔ کہ

> ان باتوں کے نتیجہ میں مجھے نظر آ رہا ہے کہ آئندہ زمانہ میں جنگیں کم نہیں ہوں گی بلکہ بڑھیں گی اور وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ایٹومک سے بڑی طاقتوں کے ہاتھ مضبوط ہو جائیں گے ان کے مقابلہ میں کوئی جنگی طاقت حاصل نہیں کر سکے گا یہ لغو اور بچوں کا سا خیال ہے ...... یاد رکھو خدا کی بادشاہت غیر محدود ہے اور خدا کے لشکروں کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ لَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۔ یعنی تیرے رب کے لشکروں کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ اگر بعض کو اٹومک بم مل گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ کسی سائنسدان کو کسی اور نکتہ کی طرف توجہ دلا دے اور وہ ایسی چیز تیار کرے جس کے تیار کرنے کے لئے بڑی بڑی لیبارٹیوں کی ضرورت نہ ہو بلکہ ایک شخص گھر میں بیٹھے بیٹھے اس کو تیار کرے۔ اور اس کے ساتھ دنیا پر تباہی لے آئے اور اس طرح وہ

---

[1] بدر ۲۴ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۲، الحکم ۲۴ مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۔ [2] اس سلسلہ میں لنڈن کے اخباروں میں سے "ڈیلی ایکسپریس" "ڈیلی میل" "ڈیلی ٹیلیگراف" کے نامہ نگاروں نے جو تفصیلات شائع کیں وہ شیخ ناصر احمد صاحب نے الفضل ۱۵ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش ۱۹۴۵ء میں شائع کرا دی تھیں۔

اٹومک بم کا بدلہ لینے لگ جائے"۔

حضور نے اس ضمن میں اہل عالم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس لطیف نکتہ کی طرف بھی توجہ دلائی کہ آگ کا عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے مسلمانوں کو نہیں چاہیئے کہ وہ اپنے دشمن کو آگ سے تعذیب و تکلیف دیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

"تیرہ سو سال پہلے دنیا کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائیوں کے کم کرنے کا راستہ بتایا تھا۔ جب تک دنیا اس راستہ پر نہیں چلے گی لڑائیاں کم نہیں ہوں گی بلکہ بڑھیں گی۔ امریکہ اور یورپ والے امن نہیں پائیں گے جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تعلیم کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔ وہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ نہ کہیں گے کہ ہمیں ان آگ کی چیزوں کو ناجائز قرار دینا چاہیئے۔ اس وقت تک حقیقی امن ان کو نصیب نہیں ہوگا"۔ ۱؎

اٹامک بم کے خلاف بلند ہونے والی یہ پہلی آواز تھی جس کے بعد خود یورپ میں اس کی تائید شروع ہوگئی۔ چنانچہ ایسوسی ایٹڈ پریس امریکہ نے لنڈن سے یہ خبر شائع کی کہ:۔

"برطانیہ کے ۳۱ سرکردہ پادریوں، مصنفوں اور معلموں نے ایک عرضداشت میں جاپان پر اٹامک بم کے حملہ کے خلاف پروٹسٹ کیا۔ ان کے دستخطوں سے یہ پروٹسٹ لنڈن بھر میں تقسیم کیا گیا۔ ان لوگوں نے لکھا ہے کہ ایٹامک بم کا استعمال انسانیت کے ان پاک اصول پر ایک کھلا اور زوردار حملہ ہے جو مسیحی تہذیب اور جمہوری سوسائیٹی نے تمام انسانوں کے لئے مساوی طور پر تجویز کئے ہیں۔ ان دستخط کنندگان میں وزیر ہند کی بیوی لیڈی پیتھک لارنس بھی شامل ہے"۔ ۲؎

۱۹۶۵ء تک جماعت احمدیہ کے لئے ایک نئے اور انقلابی دور آنے کی حیرت انگیز پیشگوئی

حضرت مصلح موعود کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس زمانہ میں جماعت احمدیہ کے مستقبل کی نسبت جو خبریں دی گئیں ان میں ایک عظیم الشان انکشاف یہ بھی کیا گیا کہ جماعت اندازاً ۱۳۴۴ ہش / ۱۹۶۵ء تک ایک جدید انقلابی دور میں داخل ہونے والی ہے۔ اور اس عرصہ میں اس کی قومی پیدائش کا ہونا مقدر

۱؎ - الفضل ۱۶ ظہور / اگست ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۱-۲ ۔ ۲؎ - پربھات ۲۰ ستمبر ۱۹۴۵ء (بحوالہ الفضل ۲۷ تبوک / ستمبر ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۱-۲)۔

ہے۔ چنانچہ حضور نے ۲۴ ظہور / اگست ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء کو خاص اسی موضوع پر ڈلہوزی میں خطبہ پڑھا۔ جس میں پیشگوئی فرمائی۔ کہ

"مَیں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے پچھلے دس سال میں جو باتیں اپنی جماعت کی ترقی اور دنیا کے تغیرات کے متعلق بتائی تھیں ان کا نتیجہ دُنیا کے سامنے آگیا ہے اور دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ وہ کس طرح لفظ بلفظ پوری ہوئی ہیں۔ اور ان کی تفاصیل اسی طرح وقوع میں آئی ہیں جس طرح مَیں نے بیان کی تھیں۔ اب میرے دل میں یہ بات میخ کی طرح گڑ گئی ہے کہ آئندہ اندازاً "بیس سالوں میں ہماری جماعت کی پیدائش ہوگی"[۱]۔ بچوں کی تکمیل تو چند ماہ میں ہو جاتی ہے اور نو ماہ کے عرصہ میں وہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن بچے کی پیدائش اور قوم کی پیدائش میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک فرد کی پیدائش بے شک نو ماہ میں ہو جاتی ہے۔ لیکن قوموں کی پیدائش کے لئے ایک لمبے عرصہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور مَیں سمجھتا ہوں آئندہ بیس ۲۰ سال کا عرصہ ہماری جماعت کے لئے نازک ترین زمانہ ہے۔ جیسے بچے کی پیدائش کا وقت نازک ترین وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ بسا اوقات وقت کے پورا ہونے کے باوجود پیدائش کے وقت کسی وجہ سے بچہ کا سانس رُک جاتا ہے۔ اور وہ مُردہ وجود کے طور پر دُنیا میں آتا ہے۔ پس جہاں تک ہماری قومی پیدائش کا تعلق ہے میں اس بات کو میخ کے طور پر گڑا ہوا اپنے دل میں پاتا ہوں کہ یہ بیس سال کا عرصہ ہماری جماعت کیلئے نازک ترین مرحلہ ہے۔ اب یہ ہماری قربانی اور ایثار ہی ہوں گے جن کے نتیجہ میں ہم قومی طور پر زندہ پیدا ہوں گے یا مُردہ۔ اگر ہم نے قربانی کرنے سے دریغ نہ کیا اور ایثار سے کام لیا اور تقویٰ کی راہوں پر قدم مارا، محبت اور کوشش کو اپنا شعار بنایا تو خدا تعالیٰ ہمیں زندہ قوم کی صورت میں پیدا ہونے کی توفیق دے گا اور اگلے مراحل ہمارے لئے آسان کر دیگا۔"

نیز فرمایا:۔

"خوب یاد رکھو جس دن کسی قوم میں قربانی بند ہوئی وہی دن اُس قوم کی موت کا ہے قوم کی زندگی کی علامت یہی ہوتی ہے کہ وہ قربانیوں میں ترقی کرتی چلی جائے اور قربانیوں سے جی نہ چرائے۔ اگر ہم ساری دنیا کو بھی فتح کر لیں پھر بھی ہمیں اپنے ایمان کو سلامت رکھنے

---

[۱] فرمایا "بیعت کا وقت ... نہایت سنجیدگی کا وقت ہوتا ہے یہ تو نئی پیدائش کا وقت ہوتا ہے۔" (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۳۲۰ہش / ۱۹۴۱ء صفحہ ۱)

اور اپنے ایمان کو ترقی دینے کے لئے قربانیاں کرتے رہنا ہوگا۔ پس میں جماعت کے دوستوں کو آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ جماعت ایک نازک ترین دَور میں سے گزرنے والی ہے۔ اسلئے اپنے ایمانوں کی فکر کرو کسی شخص کا یہ سمجھ لینا کہ دس پندرہ سال کی قربانی نے اس کے ایمان کو محفوظ کر دیا ہے۔ اسکے نفس کا دھوکہ ہے۔ جب تک عزرائیل ایمان والی جان لے کر نہیں جاتا۔ جب تک ایمان والی جان ایمان کی حالت میں ہی عزرائیل کے ہاتھ میں نہیں چلی جاتی اس وقت تک ہم کسی کو محفوظ نہیں کہہ سکتے۔ خواہ وہ شخص کتنی بڑی قربانیاں کر چکا ہو۔ اگر وہ اس مرحلہ میں پیچھے رہ گیا تو اس کی ساری قربانیاں باطل ہو جائیں گی اور وہ سب سے زیادہ ذلیل انسان ہوگا کیونکہ چھت پر چڑھکر گرنے والا انسان دوسروں سے زیادہ ذلت کا مستحق ہوتا ہے۔" [1]

حضرت مصلح موعود کی اہم ہدایات ولائت جانیوالے مبلغین کو۔

چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی اور چوہدری عبداللطیف صاحب بی۔ اے ۲۹ ر ماہ تبوک / ستمبر ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء کو انگلستان تشریف لے جا رہے تھے۔[2] اس موقعہ پر حضرت مصلح موعود نے ہر دو مبلغین کو اپنے قلم سے نہایت قیمتی ہدایات لکھکر دیں۔

چنانچہ چودھری مشتاق احمد صاحب باجوہ کو ارشاد فرمایا کہ:-

۱۔ "اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھیں اور اُس پر توکل کا ملکہ پیدا کریں۔

۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذاتی تعلق اور کمال محبت۔

۳۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشن کو نہ بھولیں۔

۴۔ امام وقت خلیفۂ وقت کی اطاعت اور اس سے ذاتی تعلق روحانی ترقی کے لئے ضروری ہے۔

۵۔ ہر واقف اور مجاہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو سلسلہ کا ستون سمجھے اور اپنے آپ کو سلسلہ کی روایات کے قیام کا ذمہ وار قرار دے۔ اسکے بغیر وقف کی نہ غرض پوری ہوتی ہے اور نہ روایات میں تسلسل پیدا ہوتا ہے جو ضروری ہے۔

۶۔ یاد رکھیں کہ کام اور محنت سے کام اور عقل سے کام کرنا اہم ترین فریضہ ہے۔

---

[1] الفضل ۷ ر تبوک / ستمبر ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۲ تا ۴۔ [2] الفضل یکم اخاء / اکتوبر ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

۷۔ علم کی توسیع کرو۔"

چوہدری عبداللطیف صاحب کے لئے مندرجہ ذیل ہدایات تحریر فرمائیں :۔

۱۔ "اللہ پر توکل کرتے ہوئے جاؤ۔ اُس پر ایمان کو مضبوط کرو اور اُس کی محبت کو بڑھاتے رہو۔ یہانتک کہ دل کی آنکھوں۔ دماغ کی آنکھوں اور ماتھے کی آنکھوں سے وہ نظر آنے لگے اور دل و دماغ اور بیرونی کانوں سے اُس کی آواز سنائی دینے لگے۔

۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں کے سردار ہیں۔ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کے خادم ہیں۔ خادم کو آقا سے جُدا نہ سمجھو مگر آقا کو آقا اور خادم کو خادم کا مقام دو اور دونوں کی محبت میں سرشار رہو۔

۳۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں خلیفہ ہی نہیں بنایا بلکہ اس زمانہ میں خدمت اسلام کا کام خاص طور پر ہمارے سپرد کیا ہے اور اسلام کی ترقی ہم سے وابستہ کی ہے اس لئے ہمارا مقام عام خلافت سے بالا ہے۔ ہمارا کام خدا تعالیٰ کے خاص ہاتھ میں ہے۔ ہماری ذاتی عظمت کوئی نہیں۔ نہ ہم اپنے لئے کوئی خاص عزت چاہتے ہیں۔ مگر ہم اللہ تعالیٰ کی تلوار ہیں جو ہمارے سایہ میں لڑتا ہے وہ اپنے لئے جنت کا دروازہ کھولتا ہے جو ہم سے ایک انچ بھی دُور ہٹتا ہے وہ اسلام سے دشمنی کرتا ہے اور اُس کی ترقی میں روک ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے اور ہدایت بخشے۔ خدا تعالیٰ نے کہا کہ اُس کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچے گا جس کے یہ معنے ہیں کہ خود اُس کا وجود پیش کرنا ہی اس وقت اسلام کی ترقی کے لئے مفید ہے۔

۴۔ نمازوں کی پابندی۔ دعاؤں پر زور کو اپنا شعار بناؤ۔

۵۔ اطاعت خواہ کوئی افسر ہو ایمان کا جزو ہے۔ خود افسر ہو تو نیک سلوک کرو۔ دوسرا افسر ہو تو اُس کا اس قدر اعزاز اور احترام کرو کہ دیکھنے والے بغیر کہے کے ان کا اعزاز کرنے لگیں۔ اسلام کی روح کو ہر ملک میں اور ہر زمانہ میں زندہ رکھنے اور وسیع کرنے کی کوشش کرو۔" لے

لے۔ الفضل یکم اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صہ۳ :

جماعت احمدیہ میں اعلیٰ تعلیم کی توسیع کے لئے سکیم۔

حضرت مصلح موعود جماعت احمدیہ کی قیادت اوائل خلافت ہی سے اس رنگ میں فرما رہے تھے کہ احمدیوں کا علمی معیار بلند سے بلند تر ہوتا جائے۔ اس سلسلہ میں آپ ایک نہایت اہم قدم ۱۳۲۳ھش/۱۹۴۴ء میں "تعلیم الاسلام کالج" کے دوبارہ اجراء کی صورت میں اٹھا چکے تھے۔ اب اس سال حضور نے ۱۹ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء کو احمدیوں میں اعلیٰ تعلیم کے عام کرنے کے لئے ایک نہایت اہم سکیم تیار کی جس کا بنیادی نقطہ یہ تھا کہ "جس طرح ہماری جماعت دوسرے کاموں کے لئے چندہ کرتی ہے اسی طرح ہر گاؤں میں اس کے لئے کچھ چندہ جمع کر لیا جائے جس سے اس گاؤں کے اعلیٰ نمبروں پر پاس ہونے والے لڑکے یا لڑکوں کو وظیفہ دیا جائے۔ اس طرح کوشش کی جائے کہ ہر گاؤں میں دو تین طالب علم اعلیٰ تعلیم حاصل کر لیں۔" حضور نے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ جو احمدی اپنے بچوں کو پرائمری تک تعلیم دلا سکتے ہیں وہ کم از کم مڈل تک اور جو مڈل تک تعلیم دلوا سکتے ہیں وہ کم از کم انٹرینس تک اور جو انٹرنس تک پڑھا سکتے ہیں وہ اپنے لڑکوں کو کم از کم بی۔ اے کرائیں"۔ نیز فرمایا کہ "چونکہ ہم تبلیغی جماعت ہیں اس لئے ہمارے لئے لازمی ہے کہ ہم سو فی صدی تعلیم یافتہ ہوں"۔ اسی ضمن میں حضرت مصلح موعود نے صدر انجمن احمدیہ کو ہدایت فرمائی۔ کہ

"وہ فوری طور پر نظارت تعلیم و تربیت کو ایک دو انسپکٹر دے جو سارے پنجاب کا دورہ کریں اور جو اضلاع پنجاب کے ساتھ دوسرے صوبوں کے ملتے ہیں اور ان میں احمدی کثرت سے ہوں ان کا دورہ بھی ساتھ ہی کرتے چلے جائیں۔ یہ انسپکٹر ہر ایک گاؤں اور ہر ایک شہر میں جائیں اور لسٹیں تیار کریں کہ ہر جماعت میں کتنے لڑکے ہیں۔ ان کی عمریں کیا ہیں ان میں کتنے پڑھتے ہیں اور کتنے نہیں پڑھتے۔ ان کے والدین کو تحریک کی جائے کہ وہ انہیں تعلیم دلوائیں اور کوشش کی جائے کہ زیادہ سے زیادہ لڑکے ہائی سکولوں میں تعلیم حاصل کریں اور ہائی سکولوں سے پاس ہونے والے لڑکوں میں سے جن کے والدین استطاعت رکھتے ہوں ان کو تحریک کی جائے کہ وہ اپنے بچے تعلیم الاسلام کالج میں پڑھنے کے لئے بھیجیں"۔ [1]

اس خطبہ کی اشاعت پر نہ صرف بیرونی جماعتوں نے توسیع تعلیم سے متعلق اعداد و شمار کے مطلوبہ نقشے بھجوائے بلکہ اس سکیم کو جلد سے جلد نتیجہ خیز کرنے کے لئے حضرت مصلح موعود کی منظوری سے مولوی سلطان احمد صاحب

---

[1] الفضل ۳۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵،۲۔

اور سید اعجاز شاہ صاحب (انسپکٹران بیت المال) نظارت تعلیم و تربیت میں منتقل کر دئے گئے۔

تعلیمی اعداد و شمار جب حضور کی خدمت میں پیش کئے گئے تو حضور نے ارشاد فرمایا :۔

"ساتھ کے ساتھ ان علاقوں میں تعلیم پر زور دیا جائے۔ جو تعلیم حاصل نہیں کر رہے انہیں تعلیم پر مجبور کیا جائے اور جو کر رہے ہیں انہیں اعلیٰ تعلیم پر"۔

انسپکٹران کی تقرری کے موقعہ پر یہ ہدایت خاص فرمائی کہ

"پانچ ماہ کے لئے منظور ہے جہاں تک میں سمجھتا ہوں اگر جماعت کو منظم کیا جائے تو باقی صیغوں کی طرح اس صیغہ کے سیکرٹری یہ کام سنبھال سکیں گے"۔ [۱]

چنانچہ ان ہر دو احکام کی تعمیل کی گئی اور جب جماعت میں تعلیم کی اشاعت و فروغ کی ایک رَو چل نکلی تو پانچ ماہ کے بعد یہ کام سیکرٹریان تعلیم و تربیت کے سپرد کر دیا گیا۔

حضرت مصلح موعود نے احباب جماعت کو تعلیمی میدان میں زیادہ سے زیادہ آگے بڑھانے کے علاوہ مرکزی درسگاہوں کے احمدی اساتذہ کو بچوں کی نگرانی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے فرمایا۔ کہ

"میرے نزدیک اسکی کلی طور پر ذمہ داری سکول کے عملہ پر ہے اور کالج کے لڑکوں کی ذمہ داری کالج کے عملہ پر ہے۔ اگر سکول یا کالج کا نتیجہ خراب ہو اور کالج یا سکول کا عملہ اس پر عذر کرے تو میں یہ کہوں گا یہ منافقانہ بات ہے اگر لڑکے ہوشیار نہیں تھے اگر لڑکے محنت نہ کرتے تھے اور اگر لڑکے پڑھائی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے تو اُن کا کام تھا کہ وہ ایک ایک کے پاس جاتے اور اُن کی اصلاح کرتے۔ اگر وہ متوجہ نہ ہوتے تو ان کے والدین کو اس طرف متوجہ کرتے اور انکو مجبور کرتے کہ وہ تعلیم کو اچھی طرح حاصل کریں۔ ہماری جماعت کے لئے اعلیٰ تعلیم کا حصول اب بہت ضروری ہے۔ اگر ہم میں اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ ہوں گے تو ساری سکیم فیل ہو جائے گی"۔ [۲]

یورپ کی روحانی فتح کے لئے نو مبلّغین کا سفر انگلستان اور پریس میں چرچا

۱۸ ماہ فتح / دسمبر ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء کا دن سلسلہ احمدیہ کی تاریخ کے اعتبار سے ایک غیر معمولی دن تھا۔ کیونکہ اس دن خدا کے فضل و کرم سے

---

[۱] :۔ الفضل ۵ ماہ احسان / جون ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۴ کالم ۳ و ۴

[۲] :۔ الفضل ۳۰ صلح / جنوری ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۲

پونے تین بجے کی گاڑی سے نو[1] واقفین یورپ کی روحانی فتح کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ مرکز احمدیت سے اتنی بڑی تعداد میں مبشرین اسلام کا قافلہ بیرونی ممالک کی طرف بھیجا گیا ہو۔ قافلہ میں حسب ذیل واقفین شامل تھے:۔

ملک عطاء الرحمٰن صاحب (امیر قافلہ)۔ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ۔ حافظ قدرت اللہ صاحب۔ چوہدری اللہ دتہ (عطاء اللہ) صاحب۔ چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفر۔ چوہدری محمد اسحٰق صاحب ساقی۔ مولوی محمد عثمان صاحب۔ ماسٹر محمد ابراہیم صاحب۔ مولوی غلام احمد صاحب بشیر۔

مجاہدین تحریک جدید کا یہ قافلہ ۱۴ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو انگلستان کی بندرگاہ لورپول پر اترا۔ یوسٹن اسٹیشن پر مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن نے معہ احباب جماعت اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ اور انگلستان کے اخبارات مثلاً "ڈیلی سکیچ"۔ "دی سٹار"۔ "ڈیلی ایوننگ پیپر" نے ان کی آمد کا جلی عنوان سے ذکر کیا اور تصویر شائع کی[2] برطانوی پریس کے علاوہ مشہور امریکن خبر رساں ایجنسی "گلوب" نے کسی قدر تفصیلی اور رائیٹر نے قدرے مختصر الفاظ میں اس وفد کے سرزمین انگلستان میں آنے کی خبر دی۔ چنانچہ "گلوب" نے لکھا:۔

"انگلستان میں پٹنی کی مسجد کو ہندوستان کی جماعت احمدیہ کے مرکز دعوت و تبلیغ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جنگ کی وجہ سے یورپ میں جماعت احمدیہ کی تبلیغ اسلام کا سلسلہ رکا ہوا تھا مگر اب اُسے پھر شروع کر دیا گیا ہے (اس میں اضافہ کیا گیا ہے) ملک عطاء الرحمٰن کے زیر قیادت نو مبلغوں کا دستہ قادیان سے یہاں پہنچ چکا ہے۔ جنہیں برطانیہ۔ فرانس۔ ہسپانیہ۔ جرمنی اور اٹلی میں بھیج دیا جائیگا۔ جماعت احمدیہ کا مرکز قادیان ہے جو پنجاب میں واقع ہے۔ توقع ہے کہ وہاں سے اور مبلغ بھی یہاں پہنچ جائیں گے اور انہیں ہنگری، ہالینڈ اور دوسرے مغربی ممالک میں بھیجا جائے گا۔

یہ مبلغین کا دستہ پٹنی کی مسجد میں فروکش ہے۔ تبلیغ کے لئے باہر بھیجے جانے سے پہلے انہیں اس مسجد میں تربیت دی جائے گی۔ اس تربیت میں ان ممالک کی زبان بھی شامل ہے جہاں انہیں

---

[1] ۔ انگلستان جانیوالے واقفین کے ساتھ مولوی بشارت احمد صاحب نسیم بھی تھے جن کی روانگی کا فیصلہ اسی روز ہوا اور انکو صرف چند گھنٹوں کے اندر اندر تیار ہو کر عازم افریقہ ہونا پڑا۔ علاوہ ازیں مولوی نذیر احمد علی صاحب رئیس التبلیغ مغربی افریقہ (معہ اہل و عیال) صبح کی گاڑی سے لاہور تشریف لے گئے اور لاہور سے شریک قافلہ ہو گئے۔ اس طرح جماعت مبلغین کی تعداد گیارہ تک پہنچ گئی۔ [2] ۔ الفضل ۱۸/۱۹ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء۔ الفضل ۱۴ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء ص ۷ و ۸۔

[3] ۔ الفضل ۱۷ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

دائیں سے بائیں ۔۱۔ حافظ قدرت اللہ صاحب ۔۲۔ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ ۔۳۔ ملک عطاء الرحمٰن صاحب ۔۴۔ شیخ عبدالطیف صاحب ۔۵۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس ۔۶۔ ملک کرم الٰہی صاحب ظفر ۔۷۔ چوہدری ظہور احمد صاحب باجوہ ۔۸۔ سید سفیر الدین احمد صاحب ۔۹۔ چوہدری محمد اسحٰق صاحب ساقی ۔۱۰۔ مولوی محمد عثمان صاحب

مرزا منور احمد صاحب واقف زندگی مبلغ امریکہ کی قادیان دارالامان کے اسٹیشن سے روانگی
(بائیں طرف دروازہ میں سید عبدالباسط صاحب کارکن خدام الاحمدیہ مرکزیہ کھڑے ہیں)

تبلیغ کے لئے جاتا ہے ۔ اس کے علاوہ انہیں مغربی رسم و رواج اور مغربی طرزِ زندگی سے بھی آگاہی حاصل کرنی ہے ۔
مسجد کے امام مولوی جلال الدین شمس سیکھوانی نے "گلوب" کے نمائندے سے بیان کیا کہ ہمارے خیال میں اسلام کو یہ بہت بڑا موقع ملا ہے کہ یورپ میں امن بحال کرے ۔ جنگ نے یورپ کا کچومر نکال دیا ہے ۔
ہمارے مبلغ پُرامن طریقوں سے اسلام کے نصب العین اور نظریوں کی تبلیغ کریں گے ۔ کتابیں تقسیم کی جائیں گی اور تقریریں ہوں گی ۔ مختلف انجمنوں سے وابستگی کا سلسلہ قائم کرکے تبادلہ خیال ہوتا رہے گا ۔ مغربی مصنفوں نے ہمارے مذہب کو غلط پیش کیا ہے ۔ ہم نے اس کے خلاف بھی مصروف جہاد ہونا ہے اہلِ مغرب نے اسلام کو غلط سمجھا ہے ۔ اب ہمارا یہ کام ہے کہ ہم اسلام کی صحیح تصویر پیش کریں ۔
جماعت احمدیہ کا صرف یورپین شعبہ ہی اپنی سرگرمیوں کو تیز تر نہیں کر رہا بلکہ کرۂ ارض کے طول و عرض میں مبلغ بھیجے جا رہے ہیں ۔ ایک احمدی تبلیغی وفد سید سفیر الدین بشیر احمد کی زیر قیادت مغربی افریقہ جانے والا ہے ۔
پٹنی کی مسجد میں تربیت کا انتظام مسٹر مشتاق احمد باجوہ کے سپرد ہے جو حال ہی میں قادیان سے یہاں پہنچے ہیں ۔ آپ امام جلال الدین شمس کے جانشین ہوں گے جو مراجعت فرمائے قادیان ہو رہے ہیں
رائٹر نے خبر دی کہ :-
"لورپول سے بارہ احمدی مبلغین کی ایک جماعت کل بہت رات گئے لورپول سے لندن پہنچی اور پٹنی کی مسجد میں تبلیغی نقشہ تیار کر رہی ہے ۔ یہ حضرات ہندوستان سے "سٹی آف الگزینڈر" جہاز میں لورپول پہنچے تھے ۔ مسجد پٹنی کے امام اس جماعت کے تیرھویں ممبر ہیں ۔ یہ تیرہ کے تیرہ مسجد کے خوشنما صحن میں چہل قدمی کرتے رہے اور تجویزیں مرتب کرتے رہے ۔ یہ حضرات انگلستان میں چھ مہینے گزاریں گے اور یورپ کی زبانیں سیکھیں گے ۔ انہیں تین سال یورپ میں گزارنے ہوں گے اس کے بعد وہ قادیان واپس چلے جائیں گے اور ان کی جگہ اور لوگ آ جائیں گے ۔ اس جماعت کا سب سے کم عمر رکن مسٹر چوہدری (۲۲ سال) اور سب سے بڑے کی عمر ۴۴ سال ہے ۔ یہ سب کے سب احمدی ہیں اور ان کی آمد سے برطانی جرائد نگاروں کے لئے دلچسپی کا نیا سامان پیدا ہو گیا ہے ۔ ان کا لباس خوشنما ہے اور ان کے سروں پر سفید اور سبز پگڑیاں بھلی معلوم ہوتی ہیں ۔" ؎[1]

؎[1] :- بحوالہ الفضل ۱۹ صلح ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۹ کالم ۳-۴ ؛

مصر کے اخبارات میں ذکر

مصر کے مشہور اور ممتاز مجلّہ "اخبار العالم" ۶ر فروری ۱۹۳۶ء نے ان مجاہدین اسلام کے تین فوٹو شائع کئے۔ اور "مسلمانان ہند کا وفد لنڈن میں" کے عنوان سے لکھا:۔

"گذشتہ ماہ جنوری کے آغاز میں انگلستان میں ہندوستان سے ایک اسلامی تبلیغی وفد پہنچا ہے تاکہ وہ اہل یورپ اور انگلستان کو دین اسلام کے متعلق علم دے سکے۔ اس وفد کے ممبران مسلمانان پنجاب کی ایک جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس ہندوستانی تبلیغی وفد نے مسجد لنڈن کی زیارت کی اور مولانا شمس صاحب امام مسجد لنڈن نے اُن کو اھلاً وّسھلاً وّ مَرحبا کہا۔ ہم اسی صفحہ پر بعض تصاویر جو وفد کے قیام لنڈن کے دوران لی گئی ہیں شائع کر رہے ہیں۔

سب سے اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس تبلیغی وفد میں سے ایک گروپ اٹلی جائیگا اور دوسرا فرانس کو۔ اور تیسرا جرمنی اور چوتھے گروپ کا قیام برطانیہ میں ہی ہوگا۔ یہ یقینی امر ہے کہ اس تبلیغی وفد کی قابل رشک مساعی سے اہل یورپ اسلام کو شناخت کر سکیں گے"۔ اسکے بعد تین فوٹو مختلف مناظر کے دیئے۔

دوسرا جریدہ اخبار "الیوم"۔ "التبشیر بالاسلام فی اوربا" کے عنوان سے لکھتا ہے:۔

"یورپ میں تبلیغ اسلام" لنڈن (یورپ) میں تیرہ مسلمانان ہند تشریف لائے ہیں۔ اُن کے آنیکا مقصد اہل یورپ کو جنہیں مادیات نے بالکل تباہ و برباد کر دیا ہے تبلیغ اسلام کرنا ہے۔ یہ وفد مخلص نوجوانوں پر مشتمل ہے جو اپنے مذہب کے شیدائی اور عاشق ہیں اور دین اسلام کے پھیلانے میں بڑے دلیر۔ اس وفد کے ممبران میں سب سے بڑی عمر والا ۴۴ سال کا ایک فرد ہے باقی سب اس سے چھوٹی عمر کے ہیں۔

سب سے پہلے لنڈن میں ان کا ورود ہوا۔ یہاں ان کا قیام چھ ماہ ہوگا۔ اس دوران میں وہ یورپ کی اہم زبانوں کی تعلیم حاصل کریں گے۔ بعد ازاں وہ دو دو اور تین تین افراد کی پارٹیوں میں تقسیم ہو کر یورپ کے مختلف اطراف میں تبلیغ اسلام کریں گے۔ سب سے پہلے ایک پارٹی سپین میں جائیگی۔ وہ سپین جس کے اکثر باشندوں میں ابھی تک عربی خون باقی ہے اور جو ہمیشہ اس بات کا ذکر کرتے رہتے ہیں کہ ان کے آباء و اجداد دین اسلام پر قائم تھے۔ یہ وفد بطور مہمان کے اس وقت مولانا شمس صاحب امام مسجد لنڈن کے ہاں مقیم ہے۔ مولانا شمس ایک ہندوستانی عالم ہیں اور علوم اسلامیہ کے فاضل۔ آپ کا برطانیہ میں قیام تبلیغ اسلام کی خاطر ہے۔ آپ کی مساعی سے بعض انگریزوں نے مذہب اسلام قبول کیا ہے جن میں سے بعض اچھے

اور مشہور ادیب ہیں ۔

مولانا شمس نے بیان دیتے ہوئے فرمایا یورپ کو مذہب کی سب سے زیادہ ضرورت ہے تاکہ یورپ اپنا علاج کر سکے ۔ اور اپنے مضطرب قلب کو تسکین دے سکے ۔ اس مقصد کی انجام دہی کے لئے اسلام اپنے اندر بہت بڑی طاقت رکھتا ہے جس کا مقصد دنیا کو امن کے راستہ پر چلانا ہے ۔ اور ان مبلغین کا کام یہی ہوگا کہ وہ اسلامی عقائد کی تفصیل اور اغراض بیان کریں ۔

یورپ کے مذہبی اداروں نے اس تحریک کے متعلق خاص اہتمام کا اظہار کیا ہے ۔ جس کی مثال سابقہ زمانے میں نہیں پائی جاتی اور اس خوف و خدشہ کا اظہار کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اہل یورپ میں کثیر تعداد مذہب اسلام قبول کر لے ۔ کیونکہ اس وقت اکثر لوگوں کا عقیدہ (عیسائیت) تبدیل ہو چکا ہے ۔ یہاں تک کہ انگلش چرچ بھی اس امر پر مجبور ہو رہا ہے کہ وہ اہل برطانیہ میں مسیحیت کی تبلیغ قائم رکھنے کے لئے دس لاکھ پاؤنڈ خرچ کرے ۔

ایک معزز انگریز پادری نے مجھے کہا کہ میں ہر اس تحریک کو خوش آمدید کہتا ہوں جو کسی دینی عقیدہ کے اختیار کرنے کی طرف دعوت دیتی ہو ۔ کیونکہ میں ہمیشہ اسلامی فیلسوف ابن رشد کے اس نفیس قول کو یاد رکھتا ہوں کہ :-

"دیندار انسان کا اعتماد کر ۔ اگرچہ وہ تمہارے عقیدہ پر نہ ہو ۔ اور بے دین انسان کا اعتماد نہ کر ۔ اگرچہ وہ یہ دعویٰ کرتا ہو کہ میں تمہارے مذہب پر قائم ہوں ۔"

جامعہ ازہر میں بھی اس تبلیغی وفد کی وجہ سے ہلچل پیدا ہوئی اور لکھا گیا کہ یہ کام دراصل ہمارا ہے ۔ گو ظاہری الفاظ میں تو جماعت احمدیہ کے متعلق اظہار نہیں کیا گیا ۔ مگر حقیقت شناس اصحاب سے یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا ۔ چنانچہ مصر کے مشہور ادبی مجلہ "الرسالۃ والروایۃ" (۲۴ مارچ ۱۹۴۶ء میں) احمد الشرباصی المدرس بالازہر الشریف کا ایک مکتوب بنام "الاستاذ الاکبر شیخ الجامع الازہر" شائع ہوا اس میں آپ نے رئیس الازہر کی خدمت میں واضح طور پر لکھا کہ ازہر کا ایک فرد بھی تبلیغ اسلام کی خاطر بیرون مصر نہیں بھیجا گیا ۔ حالانکہ یہ کام جامعہ ازہر سے زیادہ تعلق رکھتا ہے بہ نسبت دوسری جماعتوں کے ۔ چنانچہ مفصل خط میں سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے ۔ علامہ

موصوف نے لکھا:۔

"اما الأزهرُ الشريفُ الّذي يحتاجُ الى البعاثِ اكثرَ مِن غيرِهٖ فلم نرَ مِن ابنائهٖ فرداً واحداً يُرسَلُ الى الخارجِ في بعثتهٖ مِنَ البعثاتِ"

یعنی ازہر شریف کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ضرورت ہے کہ وہ بیرون مصر تبلیغی وفد بھیجے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جامعہ ازہر سے ایک فرد بھی باہر نہیں بھیجا جاتا"۔

پھر لکھا:۔

"اِنَّ الأزهريّينَ في امسِ الحاجةِ الى دراستِهِ اللغاتِ الأجنبيّةِ وَالى الوُقوفِ على شبهِ المستشرقينَ وَالمُلحِدِينَ لِيُدفَعُوا عن دينِهِم وَالى مَعرِفَةِ الْوانِ الحياةِ الإجتماعيةِ وَالثقافيّةِ عندَ الغربيّين۔"

یعنی طلباء ازہر کو اجنبی زبانیں سیکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ نیز مستشرقین و ملحدین کے اعتراضات معلوم کرنے کی بھی، تاکہ جامعہ ازہر کے طلباء دین اسلام پر ہونیوالے اعتراضات کا جواب دے سکیں۔ اور اہل مغرب کی ثقافت۔ تمدن اور سوشل زندگی کی معلومات حاصل کر سکیں۔

پھر حسرت بھرے الفاظ میں اس خط کو ان الفاظ پر ختم کیا:۔

"فمتٰى يتمكّنُونَ مِن تحقيقِ هٰذهِ الأهدافِ"۔

اہل ازہر کب اس مقصد اور غرض کو حاصل کر سکیں گے! (ترجمہ) [1]

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب کی اہم تقریر جلسہ سالانہ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے موقعہ پر۔

۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کا پورا سال اشتراکیت کے خلاف قلمی و علمی جہاد کا سال تھا۔ جس میں جماعت احمدیہ کے اہل قلم اصحاب نے اپنے محبوب امام ہمام کی زیر ہدایت اشتراکیت کی حقیقت کو بے نقاب کرنے کی مخلصانہ جدوجہد کی۔ اس سلسلہ میں پہلی بار سالانہ جلسہ کے موقعہ پر ایک خاص تقریر "اشتراکیت کے اقتصادی اصول کا اسلامی اقتصادی اصول سے موازنہ" کے اہم موضوع پر رکھی گئی۔ جو حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب نے جلسہ کے دوسرے دن (۲۷ ماہ فتح/دسمبر کو) ارشاد فرمائی۔

حضرت صاحبزادہ صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تقریر کے آغاز میں بتایا کہ اشتراکیت صبح کاذب ہے جو صبح صادق

---

[1] الفضل ۱۱ مئی ۱۹۴۶ء صفحہ ۵۔ (ملخص از مضمون جناب شیخ نور احمد صاحب منیر مبلغ بلاد عربیہ)۔

کے آنے کی خوشخبری دیتی ہے جس کے سامنے صبح کاذب کا وجود نہیں ٹھہر سکتا۔ اس بنیادی نقطہ کی وضاحت کے بعد آپ نے کارل مارکس کے معاشی نظریہ مساوات کے مندرجہ ذیل سات اصول کا تذکرہ فرمایا :۔

۱۔ پیداوار اور ذرائع پیداوار پر قبضہ۔ ۲۔ طاقت کے مطابق کام۔ ۳۔ ضرورت کے مطابق آمد۔

۴۔ نفع ممنوع اور سود جائز۔ (۵) ورثہ ناجائز۔ (۶) نظام زر کی تباہی۔ (۷) شخصی ملکیت کا خاتمہ۔

حضرت صاحبزادہ صاحب نے ان میں سے ایک ایک اصول کو لیا اور پھر واقعات سے ثابت کیا کہ یہ سب اصول بُری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔

مارکس نظریہ اور اس کے مبادیات کا واقعاتی اور عقلی جائزہ لینے کے بعد آپ نے اسلامی اقتصادیات کے اہم اصولوں پر مفصل روشنی ڈالی اور اس ضمن میں سب سے پہلے بتایا کہ اسلام میں مساوات کی صحیح تعریف یہ ہے کہ ضروریات زندگی کے حصول میں سب مساوی ہوں اور ان کے جسمانی اور دماغی قوٰی کو کمال تک پہنچانے کے سامان مہیّا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے نہایت شرح و بسط سے غلامی کا انسداد، نظامِ وراثت کا قیام اور سود، احتکار، قیمتیں گرانے یا کم قیمت پر مال خریدنے کی ممانعت وغیرہ متعدد اسلامی اصولوں پر روشنی ڈالی اور اس نقطہ پر خاص طور پر زور دیا کہ اسلامی اقتصادیات میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ایک بین الاقوامی تمدن کی بنیاد رکھتی ہے۔ دنیا میں آج تک کوئی اقتصادی تحریک جاری نہیں ہوئی جسے صحیح معنوں میں بین الاقوامی کہا جا سکتا ہو۔ سرمایہ داری اور امپریلزم کے ملکی ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ اشتراکیت جسے لوگ بین الاقوامی تحریک سمجھتے ہیں اور جس کا کبھی خود بھی یہی دعوٰی تھا بین الاقوامی تحریک نہیں سمجھی جا سکتی۔ اس لئے کہ آج اشتراکیت۔ روسی اشتراکیت کا نام ہے اور روسی اشتراکیت کے مقاصد میں سے یہ ایک مقصد نہیں کہ دنیا میں اشتراکیت کو قائم کیا جائے۔ مارچ ۱۹۳۶ء میں جب مسٹر آر۔ ہاورڈ نے سٹالن سے یہ سوال کیا۔ کہ کیا سوویٹ یونین نے عالمگیر اشتراکی انقلاب کے ارادے اور اس کا پروگرام اب چھوڑ دیا ہے؟ تو سٹالن نے جواب دیا کہ دنیا میں اس قسم کا انقلاب پیدا کرنے کا ہمارا کبھی بھی ارادہ نہ تھا۔ (سوویٹ یونین ۱۹۳۶ء صفحہ ۵۱)...... اسلام اس کے برعکس بوجہ ایک مذہبی تحریک ہونے کے ملک ملک، نسل نسل اور قوم قوم میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ اسلام عالمگیر تبلیغ اور اشاعت کی بنیادوں پر قائم ہے اور اسلام کا یہ دعوٰی ہے کہ جس طرح وہ اپنے پہلے دور میں دُنیا کے بہت سے ممالک میں پھیل گیا اور ایک شاندار بین الاقوامی برادری اُس نے قائم کی اپنے دَورِ ثانی میں بھی وہ تمام دُنیا پر چھا جائیگا۔"

حضرت صاحبزادہ صاحب کی یہ اہم تقریر مندرجہ ذیل پرشوکت الفاظ پر ختم ہوئی :۔

"دراصل احمدیت کا آخری ٹکراؤ اشتراکی روس کے ساتھ مقدر ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے لکھا ہے کہ زار روس کا عصا میرے ہاتھ میں آگیا ہے۔ اشتراکی نظام میں یقیناً یہ خوبی ہے کہ وہ سرمایہ داری کی بھیانک تصویر کے خلاف ایک بھاری ردّ عمل ہے مگر پنڈولم کی حرکت کی طرح وہ دوسری انتہا کی طرف نکل گیا ہے اور شائد سرمایہ داری سے بھی زیادہ خطرناک بننے والا ہے"۔ [1]

فصل چہارم

۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں انتقال کرنیوالے مشہور اور جلیل القدر صحابہ

اس سال جن صحابہ نے انتقال کیا ان میں سب سے نمایاں شخصیت حضرت نواب محمد علی خانصاحب کی تھی جن کے حالات پر اس باب کے شروع میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اب ذیل میں دوسرے جلیل القدر صحابہ کا ذکر کیا جاتا ہے:۔

۱۔ حضرت مرزا محمد شفیع صاحب محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان:۔

(ولادت ۱۸۷۲ء اندازاً - بیعت تحریری سنہ ۱۹۰۱ء - وفات ۱۷ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء [2]) - دہلی میں پیدا ہوئے اور اپنی تعلیم اپنے ماموں حکیم فدا محمد صاحب طبیب شاہی مہاراجہ جموں و کشمیر کے زیر تربیت جموں میں حاصل کی۔ اور اسی زمانہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ سے نیاز حاصل ہوئے۔ سلسلہ احمدیہ سے آپ کا تعارف حضرت حکیم انوار حسین صاحب آف بلب گڑھ کے والد ماجد کے ذریعہ ہوا اور آپ نے ان سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصانیف لے کر مطالعہ کیں اور سنہ ۱۹۰۱ء میں بیعت کرلی۔ آپ کا نام بیعت کنندگان کی فہرست میں اخبار الحکم ۱۰ رجون سنہ ۱۹۰۱ء کے صفحہ ۱۶ پر درج ہے۔ آپ ان دنوں جگادھری ضلع انبالہ میں پوسٹماسٹر تھے۔ سنہ ۱۹۰۳ء میں آپ پہلی بار قادیان میں تشریف لائے اور سیدنا حضرت مسیح موعود کی زیارت سے فیضیاب ہوئے اور پھر بالالتزام ہر سالانہ جلسہ پر آتے رہے۔

---

[1] :۔ تقریر کا مکمل متن الفضل (۳-۴ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء) میں درج ہے ۔ [2] :۔ الفضل ۱۸ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

حضرت مرزا محمد شفیع صاحب موصوف کو سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر کا بہت شوق تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام کتب اور خلفاء کی کتابیں آپ نے پڑھی ہوئی تھیں۔ آپ کا معمول تھا کہ جو کتاب نئی شائع ہوتی فوراً خرید لیتے اور جب تک اُسے ختم نہ کر لیتے آپ کو چین نہ آتا تھا۔ کتب حضرت مسیح موعود کے علاوہ اُس مبارک زمانہ میں شائع ہونے والے اخبارات اور رسائل کا بھی باقاعدگی سے مطالعہ کیا کرتے تھے اور اپنی اولاد کو ہمیشہ تاکید فرماتے رہتے تھے کہ سلسلہ کے لٹریچر کا مطالعہ کیا کرو۔ یہ تمہیں بہت فائدہ دے گا۔

سلسلہ احمدیہ، حضرت مسیح موعود، حضرت مصلح موعود، حضرت امّ المومنین اور دیگر افراد خاندان حضرت مسیح موعود سے آپ کو غایت درجہ محبّت و عقیدت تھی اور اُن کی خدمت اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ جب آپ پہلے دہلی میں مقیم تھے تو خاندان مسیح موعود کے اکثر افراد کی خدمت آپ ہی انجام دیتے تھے۔ پھر جب ۱۹۲۳ء میں قادیان ہجرت کر کے تشریف لے آئے تو اپنی اس روایت کو پوری شان سے جاری رکھا قادیان میں آپ نے یکم جنوری ۱۹۲۴ء سے اپریل ۱۹۳۲ء تک بحیثیت آڈیٹر کام کیا اور اس کے بعد وفات تک محاسب صدر انجمن احمدیہ کے عہدہ پر فائز رہے اور اس کام کو قابلِ رشک طریق پر نہایت عمدگی سے نبھایا۔

۱۳۱۹ہش/۱۹۴۰ء میں آپ پر نمونیہ کا حملہ ہوا۔ پھر گُردے کی تکلیف ہوگئی۔ دو دفعہ موتیا بند کا اپریشن کرانا پڑا اور ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں حبس البول کی تکلیف میں بھی مبتلا ہو گئے۔ جس کے علاج کے لئے ۱۸/ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو دہلی[1] تشریف لے گئے اور ہسپتال میں داخل ہو گئے۔ ہسپتال میں داخل ہونے سے لیکر وفات تک قریباً پندرہ بیس دفعہ اپنے فرزند مرزا منور احمد صاحب (مجاہد تحریک جدید) کو تاکید فرمائی کہ "دیکھو مرزا جیناؔ ہر ایک کے ساتھ ہے اگر میں مرجاؤں تو مجھے ہرگز یہاں امانتاً دفن نہ کرنا بلکہ قادیان لے جانا اور اگر خدا نخواستہ لیجانے میں کوئی روک ہو یا باوجود کوشش کے کوئی انتظام نہ ہو سکے تو پھر حضرت صاحب سے پوچھ کر امانتاً دفن کرنا۔ اور پھر لگے رہنا جب تک کہ مجھے قادیان نہ پہنچا دینا۔"

آخر خدا کی مشیّت پوری ہو کر رہی اور ۱۰/صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو آپ دہلی میں ہی انتقال فرما گئے ۱۹/صلح/جنوری

---

[1] آپ نے دہلی روانہ ہونے سے دو روز قبل اپنے ہاتھ سے مندرجہ ذیل وصیّت لکھی تھی:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ چونکہ میں اپریشن کیلئے دہلی جا رہا ہوں اور زندگی کا انحصار نہیں اس لئے یہ یادداشت تحریر کرتا ہوں میں ایمان لاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود، مہدی مسعود نبی اللہ ہیں۔ اے اللہ میری وفات اُن کی غلامی میں ہو اور میں مقبرہ بہشتی میں دفن ہو جاؤں۔ یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے۔ مرزا محمد شفیع ۱۶/۱۰/۴۴"۔

کو آپ کی نعش قادیان پہنچائی گئی اور حضرت مصلح موعود نے بعد نماز جمعہ ایک بڑے مجمع کے ساتھ مدرسہ احمدیہ کے صحن میں جنازہ پڑھایا اور کندھا دیا اور آپ قطعہ خاص بہشتی مقبرہ میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ [1] و [2]

۲۔ چوہدری بدرالدین صاحب آف راہوں ضلع جالندھر محلہ دارالبرکات قادیان سابق مبلغ ساندھن ضلع آگرہ:۔

(بیعت و زیارت ۱۹۰۵ء ۔ وفات ۹/اخاء/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء) [3]

چوہدری صاحب نے یکم دسمبر ۱۹۳۷ء کو اپنے حالات قلمبند کئے جن میں لکھا:۔

"یہ خاکسار آریہ سماج کے زہریلے اثر سے پورے طور پر متاثر ہو چکا تھا۔ ۱۹۰۳ء کے قریب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور لیکھرام کے مباہلہ کے ذریعہ سے زندہ ہو کر ۱۹۰۵ء تک احمدیہ لٹریچر کا مطالعہ کر کے بیعت میں داخل ہوا۔ حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہونے کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے اور حضرت اقدس علیہ السلام کے خوش ہونے کا کونسا ذریعہ ہے؟ مولوی صاحب ممدوح نے فرمایا کہ میں تو ذریعہ پوچھنے سے ہی خوش ہو گیا اور حضرت صاحب کو بار بار خط لکھنا ان کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ اس لئے میں نے حضرت کے حضور بے شمار خط لکھے بعض دفعہ ہفتہ میں چار پانچ خط تحریر کرتا تھا۔ میں نے یہ کام جب تک قادیان میں نہیں پہنچا حضرت اقدس علیہ السلام اور حضرت خلیفہ اوّل کے حضور برابر خط لکھنے کا جاری رکھا.... میں ۱۹۱۳ء سے قادیان میں ہوں اب تک صدر انجمن کے مختلف شعبوں میں کام کرتا رہا ہوں اور اس وقت یکم دسمبر ۱۹۳۷ء کو ساندھن علاقہ آگرہ کا انچارج مبلغ ہوں۔" [4]

۳۔ حضرت حافظ محمد الدین صاحب ساکن چہور مغلیاں (چک ۱۱، متصل سانگلہ ہل):۔

وفات:۔ ۱۷/ماہ احسان ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء) [5]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے حضرت حافظ صاحب کے جنازہ غائب کے موقعہ پر فرمایا:۔

---

[1] ۔ مرزا منور احمد صاحب مجاہد تحریک جدید نے اپنے والد ماجد کے مفصل حالات لکھے تھے جو الفضل ۲۹-۳۰/امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں شائع شدہ ہیں اس سلسلہ میں متن اور حاشیہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اسے اس مضمون کا ملخص سمجھنا چاہیئے۔

[2] ۔ حضرت مرزا محمد شفیع صاحب کی اولاد (۱) امۃ اللطیف صاحبہ حرم حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب و والدہ ماجدہ حضرت سیدہ ام متین صاحبہ (۲) مرزا محمد احمد صاحب مرحوم (۳) مرزا احمد شفیع صاحب (شہید ۱۳/ستمبر ۱۹۴۷ء) (۴) رشیدہ بیگم صاحبہ زوجہ مرزا عزیز احمد صاحب آف لاہور۔ (۵) مرزا منور احمد صاحب مبلغ امریکہ (۶) امۃ المجید صاحبہ اہلیہ محمد اسمٰعیل صاحب بقاپوری کراچی۔ [3] الفضل ۱۰/امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۲ + [4] روایات صحابہ" جلد ۱ صفحہ ۱۳۲ [5] ایضاً روایات صحابہ جلد ۷ صفحہ ۹۸-۱۰۱۔ نرینہ اولاد:۔ چوہدری عطاء اللہ صاحب۔ چوہدری قمرالدین صاحب۔ چوہدری جمال الدین صاحب۔ [5] الفضل ۲۰/احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱۔

”حافظ محمد الدین صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پُرانے صحابی تھے اور مخلص احمدی تھے“۔

آپ کے داخل احمدیت ہونے کی موجب پنجابی اشعار کی ایک کتاب ” سچ بیان“ تھی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر اتنے پُر اثر رنگ میں کیا گیا تھا کہ آپ نے فوراً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر لی۔ آپ کے ذریعہ چک چھور میں ایک مخلص جماعت قائم ہو گئی آپ کے علم وتقویٰ کا غیر احمدیوں پر بھی بہت اثر تھا اور وہ آپ کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب نے ۲ر اپریل ۱۹۰۶ء کو وصیت کر دی تھی۔ آپ کا وصیت نمبر ۴۸ تھا۔ جونہی حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر چک چھور میں پہنچی۔ آپ نے محض اپنی فراست وبصیرت کی بناء پر اپنے خدا کے حضور سیّدنا محمود کی بیعت کا اقرار کیا۔ اور اس وقت تک چین نہ آیا جب تک دوسری اطلاع نہیں مل گئی کہ جماعت نے حضور کو ہی خلیفہ چنا ہے۔ حضرت حافظ صاحب شہادت/اپریل ۱۳۲۰ ہش ۱۹۴۱ء میں عارضہ فالج میں مُبتلا ہوئے۔ اور ۱۷ر احسان/جون ۱۳۲۴ ہش ۱۹۴۵ء کو سرسام بھی ہو گیا اور چند گھنٹوں میں خالق حقیقی سے جا ملے اگلے روز آپ کے فرزند قریشی محمود احمد صاحب؎۱ شام کی گاڑی سے نعش لاہور سے قادیان لائے اور دوسرے دن صبح بہشتی مقبرہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔؎۲

۴۔ ابو المنظور حضرت مولوی حاجی محمد دلپذیر صاحب بھیروی :۔

بیعت :۔ قریباً ۱۹۰۵ء؎۳ ۔ وفات ۱۸ر احسان/جون ۱۳۲۴ ہش ۱۹۴۵ء؎۴

ڈاکٹر منظور احمد صاحب بھیروی اپنے والد ماجد کی سوانح پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔

” آپ کا نام والدین نے محمد امین رکھا تھا۔ بچپن میں جب آپ کریما پڑھا کرتے اور آپنے یہ شعر پڑھا ؎

زباں تا بُوَد در دہاں جائے گیر ٭ ثنائے محمد بود دلپذیر

تو اس وقت آپ نے ارادہ کیا کہ اگر مجھے بھی شعر کہنا آجائے تو مَیں اپنا تخلص دلپذیر رکھوں گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ نے شعر وشاعری میں وہ کمال حاصل کیا کہ پنجابی زبان میں آپ سے پہلے شعراء

؎۱ :۔ حال ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور۔ آپ ایک عرصہ تک قائد مجلس لاہور کے کامیاب فرائض انجام دیتے رہے ہیں ٭

؎۲ :۔ الفضل ۹ر وفا/جولائی ۱۳۲۴ ہش ۱۹۴۵ء صفحہ ۶ ٭

؎۳ :۔ سنہ بیعت کی تعیین حضرت مولوی صاحب کے مندرجہ ذیل تحریری پیغام سے کی گئی ہے :۔

” قادیان ۲۸ ۱۲ ۴۵ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے عرصہ چالیس سال سے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوا ہوں اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے تمام دعاوی کی تصدیق کرتا ہوں اور آپ کو سچا مانتا ہوں آپ لوگوں کو بھی چاہیئے کہ مان لیں یہ وقت غنیمت ہے“۔ فقط (دستخط) محمد دلپذیر بھیروی مصنف کتاب گلزار یوسف وغیرہ۔ (مطبوعہ الفضل ۱۹ر فروری ۱۹۴۶ء صفحہ ۱) ٭ ؎۴ :۔ الفضل ۶ر تبلیغ ۱۳۲۵ ہش ۱۹۴۶ء صفحہ ۵ ٭

ہیں اتنا سلیس اور اتنا دلچسپ رنگ کسی نے پیدا نہیں کیا۔ آپ کا نام پنجاب میں اتنا مشہور اور معروف ہے کہ بچہ بچہ جانتا ہے اور پنجاب کے لوگ جہاں جہاں بھی گئے آپ کی تصانیف بھی وہاں پر پہنچیں۔ چنانچہ عرب میں بھی جہاں اس زبان کو کوئی جانتا تک نہیں جب آپ پہلی مرتبہ ۱۳۳۶ھ/۱۹۲۱ء میں حج کعبہ سے مشرف ہونے کے لئے گئے تو جتنے دن وہاں رہے وہ پنجابی احباب جو خاص مکہ میں سکونت قائم کر چکے تھے صبح و شام برابر دعوتیں کرتے رہے۔ انہوں نے صرف تصانیف کے ذریعہ سُنا ہوا تھا کوئی ذاتی واقفیت نہ تھی۔ آپ نے اس سارے سفر اور حج کے احکام کو پنجابی نظم میں لکھا جو رہنمائے حج کے نام سے شائع ہو چکی ہے اور دوسری دفعہ ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء میں صرف زیارت مدینہ کے لئے گئے کیونکہ پہلی دفعہ وہاں حاضر نہ ہو سکے تھے۔ اس سفر اور مدینہ طیبہ کے حالات کو جنہیں آپ نے گلزار مدینہ کے نام سے ایک کتاب منظوم میں مفصل لکھا ہے۔ وہ بھی چھپ چکی ہے۔ آپ نے ایک سو سے اُوپر کتابیں نظم میں لکھی ہیں اور آج تک کسی پنجابی شاعر کی اسقدر تصانیف ثابت نہیں۔ قریباً ستّر سال آپ نے قلم چلایا۔ آپ کی جسقدر بھی تصانیف ہیں سب کی سب مذہبی تعلیم کی کتابیں ہیں۔ مسلمانوں کی دنیاوی اور دینی بہبودی کو ہر تصنیف میں آپنے مدِّنظر رکھا۔ شرک اور بدعت کو ہر رنگ میں قوم سے دُور کرنے کی کوشش کی ہے۔

آپ نے قرآن کریم کی آیات کی بناء پر خطبات جمعہ اور عیدین مرتب کرکے پنجابی نظم میں پہلی بار پیش کئے۔ اس سے پہلے کسی نے نہیں کئے اور وہ خطبات اسقدر رائج ہوئے کہ پُرانی طرز کے خطبے اب بالکل مفقود ہیں اور آپ کے ہی خطبات غیر احمدی علماء اکثر مساجد میں پڑھ کر سنایا کرتے ہیں۔

سارے قرآن کریم کی تفسیر بھی آپ نے پنجابی نظم میں لکھی ہے جو پنجاب کے بچے اور بچیوں کے لئے نہایت مفید ہے اور یہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تعلیم کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے صحابہ میں سے تھے۔ حضور کی زندگی میں کئی کئی دن قادیان میں آکر رہا کرتے۔ آپ پہلی دفعہ قادیان میں اُس وقت آئے جب حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ جموں سے قادیان آگئے تھے۔ حضرت خلیفہ اوّل رضؓ آپ کی والدہ صاحبہ کے رضائی بھائی تھے اور آپکے والد صاحب کے شاگردوں میں سے تھے۔ ماں بیٹا قادیان میں حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

ملنے کے لئے آئے اور بیعت کرکے واپس گئے۔ بعد میں کئی بار قادیان میں حضور کی زندگی میں آئے اور کئی کئی دن حضور کی صحبت میں رہے اور جلسہ سالانہ پر بھی ضرور اہتمام کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ملاقات کرنے کے سوا واپس نہ جاتے۔ آپ نے آخری وقت میں حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں آخری سلام عرض کرنے کی وصیت فرمائی جو حضور کی خدمت میں پہنچا دیا گیا۔

آپ کا وعظ اور آپ کی تصانیف غیر احمدیوں میں بہت ہی مقبول ہوئیں۔ آپ ہمیشہ تصانیف، وعظوں اور ملاقاتوں میں ایسے رنگ میں احمدیت کا ذکر کرتے کہ جسے لوگ شوق سے سن لیا کرتے"[1]

ابوالمنظور حضرت مولوی محمد دلپذیر صاحبؓ کا پیدا کردہ پنجابی لٹریچر:۔

معجزات محمدی۔ کامن النساء (اوّل۔ دوم)۔ خوان یغما۔ گلزار محمدی۔ گلزار یوسف۔ شرح دیوان حافظ۔ کشف غطا۔ تفسیر پارہ عم۔ شرح کبریت احمر۔ درود داروا حی[2]۔ احوال الآخرت۔ نماز مترجم منظوم پنجابی۔ سیہرفی مسیح دی۔ اقبال مہدی۔ وفات نامہ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ۔ دربار مہدی۔ اسلامی شادی معہ تردید رسومات خلنہ۔ شہادت نامہ شہید فی سبیل اللہ حضرت مولوی نعمت اللہ خانؓ مبلغ احمدی۔ جینڈڑی۔ نیزہ احمدی (اوّل۔ دوم)۔ حق آوازہ۔ فقیر دی صدا۔ فریاد اسلام۔ ڈھنڈورہ احمدی۔ گلزار بصیرہ۔ خیال دلپذیر۔ گلزار مکّہ۔ رقعات دلپذیر۔ تفسیر ترجمۃ القرآن (۱ تا ۱۰ پارہ)[3]۔ مورکھ سیدھ۔

۵۔ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگلپوری:۔

(ولادت ۱۲۷۹-۸۰ھ / ۱۸۶۲-۶۳ء۔ بیعت ۱۹۰۱ء۔ وفات ۲۰ ظہور / اگست ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء[4])

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب نے مڈل اسکول پورینی (ضلع بھاگلپور) سے ۱۸۷۵ء میں مڈل ورنیکلر کا

---

[1] :۔ الفضل ۶ تبلیغ / فروری ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء۔ صفحہ ۵:

[2] :۔ ان سب کتابوں کا تذکرہ حضرت مولوی صاحبؓ نے اپنی کتاب منظوم "احوال الآخرت" صفحہ ۱۷۲-۱۷۳ پر فرمایا ہے: احوال الآخرت کا سن تصنیف شوال ۱۳۱۶ھ مطابق فروری۔ مارچ ۱۸۹۹ء ہے اور اسے سب سے پہلے ملک ہیرا تاجر کتب کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا تھا۔ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولوی صاحب اس وقت تک سلسلہ احمدیہ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ گو انہوں نے اس میں کھلے لفظوں میں لکھا کہ چاند سورج گرہن کا نشان رمضان ۱۳۱۱ھ میں آنحضرت کی پیشگوئی کے عین مطابق پورا ہو چکا ہے (صفحہ ۲۸ طبع اوّل): [3] :۔ رسالہ "واذا الصحف نشرت" صفحہ ۲۰-۲۳ مرتبہ جناب میاں عبدالعظیم صاحب تاجر کتب قادیان۔

[4] :۔ الفضل ۶ اخاء / اکتوبر ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۶:

امتحان پاس کرکے گورنمنٹ اسکالرشپ حاصل کیا۔ درس نظامیہ میں عربی تعلیم کی تکمیل حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی سے کی۔ بعد ازاں ۱۹۰۱ء میں علامہ شبلی نعمانی کے ذریعہ (جو مولانا صاحب کے زمانہ طالبعلمی کے دوست تھے) علی گڑھ کالج میں بعہدہ ڈین[1] (DEAN OF FACULTY) مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۴ء میں بھاگلپور کالج کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اور ۱۹۳۸ء میں ریٹائر ہو کر اپنے وطن مالوف موضع پورینی میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور کی خبر آپ کو مولوی حسن علی صاحب بھاگلپوری محمڈن مشنری سے ملی تھی۔ داخل احمدیت ہونے کے بعد آپ کو مولوی محمد علی کانپوری ثم مونگیری سے سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کئی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ جن میں "مرآۃ العربیہ" "القواعد" اور "القائے ربانی" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ موخرالذکر کتاب مولوی محمد علی صاحب کی کتاب "فیصلہ آسمانی" کے جواب میں ہے اور ایک بیش قیمت تصنیف اور قابل قدر چیز ہے۔

حضرت مولوی صاحب کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آپ کی دختر نیک اختر سارہ بیگم صاحبہ کو اپریل ۱۹۲۵ء میں اپنی زوجیت کا شرف بخشا[2]۔

۶۔ حضرت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب پنشنر محلہ دارالعلوم قادیان۔ وطن مالوف دھرمکوٹ رندھاوا ضلع گورداسپور

(وفات: ۲۰ ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء[3])

حضرت ڈاکٹر صاحب احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی جیتی جاگتی تصویر اور بہترین نمونہ تھے۔ اپنی شکل و شباہت۔ اخلاق و عادات، غریب پروری اور غیروں سے حسن سلوک کی وجہ سے آپ کی پوری زندگی مجسم تبلیغ تھی۔ کیپٹن کے عہدہ پر ممتاز ہونے کے باوجود آپ کا لباس بالکل سادہ تھا، سر پہ پگڑی، لمبا کوٹ، سیدھا پاجامہ اور پاؤں میں دیسی جوتی۔ ایک بار مکیریاں ضلع ہوشیارپور میں تبلیغ کے لئے گئے تو مخالفین نے آپ پر گند پھینکا اور بہت زدوکوب کیا۔ جب آئے تو ڈاکٹر ملک ممتاز احمد خانصاحب نے افسوس کا اظہار کیا فرمانے لگے۔ "ایہہ ماراں تے گالیاں کیتھوں"۔ یعنی یہ ماریں اور گالیاں کہاں۔ حالانکہ تکلیف سخت تھی اور ماتھے اور آنکھ کی چوٹیں سامنے نظر آ رہی تھیں[4]۔

حضرت شاہ صاحب کیمبل پور میں بھی کیپٹن کے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز رہے۔ یہاں بھی آپ کو محض احمدیت کے باعث اذیتیں دی گئیں۔ مگر آپ نے احمدیت کا ایسا عمدہ نمونہ دکھایا کہ لوگ آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ آپ نے بلامعاوضہ

---

[1]۔ شعبہ کا سربراہ۔ [2]۔ الفضل ۲۳ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص۴ (ملخصاً از مضمون محمد احسان الحق صاحب آف پورینی ضلع بھاگلپور)۔ [3]۔ الفضل ۲۱ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص۱ کالم ۲۔

[4]۔ الفضل ۱۴ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص۳۔

ہر کس و ناکس کو دن رات چوبیس گھنٹوں میں کُلی اجازت دے رکھی تھی کہ جس وقت بھی ضرورت پڑے آجائیں۔ آپ کے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی چوہڑا بھی آپ کے پاس حاضر ہوا تو اُس کو بھی آپ کہکر نہایت پیاری اور محبت سے لبریز آواز سے مخاطب فرماتے تھے۔ انجمن احمدیہ کیمل پور ہسپتال سے تین میل کے فاصلہ پر تھی اور پھر رستہ خراب تھا مگر آپ صبح، عصر اور شام کی نماز کے لئے پا پیادہ بلا ناغہ تشریف لے جاتے۔ اور ہر قابل امداد کی امداد اس کو علم دیئے بغیر لگا تار کرتے رہتے تھے۔ کبھی اُونچی نظر اُٹھا کر نہ دیکھتے۔ غرباء سے اُن کا حسن سلوک انتہائی عمدہ تھا۔ کیمل پور کی احمدیہ جماعت ان کو فرشتہ شاہ صاحب کے نام سے یاد کیا کرتی تھی۔ آپ کی آمد سے کیمل پور کی جماعت میں پھر سے زندگی کے نمایاں آثار پیدا ہو گئے۔ [۵]

۷۔ حضرت میاں خدا بخش صاحب گوندل نمبردار موضع کوٹ مومن ضلع سرگودھا:۔

(وفات ۱۴/۱۵ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)

علاقہ کریانہ بار کے اوّلین صحابہ میں سے تھے اور حافظ قرآن تھے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی کتابوں خصوصاً آپ کی تفسیر کبیر کے مطالعہ کا خاص التزام فرماتے اور رات کا بیشتر حصّہ نوافل کی ادائیگی اور تلاوت کلام الٰہی میں بسر ہوتا تھا۔ آپ موصی بھی تھے اور احمدیت اور نظام خلافت سے والہانہ محبّت رکھتے تھے۔ حضرت مصلح موعود نے وقف جائیداد کی تحریک فرمائی تو آپ نے حضور کی خدمت میں لکھا:۔

"میرے مکرم و مرشد سیّدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ حضور کے غلام نے آپ کا خطبہ جمعہ مورخہ ۱۸ ربیع الاوّل کا کل مورخہ ۲۳/۳ کو پڑھا۔۔۔۔ آپ کا اعلان خدا تعالیٰ کے دین کے لئے جائیدادیں وقف کرنے کی تحریک پڑھکر دل کو اس قدر خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ میری جائیداد قریب قریب اس وقت بوجہ جنگ کے دو لاکھ کی ہے (۲۰۰۰۰۰/- روپیہ) میں خدا کے دین کی اشاعت کے لئے بسم اللہ کرکے وقف کرتا ہوں۔ یہ جائیداد کیا چیز ہے میرا سر بھی اس کام کے لئے حاضر ہے۔۔۔۔ تابعدار میاں خدا بخش نمبردار کوٹ مومن تحصیل بھلوال ضلع شاہ پور سرگودھا۔"

۲۴ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو آپ نے اپنی زرعی زمین سے ایک کنال کا رقبہ صدر انجمن احمدیہ کے نام رجسٹری کرا دیا اور اس میں مسجد احمدیہ کی تعمیر شروع کی مگر اُدھر یہ مسجد پایۂ تکمیل تک پہنچی اِدھر واپسی کا بلاوا آگیا۔ اپنی زندگی کے آخری

[۵] الفضل ۱۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۳ و ۴۔

دن جمعہ کی نماز ادا کر کے دوستوں کو تاکید کی کہ سالانہ جلسہ کے بابرکت ایام قریب آرہے ہیں۔ چندہ جلسہ جلد سے جلد ادا کر دیا جائے نیز مجھ سے بھی جلد وصول کر لیا جائے۔ یہ چندہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادہ میاں گل محمد صاحب بی۔اے (داماد میاں محمد شریف صاحب ریٹائرڈ ای۔اے۔سی نے ادا کر دیا۔ [1]

۸۔ حضرت سیٹھ شیخ حسن صاحب یادگیر ضلع گلبرگہ حیدرآباد دکن:۔

(ولادت ۱۲۵۱ھ ۱۸۳۵-۳۶ء) ؛ (بیعت قریباً ۱۸۹۹ء) ؛ (وفات ۷/ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش ۱۹۴۵ء بمقام مدینہ منورہ) [2]

حضرت سیٹھ صاحب حضرت مولوی میر محمد سعید صاحب حیدرآبادی کے ذریعہ داخل احمدیت ہوئے۔ قبول حق سے قبل پنجوقتہ نماز کے بھی عادی نہ تھے مگر احمدی ہونے کے بعد آپ میں ایسا زبردست روحانی انقلاب پیدا ہو گیا کہ بقول مؤرخ احمدیت حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی آپ زمرہ ابدال میں شامل ہو گئے۔ زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں آپ کو تین بار زیارت قادیان کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور حضرت اقدس کی پاک صحبت سے فیض اٹھانے کا موقعہ ملا۔ آپ کا معمول مبارک تھا کہ آپ حضرت مسیح موعود کے زمانہ سے کثرت سے غیر احمدیوں کو اپنے اخراجات پر قادیان لے جایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ نے تھوڑے ہی عرصہ بعد یکے بعد دیگرے دینی تعلیم کے لئے قادیان کو طلباء کے دستے بھیجنے شروع کر دیئے اور ان کے ہر قسم کے اخراجات کی ذمہ داری خود قبول فرمائی اور اس سلسلہ میں پہلے طالبعلم عبدالکریم صاحب ولد عبدالرحمٰن صاحب یادگیر تھے جو حضرت مسیح موعود کے معجزہ شفایابی کے زندہ نشان بنے اسی طرح مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مولوی فاضل یادگیری بھی اسی زمرہ میں شامل تھے جو پوری عمر خدمت سلسلہ کے لئے وقف رہے۔ نیز سیٹھ معین الدین صاحب چنتہ کنٹہ بھی!

حضرت عرفانی نے "حیات حسن" میں اُن ۵۱ طلبہ کی فہرست دی ہے جنکو حضرت سیٹھ صاحب نے قادیان میں تعلیم دلوائی نیز تحریر فرمایا ہے۔ کہ

> "سلسلہ کی تاریخ میں یہ سنہری الفاظ میں لکھا جائیگا اور اس کی کوئی نظیر سلسلہ کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ کہ ایک شخص واحد نے وقت واحد میں قریباً پچاس طالبعلموں کے تمام اخراجات کی ذمہ داری لے کر اُن کو دینی تعلیم کے لئے بھجوایا ہو"۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کو حضرت سیٹھ حسن کے جذبات ایثار و سلسلہ کے لئے قربانی اور فدائیت کا اس قدر یقین تھا کہ حضور سلسلہ کی اہم مالی ضروریات کے لئے بنفس نفیس آپ کو مخاطب فرماتے اور اپنے قلم

---

[1] ۔ الفضل ۸/صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش ۱۹۴۶ء صفحہ ۔ الفضل ۱۱/ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش ۱۹۴۶ء صفحہ ۸ ؛

[2] ۔ الفضل ۲۶/ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ ؛

سے خطوط لکھتے تھے۔ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے نے "اصحاب احمد" جلد اوّل میں حضور کے متعدد اہم مکتوبات کا چربہ دیا ہے۔

آپ کو تبلیغ سلسلہ کا بے پناہ جوش اور شوق تھا۔ آپ نے ۱۹۱۹ء سے یادگیر میں سالانہ جلسوں کی بنیاد رکھی۔ پہلا جلسہ آپ نے اپنے کارخانہ چاند مارک بیڑی واقعہ محلہ دستگیر پیٹھ میں کیا۔ جلسوں کا یہ سلسلہ اب تک نہایت کامیابی سے جاری ہے۔ ان جلسوں کی ایک بھاری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بعض اخص صحابہ بھی شرکت فرما چکے ہیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب، حضرت حافظ روشن علی صاحب، حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔ حضرت شیخ محمد یوسف صاحب مدیر "نور"۔ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر۔ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب کٹکی وغیرہ۔ حضرت سیٹھ صاحب ان سالانہ جلسوں کو اپنے لیے اور اپنے خاندان کے لئے یوم عید سمجھتے تھے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے۔ "مومن کی عید یہی ہے کہ وہ خدا کے پیغام کو پہنچائے۔ یہی اس کی خوشی کا دن ہے"۔ آپ نے سلسلہ کی اشاعت اور عوام میں مذہبی اور علمی مذاق پیدا کرنے کے لیے یادگیر کے بازار میں ایک شاندار احمدیہ لائبریری بھی قائم کی۔ احمدیہ لیکچر ہال اور احمدیہ مہمان خانہ تعمیر کرایا۔ یادگیر اور چنتہ کنٹہ میں مساجد بنوائیں۔ تبلیغ سلسلہ کے لئے آپ نے ایک انتظام یہ بھی فرمایا کہ ۱۹ مقامات پر اپنے کارخانہ کی شاخیں قائم کیں اور ان کارخانوں کے انتظام و اہتمام کے لئے سب ملازم احمدی مقرر کئے تاکہ وہ اپنے حلقہ اثر میں سلسلہ کی تبلیغ کریں۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں بعض جگہ نئی جماعتیں بھی قائم ہو گئیں جن میں چنتہ کنٹہ ضلع محبوب نگر دکن کی جماعت بھی ہے۔ جو بجائے خود ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ اڈیکر (ضلع محبوب نگر) کرنول (صوبہ مدراس) کی تمام جماعتیں آپ کی تبلیغ سے قائم ہوئیں۔ سیٹھ محمد حسین صاحب یفیت کنٹہ (آپ کے برادر نسبتی) اور حضرت سیٹھ محمد غوث صاحب (آپ کے چچیرے بھائی) آپ ہی کے اثر سے شامل احمدیت ہوئے۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام، خلفائے احمدیت و علمائے سلسلہ کی تالیفات خرید کر تقسیم کر دیتے تھے اور مرکزی اخبارات کی اعانت کے لئے ہمیشہ آمادہ رہتے۔ دینی کتب کے مصنفین کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ سینکڑوں قرآن شریف اور دوسری دینی کتابیں غرباء اور ناداروں میں مفت تقسیم کیں۔

حضرت سیٹھ صاحب عمر بھر سلسلہ احمدیہ کی ہر تحریک میں نہایت کشادہ دلی اور انشراح صدر کے ساتھ نمایاں اور سرگرم حصہ لیتے رہے۔ مئی ۱۹۴۳ء میں اپنی جائیداد کے دسویں حصہ کی وصیت فرمائی۔ نیز مجاہدین تحریک جدید میں بھی شامل ہوئے اور اس مالی جہاد میں قریباً چار ہزار ایک سو چھیاسی روپے پیش کئے۔ اس کے علاوہ آپ نے

مندرجہ ذیل مرکزی تحریکات کیلئے بھی چندہ دیا ۔ مسجد نور، دار الضعفا[1] ۔ تحریک تراجم قرآن (پانچ ہزار روپیہ) کمرہ نور ہسپتال (پانچ سو روپیہ) مینارۃ المسیح (ایک سو روپیہ) ۔ مزید برآں آپ نے مقامی طور پر سلسلہ احمدیہ اور مفاد عامہ کے لئے بے دریغ اخراجات کئے ۔ جن سب کی مجموعی رقم حضرت عرفانی صاحب کے تخمینہ کے مطابق ۳ لاکھ ترپین ہزار تک جا پہنچتی ہے ۔ حضرت سیٹھ صاحب کو ایک بار تجارت میں لاکھوں روپے کا شدید نقصان ہوا ۔ مگر آپ نے اس مالی ابتلاء میں بے نظیر صبر و استقلال کا نمونہ دکھایا ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت دی کہ آپ فوت نہیں ہونگے جب تک آپ کی تجارت پہلے جیسی نہیں ہو جائے گی ۔ چنانچہ آپ نے اپنی وفات سے پہلے یہ آسمانی بشارت پوری ہوتی دیکھ لی۔

حضرت سیٹھ صاحب ۱۶/ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو اپنی زوجہ محترمہ رسول بی بی صاحبہ اور اپنے داماد مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل وکیل کے ہمراہ سفر حج پر تشریف لے گئے ۔ مرکز اسلام مکہ معظمہ (دام اللہ برکاتہا) میں آپ کا قیام رباط حسین بی میں تھا ۔ ایک مہینہ سے زائد مکہ مکرمہ میں رہے اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے ۔ قیام مکہ کے دوران اپنے داماد مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل وکیل سے فرمایا "اس مقام کے آدمی تو آدمی ہیں۔ جانور بھی پیارے لگتے ہیں ۔ کیونکہ یہ ہمارے رسول کی تخت گاہ میں بسنے والے جانور ہیں اگر ہو سکے تو ہمیں یہاں کے چھوٹے بڑے جانور ایک ایک ہندوستان لے جانے چاہئیں ۔ ابھی آپ مکہ معظمہ میں ہی فروکش تھے کہ بخار میں مبتلا ہو گئے ۔ اور نقاہت بھی بہت ہو گئی ۔ اسی حالت میں مدینہ منورہ کا سفر کیا ۔ اور مسجد نبوی کے قریب "رباط افضل الدولہ" میں مقیم ہوئے ۔ یہاں پہنچکر آپ کی بیماری تشویشناک صورت اختیار کر گئی ۔ بیماری کے دوران فرمایا کہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیر یا جمعہ کو جاؤں گا ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ مدینۃ النبی میں پہنچنے کے تیرھویں دن مورخہ ۱۲ محرم ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۹۴۵ء بروز پیر انتقال فرما گئے ۔ اور جنت البقیع میں حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے پیچھے اور سیدنا حضرت عثمانؓ کے مزار مبارک کے قریب دفن کئے گئے ۔ اس طرح سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کا ایک جلیل القدر صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں پہنچ گیا ۔ حضرت سیٹھ شیخ حسن صاحب برصغیر کے پہلے صحابی ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی قرب کا یہ اعزاز نصیب ہوا ۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم ۔

حضرت سیٹھ صاحب مستجاب الدعوات، شب بیدار اور صاحب کشف ورؤیا بزرگ تھے، سادگی اور

---

[1] ۔ حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ عنہ نے اپنے منظوم سفرنامہ مطبوعہ ۱۹۱۹ء میں یادگیر پہنچنے اور سیٹھ صاحب کے چندہ دینے کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے ۔

انکساری میں یکتائے روزگار اور جرأت و غیرت[1] میں نابغۃ الدھر۔ آپ کی زندگی غرباء پروری اور خدمت خلق کا ایک مثالی نمونہ تھی اور آپ اکثر اوقات صدقات و خیرات مخفی طور پر دینے کے عادی تھے۔ ہمیشہ یہی فرماتے کہ یہ میری دولت نہیں بلکہ یہ خدا کے فضلوں کی دولت ہے یہ اسی کی ہے اور اسی کے بندوں پر خرچ ہونی چاہیئے۔

حضرت سیٹھ صاحب کی وفات ایک عظیم قومی المیہ تھا جس کو جماعت احمدیہ کے افراد ہی نے محسوس نہیں کیا۔ بلکہ غیر احمدی اور غیر مسلم طبقوں نے بھی اس پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور اس بلند پایہ شخصیت کو زبردست خراج تحسین ادا کیا۔[2]، [3]۔

۹۔ حضرت حاجی میاں محمد موسیٰ صاحب نیلہ گنبد لاہور:۔

(ولادت ۱۸۷۲ء[4] (بیعت ۱۹۰۲ء)۔ وفات ۲۴ ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء[5])

حضرت حاجی صاحبؓ اپنے قبول احمدیت کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

"بیعت کرنے سے چھ سات ماہ پہلے میں قادیان گیا اس وقت میرے رشتہ داروں نے وہاں پر جانے کی سخت مخالفت کی تھی اور مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں وہاں پر جاکر مرزا صاحب کے گھر سے کوئی کھانا نہ کھاؤں اور نہ ہی بیعت کروں .... قادیان میں جاکر میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ سے ملا اور حضور علیہ السلام کی ملاقات بھی ہوئی اور حضور سے مصافحہ کیا اور کچھ باتیں بھی کیں جواب زیادہ زمانہ گذر جانے کی وجہ سے یاد نہیں رہیں۔ تین نمازیں بھی حضور کے ہمراہ مولوی عبدالکریم صاحب کی اقتدا میں پڑھیں مجھ پر اس وقت آپ کی صداقت کا بہت اثر ہوا گو میں نے اپنے رشتہ داروں سے وعدہ کرنے کی وجہ سے بیعت نہ کی.... چھ سات ماہ کے بعد میں نے حضرت صاحب کی خدمت میں لکھا کہ عام لوگوں کے لئے آپ کی صداقت کا معلوم کرنا

---

[1]:۔ اس سلسلہ میں سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدرآبادی کا بیان کردہ ایک واقعہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے نے "اصحاب احمد" جلد اوّل صفحہ ۲۲۴ پر لکھا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

[2]:۔ حضرت سیٹھ صاحب کی نرینہ اولاد سیٹھ محمد عبدالحی صاحب (مرحوم) سیٹھ محمد الیاس صاحب (امیر جماعت احمدیہ یادگیر)۔

[3]:۔ حضرت سیٹھ صاحب کے مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو (۱) حیات حسن (مؤلفہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی) مطبوعہ اسلامی پریس بازار نور الامراء حیدرآباد دکن یوم النحر ۱۳۷۰ھ مطابق ستمبر ۱۹۵۱ء۔ (۲) اصحاب احمد جلد ۱ (مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے) مطبوعہ ۱۹۵۱ء مطبع گیلانی لاہور۔

[4]:۔ "تاریخ احمدیت لاہور" صفحہ ۲۹۶۔ مرتبہ حضرت شیخ عبدالقادر صاحبؓ۔ مطبوعہ فروری ۱۹۶۶ء۔

[5]:۔ الفضل ۲۵ ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

بہت مشکل ہے آپ قسم کھا کر تحریر فرما دیں کہ آپ وہی مسیح موعود ہیں جن کی دنیا کو انتظار ہے۔ اس پر حضور نے اس لفافہ کی پشت پر تحریر فرمایا کہ میں وہی مسیح موعود ہوں جن کا وعدہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ خاکسار مرزا غلام احمد بقلم خود۔ یہ خط جب یہاں پہنچا تو مجھے منشی محبوب عالم صاحب نے آواز دے کر کہا کہ آپ کا خط آگیا ہے میں وہ خط لیکر اندر گیا اور اپنے اہل و عیال کو صاف صاف کہدیا کہ میں اب بیعت کرنے لگا ہوں۔ اگر کسی کو عذر ہو تو وہ اس وقت بیان کر دے۔ یا وہ علیحدہ ہو جائے چنانچہ میری بیوی اور بچوں نے سب نے اس وقت بیعت منظور کر لی اور میں نے سب کی طرف سے خط لکھدیا۔ میری والدہ صاحبہ زندہ موجود تھیں مگر وہ اس وقت لاہور میں نہ تھیں انہوں نے پھر بعد میں بیعت کی اس کے بعد ... میں قریباً ایک ہفتہ کے بعد قادیان گیا ..... اس موقعہ پر میں وہاں پر چند روز ٹھہرا اور حضور علیہ السلام کی دستی بیعت بھی کی "[۱]

حضرت حاجی صاحبؓ ابتداء ہی میں نظام الوصیت میں شامل ہو گئے تھے اور جیسا کہ آپ کا بیان ہے آپ کی وصیت کا پہلا نمبر ۱۶ تھا مگر چونکہ اس کا چندہ دیر سے بھیجا گیا تھا اس لئے ۶۵ نمبر پر آپ کا نام لکھا گیا۔

ایک بار حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ کی دکان واقع نیلا گنبد پر بھی تشریف لائے۔ حضور کچھ دیر کھڑا رہنے کے بعد ایک کرسی پر دکان سے باہر رونق افروز ہوئے اور پانی نوش فرمایا۔ اس موقعہ پر حضرت حاجی صاحب نے حضور کی خدمت میں ایک پونڈ بھی پیش کیا جسے حضور نے دو ایک دفعہ عذر کرنے کے بعد قبول فرما لیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ ایک بار آپ لاہور سے قادیان گئے اور اپنے ہمراہ بستر نہ لے جا سکے۔ حضرت حافظ حامد علی صاحب کے ذریعہ سے حضور کو اطلاع پہنچی تو حضور نے اپنی رضائی انکو بھجوا دی۔ حضرت سیّدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی تقریب نکاح پر حضرت مسیح موعود نے لاہور سے جن مخلصین کو بلایا ان میں آپ بھی شامل تھے۔ ایک بار حضرت اقدس نے اپنے ایک کمرہ کی تعمیر کی نگرانی کا فریضہ بھی آپ کے سپرد فرمایا۔ آپ کو کئی دفعہ حضور کو دابنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔[۲]

حضرت حاجی صاحب کی زندگی کا ایک خاص واقعہ یہ بھی ہے کہ آپ نے ۱۹۱۵ء سے لیکر ۱۹۲۴ء تک کوشش کی کہ قادیان میں ریل جاری ہو جائے۔ اس کوشش میں آپکا قریباً بارہ تیرہ ہزار روپیہ صرف ہوا۔ آپ نے اس غرض کیلئے وندوٹ کالری کی لائن کی نیلامی پر بولی دی جو بارہ میل کی لائن تھی۔ ایسا ہی ایک دفعہ آگرہ کی طرف بھی بولی میں شامل ہوئے اور

---

[۱] :۔ "روایات صحابہ" جلد ۱۱ صفحہ ۸۰ (غیر مطبوعہ)۔

[۲] :۔ "روایات صحابہ" جلد ۱۱ صفحہ ۱۱ تا ۱۵ (غیر مطبوعہ) حضرت حاجی صاحب کی یہ خود نوشت روایات حضرت شیخ عبدالقادر صاحب نے "تاریخ احمدیت لاہور" صفحہ ۲۹۶ تا صفحہ ۳۰۱ میں بھی شائع فرما دی ہیں۔

اسکے بعد ڈپٹی کمشنر گورداسپور اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے پاس بھی بارہا دفعہ پہنچے اور اس لائن کے لئے سوال اُٹھایا۔ بلکہ ایک انجنیئر ساتھ لے کر سری گوبندپور تک سروے بھی کیا اور باقاعدہ نقشہ تیار کر دادیا۔ ایک تجویز یہ بھی کی کہ ایک کمپنی جاری ہو جسکے حصہ دار ہوں اور وہ اس ریلوے کو جاری کر دیں آخر جب اس قسم کی درخواست ریلوے بورڈ میں دی گئی تو جواب ملا کہ یہ منصوبہ خود ہمارے زیر تجویز ہے اور اس کا نمبر ۱ مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس پر آپ نے ذاتی جدوجہد ترک کر دی۔ کیونکہ آپ کا مقصد کسی منافع کا کمانا نہیں تھا بلکہ ریل جاری کرانا تھا۔ چنانچہ تین سال کے بعد قادیان میں ریل جاری ہو گئی۔ چنانچہ جب امرتسر سے قادیان کی جانب پہلی گاڑی چلنے لگی تو اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج تمہاری کوشش کامیاب ہو گئی۔ [۱]

حضرت حاجی صاحب نے تحریک جدید کی مالی قربانی میں بھی حصّہ لیا۔ چنانچہ "تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین" کی فہرست کے صفحہ ۲۴۲ پر آپ کے چندہ کی تفصیل درج ہے۔ [۲]

۱۰۔ حضرت حافظ نور محمد صاحب آف فیض اللہ چک :۔

(ولادت ۱۸۴۵ء (اندازاً) ؛ (بیعت ۲۱ ستمبر ۱۸۸۹ء) ؛ (وفات ۲۷ ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)؛

حضرت حافظ صاحب سلسلہ احمدیہ کے دَورِ اوّل کے بہت ممتاز بزرگوں میں تھے۔ آپ کو ۱۸۸۴ء سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے اور برکت حاصل کرنے کا فخر حاصل تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کا نام "آئینہ کمالات اسلام" کی فہرست میں ۷۶ نمبر پر اور ضمیمہ انجام آتھم" کی فہرست میں ۵۸ نمبر پر درج فرمایا ہے۔ اسی طرح حضور کے اشتہارات مورخہ ۲۴ فروری و ۷ مارچ ۱۸۹۵ء میں بھی آپ کا ذکر ملتا ہے۔[۳] ۲۵ ستمبر ۱۹۰۵ء کو آپ ۲۶۷ نمبر پر وصیّت کر کے نظام الوصیّت سے وابستہ ہوئے۔ فیض اللہ چک اور اس کے نواحی دیہات میں اشاعتِ احمدیت کیلئے آپ نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آپ پر بہت شفقت فرماتے یہاں تک کہ ایک بار آپ کے گاؤں فیض اللہ چک میں بھی تشریف لے گئے۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی وفات پر جماعت فیض اللہ چک کے اکثر احباب کو ابتلا آگیا مگر حضرت حافظ صاحب نے فوراً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی بیعت کر لی۔ اور پھر دوسروں کو تبلیغ کرتے رہے۔ آخر خدا کے فضل سے دوسرے اکثر احباب بھی خلافت ثانیہ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ حضرت مصلح موعود کے مبارک وجود سے آپ کو بہت عقیدت تھی۔ حتّٰی کہ مرض الموت کے ایّام میں بھی

---

۱ :۔ روایات صحابہ جلد ۱۱ صفحہ ۱۲ ؛ ۲ :۔ حضرت حاجی صاحبؓ کی نرینہ اولاد۔ میاں عبدالمجید صاحبؓ (صحابی) میاں عبدالماجد صاحب (صحابی)۔ میاں محمد احمد صاحب۔ میاں محمد یحییٰ صاحب۔ میاں مبارک احمد صاحب۔ ("تاریخ احمدیت لاہور" صفحہ ۳۰۱-۳۰۲)؛

۳ :۔ "تبلیغ رسالت" جلد ہفتم صفحہ ۳۷-۴۴ ؛

جب ہوش آتا تو اپنے بیٹے جناب شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر سابق (اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل) سے دریافت فرماتے کہ حضور کی طبیعت کیسی ہے اور اپنی شدید تکلیف کے دوران بھی حضور کی صحت کے لئے دعائیں کرتے رہے۔

ایک لمبے عرصہ سے تمام دنیاوی مشاغل ترک کر کے اپنی زندگی تعلیم القرآن کے لئے وقف کر دی تھی۔ نماز فجر کے بعد سے لیکر عشاء کی نماز کے بعد تک مختلف لوگوں کو قرآن مجید مع ترجمہ و تفسیر پڑھاتے۔ جو خود نہ آسکتے خود اُن کے گھر پر تشریف لے جاتے اور اس کے لئے کسی معاوضہ کے خواہاں نہ تھے[1]

مندرجہ بالا مشہور صحابہ کے علاوہ حسب ذیل صحابہ نے بھی اس سال وفات پائی:-

(۱) بابو محمد رشید صاحب ریٹائرڈ ماسٹر۔ وفات ۳ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء[2] (۲) میاں محمد وارث صاحب متوطن بھڑی شاہ رحمان ضلع گوجرانوالہ (بیعت و زیارت ۱۹۰۵ء)[3] ہجرت اندازاً ۱۹۲۲ء۔ وفات ۸ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء بمقام قادیان)[4]۔ (۳) میاں غلام محمد صاحب خادم مسجد احمدیہ بٹالہ (تاریخ وفات ۱۳ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)[5]۔ (۴)۔ میاں روشن دین صاحب دارالرحمت قادیان (بیعت و زیارت ۱۹۰۲ء[6] وفات ۲۷ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)[7]۔ (۵) میاں عبدالرحیم صاحب سابق باورچی لنگرخانہ قادیان (وفات ۱۴ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)[8]۔ (۶) حکیم ہدایت اللہ صاحب محلہ دارالعلوم قادیان (وفات ۳۰ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)[9]۔ (۷) ملک امیر بخش صاحب لاہور (وفات یکم احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء بعمر ۸۲ سال)[10]۔ (۸) سید عبدالعزیز شاہ صاحب آف کاہنوواں (وفات ۱۳ ظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)[11]۔ (۹) چوہدری محمد ابراہیم صاحب ساکن گوہدپور ضلع سیالکوٹ۔ (بیعت ۱۹۰۳ء۔ وفات ۴ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)[12]۔ (۱۰) منشی غلام محمد صاحب مدرس تعلیم الاسلام ہائی سکول پنشنر محلہ دارالفضل قادیان بعمر ۸۲ سال قریباً (وفات ۲۱ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء)[13]۔

---

[1] الفضل ۲ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صہ۔ حضرت حافظ صاحب نے اپنے پیچھے دو بیٹے یادگار چھوڑے (۱) شیخ عبداللہ صاحب جو ۱۹۴۷ء کے فسادات میں شہید کر دیئے گئے۔ (۲) شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر آپ کی ولادت ۱۹۰۱ء میں ہوئی ۱۹۲۷ء میں مستقل طور پر قادیان آئے اور ادارہ الفضل سے منسلک ہو کر ایک لمبے عرصہ تک سلسلہ احمدیہ کی علمی اور انتظامی خدمات بجالاتے رہے اور ۱۹۵۰ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے متعدد خطبات و ملفوظات اور تقاریر آپکی کوشش سے سلسلہ کے لٹریچر میں محفوظ ہوئیں۔ مجلس مشاورت کی روئداد وں کے قلمبند کرنے میں بھی آپ حصہ لیتے رہے۔ نیشنل لیگ قادیان کے سرگرم ممبران میں سے تھے "مسلم نوجوانوں کے سنہری کارنامے" اور "سرفروشان اسلام" آپکی مشہور تالیفات ہیں۔ اوّل الذکر کتاب کے اب تک تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جن میں سے ایک انجمن ترقی اسلام حیدرآباد دکن نے چھاپا ہے۔ (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو اصحاب احمد جلد ۳ صہ۲۲۳ تا صہ۲۲۶ مؤلفہ جناب ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے)۔

[2] الفضل ۶ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صہ۱ [3] روایات صحابہ جلد ۵ صہ۱۲۱ [4] الفضل ۱۰ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صہ۱ کالم ۲

[5] الفضل ۱۵ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صہ۱ [6] " جلد ۸ صہ۹۳، صہ۹۴ میں آپ کے خود نوشت حالات درج ہیں [7] الفضل ۲۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صہ۱ کالم ۱ [8] الفضل ۱۵ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صہ۱ کالم ۲ [9] الفضل ۳ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صہ۱ کالم ۱

[10] الفضل ۳ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صہ۱ کالم ۲ [11] الفضل ۳ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صہ۱ کالم ۲ [12] الفضل ۶ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صہ۱ کالم ۲

[13] الفضل ۲۲ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صہ۱ کالم ۲

فصل پنجم

۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے متفرق مگر اہم واقعات

خاندان حضرت مسیح موعود میں خوشی کی تقاریب

۱۔ حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ۳۰ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو خطبہ جمعہ سے قبل مسجد نور میں صاحبزادہ مرزا خلیل احمد[1] صاحب۔ صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد[2] صاحب، صاحبزادی امۃ الحکیم صاحبہ[3] اور صاحبزادی امۃ الباسط[4] صاحبہ کے نکاحوں کا اعلان فرمایا جو بالترتیب صاحبزادی امۃ المجید[1] صاحبہ (بنت قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب)۔ سیدہ تنویر الاسلام[2] صاحبہ (بنت سید عبدالسلام صاحب سیالکوٹ)، سید داؤد مظفر[3] صاحب (ابن حضرت سید محمود اللہ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول) اور سید داؤد احمد[4] صاحب (ابن حضرت میر محمد اسحٰق صاحبؓ) کیساتھ ایک ایک ہزار روپیہ مہر کے عوض پڑھے گئے۔

اس تقریب پر حضور پُر نور نے ایک نہایت لطیف خطبہ ارشاد فرمایا[5]۔ جس میں فرمایا:۔

"نکاح انسانی زندگی کا سب سے اہم کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کے بارے میں استخارہ کرنے۔ غور و فکر سے کام لینے اور جذبات کی پیروی کرنے سے روکنے کی تعلیم دی ہے۔ اور آپ نے فرمایا ہے کہ نکاح ایسے رنگ میں ہونے چاہئیں کہ نیک اور قربانی کرنے والی اولاد پیدا ہو۔"

خطبہ نکاح کے آخر میں فرمایا:۔

"مَیں آج جن چند نکاحوں کا اعلان کرنے لگا ہوں ان میں سے چار میرے اپنے بچوں کے نکاح ہیں۔ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کو پورا کرنے کے لئے کہ

غموں کا ایک دن اور چار شادی
فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

یہ چار نکاح اکٹھے رکھے ہیں۔ یہ چار نکاح خلیل احمد، حفیظ احمد، امۃ الحکیم اور امۃ الباسط کے ہیں۔

---

[5] ۔ الفضل ۳۱ امان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱۔

ان میں سے تین کی والدہ فوت ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور اس کے قبضہ میں ہے کہ اس نے جس طرح ہمیں غموں کا ایک دن اور چار شادیاں دکھائی ہیں وہ ان کی روحوں کو بھی خوش اور مسرور کر دے۔ مَیں نے اپنے بچوں کے نکاحوں میں کبھی بھی اس بات کو مدّنظر نہیں رکھا کہ ان کے نکاح آسودہ حال اور مالدار لوگوں میں کیئے جائیں۔ اور مَیں نے ہمیشہ جماعت کے لوگوں کو بھی یہی نصیحت کی ہے مگر جماعت کے لوگ اس بات کی طرف چلے جاتے ہیں کہ انہیں ایسے رشتے ملیں جو زیادہ کھاتے پیتے اور آسودہ حال ہوں ہمیں ایسے رشتے ملے ہیں مگر ہم نے ان کو رد کر دیا۔ تاکہ ہمارا جو معیار ہے وہ قائم رہے ..... مَیں نے اپنے بچوں کی عمروں کی ترتیب کے لحاظ سے نام لئے ہیں اسی ترتیب کے لحاظ میں نکاحوں کا اعلان کرنا چاہتا ہوں"۔ [۱]

۲۔ میجر مرزا داؤد احمد صاحب (ابن حضرت مرزا شریف احمد صاحب) کے ہاں ۱۷ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو صاحبزادی امۃ الناصر کی ولادت ہوئی۔ [۲]

۳۔ نوابزادہ میاں عباس احمد خاں صاحب کا نکاح گذشتہ سال ۲۹ ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کو پڑھا گیا تھا۔ اس سال ۱۵ ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو آپ کی تقریب شادی عمل میں آئی جس میں صحابہ مسیح موعودؑ خصوصیت سے مدعو تھے۔ غرباء کی بھی ایک خاصی تعداد نے شرکت کی۔ مہمانوں کی تواضع کرنے میں حضرت مسیح موعود اور حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کے خاندان کے صاحبزادگان بھی شامل تھے۔ [۳]

المناک حادثہ

۲۳ ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو صاحبزادی قدسیہ بیگم صاحبہ (بنت مرزا رشید احمد صاحب) دریائے کنڈ اور ڈلہوزی کے درمیان ایک حادثہ میں اپنے مولا کو پیاری ہو گئیں اور اگلے روز حضرت مسیح موعود کے مزار کی چار دیواری میں دفن کی گئیں۔ مرحومہ کی عمر بیس سال کے قریب تھی، نہایت کم گو سنجیدہ مزاج تھیں۔ فوت ہونے سے پہلے اس کی جو آخری نماز ادا کی اس میں رقت کے ساتھ دعائیں کرتی رہی۔ [۴] حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اُن کے حادثہ انتقال پر ایک مفصل مضمون رقم فرمایا جو الفضل (۵ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء) میں شائع ہوا۔

ضلعوار نظام کے اوّلین امراء

ضلعوار نظام کے قیام کا فیصلہ پچھلے سال ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں کیا گیا تھا۔ امسال حضرت سیدنا المصلح الموعود نے آٹھ اضلاع میں حسب ذیل امراء کا تقرر فرما دیا:۔

۱۔ خان بہادر چودھری نعمت خاں صاحب ریٹائرڈ سیشن جج بیگم پور سڑوعہ (ضلع ہوشیارپور)

---

[۱]:۔ الفضل ۲۶ اپریل ۱۹۴۵ء صہ۳ کالم ۳ و ۴ ۔ [۲]:۔ الفضل ۸ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صہ۱ کالم ۱ ۔ [۳]:۔ الفضل ۱۷ ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صہ۵ ۔ [۴]:۔ الفضل ۲۵ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صہ۲ ۔

۲۔ چودھری فضل احمد صاحب اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز سرگودھا۔ (ضلع سرگودھا)۔

۳۔ پیر اکبر علی صاحب فیروزپور (ضلع فیروزپور)۔

۴۔ چوہدری عبدالمجید صاحب آف راہوں۔ (ضلع جالندھر)۔

۵۔ ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم بی۔اے۔ ایل ایل بی وکیل گجرات۔ (ضلع گجرات)۔

۶۔ خان بہادر نواب چوہدری محمد الدین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر۔ (ضلع سیالکوٹ)۔

۷۔ میر محمد بخش صاحب وکیل گوجرانوالہ۔ (ضلع گوجرانوالہ)۔

۸۔ شیخ فضل الرحمٰن صاحب اختر ملتان۔ (ضلع ملتان)[۱]۔

ضلعوار نظام کے یہ اوّلین امراء تھے جن سے اس نہایت مفید نظام کی ابتداء کی گئی۔ ان امراء نے اس تجربہ کو کامیاب بنانے کے لئے ایسی پُرخلوص جدوجہد فرمائی کہ اس کے عمدہ اثرات کو دیکھ کر آہستہ آہستہ بہت سی جماعتوں نے بھی اسے اپنا لیا۔

پنجاب حج کمیٹی میں احمدی ممبر

اس سال "پنجاب حج کمیٹی" نے اپنے ممبروں میں جماعت احمدیہ قادیان کے نمائندہ کی حیثیت سے خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب کو بھی شامل کیا[۲]۔

پوپ کو دعوتِ حق

مولوی عبدالقادر صاحب دانش دہلوی نے جو اٹلی میں جنگی خدمات کے سلسلہ میں مقیم تھے اس سال کے شروع میں پوپ سے ملاقات کی اور انہیں حضرت مسیح کی آمد ثانی کی اطلاع دی[۳]۔

---

[۱]:۔ الفضل ۱۲ صلح/جنوری ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔ [۲]:۔ الفضل ۲ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[۳]:۔ الفضل ۳ تبلیغ ۱۳۲۴ ہش صفحہ ۲۔ مولوی عبدالقادر صاحب دہلوی اس ملاقات کی تفصیل میں رقمطراز ہیں کہ:۔

"سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تحریک پر لبیک کہتے ہوئے بچاسوں نوجوان باہر جا چکے تھے۔ باعزت روزگار میسر آنے کی وجہ سے وہ مالی جہاد میں بھی حصہ لے رہے تھے۔ اور اسلام و احمدیت کی تبلیغ کے مواقع بھی میسر آئے تھے۔ مَیں نے ۱۹۴۱ء میں مولوی فاضل پاس کیا۔ اور اسی نظریہ کے تحت رائل انڈین آرمی سروس کور کے محکمہ سپلائی میں بھرتی ہو گیا۔ اور جلد ہی مصر چلا گیا۔ اور قاہرہ، اسکندریہ، طبروق، بن غازی، ٹریپولی، سفیکس، ٹیونس، فلسطین، لبنان، شام، یونان اور اٹلی کے ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اور سب ملکوں میں اسلام و احمدیت کا پیغام پہنچانے کی توفیق ملی۔ اٹلی پہنچ کر خیال آیا کہ پوپ کو بھی اسلام کی دعوت اور مسیح کی آمد ثانی کی خبر دینی چاہیئے۔ ۱۹۴۴-۴۵ء میں اٹلی میں قیام رہا۔ اس وقت دنیائے عیسائیت کے مذہبی رہنما پاپائے روم پیئس دوازدہم کارڈینل پیسلی پوپ کے عہدہ پر فائز تھے۔ پوپ کا شہر ویٹیکن بہت خوبصورت علاقہ ہے۔ اس میں بہت سے مشہور گرجے اور مقدس یادگاریں قائم ہیں۔ پوپ کا محل سات ہزار کمروں پر مشتمل ہے اور اس میں ایک وسیع و عریض نہایت شاندار ہال ہے۔ اس کے ساتھ ہی سینٹ ہال کا عظیم الشان چرچ ہے۔ جو اپنی زیبائش اور حضرت مسیح کی دیو قامت تصاویر اور ان کے حواریوں کے حالات و تاریخی واقعات تصویری زبان میں دیواروں پر منقش ہونے کے لحاظ

حضرت مصلح موعود کا اظہار خوشنودی۔ پیرکوٹ اور مانگٹ اُونچے میں کامیاب تبلیغی جدوجہد پر۔

حضرت مصلح موعود نے ہدایت دے رکھی تھی کہ ایسی جماعتوں میں جہاں بیعت کی رَو پیدا ہو جائے مرکز سے مبلغ بھجوایا جائے جو جماعت کے تعاون سے وہاں تبلیغ کرے۔ اس ارشاد کی تعمیل میں نظارت دعوت و تبلیغ قادیان نے مولوی سید احمد علی صاحب کو پیرکوٹ اور مانگٹ اونچے (ضلع گوجرانوالہ) کی جماعتوں میں بھجوایا ۔ شاہ صاحب وہاں تقریباً چودہ روز رہے اور ان کی زیر قیادت دونوں جماعتوں نے متحدہ طور پر اپنے غیر احمدی رشتہ داروں اور ارد گرد کے دیہات میں مستعدی سے تبلیغ کی جس کے نتیجہ میں بفضل اللہ ۱۹ انیس

بقیہ حاشیہ:۔ سے بے مثال ہے۔ اس زمانہ میں پوپ سوموار کو ہال میں آکر لوگوں کو خطاب کرتے اور پھر انہیں برکت دیتے ہوئے واپس محل میں چلے جاتے تھے۔ مَیں بھی سوموار کے دن ہال میں چلا گیا۔ جہاں ہزاروں لوگ پوپ کی آمد کا انتظار کرتے ہوئے پائے گئے۔ نہایت خاموشی کا عالم تھا۔ ہال میں بادشاہوں جیسا رعب اور ہیبت کا سماں تھا۔ سب لوگ بڑے ادب اور سلیقہ سے دیواروں کے قریب صف آراستہ تھے۔ اور ہال کا درمیانہ حصہ خالی چھوڑا ہوا تھا۔ کہ کیا دیکھتا ہوں کہ ہال کے ایک کونہ سے پادری نوجوان ایک تخت اٹھائے ہوئے آرہے ہیں جس پر پوپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ تخت کے دائیں بائیں اور آگے گارڈ آف آنر کے نوجوان مارچ کر رہے تھے۔ ہال کے عین وسط میں تخت فرش پر رکھا گیا۔ اور شریعت لئے ہوئے پادری دائیں بائیں اور بیچ میں پوپ چلنے شروع ہوئے اور آگے پہنچ کر پوپ کرسی نشین ہوگئے۔ پھر انہوں نے مائیک پر امن عالم کے متعلق تقریر کی۔ اور پھر دعا کے بعد پادریوں کے جھرمٹ میں پوپ صف آراستہ زائرین کے سامنے ہو کر گذرتے جارہے تھے۔ لوگ صرف ان کے ہاتھ کو چھو دیتے تھے اور اکثر لوگ نظریں نیچی کرے کھڑے ہوئے تھے۔ وہ پوپ کے جلال و ہیبت کی وجہ سے اس کی طرف دیکھ بھی نہ سکتے تھے۔ جب پوپ لوگوں کے سامنے سے گذرتے ہوئے میرے قریب پہنچے تو مَیں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں پوپ کا ہاتھ لے لیا۔ اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہوئے ان کو مخاطب کر کے انگریزی میں جو تقریر کی اس کا ملخص یہ ہے۔ کہ

> اسلام سچا مذہب ہے۔ یہی انسانیت کا نجات دہندہ ہے۔ میں آپکو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ مسیح نے اپنی دوبارہ آمد کا جو وعدہ کیا تھا۔ میں آپ کو خوشخبری دیتا ہوں۔ کہ اسکے مطابق وہ قادیان پنجاب انڈیا میں مبعوث ہو چکے ہیں۔ انہوں نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور مَیں ان کو ماننے والوں میں سے ہوں۔ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ اسلام قبول کریں۔ مسیح موعود پر ایمان لائیں۔ نجات پائیں گے؛

پوپ بڑے اطمینان سے کھڑے رہے اور توجہ سے میری تقریر سنتے رہے۔ جب میں تقریر ختم کر چکا تو پوپ نے پوچھا کہ کس ملک کے رہنے والے ہو۔ مَیں نے بتایا کہ ہندوستان کا رہنے والا ہوں۔ پوپ نے کہا۔ کہ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے پھر مَیں نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ دوسرے زائرین کی طرف بڑھ گئے۔ جب میں ہال سے باہر آیا۔ تو امریکہ اور برطانیہ کے بہت سے لوگ میرے گرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ اتنی جراُت کہ پوپ سے باتیں کیں۔ ہم تو اُن کے جلال کی وجہ سے آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے۔ مَیں نے اُن لوگوں کو بھی تبلیغ کی۔

قادیان سے لٹریچر منگوا کر امریکن اور برطانوی اور دوسرے یورپین ممالک کے باشندوں میں تقسیم کرتا تھا؛

بیعتیں ہوئیں جس پر حضور نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ [۱]

قائداعظم محمد علی جناح سے احمدیہ وفد کی ملاقات۔

۲۴ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کا واقعہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ سے کوئٹہ میں ایک احمدی وفد نے ملاقات کی۔ یہ وفد امیر جماعت احمدیہ کوئٹہ، مولوی ابوالعطاء صاحب، مولانا غلام احمد صاحب فرخ، حافظ قدرت اللہ صاحب، مرزا محمد صادق صاحب اور عطاء الرحمٰن صاحب طاہر پر مشتمل تھا۔ قائداعظم مسکراہٹ اور خندہ پیشانی سے قریباً ۱۵ منٹ تک بے تکلفانہ گفتگو فرماتے رہے۔ گفتگو کا زیادہ حصہ نئے انتخابات اور مسلم لیگ کی مساعی سے متعلق تھا۔ دوران گفتگو جماعت احمدیہ کا تذکرہ بھی ہوا۔ [۲]

مسجد احمدیہ سرینگر کے نزدیک سنیما ہال کی اجازت کے خلاف جلسہ سالانہ پر احتجاج

حکومت کشمیر نے مسجد احمدیہ سری نگر کے ساتھ ایک سنیما ہال کی تعمیر کی منظوری دیدی تھی۔ سالانہ جلسہ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء پر ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم بی۔اے۔ایل ایل۔بی پلیڈر نے ایک ریزولیوشن پیش کیا جس میں حکومت کے اس فیصلہ پر پُرزور صدائے احتجاج کیا گیا تھا۔ یہ ریزولیوشن بالاتفاق رائے پاس ہوا۔ [۳]

بیرونی مشنوں کے اہم واقعات

گولڈکوسٹ مشن:۔ اوائل ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں جماعت احمدیہ گولڈکوسٹ کی جنرل کانفرنس ایسیام ESSIAM مقام پر منعقد کی گئی جو بہت کامیاب رہی۔ کانفرنس کے دوران میں ایسیام کی احمدیہ مسجد کا افتتاح بھی عمل میں آیا یہ مسجد گولڈکوسٹ کی پہلی تمام احمدیہ مساجد میں بلحاظ وسعت سب سے بڑی تھی۔ [۴]

فلسطین مشن:۔ جماعت احمدیہ فلسطین کو اس سال ایک نہایت افسوسناک حادثہ سے دوچار ہونا پڑا۔ یعنی اُس کے ایک نہایت مخلص رکن الشیخ سلیم الربانی ۱۶ ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو داغ مفارقت دیگئے۔ مرحوم حیفا کے نزدیک ایطرہ کے رہنے والے تھے۔ یہ گاؤں احمدیت کی مخالفت میں مشہور ترین گاؤں تھا۔

---

[۱]:۔ نمایاں کام کرنے والے مقامی احمدیوں کے نام۔ حکیم محمد اسمٰعیل صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ بیرکوٹ۔ عبدالرحمٰن صاحب سیکرٹری تبلیغ بیرکوٹ۔ چوہدری جہان خاں صاحب امیر جماعت احمدیہ مانگٹ اونچے۔ چوہدری حیات محمد صاحب نائب امیر مانگٹ اونچے۔ (الفضل ۱۴ شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲۔ کالم ۱)۔

[۲]۔ الفضل ۵ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۱۔ [۳]۔ الفضل ۳۱ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۲۔

[۴]۔ الفضل ۵ ہجرت/مئی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵۔

الشیخ ربانی نے مولانا جلال الدین صاحب شمس کے وقت میں قبولِ احمدیت کی اور آخر تک نہایت اخلاص اور وفاداری سے عہد بیعت پر قائم رہے ۔ بہت جفاکش اور محنتی نوجوان تھے ۔ تقویٰ پرہیزگاری اور سلسلہ کے لئے غیرت میں اپنی مثال آپ تھے ۔ لوگ انہیں ولی اللہ سمجھتے تھے اور فی الواقع آپ ایک خدارسیدہ انسان تھے ۔ مولانا ابو العطاء صاحب سابق مبلغ فلسطین نے اُن کے انتقال پر الفضل کی ۳ رامان/مارچ ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کی اشاعت میں ایک مضمون لکھا جس میں بتایا ۔ کہ

" مجھے فلسطین میں قریباً ۴ ½ برس رہنے کا موقعہ ملا ہے اس عرصہ میں احمدیت کی اشاعت اور تبلیغ میں جس رنگ کا تعاون شیخ سلیم الربانی مرحوم نے پیش کیا وہ کبھی بُھلایا نہیں جا سکتا ۔ جب وہاں پر مدرسہ احمدیہ قائم کیا گیا تو میں نے اُن سے کہا کہ آپ اس مدرسہ میں پڑھانے کی خدمت سرانجام دیں تو انہوں نے اسے بلا چون وچرا منظور کیا حالانکہ مالی طور پر بھی انہیں اس میں خسارہ تھا ۔ سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے مرحوم کو عشق تھا اور آپ کی ہر تحریک پر لبیک کہنا سعادت سمجھتے تھے ۔ سلسلہ کے مبلغین سے انہیں اللہ تعالیٰ کے لئے محبت تھی اور مقدور بھر ان کی خدمت کرتے تھے ۔ بسا اوقات ایسا اتفاق ہوا کہ میں کسی جگہ جانے لگا ہوں تو وہ اپنا کام کاج چھوڑ کر بھی ساتھ ہو لیتے تھے اور اکثر کہتے تھے کہ مولوی صاحب آپ ان علاقوں میں اکیلے سفر نہ کریں ۔ کیونکہ آپ یہاں کے لوگوں کو نہیں جانتے ۔

الشیخ سلیم الربانی مرحوم جماعت کے کاموں میں چندہ دینے میں سبقت لے جانے والے مخلصین میں سے ایک تھے ۔ انہوں نے ہر جماعتی تحریک میں حصّہ لیا اور اپنی وسعت سے بڑھ کر حصہ لیا ۔ بلکہ بعض دفعہ تو مجھے اصرار سے انہیں کم چندہ دینے کے لئے کہنا پڑتا تھا ان کی زندگی متوکلانہ زندگی تھی ۔ اللہ تعالیٰ کا سلوک بھی ان کے ساتھ ایسا ہی تھا جیسا کہ اپنے پیارے بندوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے ۔ سلسلے کے لئے ہاتھ سے کام کرنے میں وہ لذت محسوس کرتے تھے ۔ مسجد محمود کبابیر کی تعمیر میں پورے شوق سے کام کرنیوالوں میں سے ایک تھے تبلیغ کا بہت جوش تھا اور عملاً وہ اپنی زندگی تبلیغ کے لئے وقف رکھتے تھے ۔ متعدد آدمی اُن کی تبلیغ سے احمدیت میں داخل ہوئے اردگرد کے دیہات میں بھی تبلیغ کے لئے جاتے تھے اور جب لوگ گالیاں دیتے اور مارتے تو اس میں خوشی محسوس کرتے تھے ۔ قادیان آنے کا شوق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ۔ علم دین کے سیکھنے کیلئے پوری جدوجہد کرتے تھے ۔ دن کو کام کرنے کے بعد رات کو قرآن شریف اور دوسری دینی کتابیں پڑھتے تھے اور اردو سیکھنے کا بھی پورا شوق تھا بلکہ میرے ذریعہ سے اُردو کی پہلی کتاب منگوا کر پڑھی تھی ان کا خیال تھا کہ ہمیں اتنی اُردو زبان آنی

ضروری ہے جس سے ہم خود الفضل کا مطالعہ کر سکیں۔ مرحوم کے پانچ بچے ہیں۔ تین لڑکیاں اور دو لڑکے۔ چند ماہ گذرے انہوں نے سیدنا امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں لکھا کہ میں اپنے بڑے لڑکے کی زندگی وقف کرتا ہوں اور جنگ کے خاتمہ پر یا جب بھی سہولت مہیا ہو اُسے تعلیم دین کے لئے ہندوستان بھیجنا چاہتا ہوں۔ ان کا ارادہ تھا۔ کہ بچے کی تعلیم کے جملہ اخراجات خود برداشت کریں میں جانتا ہوں کہ اُن کی مالی حالت ایسی اچھی نہ تھی مگر یہ ان کا اخلاص تھا جس کے ماتحت وہ ہر قربانی کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اس وقف کو منظور فرماتے ہوئے لکھوایا تھا۔ کہ بیشک بچے کو تعلیم کے لئے قادیان بھیج دیں۔

الشیخ سلیم الربانی مخالفین میں بھی عزّت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے گاؤں کے لوگ عقائد میں احمدیت کے دشمن تھے۔ مگر الشیخ سلیم الربانی کی عزّت کرتے تھے۔ کیونکہ وہ تقویٰ شعار اور پابند شریعت نوجوان تھے۔ مرحوم ایک وجیہہ شکل رکھتے تھے۔ ان کی شکل اور ڈاڑھی بالکل اس شکل کے مشابہ تھی جو عیسائیوں کی طرف سے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی شائع کی گئی ہے۔ اور ہمارے احمدی دوست بطور لطیفہ یہ بات ان کے سامنے ذکر کیا کرتے تھے۔ مرحوم کی عمر ۴۵ برس کے قریب ہوگی۔ مرحوم ذاتی طور پر بھی بہت وفادار دوست تھے۔ اپنے ساتھیوں کی خاطر تکلیف برداشت کرنا انہیں خوشگوار معلوم ہوتا تھا۔ ۱۱ر فروری کو بعارضہ نمونیا بیمار ہوئے۔ اور ۱۴ر فروری کو اپنے مولا حقیقی سے جاملے۔ مرحوم بہت ہی اعلیٰ خوبیوں کے مالک تھے۔ اور ان کا وجود فلسطین میں جماعت احمدیہ کے لئے بہت بابرکت وجود تھا۔" [1]

لنڈن مشن:۔ (۱) ۴ر شہادت / اپریل ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء کو چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اور مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن نے کنگ زاغ شاہ البانیہ سے ملاقات کی۔ مختلف امور پر ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب گفتگو ہوئی جس کے دوران احمدیت کا ذکر بھی آیا۔ شاہ نے بعض سوالات کئے جن کے جوابات چودھری صاحب نے دیئے۔ [2]

۲۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن نے پچھلے سال ہائڈ پارک میں بعض اہم مذہبی مسائل پر پادری گرین سے متعدد مناظرے کئے تھے جو سامعین کے لئے دلچسپی اور معلومات میں اضافہ کا موجب ہوئے اور پادری صاحب کو اپنی شکست تسلیم کرنا پڑی۔ مسٹر گرین سے مباحثات کا یہ اہم سلسلہ ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء میں دوبارہ جاری کیا گیا۔ چنانچہ پہلا مباحثہ ۲۰ر ماہ شہادت / اپریل کو "کیا اناجیل الہامی ہیں" کے موضوع پر ہوا۔ مسٹر گرین مولانا شمس کے سوالوں کا کوئی بھی معقول جواب نہ دے سکے۔ ۴ر ماہ ہجرت / مئی کو مسئلہ طلاق اور رجم پر گفتگو ہوئی جس میں ان کو

---

[1] الفضل ۳ر امان / مارچ ۱۳۲۴ہش / ۱۹۴۵ء ☆ [2] الفضل ۱۱ر شہادت / اپریل ۱۳۲۴ ہش / ۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۲ ☆

کوئی جواب نہ بن پڑا - ۱۱ رماہ ہجرت / مئی کا موضوع یہ تھا کہ "کیا قرآن مجید الہامی کتاب ہے"۔ مولانا شمس نے قرآن مجید سے اسکے الہامی ہونے کا دعویٰ اور دلائل پیش کئے - اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اس کا بے نظیر ہونا مخالفوں کا مثل لانے میں عاجز رہنا وغیرہ بطور دلیل بیان کیا - مسٹر گرین کسی دلیل کو توڑ نہ سکے - البتہ انہوں نے قرآن مجید میں تناقض ثابت کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ قرآن نے ایک جگہ مسیح کو مصلوب کہا ہے اور دوسری جگہ اسکا انکار کیا ہے - اس پر مولانا شمس نے چیلنج کیا مگر وہ آخر وقت تک مسیح کے صلیب پر فوت ہو جانے کا کوئی قرآنی حوالہ پیش نہ کر سکے - ۱۸ رماہ ہجرت / مئی کو "کیا عہد نامہ جدید الہامی ہے"۔ کے موضوع پر بحث ہوئی مولانا شمس صاحب نے پیشگوئیوں کے معیار کی رُو سے ثابت کیا - کہ موجودہ اناجیل ہرگز الہامی نہیں ہیں - اس سلسلہ میں آپ نے اس کی پیشگوئیوں میں تضاد کی متعدد مثالیں پیش کیں جن کا اقرار مسٹر گرین کو بھی کرنا پڑا - ۲۵ رماہ ہجرت مئی کو قرآن مجید کے الہامی ہونیکا مسئلہ زیر بحث آیا مولانا شمس صاحب نے قرآن مجید کی متعدد ایسی پیشگوئیاں بتائیں جو اس کی صداقت پر ناقابل تردید نشان ہیں - مسٹر گرین ان پیشگوئیوں کے خلاف تو کچھ نہ کہہ سکے - البتہ کہا کہ قرآن مجید میں لکھا ہے کہ پہلے انبیاء کی کتابوں پر ایمان لاؤ جس کا مبلغ اسلام نے تفصیل سے جواب دیا - ۱۵ رماہ احسان / جون کو موضوع بحث "بعث بعد الموت" تھا - دونوں مناظرین نے اپنے اپنے مذہب کا نقطہ نگاہ پیش کیا مگر حاضرین میں سے بعض نے یہ رائے دی کہ اسلامی زاویہ نظر معقول ہے - ۲۹ رماہ احسان / جون کو پھر اسی موضوع پر تبادلہ خیالات ہوا - ایک امریکن سپاہی نے مولانا شمس صاحب کی تقریر سُنکر کہا - آپ نے جو کچھ بیان کیا ہے میں بھی یہی مانتا ہوں - لیکن مسٹر گرین کا نظریہ کفارہ ایک لغو خیال ہے - سامعین میں سے بعض احمدیہ مسجد فضل میں مزید تحقیق کیلئے آئے جنہیں مطالعہ کے لئے لٹریچر دیا گیا - [۱]

۶ رماہ وفا / جولائی کو مسٹر گرین سے "حضرت مسیح کی صلیبی موت" پر مباحثہ ہوا - مولانا شمس صاحب نے اُن سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کسی مسلمان کا حوالہ پیش کریں کہ اُسنے مسیح کے صلیب پر مرنے کو تسلیم کیا ہو - انہوں نے جارج سیل کی تفسیر پڑھنی شروع کی مگر اسنے بھی یہ قول نقل کیا تھا کہ بعض مسلمان اس کی طبعی موت کے قائل ہیں اور یہ کہ مرنے کے بعد وہ اٹھایا گیا - اس پر انہیں اتنا شرمندہ ہونا پڑا کہ پلیٹ فارم سے اُتر کر نیچے بیٹھ گئے - ۱۳ رماہ وفا / جولائی کو موضوع یہ تھا کہ حضرت مسیح واقعہ صلیب کے بعد کہاں گئے؟ مولانا شمس صاحب نے اس سلسلہ میں تاریخی حقائق سے حضرت مسیح کے یروشلم سے دمشق آنے اور وہاں سے نصیبین اور ایران کے رستے سرینگر تک

---

[۱]:- الفضل ۵ رنبوک / ستمبر ۱۳۲۴ھ ۱۹۴۵ء ہش صفحہ ۳-۴

پہنچنا ثابت کیا۔ جن کا کوئی معقول جواب مسٹر گرین سے نہ بن پڑا۔ ۲۰ وفا/جولائی کو مسٹر گرین نے حضرت مسیح کے مُردوں سے جی اُٹھنے کے متعلق اپنا موقف پیش کیا جس پر مولانا شمسؔ صاحب نے اناجیل دکھا دکھا کر اُن کی غلطی پبلک پر ایسی واضح کر دی کہ آئندہ انہوں نے مباحثہ کا سلسلہ بند کر دیا[1]۔ مگر مولانا شمسؔ صاحب بدستور ہائیڈ پارک میں تشریف لے جاتے اور اسلام کی آواز بلند کرتے رہے۔

۳- ۱۸ نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ کی ہائیڈ پارک میں یہودیوں سے لاجواب گفتگو ہوئی یہودی نمائندوں نے فلسطین میں داخل ہونے کے متعلق اپنا مذہبی حق ثابت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مجاہدِ اسلام نے اُن کے دلائل کو ایسی عمدگی اور خوبی کے ساتھ رد کیا۔ کہ یہودی اپنا سا مُنہ لے کر رہ گئے اور اُس مجلس میں جس قدر مسلمان اور عرب موجود تھے وہ نہایت ہی خوش ہوئے۔ اس واقعہ کی تفصیل حضرت مولوی صاحب موصوف کے قلم سے درج ذیل کی جاتی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"اُس روز یہودی بہت سے جمع ہو گئے اور اُنہوں نے فلسطین کے متعلق سوالات شروع کر دیئے۔ میں نے کہا ہر عقلمند یہی کہے گا کہ باشندگانِ فلسطین کا حق ہے کہ وہ وہاں حکومت کریں۔ غیر اقوام کا یہ حق نہیں کہ وہ اُن کی خلاف مرضی یہودیوں کو وہاں بسائیں۔ ایک یہودی نے کہا کہ ہمارا حق ہے کیونکہ بائیبل میں خدا نے ابراہام سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تُو پردیسی ہے ایسا دُونگا کہ وہ دائمی ملکیت ہو جائے۔ میں نے کہا یہ درست ہے لیکن ابراہیم علیہ السلام کی نسل تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی تھے جیسا کہ پیدائش ۲۱/۱۲ سے ظاہر ہے۔ جب یہود صحیح راستہ سے دُور جا پڑے اور حضرت مسیحؑ کو نہ مانا تو اُن کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے پیشگوئی کرا دی کہ اب یہود سے آسمانی بادشاہت چھین لی جائے گی اور دوسری قوم کو دی جائے گی اور وہ بنی اسمٰعیل ہیں جو عرب ہیں۔ پس پیشگوئی کے مطابق ارضِ کنعان مسلمان عربوں کے قبضہ میں رہی۔

ایک یہودی نے کہا جب مسیح کے بعد یہود سے یہ زمین لے لی گئی تو مسلمانوں کے قبضہ میں کب آئی؟ وہ تو رومیوں کے پاس چلی گئی۔ میں نے کہا حضرت ابراہیم سے کنعان کی زمین کے دینے کا جو وعدہ خدا نے کیا تھا وہ کب پورا ہوا۔ وہ اس وعدہ کے تقریباً پانچ چھ سو سال بعد جا کر پورا ہوا تھا۔ جب یہود کو بادشاہت ملی۔ اسی طرح جب اُن سے فلسطین کا ملک دوسروں کے قبضے میں چلا گیا اور حضرت ابراہیمؑ کی دوسری نسل کو ملنے کا فیصلہ

[1]:- الفضل ۱۲ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴۔

ہو اتو وہ بھی چھ سو سال کے عرصہ کے بعد ملا۔ ایک نے کہا یہ ملک ہمارا تھا ہم اس میں ایک ہزار سال تک رہے۔ میں نے کہا اس سے یہود کا حق ثابت نہیں ہو جاتا۔ جو حوالہ تم نے پیش کیا ہے اسی سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم کنعان کی زمین میں پردیسی تھے۔ وہ بابل کے علاقہ سے آئے تھے اور جس رنگ میں یہودیوں نے فلسطین پر قبضہ کیا تھا بائیبل کی رُو سے اُنہوں نے دوسروں کی تباہی کے وہی طریق اختیار کئے تھے جو اس جنگ میں جرمنوں نے کئے۔ اگر اس طرح کسی ملک پر قبضہ کرنے سے وہ ملک حملہ آوروں کا ہو سکتا ہے تو پھر ہٹلر بھی حق دار بن سکتا تھا۔

غرضیکہ اُس روز یہودی سخت ناراض دکھائی دیتے تھے جو مسلمان حاضر تھے جن میں سے بعض عرب بھی تھے وہ بہت خوش ہوئے۔" ؎۱

۴۔ مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ نے سال نو کے تحفہ کے طور پر ۲۸ رفتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو ہز میجسٹی کنگ جارج ششم کی خدمت میں ایک تبلیغی خط معہ احمدیہ لٹریچر ارسال کیا جس کے جواب میں انہوں نے شکریہ ادا کیا۔ مگر چونکہ انگلستان میں مروجہ قانون کے مطابق بادشاہ صرف وہی کتاب قبول کرتا ہے جو مؤلف کی طرف سے پیش کی گئی ہو اسلئے انہوں نے صرف مولانا شمسؔ صاحب کی تالیف "اسلام" رکھی اور دوسرے مصنفین کی کتب ۱۹ رجنوری ۱۹۴۶ء کو شکریہ کے خط کے ساتھ واپس بھجوادیں۔ ؎۲

لیگوس مشن:۔ لیگوس کی احمدیہ مسجد کے امام سلیمان ۱۹ رماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو ۷۷ برس کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ آپ ۱۹۲۱ء میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؔ کی تبلیغ سے شامل سلسلہ ہوئے تھے۔ ساری عمر نہایت درجہ مستقل مزاجی سے مرکز احمدیت اور خلیفہ وقت کے ساتھ وابستہ رہے اور دین کو دنیا پر مقدم کرنیکا عہد نہایت وفاداری سے نباہا۔ ؎۳

سیرالیون مشن:۔ سیرالیون کے ایک نہایت مخلص احمدی مسٹر عثمان کوک اس سال ماہ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں وفات پا گئے۔ آپ سیرالیون کے زیر حمایت علاقہ کے باشندے تھے۔ ۱۹۳۸ء کے لگ بھگ مولوی نذیر احمد علی صاحب کے ذریعہ داخل سلسلہ ہوئے تھے اور سیرالیون کے ان معدودے چند السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں سے تھے جنہوں نے

؎۱:۔ الفضل ۱۹ رصلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۳۔

؎۲:۔ الفضل ۱۸ رامان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔ مکمل مکتوب الفضل ۹ رامان ۱۳۲۵ہش میں شائع شدہ ہے۔

؎۳:۔ حضرت مولوی حکیم فضل الرحمٰن صاحب مبلغ لیگوس نے ۲۲ رماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بذریعہ مکتوب انکی وفات کی خبر لکھی تھی۔ یہ مکتوب الفضل ۱۱ رظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ پر چھپا ہوا ہے۔

سیرالیون کے باشندوں کی متفقہ مخالفت احمدیت کے باوجود نہایت جرأت اور دلیری سے حق قبول کیا۔ مرحوم تہجد گذار تھے۔ سلسلہ کی ہر تحریک پر گرمجوشی سے حصہ لیتے تھے۔ قادیان اور حضرت مصلح موعود کی زیارت کا ازحد شوق تھا۔ کمشنر مہتمم صاحب بہادر پردجن کے ہاں آپ ملازم تھے) ان کی نیکی اور دیانتداری کا خاص اثر تھا۔[1]

نائیجیریا مشن:۔ ۲۰ ظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو الحاج حکیم فضل الرحمن صاحب مجاہد نائیجیریا نے اڈونگبو اویو (لیگوس) میں احمدیہ دار التبلیغ کا سنگ بنیاد رکھا اور ایڈریس پڑھا جس میں اس مشن کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی تھی اور آئندہ عزائم کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ اس تقریب پر افریقن احمدی جماعتوں کے نمائندوں کے علاوہ اعلیٰ حکام اور دوسرے معززین بھی شامل ہوئے۔[2] اور ملکی پریس نے اپنے صفحات میں نہایت جلی عنوانات کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔ چنانچہ اخبار "نائیجیرین ڈیلی ٹائمز" (۹ اگست ۱۹۴۵ء) اخبار "ڈیلی سروس" (۸ اگست ۱۹۴۵ء) اخبار "سدرن نائیجیریا ڈیفینڈر" (۸ اگست ۱۹۴۵ء) نے اسپر طویل نوٹ شائع کئے۔[3]

برما مشن:۔ ماہ ظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں مرکز کو یہ خوشخبری پہنچی کہ رنگون کے احمدی دوستوں نے کمایٹ میں اپنی مسجد اور انجمن قائم کر لی ہے۔[4]

مشرقی افریقہ مشن:۔ ۱۹ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو شیخ مبارک احمد صاحب فاضل کا کسموں کے گوردوارہ میں حضرت بابا نانک دیو جی کی سیرت پر لیکچر ہوا۔ مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں سب نے یہ لیکچر بہت پسند کیا۔ ایک سکھ کہنے لگا میں اس معزز دوست پر قربان جس نے خدا اور گورو صاحب کی تعریف ایسے اچھے پیرایہ میں بیان کی ہے۔[5]

مبلغین احمدیت کی بیرونی ممالک کو روانگی

نو مبلغین کے قافلہ کے علاوہ جس کا مفصل ذکر پچھلی فصل میں گذر چکا ہے اس سال مندرجہ ذیل مجاہدین تحریک جدید بیرونی ممالک میں تشریف لے گئے:۔

(۱) شیخ عبد الواحد صاحب مولوی فاضل (۹ وفا/جولائی کو ایران کے لئے)[6] (۲) شیخ ناصر احمد صاحب

---

[1]:۔ الفضل ۲۰ وفا/جولائی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص ۳؛ [2]:۔ الفضل ۱۷ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص ۳ پر یہ ایڈریس درج ہے۔
[3]:۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۲۴ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص ۵؛
[4]:۔ الفضل ۱۳ ظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص ۲ کالم ۳؛ [5]:۔ الفضل ۹ صلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص ۵ کالم ۲؛
[6]:۔ الفضل ۲۰ وفا/جولائی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص ۱ کالم ۲؛

انگلستان کے لئے (۳۰ رماہ وفا/جولائی کو)[1]۔ (۳) چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر بی۔ اے (۲۰ ظہور/اگست کو) امریکہ کے لئے)[2]۔ (۴) شیخ نور احمد صاحب منیر (۱۳ رماہ اخاء/اکتوبر کو) فلسطین کے لئے[3]۔ (۵) مولوی نورالحق صاحب انور (۲۲ رماہ اخاء/اکتوبر کو) یوگنڈا (مشرقی افریقہ)[4]۔ (۶) سید سفیرالدین احمد صاحب انگلستان کیلئے (۷ رماہ فتح/دسمبر کو)[5]۔

نئی مطبوعات

اس سال جو لٹریچر شائع ہوا اس میں "سیرت ام المومنین" حصہ دوم خاص طور پر قابل ذکر ہے شیخ محمود احمد صاحب عرفانی اپنی کتاب "سیرت ام المومنین" کے دوسرے حصے کا مواد جمع کر چکے تھے کہ پیغام اجل آگیا۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے نہایت ہمت و محنت سے مرحوم کی یادداشتوں اور نوٹوں کو ترتیب دیا اور ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں اس کو شائع کر دینے میں بھی کامیاب ہو گئے یہ تالیف درسی کتب کی تقطیع پر ۳۲۴ صفحات پر مشتمل تھی۔ سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں قیمتی اضافہ ہوا۔ سیرت کے یہ دونوں حصے انتظامی پریس حیدر آباد دکن میں چھپے۔

غیر مسلموں کے اجتماعات اور کانفرنسوں میں احمدی مبلغین کے لیکچر

اس سال احمدی مبلغین کو جن غیر مسلم اداروں اور کانفرنسوں میں تبلیغ اسلام و احمدیت کرنیکا موقعہ ملا ان میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:۔

(۱) خالصہ کالج امرتسر: خالصہ مشنری کالج امرتسر کے پرنسپل سردار گنگا صاحب نے نظارت دعوت و تبلیغ قادیان کو لکھا کہ اپنے دو مبلغ خالصہ مشنری کالج کے طلبہ میں لیکچر دینے کے لئے روانہ کریں اس پر گیانی عباد اللہ صاحب اور (ابوالبشارت) مولوی عبدالغفور صاحب فاضل نے ۱۵ رصلح/جنوری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو بالترتیب "اسلام" اور "احمدی اور غیر احمدی میں فرق" کے موضوع پر لیکچر دیئے جن سے سردار گنگا صاحب بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا:۔

"میں نے تمام مذاہب کے نمائندوں کو دعوتی خطوط لکھے تھے مگر سوائے جماعت احمدیہ کے کسی نے قولی یا فعلی کوئی جواب نہیں دیا۔ اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کیسی منظم اور ٹھوس تبلیغی جدوجہد کرنے والی جماعت ہے ...... آپ نے ان کے لیکچر سنے ہیں۔ کس طرح محنت اور کوشش سے تیاری کی ہوئی معلوم

---

[1]:۔ الفضل ۷ رظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۱۔ [2]:۔ الفضل ۲۲ رظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۱۔

[3]:۔ " ۱۵ رماہ اخاء/اکتوبر " " صفحہ ۱۔ [4]:۔ " ۲۳ راخاء/اکتوبر " " صفحہ ۱ کالم ۲۔

[5]:۔ " ۷ رصلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ کالم ۲۔

ہوتی ہے۔ آپ نے ان کے طرزِ بیان کو بھی دیکھا کہ کس ٹھوس طریقہ سے اپنی دلیل پیش کرتے ہیں۔ دلائل کو فلسفیانہ رنگ دیکر کیسے سجایا ہے۔ موجودہ زمانہ میں دہریت کی تیز و تُند آندھیاں کس طرح ہر مذہب پر حملہ آور ہو کر انکو اڑانے لئے جارہی ہیں۔ اور ہم پیچھے ہٹتے جارہے ہیں۔ آج اگر کوئی مذہب فلسفیانہ رنگ سے اپنے مذہب کو پیش نہیں کرتا تو وہ قائم بھی نہیں رہ سکتا۔ ہم احمدی علماء کے بہت ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنے خیالات سے ہمیں مستفیض کیا اور اُن کے ذریعہ جماعت احمدیہ اور نظارت متعلقہ کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ہماری درخواست کو قبول کیا اور اپنے لیکچرار بھیجے۔ اس رنگ میں تقریریں نہایت مفید اور آپس میں خوشگوار تعلقات پیدا کرنے نیز رواداری کی فضا بنانے میں بہت مفید ہو سکتی ہیں۔ ایک دوسرے کے مذہبی خیالات اور عقائد کو سُننا اور ان پر غور کرنا نہایت ضروری ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر اس قسم کے اجتماع ہر مذہب و ملّت کے لوگ کریں"۔ [1]

(۲) ستھرم سمیلن کانپور:- کانپور میں ۲۸ صلح/جنوری ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء کو بدھوں نے "ست دھرم سمیلن" کے نام پر ایک جلسہ منعقد کیا جس میں مختلف مذاہب کے نمائندوں نے اپنے اپنے مذاہب کی خوبیاں بیان کیں۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولوی غلام احمد صاحب ارشد نے "اسلام ہی عالمگیر مذہب ہے" پر نصف گھنٹہ تقریر کی اور آخر میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا (خطبہ) "پیغام صلح" بھی تمام حاضرین میں تقسیم کیا۔ احمدی مبلغ کی تقریر کو پبلک نے بہت پسند کیا [2]

۳۔ نیشنل کالج لاہور:- ۹ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء کو گیانی واحد حسین صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ کا سکھ نیشنل کالج لاہور میں سکھ مسلم اتحاد پر نہایت دلچسپ لیکچر ہوا جسے بہت سراہا گیا اور چیئرز دیئے گئے۔ لیکچر کے بعد صاحب صدر رتن سنگھ صاحب پروفیسر نیشنل کالج نے انگریزی میں بہت اچھے ریمارکس دیئے اور شکریہ ادا کیا [3]

۴۔ مذاہب عالم کانفرنس دہلی:- ۳۱ امان/مارچ و یکم شہادت/اپریل ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء کو دہلی میں بمقام دیوان ہال مذاہب عالم کانفرنس منعقد ہوئی جس کے لئے مضمون یہ رکھا گیا تھا کہ مذاہب میں اختلافات کے باوجود صلح کیونکر ہو سکتی ہے اور کس طرح امن قائم ہو سکتا ہے؟ جماعت احمدیہ کی طرف سے مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل نے

---

[1]:- الفضل ۲۲ صلح/جنوری ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۱، ۲۔ [2]:- الفضل ۱۲ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۱۔
[3]:- الفضل ۱۲ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۱۔

۹ یکم شہادت/اپریل کی شب کو اس موضوع پر نصف گھنٹہ تقریر فرمائی جس میں صلح کے دس اہم نکات پیش کئے۔ چونکہ دوسرے مقررین میں سے کسی نے بھی کوئی ٹھوس بات پیش نہ کی اس لئے سامعین نے جناب مولوی صاحب کی تقریر کو ہمہ تن گوش ہو کر سُنا اور اس بات کا اقرار کیا کہ یہ ایک ایسی تقریر ہے جس میں صحیح علاج بتایا گیا ہے۔ ہال کے باہر کئی ہندو نوجوانوں نے جناب مولوی صاحب سے ملاقات کی اور مزید معلومات حاصل کرنے کیلئے پتہ نوٹ کیا۔ [1]

۵۔ آریہ سماج نئی دہلی مذہبی کانفرنس:۔ آریہ سماج نئی دہلی نے اپنے سالانہ جلسہ پر ایک مذہبی کانفرنس آریہ سماج مندر نئی دہلی میں امن عالم کے موضوع پر اظہار خیالات کے لئے منعقد کی جس میں انجمن احمدیہ دہلی کی طرف سے جناب عبدالحمید صاحب سیکرٹری تبلیغ نے ایک مدلل اور ٹھوس مقالہ پڑھا۔ [2]

۶۔ تھیوسافیکل سوسائٹی کانپور:۔ ۱۸ / احسان / جون ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء کو مولوی غلام احمد صاحب ارشد نے تھیوسافیکل سوسائٹی کانپور کے ہال میں ایک لیکچر دیا جس میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی کہ قرآن مجید کی رُو سے پیدائش انسانی میں تفاوت اور اختلاف کیوں ہے؟

صاحب صدر نے اس لیکچر پر حسب ذیل ریمارکس دیئے:۔

"مولانا صاحب نے جو جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں یہ جو اصول اپنی الہامی کتاب سے احمدی نکتہ نگاہ سے پیش کیا۔ کہ تمام بزرگوں کی عزت کرو۔ یہ نہایت شاندار ہے۔ اور ہم نے پہلے کسی مسلمان سے ایسا نہیں سُنا۔ یہ آج پہلی مرتبہ جماعت احمدیہ قادیان کے نمائندہ سے سننے کا موقعہ میسر آیا ہے کہ قرآن مجید کے اندر ایسا زرین اصول بھی موجود ہے کہ تمام مذاہب کے بزرگوں اور پیشواؤں کی عزت کرو۔ ہم مولانا کا بہت بہت شکریہ ادا کرتے ہیں اور ہم نے اس قسم کی تقریر پہلے کسی مسلمان سے نہیں سُنی۔ مولانا صاحب نے جو توحید کا مسئلہ پیش کیا ہے کہ تمام انبیاء اسی توحید کو پیش کرتے آئے ہیں واقعی آپ کا فرمانا اپنے اندر معقولیت رکھتا ہے۔ باقی رہا یہ جھگڑا کہ پیغمبروں میں سے کون بڑا اور کون چھوٹا ہے۔ اس مسئلہ کو ہم بآسانی نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ ہر مذہب کے اندر پیغمبر آتے رہے ہیں۔ دوسرے مسلمان اس اصول پر ہرگز عمل نہیں کرتے۔ بلکہ دوسروں کے بزرگوں کو بُرا کہنا ثواب خیال کرتے ہیں۔ اگر جماعت احمدیہ اس آیت قرآنی کے ماتحت زور دے تو بہت فائدہ ہو سکتا ہے تاکہ دوسرے مسلمانوں کے اندر اس کی اہمیت پیدا ہو جائے۔ اور دنیا میں امن قائم ہو۔ جماعت احمدیہ کے اس اصول پر جو کہ مولانا نے پیش کیا ہے ہم مولانا کو مبارکباد دیتے ہیں۔" [3]

---

[1] الفضل ۹ / شہادت / اپریل ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۲۔ [2] تفصیل الفضل ۱۳ / شہادت / اپریل ۱۳۲۴ ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ میں مندرج ہے۔
[3] الفضل ۲۳ / جون ۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۲۔

۷۔ آریہ سماج مندر بیلون (ڈلہوزی)؛۔ آریہ سماج بیلون (ڈلہوزی) نے اپنے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر ۲۵ ر ۲۶ ظہور/اگست کو ایک دو روزہ مذہبی کانفرنس منعقد کی۔ پہلے دن کانفرنس کا موضوع تھا "میرے مذہب میں خدا تعالےٰ کا تصوّر"۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے اس مضمون پر مولوی محمد یار صاحب عارف نے لیکچر دیا۔ صدر جلسہ پنڈت ٹھاکر دت صاحب شرما موجد امرت دھارا نے احمدی مقرر کو مقررہ وقت سے پندرہ منٹ زائد دیئے۔ اور کہا عارف صاحب نے عمدہ طریق پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور آریہ سماج پر حملہ کئے بغیر اس کے اصول کی تردید کی ہے اسی وجہ سے میں نے انہیں زیادہ وقت دیدیا ہے۔ دوسرے صاحبان بھی یہی طریق اختیار کریں تو مناسب ہے۔ آخری تقریر آریہ سماجی کی تھی جس نے عارف صاحب کی تقریر کا جواب دینے کی کوشش بھی کی تھی کہ یکدم خاموش ہوگیا اور باوجود صدر صاحب کے ہمت دلانے کے کچھ نہ بول سکا اور نصف وقت بھی نہ ہوا تھا کہ بیٹھ گیا۔

دوسرے روز کا مضمون "مذہب اور سیاست" تھا جس میں جماعت احمدیہ کی نمائندگی گیانی عباداللہ صاحب نے کی۔ آپ کے بعد ایک آریہ لیکچرر نے اسکی اثر کو زائل کرنے کے لئے اعتراضات شروع کر دیئے جس پر صدر جلسہ نے یہ تقریر بند کرادی اور اقرار کیا کہ مقررین میں سے صرف گیانی صاحب کی تقریر اصل موضوع پر تھی۔ افسوس ہمارے لیکچرار نے اصل موضوع چھوڑ دیا ہے۔ آخری تقریر بھی ایک آریہ کی تھی جس نے اسلام پر اعتراضات شروع کر دیئے لیکن صدر جلسہ نے اس اقرار کے باوجود کہ تقریر اصل موضوع کے برعکس ہے تقریر بند نہ کرائی جس پر گیانی عباداللہ صاحب اور دوسرے تمام مسلمان مندر سے باہر آگئے اور آریوں کے اعتراضات کے جوابات دیتے رہے۔ ہندوؤں نے بعد میں اس بات کا کھلا اظہار کیا کہ دونوں دن احمدی لیکچراروں کی تقریریں سننے کے قابل تھیں [۱]

۸۔ "شری گورو سنگھ سبھا" صدر بازار ڈلہوزی:۔ شری گورو سنگھ سبھا صدر بازار ڈلہوزی کا سالانہ جلسہ ۳۱/اگست و یکم ستمبر ۱۹۲۵ء کو منعقد ہوا جس میں احمدی مبلغ گیانی عباداللہ صاحب نے "حضرت بابا نانک اور توحید" کے موضوع پر تقریر کی اور حضرت مسیح موعود کے شعر ؎

بتایا گیا اس کو الہام میں ✽ کہ پائے گا تو مجھ کو اسلام میں

کی تشریح میں گورو گرنتھ صاحب کے شبدوں اور قرآن کریم کی آیات سے حضرت بابا نانک صاحب کی تعلیم پر روشنی ڈالی اور ثابت کر دکھایا کہ حضرت بابا نانک صاحب اسلامی توحید ہی کے علمبردار تھے۔ یہ تقریر بہت دلچسپی سے

---

[۱] :۔ الفضل ۴ر تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ھش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶ ✽

سُنی گئی یہاں تک کہ تقریر کے لئے مقررہ وقت سے زیادہ وقت دیا گیا۔ آپ کی تقریر کے بعد امرتسر کے ایک مفسد اور شرارت پسند نے سکھوں کو یہ کہکر بھڑکانے کی کوشش کی کہ جماعت احمدیہ بابا نانک کو مسلمان کہتی ہے اور ایک احمدی کو اس جرم کی پاداش میں قید کی سزا بھی ہوئی تھی۔ گیانی صاحب نے دوبارہ وقت لیکر سکھ لٹریچر سے حوالہ جات پیش کئے کہ مسلمانوں کی طرف سے حضرت بابا صاحبؒ کے مسلمان ہونے کا اعلان سکھ گوروصاحبان کی زندگی میں کیا گیا تھا۔[1]

اندرونِ ملک کے بعض مشہور مناظرے

سال ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کے بعض مشہور مناظروں کی مختصر روداد آئندہ سطور میں درج کی جاتی ہے۔

۱۔ مباحثہ قلعہ گلانوالی ضلع گورداسپور:۔ قلعہ گلانوالی ضلع گورداسپور میں بعض احباب کے حلقہ بگوشِ احمدیت ہونے پر علاقہ میں ایک شور پڑ گیا اور غیر از جماعت علماء کئی روز تک احمدیت کے خلاف تقریریں کرتے رہے اور آخر "ختم نبوت" اور "صداقت حضرت مسیح موعود" کے موضوع پر ۳ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو مناظرہ طے پا گیا۔ چنانچہ فیصلہ کے مطابق پہلا مناظرہ ختم نبوت پر ہوا جو سید احمد علی صاحب اور مولوی عتیق الرحمٰن صاحب میں ہوا۔ احمدی مناظر نے آیات قرآنی، احادیث اور اقوالِ بزرگان سے ثابت کیا کہ شریعتِ محمدیہ کے تابع انبیاء آسکتے ہیں۔ فریق ثانی بار بار مطالبہ کے باوجود کسی آیت یا حدیث سے اپنا مدعا ثابت نہ کر سکا۔ اس مناظرہ کا اثر حاضرین پر بہت اچھا رہا۔ دوسرے مناظرے میں جماعت احمدیہ کی طرف سے چوہدری محمد یار صاحب عارف مناظر تھے۔ اور دوسرے فریق کی طرف سے مفتی عبداللہ صاحب معمار امرتسری۔ احمدی مناظر نے اپنی پہلی تقریر میں قرآن مجید کی آیات پیش کر کے صداقت حضرت مسیح موعود پر مؤثر رنگ میں استدلال کیا اور اپنی تائید میں مخالفین سلسلہ کی کتب سے حوالہ جات پیش کئے اسی طرح اپنی بعد کی تقریروں میں تمام اعتراضات کے جواب دیکر اپنے دلائل دہرائے اور جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات کو آشکار کیا۔ پبلک نے جس میں مسلمان، ہندو، سکھ شامل تھے تسلیم کیا کہ دوسرے مولوی احمدی مناظرین کے دلائل کا جواب نہیں دے سکے۔[2]

۲۔ مباحثہ بھٹیاں (ضلع گورداسپور):۔ موضع بھٹیاں کے ایک مخلص احمدی میاں عبدالحق صاحب[3] نور نے

---

[1]:۔ الفضل ۲۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۳، ۴۔ [2]:۔ الفضل ۲ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۲ کالم ۱۔

[3]:۔ مولوی نذیر احمد صاحب شاہد ریحان مربی سلسلہ کے خسر۔ نہایت مخلص، پابند صوم و صلوٰۃ نیک بزرگ اور اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق میں سے تھے۔ ہجرت کے بعد کرنڈی ضلع نواب شاہ میں آباد ہو گئے جہاں ۲۲ فتح ۱۳۴۵ہش مطابق ۲۲ دسمبر ۱۹۶۶ء کو ایک شخص حاجی محمد مالک۔۔ کے ہاتھوں نہایت بے دردی سے شہید کر دیئے گئے۔ اللّٰھم اغفر لہٗ وادخلہٗ فی جنتک النعیم۔

حضرت مصلح موعود کی تحریک پر جب اپنے گاؤں میں تبلیغ پر زور دیا تو گاؤں کے لوگوں نے مباحثہ کے لئے اپنے علماء بلوائے۔ دوسری طرف مرکز احمدیت سے قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری۔ مولانا ابوالعطاء صاحب، گیانی واحد حسین صاحب۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب موگا اور مولوی دل محمد صاحب بھی پہنچ گئے۔ مگر انہیں بولنے کی اجازت نہ دی گئی اور کہا گیا کہ صرف میاں عبدالحق صاحب ہی سوال کر سکتے ہیں۔ ہاں احمدی عالم اُن کو یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ کیا کہیں۔ اس پر میاں عبدالحق صاحب ہی کو مناظرہ کرنا پڑا اور انہوں نے وفات مسیح کے مسئلہ پر مولوی عبداللہ معمار صاحب سے نہایت معقول و مدلل سوال کئے مگر وہ آخر تک اُن کے دلائل کو توڑ نہ سکے۔ اور گاؤں والوں نے اس دن صداقت احمدیت کا یہ نشان دیکھا کہ احمدیوں میں سے ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی اُن کے چوٹی کے مناظر کو لاجواب اور ساکت کر سکتا ہے[۱]۔ یہ ۱۹ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کا واقعہ ہے۔

۳۔ مباحثہ چک دھیدو ضلع شیخوپورہ :۔ ۳ ماہ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو چک دھیدو میں ایک عیسائی پادری سے ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب موگا کا "الوہیت مسیح" پر دلچسپ مناظرہ ہوا جس میں پادری صاحب کو لاجواب ہونا پڑا۔[۲]

۴۔ مباحثہ موضع بھڈے (ضلع امرتسر) :۔ ۱۲، ۱۳ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو موضع بھڈے ضلع امرتسر میں احمدیوں اور عیسائیوں کے درمیان تین مناظرے ہوئے۔ جماعت کی طرف سے "صداقت مسیح موعود" پر سید احمد علی صاحب نے اور "الوہیت مسیح" اور "مسیح کی صلیبی موت اور زندگی" پر ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب موگا نے بحث کی عیسائیوں کے مناظر پادری عنایت اللہ صاحب تھے۔ جنہوں نے غیر احمدی مسلمانوں کو احمدیت کے خلاف بھڑکانے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔[۳]

۵۔ مباحثہ علی پور کھلوان (ضلع مظفرگڑھ) :۔ ۵ ظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو علی پور کھلوان میں احمدی مبلغین نے خدا کے فضل سے تین نہایت کامیاب مناظرے کئے۔ (۱) سید احمد علی صاحب نے مسئلہ وفات مسیح پر مولوی محمد حیات صاحب سے مناظرہ کیا۔ شاہ صاحب کی تقریر نہایت برجستہ تھی۔ (۲) مولوی عبدالغفور صاحب نے مولوی لال حسین اختر سے صداقت مسیح موعود پر بحث کی۔ آپ نے حدیث کی ایک کتاب پیش کر کے کہا کہ اگر میرا مدمقابل یہ حدیث پڑھ دے تو اسے دس روپیہ انعام دیا جائے گا۔ بار بار کے مطالبہ کے باوجود انہوں نے حدیث تو نہ پڑھی۔ البتہ اِدھر اُدھر کی چند باتیں کر کے کہا کہ بانی احمدیت کی نسبت انہیں زیادہ عربی آتی ہے۔ اس پر

---

۱ :۔ مناظرہ کی مفصل روئداد مولانا قاضی محمد نذیر صاحب فاضل کے قلم سے الفضل ۲۲ ماہ شہادت ۱۳۲۴ہش صفحہ ۵، ۶ پر درج ہے۔
۲ :۔ الفضل ۲۰ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۲۔ ۳ الفضل ۲۱ احسان/جون ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء صفحہ ۵ کالم ۳، ۴۔

مولوی عبدالغفور صاحب نے کہا کہ میں حضرت مسیح موعود کا ادنیٰ ترین خادم ہوں۔ آپ میرے ساتھ عربی میں مقابلہ کر لیجئے۔ آپ بھی عربی میں تقریر کریں میں بھی عربی میں کرونگا۔ اس پر اختر صاحب خاموش ہو گئے۔ (۳) اہی روز تیسرا مناظرہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیالگڑھی نے "مسئلہ ختم نبوت" پر کیا۔ احرار کی طرف سے مولوی لال حسین صاحب اختر ہی پیش ہوئے۔ احمدی مبلغ کی پہلی تقریر نہایت معقول، مسکت اور مدلل تھی۔ احراری صدر قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی نے مناظرہ بند کرانے کی انتہائی کوشش کی مگر عوام کے اصرار پر مناظرہ جاری رہا گو پانچ پانچ تقریروں کی بجائے تین اور دو تقریروں پر بتراضی فریقین مناظرہ کی کارروائی ختم کر دی گئی۔

اس مناظرہ میں علی پور کے علاوہ ڈیرہ نواب، اوچ شریف، جتوئی، ضلع مظفر گڑھ۔ ضلع ملتان، ضلع ڈیرہ غازیخاں اور ریاست بہاولپور سے بکثرت احمدی و غیر احمدی دوست شامل ہوئے جن کی تعداد چار ہزار کے لگ بھگ ہوگی۔ ہر دو فریق کی طرف سے امن کی ذمہ داری ملک شیر محمد صاحب رئیس گھلواں نے لی۔ اس مناظرہ کے بعد احمدیت کی دعوت دُور دُور تک پہنچی۔ سمجھدار طبقہ تحقیق کی طرف مائل ہو گیا۔ مناظرہ کے دو روز بعد ایک صاحب داخل سلسلہ احمدیہ بھی ہوئے اور سنجیدہ طبقہ نے یہ تاثر لیا کہ احمدی مبلغین کی تقریریں تو خالص علمی رنگ رکھتی تھیں مگر ان کے مقابل محض فحش کلامی اور بدزبانی میں مشاقی کا مظاہرہ کیا گیا۔ [1]

۶۔ مباحثہ بھدرواہ (ضلع اودھم پور):۔ تبوک/ستمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں بھدرواہ کے مقام پر مولوی ابوالبشارت عبدالغفور صاحب کا مولوی لال حسین صاحب اختر سے مسئلہ نبوت اور صداقت مسیح موعود پر مناظرہ ہوا۔ تعلیم یافتہ اور سنجیدہ طبقہ نے اقرار کیا کہ احمدی مبلغ کے دلائل کو توڑا نہیں جاسکا۔ فریق ثانی کا سارا زور عبارات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے اور بدزبانی کرنے میں صرف ہوا۔ جس پر ذمہ دار افسروں کو بار بار انتباہ کرنا پڑا۔ [2]

۷۔ مباحثہ کُنری سندھ:۔ کُنری میں ۵-۶ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کو حنفیوں اور احمدیوں کے درمیان تینوں اختلافی مسائل پر نہایت شاندار اور کامیاب مناظرے ہوئے۔ حنفیوں کی طرف سے مولوی محمد عمر صاحب شیخوپوری اور احمدیوں کی طرف سے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیالگڑھی اور مولوی سیّد احمد علی صاحب مناظر تھے۔ سامعین کی تعداد سات سو سے ہزار تک ہوگی۔ ان مناظروں کے نتیجہ میں پبلک میں

---

[1] :۔ الفضل ۲۵ ظہور/اگست ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء ص۶۔ ملخصاً از مضمون فیض بخش صاحب تونن نائب مہتمم تبلیغ مظفر گڑھ۔

[2] :۔ الفضل ۲۱ تبوک/ستمبر " " ص۵ کالم ۳، ۴۔

احمدیت سے متعلق خاص دلچسپی اور بیداری پیدا ہو گئی۔[1]،[2]

فصل ششم[6]

تحصیل بٹالہ کا الیکشن اور احمدیہ جماعت۔ مسئلہ فلسطین پر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی تقریر۔ اشاعتِ الفضل کی تحریک۔ سعید بن مزروعل کی یادگاریں۔ احمدیت کا پہلا انگریز واقفِ زندگی۔ یورپ میں نئے مشنوں کا قیام۔ انڈونیشیا کی جدوجہد آزادی اور جماعتِ احمدیہ۔

خلافتِ ثانیہ کا تینتیسواں[۳۳] سال (۱۳۲۵ہش ۱۹۴۶ء)

تحصیل بٹالہ کے اسمبلی الیکشن میں احمدی خواتین اور احمدی مردوں کے اخلاص کے شاندار کارنامے

اس سال کے شروع میں پنجاب اسمبلی کے الیکشن ہوئے جس میں چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے خالص احمدیت کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے اور بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔

اس الیکشن میں احمدی خواتین اور احمدی مردوں نے قربانی، ایثار اور اخلاص کا ایسا شاندار نمونہ دکھایا۔ کہ

[1]:۔ الفضل ۱۴ نبوت ۱۳۲۴ہش صفحہ ۵ ؛

[2]:۔ اس مناظرہ کا ایک واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اور وہ یہ کہ احمدی مناظر نے ۲۷ نومبر کو دوران بحث حنفی مناظر کو مؤکد بعذاب حلف اٹھانے کی انعامی دعوت دی۔ جب جماعت احمدیہ کنری نے اس حلف نامہ کو الفضل میں شائع کرنے کے لئے بھجوایا تو ادارہ الفضل نے اسے بغرض استصواب حضرت امیر المؤمنین المصلح الموعود کی خدمت میں بھیجا جس پر حضور کے ارشاد پر نظارت دعوت و تبلیغ کی طرف سے سلسلہ کے علماء سے مشورہ کیا گیا۔ علماء کی متفقہ رائے حضور کی خدمت میں پیش ہوئی تو حضور نے فیصلہ فرمایا کہ:۔

"میں تو ایسے مطالبہ کو جائز نہیں سمجھتا۔ شرائط حلف تو درست ہیں لیکن یہ امر بھی تو واضح ہے کہ شرائط کا وجود صرف بہت بڑا اہل شخص ہی ثابت کر سکتا ہے۔ اس لئے یا امام یا جماعت مسلمہ اس کا فیصلہ کرنے کی اہل ہے نہ ایک مبلغ"۔ اس فیصلہ کی روشنی میں نظارت دعوت و تبلیغ نے الفضل ۱۰ ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲ پر مفصل اعلان شائع کیا کہ "آئندہ کوئی جماعت یا جماعت کا فرد بغیر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے حلف یا مباہلہ کے بارہ میں کوئی اقدام نہ کرے"۔

حضرت مصلح موعود نے اظہار خوشنودی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"عورتوں نے الیکشن میں قربانی کر کے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کے اس ذکر کو ہمیشہ تازہ رکھا جائے اور بار بار جماعت کے سامنے اس واقعہ کو لایا جائے۔ انہوں نے بے نظیر قربانی اور نہایت اعلیٰ درجہ کی جاں نثاری کا ثبوت دیکر ثابت کر دیا کہ وہ مردوں سے قومی کاموں میں آگے نکل گئی ہیں"۔ [۱]

"عورتوں نے واقعہ میں نہایت اعلیٰ کام کیا ہے ..... بعد میں مجھے ایک اور مثال کا پتہ لگا جو حیرت انگیز تھی اور جس نے قادیان کی مثالوں کو بھی مات کر دیا۔ ہمارے جو آدمی الیکشن کے کام کے لئے گئے ہوئے تھے ان میں سے ایک نے سنایا کہ ایک گاؤں میں ایک احمدی عورت ووٹر تھی جس کا ہمیں علم نہیں تھا۔ ووٹ دینے کی مقررہ تاریخ سے ایک یا دو دن پہلے اسے اسقاط حمل ہو گیا اور چونکہ ہمیں پتہ نہیں تھا کہ وہ ووٹر ہے اس لئے ہم نے وہاں کوئی سواری نہ بھجوائی۔ اس دن جب کئی گھنٹے ووٹنگ پر گزر گئے تو ایک آدمی نے آکر بتایا کہ فلاں جگہ ایک عورت بیہوش پڑی تھی اور لوگ اس کو اٹھا کر اس کے گاؤں واپس لے گئے ہیں۔ اس کی باتوں سے پتہ لگتا تھا کہ وہ ووٹ دینے آئی تھی۔ چنانچہ ہمارے آدمی وہاں گئے لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ اس پر انہوں نے فوراً اس کے لئے اس کے گاؤں میں سواری بھیجی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اپنی اس بیماری کی حالت میں ہی چل پڑی اور اپنے گاؤں سے دو میل دور آکر بیہوش ہو کر گر پڑی۔ گاؤں والوں نے اُسے اٹھایا اور واپس لے گئے۔ لیکن جب اُسے ہوش آیا تو وہ اُٹھ کر پھر دوڑنے لگی اور کہا کہ میں نے تو ووٹ دینا ہے۔ اس اثناء میں سواری بھی پہنچ گئی اور وہ اس پر سوار ہو کر ووٹ دینے آگئی۔ اس نے بتایا کہ میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ خلیفۃ المسیح نے کہا ہے کہ جس سے ممکن ہو وہ ووٹ دینے کے لئے ضرور پہنچ جائے اس لئے میں اپنا سارا زور لگانا چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح ووٹ دے آؤں۔

اس عرصہ میں بیرونجات سے آنے والے لوگوں میں سے بھی بعض کی مثالیں بڑی شاندار معلوم ہوئی ہیں۔ کل ہی مجھے ایک فوجی کا خط ملا ہے۔ وہ انبالہ میں تھا یہاں سے اُسے تار گیا کہ تمہارا ووٹ ہے لیکن گورنمنٹ کی طرف سے جو چھٹی جاتی ہے وہ نہیں گئی۔ وہ خط میں لکھتے ہیں کہ جب تار وہاں پہنچا تو دفتر کا افسر جو ہندو تھا چونکہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ میں ووٹ کیلئے جاؤں اس نے تار دبا دی۔ کرنل چھٹی پر جا رہا تھا جب وہ چلا گیا تو اُس نے تار مجھے دکھائی میں نے وہ تار اپنے نچلے افسر کو دکھائی وہ کہنے لگا کہ میں تو رخصت نہیں دے سکتا بڑے افسر کے پاس جاؤ۔ میں اس بڑے افسر کے پاس

---

[۱]:۔ الفضل ۱۰ تبلیغ ۱۳۲۵ ہش صفحہ ۵ کالم ۴

گیا تو اُس نے کہا کہ رن کی موجودگی میں چھٹی مل سکتی تھی مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ پھر اس نے کہا یہ تو بناوٹی تار ہے۔ میں نے کہا میرا ووٹ ہے اور وہاں سے تار آیا ہے۔ بناوٹی نہیں۔ انہوں نے کہا کچھ بھی ہو تمہیں چھٹی نہیں مل سکتی۔ میں وہاں سے آکر سیدھا سٹیشن کی طرف بھاگا اور ریل میں سوار ہوا۔ امرتسر پہنچا تو بٹالہ کی ریل روانہ ہو چکی تھی وہاں سے دوڑ کر لاری لی۔ جب لاری بٹالہ پہنچی تو قادیان کی ریل روانہ ہو چکی تھی۔ اس پر بٹالہ سے قادیان پیدل روانہ ہوا اور دوڑتے ہوئے قادیان پہنچ کر اپنا ووٹ دیا۔ انہوں نے جگہ کا نام تو نہیں بتایا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ قادیان میں ہی آئے تھے کیونکہ وہ لکھتے ہیں کہ میں ووٹ دیکر خلیل احمد صاحب ناصر کے پاس جو انچارج تھے آیا اور کہا کہ ایسا واقع ہوا ہے انہوں نے کہا کوئی بات نہیں تم چلے جاؤ۔ میں واپس آیا تو پہلے تو مجھے قید کر دیا گیا کہ تم بغیر چھٹی کیوں گئے تھے۔ پھر میرا رنیک توڑ کر مجھے سپاہی بنا دیا گیا۔ اب دیکھو یہ دوست فوجی تھے اور جانتے تھے کہ اگر میں بلا اجازت چلا گیا تو مجھے قید کی سزا ملے گی مگر باوجود اس کے وہ بھاگ کر یہاں پہنچے اور ووٹ دیا۔ یہی اخلاص ہے جو قوموں کو کامیاب کیا کرتا ہے۔ لوگ تو مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ تم جنت کا لالچ دیکر یا دوزخ سے ڈرا کر کام لیتے ہو حالانکہ ہم کسی کو دوزخ سے ڈرانے کے قائل ہی نہیں۔ نہ مذہبی طور پر اور نہ سیاسی طور پر۔ اگر ہم دشمن کو دوزخ سے ڈرائیں تو احمدیوں کو تو ووٹ ملنا بالکل ہی ناممکن ہو جائے۔ کیونکہ احمدیوں کی تعداد دوسرے مسلمانوں سے بہت ہی کم ہے لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہمیں یہ ضرورت ہی نہیں کہ ہم کسی کو دوزخ سے ڈرائیں یا جنت کا لالچ دلا کر کام کرائیں کیونکہ ہماری جماعت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے قومی بیداری اس قسم کی پیدا ہو چکی ہے کہ یہ بات جانتے ہوئے بھی کہ فلاں کام دنیوی ہے۔ اکثر لوگ اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ دنیوی حقوق کو محفوظ کرنا بھی ثواب کا کام ہوتا ہے۔ اسی طرح میرے خطبہ کے بعد قادیان والوں نے بھی فرض شناسی سے کام لیا۔ اور انہوں نے چالیس کے قریب سائیکل چند گھنٹوں کے اندر اندر میاں بشیر احمد صاحب کے پاس پہنچا دیئے۔ اسی طرح بہت آدمیوں نے اپنی خدمات پیش کیں۔ اور فوراً بیرونجات میں چلے گئے۔ آج الیکشن کے سلسلہ میں ہمارے کارکن مجھے ملنے آئے تو انہوں نے کہا کہ گاؤں کے احمدیوں نے تو کمال کر دیا۔ وہ سارے علاقہ میں ٹڈی دَل کی طرح پھیل گئے تھے۔ بالخصوص گاؤں کے لوگوں نے اور اس میں بھی زیادہ خصوصیت کے ساتھ وچھوال کھوکھر اور لودی ننگل، فتح گڑھ چوڑیاں، اٹھوال، گلانوالی، دھرم کوٹ، قلعہ ٹیک سنگھ وغیرہ وغیرہ۔ تلونڈی والوں نے بھی اچھا کام کیا ہے۔ لیکن اتنا نہیں جتنی ان سے امید کی جاتی تھی۔ مگر بہرحال انہوں نے بھی اچھا کام کیا ہے۔ نکموں میں سے نہیں تھے .... بعض اور جماعتوں نے بھی بڑا عمدہ کام کیا ہے۔ لیکن اس وقت مجھے ان کے نام

یاد نہیں رہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء ان سب نے اس بات کا ثبوت دے دیا ہے کہ جب مومن کام کرنے پر آتا ہے تو وہ ہر قسم کے عواقب سے نڈر ہو کر کام کرتا ہے۔ دنجواں میں مخالفین کی شرارت پر پولیس نے احمدیوں کے ووٹوں کو روکنے کی کوشش کی مگر نوجوان مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اپنے آدمی لے کر جانے ہیں خواہ پولیس دخل اندازی ہی کیوں نہ کرے۔ پولیس نے ایک دو ووٹروں کو روکے رکھا اور باقیوں کو چھوڑ دیا۔ لیکن جب ہمارے دوسرے آدمی پہنچ گئے تو باقیوں کو بھی انہوں نے چھوڑ دیا۔ بہر حال جماعت نے نہایت اعلیٰ درجہ کے اخلاص کا نمونہ دکھایا ہے۔ جہاں تک الیکشن کروانے کا سوال تھا جماعت نے اپنی قربانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اور بے مثال قربانی پیش کر کے جماعت کی ترقی کے لئے ایک راستہ کھول دیا ہے۔" [۱]

مسئلہ فلسطین پر چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی تقریر

چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب جج فیڈرل کورٹ آف انڈیا نے "مسئلہ فلسطین" کے مضمون پر وائی ایم سی اے ہال لاہور میں ۲۷ صلح / جنوری ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء کو ایک نہایت اہم اور معلومات افزا تقریر فرمائی جلسہ کا اہتمام نوجوانان احمدیت کی بین الکلیاتی تنظیم "احمدیہ انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن" نے کیا اور صدارت کے فرائض جناب ڈاکٹر ای سڈی لوکس وائس پرنسپل ایف سی کالج لاہور نے انجام دیئے۔

اخبار "انقلاب" (لاہور) نے اس تقریر کا ملخص حسب ذیل الفاظ میں شائع کیا:۔

"برطانیہ اور امریکہ یہودی سرمایہ کے اثر کے باعث آزادانہ طور پر کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔ سیاسی حلقہ میں بھی یہودیوں کا اثر کم نہیں ہے۔ موجودہ پارلیمنٹ کے دارالعوام میں ۲۵ یہودی ممبر ہیں۔ دو یہودی وزیر اور ایک یہودی سیکرٹری آف سٹیٹ۔ اسی طرح امریکہ میں بھی وہ ملک کی سیاسی مشین پر اثر انداز ہیں۔

آپ نے کہا کہ یہ سوال کہ کیا فلسطین ان ملکوں میں شامل تھا جن کے بارے میں گزشتہ جنگ کے آغاز میں حکومت برطانیہ نے عربوں کو آزادی کا یقین دلایا تھا۔ آج تیس سال کے بعد بھی حل نہیں ہو سکا۔ فلسطین میں گزشتہ ۲۱ سال کی بدامنی اور ناخوشگوار حالات کے باوجود حکومت برطانیہ اس مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔ پہلی عالمگیر جنگ سے موجودہ وقت تک فلسطین کی سیاسیات کا جائزہ لینے کے بعد سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے کہا کہ فلسطین کے عرب حسب ذیل چار وعدوں کی بنا پر جو کہ حکومت برطانیہ نے ان سے کئے تھے فلسطین میں ایک

[۱]:۔ الفضل یکم امان / مارچ ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۶۔

عرب ریاست کے قیام کا مطالبہ کرتے ہیں :-

اوّل :۔ پہلی عالمگیر جنگ کے شروع میں برطانیہ نے جن عرب ممالک سے آزادی کا مطالبہ کیا تھا فلسطین بھی اُن میں شامل تھا ۔

دوئم :۔ حکومت برطانیہ نے اپنے پہلے وعدے کو اس اعلان سے مضبوط کیا کہ جنگ کے بعد عرب ممالک میں وہاں کے لوگوں کے مشورہ کے بغیر کوئی حکومت قائم نہیں کی جائے گی ۔

سوئم :۔ بالفور اعلان کا یہ مفہوم نہیں تھا جو یہودی اخذ کرتے ہیں کہ فلسطین میں ایک یہودی ریاست قائم کی جائیگی ۔

چہارم :۔ عربوں کا مطالبہ ہے کہ ۱۹۳۹ء کا قرطاس ابیض ایک قسم کا آخری فیصلہ تھا اور یہودی اس کی مخالفت میں حق بجانب نہیں ہیں ۔

سر محمد ظفر اللہ خاں نے شریف مکہ اور مصر میں برطانی ہائی کمشنر کے مابین عرب ممالک کی آزادی کے بارے میں خط و کتابت کا بتفصیل ذکر کرتے ہوئے کہا کہ شریف مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ جنگ کے اختتام پر عرب ممالک کو آزاد کیا جائے ۔ اور کہا تھا کہ عربوں کا یہ مطالبہ اُن کی زندگی کا جزو اعظم بن چکا ہے ۔ اور اس میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں ہو سکتا ۔ حکومت برطانیہ نے ہائی کمشنر کی معرفت اس مطالبہ کو پورا کرنے کا یقین دلایا تھا ۔ آج عرب اسی خط و کتابت کی بناء پر فلسطین کی آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ فلسطین بھی اُن ممالک میں شامل تھا جن کے بارے میں شریف مکہ نے حکومت برطانیہ سے ضمانت مانگی تھی ۔

فلسطین میں یہودیوں کے قیام کے متعلق دیگر عرب ممالک کے ردّ عمل کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ عرب یہودیوں کے نام سے متنفر ہیں ۔ اُن کا خیال ہے کہ اگر فلسطین میں یہودیوں کی ریاست قائم ہو گئی تو پھر وہ ہمسایہ عرب ممالک سے بھی علاقوں کا مطالبہ کریں گے اور نئی مشکلات پیدا ہو جائیں گی ۔

اگرچہ یہودی اس امر کا یقین دلائیں اسلئے کہ وہ عربوں کے مفاد کی حفاظت کریں گے لیکن باہمی عناد کا جذبہ اب اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ کسی مفاہمت کی کوئی امید نہیں ہے ۔ یہودی اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ اگر ممکن ہو سکے تو طاقت کے استعمال سے یہودی ریاست قائم کریں گے ۔

سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے کہا کہ فلسطین کی سترہ لاکھ پچاس ہزار کی کل آبادی میں چھ لاکھ اور پچاس ہزار یہودی ہیں ۔ اور وہ ملک کی اقتصادی زندگی پر چھائے ہوئے ہیں ۔ اور اگر یہودیوں کا فلسطین میں داخلہ بند بھی کر دیا گیا تو وہ سیاسی اور اقتصادی طور پر عربوں کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ بنا رہے ہیں ۔ عربوں

صورت حالات سے بخوبی آگاہ ہیں اور اس خطرہ کو مٹانے کا عزم کیے ہوئے ہیں "۔[1]

سلسلہ احمدیّہ کے مخلص اور فدائی بزرگوں کی سندھ میں یادگاریں۔

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ۹ امان/ مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو قادیان سے سندھ تشریف لے گئے اور ۳ ماہ شہادت/ اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو قادیان میں رونق افروز ہوئے۔[2]

اس سفر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ حضور نے ۲۲ امان کو محمد آباد اسٹیٹ کی بعض اور گوٹھوں (یعنی گاؤں) کے نام بزرگان سلسلہ کے ناموں پر تجویز فرمائے جو یہ تھے۔ نور نگر، کریم نگر، لطیف نگر، روشن نگر، برہان نگر، اسحٰق نگر۔ چنانچہ حضور نے اسی روز خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"سلسلہ کے لئے قربانی کرنیوالوں کی یادگار کو تازہ رکھنے کے لئے مَیں نے سلسلہ کی جائیداد کے مختلف گاؤں کے نام، بزرگوں کے ناموں پر رکھنا تجویز کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ ہمیں سب سے زیادہ عزیز ہیں اس لئے آپ کے نام پر اس گاؤں کا نام جو تحریک کی جائیداد کا مرکز ہے محمد آباد رکھا گیا ہے۔ صدر انجمن احمدیّہ کی جائیداد کے مرکز کا نام احمد آباد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر رکھا گیا ہے۔ محمد آباد آٹھ ہزار ایکڑ کا رقبہ ہے۔ اس لحاظ سے میرا خیال ہے اس میں چھ[6] سات گاؤں اور آباد ہو سکتے ہیں۔ اس وقت جو آبادیاں یہاں قائم ہو چکی ہیں ان میں سے ایک کا نام پہلے سے حضرت خلیفہ اوّلؓ کے نام پر نور نگر ہے۔ اب شمالی حلقہ کی ایک آبادی جو سٹیشن کے پاس ہے اس کا نام کریم نگر رکھا گیا ہے اور مغربی طرف کی دو آبادیوں میں سے ایک کا نام لطیف نگر صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی یاد میں اور ایک کا نام روشن نگر حافظ روشن علی صاحبؓ کی یادگار میں رکھا گیا ہے۔ پہلے مَیں نے ان ناموں کے ساتھ آباد لگایا تھا مگر پھر اسے نگر میں تبدیل کر دیا تا کہ محمد آباد نام کے لحاظ سے بھی اپنے علقہ میں ممتاز ہو جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج ہیں اور یہ لوگ ستارے ہیں اسی طرح محمد آباد بطور سورج کے ہو اور اس کے اردگرد باقی گاؤں بطور ستاروں کے ہوں میرا ارادہ بعض اور نام بھی رکھنے کا ہے مثلاً برہان نگر مولوی برہان الدین صاحب کے نام پر اور اسحٰق نگر میر محمد اسحٰق صاحب مرحوم کے نام پر۔ اسی طرح ایک دو گاؤں احمد آباد کی زمین میں بھی آباد ہو سکتے ہیں ان کے ساتھ بھی نگر لگایا جائیگا۔ اور جو گاؤں احمد آباد میں آباد ہوں گے ان کے نام بھی سلسلہ کے لئے

---

[1] بحوالہ الفضل ۱۳ صلح/ جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء ہش صفحہ ۶۔

[2] الفضل ۱۱ امان ۱۳۲۵ہش صفحہ ۱ و ۴ شہادت ۱۳۲۵ہش صفحہ ۱۔

قربانی کرنے والوں کے نام پر رکھے جائیں گے۔ ان گاؤں کے نام بھی اللہ تعالیٰ کا ایک نشان ہوں گے۔ کیونکہ ایک وہ دن تھا کہ قادیان میں اگر تین چار سو روپیہ چندہ آجاتا تھا تو بڑی ترقی سمجھی جاتی تھی اور آج یہ دن آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سلسلہ کو لاکھوں لاکھ کی جائیدادیں دی ہیں اور قربانی کرنے والوں کے نام پر گاؤں آباد ہو رہے ہیں"۔ ؎۱

احمدیت کا سب سے پہلا انگریز واقفِ زندگی

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیشہ دُعا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ یورپین لوگوں میں سے احمدیت کے لئے زندگی وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائے چنانچہ حضور نے ۲۴؍ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو اپنی اس خواہش کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ہم ہمیشہ دُعا کرتے ہیں اور ہماری ہمیشہ سے یہ آرزو ہے کہ یورپین لوگوں میں سے کوئی ایسا نکلے جو اس سلسلہ کے لئے زندگی کا حصہ وقف کرے لیکن ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ کچھ عرصہ صحبت میں رہ کر رفتہ رفتہ وہ تمام ضروری اصول سیکھ لیوے جن سے اہل اسلام پر سے ہر ایک داغ دُور ہو سکتا ہے اور وہ تمام قوت و شوکت سے بھرے ہوئے دلائل سمجھ لیوے جن سے یہ مرحلہ طے ہو سکتا ہے۔ تب وہ دوسرے ممالک میں جا کر اس خدمت کو ادا کر سکتا ہے۔ اس خدمت کے برداشت کرنے کیلئے ایک پاک اور قوی رُوح کی ضرورت ہے جس میں یہ ہوگی وہ اعلیٰ درجہ کا مفید انسان ہوگا اور خدا کے نزدیک آسمان پر ایک عظیم الشان انسان قرار دیا جاوے گا۔" ؎۲

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان دعاؤں کا پہلا ثمر عہد مصلح موعود میں جان برین آرچرڈ (JOHN BREN ORCHARD) بنے جو ۱۹۴۴ء میں دوسری جنگ عظیم کے دوران لیفٹیننٹ تھے اور ہندوستان و برما کی سرحد پر لڑنے والی ۱۴ آرمی میں متعین تھے کہ اسی دوران میں انہیں ایک احمدی حوالدار کلرک عبدالرحمٰن صاحب دہلوی کے ذریعہ اسلام و احمدیت کا پیغام ملا جس پر آپ ۱۹۴۵ء میں خفیہ طور پر قادیان پہنچے اور حضرت مصلح موعود کی زیارت سے مشرف ہوئے اور پھر دوبارہ قادیان آکر حضرت مصلح موعود کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ حضور نے آپ کا اسلامی نام بشیر آرچرڈ رکھا۔

بشیر آرچرڈ صاحب کا پہلا سفر قادیان اور اس کا پس منظر

بشیر آرچرڈ کو احمدیت کا پیغام کیسے پہنچا اور اُن کو قادیان جانے کی تحریک کیسے ہوئی اس کی تفصیل

؎۱:۔ الفضل ۱۲؍ شہادت / اپریل ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۵۔

؎۲:۔ البدر مورخہ ۲۹؍ اکتوبر و ۸؍ نومبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۲۳۔

جناب عبدالرحمٰن صاحب دہلوی[1] کے الفاظ میں لکھنا زیادہ مناسب ہوگا ۔ آپ لکھتے ہیں :۔

"جس کمپنی کے ساتھ ہم نے اشتراک کیا اس میں ایک انگریز لیفٹیننٹ تھے جن کا نام JOHN BREN- ORCHARD تھا ۔ یہ پہلے ڈوگرہ رجمنٹ میں تھے ۔ اس کے بعد آئی ۔ اے ۔ او ۔ سی میں ATTACH (منسلک) ہو گئے تھے ۔ یہ افسر ہر ہفتہ اپنے والد صاحب کو چھ سات صفحہ کا ایک خط لکھا کرتے تھے جس میں وہ ہندوستان کی تاریخ مرتب کیا کرتے تھے ۔ غالباً ان کا ارادہ ہندوستان کی تاریخ چھپوانے کا تھا ۔ جب ۱۹۴۲ء میں جاپانیوں نے اتحادیوں پر سخت حملہ کر دیا اور رنگون کو گھیرے میں لے لیا ان ایام کی ایک شام کا ذکر ہے کہ میں گارڈ کمانڈر تھا ۔ لیفٹیننٹ آرچرڈ اپنے بنکر (BUNKER) سے باہر نکلے ۔ مَیں نے ان کو سیلوٹ کیا اور اُن سے کہا کہ مَیں نے سُنا ہے آپ ہندوستان کی تاریخ لکھ رہے ہیں لیکن آپ کی تاریخ اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک کہ آپ تاریخ کے اس اہم واقعہ کو درج نہ کریں جو ہندوستان کی سرزمین پر واقع ہوا ۔ انہوں نے دریافت کیا کہ وہ اہم واقع کیا ہے ؟ مَیں نے جواب دیا کہ مسیح نے نئے عہد نامہ میں جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا یعنی مسیح نے کہا تھا "اس وقت تک انتظار کرو کہ میں دوبارہ آؤں" ۔ لہٰذا مسیح ہندوستان کی سرزمین کے ایک گاؤں قادیان میں آگیا ہے ۔ آپ اس واقع کو اپنی تاریخ میں ضرور بیان کریں ۔ انہوں نے جواب دیا " اس وقت تو میں حاضری (ROLL CALL) پر جا رہا ہوں کیونکہ آج میں آرڈرلی آفیسر (OFFICER OF THE DAY) ہوں ۔ پھر کسی وقت بات کروں گا کیونکہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی اس کے بعد وہ شام کی گنتی (حاضری) سے فارغ ہو کر آئے اور انہوں نے بہت سے سوالات کئے ۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ احمدیہ لٹریچر پڑھنا چاہتے ہیں ۔ چونکہ فوج میں مذہب کی تبلیغ اس وقت بھی منع تھی اور آج بھی منع ہے ۔ لہٰذا مَیں نے اُن سے کہا کہ ہماری جماعت کے مبلّغین میں سے ایک مبلغ ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب ہیں آپ اُن سے خط و کتابت کریں وہ آپ کو نہ صرف یہ کہ لٹریچر پڑھنے کے لئے دیں گے بلکہ آپ کے شکوک و شبہات بھی دور فرمائیں گے لیفٹیننٹ صاحب نے کہا کہ اچھا مفتی صاحب سے میرا تعارف کروا دو ۔

مفتی محمد صادق صاحب کی خدمت میں مَیں نے تحریر کیا کہ براہ مہربانی آپ ان لیفٹیننٹ صاحب کو ایک جلد "اسلامی اصول کی فلاسفی" اور ایک جلد "احمدیت یا حقیقی اسلام" روانہ کر دیں ۔ کتابوں کی قیمت اور خط و کتابت کے

---

[1] :۔ ابن حضرت ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب رضی اللہ عنہ دہلوی ۔ ولادت ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۰ء ۔ ۱۰ جنوری ۱۹۴۲ء کو فوج میں بھرتی ہوئے جہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد مئی ۱۹۵۹ء میں بیت المال ربوہ کے کارکن بنے اب نظارت امور عامہ ربوہ میں کام کر رہے ہیں ۔

سلسلہ میں جو خرچ ہوگا وہ میں آپ کی خدمت میں پیش کر دونگا۔ تقریباً ایک ڈیڑھ ہفتہ کے بعد لیفٹیننٹ صاحب کو مفتی صاحب کی طرف سے ایک خط اور ایک کتابوں کا پارسل موصول ہوا جس کا انہوں نے مجھ سے تذکرہ کیا اور اسکے بعد انہوں نے اسلامی اصول کی فلاسفی کا مطالعہ شروع کر دیا۔

ایک دن لیفٹیننٹ صاحب کھڑے ہوئے اسلامی اصول کی فلاسفی پڑھ رہے تھے۔ میں ادھر سے گزرا۔ انہوں نے مجھ سے باتیں شروع کر دیں کہ اسلام کی تعلیم تو اچھی ہے مگر ایک بُری بات یہ ہے کہ اسلام عیسائیت پر حملے بہت کرتا ہے۔ جواباً میں نے انہیں بتایا کہ اب آپ کا فرض یہ ہے کہ آپ اس بات کی تحقیق کریں۔ کہ اسلام کے یہ حملے صحیح ہیں یا غلط۔ اتنے میں ایک اور لیفٹیننٹ صاحب جن کا نام محمد غفار علوی ہے (یہ صاحب پاکستان آرمی میں میجر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے ہیں) ادھر آنکلے۔ آرچرڈ صاحب نے اُن سے کچھ گفتگو شروع کر دی اور اُن سے بھی یہی مذکورہ بالا سوال دھرایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ باتیں آپ عبدالرحمٰن سے ہی پوچھیں۔ یہی آپ کو بتائیگا۔ میں نے کہا کہ اگر کوئی شخص چور ہو تو اُسے چور کہنا حملہ کرنا نہیں ہے بلکہ امر واقعہ کا اظہار ہے۔ .... ہاں کسی ایسے شخص کو چور کہنا جو چور نہ ہو یہ الزام اور حملہ ہے اور ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ اب آپ اس کتاب کو اس نظریہ کے ساتھ مطالعہ کریں کہ کیا اسلام عیسائیت کے بارے میں جو کچھ کہتا ہے وہ حقیقت ہے یا نہیں اگر حقیقت ہے تو اس کو حملہ نہیں کہہ سکتے اور اگر حقیقت نہیں تو واقعی حملہ ہے اور اسلام کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔

ایک دن لیفٹیننٹ آرچرڈ نے مجھ کو کہا کہ کیا تم مجھے اُردو پڑھا دو گے۔ میں نے جواب دیا کہ دفتر کے وقت تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر آپ صبح پی۔ ٹی (فزیکل ٹریننگ) کے وقت چاہیں تو میں آپکی خدمت کر سکتا ہوں۔ چنانچہ میرے سیکشن آفیسر (OFFICER COMMANDING) کیپٹن راجندر سنگھ نے مجھے اجازت دیدی اور میں نے آرچرڈ صاحب کو اُردو پڑھانی شروع کر دی۔ ایک دن لیفٹیننٹ صاحب نے مجھ سے کہا کہ تمہاری جماعت دنیا کی فلاح و بہبود کیلئے بہت کچھ کر رہی ہے مثلاً یہی کہ اتنا قیمتی لٹریچر مفت تقسیم کرتی ہے۔ کیا میں اس کا ممبر بن سکتا ہوں؟ میں نے کہا شوق سے۔ کہنے لگے مگر میں مسلمان نہیں بنوں گا۔ میں نے کہا کہ جب آپ اس جماعت میں داخل ہوں گے تو پہلی چیز جس کا آپ کو اقرار کرنا ہوگا وہ ہے "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ اور جو شخص اس کلمہ کو پڑھکر اقرار کرتا ہے وہ مسلمان ہوتا ہے کہنے لگے تو پھر میں اس جماعت میں داخل نہیں ہوتا۔ اگر میں اس جماعت کی کچھ روپے سے

مدد کرنا چاہوں تو کیا میرا روپیہ قبول کیا جائے گا؟ میں نے کہا یقیناً۔ اس پر وہ بولے کہ میں سو روپیہ دینا چاہتا ہوں۔ ایک صبح جب وہ مجھ سے اُردو پڑھ رہے تھے تو باتوں باتوں میں آواگون کا ذکر چھڑ گیا کہنے لگے کہ آواگون کے مسئلہ کا میں قائل ہوں۔ میں نے ایک مثال پیش کی کہ اگر ایک سپاہی کوئی غلطی کرے اور اس کی پاداش میں اس کو سزا دی جائے۔ لیکن سزا دینے سے قبل آپ اگر اسکے دماغ کو مسمرائز کردیں (کیونکہ لیفٹیننٹ صاحب مسمریزم کے ماہر تھے) اور اس کی سزا بھگتنے کے بعد اگر آپ مسمریزم کا وہ اثر اس کے دماغ سے دُور کردیں تو کیا اس سپاہی کو سزا دینا کوئی عقلمندی کی بات ہے یا اس کا کوئی معقول نتیجہ نکل سکتا ہے؟ کہنے لگے کہ نہیں۔ میں نے کہا۔ بس یہی حالت آواگون کی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ جانتا کہ وہ پچھلے جنم میں کیا تھا اور کس گناہ یا نیکی کے بدلے میں موجودہ جون اختیار کی گئی ہے تو پھر خداوند تعالیٰ کا یہ فعل درست تھا۔ لیکن موجودہ صورت میں جبکہ کسی ذی روح کو اپنی گذشتہ جون کی نیکی یا بدی کا کوئی علم نہیں۔ خداوند تعالیٰ کا یہ فعل عبث ٹھہرتا ہے۔ وہ اسی وقت بول اُٹھے کہ ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا کہ آواگون کا مسئلہ غلط ہے۔

ایک دفعہ آرڈر آیا کہ یورپین فوجی جو ہندوستان میں چھٹی گزارنا چاہتے ہیں وہ ۲۸ دن کی چھٹی پر ہندوستان جا سکتے ہیں۔ ایک دن لیفٹیننٹ صاحب دفتر میں میرے پاس آئے اور کہنے لگے میں ہندوستان چھٹی جا رہا ہوں میں نے دریافت کیا کہ ہندوستان میں چھٹی کہاں گزاریں گے؟ کہنے لگے کہ میرا ایک ہندو دوست ہے۔ وہ ڈوگرہ رجمنٹ میں لیفٹیننٹ ہے اور خُرجہ[۵] میں رہتا ہے اسکے مکان پر۔ میں نے کہا یہ تو بہت اچھا موقع ہے آپ قادیان بھی دیکھتے آئیں۔ مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسرے دن صبح جب میں انہیں پڑھانے گیا تو اُسی وقت پھر قادیان کا تذکرہ ہوا۔ کہنے لگے کہ خُرجہ سے قادیان تک کا اگر فرسٹ کلاس کا کرایہ دلوا دو تو میں چلا جاؤں میں نے کہا کہ آپ ریلوے کا پاس بجائے خُرجہ کے قادیان تک کا بنوا لیں۔ کہنے لگے وہ تو اب تیار ہو چکا ہے۔ میں نے کہا کہ میں اسے منسوخ کروا کے دوسرا بنوا دونگا۔ بولے کہ میں کسی کو یہ بتانا بھی نہیں چاہتا کہ میں قادیان جا رہا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ اچھا پھر وہ سو روپیہ جو آپ انجمن احمدیہ کو دے رہے تھے آپ اس میں سے ٹکٹ خرید لیں اس پر ہنستے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم روپیہ دینا نہیں چاہتے۔ پھر انہوں نے دریافت کیا کہ قادیان میں میرے ٹھہرنے کا کیا بندوبست ہوگا۔ میں نے جواب دیا کہ اگر آپ دیسی رہائش اور دیسی کھانا پسند کریں تو حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے مکان پر ٹھہرنے کا بندوبست ہو جائیگا اور اگر آپ انگریزی کھانا اور رہائش

[۵]:۔ دہلی کے پاس ایک قصبہ۔

چاہتے ہیں تو پھر چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے ہاں مفتی صاحب آپ کا بندوبست کر دیں گے۔ (بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے مہمان خانے کی رہائش کو ترجیح دی اور وہیں قیام کیا) لیفٹیننٹ صاحب نے مجھے پروگرام دیدیا اور وہ پروگرام میں نے مفتی صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیا۔ جس میں مفتی صاحب سے درخواست کی گئی تھی کہ وقتِ مقررہ پر کسی آدمی کو ریلوے سٹیشن پر بھیج دیں۔

لیفٹیننٹ صاحب کے پروگرام کے مطابق انہیں قادیان صبح کی گاڑی سے پہنچنا تھا مگر کسی غلط فہمی کی بناء پر پروگرام کے خلاف وہ بارہ گھنٹے قبل شام کی گاڑی سے قادیان پہنچ گئے۔ اور اسٹیشن پر کسی لڑکے سے انہوں نے مفتی صاحب کے مکان کا پتہ دریافت کیا۔ اس سعادتمند لڑکے نے لیفٹیننٹ صاحب کو اپنے ہمراہ لیا اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے مکان پر پہنچا دیا۔"

بشیر آرچرڈ صاحب کے خود نوشت حالات

بشیر آرچرڈ صاحب نے انگریزی میں اپنے قبول احمدیت کے مختصر حالات لکھے ہیں۔ جن کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے :-

"جن حالات میں مجھ کو احمدیت یعنی حقیقی اسلام کو سمجھنے کی توفیق ملی وہ غیر معمولی تھے۔ ہوا یوں کہ میں جب ۱۹۴۴ء میں ہند برما کی سرحد پر ۱۴ آرمی میں متعین تھا۔ مجھ کو فوج کی طرف سے دو ہفتے کی چھٹی کا حق دیا گیا کہ کہیں جا کر آرام کر سکوں۔ لیکن ہندوستان میں میری کہیں واقفیت نہ تھی کہ وہاں جا کر وقت گزار سکتا۔ اندریں حالات میری یونٹ کے ایک حوالدار کلرک نے مجھ کو تحریص دلائی کہ میں یہ چھٹیاں قادیان جا کر ایک شریف النفس انسان مفتی محمد صادق کے ساتھ گزاروں۔ برما کی سرحد سے قادیان کا فاصلہ اس قدر زیادہ تھا کہ اتنے لمبے سفر کے خیال سے میں تذبذب میں پڑ گیا۔ لیکن اس کے چہرہ پر سخت ناخوشگواری کے آثار دیکھ کر آخر کار مجھ کو اس کی بات ماننا ہی پڑی۔ منی پور کے جنگی محاذ کی پہاڑیوں سے پنجاب کے وسیع و عریض میدانوں تک کا سفر آٹھ دن میں ختم ہوا۔ قادیان کے ریلوے اسٹیشن پر گاڑی سے اتر کر اطمینان کا سانس لیا اور ایک تانگے والے سے کہا کہ مجھ کو مفتی صادق صاحب کے گھر لے چلو۔ ان کے گھر پہنچ کر میں ایک سفید ریش بزرگ سے متعارف ہوا۔ اور میرے خیال میں ہم دونوں ہی پر ایک دوسرے کو دیکھ کر ایک خاص محویت طاری ہو گئی۔

قادیان کی زیارت نے مجھ پر ایک گہرا اثر ڈالا کیونکہ اسلام کو اس روشنی میں دیکھنے کا موقع ملا جو اس سے پیشتر کہیں میسر نہ آئی تھی۔ اس نیک اثر سے جو اس جگہ نے اور وہاں کے لوگوں نے جن سے مجھ کو ملنے کا موقع ملا میرے دل میں ایک خاص رشتۂ الفت پیدا کر دیا۔ اس وقت مجھ کو نہ اسلام کی دینیات سے پوری طرح آگاہی

تھی اور نہ ہی مَیں نے مذاہب کے بارے میں تقابلی مطالعہ کیا تھا اسلئے دلائل و براہین کی بحث میرے لئے اسلام کا اثر قبول کرنے میں اس قدر ممد ثابت نہ ہوئی جتنا کہ اسکے ثمرات نے مجھ کو متاثر کیا جو مجھ کو کہیں اور نہ ملے تھے۔

میرے اس مختصر قیام کے دوران مجھ کو تقدس مآب حضرت مرزا البشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کو دیکھتے ہی مجھ کو یہ احساس ہوا کہ مَیں ایک روحانی شخصیت کے حضور بیٹھا ہوں۔ یہ احساس آپ کی کسی گفتگو کے نتیجہ میں نہ تھا۔ بلکہ اسکی دو نہایت قوی موجبات تھے۔ ایک تو آپ کی روحانی وضع قطع تھی اور دوسرے غیر مرئی طور پر آپ کے وجود سے نہایت تیز روحانی کرنیں نکلتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اگرچہ آپ اس مادی دنیا میں رہ رہے تھے لیکن صاف ظاہر تھا کہ آپ کا تعلق عالم روحانیت سے ہے۔

چونکہ مجھ کو اپنا بیان نہایت مختصراً عرض کرنا ہے گویا کہ اس لمبی کہانی کو کہ میں کس طرح گرجا سے مسجد کی طرف آیا۔ بیان کرنے میں دریا کو کوزہ میں بند کرنا مراد ہے تو پھر اس پر اکتفا کرتا ہوں کہ مجھ کو تو بس اسلام نے اپنی مقناطیسی قوت سے از خود اپنی طرف کھینچ لیا۔ ؎

حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے بشیر آرچرڈ کی پہلی ملاقات اور قبول اسلام کا ایمان افروز واقعہ۔	حضرت مصلح موعود ان کی پہلی ملاقات اور پھر قبول اسلام کے بعد ان کے اندر تغیر عظیم کے پیدا ہونیکا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"گذشتہ جنگ میں بشیر آرچرڈ ایک انگریز احمدی ہوئے۔ پہلے پہل جب وہ قادیان مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو اس وقت ان کے خیالات اس قسم کے تھے کہ مَیں ایک نیا مذہب نکالوں گا۔ انہوں نے بتایا کہ مَیں نے اسلام کا بھی مطالعہ کیا ہے اور مجھے اس میں کئی اچھی باتیں نظر آئی ہیں اور مَیں نے ہندو مذہب کو دیکھا تو مجھے اس میں بھی کئی اچھی باتیں نظر آئی ہیں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ ایک ایسا طریق نکالوں جس میں تمام اچھی باتوں کو جمع کر دیا جائے۔ مَیں انہیں سمجھاتا رہا مگر وہ یہی کہتے رہے کہ میری تسلّی نہیں ہوئی۔

جب وہ یہاں سے چلے گئے تو کچھ عرصہ کے بعد مجھے ان کا خط ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ مَیں اسلام قبول کرتا ہوں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ یہ کیا بات ہے۔ وہ تو کسی مذہب پر خوش نہ تھے۔ بعد میں وہ مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو انہوں نے تمام واقعات سنائے اور بتایا کہ یہاں رہ کر مجھے احساس نہیں ہوا کہ مَیں کس

؎ : ترجمہ از مجلہ تحریک جدید بالتصویر تحریر مولانا نور الدین صاحب منیر ایم۔ اے۔

فضا میں اپنے دن گزار رہا ہوں۔ مگر جب یہاں سے گیا اور امرتسر پہنچا تو چونکہ قادیان میں سات آٹھ دن میں نے شراب نہیں پی تھی اسلئے مجھے شراب پینے کا شوق تھا۔ وہاں بعض انگریز دوستوں کے ساتھ میں کھانے کے کمرہ میں گیا انہوں نے بھی شراب کا آرڈر دیا اور میں نے بھی شراب کا آرڈر دیدیا مگر پھر مجھے خیال آیا کہ سات آٹھ دن میں نے شراب نہیں پی تو مجھے کچھ نہیں ہوا۔ اگر کچھ اور دن بھی میں شراب چھوڑ کر دیکھوں تو کیا حرج ہے۔ چنانچہ میں نے شراب کا آرڈر منسوخ کر دیا۔ یہ پہلی تبدیلی تھی جو میرے اندر واقع ہوئی۔ اسکے بعد میں برابر شراب سے بچتا رہا۔ فوج میں گیا تو وہاں میرے انگریز دوستوں نے مجھ سے تمسخر شروع کر دیا اور کہا کہ ہم دیکھیں گے کہ تم کب تک شراب نہیں پیو گے۔ اس سے میں اور زیادہ پختہ ہو گیا اور آخر رفتہ رفتہ میری ایسی حالت ہو گئی کہ مجھے شراب کی حاجت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی اسکے بعد مجھے محسوس ہوا کہ یہ محض قادیان جانے کی برکت ہے کہ شراب کی عادت جاتی رہی۔ پھر میں نے زیادہ سنجیدگی سے اسلام اور احمدیت کا مطالعہ کیا۔ حقیقت مجھ پر کھل گئی اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔ وہاں سے ان کی راولپنڈی تبدیلی ہو گئی وہاں بھی انگریز انکو برابر تنگ کرتے اور قسم قسم کی تدابیر سے انکو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ اسلام پر زیادہ سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ قائم ہوتے چلے گئے۔ نمازیں انہوں نے باقاعدگی کے ساتھ شروع کر دیں اور ڈاڑھی بھی رکھ لی۔ اس پر انگریز انہیں اور زیادہ تنگ کرتے۔ کبھی نماز پر تمسخر شروع کر دیتے، کبھی ڈاڑھی پر اعتراض کرتے کبھی کھانے پر جھگڑا شروع کر دیتے۔ آخر انہوں نے ملازمت چھوڑ دی اور اپنی زندگی اسلام کے لئے وقف کر دی۔ اب وہ انگلستان میں اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں اور محض روٹی کپڑا ان کو دیا جاتا ہے۔ اس شخص کی حالت یہ ہے کہ یہ باقاعدہ تہجد پڑھتا ہے۔ نمازیں باجماعت ادا کرتا ہے۔ لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے منہ پر داڑھی رکھتا ہے اور اس کی شکل دیکھ کر سوائے چہرہ کے رنگ کے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ یہ انگریز ہے بلکہ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ یہ بہت پرانا مسلمان ہے۔ اگر یورپ کا رہنے والا ایک شخص اپنے اندر اتنا تغیر پیدا کر سکتا ہے کہ وہ نمازوں کا پابند ہو جاتا ہے۔ تہجد ادا کرتا ہے اور تمام شعائر اسلامی کو خوشی کے ساتھ اختیار کرتا ہے تو ہندوستان یا کسی اور ملک کا رہنے والا کیوں ان باتوں پر عمل نہیں کر سکتا۔"[1]

خاتمہ جنگ کے بعد مسٹر بشیر آرچرڈ ۱۲ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء کو انگلستان پہنچے اور انگلستان کی مادی فوج سے نکل کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانی فوج میں داخل ہو گئے۔ یعنی آپ نے اپنی زندگی اسلام و احمدیت کے لئے وقف کر دی[2] جس پر آپ یکم ہجرت/مئی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو حضرت مصلح موعود کے ارشاد پر مرکز احمدیت قادیان میں بغرض

---

[1] :- "قیام پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں" - صیغہ نشر و اشاعت لاہور ۱۹۴۸ء (ص۱۸ تا ۲۰)۔

[2] :- الفضل ۵ ہجرت ۱۳۲۵ ہش صفحہ ۳ پر وقف زندگی سے متعلق آپ کی درخواست کا ترجمہ شائع شدہ ہے۔

تعلیم تشریف لائے ۔ ؎۱

حضرت مصلح موعود کی تقریر مسٹر بشیر آرچرڈ کی دعوت کی تقریب پر

۲ ماہ ہجرت / مئی ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء کو آپ کے اعزاز میں ایک دعوت دی گئی جسمیں مولانا جلال الدین صاحب شمس نے ایڈریس پیش کیا جس کے جواب میں مسٹر بشیر آرچرڈ نے حسب ذیل تقریر کی :۔

"پہلی دفعہ میں جب قادیان آیا تو میرا قیام صرف دو روزہ تھا۔ اس اثناء میں مَیں نے بہت سے دوستوں سے تبادلہ خیالات کیا اور مذہبی معلومات حاصل کیں مگر کوئی خاص اثر میری طبیعت پر نہ ہوا۔ گاڑی پر سوار ہو کر میں قادیان سے رخصت ہو گیا مگر ابھی چند میل بھی طے نہ کئے ہوں گے کہ یہ واقعات یکے بعد دیگرے میرے ذہن میں آنے شروع ہوئے اور وہ نوازش، مہربانی اور شفقت جسکا اظہار میرے ساتھ کیا گیا ۔خوشگوار یادیں بنکر میرے دل میں چٹکیاں لگانے لگی جس سے لمحہ بہ لمحہ میری طبیعت متاثر ہوتی جارہی تھی ۔ گاڑی جب امرتسر پہنچی تو اس وقت مشاہدات قادیان کا گہرا نقش میرے دل پر کندہ ہو چکا تھا چنانچہ اُسکے بعد میں جس شہر میں بھی گیا میں جماعت کے لوگوں کو تلاش کرتا۔ خوش قسمتی سے وہ ہر شہر میں مجھے مل جاتے اور وہاں بھی مجھے وہی شفقت اور محبت کا نظارہ دیکھنے میں آتا جس کا نظارہ میں نے قادیان میں دیکھا تھا۔ حتیٰ کہ ایک دن ایسا بھی آیا جب میں خود احمدیت کی آغوشِ عاطفت میں جا چکا تھا۔

مجھے ایک سال مسجد احمدیہ لنڈن میں رہنے کا موقعہ ملا۔ وہاں بھی میں نے اسی شفقت اور ہمدردی کا مشاہدہ کیا جو قادیان میں دیکھنے میں آئی تھی۔ اخوت کی یہ رُوح جو جماعت احمدیہ کے ہر فرد میں پائی جاتی ہے اس کی صداقت کو پھیلانے کے لئے کافی ہے۔ اگر احمدیت سچی نہ ہوتی تو یہ رُوح بھی مفقود ہوتی جو کسی اور جماعت اور قوم میں دیکھنے میں نہیں آتی ۔"

بشیر آرچرڈ کے بعد حضرت امیر المومنین نے انگریزی میں ایک پُر معارف تقریر کی جس میں فرمایا :۔

"بشیر احمد آرچرڈ صاحب چونکہ اُردو نہیں جانتے اس لئے اس خیال سے کہ وہ پوری بات کو سمجھ سکیں میں اپنے خیالات کا انگریزی میں اظہار کر دیتا ہوں ۔

ایک وقت تھا جب عیسائی قوم حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تعلیم پر عمل پیرا تھی اور اسکے ساتھ ساتھ وہ دنیاوی ترقیات میں بھی پیش پیش تھی لیکن اسکے بعد عیسائی قوم نے حضرت مسیح کو بھلا دیا اور جو تعلیم وہ لائے تھے اُسے پس پُشت

؎۱ :۔ الفضل ۲ ہجرت / مئی ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ کالم ۳ ۔

ڈال کر سراسر دنیاوی معاملات میں مشغول ہو گئے اور مادیات میں منہمک ہو گئے۔ ایسے وقت میں کبھی کبھی اُن کے دلوں میں خدا تعالیٰ کا ہلکا سا تصوّر آشکار ہوتا مگر عارضی اور غیر دائمی اور پھر اپنی دنیا میں لگ جاتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اُن کی ہدایت کے لئے ایک پیغمبر کا بھیجنا ضروری سمجھا۔ ادھر مسلمان اپنے مذہب کو بھول کر افتراق و شقاق کا شکار ہو چکے تھے۔ انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے ضروری تھا کہ کوئی مصلح آتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سب اقوام کے اکٹھا کرنے کے لئے بھیج دیا اور تم وہ پہلے شخص ہو جسے اپنی قوم میں سے اُسے قبول کرنے کا موقع ملا ہے۔ اور ان کے لائے ہوئے دین کی اشاعت کیلئے وقفِ زندگی کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ ہم آپ کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت عطا فرمائے اور ہر روز آپ کے اخلاص اور جوش کو بڑھاتا رہے۔

بیشک وہ مقصد جس کے لئے آپ کھڑے ہوئے ہیں بہت عظیم الشان ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ اس وقت تمہیں تمہارے ملک کے لوگ بھی نہیں جانتے چہ جائیکہ دوسری دنیا۔ لیکن وہ وقت آئیگا کہ جب خدائے واحد کا نام دُنیا پہ قائم ہو چکا ہوگا اور ہر طرف احمدیت ہی احمدیت ہوگی تو اُس وقت تمہارے ملک کے لوگ تاریخ کی کتابوں کی چھان بین کریں گے اور وہ تلاش کرنے لگیں گے کہ کیا ابتدائی دور میں کوئی انگریز احمدی ہوا۔ جب وہ دیکھیں گے کہ ہاں ایک شخص مسٹر بشیر احمد آرچرڈ تھا جس نے ابتداء میں احمدیت کو قبول کیا اور غیر معمولی قربانیاں کیں یہ دیکھکر اُن کے دل خوشی سے بھر جائیں گے۔ اور اُن کے قلوب اطمینان سے پُر ہو جائیں گے اور نہایت مسرت سے کہیں گے کہ انگریز قوم نے اپنا حق خدمت ادا کر دیا۔ اس وقت بیشک تم نامعلوم اور غیر معروف ہو لیکن وہ زمانہ آئیگا اور جلد آئیگا جب قومیں تمہارے نام پہ فخر کریں گی اور تمہارے کارناموں کو سراہیں گی۔ پس تم اپنی حرکات و سکنات کو معمولی نہ سمجھو اور یہ نہ سمجھو کہ یہ حرکات صرف میری ہیں۔ بلکہ یہ ساری انگریز قوم کی ہیں۔ نہ لوگ جو بعد میں آئیں گے وہ تمہاری ہر حرکت کی نقل کریں گے اور تمہارے ہر لفظ کی پیروی کریں گے۔

کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ آج مسیح علیہ السلام کے حواریوں کو ایسا بلند درجہ حاصل ہے کہ ساری انگریز قوم اُن کی پیروی اور نقل میں فخر محسوس کرتی ہے اور اسی طرح مسلمان بھی صحابہ کی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور بے نظیر قربانیاں کیں عزت کرتے ہیں اور اُن کی ہر حرکت اور ہر لفظ کی پیروی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اگر تمہاری حرکات و سکنات اسلام کے مطابق ہوں گی اور بلند مرتبہ و ذی شان ہوں گی تو یاد رکھو اس وجہ سے تمہاری قوم بھی ترقی کر جائیگی لیکن اگر وہ صحیح اسلامی معیار کے مطابق نہ ہوں گی بلکہ ناقص ہونگی تو تمہاری قوم ترقی سے محروم

رہ جائے گی۔ پس ہمیشہ کوشش کرو کہ آنے والوں کیلئے بہترین نمونہ قائم کرجاؤ اور اعلیٰ درجہ کی یاد چھوڑ جاؤ۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کسی اور شخص کو کھڑا کر دیگا جو اس کام کو سرانجام دیگا۔

اُس زمانہ میں جب احمدیت دنیا پر غالب آئے گی اور ضرور غالب آکر رہے گی اور کوئی طاقت اُسے روک نہیں سکتی اُس وقت لوگوں کے دلوں میں تمہاری عظمت بہت بڑھ جائے گی۔ حتیٰ کہ بڑے سے بڑے وزیراعظم سے بھی زیادہ ہوگی۔

پس میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اخلاص اور جوش سے کام کرو اور آنیوالی نسلوں کے لئے بہترین نمونہ چھوڑ جاؤ۔ آخر میں مَیں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ اپنا فضل اور رحم تمہارے شامل حال رکھے اور وہ مقصد جسکی ابتداء تم نے کی ہے اُس کی انتہا وہ کامیابی کرے۔ آمین۔" [1]

مسٹر بشیر آرچرڈ ۱۱ ماہ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء تک قادیان دارالامان میں رہے ازاں بعد پاکستان اور پھر انگلستان آگئے اور گلاسگو میں نئے احمدی مشن کی بنیاد رکھی۔ بعد ازاں ٹرینیڈاڈ گیا نا بغرض اعلائے کلمۃ اللہ تشریف لے گئے۔ آجکل گلاسگو میں ہی نہایت اخلاص و سرفروشی کے ساتھ تبلیغ اسلام کے فرائض بجالا رہے ہیں۔

حضرت امیر المومنین کی طرف سے مالی وجانی، قربانیوں اور ہجرت کے لئے تیار رہنے کا فرمان

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے مجلس مشاورت ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کے موقعہ پر فرمایا:۔

"مَیں نے ... قدم بقدم جماعت میں ان قربانیوں کا احساس پیدا کرنے کے لئے وقفِ جائیداد کا طریق جاری کیا تھا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری جماعت کے تمام افراد کم سے کم یہ احساس اپنے اندر پیدا کریں کہ ہم سے جب بھی کسی قربانی کا مطالبہ کیا جائیگا ہم اسکو پیش کردیں گے اور اپنے دل میں سے نکال دیں کہ بار بار جانی اور مالی قربانی کا مطالبہ کرنے کے باوجود ابھی تک جان اور مال کو قربان کرنے کا وقت نہیں آیا۔ زمانہ اس وقت کو قریب سے قریب تر لا رہا ہے۔ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ آج سے دس سال بعد یا بیس سال بعد یا پچاس سال بعد وہ زمانہ آنے والا ہے۔ مگر بہرحال وہ منزل ہمارے قریب آرہی ہے اور جب تک ہماری جماعت اس دروازہ میں سے نہیں گذرے گی وہ صحیح معنوں میں ایک مامور کی جماعت کہلانے کی بھی حقدار نہیں ہوسکتی یہ قطعی اور یقینی اور لازمی بات ہے کہ ہم اسلام اور احمدیت کو

---

[1] :۔ الفضل ۶ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء ÷ (مندرجہ بالا تقریروں کا انگریزی متن رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" انگریزی بابت ماہ جون ۱۹۴۷ء صفحہ ۱۶۲ تا صفحہ ۱۶۸ میں شائع شدہ ہے۔ اس رسالہ میں مسٹر بشیر آرچرڈ کی تصویر بھی موجود ہے) ÷

پھیلاتے ہوئے خطروں کے طوفانوں سے گزریں گے۔ اسی طرح یہ قطعی اور یقینی اور لازمی بات ہے کہ ہمیں ایک دفعہ ہجرت کرنی پڑے اور اپنے مکانوں اور جائیدادوں سے محض اللہ کے لئے دست بردار ہونا پڑے۔ مگر ابھی تک ہم اس امتحان سے بھی نہیں گذرے۔ بہرحال یہ دن جلد یا بدیر آنے والا ہے اور ہماری جماعت کے افراد کو اس دن کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا چاہیئے۔ ہمیں کیا معلوم کہ وہ دن کب آنے والا ہے"۔ [1]

حفاظ پیدا کرنے کی تحریک

حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۹ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو تحریک فرمائی کہ قرآن کریم کا چرچا اور اس کی برکات کو عام کرنے کے لئے ہماری جماعت میں بکثرت حفاظ ہونے چاہئیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

"صدر انجمن احمدیہ کو چاہیئے کہ چار پانچ حفاظ مقرر کرے جن کا کام یہ ہو کہ وہ مساجد میں نمازیں بھی پڑھایا کریں اور لوگوں کو قرآن کریم بھی پڑھائیں۔ اسی طرح جو قرآن کریم کا ترجمہ نہیں جانتے ان کو ترجمہ پڑھادیں اگر صبح و شام وہ محلوں میں قرآن پڑھاتے رہیں تو قرآن کریم کی تعلیم بھی عام ہو جائے گی اور بیاں مجلس میں بھی جب کوئی ضرورت پیش آئے گی ان سے کام لیا جا سکے گا۔ بہرحال قرآن کریم کا چرچا عام کرنے کے لئے ہمیں حفاظ کی سخت ضرورت ہے۔ انجمن کو چاہیئے کہ وہ انہیں اتنا کافی گذارہ دے کہ جس سے وہ شریفانہ طور پر گذارہ کر سکیں۔ پہلے دو چار آدمی رکھ لئے جائیں پھر رفتہ رفتہ اس تعداد کو بڑھایا جائے"۔ [2]

۱۳۲۵-۲۶ہش/۱۹۴۶-۴۷ء میں نئے مشنوں کا قیام

۱۳۲۵-۲۶ہش/۱۹۴۶-۴۷ء میں متعدد نئے مشنوں کا قیام عمل میں آیا۔ چنانچہ جو واقفین گذشتہ سال انگلستان پہنچے تھے اُن میں سے بعض ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء میں یورپ کے دیگر ممالک میں اسلام کا جھنڈا گاڑنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس سلسلہ میں ۱۲ ہجرت/مئی کو مولوی محمد ابراہیم صاحب خلیلؔ اور مولوی محمد عثمان صاحب اٹلی مشن کے کام میں توسیع کے لئے روانہ ہوئے [3] ملک عطاء الرحمن صاحب اور چوہدری عطاء اللہ صاحب نے ۱۰ ماہ ہجرت/مئی کو پیرس (فرانس) میں قدم رکھا۔ [4] چوہدری کرم الٰہی صاحب ظفرؔ اور مولوی محمد اسحٰق صاحب ساقیؔ ۱۰ ماہ احسان/جون کو میڈرڈ (سپین) میں پہنچے [5] سوئٹزرلینڈ کی طرف چوہدری عبداللطیف صاحب، شیخ ناصر احمد صاحب اور مولوی غلام احمد صاحب بشیرؔ بھجوائے گئے۔ جو

---

[1] :۔ الفضل ۱۰ شہادت/اپریل ۱۳۴۱ہش/۱۹۶۲ء صفحہ ۳-۴ ؎

[2] :۔ الفضل ۲۶ ظہور/اگست ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۲ ؎

[3] :۔ " ۲۰ ہجرت/مئی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۵ ؎

[4] :۔ الفضل ۲۷ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ ؎

[5] :۔ " ۱۷ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲ ؎

۱۳ راخاء/اکتوبر کو زیورچ میں وارد ہوئے۔ اگلے سال حافظ قدرت اللہ صاحب ۲ رو فا/جولائی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو ہالینڈ پہنچے۔ ان کے علاوہ ۱۳۲۵-۲۶ ہش/۱۹۴۶-۴۷ء میں مولوی غلام احمد صاحب نے عدن میں، یوسف سلیمان صاحب نے جنوبی افریقہ میں اور مولوی محمد زہدی صاحب نے بورنیو میں نئے مشن قائم کئے جنکی تفصیل "تاریخ احمدیت" کی گیارہویں جلد میں درج کی جائے گی۔ انشاء اللہ۔

میاں بیوی کے جھگڑوں کو سنجیدگی سے سلجھانے کی اہم تحریک

سیّدنا حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بعض ایسے مقدمات بھی آتے رہتے تھے جن میں میاں بیوی کی طرف کر چھوٹی چھوٹی باتوں کو وجہ نزاع بنا لیا جاتا تھا اور طلاق اور خلع تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔

حضرت مصلح موعود نے اس نہایت افسوسناک اور ناپسندیدہ طریق کی روک تھام کے لئے ۱۲ رماہ احسان/جون ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء کو مفصل خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں احباب جماعت اور قاضیانِ سلسلہ دونوں کو بہت پُر حکمت ہدایات دیں اور انہیں زوجین کے جھگڑوں کو سنجیدگی سے سلجھانے کی تلقین کی۔ چنانچہ فرمایا:-

"چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے تعلقات کو خراب کرنا عقلمندوں کا کام نہیں ہوتا۔ میرے نزدیک اگر بیوی میں کوئی غلطی ہے تو اس کی اخلاقی اصلاح ہونی چاہیئے۔ لیکن اُسے چھوڑ دینے پر آمادہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ہیڈ ماسٹر لڑکوں کو سبق دیتا ہے کیا جو لڑکے سبق یاد نہیں کرتے انہیں سکول سے نکال دیتا ہے۔ اسی طرح انسانوں میں غلطیاں بھی ہوتی ہیں۔ کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں۔ کمزوریاں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن مومن کا کام ہے کہ ان کو دُور کرنے کی کوشش کرے اور وہ جنس جسے اللہ تعالیٰ نے مقدس بنایا ہے اُسے بازار میں بکنے والی جنس نہ بنا دے۔ پس مَیں جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ اُسے ایسے جھگڑے نہایت سنجیدگی کے ساتھ سلجھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور مَیں قاضیوں کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ انہیں ایسے معاملات میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیئے ...... مَیں قاضیوں کو ہدایت کرتا ہوں کہ ایسے معاملات میں وہ کسی فریق کے وکیل کو قریب بھی نہ آنے دیں اور وہ بجائے قاضی کے باپ بننے کی کوشش کریں۔ اور لڑکے کو اپنا بیٹا سمجھیں اور لڑکی کو اپنی بیٹی سمجھیں جس طرح باپ اپنے بچوں کو سمجھاتا ہے اُسی رنگ میں اُن کو سمجھائیں اور شریعت کے مسائل اُنہیں بتائیں اور انہیں طلاق اور خلع کے نقصانات بتائیں کہ اسکے عام ہونے سے قوم کے اخلاق گر جاتے ہیں۔ جنکی اولاد موجود ہوگی جب وہ بڑے ہوں گے تو اُن پر کیا اثر پڑے گا کہ ہمارے ماں باپ نے معمولی سی بات پر جدائی اختیار کر لی تھی اور وہ اپنے ماں باپ سے کونسا نیک نمونہ حاصل کریں گے اور ایسی اولاد کیسے ترقی حاصل کر سکتی ہے۔ پس یہ چیزیں اخلاق کو سنوارنے

والی نہیں ۔بلکہ اخلاق کو بگاڑنے والی ہیں ۔ جماعت کو اُن کی اہمیت سمجھنی چاہیئے ۔ کیونکہ میرے نزدیک یہ اہم امور سے بھی بالا چیز ہے ۔ جب بھی قاضی کے پاس کوئی ایسا معاملہ پیش ہو اُس کا دل کانپ جانا چاہیئے کہ کہیں مَیں کوئی ایسا فیصلہ نہ کردوں جو خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو اور اُسے معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرکے فیصلہ کرنا چاہیئے ۔ اور یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ جب کوئی ایسا جھگڑا ہو جائے تو نہ مرد کے ماں باپ اور نہ ہی عورت کے ماں باپ اُس میں دخل دینے کی کوشش کریں اور وہ قاضی پر پورا اعتماد رکھیں ۔ اگر اُنہیں فیصلہ میں کوئی سقم معلوم ہو تو وہ ہمیں لکھ سکتے ہیں پھر ہم دیکھیں گے کہ اس فیصلہ میں واقع میں کوئی سُقم موجود ہے یا نہیں ۔" ؎۵

یورپ کا پہلا احمدی شہید شریف دوتسا اور حضرت مصلح موعودؓ

اس سال کا ایک نہایت اہم اور قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ البانیہ کے ممتاز احمدی شریف دوتسا اپنے خاندان سمیت کمیونسٹ حکومت کے ہاتھوں نہایت بے دردی سے شہید کر دیئے گئے ۔ شریف دوتسا یورپ کے پہلے احمدی تھے جنہوں نے جام شہادت نوش کیا ۔

حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں ملک محمد شریف صاحب مبلغ اٹلی نے اس دردناک واقعہ کی اطلاع دی جس پر حضور نے اپنے قلم سے مندرجہ ذیل مضمون رقم فرمایا :-

"اٹلی سے عزیزم ملک محمد شریف صاحب مبلغ نے اطلاع دی ہے کہ شریف دوتسا ایک البانوی سرکردہ اور رئیس جو البانیا اور یوگوسلاویہ دونوں ملکوں میں رسوخ اور اثر رکھتے تھے (دونوں ملکوں کی سرحدیں ملتی ہیں اور البانیہ کی سرحد پر رہنے والے یوگوسلاویہ کے باشندے اکثر مسلمان ہیں اور با رسوخ ہیں اور دونوں ملکوں میں ان کی جائیدادیں ہیں ۔ عزیزم مولوی محمد الدین صاحب اس علاقہ میں رہ کر تبلیغ کرتے رہے ہیں ۔ ان کے ذریعہ سے وہاں کئی احمدی ہوئے ۔ بعد میں مسلمانوں کی تنظیم سے ڈر کر اُنہیں یوگوسلاوین حکومت نے وہاں سے نکال دیا اور وہ اٹلی آ گئے) اور جو یوگوسلاویہ کی پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی طرف سے نمائندہ تھے ۔ جنگ سے پہلے احمدی ہو گئے تھے اور بہت مخلص تھے ۔ اُنہیں البانیہ کی موجودہ حکومت نے جو کمیونسٹ ہے اُن کے خاندان سمیت قتل کروا دیا ہے اُن کا جُرم صرف یہ ہے کہ وہ کمیونسٹ طریق حکومت کے مخالف تھے اور جو مسلمان اس ملک میں اسلامی اصول کو قائم رکھنا چاہتے تھے اُن کے لیڈر تھے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ مرتے تو سب ہی ہیں اور کوئی نہیں جو الٰہی مقررہ عمر

؎۵ :- الفضل ۲۵ وفا / جولائی ۱۳۲۵ھ ہش / ۱۹۴۶ء

سے زیادہ زندہ رہ سکے۔ مگر مبارک ہے وہ جو کسی نوکسی رنگ میں دین کی حمایت کرتے ہوئے مارا جائے۔ شریف دوتسہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ یورپ کے پہلے احمدی شہید ہیں اور اَلْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّمْ کے مقولہ کے ماتحت اپنے بعد میں آنیوالے شہداء کے لئے ایک عمدہ مثال اور نمونہ ثابت ہوکر وہ ان کے ثواب میں شریک ہوں گے۔ برادرم شریف کے خاندان میں سے اُن کا بڑا لڑکا بہرام زندہ ہی ہے اور وہ اس وقت مسلمانوں کے ایک ایسے گروہ کا جو البانیہ میں اسلامی حکومت کا خواہاں ہے سردار ہے۔ وہ اس وقت پہاڑوں میں بیٹھکر مسلمانوں کی قیادت کر رہا ہے اور کمیونسٹ حکومت سے برسر پیکار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عزیز کی حفاظت کرے اور اگر اُس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید ہے تو اُسے کامیاب کرے اور اگر بظاہر بُری نظر آنے والی البانین کمیونسٹ حکومت آئندہ اسلام کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہونیوالی ہے تو اُسے اُس سے صلح اور اتحاد کی توفیق بخشے کہ علم غیب اللہ ہی کو ہے اور عَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ۔ نہ صرف الٰہی فرمان ہے بلکہ بار بار انسان کے تجربہ میں آ چکا ہے۔ اَللّٰھُمَّ آمین۔ دوست اپنی دعاؤں میں عزیزم بہرام کے لئے دعا کرتے رہا کریں کہ اللہ تعالیٰ اُس کا حافظ و ناصر ہو اور اُسے صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔

بعض اور ذمہ دار فوجی افسر بھی البانیہ میں احمدی ہیں نہ معلوم اُن کا کیا حال ہے۔ احباب اُن کے لئے بھی دُعا کرتے رہا کریں۔

یہ واقعہ ہمارے لئے تکلیف دہ بھی ہے اور خوشی کا موجب بھی۔ تکلیف کا موجب اس لئے کہ ایک با رسوخ آدمی جو جنگ کے بعد احمدیت کی اشاعت کا موجب ہو سکتا تھا ہم سے ایسے موقعہ پر جدا ہو گیا جب ہماری تبلیغ کا میدان وسیع ہو رہا تھا۔ اور خوشی کا اس لئے کہ یورپ میں بھی احمدی شہداء کا خون بہایا گیا۔ وہ مادیت کی سرزمین جو خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دُور بھاگ رہی تھی اور وہ علاقہ جو کمیونزم کے ساتھ دہریت کو بھی دُنیا میں پھیلا رہا تھا وہاں خدائے واحد کے ماننے والوں کا خون بہایا جانے لگا ہے۔ یہ خون رائیگاں نہیں جائیگا۔ اس کا ایک ایک قطرہ چلّا چلّا کر خدا تعالیٰ کی مدد مانگے گا۔ اس کی رطوبت کھیتوں میں جذب ہو کر وہ غلّہ پیدا کرے گی جو ایمان کی راہ میں قربانی کرنے کے لئے گرم اور کھولتا ہوا خون پیدا کرے گا جو لوگوں کی رگوں میں دوڑ دوڑ کر انہیں میدان شہادت کی طرف لے جائیگا۔ اب یورپ میں توحید کی جنگ کی طرح ڈالی دیگئی ہے۔ مومن اس چیلنج کو قبول کریں گے اور شوق شہادت میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہو اور سعادتمندوں کے سینے کھول دے تا اسلام اور احمدیت کی فوج میں کمی نہ

آئے۔ اور اس کے لئے روز بروز زیادہ سے زیادہ مجاہد ملتے جائیں۔ اللّٰھمّ آمین ۔

اے ہندوستان کے احمدیو! ذرا غور تو کرو تمہاری اور تمہارے باپ دادوں کی قربانیاں ہی یہ دن لائی ہیں۔ تم شہید تو نہیں ہوئے مگر تم شہید گر ضرور ہو۔ افغانستان کے شہداء ہندوستان کے نہ تھے مگر اس میں کیا شک ہے کہ انہیں احمدیت ہندوستانیوں ہی کی قربانیوں کے طفیل ملی۔ مصر کا شہید ہندوستانی تو نہ تھا۔ مگر اسے بھی ہندوستانیوں ہی نے نورِ احمدیت سے روشناس کروایا تھا۔ اب یورپ کا پہلا شہید گو ہندوستانی نہ تھا مگر کون تھا جس نے اس کے اندر اسلام کا جذبہ پیدا کیا۔ کون تھا جس نے اس صداقت پر قائم رہنے کی ہمت دلائی؟ بیشک ایک ہندوستانی احمدی! اے عزیزو فتح تمہاری سابق قربانیوں سے قریب آرہی ہے مگر جوں جوں وہ قریب آرہی ہے تمہاری سابق قربانیاں اُس کیلئے ناکافی ثابت ہو رہی ہیں۔ نئے مسائل نئے زاویہ نگاہ چاہتے ہیں۔ نئے اہم امور ایک نئے رنگ کی قربانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اب ہماری سابق قربانیاں بالکل ویسی ہی ہیں جیسے ایک جوان کیلئے بچہ کا لباس۔ کیا وہ اس لباس کو پہن کر شریفوں میں گنا جا سکتا ہے یا عقلمندوں میں شمار ہو سکتا ہے۔ اگر نہیں تو جان لو کہ اب تم بھی آج سے پہلے کی قربانیوں کے ساتھ وفاداروں میں نہیں گنے جا سکتے۔ اور مخلصوں میں شمار نہیں ہو سکتے۔ اب جہاد ایک خاص منزل پر پہنچنے والا ہے۔ پہلا دَور مصیبتوں کا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دعویٰ رسالت کے ابتدائی دَور کے مشابہ تھا گزر گیا۔ اب دوسرا دَور چل رہا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وادی میں نظر بند ہونے کے مشابہ ہے۔ آج اگر ہم نے اِس دَور کے مطابق قربانیاں نہ کیں تو ہمارا ٹھکانہ نہیں نہ ہوگا۔ ہماری مثال اس صورت میں اُس شخص کی سی ہوگی جو منار کی چوٹی پر پہنچ کر گر جاتا ہے۔ مبارک ہے وہ جو منار پر چڑھ جاتا ہے مگر اُس سے زیادہ بدقسمت بھی کوئی نہیں جو مینار کی چوٹی پر چڑھ کر گر جاتا ہے۔ ہمارے نوجوان قربانیوں کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ الحمدللّٰہ۔ لیکن ہمارے چندہ دہندگان اپنے بٹوؤں کو کھولنے کی بجائے ان کا مُنہ بند کر رہے ہیں۔ اِنّا للّٰہ۔

اے غافلو جاگو! اے بے پروا ہو ہوشیار ہو جاؤ! تحریک جدید نے تبلیغ اسلام کے لئے ایک بہت بڑا کام کیا ہے۔ مگر اب وہ کام اسقدر وسیع ہو چکا ہے کہ موجودہ چندے اُسکے بوجھ کو اُٹھا نہیں سکتے۔ مبارک ہے وہ سپاہی جو اپنی جان دینے کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ مگر بدقسمت ہے اُس کا وہ وطنی جو اُس کے لئے گولہ بارود مہیّا نہیں کرتا۔ گولہ بارود کے ساتھ ایک فوج دشمن کی صفوں کو تہ و بالا کر سکتی ہے۔ مگر اسکے بغیر وہ ایک بکروں کی قطار ہے جسے قصائی یکے بعد دیگرے ذبح کرتا جائیگا۔ تمہارے بیٹے ہاں بیٹوں سے بھی زیادہ قیمتی وجود

جان دینے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ کیا تم اپنے ماؤں کی محبت کی وجہ سے اپنی آنکھوں کے سامنے انکو مرتا ہوا دیکھو گے۔ اگر وہ اس حالت میں مرے کہ تم نے بھی قربانی کا پورا نمونہ دکھا دیا ہو گا۔ تو وہ اگلے جہان میں تمہارے شفیع ہوں گے اور خدا کے حضور میں تمہاری سفارشیں کریں گے لیکن اگر وہ اس طرح جان دینے پر مجبور ہوئے کہ اُن کی قوم نے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا اور اُن کے وطن نے اُن کو مدد نہ پہنچائی تو وہ تو شہید ہی ہوں گے مگر ان کے اہل وطن کا کیا حال ہو گا؟ دنیا میں ذِلّت اور عُقبیٰ میں؟ اس سوال کا جواب نہ دینا جواب دینے سے اچھا ہے۔ اس دُنیا کی ذلّت سے تو انسان مُنہ چھُپا کر گزارہ کر سکتا ہے مگر اُس دنیا میں وہ کیا کرے گا؟ غالب نے خُوب کہا ہے ؎

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے ٭ مَر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

جو ذلّت صرف اس دنیا کے متعلق ہو موت اُس سے نجات دے سکتی ہے مگر جو دونوں جہانوں سے متعلق ہو اُس میں کیا فائدہ دیگی۔ وہ تو کلنک کے ٹیکہ کو اور بھی سیاہ کر دے گی۔

پس اے عزیزو! کمریں کس لو۔ اور زبانیں دانتوں میں دبا لو۔ جو تم میں سے قربانی کرتے ہیں وہ اَور زیادہ قربانیاں کریں۔ اپنے حوصلہ کے مطابق نہیں دین کی ضرورت کے مطابق۔ اور جو نہیں کرتے قربانی کرنے والے اُنہیں بیدار کر دیں۔ ہر تحریک جدید کا حصّہ دار اپنے پر واجب کر لے کہ وہ دفتر دوم کے لئے ایک نیا حصّہ دار تیار کرے گا اور جب تک وہ ایسا نہ کر سکے وہ سمجھ لے کہ میری پہلی قربانی بیکار گئی اور شاید کسی نقص کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے دربار سے واپس کر دی گئی۔ وہ پھل جو درخت بن گیا وہی پھل ہے جو کسی کے پیٹ میں جا کر فضلہ بن گیا۔ اور اپنی نسل کو قائم نہ رکھ سکا۔ وہ کیا پھل ہے خدا ہی اُس پر رحم کرے۔

والسّلام

خاکسار مرزا محمود احمد"[1]

جماعتِ احمدیّہ کی پنجاہ سالہ رفتارِ ترقی پر اخبار "ریاست" کا دلچسپ نوٹ

جماعت احمدیّہ کے مشہور محقق ملک فضل حسین صاحب نے اخبار الفضل (۶ ظہور/اگست ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء) میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا ایک غیر مطبوعہ مکتوب شائع کیا جو حضرتِ اقدس علیہ السلام نے ۵ ستمبر ۱۸۹۶ء کو حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کے نام تحریر فرمایا تھا اور جس میں "الدار"

---

[1] :- الفضل ۱۲ وفا/جولائی ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ تا صفحہ ۲

کے اندر کنواں لگانے کیلئے دو آنہ چندہ بھیجنے کی تحریک فرمائی تھی۔

سردار دیوان سنگھ مفتوں صاحب نے اپنے اخبار "ریاست" (۱۲ اگست ۱۹۴۶ء) میں اس مکتوب پر "قادیان کے احمدیوں کی پچاس سالہ رفتار" کے زیر عنوان حسب ذیل اداریہ لکھا:۔

"قادیان کی احمدی جماعت کے اس وقت کئی لاکھ ممبر ہیں۔ اور ان ممبروں میں چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں جیسے جج فیڈرل کورٹ اصحاب بھی شامل ہیں جو اپنی آمدنی کا زیادہ حصہ رفاہِ عام کاموں کے لئے اس جماعت کی معرفت صرف کرتے ہیں اور یہ جماعت مختلف شعبوں کے ذریعہ ہر سال لاکھوں روپیہ ہندوستان وغیرہ ممالک میں مذہب و اخلاق کی تبلیغ کے لئے صرف کرتی ہے۔ مگر آج سے پچاس برس پہلے اس جماعت کے بانی کے پاس ایک کنواں لگوانے کے لئے اڑھائی سو روپیہ بھی نہ تھا اور آپ نے دو دو آنے جمع کر کے رفاہِ عام کے لئے ایک کنواں لگوایا۔

اگر احمدی جماعت کی اس کامیابی پر غور کیا جائے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ جماعت جو روپیہ صرف کرتی ہے وہ ایک ایک پائی پبلک کیلئے صرف کیا جاتا ہے۔ اس روپیہ کے جمع یا صرف کرنے میں ذاتی اغراض کو دخل نہیں اور پبلک جب دیکھتی ہے کہ کارکن دیانتدار اور مخلص ہیں تو وہ اپنی جائیداد فروخت کر کے بھی روپیہ فراہم کرتی ہے جو لوگ پبلک مفاد کے لئے کوئی کام کرتے ہوئے روپیہ نہ ملنے کی شکایت کرتے ہیں اُن کے لئے مرحوم مرزا غلام احمد کا یہ واقعہ آنکھیں کھولنے کا باعث ہونا چاہیئے۔ کیونکہ پبلک ان لوگوں کے لئے روپیہ نہیں آنکھیں بچھانے کیلئے بھی تیار رہے جو دیانتدار اور مخلص ہوں۔ مگر اُن لوگوں کے لئے پبلک کے پاس پیسہ نہیں جو پبلک فنڈوں کو ہڑپ کرنے کے لئے پبلک کے سامنے گداگری کریں اور مالی مشکلات کا رونا روتے رہیں۔"[۱]

انڈونیشیا کی تحریکِ آزادی اور جماعتِ احمدیہ

انڈونیشیا شرق الہند کے اس مجمع الجزائر کا نام ہے جو سولھویں صدی عیسوی سے ہالینڈ کے مقبوضات چلے آرہے تھے۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران جاپان نے ان جزیروں پر قبضہ جما لیا تھا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان نے اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ جس پر ملک کی قومی پارٹی نے ڈاکٹر عبدالرحیم سکارنو اور ڈاکٹر عطاء کی قیادت میں ۱۷ اگست ۱۹۴۵ء کو انڈونیشیا کی آزادی کا اعلان حسب ذیل الفاظ میں کر دیا:۔

"اس اعلان کے ذریعہ ہم انڈونیشین اپنے ملک انڈونیشیا کی آزادی کا اعلان کرتے ہیں۔ تمام امور

---

[۱]:۔ بحوالہ الفضل ۱۹ ظہور/اگست ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲

جو اختیارات کے منتقل کرنے سے تعلق رکھتے ہیں نہایت احتیاط اور سرعت سے کئے جا رہے ہیں"۔
بٹاویہ (جکرتا) ۱۷ راگست ۱۹۴۵ء۔[۵]

اس اعلان کے بعد ہالینڈ کی ڈچ افواج نے ملک کو پہلے کی طرح اپنے زیر نگیں کرنے کیلئے مہم شروع کر دی۔
اس اہم مرحلہ پر مولانا محمد صادق صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ مقیم پیڈانگ (سماٹرا) نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں انڈونیشیا کی تحریک آزادی سے متعلق چار اہم استفسارات بھیجے جن کے حسب ذیل جواب حضور نے اپنے قلم سے تحریر فرمائے:۔

سوال:۔ پہلے انڈونیشیا میں ڈچ حکومت تھی اُس کے بعد جاپانی حکومت قائم ہوئی۔ پھر جاپانی حکومت بھی ختم ہو گئی۔ چونکہ اتحادی فوجوں کے آنے میں دیر ہوئی اس لئے انڈونیشیا کے لوگوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ آزادی کا اعلان اور حکومت کا قیام اتحادیوں کے مشورہ کے بغیر ہوا اس لئے اتحادیوں نے آج تک انڈونیشین آزادی اور حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ اس صورت میں کیا اسلام کی رُو سے انڈونیشیا واقعی آزاد قرار پاتا ہے؟ اور کیا انڈونیشین حکومت واقعی وہ حکومت ہے جس کی اطاعت رعیت پر فرض ہے یا کہ باغی جمعیت ہے؟

جواب:۔ واقعی حکومت تو وہی ہوگی جس کو ملک کی اکثریت قبول کرے گی۔ باقی اگر ملک کی اکثریت آزاد حکومت بنائے تو شرعاً باغی نہیں کہلائے گی بلکہ حق پر سمجھی جائے گی کیونکہ ملک کو کلّی طور پر فتح کر کے سابق حکومت کے قبضہ سے نکال لیا گیا تھا۔ باقی رہا سوال مصلحت اور حکمت کا۔ اسے وہاں کے لوگ خود سمجھ سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک مغربی حکومت کلّی آزاد حکومت نہیں رہنے دے گی۔ اس لئے سمجھوتا کرنا مفید ہوگا۔

سوال:۔ آزادی کی تحریک اور دوسرے سیاسی امور میں احمدی حصّہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً انڈونیشین حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر ڈچ لوگ دفتروں اور کارخانوں پر قابض ہو گئے تو ہم اُن سے بائیکاٹ اور سٹرائیک کریں گے۔ کیا ایسے بائیکاٹ اور سٹرائیک میں شریک ہونا جائز ہے؟

جواب:۔ اگر انڈونیشین حکومت واقعی اکثریت کی حکومت ہے تو اُوپر لکھا جا چکا ہے کہ وہ جائز حکومت ہے اس صورت میں اس کے احکام کی تعمیل شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ پسندیدہ ہے۔

---

[۵]:۔ الفضل ۱۳ رظہور / اگست ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۱۔

سوال :- اگر ڈچ لوگ اس علاقہ میں داخل ہوں اور انڈونیشین اُن کا مقابلہ کریں تو جماعت احمدیہ کو کس طرف ہونا چاہیئے ؟

جواب :- میں کہہ چکا ہوں کہ مصلحت اسی میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل کر کے صلح کر لی جائے ۔ کیونکہ سب مغربی حکومتیں مُنہ سے کچھ بھی کہیں ڈچ کے ساتھ ہونگی لیکن اگر فی الواقعہ ملک میں اکثریت کی حکومت قائم ہو چکی ہے تو چونکہ وہ جائز حکومت ہے احمدیوں کو اُس کا ساتھ دینا جائز ہی نہیں پسندیدہ ہوگا ۔ مگر یہ فعل انڈونیشین کا ہوگا خلافِ حکمت ۔

سوال :- اس آزادی کی تحریک میں حصّہ لیتے ہوئے مرنے والا شہید ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں تو مَنْ قُتِلَ دون اهلهٖ ومالهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ کا کیا مطلب ہے ؟

جواب :- آزادی کی کوشش میں حصّہ لینے والا شہید تو ضرور ہوتا ہے مگر یہ شہادت دینی نہیں ۔ ورنہ ہر انگریز اور جرمن بھی شہید ہونا چاہیئے ۔ شہید سے مراد یہ ہے کہ قوم کا ہیرو ہوگا ۔ یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کا ہیرو ہوگا ۔ خدا تعالیٰ کا ہیرو وہی ہوگا جو دین کے لئے شہید ہو ۔" [1]

ان جوابات کے علاوہ حضرت مصلح موعود نے ۱۶ ظہور / اگست ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء کے خطبہ جمعہ میں انڈونیشیا کی آزادی کے حق میں پُرزور آواز بلند کی اور دوسرے مسلمانوں کو بھی تحریک فرمائی کہ وہ مسلمانانِ انڈونیشیاء کی تحریک آزادی [2] کی زبردست تائید کریں ۔ چنانچہ حضور نے فرمایا :-

"ساری دنیا میں صرف انڈونیشیا ایک ایسا علاقہ ہے جس میں چھ سات کروڑ مسلمان ایک زبان بولنے والے اور ایک قوم کے بستے ہیں اور جن کے علاقے میں غیر لوگ نہ ہونے کے برابر ہیں اور جن میں اتحاد کی روح اس وقت زور سے پیدا ہو رہی ہے ۔ دنیا بھر میں اور کوئی علاقہ اسلامی مرکز ہونے کی اسقدر اہلیت نہیں رکھتا ۔ پس اس وقت اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اخباروں میں ، رسالوں اور اپنے اجتماعوں میں مسلمان اپنے ان بھائیوں کے حق میں آواز اٹھائیں اور ان کی آزادی کا مطالبہ کریں ۔ اگر اب ان کی امداد نہ کی گئی اور اگر اب انکی حمایت نہ کی گئی ۔ تو مجھے خطرہ ہے کہ ڈچ ان کی آواز کو بالکل دبا دیں گے ۔ وہ اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہے ہیں کہ آہستہ آہستہ انڈونیشیا کے شور پر قابو پالیں اور اس کوشش میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی

---

[1] :- الفضل ۲۵ صلح / جنوری ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۳ ۔

[2] :- مولانا محمد صادق صاحب سماٹری نے انہیں دنوں "انڈونیشیا کی آزاد حکومت کے آئین کی تفصیل" کے عنوان سے ایک مضمون بھی لکھا تھا جو الفضل ظہور / تبوک ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء میں بالاقساط شائع ہوا ۔

ہو گئے ہیں۔ اور دنیا کی نظریں اب انڈونیشیا کی طرف سے ہٹ گئی ہیں اور انڈونیشیا کے لوگ خود بھی یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ اب ہم اکیلے رہ گئے ہیں لیکن اگر دنیا میں ان کی حمایت میں اور ان کی تائید میں آوازیں بلند ہوں ایک شور برپا ہو جائے تو وہ دلیری اور بہادری سے مقابلہ کریں گے۔ کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ ہم اکیلے نہیں لڑ رہے بلکہ ہمارے کچھ اور بھائی بھی ہماری پشت پر ہیں۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب تک انسان یہ سمجھتا ہے کہ کچھ لوگ اس کے مقابلہ کو دیکھ رہے ہیں تو وہ زیادہ جوش کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے۔ لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ میں اکیلا ہوں اور مجھے کوئی دیکھ نہیں رہا تو اُس کے جوش میں کمی آجاتی ہے۔ پس اگر انڈونیشیا کے لوگوں کے کانوں میں یہ آوازیں پڑتی رہیں کہ تمہاری ہر قسم کی امداد کریں گے اور جہاں تک ممکن ہو گا ہم تمہارے لئے قربانی کریں گے۔ اس آزادی کی جنگ میں آپ لوگ اکیلے نہیں لڑ رہے۔ بلکہ ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہیں اور پھر جہاں تک ممکن ہو دنیا کے مسلمان اپنے ان مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کی کوشش کریں تو وہ اپنی آزادی کے لئے بہت زیادہ جدوجہد کریں گے۔ اور اُمید کی جا سکتی ہے کہ اُن کو جلد آزادی مل جائے گی۔"[1]

حضرت مصلح موعود کے گذشتہ فتویٰ کی روشنی میں انڈونیشیا کے مبلّغین۔ انڈونیشیا کے دوسرے ملکی باشندوں کے دوش بدوش جنگ آزادی میں شامل ہو گئے تھے۔ اب حضور کے اس تازہ خطبہ کے بعد قادیان کے مرکزی پریس کے علاوہ دُنیا بھر کے احمدی مشنوں نے بھی انڈونیشیا کی تحریک آزادی کے حق میں مؤثر آواز بلند کی یہاں تک کہ ۱۷ ظہور/اگست ۱۳۲۸ ہش/۱۹۴۹ء کو انڈونیشیا کو آزادی مل گئی۔

---

[1] :- الفضل ۲۰ ظہور/اگست ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۳

پانچواں باب

مُسلمانانِ عالم کو قبل از وقت انتباہ اور اتحادِ اسلامی کی پُرزور تحریک

سے لیکر

حضرت مُصلح موعُود کی ہجرتِ پاکستان تک

(از شوال ۱۳۶۵ھ مطابق ظہور/اگست ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء تا شوال ۱۳۶۶ھ مطابق ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء)

فصل اوّل

مُسلمانانِ عالم کو اتحاد کی تحریک ۔ حضرت مصلح موعود کی اہم دینی مصروفیات دہلی میں ۔ نواکھالی اور بہار میں فسادات اور جماعتِ احمدیہ کی خدمتِ خلق ۔ متحدہ ہندوستان کا آخری سالانہ اجتماع اور سالانہ جلسہ ۔ ۱۳۲۵ ہش/۱۹۴۶ء میں انتقال کرنے والے بزرگ صحابہ

کلکتہ کے فسادات میں احمدیوں کا شدید نقصان

کلکتہ اگرچہ ایک عرصہ سے ہنگاموں اور بلووں کا مرکز بنا ہوا تھا مگر اس سال ۱۶ تا ۱۸ ظہور/اگست کے فرقہ وارانہ فسادات نے گذشتہ تمام ریکارڈ مات کر دیئے ۔ سرسری اندازہ کے مطابق دو تین ہزار کے درمیان نفوس ہلاک اور چار پانچ ہزار کے لگ بھگ زخمی ہوئے ۔ شہر کے چپہ چپہ میں لوٹ مار اور آتش زنی کے بیشمار واقعات ہوئے ہزاروں دکانیں اور مکانات جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئے ۔ ان فسادات میں جماعت احمدیہ کلکتہ کے سب افراد خدا کے فضل سے بخیریت رہے البتہ تین لاکھ روپیہ کے قریب انہیں مالی نقصان ہوا ۔ سب سے زیادہ بلوائیوں کی لوٹ مار کا تختہ مشق "کانٹی نینٹل موٹر ہاؤس" کی احمدی فرم[1] کو بننا پڑا ۔ جس کے مالک سیٹھ محمد صدیق صاحب و محمد یوسف صاحب تھے ۔ حضرت مصلح موعود کی خدمت میں

---

[1] : ۔ سب سے زیادہ نقصان اسی فرم کو پہنچا جس کا تخمینہ دو لاکھ تھا ؛

جب کلکتہ کے احمدیوں کے مالی نقصان کی اطلاع پہنچی تو حضور نے اپنے قلم سے لکھا:۔

"اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہو اگر وہ سچے صبر اور توکل علی اللہ سے کام لیں تو نقصان میں زور نہ ہوگا۔ انشاء اللہ ترقی ملے گی"۔

چنانچہ خدا کے فضل سے ایسا ہی ہوا۔

مصیبت اور ابتلا کے ان پُر خطر ایّام میں بھی احمدیوں نے دوسرے مصیبت زدوں کی ہر ممکن امداد کی چنانچہ تین بچوں اور چھ خواتین کو فساد زدہ علاقہ سے نکال کر ایک احمدی کے گھر پناہ دی گئی۔ اسی طرح ایک احمدی نے ایک سکھ فوجی افسر کو (مع اہل و عیال) اور ایک ہندو کو ایک دن رات اپنے یہاں رکھا اور دوسرے روز بعض اور معززین کی مدد سے ان کو ان کے گھروں تک بخیریت پہنچایا۔ علاوہ ازیں احمدی دوست اپنے اپنے حلقہ میں حتی المقدور ہر مذہب و ملّت کے لوگوں کو ہر ممکن امداد دیتے رہے۔ [1]

ڈھاکہ کے احمدیہ دارالتبلیغ میں آتشزدگی

فسادات کلکتہ کا سلسلہ پورے بنگال میں پھیل گیا تھا جس کے دوران صوبائی جماعت احمدیہ بنگال کے دارالتبلیغ کو (جو بخشی بازار روڈ ڈھاکہ میں ہندو آبادی کی اکثریت کے درمیان واقع تھا) کہ پہلے لوٹا گیا پھر ۲۲ تبوک / ستمبر کی شام کو نذر آتش کر دیا گیا جس سے مسجد احمدیہ بالکل خاکستر ہو گئی اور دارالتبلیغ کے پختہ حصّہ کو بھی بہت نقصان پہنچا۔ دفتر کا سامان، دفتری ریکارڈ، بنگالی ترجمہ قرآن کا مسودہ۔ الفضل کے فائل اور بہت سا مذہبی لٹریچر بالکل جل گیا۔ صوبائی مرکز عارضی طور پر برہمن بڑیہ ضلع ٹپرہ میں منتقل کر دینا پڑا۔ [2]

مسلمانانِ عالم کو بروقت آسمانی انتباہ اور متحد ہونے کی تحریک

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کو ایک خواب میں دکھایا گیا کہ "اسلام کے لئے ایک بہت ہی نازک وقت آنے والا ہے اور مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان معاملات میں آپس میں اتحاد کر لیں جن میں اختلاف کرنے پر ان کا مذہب اور اُن کا عقیدہ انہیں مجبور نہیں کرتا"۔

اس الٰہی اشارہ پر حضور نے "الانذار" کے نام سے الفضل میں ایک مضمون سپردِ قلم فرمایا جس میں نہایت تفصیل سے پوری خواب درج فرمائی پھر لکھا:۔

---

[1] :۔ الفضل ۲۰ تبوک / ستمبر ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۱ و ۲۸ نبوت ۱۳۲۵ہش صفحہ ۲ ؎

[2] :۔ الفضل یکم اخاء / اکتوبر صفحہ ۲ و ۴ / اخاء / اکتوبر ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۲ ؎

"اس رؤیا نے ہمیں اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اسلام کے لئے ایک نہایت ہی نازک دور آ رہا ہے اور مسلمانوں کو دنیوی اور سیاسی معاملات میں اپنے آپ کو متحد کر لینا چاہیئے اور ہر شخص کو دوسرے تمام امور کی نسبت اتحاد کو مقدم کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ اسی میں مسلمانوں کی نجات ہے۔ یہ نہایت ہی مشکل بات ہے۔ آسان بات نہیں۔ اس وقت مختلف مسلمان گروہوں کی طبائع میں اس قدر اختلاف پیدا ہو چکا ہے کہ وہ اختلافی مسائل پر زور دینا زیادہ پسند کرتے ہیں بہ نسبت اتحاد کی کوشش کے۔ بحیثیت مجموعی انہیں مسلمانوں کی بہبودی کی اتنی فکر نہیں جتنی ہر پارٹی کو اپنی پارٹی کی فکر ہے۔

میں اس خواب کو ظاہر کرتے ہوئے ہر احمدی کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے اپنے حلقۂ اثر میں مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائے کہ تمہاری پھوٹ تمہاری تباہی کا موجب ہو گی۔ اس وقت تمہیں اپنی ذاتوں اور اپنے خیالوں اور اپنی پارٹیوں کو بھول جانا چاہیئے۔ اور ہر ایک مسلمان کہلانے والے کو اسلام کی حفاظت کے لئے متحد کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اختلاف کو نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ ہر ایک سے یہ مت خواہش کرو کہ وہ سو فی صدی تمہارے ساتھ مل جائے بلکہ اُس سے یہ پوچھو کہ اس جدوجہد میں تم کتنی مدد کر سکتے ہو۔ جتنی مدد وہ کرنے کے لئے تیار ہو اُس کو خوشی سے قبول کر لو اور اس وجہ سے کہ وہ سو فی صدی تمہارے ساتھ نہیں اس کو دھتکارو نہیں اور اسلام کی صفوں میں رخنہ پیدا مت کرو۔ ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ اس آواز کو اُٹھائے اور رات اور دن اس کام میں لگ جائے حتیٰ کہ سیاسی پارٹیاں آپس میں اتحاد کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ میں یقین کرتا ہوں۔ کہ اگر اب بھی مسلمان اختلاف پر زور دینے کی بجائے اتحاد کے پہلوؤں پر جمع ہو جائیں تو اسلام کا مستقبل تاریک نہیں رہے گا ورنہ اُفقِ سماء پر مجھے سپین کا لفظ لکھا ہوا نظر آتا ہے۔" [1]

مسلمانانِ عالم کے لئے دُعائے خاص کا ارشاد

حضرت مصلح موعود نے "الانذار" کے تسلسل میں بمقام بیت الفضل (ڈلہوزی) ۲۰ ظہور / اگست ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء کو ایک خطبہ بھی دیا جس میں مسلمانانِ عالم کے لئے دُعائے خاص کی تحریک کی چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

"آجکل جس قسم کے حالات میں سے مسلمان گزر رہے ہیں وہ نہایت ہی تاریک ہیں۔ ہندوستان۔ فلسطین۔ مصر۔ انڈونیشیا۔ ان سب جگہوں میں مسلمانوں کی ہستی نہایت ہی خطرہ میں ہے۔ ہندوستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایران میں روسی حکومت اپنا اثر و نفوذ پیدا کر رہی ہے۔ اس لئے ایرانی حکومت کو نہایت خطرناک حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ انڈونیشیا میں ڈچ حکومت مسلمانوں کو غلام بنانے کی خاطر تمام قسم کے ہتھیار استعمال کر رہی ہے۔

[1] :- الفضل ۲۸ ظہور / اگست ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء

ملایا میں چینیوں کو زبردستی ٹھونسا جا رہا ہے۔ ہندوستان سے چل کر ایران۔ پھر فلسطین۔ مصر۔ انڈونیشیا ان سارے ہی علاقوں میں مسلمان سخت خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ پس تمام دوستوں کو چاہیئے ان دونوں خاص طور پر دعائیں کریں۔ دوسرے مسلمانوں کو بھی تحریک کرنی چاہیئے کہ وہ بھی دعاؤں میں لگ جائیں۔ سوائے اس کے مسلمانوں کے لئے کوئی چارہ نہیں۔" [1]

دہلی میں حضرت مصلح موعود کی دینی مصروفیات

حضرت مصلح موعود نے اس سال (۲۱ رتبوک/ستمبر تا ۱۵ ر اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء) سفر دہلی اختیار فرمایا جس کی سیاسی تفصیلات تیسرے باب میں آچکی ہیں۔ اس موقعہ پر قیام دہلی کے دوران حضور کی بعض اہم دینی مصروفیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے:-

حضرت مصلح موعود کا قیام کوٹھی ۸ یارک روڈ میں تھا۔ جہاں حضور روزانہ مغرب و عشاء کی نماز کے بعد مجلس علم و عرفان میں رونق افروز ہوتے تھے اور احمدی غیر احمدی بلکہ غیر مسلم بھی بکثرت حضور کی مجلس میں حاضر ہوتے اور استفادہ کرتے تھے۔ قیام دہلی کے دوران حضور نے مسئلہ دُعا، موت کے بعد رُوح، اسلامی عبادات اور چاند، قدامت روح و مادہ، ڈبوں کا گوشت، معجزہ شق القمر، حضرت صالح کی اونٹنی، ملکہ سبا کا تخت، احمدی نام موعود خلافت، قومی رسوم و رواج وغیرہ متعدد مسائل پر لطیف روشنی ڈالی۔

حقائق و معارف کے اس سلسلہ کے علاوہ جو عموماً روزانہ ہی جاری تھا اور جو سرچشمہ ہدایت تھا۔ حضور نے مسجد احمدیہ دریا گنج میں تین خطبات جمعہ بھی دیئے۔ جن میں دہلی کی جماعت کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی [2] جماعت احمدیہ کے جملہ افراد کو یہ فرض یاد دلایا کہ وہ دُنیا کی ہر قوم اور ہر فرد کو مخاطب کرے [3] اور دنیا کو تباہی سے بچانے کے لئے خصوصیت سے دعاؤں میں لگ جائے۔ [4] دہلی میں حضور کی تین خاص تقریریں بھی ہوئیں۔ ۲۹ ر تبوک/ستمبر کو خدام الاحمدیہ دہلی کے جلسہ میں تقریر فرمائی اور انہیں اپنے اندر نیک تبدیلی، تنظیم مضبوط بنانے۔ دین کے لئے قربانی کرنے اور بنی نوع انسان کی خدمت کرنے کی قیمتی نصائح سے نوازا۔ [5] یکم اخاء/اکتوبر کو حضور نے دہلی کی احمدی خواتین سے خطاب فرمایا جس میں انہیں تبلیغ کرنے اور صحابیات کے نقش قدم پر چلنے کی پُرزور نصیحت کی۔ [6] ۹ ر اخاء/اکتوبر کو حضور نے اپنی فرودگاہ میں اس اہم موضوع پر لیکچر دیا کہ "اسلام دنیا کی موجودہ بے چینی کا کیا

---

[1]:- الفضل ۱۰ رتبوک/ستمبر ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صٓ کالم ۲ و ۲ ؛ [2] الفضل ۹ ر اخاء ۱۳۲۵ ہش ؛
[3]:- الفضل ۲۸ ر اخاء ۱۳۲۵ ہش ؛ [4]:- الفضل ۳۰ ر اخاء ۱۳۲۵ ہش ؛
[5] و [6]:- الفضل ۴ ر اخاء ۱۳۲۵ ہش صہ ۱ و ۲ ؛ مکمل تقریر کیلئے ملاحظہ ہو الفضل ۱۹ ر اخاء/اکتوبر ۱۳۳۹ ہش / ۱۹۶۰ء صہ ۲ تا ۶ ؛

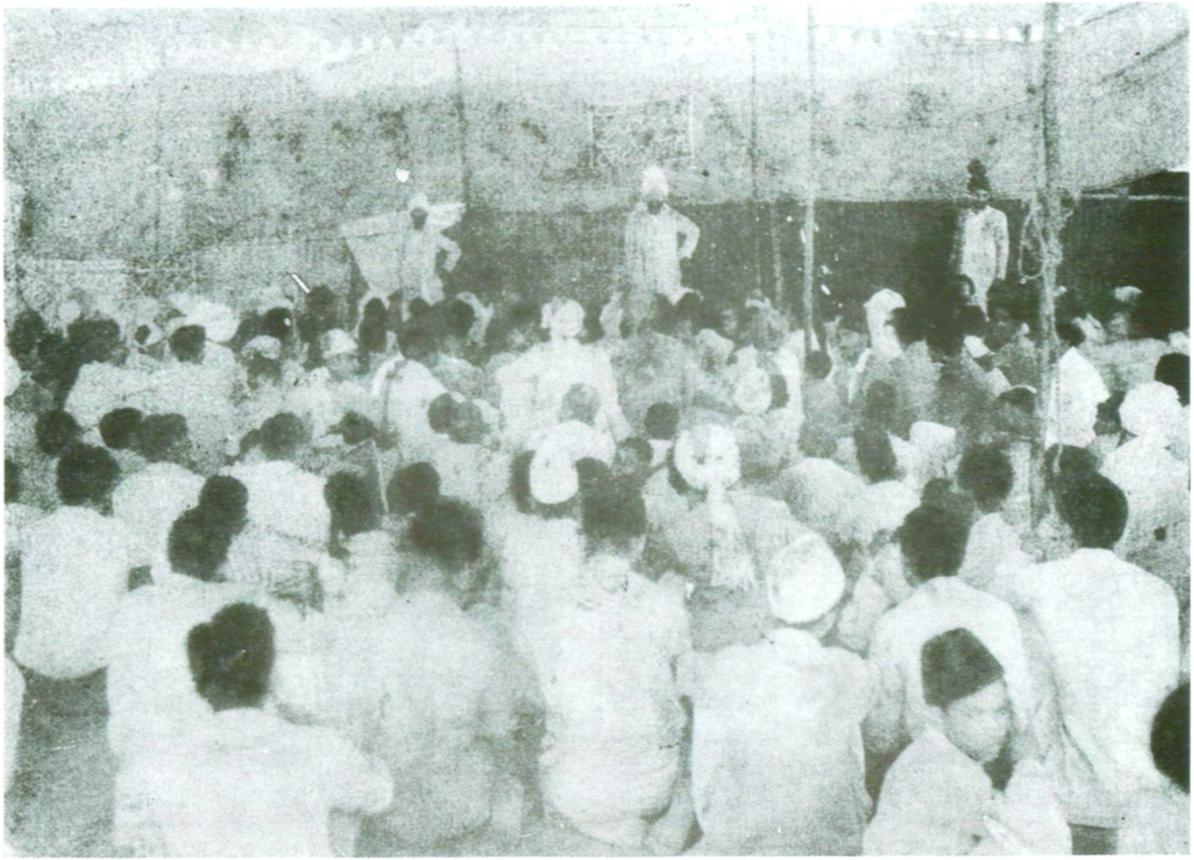

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ المصلح الموعود جماعت احمدیہ دہلی سے خطاب فرمارہے ہیں

علاج پیش کرتا ہے"۔ اس پُر معارف لیکچر میں مسلم اور غیر مسلم معززین بکثرت موجود تھے جو آخر وقت تک نہایت توجہ اور سکون سے سُنتے رہے[1] اخبار "تیج" دہلی نے اپنی ۱۴ راکتوبر ۱۹۲۶ء کی اشاعت میں اس تقریر کے بارہ میں حسب ذیل نوٹ شائع کیا :-

"نمبرہ پارک روڈ پر ایک عظیم الشان جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے احمدیوں کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود (احمد) نے تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ امن اور شانتی کا مسئلہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ خود انسان۔ کیونکہ انسانی فطرت کے ساتھ اسکا نہایت گہرا تعلق ہے۔ اگر اس کا قیام مطلوب ہے تو اس کے لئے جذبہ دشمنی و نفرت کو ختم کرنا پڑیگا۔ یہ مسئلہ سیاسی نہیں ہے بلکہ اخلاقی ہے اور اگر ہم خدا کی خدائی سے باخبر ہوں اور روٹی کا پیالہ۔ لالچ وغیرہ کو چھوڑ دیں تو اُسکے بعد ہم نفرت اور لالچ کی بجائے برادری اور محبت کے جذبات پیدا کر سکتے ہیں۔ مذہبی دنیا کے اختلافات ختم ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ہم ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرنا سیکھیں اور اپنے اندر قوت برداشت پیدا کریں۔ جس طرح مذہبی معاملات میں تحمل کی ضرورت ہے ٹھیک اسی طرح دنیا داری کے معاملات میں بھی اس کا ہونا لازمی ہے۔ ہمیں قومیت و رنگ کے جھگڑوں کو ختم کر کے عالمگیر برادری کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے"۔[2]

اگلے روز (۱۰ راخاء کو) جناب خواجہ حسن نظامی نے حضرت امیر المومنین سے ملاقات کا شرف حاصل کیا جس کا ذکر خواجہ صاحب موصوف نے اخبار "منادی" (۲۴ راکتوبر ۱۹۴۶ء صلا) پر "بے غرض مخلص اور دور اندیش لیڈر" کے عنوان سے بھی کیا چنانچہ انہوں نے لکھا :-

"آج شام کو نئی دہلی میں چودھری سر ظفر اللہ خانصاحب کے مکان پر جناب مرزا محمود احمد صاحب خلیفہ جماعت احمدیہ سے ملنے گیا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک باتیں کیں ان کو مسلمان قوم کے ساتھ جو مخلصانہ ہمدردی ہے وہ سُنکر میرے دل پر بہت اثر ہوا اور میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ آج ایک ایسے لیڈر سے ملاقات ہوئی جس کو میں نے بے غرض مخلص سمجھا۔ ورنہ جو لیڈر ملتا ہے کسی نہ کسی غرض میں مبتلا نظر آتا ہے۔ مرزا صاحب مخلص بھی ہیں۔ دانشمند بھی ہیں۔ دُور اندیش بھی ہیں اور بہادرانہ جوش بھی رکھتے ہیں"۔[3]

چونکہ ۱۲ رماہ اخاء/اکتوبر حضور کی روانگی کا دن تھا اسلئے آپ نے ایک روز قبل نماز ظہر کے بعد جماعت احمدیہ دہلی سے الوداعی خطاب فرمایا جو بعد کو حضور کی زندگی کا دہلی میں آخری خطاب ثابت ہوا۔ حضور نے اس موقعہ پر نہایت مفید اور قیمتی نصائح

---

[1]۔ الفضل ۱۰ راخاء ۱۳۲۵ھش صلا۔ اس تقریر کا مکمل متن الفضل ۱۵-۱۶-۱۸-۲۰ رماہ شہادت/اپریل ۱۳۴۰ھش/۱۹۶۱ء میں شائع شدہ ہے۔

[2]: بحوالہ الفضل ۲۱ راخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء۔ [3]: بحوالہ الفضل ۸ رنبوت/نومبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء صلا۔

کرتے ہوئے آخر میں فرمایا:۔

"اس وقت تمام دُنیا میں اسلام پھیلانے اور لوگوں کے قلوب کو فتح کرنے کی ذمہ داری ہماری ہے۔ یہ خیال کبھی دل میں نہیں لانا چاہیئے کہ یہ ذمہ داری کسی اور کی ہے۔ جب تم یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لوگے تو دنیا بھر میں کوئی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ تم جہاں جاؤ گے تمہارے رستہ سے رکاوٹیں خود بخود دُور ہوتی چلی جائیں گی۔ مثل مشہور ہے ہر فرعونے را موسیٰ۔ جسطرح ہر موسیٰ کا مقابلہ ہر فرعون نہیں کر سکتا اسی طرح ہر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ بھی ہر ابوجہل نہیں کر سکتا۔ تم اگر چھوٹے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن جاؤ گے تو کتنے بھی ابوجہل تمہارے مقابلہ کے لئے اُٹھیں، مارے جائیں گے۔ پس آج آپ سب لوگ عہد کریں کہ اسی دہلی میں جہاں سے پہلے پہل اسلام پھیلا اور دُور دراز تک پہنچ گیا تھا آپ بھی اپنی تبلیغی کوششوں کو تیز کر دیں گے۔ اس وقت تمام مسلمان کہلانے والے تبلیغ سے بالکل غافل پڑے ہیں۔ اگر تبلیغ جاری رہتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اسلام پر زوال آ سکتا۔ پہلی پانچ صدیوں میں مسلمانوں نے ہندوستان میں تبلیغ پر زور دیا مگر پچھلی پانچ صدیوں والے سُست ہو گئے۔ مگر اب خدا تعالیٰ کا منشاء ہے کہ پھر تمام دنیا اسلام کی آغوش میں آجائے۔ ہندوستان مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مولد ہے۔ اس لئے بھی اور اس لئے بھی کہ دہلی ہندوستان کا صدر مقام ہے دہلی والوں پر خاص کر بہت زیادہ ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں اس وقت چالیس کروڑ آدمی بستے ہیں ان میں سے دس کروڑ مسلمان ہیں گویا ¼ حصہ آبادی کو حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگان نے مسلمان کیا۔ اب تمہارے لئے موقعہ ہے کہ اس کام کو سنبھالو۔ تین چوتھائی کام تمہارے حصہ میں آیا ہے۔ خدا تعالیٰ مجھ کو اور تم کو اس فرض کے ادا کرنے کی توفیق بخشے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین"۔[1]

بالآخر یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ حضرت مصلح موعود قریباً تین ہفتے تک دہلی میں تشریف فرما رہے اس دوران میں جماعت احمدیہ دہلی نے مہمان نوازی کا حق ادا کر دیا جس پر حضور نے اپنی اس آخری تقریر میں اظہار خوشنودی کرتے ہوئے فرمایا:۔

"جماعت دہلی نے جس مہمان نوازی کا نمونہ دکھایا ہے گو اُسے مکمل نہ کہا جا سکے مگر یقیناً وہ دوسری جماعتوں کیلئے نمونہ ہے۔ ہماری مہمان نوازی چودھری شاہنواز صاحب نے کی جس میں ان کی اہلیہ صاحبہ کا بہت ساحصہ ہے۔ فجزاھا اللہ احسن الجزاء۔ باقی ساتھیوں اور مہمانوں کی مہمان نوازی تین ہفتے متواتر جماعت احمدیہ دہلی نے کی۔ اور بعض لوگ

---

[1]:۔ الفضل ۱۶/نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صہ۔ آخری کالم۔

تو رات دن کام پر رہے اور بعض دوست کھانا کھلانے کے لئے اکثر آتے رہے ۔ مثلاً بابو عبد الحمید صاحب سیکرٹری تبلیغ دہلی ۔ اسی طرح اور کئی دوست کام میں لگے رہے ۔ امیر صاحب جماعت دہلی ۔ ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب ۔ چودھری بشیر احمد صاحب ۔ اسی طرح کئی اور دوست ان دنوں اسی طرح کام پر لگے رہے کہ گویا ان کا کام مہمان نوازی اور ہماری امداد کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں ۔ ڈاکٹر لطیف صاحب اور سید انتظار حسین صاحب کی موٹریں رات دن ہماری کوٹھی پر رہیں اور چودھری شاہ نواز صاحب کی کار کے ساتھ ہر وقت سلسلہ کے کام کرتی رہیں اور یہ قربانی ان لوگوں نے متواتر تین ہفتہ تک رات اور دن پیش کی ۔ یقیناً یہی ایمان کا تقاضا تھا اور ایمان کے آنے پر اس قسم کا اخلاص دکھائے بغیر کوئی جماعت اپنے ایمان کے دعوے میں سچی نہیں ہو سکتی ۔ یہ کوئی اخلاص نہیں کہ امام آیا ہوا ہے اور لوگ اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں ۔ یہ تو دین سے استغناء کا مظاہرہ ہے اور جو دین سے استغناء کرتا ہے وہ ایماندار کس طرح کہلا سکتا ہے ۔ اکثر احباب جماعت مغرب و عشاء میں متواتر تین ہفتہ شامل ہوتے رہے ۔ میرے نزدیک جماعت کا ۳/۴ حصہ روزانہ نمازوں میں آتا تھا اور کافی تعداد کوئی ۱/۴ کے قریب باوجود دفتروں کا وقت ہونے کے ظہر و عصر میں شامل ہوتی تھی ۔ ان میں سے بعض کو پانچ چھ بلکہ سات میل سے آنا پڑتا تھا ۔ کثرت سے جماعت کے دوست دوسروں کو ملاقات کے لئے لاتے رہے اور مفید سوال و جواب سے اپنے اور دوسروں کے ایمان تازہ کرتے رہے ۔ بہت سوں نے اس غرض سے دعوتیں کیں تا معزز غیر احمدیوں اور ہندوؤں کو ملنے کا موقعہ ملے کئی کی دعوتیں ہم قبول کر سکے اور کئی کی قلّتِ وقت کی وجہ سے نہ کر سکے ۔

عورتوں کی خدمات اور اخلاص بھی قابل تعریف تھا ۔ انہوں نے قابل رشک نمونہ دکھایا ۔ بہر حال میں اُن سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اُن کے اخلاص اور تقویٰ کی زیادتی کے لئے اور دینی و دنیوی کامیابی کے لئے دُعا کرتا ہوں ۔ اَللّٰھُمَّ آمین ۔" [1]

مولانا جلال الدین صاحب شمس کی کامیاب مراجعت اور ایک پیشگوئی کا ظہور

مولانا جلال الدین صاحب شمس مجاہد انگلستان دس سال تک تثلیث کے مرکز میں تبلیغ اسلام کا کامیاب جہاد کرنے کے بعد ۱۵ ماہ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۵ہش/ ۱۹۴۶ء کو (معہ السید منیر الحصنی صاحب امیر جماعت احمدیہ دمشق) قادیان میں تشریف لائے تو اہل قادیان نے اُن کا نہایت پُرتپاک اور پُرجوش خیر مقدم کیا ۔ ۱۶ ماہ اخاء/ اکتوبر ۱۳۲۵ہش/ ۱۹۴۶ء کو اُن کے اور السید منیر الحصنی کے اعزاز میں جامعہ احمدیہ اور مدرسہ احمدیہ کے طلباء نے دعوتِ عصرانہ

---

[1] ۱۔ "الفضل" ۱۶ ماہ نبوت/ نومبر ۱۳۲۵ہش/ ۱۹۴۶ء صفحہ ۱ ۔

دی جس میں حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ایک پر معارف تقریر فرمائی جس میں بتایا کہ :-

"اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کے کلام کے کئی بطن ہوتے ہیں اور ہر بطن اپنے اپنے وقت پر پورا ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کے سات بطن ہیں اور سات بطنوں میں سے آگے ہر بطن کی الگ الگ تفاسیر ہیں۔ اسی طرح ایک ایک آیت سینکڑوں اور ہزاروں معانی پر مشتمل ہے"

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آخری زمانہ میں مغرب سے سورج کا طلوع ہوگا۔ اور جب یہ واقع ہوگا تو اس کے بعد ایمان نفع بخش نہیں رہے گا۔ ۱۹۳۴ء میں احرار نے ہمارے خلاف ایجی ٹیشن شروع کی اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نے احمدیت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اور ۱۹۳۴ء سے ہی اللہ تعالیٰ نے جماعت کو ایک نئی زندگی بخشی اور اُسے ایک ایسی طاقت عطا فرمائی جو اس سے پہلے اُسے حاصل نہ تھی۔ اس نئی زندگی کے نتیجہ میں ہماری جماعت میں قربانی کا نیا مادہ پیدا ہوا۔ ہماری جماعت میں اپنے نفوس اور اپنے اموال کو خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کرنیکا نیا جوش پیدا ہوا۔ اور ہماری جماعت میں دین اسلام کی خدمت اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے اعلاء کے لئے باہر جانے کا نیا ولولہ اور نیا جوش موجزن ہوا۔ چنانچہ پہلے بیسیوں اور پھر سینکڑوں نوجوانوں نے اس غرض کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا اور میں نے خاص طور پر ان کی دینی تعلیم کا قادیان میں انتظام کیا تاکہ وہ باہر جا کر کامیاب طور پر تبلیغ کر سکیں۔ اس عرصہ میں جنگ کی وجہ سے ہمارے پہلے مبلّغ باہر رُکے رہے اور نئے مبلّغوں نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ جنگ کے خاتمہ پر ہم نے ساری دُنیا میں اپنے مبلّغ اس طرح پھیلا دئے کہ احمدیت کی تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی باقی مسلمانوں میں تو اس کی کوئی مثال تھی ہی نہیں۔ ہماری جماعت میں بھی جو قربانی کی عادی ہے اس قسم کی کوئی مثال پہلے نظر نہیں آتی۔ جب مبلّغ تیار کر کے بیرونی ممالک میں بھیجے گئے تو خدا تعالیٰ کی مشیّت اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے ماتحت ہمارا جو لشکر گیا ہوا تھا اُس میں سے سب سے پہلے شمسؔ صاحب مغرب سے مشرق کی طرف واپس آئے۔ پس اس پیشگوئی کا ایک بطن یہ بھی تھا کہ آخری زمانہ میں اللہ تعالیٰ اسلام کی فتح اور اسلام کی کامیابی اور اسلام کے غلبہ اور اسلام کے استعلاء کے لئے ایسے سامان پیدا کریگا جن کی مثال پہلے مسلمانوں میں نہیں ملے گی۔ اور اس وقت سورج یعنی شمسؔ مغرب سے مشرق کی طرف واپس آئیگا۔ ہمارے مولوی جلال الدین صاحب کا نام شمسؔ اُن کے والدین نے نہیں رکھا۔ ماں باپ نے صرف جلال الدین نام رکھا تھا مگر انہوں نے باوجود اس کے کہ وہ شاعر بھی نہیں تھے یونہی اپنے نام کے ساتھ شمسؔ لگا لیا۔ تاکہ اس ذریعہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی پوری ہو کہ جب شمسؔ مغرب سے مشرق کی طرف آئے گا"

"..... پھر وہ زمانہ بھی آجائیگا جب اس پیشگوئی کا دوسرا بطن پورا ہوگا اور مغرب سے اسلام کے مبلّغ نکلنے شروع ہوں گے اور مغرب میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو بجائے اسلام کو مٹانے کے اسلام کی تبلیغ کے لئے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ پھر وہ زمانہ بھی آئے گا جب اس دنیا پر صرف اشرار ہی اشرار رہ جائیں گے اور جب سورج بھی مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع کرے گا اور دنیا تباہ ہو جائے گی۔ یہ سارے بطن ہیں جو اپنے اپنے وقت پر پورے ہوں گے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کا ایک بطن یہ بھی ہے جو شمس صاحب کے آنے سے پورا ہوا اور جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیشگوئی کے مطابق ہمارا اسوقت کا روحانی حملہ جارحانہ حملہ ہوگا جو زیادہ سے زیادہ قوی ہوتا چلا جائیگا۔ پس ہماری جماعت کے دوستوں پر بھی اور جامعہ احمدیہ اور مدرسہ احمدیہ کے طلباء پر بھی بہت بڑی ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ جب جارحانہ اقدام کا وقت آتا ہے تو یکے بعد دیگرے قوم کے نوجوانوں کو قربانی کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔ جب لڑائی نہیں ہوتی اُس وقت فوجوں کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی لیکن جب جارحانہ اقدام کا وقت آتا ہے تو جس طرح ایک تنور والا اپنے تنور میں پتے جھونکتا چلا جاتا ہے اُسی طرح نوجوانوں کو قربانی کی آگ میں جھونکنا پڑتا ہے اور یہ پرواہ نہیں کی جاتی کہ اُن میں سے کون بچتا ہے اور کون مرتا ہے۔ ایسے موقعہ پر سب سے مقدم سب سے اعلیٰ اور سب سے ضروری یہی ہوتا ہے کہ جیسے پروانے شمع پر قربان ہوتے چلے جاتے ہیں اُسی طرح نوجوان اپنی زندگیاں اسلام کے احیاء کے لئے قربان کر دیں۔ کیونکہ اُن کی موت کے ساتھ اُن کی قوم اور اُن کے دین کی زندگی وابستہ ہوتی ہے۔ اور یہ قطعی اور یقینی بات ہے کہ اگر قوم اور دین کی زندگی کے لئے دس لاکھ یا دس کروڑ یا دس ارب افراد بھی مر جاتے ہیں تو اُن کی پرواہ نہیں کی جاسکتی۔ اگر ان کے مرنے سے ایک مذہب اور دین زندہ ہو جاتا ہے۔ پس ہمارے نوجوانوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے۔

شمس صاحب پہلے مبلّغ ہیں جو جنگ کے بعد مغرب سے واپس آئے۔ یوں تو حکیم فضل الرحمٰن صاحب بھی مغرب میں ہیں۔ مولوی محمد شریف صاحب بھی مغرب میں ہیں۔ صوفی مطیع الرحمٰن صاحب بھی مغرب میں ہیں اور ہو سکتا تھا کہ کوئی اور پہلے آجاتا۔ ہم نے حکیم فضل الرحمٰن صاحب کو آج سے نو ماہ پہلے واپس آنے کا حکم دیدیا تھا مگر اُن میں سے کسی کو واپس آنے کی توفیق نہیں ملی۔ توفیق ملی تو شمس صاحب کو ملی۔ تا اس ذریعہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی یہ پیشگوئی پوری ہو کہ جب آخری حملے کا وقت آئیگا اُس وقت شمس نامی ایک شخص مغرب سے مشرق کی طرف واپس آئیگا اور اُسکے آنے کے ساتھ اسلام کے جارحانہ اقدام اور اُسکے حملہ عظیمہ کی ابتداء

ہوگی اور نوجوان ایک دوسرے کے پیچھے قربانی کے لئے بڑھتے چلے جائیں گے ۔ پروانہ کیا بے حقیقت اور بے عقل جانور ہے مگر پروانہ بھی شمع پر جان دینے کے لئے تیار ہوجاتا ہے ۔ اگر پروانہ شمع کے لئے اپنی جان قربان کرسکتا ہے تو کیا ایک عقلمند اور باغیرت انسان خدا اور اُس کے رسول کے لئے اپنی جان دینے کو تیار نہ ہوگا؟"[1]

نواکھالی اور بہار میں خونریز فسادات اور جماعت احمدیہ کی خدمتِ خلق ۔

فسادات کلکتہ کا ردّ عمل پہلے نواکھالی اور پھر بہار میں ایسی سفاکی، درندگی اور بہیمیت کی صورت میں ہوا کہ انسانیت روپوش ہوگئی ۔ نواکھالی میں اگر بے گناہ ہندو نہایت بے دردی کی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے تو بہار کے بے بس اور معصوم مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی ۔ فسادیوں نے نہایت وسیع پیمانے پر مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی اور اُن کے دیہات کے دیہات نذر آتش کر دیئے ۔ ہزاروں مسلمان شہید ہوئے ہزاروں زخمی ہوئے اور ہزاروں بے خانماں ہوکر بنگال، سندھ یا پنجاب میں آ بسے اور ہزاروں دیہاتوں کو بھاگ بھاگ کر شہروں میں پہنچے اور ڈاکٹر سید محمود کے بیان[2] کے مطابق ایک لاکھ دس ہزار مسلمان پناہ گزینوں کے کیمپ میں مقیم ہوگئے ۔ چنانچہ بھاگلپور سے مولوی اختر علی صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور پروفیسر عبدالقادر صاحب نے حضرت مصلح موعود کی خدمت میں ۴ ماہ نبوت/نومبر کو مندرجہ ذیل تار بھجوایا جو ۵ ماہ نبوت کو موصول ہوا :-

"مسلمانان بہار پر مظالم کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے ۔ مظالم توڑنے میں عورت، مرد اور بچے بوڑھے کا کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا اصل حالات کو مخفی رکھا جا رہا ہے ۔ سپین کی خونی داستان تمام صوبہ میں دہرائی جارہی ہے ۔ ذرائع رسل و رسائل اور خط و کتابت بند ہیں ۔ مسلمانوں کے خلاف مظالم کا ایک تند طوفان اُٹھ رہا ہے ۔ مہربانی فرماکر دُعا فرمائیں اور مرکزی حکومت کے ذریعہ اور پبلک میں اصل حقیقت کے اظہار کے ذریعہ امداد فرمائیں ۔ ہماری جانوں کی حفاظت کے لئے یہ ایک ڈوبتے ہوئے جہاز کی صدا سمجھیں"۔[3]

حضرت مصلح موعود نے نواکھالی اور بہار کے ان خونریز فسادات پر اوّلین قدم یہ اٹھایا کہ نواکھالی کے فلاکت زدوں کی امداد کے لئے آل انڈیا نیشنل کانگرس کو پانچ ہزار[4] اور مظلوم مسلمانان بہار کے ریلیف فنڈ میں قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں پندرہ ہزار روپیہ کی پہلی قسط بھجوائی ۔ یہ قسط نظارت امور عامہ کی طرف سے ارسال کی گئی جس کے ساتھ حسب ذیل خط بھی تھا :-

---

1 :- الفضل ۲۹ صلح/جنوری ۱۳۴۰ہش/۱۹۶۱ء صفحہ ۴ ؛

2 :- یہ بیان انہوں نے "پٹنہ ٹائمز" میں شائع کرایا تھا ؛

3 :- الفضل ۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش صفحہ ۵ ؛

4 :- الفضل ۲۱ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش ؛

"جناب حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ کی زیر ہدایت احمدیہ جماعت قادیان پندرہ ہزار روپے بہار کے مظلومین کے لئے پیش کرتی ہے۔ یہ رقم جماعت احمدیہ کی طرف سے صرف بطور قسط اوّل ہے۔ جو اپنی تعدادی طاقت کے لحاظ سے تین گنا ہے۔ یعنی کل ہندی مسلم آبادی کا چھیاسٹھواں حصہ۔ حالانکہ ایک احمدی کے مقابل دو سو غیر احمدی مسلمان ہیں"۔

قائداعظم محمد علی جناح نے جواباً لکھا:۔

"نیو دہلی ۲۳ر نومبر بنام ناظر امور عامہ جماعت احمدیہ قادیان۔ آپ کا خط اور چیک مل گیا ہے۔ آپ کی امداد کے لئے بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں۔ بہار کی امداد کیلئے حتی الوسع کوشش کر رہا ہوں۔ ہر طرف سے امداد کی سخت ضرورت ہے۔ صورت حال بڑی نازک ہے۔ بہت بڑی مہم در پیش ہے۔ جناح"۔[1]

اس پہلی قسط کے بعد جماعت احمدیہ نے تیس ہزار روپیہ مزید "بہار ریلیف فنڈ" کے سلسلہ میں بھجوایا۔[2]

اس مالی امداد کے علاوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کے حکم سے ۱۴ر ماہ نبوت/ نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو قادیان سے ایک طبّی وفد (معہ ضروری ادویہ و سامان) بہار کے ستم رسیدہ مسلمانوں کی فوری امداد کے لئے بھجوا دیا گیا جو حسب ذیل اصحاب پر مشتمل تھا:۔

۱۔ مولوی برکات احمد صاحب بی۔اے نائب ناظر امور عامہ۔ امیر وفد (ابن حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی)۔

۲۔ پروفیسر سیّد فضل احمد صاحب ایم۔اے تعلیم الاسلام کالج قادیان۔

۳۔ ڈاکٹر احمد صاحب پسر حضرت صوفی غلام محمد صاحب (سابق مجاہد ماریشس)۔

۴۔ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب (پسر حضرت بھائی محمود احمد صاحب قادیان)۔

۵۔ عبد الغفار صاحب کمپونڈر۔[3]

اس پہلے وفد کے بعد حضرت مصلح موعود نے ۶ر فتح/ دسمبر کو تحریک خاص فرمائی کہ احمدی ڈاکٹر مصیبت زدگان بہار کی امداد کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں۔ جس پر کیپٹن ڈاکٹر بدر الدین احمد صاحب ایم بی بی ایس اور کیپٹن ڈاکٹر سیّد محمد جی صاحب آئی۔ایم۔ایس نے اپنے نام دیئے[4] اور ۱۰ر ماہ فتح/ دسمبر کو قادیان سے روانہ ہو کر بہار میں

---

[1]:۔ الفضل ۲۸ر نبوت/ نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء؁؛

[2]:۔ الفضل ۴ر ہجرت/ مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲؛

[3]:۔ " ۱۵ر " " " صفحہ ۳؛

[4]:۔ " ۳ر فتح/ دسمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱؛

[5]:۔ " ۱۱ر فتح/ دسمبر " " صفحہ ۲ کالم ۲؛

پہنچے اور پہلے طبی وفد کا ہاتھ بٹانے لگے۔ اُن[1] کے بعد تیسرا وفد ۸ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو بہار گیا۔ جو

---

[1]: ۔ حضرت ڈاکٹر بدرالدین احمد صاحب اپنی غیر مطبوعہ خودنوشت سوانح میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"سیدنا حضرت اقدس نے تحریک فرمائی کہ بہار میں مسلمان مظلوموں کی امداد کے لئے ابھی اور ڈاکٹروں کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد جی صاحب اور عاجز دونوں نے اپنے آپکو پیش کر دیا۔ اور چند دنوں کے بعد ہم بہار پہنچ گئے۔ سب سے اول سیدنا المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرید مکرم حکیم خلیل احمد صاحب کے مکان پر مونگھیر پہنچے۔ مونگھیر کو تو ہم بڑا شہر جانتے تھے مگر سٹیشن پر سوائے گھوڑا گاڑی کے اور کوئی سواری نہ تھی اور یہ گھوڑے پنجابی گدھے کے ایک دوسالہ بچے کی مانند دُبلے پتلے اور نحیف تھے۔ خیر ہم سیدھے حکیم صاحب کے ہاں پہنچ گئے دیکھا تو بوجہ فسادات سب طرف خوف کی حالت طاری تھی۔ حکیم صاحب کے ہاں کچھ سامان غرباء میں تقسیم کے لئے موجود تھا۔ ہم دو تین روز ٹھہرے۔ حضرت حکیم صاحب کی معیت میں ہم مسلمان منتظمین امداد مظلومین کے پاس پہنچے۔ مگر ان مسلمانوں میں ہم نے کوئی خاص قوت عمل نہیں پہچانی۔ مگر حکیم صاحب بالخصوص عاجز کے باریش وجود کو بطور تبلیغ استعمال فرما رہے تھے۔ پھر حکیم صاحب کی معیت میں ہم DISTRICT OFFICER کے پاس گئے۔ وہ مسلمان معمر شخص تھے مگر ہندوؤں کا زور تھا D.O کو بھی ہندوؤں کے دباؤ میں رہنا پڑتا تھا۔ دیکھا کہ ایک ہندو آپ کے پاس بیٹھا ہے اور کوئی ایک گھنٹہ تک برابر بولتا ہی چلا جاتا تھا۔ گویا کہ وہ D.O کی بجائے اپنی ہی حکومت چلا رہا تھا۔ خیر بمشکل ہمیں وقت ملا۔ مگر D.O صاحب نے فرمایا کہ اسوقت حالات درست ہو چکے ہیں اور مظلومین کی امداد کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ ہم اُن سے ناامید ہو کر واپس ہوئے۔ آخر حکیم صاحب کی معیت میں ہم بذریعہ ریل PATNA پہنچے۔ وہاں ہمارا ایک وفد جناب مولوی برکات احمد صاحب (ابن حضرت مولوی راجیکی صاحب) کی قیادت میں آیا ہوا تھا اور وہ وہاں امیر جماعت کے مکان پر مقیم تھے۔ ہم وہاں پہنچ گئے۔ آخر اُن کی مدد سے ہم نے ادویہ خریدیں اور پھر اُن کی قیادت میں بذریعہ ریل اُس علاقہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں ہمارے ایک احمدی گاؤں کی جماعت آباد تھی۔ ایک خاص سٹیشن پر اُتر کر لاری میں بیٹھے۔ ہمارے امیر صاحب کچھ خائف تھے۔ اور خطرہ ہی کے علاقہ سے ہم گزر رہے تھے اور بار بار ہم میں سے ہر ایک کے پاس آکر ہدایات دیتے رہے کہ اترنے کے وقت اس طریق سے جائیں گے۔ غرض ہم تسبیح و تحمید اور درود پڑھتے ہوئے اُس جگہ آن پہنچے اور سڑک سے اتر کر کھیتوں میں سے ہو کر اپنے گاؤں میں پہنچ گئے۔ اس وسیع علاقہ میں صرف یہی گاؤں بمعہ مسجد کے محفوظ رہا تھا ورنہ چاروں طرف تباہی سے مسلمان نابود ہو گئے تھے۔ اس حالت کو دیکھکر صاف اور بیّن طور پر نشان الٰہی نظر آرہا تھا کیونکہ جب کہ چاروں طرف سینکڑوں گاؤں کے مسلمان تباہ ہو گئے۔ یہ صرف ایک گاؤں بمع اپنی مسجد کے محفوظ رہا۔ صاف ظاہر تھا کہ یہاں ملائکہ کا پہرہ تھا۔

ہماری جماعت کے احباب ہمیں دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ وہاں ابھی پولیس کے دو خیمے لگے ہوئے خالی پڑے تھے ہم وہیں مقیم ہو گئے۔

وہاں ہمیں بتایا گیا کہ جب ہجوم اس طرف کو بڑھا تھا تو احمدی احباب نے اپنے مکانوں کے اندر سے پٹاخے چلانے شروع

ڈاکٹر فضل کریم صاحب اور ڈاکٹر اعظم علی صاحب پر مشتمل تھا۔[۵]

پہلے احمدی طبی وفد نے بہار میں پہنچتے ہی اپنی خدمات ضلع مسلم لیگ مونگھیر کے سپرد کر دیں اور انہیں تاراپور اور کھڑک پور وغیرہ کے ان علاقوں میں متعین کیا گیا جو سب سے زیادہ تباہ شدہ تھے۔ احمدی ڈاکٹروں نے نہایت محنت اور ہمدردی سے قریباً آٹھ سو مریضوں کا علاج کیا۔ تاراپور کیمپ میں راشن کی تقسیم کا انتظام کانگرسی رضاکاروں کے ہاتھ میں تھا۔ احمدیہ وفد کی کوشش سے مسلم لیگی نمائندوں کو بھی نگرانی کی اجازت مل گئی۔ قبل ازیں پناہ گزینوں کو چاول اور مکی ملتی تھی۔ اب دال بھی میسر آنے لگی۔ دودھ کی تقسیم کا انتظام پہلے کی نسبت بہت تسلی بخش ہو گیا۔ اسی طرح آخر نومبر سے پہلے خیموں کا انتظام نہ تھا۔ اب خیمے آنے شروع ہو گئے۔ اور ان میں روشنی کا انتظام بھی ہو گیا۔

احمدیہ طبی وفد نے تاراپور کیمپ کے علاوہ غازی پور اور ارریہ میں بھی وسیع پیمانہ پر امدادی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ اور مریضوں کے علاج معالجہ کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ اور غازی پور، بھاگل پور، مونگھیر، ارریہ، سورج گڑھا اور پٹنہ میں مستحقین کی روپیہ سے بھی امداد کی۔

احمدیہ طبی وفد کی ان طبی خدمات کو صدر مونگھیر ضلع مسلم لیگ اور کنوینر مونگھیر ڈسٹرکٹ سنٹرل ریلیف ڈائریکٹر دونوں نے بہت سراہا اور بطور شکریہ امیر وفد مولوی برکات احمد صاحب کو حسب ذیل خط لکھے:۔

(۱) "از دفتر ضلع مسلم لیگ۔ مونگھیر۔ ۶ دسمبر ۱۹۴۶ء۔ پیارے محترم: آپ نے اور آپ کی پارٹی نے اس ضلع کے مختلف کیمپوں میں پناہ گزینوں کے ساتھ جو قابل ستائش خدمات سرانجام دی

بقیہ حاشیہ:۔ کر دئے۔ اور ایک آدھی بندوق بھی تھی مگر پٹاخوں کی آواز کو سُن کر ہجوم اس طرف جرأت نہ کر سکا۔ صرف ایک نوجوان ہمارا شہید ہوا تھا۔ جس مقام پر وہ بے چارا گرا تھا وہ ہم نے جا کر دیکھی اور دعا کی۔ کچھ مسلمانوں کو ساتھ لے کر ہم نے اُس علاقہ کا دورہ بھی کیا تھا۔ اردگرد کے گاؤں کے گاؤں ظالموں نے تباہ کر دیئے تھے اور عورتوں اور بچوں کو مکانوں میں بند کر کے آگیں لگا دی تھیں اور لاشوں کو بالوں سے کھینچ کھینچ کر کنوؤں میں ڈال دیا گیا۔ کنوؤں کے اندر سے ابھی تک بدبو آ رہی تھی اور اردگرد کا سارا علاقہ ہڈیوں، پنجروں اور کھوپڑیوں سے اَٹا پڑا تھا۔ سنا گیا کہ ایک اور جگہ عورتوں اور بچوں کو کہا گیا کہ تمہارے مرد تو مر گئے ہیں چلو ہم تمہیں حفاظت کی جگہ لے جائیں۔ باہر جا کے اُن کے سروں پر چٹائیاں ڈال دی گئیں اور مٹی کا تیل ڈال کر آگیں لگا دی گئیں۔ غرضیکہ ہمارا تو دل واللہ غیرت اور دُکھ سے بھر گیا اور مسلمانوں کی اس بے بسی اور تباہی پر روتا رہا۔"

[۵]:۔ الفضل ۱۲ تبلیغ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۵۔

ہیں۔ اُن کی وجہ سے مَیں بہت ہی ممنون ہوں۔ آپ کی امداد اور ریلیف اس ضلع کے پناہ گزینوں کی انتہائی ضروریات تھیں اور اُنہیں آپ نے پورے طور پر عمدہ طریق سے سرانجام دیا۔ جس طرز پر آپ نے کام کیا ہے اُس کے متعلق مسلم لیگ کی طرف سے پورے اطمینان اور گہرے امتنان کے جذبات ظاہر کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہوں۔ آپ کا مخلص (دستخط) ایس۔ ایس رشید احمد۔ مولوی۔ پریذیڈنٹ مونگھیر ضلع مُسلم لیگ۔ بخدمت مولوی برکات احمد صاحب نائب ناظم امور عامہ۔ قادیان پنجاب "

---

(۲) "مونگھیر مورخہ ۱۹۴۶-۱۲-۱۴

قادیان میڈیکل ریلیف کے کارکنان نومبر کے تیسرے ہفتہ میں مونگھیر وارد ہوئے اور انہوں نے مونگھیر کے متعدد کیمپوں میں کام کیا۔ ان کا گروہ بانظیم اور ٹرینڈ کارکنوں پر مشتمل ہے اور ان کے لیڈر مولوی برکات احمد بہت باشعور انسان اور ایماندار کارکن ہیں۔

کاش ان جیسے کارکنوں کا ایک گروہ مجھے مستقل طور پر مونگھیر کے لئے مل جائے۔ اس وفد کو خاص طور پر مشکل حالات میں کام کرنا پڑا اور بعض اوقات حصول ریلیف کے لئے سرکاری احکام کے ساتھ لڑنا پڑا۔ مجھ سے ان کا تعارف حکیم خلیل احمد صاحب نے کرادیا جو خود دیانتدار اور مخلص کارکن ہیں۔

(دستخط) ایس۔ ایم سہیل کنٹرولر مونگھیر ڈسٹرکٹ سنٹرل ریلیف ڈائرکٹرز)"۔ [1]

یہ تو احمدیہ طبّی وفد کی اہم خدمات تھیں۔ جہاں تک بہار اور بنگال کے احمدیوں کا تعلق تھا انہوں نے بھی مصیبت زدہ ہونے کے باوجود قتل و غارت کے اس طوفان میں اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت کا عمدہ نمونہ دکھایا۔

مونگھیر:- چنانچہ مونگھیر میں حضرت حکیم خلیل احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ مونگھیر نے پنجاب اور بنگال سے آنیوالے طبّی وفود کو احمدی کالونی میں رکھا اور ان سے ہر طرح تعاون کیا۔ اور اپنے گھر میں بہت سے مسلمانوں کو پناہ دی۔ اور مسلم لیگ کی شاخ ویلفیئر ایسوسی ایشن کے ممبر کی حیثیت سے سرگرم عمل رہے۔ درحقیقت مونگھیر میں مسلم لیگ کی تمام امدادی سرگرمیوں میں آپ روح رواں تھے۔ آپ کے ساتھ مولوی محمد ظریف صاحب وکیل بھی کام کرتے رہے۔ اسیطرح سیّد غلام نبی صاحب نے ضلع مسلم لیگ کے سالار اعلیٰ کی حیثیت سے اہم خدمات انجام دیں۔ ڈاکٹر حبیب اللہ صاحب اور ملک محی الدین صاحب (پسر ملک نواب الدین صاحب مرحوم قادیان) نے اس علاقہ میں پنجاب کے مسلم لیگی وفد کیساتھ مل کر کام کیا۔

---

[1]:- الفضل ۱۰ ر صلح/جنوری ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء

بھاگلپور :- پروفیسر عبدالقادر صاحب ایم۔ اے کرفیو آرڈر کے اوقات میں بھی مسلمانوں کے مفاد کی خاطر حکام سے بار بار ملتے رہے۔ اور شہر کے محلوں میں پولیس اور ملٹری متعین کرانے میں کامیاب ہوگئے۔ نیز ان امور کے تعلق میں "مارننگ نیوز" (کلکتہ) میں ایک مضمون بھی بھجوایا۔ مولوی اختر علی صاحب بھی آپکے دست و بازو تھے جنہوں نے حکام سے رابطہ قائم کرنے یا خط و کتابت کرنے میں انتہائی بیدار مغزی اور فرض شناسی کا ثبوت دیا۔ ڈاکٹر عقیل بن عبدالقادر صاحب نہایت مخدوش حالات میں دوسرے دو مسلمان ڈاکٹروں کو ساتھ لے کر بھاگلپور کے علاوہ تارا پور کے فسادزدہ علاقہ میں بھی گئے۔ مجروحین کی مرہم پٹی کی۔ ڈاکٹر عبدالحی صاحب آف برما پور جنرل ہسپتال میں مریضوں کی دیکھ بھال کرتے رہے اور انکی دیگر ضروریات کی طرف متوجہ رہے۔

غازی پور :- غازی پور کے احمدی لیاقت حسین صاحب نے غازی پور کی حفاظت کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا اگرچہ محمد عاشق حسین صاحب صدر جماعت غازی پور کا پچاس ہزار روپیہ کا نقصان ہوا تھا پھر بھی انہوں نے کئی مسلمان خاندانوں کو اپنے یہاں پناہ دی اور بستی کے دوسرے لوگوں کی بھی خدمت بجالاتے رہے۔ یکم فتح (دسمبر) کو گورنر صاحب بہادر اس بدنصیب بستی کا معائنہ کرنے کے لئے آئے تو ایک احمدی اصغر حسین صاحب نے انہیں لاشوں کے مقامات دکھائے اور گاؤں کے مسلمانوں کی نمائندگی میں مفصل حالات پیش کئے اور درخواست کی کہ حالات کے معمول پر آجانے تک فوج کو بدستور متعین رکھا جائے۔ جس میں مسلمان اور گورے ہوں۔ دھان کاٹنے میں حکومت کی طرف سے مدد دی جائے۔ نیز اجڑے ہوئے مسلمانوں کو ایک مقام پر اکٹھا بسایا جائے اور حفاظت کے لئے اسلحہ دیا جائے۔ غازی پور کے احمدیوں نے اپنے گاؤں کے مسلمانوں کی لاشیں باقاعدہ دفن کیں جبکہ دوسرے دیہات کے مردے جلا دیئے گئے۔

غازی پور کے احمدیوں کی یہ خدمت غیر مسلموں کو بہت ناگوار گذری اور انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اور وہ یہ کہ چونکہ یہ احمدی دیگر مسلمانوں کی تکلیف میں مدد دیتے تھے اور ان کی جائز شکایات افسران بالا تک پہنچاتے تھے اسلئے پولیس نے ان میں سے چار کو جعلی الزام کی بنا پر گرفتار کر لیا۔ [1]

پٹنہ :- یہاں پروفیسر سید اختر احمد صاحب اورینوی کی وجہ سے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے باقاعدہ تنظیم کے ساتھ خدمت خلق کا فریضہ ادا کیا اور آپ اسکی روح رواں تھے آپکے اہلبیت بھی مستورات میں ریلیف کا کام کرتے رہے۔

بہار کے ان مخلص احمدیوں کے علاوہ ڈاکٹر عبدالصمد صاحب انچارج پاکستان ایمبولینس کور کلکتہ اور ڈاکٹر عنایت اللہ شاہ صاحب انچارج علی گڑھ میڈیکل پارٹی مقیم ڈیگھا کیمپ نے بھی خدمت خلق میں نمایاں حصہ لیا۔ موخرالذکر

---

[1]: - الفضل ۴ ا رماہ تبلیغ / فروری ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۵

کی جدوجہد سے ہی یہ کیمپ جاری ہوا۔ ان ایام میں جہاں جہاں احمدی افسر موجود تھے وہاں وہاں انہوں نے نہایت اخلاص اور دیانتداری اور جانفروشی سے یہ خدمت کی۔ [1]

جماعت احمدیہ کے مرکزی طبی وفود اور دوائیوں اور دوسرے امدادی کاموں پر دس ہزار سے زائد روپیہ خرچ ہوا۔[2]

حضرت مصلح موعود سے ڈاکٹر یوسف سلیمان کی ملاقات اور کیپ کالونی جنوبی افریقہ میں تبلیغ احمدیت کی داغ بیل

ڈاکٹر محمد یوسف سلیمان کیپ کالونی جنوبی افریقہ کے ایک نہایت معزز اور با اثر خاندان کے چشم و چراغ تھے جو ۱۹۱۶ء[3] سے احمدیت میں شامل تھے۔ اور جماعت احمدیہ انگلستان کے مشہور و معروف اور مخلص و ممتاز فرد، خاندان مسیح موعود کے عاشق صادق اور اسلام و احمدیت کا عملی نمونہ تھے۔ انگلستان میں بچپن سے رہائش رکھنے کی وجہ سے انگریزی زبان تو گویا اُن کی مادری زبان تھی۔ علاوہ ازیں جرمن، فرنچ، ڈچ اور افریقی زبانیں بھی جانتے تھے اور تبلیغ کا بہت شوق رکھتے تھے۔ اور انگلستان میں عام لوگوں کے علاوہ مختلف ممالک کے سفیروں اور وزیروں کو مؤثر طور پر پیغام حق پہنچاتے رہتے تھے۔

جنوبی افریقہ میں جس کے وہ اصل باشندے تھے نئے ہندوستانیوں کا داخلہ بند تھا اور پرانے ہندوستانی باشندوں سے شرمناک سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ حضرت مصلح موعود سالہا سال سے حسرت کی نگاہ سے اس علاقہ کو دیکھ رہے تھے کہ کوئی ذریعہ وہاں مبلغ بھجوانے کا نکل آئے۔ لیکن اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس علاقہ میں احمدیت کی اشاعت و تبلیغ کا غیبی سامان یہ کیا کہ ڈاکٹر یوسف سلیمان شروع ماہ امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء میں اچانک قادیان تشریف لائے اور حضرت مصلح موعود سے ملاقات کی۔ اور بتایا کہ وہ آئندہ جنوبی افریقہ میں رہائش پذیر ہو کر تبلیغ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور ساتھ ہی کسی بیرونی مبلغ کو منگوانے کا وعدہ بھی کیا۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود نے اپنے خطبہ جمعہ (۸/امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء) میں اس ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ:۔

"ڈاکٹر صاحب نے اپنی ساری عمر انگلستان میں گزاری ہے۔ انہوں نے ڈاکٹری پاس تو کی تھی لیکن ڈاکٹری پیشہ اختیار نہیں کیا۔ ان کے والد صاحب امیر آدمی تھے اور اتنی جائیداد انہوں نے چھوڑی ہے کہ وہ اسی پر گزارہ کرتے ہیں۔ ان کے والد کیپ ٹاؤن کے علاقہ کے ویسے ہی لیڈر تھے جیسے مسٹر گاندھی نٹال کے اور دونوں مل کر کام کیا کرتے تھے۔ جب ڈاکٹر صاحب مجھے ملے تو انہوں نے بتایا کہ مسٹر گاندھی کئی دفعہ ہمارے گھر آکر ٹھہرتے اور کئی دفعہ

[1]: میڈیکل ریلیف وفد کے دورہ بہار کی رپورٹ سے ملخص (مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔ اے سیکرٹری بہار کمیٹی۔ مطبوعہ ۱۶-۲۰-۲۵ رفتح ۱۳۲۵ہش)؛

[2]: الفضل ۴/ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء؛

[3]: الفضل ۱۳/ ماہ امان ۱۳۲۵ہش صفحہ ۲؛

ہم ان کے گھر جا کر ٹھہرتے ۔ ان کے دوسرے بھائی بھی احمدی ہیں ۔ لیکن ہمشیرہ احمدی نہیں .... ۔ انہوں نے کہا کہ مَیں اصل میں ساؤتھ افریقہ جا رہا تھا اور مَیں نے وہیں کا پاسپورٹ لیا ہوا تھا ۔ جب میں کلکتہ پہنچا تو ارادہ ہوا کہ ہندوستان میں ٹھہر جاؤں ۔ کیونکہ کلکتہ کی غلاظت دیکھ کر مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ مَیں نے ارادہ کیا کہ کوئی علاقہ تجویز کر کے ہندوستان کے لوگوں کو صفائی کے ساتھ رہنے کی عادت ڈالوں اور ساتھ ہی تبلیغ بھی کروں ...... ۔

پھر انہوں نے کہا :۔

یہاں کی گورنمنٹ مجھے بوجہ ساؤتھ افریقن ہونے کے ملک میں رہنے کی اجازت نہیں دیتی مَیں بھی چاہتا ہوں کہ مَیں اپنے وطن میں رہوں اور سلسلہ کی تبلیغ کروں ۔ میں نے کہا کیا کسی طرح ہم اپنا مبلّغ وہاں بھیج سکتے ہیں ؟ انہوں نے کہا ہاں وہاں انہیں استاد کر کے بھیج سکتے ہیں ۔ مَیں کہوں گا کہ مجھے اپنے لئے دین کے استاد کی ضرورت ہے اس طرح وہ میرے استاد بن کر جا سکتے ہیں ۔ مَیں نے کہا کہ آپ جائیں اور استاد کے لئے درخواست دیدیں اجازت ملنے پر ہم وہاں اپنا مبلّغ انشاء اللہ بھیج دیں گے ۔ ..... اب دیکھو یہ خدائی سامان ہیں نہ ارادہ ، نہ خیال ، مجھے تو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ آ رہے ہیں ۔ اچانک ان کا یہاں آنا معلوم ہوا ۔ اور اچانک خدا تعالیٰ کی طرف سے ساؤتھ افریقہ میں تبلیغ احمدیت کے سامان پیدا ہو گئے " [1]

ڈاکٹر یوسف سلیمان صاحب قادیان سے انگلستان پہنچے جہاں سے آپ ۱۳ ر اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو جنوبی افریقہ میں تبلیغ اسلام کے لئے روانہ ہو گئے ۔ اخبار " ڈان " نے ان کی روانگی کی خبر حسب ذیل الفاظ میں شائع کی :۔

" لنڈن ۱۳ ر اکتوبر ۔ رائیٹر کا ایک تار مظہر ہے کہ مسجد لنڈن کے ڈاکٹر یوسف سلیمان کل جنوبی افریقہ روانہ ہوئے ۔ جہاں وہ کیپ ٹاؤن میں ایک مسلم مشن قائم کریں گے ۔ یہ مشن جنوبی افریقہ کی یونین میں اپنی قسم کا واحد ادارہ ہوگا ۔ ڈاکٹر سلیمان نے رائٹر کو بتایا کہ گو مشرقی اور مغربی افریقہ میں ہمارے بہت سے اسلامی تبلیغی مشن اور مسجدیں قائم ہیں مگر جنوبی افریقہ میں اب تک کوئی ایسا مشن نہیں ہے ۔ مسجد لنڈن کے ارباب اختیار نے جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کی کثیر آبادی کے پیش نظر جو وہاں کے ملکی باشندے بن چکے ہیں ۔ ڈاکٹر سلیمان کو کیپ ٹاؤن میں مشن قائم کرنے کی ذمہ داری سپرد کی ہے ڈاکٹر سلیمان نے کہا کہ مشن کیلئے مناسب جگہ منتخب کرنے میں کسی جانب سے کوئی اعتراض نہیں اٹھایا جائے گا " [2]

(مشن کے تفصیلی حالات اگلی جلد میں آ رہے ہیں) ۔

---

[1] :۔ الفضل ۳۰ ر امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۵ ۔

[2] :۔ ڈان دہلی مورخہ ۱۴ ر اکتوبر ۱۹۴۶ء (بحوالہ ریویو آف ریلیجنز اردو نومبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۵) ۔

متحدہ ہندوستان کے آخری سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ میں حضرت مصلح موعود کی رُوح پرور تقریر

۱۸-۱۹-۲۰ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو مجلس خدام الاحمدیہ کا آٹھواں سالانہ اجتماع محلہ دارالشکر کے وسیع میدان میں ہوا۔ جس میں بیرونی مقامات سے ۱۷۵ خدام آئے اور ۲۲ مجالس مقامی اور ۱۲ مجالس بیرون نے شرکت کی۔ یہ اجتماع متحدہ ہندوستان کا آخری اجتماع تھا جس کا اختتام حضرت مصلح موعود کے رُوح پرور خطاب سے ہوا۔ حضور نے اپنے خطاب میں نہایت شرح و بسط سے اس امر کی طرف خدام کو توجہ دلائی کہ اپنی ساری طاقتیں اور صلاحیتیں کام اور صرف کام کے لئے وقف کر دیں اور اپنے خیالات و افکار اور کردار میں ایسی پاک تبدیلی پیدا کریں کہ اسلام کا نمونہ بن جائیں۔ کیونکہ دُنیا اُن کے چہروں سے اس نور کو مشاہدہ کرنا چاہتی ہے جس کے لئے وہ سرگرداں ہے۔ وہ اُن کے قلوب میں سے نکلی ہوئی تسکین کی وہ شعاعیں دیکھنا چاہتی ہے جو گناہوں کی آگ کو بالکل سرد کر دیں۔[۵]

خلیفہ وقت کی کامل اطاعت کرنے کی تاکیدی ہدایت

حضرت مصلح موعود ایک عرصہ سے یہ افسوسناک صورت دیکھ رہے تھے کہ بعض مرکزی ادارے ایک دوسرے سے عدم تعاون بلکہ رقابت کا مظاہرہ کرنے لگے تھے۔ چونکہ اس طریق سے حضور کی جاری فرمودہ تحریکات کو براہ راست نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے حضرت مصلح موعود نے خطبہ جمعہ (۲۵ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء) میں جماعت کو انتباہ کیا اور فرمایا:۔

"ہمارے سپرد ایک بہت بڑا کام ہے اور وہ کام کبھی سرانجام نہیں دیا جا سکتا جب تک ہر شخص اپنی جان اس راہ میں لڑا نہ دے۔ پس تم میں سے ہر شخص خواہ دنیا کا کوئی کام کر رہا ہو اگر وہ اپنا سارا زور اس غرض کے لئے صرف نہیں کر دیتا، اگر خلیفہ وقت کے حکم پر ہر احمدی اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار نہیں رہتا۔ اگر اطاعت اور فرمانبرداری اور قربانی اور ایثار ہر وقت اُس کے سامنے نہیں رہتا۔ تو اس وقت تک نہ ہماری جماعت ترقی کر سکتی ہے اور نہ وہ اشخاص مومنوں میں لکھے جا سکتے ہیں۔ یاد رکھو ایمان کسی خاص چیز کا نام نہیں بلکہ ایمان نام ہے اس بات کا کہ خدا تعالیٰ کے قائم کردہ نمائندہ کی زبان سے جو بھی آواز بلند ہو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے۔ اگر اسلام اور ایمان اس چیز کا نام نہ ہوتا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے کسی مسیح کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے مسیح موعود کی ضرورت تھی تو مسیح موعود کے ہوتے ہماری بھی ضرورت ہے۔ ہزار دفعہ کوئی شخص کہے کہ میں مسیح موعود پر ایمان لاتا ہوں۔ ہزار دفعہ کوئی کہے کہ میں احمدیت پر ایمان رکھتا ہوں۔ خدا کے حضور اُس کے ان دعووں کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ جب تک وہ اُس شخص کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دیتا جس کے ذریعہ خدا اس زمانہ میں اسلام قائم کرنا چاہتا ہے۔ جب تک جماعت کا ہر شخص

---

[۵] مفصل تقریر کے لئے ملاحظہ ہو الفضل ۷ نبوت/نومبر ۱۳۳۹ہش/۱۹۶۰ء صفحہ ۳ تا ۶۔

پاگلوں کی طرح اُس کی اطاعت نہیں کرتا اور جب تک اُس کی اطاعت میں اپنی زندگی کا ہر لمحہ بسر نہیں کرتا۔ اس وقت تک وہ کسی قسم کی فضیلت اور بڑائی کا حق دار نہیں ہو سکتا۔" ؎۱

نوجوانانِ احمدیت کو قربانیاں پیش کرنے کی خاص تحریک۔

حضرت مصلح موعود اپنے عہد خلافت میں ہمیشہ قربانی پر زور دیتے تھے کہ یہی زندہ قوموں کی زندگی کی علامت اور ترقی کا نشان ہے۔ اس سال ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء میں حضور نے جماعت احمدیہ کو اس پہلو کی طرف بار بار اور مختلف پیرایوں میں زبردست توجہ دلائی۔ اس سلسلہ میں حضور نے ۱۳ رفتح/دسمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کے خطبہ جمعہ میں نوجوانوں کو خاص طور پر مخاطب کیا اور اس بات کی تلقین فرمائی کہ ہماری ہر دوسری نسل کو پہلی نسل سے بڑھ چڑھ کر قربانیاں پیش کرنی چاہئیں۔ نیز بتایا کہ:-

"وہ دن ہماری جماعت پر خدا کے فضل سے بہت جلد آنے والا ہے کہ جماعت میں ایسے مصنف پیدا ہو جائیں گے جو ہمارے زمانہ کے حالات لکھیں گے اور وہ اسی طرح کرید کرید کر ہمارے حالات کو دریافت کیا کریں گے جس طرح پہلے مصنفین نے صحابہ کے حالات دریافت کئے تھے۔ اور ہر طبقہ کے قربانی کرنے والے احمدیوں کے حالات لکھیں گے۔ وہ ایک احمدی مزدور کے حالات بھی لکھیں گے وہ ایک احمدی لوہار کے حالات بھی قلمبند کریں گے اور وہ ایک احمدی ترکھان کے حالات بھی محفوظ کریں گے۔ غرض وہ ایک ایک مخلص احمدی کے حالات تلاش کر کر کے بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں اسلام کی خدمت کرنے والے صحابہ یا بعد میں ہمارے زمانہ والے تمام احمدیوں کے حالات کتابوں میں محفوظ کئے جائیں گے اور اُن سب کے نام یقیناً قیامت تک محفوظ رہیں گے اور جب اُن کی نسل ختم ہو چکی ہوگی۔ جب اُن کا نسب نامہ ختم ہو چکا ہوگا اور جب ان کی اولادوں میں سے اُن کا کوئی نام لیوا بھی باقی نہ ہوگا اُس وقت لوگ ان کے کتابوں میں لکھے ہوئے حالات کو پڑھیں گے اور ان کے ناموں کو نہایت عزت اور فخر کے ساتھ یاد کیا جائے گا اور ٹھیک اسی طرح یاد کیا جائیگا جس طرح آج ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ناموں کو عزت اور فخر کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور تمہاری آنے والی نسلیں جب تمہاری قربانیوں کے حالات پڑھیں گی تو ادب اور احترام کیساتھ اُن کے سر جھک جایا کریں گے۔" ؎۲

متحدہ ہندوستان کے آخری سالانہ جلسہ کے مختصر عمومی کوائف۔

متحدہ ہندوستان کا آخری سالانہ جلسہ ۲۶-۲۷-۲۸ رفتح/دسمبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو منعقد ہوا۔ جس میں انتالیس ہزار سات سو کے لگ بھگ اصحاب شامل ہوئے۔ مردانہ جلسہ گاہ حسب معمول تعلیم الاسلام کالج

؎۱ :- الفضل ۱۵ رنبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۶

؎۲ :- الفضل ۳ ردسمبر ۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۳-۴

کے میدان میں اور زنانہ جلسہ گاہ کالج کی عمارت کے عقب والے میدان میں تھی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب (ناظر دعوت و تبلیغ) نے افسر جلسہ اور حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ایم۔اے نے ناظم اعلیٰ جلسہ گاہ کے فرائض انجام دیئے۔ خوراک کی پرچی کے اجراء کے انتظام کی نگرانی حضرت نواب زادہ محمد عبداللہ خاں صاحب کے سپرد تھی۔ قصر خلافت اور کمرہ ملاقات میں حفاظت خاص کے افسر انچارج میاں غلام محمد صاحب اختر اور بیرون قصر خلافت میں حفاظتِ خاص کے افسر انچارج چوہدری اسد اللہ خاں صاحب تھے۔ حضرت مصلح موعود سے ملاقات کا انتظام چوہدری مظفر الدین صاحب پرائیویٹ سیکرٹری اور ان کے نائب مولوی محمد عبداللہ صاحب اعجاز کی نگرانی میں تھا۔ ایام جلسہ میں نظارت ضیافت اور دوسری نظارتوں میں رابطہ، تعاون اور اتحاد کا اہم فریضہ حضرت مرزا عزیز احمد صاحب کے ذمہ تھا۔ اس سال بھی لوائے احمدیت جلسہ گاہ میں سٹیج کے شمال مشرقی جانب ایک بلند پول پر لہراتا رہا۔ مجلس خدام الاحمدیہ اور مجلس انصار اللہ کے کیمپ بھی حسب دستور جلسہ گاہ کے قریب قائم تھے۔ سال گذشتہ کی طرح اس سال بھی شعبہ صنعت و حرفت (تحریک جدید) کی صنعتی نمائش منعقد کی گئی۔ جس کا افتتاح ۲۶ رفتح / دسمبر کو حضرت نواب محمد الدین صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر نے کیا۔ نمائش میں قادیان کے قریباً سب کارخانہ جات نے اپنی مصنوعات[1] نمونہ کے طور پر پیش کیں۔ تحریک جدید کے اپنے کارخانہ آئرن سٹیل مینوفیکچرنگ کمپنی کی مصنوعات بھی شامل تھیں۔ نمائش گاہ اور ہال کے باہر تجارتی وقف کے متعلق بطور تحریص و ترغیب مختلف قطعات آویزاں کئے گئے تھے۔ نیز جماعت میں تجارت و صنعت کو فروغ دینے کے لئے چار قسم کے مختلف ہینڈبل بھی اس موقعہ پر شائع کئے گئے تھے۔ جلسہ میں شرکت کرنے والے مہمانان خاص کی تعداد ۵۳ تھی جن میں حکومت کے اعلیٰ افسر، امراء، رؤساء اور دیگر معززین شامل تھے۔ سالانہ جلسہ سے چند روز قبل موسم ابر آلود تھا اور دو دن قبل بارش بھی ہوئی۔ لیکن پھر مطلع صاف ہو گیا۔ لیکن جلسہ کے آخری دن صبح ہی کو بارش ہونی شروع ہو گئی۔ کچھ ژالہ باری بھی ہوئی لیکن جلسہ کی کارروائی حسب پروگرام جاری رہی۔ سامعین کے لئے جلسہ گاہ کے علاوہ اردگرد کی عمارتوں میں بھی لاؤڈ سپیکر نصب کر دیئے گئے۔ لیکن پھر بھی ایک کثیر تعداد نے بارش اور ژالہ باری کے باوجود جلسہ گاہ میں کھڑے ہو کر حضرت سیدنا المصلح الموعود کی آخری تقریر سنی اور دعا اور اجازت کے بعد جلسہ گاہ کو چھوڑا۔[2]

---

[1]:۔ بجلی کے گھریلو سامان، بٹن، عطریات، تالے، تار چرخے، ٹوکے، فرنیچر، پمپ، بجلی کے پنکھے اور دیگر پرزے اور مشینیں۔

[2]:۔ الفضل یکم صلح / جنوری ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۵ کالم ۳۔

حضرت مصلح موعودؓ کی ایمان افروز تقریریں ،پُرشوکت پیشگوئی اور جماعت احمدیہ کو قیمتی نصائح ۔

متحدہ ہندوستان کے اس یادگار جلسہ میں حضرت مصلح موعود نے چار اہم تقاریر فرمائیں :۔

(۱) افتتاحی خطاب :۔ حضور نے ۲۶ ر فتح / دسمبر کی افتتاحی تقریر میں نہایت پُرشوکت الفاظ میں پیشگوئی فرمائی :۔

"عیسائیت نے سر اٹھایا اور ایک لمبے عرصہ تک اسکی حکومت کی مگر اب عیسائیت کی حکومت اور اسکے غلبہ کا خاتمہ ہے ۔ وہ چاہتے ہیں کہ عیسائیت کے خاتمہ کے ساتھ ہی دنیا کا بھی خاتمہ ہو جائے تا وہ کہہ سکیں کہ دنیا پر جو آخری جھنڈا لہرایا وہ عیسائیت کا تھا ۔مگر ہمارا خدا اس امر کو برداشت نہیں کر سکتا ۔ ہمارا خدا یہ پسند نہیں کرتا کہ دنیا پر آخری جھنڈا عیسائیت کا لہرایا جائے ۔ دُنیا میں آخری جھنڈا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گاڑا جائے گا ۔ اور یقیناً یہ دُنیا تباہ نہیں ہوگی جبتک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا ساری دُنیا پر اپنی پوری شان کے ساتھ نہیں لہرائے گا ۔" [۱]

(۲) خواتین سے خطاب :۔ ۲۷ ر فتح / دسمبر کو قبل از ظہر حضرت مصلح موعود کا خواتین میں لیکچر ہوا جس میں حضور نے انہیں ہدایت فرمائی کہ :۔

"لجنات بنائی جائیں پھر تعلیم کا انتظام کیا جائے ۔ اپنی تنظیم کرو اگر تم صحیح طور پر لکھنا پڑھنا سیکھ لوگی تو اپنے علاقہ میں آسانی سے تبلیغ کر سکو گی اسکے بعد تم دیکھو گی کہ جماعت کی تعداد سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں گنے بڑھ جائے گی ۔" [۲]

(۳) سال کے اہم واقعات پر مفصّل تبصرہ :۔ نماز جمعہ کے بعد حضور مردانہ جلسہ گاہ میں رونق افروز ہوئے اور سال گذشتہ کے اہم واقعات پر معرکۃ الآرا تقریر فرمائی جس میں تفسیر کبیر، انگریزی ترجمہ قرآن کریم، تراجم قرآن، تحریک جدید اور اسکے بیرونی مشنوں، فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور دیہاتی مبلغین کی سکیم پر مفصل روشنی ڈالی اور جماعت احمدیہ سے غیر معمولی قربانیوں کا مطالبہ فرمایا ۔ [۳]

اس تقریر پر اخبار "زمزم" لاہور نے اپنی ۳ ر جنوری ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں "عمل اور فتویٰ" کے عنوان سے حسب ذیل نوٹ لکھا :۔

"مرزا صاحب قادیانی کے جانشین مرزا محمود احمد صاحب نے اپنے سالانہ جلسے پر تقریر کرتے ہوئے جن اہم امور پر

---

[۱]:۔ الفضل ۲۰ ر فتح ۱۳۲۵ ہش صد کالم ۱ ؎
[۲]:۔ الفضل ۹ ر صلح ۱۳۲۶ ہش صد ۳ کالم ۲،۳ ؎
[۳]:۔ الفضل ۲۸ ر فتح " " صد ۲،۱ ؎

روشنی ڈالی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔ قرآن کریم کے مختلف سات زبانوں کے جو ترجمے ہو رہے تھے وہ بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے ہیں۔ تراجم کے سلسلہ میں قادیانی مرکز کو دو لاکھ چالیس ہزار روپے وصول ہوئے۔ جس میں سے تراجم پر ۳۵ ہزار روپے صرف ہوئے۔ باقی دو لاکھ پانچ ہزار بمد حفاظت جمع ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے تبلیغی مشنوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انگلستان میں سات مبلّغ کام کر رہے ہیں۔ اسپین میں دو مبلّغ فرض تبلیغ ادا کر رہے ہیں۔ فرانس۔ اٹلی۔ سوئٹزرلینڈ۔ شمالی اور جنوبی (امریکہ) افریقہ۔ مصر فلسطین۔ عراق۔ ایران۔ جزائر شرق الہند وغیرہ میں بھی دو دو چار چار مبلّغ متعیّن ہیں۔ سُن رہے ہیں ہمارے علمائے کرام! دُنیا فتووں، مناظروں اور مشاجرات کی کتابوں کو دیکھے یا عملی کارگزاریوں کو!

علماء چاہتے ہیں کہ صرف مناظروں سے کام نکل جائے۔ مگر ان کا حریف اتنی دُور نکل چکا ہے کہ تعاقب کے لئے بھی ہمت چاہیئے۔"[1]

(۴) **الوداعی تقریر**:۔ حضرت مصلح موعود نے ۲۸ فتح / دسمبر ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء کو آخری تقریر فرمائی جس کے آغاز میں فرمایا کہ:۔

"میرا ارادہ کل تو یہ تھا کہ مَیں آج علمی مضمون پر تقریر کروں گا لیکن اس ارادہ سے پہلے متواتر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں اس دفعہ زیادہ تر جماعت کو اپنی عملی اصلاح اور اسلام کی آئندہ جنگ کے لئے تیاری کی طرف توجہ دلاؤں۔ کل جب تقریر کرنے کے بعد مَیں واپس گیا تو رات کو پھر متواتر میرے دل میں خیال آیا کہ بجائے علمی مضمون پر تقریر کرنے کے مَیں جماعت کے دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاؤں کہ وہ اپنی اصلاح کریں اور اس جنگ کیلئے تیار رہیں جو قریب سے قریب تر آ رہی ہے۔"

ان تمہیدی کلمات کے بعد حضور نے جماعت کے دوستوں کو نہایت اختصار مگر پُر اثر الفاظ میں نماز باجماعت[1] کی پابندی۔ لجنات اماء اللہ کے قیام[2] اور ان کی اصلاح کرنے نیز سچائی[3] اور محنت[4] کی عادت پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ جن کا خلاصہ حضور کے الفاظ میں یہ تھا کہ:۔

"نماز باجماعت کی پابندی سوائے کسی خاص مجبوری کے یہاں تک کہ اگر گھر میں بھی فرض نماز پڑھی جائے تو اپنے بیوی بچوں کو شامل کر کے جماعت کرائی جائے۔ یا اگر بچے نہ ہوں تو بیوی کو ہی اپنے ساتھ کھڑا کر کے نماز باجماعت ادا کی جائے۔

دوسرے سچائی پر قیام۔ ایسی سچائی کہ دشمن بھی اسے دیکھ کر حیران رہ جائے۔ تیسرے محنت کی عادت

---

[1] :۔ اخبار "زمزم" (لاہور) ۱۹ جنوری ۱۹۴۷ء۔ بحوالہ الفضل ۶ ماہ صلح / جنوری ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۱۔

ایسی محنت کہ بہانہ سازی اور عذر تراشی کی رُوح ہماری جماعت میں سے بالکل مٹ جائے اور جس کے سپرد کوئی کام کیا جائے وہ اُس کام کو پوری تندہی سے سرانجام دے یا اسی کام میں فنا ہو جائے۔ چوتھے عورتوں کی اصلاح۔ ہر جگہ لجنہ اماء اللہ کا قیام اور عورتوں میں دینی تعلیم پھیلانے کی کوشش۔ یہ چار چیزیں ہیں جنکے متعلق میں نے اس وقت تک توجہ دلائی ہے" ؎۱

آخر میں فرمایا:۔

"یہ چار نصیحتیں آپ لوگوں کو کرنے کے بعد میں دُعا کے ساتھ آپ سب کو رخصت کرتا ہوں اگر آپ لوگ ان باتوں پر عمل کریں گے تو پھر خدا تعالیٰ آپ لوگوں کی تبلیغ میں بھی برکت پیدا کر دے گا۔ آپ کے کاموں میں بھی برکت پیدا کر دے گا اور اسلام کی فتح کو قریب سے قریب تر لے آئیگا یہ چار دیواریں ہیں جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے"۔ ؎۲

سالانہ جلسہ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کے دُوسرے مقررین

حضرت مصلح موعود کی بصیرت افروز تقاریر کے علاوہ مندرجہ ذیل علماء سلسلہ کی بھی تقریریں ہوئیں:۔

۱۔ مولوی محمد سلیم صاحب فاضل۔ ("اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کے متعلق اسلامی تصوّر")۔

۲۔ میاں عبدالمنان صاحب عمر۔ ("قرآن مجید بلحاظ کامل شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کا زندہ ثبوت ہے")۔

۳۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب ("ذکر حبیب")۔

۴۔ مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل ("ضرورت عبادت اور وہ غرض اسلامی عبادت سے کس طرح پوری ہوتی ہے")۔

۵۔ مولوی عبدالمالک خانصاحب۔ ("حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ ہے")

۶۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس۔ ("انگلستان میں تبلیغ اسلام")۔

۷۔ السیّد منیر الحصنی آفندی صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ دمشق۔ ("جلسہ کے مبارک اجتماع سے متعلق میرے مشاہدات و تاثرات") ؎۳۔

۸۔ حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب۔ ("فلسفہ احکام پردہ") ("احمدی نوجوانوں سے خطاب") ؎۴۔

؎۱:۔ الفضل ۱۶ر صلح/جنوری ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء ص۴ ؎۲:۔ ایضاً

؎۳:۔ اصل تقریر عربی میں تھی۔ الفضل (۱۰ر صلح ۱۳۲۶ہش ص۶) میں اس کا مکمل ترجمہ شائع شدہ ہے۔

؎۴:۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے ۲۷ر فتح کے پہلے اجلاس میں پہلے عنوان پر اور ۲۸ر فتح کے پہلے اجلاس میں دوسرے عنوان پر تقریر فرمائی۔

٩ - حضرت سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب - "حضرت مسیح ناصری کا سفر کشمیر" ۔

١٠ - جناب پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب ایم - اے - "تھیوسافیکل تحریک پر تبصرہ" ۔

١١ - حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب "اسلام میں دنیا کے اقتصادی مسائل کا حل"[١] ۔

١٢ - سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر "نور" - "اسلام رواداری، امن اور برکات کا مرکز ہے" ۔

١٣ - ملک عبدالرحمن صاحب خادم بی - اے - ایل ایل - بی - "مصلح موعود کے لئے حضرت مسیح موعود کی پیشگوئیوں اور الہامات کے مطابق خلیفہ ثانی ہونا ضروری ہے"[٢] ۔

١٣٢٥ہش / ١٩٤٦ء میں انتقال کرنیوالے جلیل القدر صحابہ

اِس سال مندرجہ ذیل مشہور صحابہ کا انتقال ہوا :-

(١) حضرت حکیم عبدالعزیز خاں صاحب مالک طبیہ عجائب گھر قادیان ۔ بیعت ستمبر ١٩٠٥ء ۔ وفات ٢٩ ماہ صلح / جنوری ١٣٢٥ہش / ١٩٤٦ء)۔[٣]

صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب نے آپ کے انتقال پر لکھا :-

"مکرمی حکیم عبدالعزیز خانصاحب میں چونکہ دو خصوصیتیں تھیں یعنی ایک تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی تھے - دوسرے ان کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان سے خاص طور پر محبت تھی اور یہ فخر بھی اُنہیں حاصل تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنی اولاد کو اور پھر آگے اُن کی اولاد کو پڑھاتے رہے تھے"۔[٤]

(٢) حضرت منشی عبدالعزیز صاحب پٹواری اوجلہ ضلع گورداسپور - (وفات ١١ ماہ شہادت / اپریل ١٣٢٥ہش / ١٩٤٦ء)۔[٥]

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپکا نام ٣١٣ اصحاب کبار کی فہرست میں نمبر ٢٣ پر درج فرمایا ہے - اپنے خاندان میں سب سے پہلے آپ ہی کو حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی معرفت نصیب ہوئی - پھر آپ کے ذریعہ تمام افراد یکے بعد دیگرے حلقہ بگوش احمدیت ہوتے چلے گئے - التزام نمازیں خوب اہتمام فرماتے اور تہجد و ذکر الٰہی تو گویا آپ کی غذا تھی - مالی جہاد میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر حصہ لیتے - حضرت مسیح موعود اور حضرت مصلح موعود سے والہانہ عشق تھا اور خاندان مسیح موعود کے سب افراد کو شعائر اللہ میں یقین کرتے اور انکی بہت عزت و تکریم کرتے تھے ۔[٦]

١، ٢ :- یہ دونوں تقریریں بارش کی وجہ سے نا تمام رہ گئیں ۔ ٣ :- الفضل ٣١ ماہ صلح / جنوری ١٣٢٥ہش / ١٩٤٦ء صفحہ ١ کالم ١ ۔

٤ :- الفضل ٩ تبلیغ / فروری ١٣٢٥ہش / ١٩٤٦ء صفحہ ٤ ۔ ٥ :- الفضل ١٢ ماہ شہادت / اپریل " " " "

٦ :- اصحاب احمد جلد اول صفحہ ٩٠ (مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم - اے) و الفضل ١٢ احسان ١٣٢٥ہش صفحہ ٥ ۔

۳۔ حضرت میاں غلام محمد صاحب نور محل۔ (وفات ۲۶ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ ہش ۱۹۴۶ء)[1]۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے اُن کی وفات پر فرمایا:۔

"بابو غلام محمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرانے صحابہ میں سے تھے۔ حکیم محمد حسین صاحب قریشی کے ساتھ انہیں بڑی محبت تھی اور دونوں مل کر قادیان آیا کرتے تھے۔ اختلاف کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے انکو ابتدا سے ہی اس بات کی توفیق عطا فرمائی کہ وہ ہر قسم کی ٹھوکر اور ابتلاء سے بچے رہے حالانکہ ٹھوکر کھانے کے سامان ان کے اردگرد بہت زیادہ تھے۔ مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب وغیرہ سے ان کی دوستیاں اور تعلقات تھے اور غریب آدمی بڑے آدمی کے تعلقات کے اثر کو بہت جلد قبول کر لیا کرتا ہے۔ مگر باوجود ہر قسم کی شورش کے وہ محفوظ رہے"۔[2]

۴۔ حضرت مولوی سیّد عبدالحکیم صاحب کٹکی۔ (ولادت ۱۸۸۶ء (اندازاً) ۔ وفات ۲؍احسان/جون ۱۳۲۵ ہش ۱۹۴۶ء بعمر ساٹھ سال)

اڑلیسہ کے مشہور بزرگ اور بلند پایہ صحابی حضرت مولوی سیّد عبدالرحیم صاحب کے فرزند اکبر اور عالم باعمل انسان تھے سلسلہ کی ہر اہم تحریک میں نمایاں اور سرگرم حصہ لینا آپ کا طرّہ امتیاز تھا۔ حصہ وصیت اپنی زندگی میں ادا فرما دیا تھا۔ جماعت احمدیہ سونگڑا کے نائب امیر اور قاضی بھی رہے۔[3]

۵۔ شیخ اللہ بخش صاحب امرتسری۔ (ولادت قریباً ۱۸۶۰ء ۔ بیعت ۱۸۹۱ء ۔ وفات ۱۸؍ماہ احسان/جون ۱۳۲۵ ہش ۱۹۴۶ء)[4]

امرتسر کے پرانے مخلص احمدی بزرگوں میں سے تھے۔ آپ کو حضرت مرزا قطب الدین خانصاحب مسگر مرحوم امرتسری کے ذریعہ سے احمدیت کی طرف توجہ ہوئی۔ آپ "جنگ مقدس" کے مشہور مباحثہ میں بھی موجود تھے۔ ہر سال کا چندہ یکمشت اور پیشگی ادا فرما دیتے تھے۔ نماز پنجگانہ کے علاوہ نوافل و تہجد کے بہت سختی سے پابند تھے۔ دعا پر آپ کو زبردست یقین حاصل تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ ہر سال قادیان کے غرباء کے لئے امرتسر سے گرم کپڑے بھجوایا کرتے تھے اپنی ساری کتابیں مقامی احمدیہ لائبریری میں جمع کرا دی تھیں اور آخری عمر میں قادیان دارالامان میں ہجرت کر کے آ گئے تھے اور زیادہ وقت مسجد مبارک میں یاد خدا میں گزارتے تھے۔[5]

۶۔ میاں رحیم بخش صاحب گنج لاہور۔ (وفات ۲؍وفا/جولائی ۱۳۲۵ ہش ۱۹۴۶ء)[6]

---

[1]:۔ الفضل ۲۶؍شہادت ۱۳۲۵ ہش صفحہ ۱ کالم ۱۔ [2]:۔ الفضل ۶؍ظہور/اگست ۱۳۳۹ ہش ۱۹۶۰ء صفحہ ۳۔
[3]:۔ " ۱۱؍احسان/جون ۱۳۲۵ ہش ۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔ [4]:۔ " ۲۰؍احسان ۱۳۲۵ ہش صفحہ ۱ کالم ۲۔
[5]:۔ مضمون سیّد بہادل شاہ صاحب امرتسر سے ملخصاً (مطبوعہ الفضل ۲۹؍احسان/جون ۱۳۲۵ ہش ۱۹۴۶ء)۔
[6]:۔ الفضل ۲؍وفا/جولائی ۱۳۲۵ ہش ۱۹۴۶ء صفحہ ۱۔

۷ ۔ حاجی نذیر خانصاحب ۔ سیالکوٹ ۔ (۵/۴ ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء بعمر ۷۲ سال) ۔

زمانہ طالبعلمی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قیام سیالکوٹ کے دوران بیعت کی ۔ سلسلہ احمدیہ کی ہر اہم تحریک میں سرگرم حصہ لیتے ۔ لاہور ۔ ملتان اور سیالکوٹ میں سیکرٹری مال یا محاسب کا کام آپ کے سپرد رہا ۔ [1]

۸ ۔ میاں حیات محمد صاحب جہلمی ۔ (وفات ۱۳ ۔ ۱۴ ر وفا/جولائی ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء) ۔

بہت پُرجوش احمدی تھے تبلیغ کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے ۔ جب ملازمت سے رخصت ملتی ۔ وطن جانے کی بجائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں رہ کر برکت و فیض حاصل کرتے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جنوری ۱۹۰۳ء میں جہلم تشریف لائے تو آپ رخصت لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے ۔ ۱۹۲۰ء میں ہجرت کر کے قادیان چلے آئے تھے ۔ [2]

۹ ۔ وزیر علی صاحب ہوشیارپوری محلہ دارالشکر قادیان ۔ (وفات ۲۳ ر وفا/جولائی ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء) ۔ [3]

۱۰ ۔ حافظ مشتاق احمد صاحب پشاور ۔ (وفات ۲۵ ر وفا/جولائی ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء) ۔ [4]

۱۱ ۔ حضرت مولوی محمد عثمان صاحب لکھنوی ۔ (بیعت ۱۹۰۶ء ۔ وفات ۲۹ ر ظہور/اگست ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء) ۔ [5]

حضرت مولوی صاحب کا سلسلہ نسب پینتیسویں پشت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ تک جا پہنچتا ہے ۔ آبائی وطن قصبہ باڈی ضلع ہردوئی تھا ۔ مگر تین پشتوں سے لکھنؤ میں قیام تھا ۔ آپ کی پیدائش پرتاپ گڑھ اودھ میں ہوئی اور لکھنؤ میں دفن کئے گئے ۔ [6]

۱۲ ۔ حکیم سید شاہ نواز صاحب کھرڑ ضلع انبالہ ۔ (وفات ۲۸ ر تبوک/ستمبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء) [7]

۱۳ ۔ مستری اللہ دین صاحب جہلمی ۔ (وفات ۳۰ ر تبوک/ستمبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء) ۔ [8]

۱۴ ۔ حکیم جمال الدین صاحب آف فیض اللہ چک ۔ منگلپورہ ۔ (وفات ۲۶ ر نبوت/نومبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء) ۔ [9]

۱۵ ۔ حضرت حافظ مولوی ابو محمد عبد اللہ صاحب ساکن کھیوہ باجوہ ۔

(ولادت قریباً ۱۸۵۶ء ۔ بیعت ۱۸۹۵ء ۔ وفات ۲۶ ر نبوت/نومبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء بعمر ۹۰ سال)

---

[1] :۔ الفضل ۹ ر وفا ۱۳۲۵ھش ص۱ و الفضل ۲۲ ر وفا ۱۳۲۵ھش ص۵ کالم ۳-۴ ؛

[2] :۔ الفضل ۲۰ ر ظہور/اگست ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء ص۵ ؛

[3] :۔ الفضل ۲۴ ر وفا/جولائی ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء ص۱ ؛

[4] :۔ الفضل یکم صلح/جنوری ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء ص۵ ؛

[5] :۔ الفضل ۲۹ ر ظہور/اگست " " ص۲ ؛

[6] :۔ الفضل ۴ ر اخاء ۱۳۲۵ھش ص۵ ؛

[7] :۔ الفضل ۲ ر اخاء/اکتوبر " " ص۱ کالم ۲ ؛

[8] :۔ الفضل ۳ ر اخاء " " ص۱ ؛

[9] :۔ الفضل ۲۸ ر نبوت/نومبر " " ص۱ ؛

علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ اعلائے کلمۃ اللہ میں صرف ہوا۔ شروع میں اہلحدیث عالم کی حیثیت سے شرک و بدعت کے خلاف وعظ کرتے رہے پھر داخل احمدیت ہونے کے بعد تبلیغی جہاد میں پورے جوش سے مصروف عمل ہو گئے۔ سیالکوٹ، لائل پور، سرگودھا، منٹگمری، شیخوپورہ اور گوجرانوالہ کے سینکڑوں اشخاص آپکے ذریعہ احمدی ہوئے اور کئی انجمنیں آپ کی کوشش سے قائم ہوئیں۔ صاحب الہام و کشوف تھے اور حد درجہ کے منکسر المزاج اور کم گو۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق ان کی ساری عمر میں ان کی زبان ایک بار بھی جھوٹ سے ملوث نہیں ہوئی۔ دس سال کی عمر سے لیکر اخیر وقت تک انکی کوئی نماز یا روزہ قضا نہیں ہوا۔ ؎[1]

۱۶۔ حضرت مولوی سید ضیاء الحق صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی۔ (امیر جماعت احمدیہ سونگڑہ اڑیسہ)۔

(زیارت قادیان ۱۹۰۲ء۔ وفات ۱۳ فتح/دسمبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء)

اڑیسہ میں جماعت احمدیہ ۱۸۹۱ء میں قائم ہوئی اور حضرت مولوی صاحب اڑیسہ کے بارہ مشہور صحابہ[2] میں سے ایک تھے جو ۱۹۰۲ء میں قادیان تشریف لائے اور حضرت مسیح موعود سے فیض حاصل کیا۔ اُن کی زندگی کا شعار تبلیغ احمدیت تھا جس کی خاطر انہوں نے کبھی جانی، مالی اور عزت و آبرو غرضکہ کسی نوع کی قربانیوں سے دریغ نہیں کیا۔ جماعت احمدیہ سونگڑہ کے لئے ۱۹۳۵ء، ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۵ء کے سال نہایت نازک تھے جن میں مخالفت کے طوفان امڈ آئے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ نے مومنانہ جرأت کے ساتھ اُن کا مقابلہ کیا۔ ۱۹۴۵ء میں ظالم آپکے قتل کا منصوبہ کرکے آپکے مکان پر حملہ آور ہوگئے اور کہا کہ ہم آپکا خون چاہتے ہیں۔ آپ چلنے پھرنے سے معذور تھے مگر یہ سنتے ہی آپ نے پورے جوش سے جواب دیا کہ ہاں میں بھی تو خون ہی ہونا چاہتا ہوں۔ مگر افسوس کہ نہ یہ میری قسمت میں ہے اور نہ تم میں جرأت!!

عربی، اُردو، فارسی اور اڑیا زبانوں کے ماہر تھے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اور دوسرے کئی علماء کو

؎۱:۔ الفضل ۲۲ صلح/جنوری ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴ (ملخصاً از مضمون چوہدری غلام قادر صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ منٹگمری)۔ جناب شیخ نور احمد صاحب بی اے۔ ایل ایل۔ بی ایڈووکیٹ لاہور نے انہیں دنوں حضرت مولوی صاحب کی سیرت کے متعدد ایمان افروز واقعات قلمبند کئے تھے جو الفضل ۱۹۔ ۲۱ شہادت ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء میں چھپ چکے ہیں۔

؎۲:۔ نام:۔ حضرت مولوی سید عبدالرحیم صاحب اوّلین مبلغ اڑیسہ۔ حضرت مولوی سید سعیدالدین صاحب۔ مولوی سید احمد حسین صاحب۔ مولوی سید نیاز الدین صاحب۔ مولوی سید تفضل حسین صاحب۔ مولوی سید شفیق الدین صاحب۔ مولوی سید عبدالستار صاحب۔ (یہ بزرگ ۱۹۰۱ء میں قادیان گئے)۔ حضرت مولوی سید ضیاء الحق صاحب۔ حضرت مولوی سید نیاز حسین صاحب۔ حضرت مولوی سید اکرام الدین صاحب۔ (یہ تینوں ۱۹۰۳ء میں حضرت مسیح موعود کی خدمت میں حاضر ہوئے)۔ حضرت مولوی سید حاجی احمد صاحب۔ حضرت مولوی سید اختر الدین صاحب (۱۹۰۸ء میں پہلی بار قادیان کی زیارت کی)۔

مناظرے کئے اور انہیں لاجواب کیا ۔ نہایت منکسر المزاج، خوش اخلاق، غریب پرور، مہمان نواز اور غیور بزرگ تھے قرآن کریم کا درس ایسی عمدگی سے دیتے کہ قادیان دارالامان کے مرکزی درس کا نظارہ آنکھوں کے سامنے آجاتا۔[۱]

فصلِ دوم

۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کے بعض متفرق مگر اہم واقعات

خاندان مسیح موعود میں خوشی کی تقاریب

(۱) مرزا ظفر احمد صاحب کے ہاں ۳۰ امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو مرزا قمر احمد صاحب پیدا ہوئے۔[۲]

(۲) صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب کے ہاں ۱۰ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو مرزا مظہر احمد صاحب کی ولادت ہوئی۔[۳]

(۳) ۱۰ ماہ نبوت/نومبر کو سیّدہ امۃ الحکیم صاحبہ (صاحبزادی حضرت سیّدنا المصلح الموعود) کی تقریب ختنانہ عمل میں آئی۔[۴]

احمدی مبلغوں کی تقریریں غیر مسلموں کے جلسوں میں

۱۔ گوردوارہ صاحب کلاں نابھہ سٹیٹ کی کمیٹی نے گورو گوبند سنگھ جی کے جنم دن پر تقریر کے لئے ایک احمدی مبلغ بھجوانے کی درخواست کی تھی جس پر گیانی واحد حسین صاحب مرکز سے بھجوائے گئے۔ سکھ صاحبان گیانی صاحب کو جلوس میں شامل کرنے کے واسطے سرکاری بگھی میں لے گئے۔ جلوس سرکاری ساز و سامان سے مزین تھا اور جناب کنور صاحب (برادر خورد مہاراجہ صاحب بہادر نابھہ) بھی جلوس میں شامل تھے۔ دوران جلسہ گیانی صاحب کی تقریر کرائی گئی جو نہایت دلچسپی سے سُنی گئی۔ اسی رات کو دوسرے سکھ لیکچراروں کے ساتھ گیانی صاحب کی بھی تقریر تھی۔ آپ وقت مقررہ پر دس بارہ احمدیوں کے ساتھ گوردوارہ میں پہنچے۔ ہال کمرہ فوجی اور رسول ملازموں اور معززین شہر سے بھرا ہوا تھا سیکرٹری صاحب گوردوارہ نے گیانی صاحب کو معزز رفقاء نہایت احترام سے آگے جگہ دی۔ شبد پارٹیوں کا وقت ختم ہونے پر سب سے پہلے گیانی صاحب موصوف نے "سکھ مسلم اتحاد" پر ایک گھنٹہ تک تقریر کی۔ آپنے تاریخ کی روشنی میں سکھ مسلم خوشگوار تعلقات کی مثالیں دیتے ہوئے گورو گوبند سنگھ کا وہ

---

[۱] ۔ الفضل یکم تبلیغ ۱۳۲۶/۲۰ تبلیغ/فروری ۱۹۴۷ء ہش۔

[۲] ۔ الفضل ۲ شہادت ۱۳۲۵ہش صفحہ ۲ کالم ۱۔

[۳] ۔ الفضل ۱۱ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔

[۴] ۔ الفضل ۱۱ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲۔

خط بھی سنایا جو انہوں نے حضرت شہنشاہ اورنگ زیب کے نام لکھا تھا اور جو گرنتھ صاحب میں "ظفر نامہ" کے نام سے موسوم ہے اور جس میں نہایت محبت و اخلاص کا اظہار کیا تھا ۔ آپ نے ظفر نامہ کا اردو ترجمہ پنجابی زبان میں کیا اور ایسے انداز میں قرآنی تعلیم کی تطبیق گورو نانک صاحب کے اقوال سے کی ۔ شبد سنائے اور آیات قرآنی پڑھیں کہ سامعین پر ایک سماں بندھ گیا اور تحسین و آفرین کی آوازیں آنے لگیں ۔

دوسرے دن سیکرٹری کمیٹی نابھہ کے احمدیوں کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے مولوی صاحب کی تقریر اور واقفیت کو پنتھ نے نہایت پسند کیا ہے اور مہنت صاحب گوردوارہ نے دھن باد کا پیغام دیا ہے ۔ [1]

۲ ۔ کوٹ سید محمود متصل امرت سر میں سکھوں کی طرف سے ۶ ویں بادشاہی کے گوردوارہ "بوڑھی صاحب" میں دیوان کے موقعہ پر گیانی عباد اللہ صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ نے لیکچر دیا جو بہت مقبول ہوا ۔ سکھ پریذیڈنٹ نے کہا کہ اس وقت ملک کو ایسی تقریروں کی بہت ضرورت ہے ۔ [2]

۳ ۔ آریہ سماج دہلی نے ۱۲؍ فروری ۱۹۴۶ء (۱۲؍ تبلیغ ۱۳۲۵ ہش) کو ایک مذہبی کانفرنس کا انتظام کیا جس کے لئے یہ مضمون مقرر کیا کہ

"میرا مذہب ملک کی ترقی کی راہ میں روک نہیں ہے ۔"

جماعت احمدیہ کی طرف سے مولانا ابو العطاء صاحب نے اس کانفرنس میں حصہ لیا ۔ آپ کی تقریر سامعین نے نہایت اطمینان اور توجہ سے سُنی اور دوران تقریر کئی بار نعرہ ہائے تحسین بلند کر کے اپنے جذبات کا اظہار کیا ۔ مقامی اخبار "تیج" نے اس تقریر کا خلاصہ بھی شائع کیا ۔ [3]

خدام الاحمدیہ قادیان کے پہلے قائد

دستور اساسی خدام الاحمدیہ کے مطابق قادیان کی مجلس مقامی خدام الاحمدیہ کے لئے الگ قائد نہ تھا بلکہ حضرت صدر مجلس ہی کے سپرد قیادت قادیان کے فرائض تھے ۔ مگر اس سال حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی ہدایت پر قائد مقامی کا انتخاب ۲۰؍ امان/مارچ ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء کو عمل میں لایا گیا جس میں

---

[1] : ۔ الفضل ۷؍ تبلیغ/فروری ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۹ (ملخصاً مضمون قدرت اللہ صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ نابھہ)؛

[2] : ۔ الفضل ۲۵؍ امان/مارچ ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۸ کالم ۱، ۲ ؛

[3] : ۔ الفضل ۱۲؍ تبلیغ/فروری " " صفحہ ۶ ؛

صاحبزادہ میاں عباس احمد خاں صاحب کثرت رائے سے سب سے پہلے قائد قادیان منتخب ہوئے۔ صاحبزادہ صاحب قبل ازیں معتمد مجلس مرکزیہ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اب یہ نئی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد ہوگئی[1] جسے آپ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء تک انجام دیتے رہے۔

مرزا منصور احمد صاحب کا سفر انگلستان

صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب پریسین مینوفیکچرنگ کمپنی قادیان کی طرف سے ٹیکنیکل ٹریننگ اور ولائت کی فیکٹریوں میں صنعتی تجربہ حاصل کرنے کے لئے ۱۹/ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو انگلستان تشریف لے گئے[2] اور ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد ۲۸/ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو بخیریت قادیان پہنچے۔[3]

پریسین مینوفیکچرنگ کمپنی کی بنیاد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود نے ۳/ماہ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب کے کارخانہ پریسین مینوفیکچرنگ کمپنی کی بنیاد رکھی اور دعا فرمائی۔ یہ کارخانہ قادیان اسٹیشن کے قریب جنرل سروس کمپنی کی زیر نگرانی تعمیر ہوا۔[4]

مرزا ابوسعید صاحب کا المناک قتل

مرزا محمد ابوسعید صاحب سپرنٹنڈنٹ پنجاب ریلوے پولیس لاہور نہایت مخلص احمدی اور حکومت پنجاب کے فرض شناس افسر تھے۔ ۱۱/ماہ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو ایک سکھ کنسٹبل ہرکرم سنگھ نے ان کو دن دہاڑے گولی مار کر قتل کر دیا جو سکھ لیڈروں کی مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریروں کے نتیجہ میں تھا۔

حضرت مصلح موعود نے ۱۲/ماہ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو مجلس علم و عرفان میں اس ہولناک حادثہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"یہ قتل ان شورشوں کا نتیجہ ہے جو وزارتی کمیشن کے آنے پر ملک میں ہو رہی ہیں۔ خصوصاً حال ہی میں سکھوں کی جو میٹنگ امرتسر میں ہوئی وہ بہت اشتعال انگیز تھی۔ یہ گورنمنٹ کی غلطی ہے کہ جب کوئی شرارت کرتا ہے تو یہ دیکھتی ہے کہ شرارت کرنے والا کمزور ہے یا طاقتور۔ اگر طاقتور ہو تو خاموش رہتی ہے اور اگر کمزور ہو تو کاروائی کرتی ہے۔ حالانکہ زیادہ تر فساد طاقتور ہی کرتے ہیں۔

---

[1]:۔ الفضل ۶/شہادت ۱۳۲۵ہش صفحہ ۸ کالم ۳ ؛ [2]:۔ الفضل ۲۳/شہادت ۱۳۲۵ہش صفحہ ۶ ؛
[3]:۔ الفضل ۳۰/اخاء " " صفحہ ۱ ؛ [4]:۔ " ۴/احسان " " صفحہ ۱ ؛

جس شخص نے ابوسعید صاحب کو قتل کیا وہ پہلے امرت سر گیا پھر لاہور آکر اس نے حملہ کیا ۔

امرت سر میں جو تقریریں کی گئیں ان سے ابوسعید صاحب کا کوئی تعلق نہ تھا ۔ مگر حملہ کرنے کی جو وجہ بیان کی جاتی ہے اس میں بھی کوئی معقولیت نہیں ۔ چھ ماہ قبل تبدیلی کی درخواست منظور نہ ہونے کا اثر اب نکلنا تھا ۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ قاتل نے اس تحریک کا اثر لیا جو سکھوں میں مسلمانوں کے خلاف پیدا کی جارہی ہے اور سمجھا جس پر حملہ کرنے لگا ہوں وہ ابوسعید ہے ۔ یہ نہ سمجھا کہ احمدی ہے اور احمدی تو پہلے ہی مارے ہوئے ہیں ان کو کیا مارنا ۔ مرحوم میں اخلاص تھا اور ان کی ساری ملازمت دیانتداری سے گزری ۔ جب وہ تھانیدار تھے اس وقت بھی افسروں نے بتایا کہ دیانتداری کے لحاظ سے صوبہ میں وہ ایک مثال رہے ۔ مگر باوجود اس کے ان کی ترقی وغیرہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی رہتی ۔ ایک دفعہ میں نے ان سے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے ؟ تو کہنے لگے پولیس میں کوئی دیانتدار ترقی کر ہی نہیں سکتا ۔ ایک بات انہوں نے یہ بتائی کہ ہر وقوعہ کی تحقیقات تھانیدار کے ذمہ ہوتی ہے ۔ مگر عملی طور پر ایسا کیا نہیں جاسکتا ۔ دوسرے لوگ حوالداروں وغیرہ سے تحقیقات کرا کر اپنے نام لکھ دیتے ہیں ۔ میں ایسا نہیں کرتا اس لئے جواب طلبی ہوتی رہتی ہے ۔ ان کی طبیعت میں ایک قسم کا حجاب تھا اور جماعت کے لوگوں سے کم ملتے تھے ۔ تا کہ کوئی سفارش نہ کر دے ۔ ہے تو یہ غلط بات کیونکہ اگر سفارش جائز اور درست بات کے متعلق ہو تو اسکے قبول کرنے میں کیا حرج ہے ۔ اور اگر غلط ہو تو پھر اس کے ماننے کے کیا معنی ۔ بہرحال ان کا طریق یہی تھا ۔ اب بھی سنا ہے کہ دیانتداری میں وہ مثال تھے ۔" ؎۱

حضرت مسیح موعودؑ کے بتائے ہوئے طریقوں کو استعمال کرنیکا اہم ارشاد

تبلیغ احمدیت کی روح رواں اور جان ہے ۔ جس کو کامیاب بنانیکا موثر ذریعہ یہ ہے کہ جماعت کے مبلغین خصوصاً اور دیگر افراد عموماً تبلیغ کے ان طریقوں پر عمل کریں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمائے ہیں ۔ لیکن ایک عرصہ سے ان کو نظر انداز کیا جارہا تھا جس پر حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ۱۵ ؍نبوت / نومبر ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء کو اس فروگذاشت کی طرف خاص توجہ دلائی اور ارشاد فرمایا :-

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے ہمیں ہر قوم میں تبلیغ کرنے کیلئے

؎۱ :- الفضل ۱۵ ؍احسان / جون ۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء صفحہ ۵ ؛

کچھ گُر بتائے ہیں۔ اور وہ ہر قوم کے لئے الگ الگ ہیں اور اگر موقعہ اور محل کے مناسب انکو استعمال کیا جائے تو ہم ہر قوم میں تبلیغ کر کے بڑی آسانی سے کامیابی حاصل کر سکتے ہیں ان میں سے مسلمانوں کے اندر تبلیغ کرنے کے لئے سب سے بڑا گُر یہی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حیات کے مسئلہ کو باطل ثابت کیا جائے عیسائیوں میں تبلیغ کے لئے یہ گُر ہے کہ نقلی اور عقلی دلائل سے ان پر یہ ثابت کیا جائے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام صلیب پر چڑھے تو ضرور تھے مگر صلیب پر سے زندہ اترے اور بعد میں طبعی موت مرے سکھوں میں تبلیغ کے لئے یہ گُر ہے کہ اُنہیں بتایا جائے کہ ان کے بزرگ حضرت بابا نانک صاحب اسلام کو مانتے تھے اور انہوں نے اپنی زندگی میں اسلام کی خدمت میں کمر باندھی ہوئی تھی اور ہندوؤں میں تبلیغ کا گُر یہ ہے کہ ان کی کتابوں سے جن کو وہ الہامی یا مقدس مانتے ہیں ان کے سامنے یہ ثابت کیا جائے کہ ان کے اوتاروں نے یہ خبر دی تھی کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں ایک خاص زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور یہ کہ اس سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہے اور اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لانے سے وہ خبر پوری ہو چکی ہے۔ یہ تمام گُر گویا تبلیغ کی جان ہیں۔ اور یہ ایسے کارآمد ہتھیار ہیں جو ہم ہر قوم کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں اور ان کے صحیح استعمال سے ہماری ہر میدان میں فتح یقینی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مختلف علاقوں کے لوگ مختلف طبائع کے ہوتے ہیں اور ان طبائع کے مطابق ذرائع بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں جس طرح لڑائی کے میدان میں دشمن کی چالوں کو سمجھنے اور ان کے اندفاع کیلئے کبھی ایک پہلو بدلنا پڑتا ہے کبھی دوسرا پہلو اختیار کرنا پڑتا ہے اور جو شخص نادانی سے ایک ہی پہلو اختیار رکئے رکھتا ہے وہ دشمن پر فتح نہیں پا سکتا اور جو شخص ہوشیار اور چالاک ہوتا ہے وہ دوسرے کے مطابق اپنا پہلو بدلتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح تبلیغ میں بھی پہلو بدلنا پڑتا ہے۔ مگر تبلیغ میں اصولی باتوں کو نظر انداز کر دینا جائز نہیں"۔ [1]

میاں عباس احمد خانصاحب کا سفر انگلستان

صاحبزادہ میاں عباس احمد خانصاحب حضرت مصلح موعود کے ارشاد کے ماتحت بغرض تعلیم یکم ماہ فتح/دسمبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء کو بذریعہ ہوائی جہاز انگلستان روانہ ہوئے۔ [2]

---

[1] :- الفضل ۷ فتح/دسمبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء ش

[2] :- الفضل ۱۳ فتح/دسمبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء ش ص ۲

قیامِ یورپ کے دوران آپ نے تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ بعض برطانوی پروفیسروں اور دوسرے اکابر تک بھی پیغامِ حق پہنچایا۔ علاوہ ازیں آپ کو ہالینڈ کی مشہور یونیورسٹی کے صدر مقام لائیڈن میں بھی جانے کا موقعہ ملا۔ اور دو مشہور مستشرقین (کریمر اور کرامر) سے ملاقات کر کے اسلام اور احمدیت سے متعلق گفتگو کی۔ اور مقدم الذکر کو "اسلامی اصول کی فلاسفی" اور "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" کا تحفہ بھی پیش کیا۔ [۱]

۲۹ ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو آپ لنڈن سے روانہ ہو کر ۱۳ وفا کو کراچی اور ۲ ماہ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو قادیان پہنچے۔ سٹیشن پر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور دوسرے افرادِ خاندان حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کا خیر مقدم فرمایا۔ [۲]

لنکا اور مدراس کے بعض مخلص احمدیوں کا انتقال

کولمبو میں جناب سی۔ ایچ مختار احمد صاحب سیلون کے اوّلین احمدیوں میں سے تھے جنہوں نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کے عہدِ خلافت میں بیعت کی تھی۔ آپ نے اس سال ۶ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو وفات پائی۔ [۳]

آپ کے علاوہ سانا ٹاکولم مدراس کے رہنے والے اے ایم سعید احمد صاحب جو جنوبی ہند کے نہایت مخلص و ممتاز اور مشہور اور پُرجوش احمدی تھے۔ ۱۰ ماہ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو اپنے محسنِ حقیقی سے جا ملے۔

آپ نے سان تان کولم میں سب سے پہلے احمدیت قبول کی۔

آپ نے ابتداء میں احمدیت کی خاطر بہت تکلیفیں اٹھائیں تمام گاؤں والوں نے علاقہ کے سب سے بڑے مفتی کے فتویٰ پر بائیکاٹ کر دیا تھا۔ مگر آپ خدا کے فضل سے ہمیشہ تبلیغ احمدیت کرتے رہتے۔ ہر ایک کے ساتھ نرمی سے پیش آتے اور بہت محبت و پیار سے باتیں کرتے۔

گاؤں کے غیر احمدی کہا کرتے تھے کہ آپ ہیں تو دلی مگر یہ غلطی کر بیٹھے ہیں کہ قادیانی ہو گئے ہیں۔ ۱۹۳۲ء میں مدراس کے ایک تاجر نے تقریباً دس ہزار روپے خرچ کر کے سان تان کولم میں جلسہ کرایا اور ارد گرد کے دیہات سے ہزاروں کی تعداد میں غیر احمدی مدعو کئے۔ علاقہ کے بڑے بڑے علماء نے آپ کو اور مولوی عبداللہ صاحب مبلغ مالابار و علاقہ مدراس کو مناظرہ کے لئے چیلنج دیا۔ مولوی صاحب اور مرحوم مناظرہ کے لئے

---

[۱]: الفضل ۱۷ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۵
[۲]: الفضل ۱۳ و ۲ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲
[۳]: الفضل ۹ صلح ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۹

ان کے جلسہ گاہ میں تشریف لے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو انہوں نے ایک شرط یہ لگادی کہ فیصلہ غیر احمدی کریں گے اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ فیصلہ دشمن کرے۔ اتنے میں تمام سامعین نے جو کہ ارد گرد کے دیہات سے بلائے گئے تھے شور مچا دیا اور مناظرہ نہ ہو سکا۔ ادھر جلسہ گاہ میں غیر احمدیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مولوی صاحب کو اور ایم سعید احمد صاحب کو قتل کر دیا جائے اور احمدیت کو سالی تان کولم سے مٹا دیا جائے۔ یہ ارادہ کرکے کچھ لوگ انجمن احمدیہ کی طرف آرہے تھے کہ رستہ میں دو غیر احمدی بھاگتے ہوئے ان کو ملے۔ ان کو احمدی سمجھ کر خوب زدوکوب کیا گیا جب بالکل نڈھال ہو گئے تو مارنے والے چھوڑ کر بھاگ گئے۔

۱۹۲۳ء میں آپ قادیان تشریف لے گئے اور حضرت امیر المومنین المصلح الموعود سے ایک اینٹ پر دعا کرا کر لائے۔ چونکہ ان دنوں احمدیوں کے لئے زمین خریدنی بہت مشکل تھی اس لئے مسجد احمدیہ کے لئے آپ نے نہ صرف زمین دی بلکہ تمام خرچ بھی خود برداشت کیا اور اس مسجد کی بنیاد اس اینٹ سے رکھی گئی۔

آپ نے احمدیت کے متعلق بہت سی کتابیں اور ٹریکٹ تامل (TAMIL) میں شائع کئے تھے۔ آپ نے مسجد نگمبو (سیلون) کے بنانے میں بھی بہت بڑا حصہ لیا۔

۳۰ فتح/دسمبر ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء کی صبح کو آپ کو ضعف قلب کا عارضہ ہوا۔ ۳۱ فتح کو ہسپتال میں داخل کئے گئے۔ ۱۰ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کی شام کو وفات پائی۔ اور ۱۱ صلح/جنوری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو احمدیہ قبرستان نگمبو میں سپرد خاک کئے گئے۔[1]

---

[1] الفضل ۲۵ تبلیغ/فروری ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء ص۵۔

بیرونی مشنوں کی سرگرمیاں

فلسطین مشن مولانا محمد شریف صاحب مبلغ فلسطین نے اس سال حسب ذیل لٹریچر شائع کیا:-

(۱) تجلیات الٰہیہ ۔ نَصِیحَۃُ اِمَامِ الْجَمَاعَۃِ الْاَحْمَدِیَّۃِ لِلشَّعْبِ البریطانیۃِ وَالْھِنْدِ (امام جماعت احمدیہ کا ہندوستان اور انگلستان کو پیغام صلح) اٰیَۃٌ مِنْ اٰیَاتِ رَبِّنَا الْکُبْرٰی (جنگ یورپ سے متعلق حضرت مصلح موعود کی پیشگوئیاں) رسالۃُ اِخلاص الٰی کُلِّ مسیحیٍ مُتَدَیِّنٍ (مولوی ابو العطاء صاحب کا لکھا ہوا رسالہ)۔ البیان الواضح فی ابطالِ اُلُوھِیَّۃِ الْمَسِیحِ (عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت کا ابطال از شیخ نور احمد صاحب منیر) اَلسَّیِّدُ ظَفَرُ اللّٰہ خان فِی بِلادِ الشَّامِ (با تصویر)[۱]

انگلستان مشن مولانا جلال الدین صاحب شمس نے ماہ امان ۱۳۲۵ھش (مارچ ۱۹۴۶ء) کے شروع میں "مسیح کہاں فوت ہوئے" (WHERE DID JESUS DIE) کے نام سے ایک ٹریکٹ شائع کیا جس کا برطانوی پریس نے بہت چرچا کیا۔ چنانچہ اخبار "ومبلڈن بور و نیوز" (۲۲ فروری ۱۹۴۶ء) نے لکھا:-

"یہ عقیدہ کہ حضرت یسوع مسیح "تختہ" دار پر لٹکائے تو گئے۔ مگر فوت نہ ہوئے تھے بلکہ صحتیاب ہو کر ہندوستان کا دور و دراز کا سفر اختیار کیا جہاں آپ نے طبعی طور پر وفات پائی مولوی جلال الدین صاحب شمس امام مسجد لنڈن ساؤتھ فیلڈ نے اپنی کتاب "حضرت مسیح نے وفات کہاں پائی" میں بیان کیا ہے۔

یہ عقیدہ جماعت احمدیہ کا بنیادی نقطہ ہے ان خیالات کی درس گاہ کی بنیاد حضرت احمد قادیانی نے رکھی جس کی ایک شاخ اس ملک میں بھی قائم ہے اور اس کا مرکز مسجد لنڈن ہے امام شمس صاحب نے ان حقائق اور واقعات کو بالاختصار چھوٹے سے ٹریکٹ کی

---

[۱] الفضل ۱۱ احسان جون ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء صفحہ ۳

[۲] بحوالہ الفضل ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۲

شکل میں مرتب کیا ہے اور ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں اسے اس وسیع پیمانہ میں شمولیت و مبلغان تقسیم کر رہے ہیں (ترجمہ)

بشپ آف لنڈن نے کرسچن ایویڈنس سوسائٹی کی سالانہ میٹنگ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:۔

" ابھی تک ہم یہی خیال کرنے کے عادی رہے ہیں کہ میدان ہمارے ہی ہاتھ میں ہے مگر اب ہم اس امر کو محسوس کر رہے ہیں کہ صرف ہم ہی اپنے مذہب کا پروپیگنڈہ نہیں کر رہے بلکہ اور لوگ بھی ہمارے مقابل پر ہیں جو اس کام کو سرگرمی سے کر رہے ہیں۔ پھر مضمون نگار اپنے مضمون کو جاری رکھتے ہوئے لکھتا ہے کہ بشپ آف لنڈن کے یہ خیالات اس واقعہ سے متاثر ہیں کہ اس نے ایک ٹیوب سٹیشن میں چند ہندوستانیوں کو مسیح کے مقبرہ کے فوٹو پر مشتمل ایک ٹریکٹ کو تقسیم کرتے ہوئے دیکھا۔

لنڈن کے ہفتہ وار میگزین "LIFE OF FAITH" نے "مسلمانوں کا حملہ انگلستان پر" کے عنوان سے لکھا:۔

" ہم عیسائیوں کے لئے بڑے شرم کی بات ہے کہ ہمارا ملک اب مسلمانوں کے اس قسم کے حملوں کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ برطانوی رواداری کی وجہ سے ممکن ہے یہ تحریک پھیل جائے اگر ایسا ہوا تو اس کے لئے ہمیں اچھی طرح مسلح ہونے کی ضرورت ہے"[1]

سپر جولسٹوں کے کثیر الاشاعت اخبار سائیکک نیوز نے اپنی ۲۰ اپریل ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں بھی اس پر مفصل تبصرہ کیا اور اس پر حسب ذیل عنوانات دئے۔

ایسٹر کے موقعہ پر مسلمانوں کی ایک جماعت کا حیرت انگیز دعوےٰ۔ حضرت مسیح مصلوب نہیں ہوئے بلکہ بقید حیات ہندوستان گئے اور ایک دوسرے نام کے ساتھ تبلیغ کرتے رہے[2]

ہندوستان کے بعض مشہور اخبارات نے بھی اس پر تبصرہ کیا چنانچہ مدراس کے مشہور اخبار "ہندو" نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں لکھا:۔

" اس عجیب و غریب ادعا کا اعلان کہ حضرت یسوع ناصری سرزمین ہند میں دفن ہوئے تھے جناب مولوی جلال الدین صاحب امام مسجد لنڈن کی طرف سے کیا گیا ہے جیسا

---

[1] الفضل ۲۳ وفا جولائی ۱۹۴۶ء / ۱۳۲۵ ہش
[2] مفصل تبصرہ کا ترجمہ الفضل (یکم ظہور ۱۳۲۵ ہش ص۳) میں درج ہے

کہ ہمارے لندنی نامہ نگار کی اطلاع مظہر ہے کہ امام شمس صاحب نے فرمایا کہ حضرت مسیح ناصری کی قبر خانیار محلہ سرینگر (کشمیر) میں واقع ہے یہ دعوے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے کیا ہے اور حضرت مسیح کی آمد ثانی کی پیشگوئی کو اپنے اوپر منطبق کیا ہے۔ امام شمس صاحب نے اس امر کا اعلان کرتے ہوئے کہ یہ قبر مسیح ناصری کی ہی ہے مزید کہا ہے کہ اس قبر کو کھولا جائے اور تحقیق کی جائے تو متعدد دستاویزات اور الواح اس صداقت کی شہادت میں دستیاب ہوں گی۔ اس مضمون کا چھوٹا سا ٹریکٹ جس میں قبر مسیح کا فوٹو بھی ہے ہزاروں کی تعداد میں انگلستان بھر میں تقسیم کیا جا رہا ہے[1]

اسی طرح کلکتہ کے مشہور اخبار "امرت بازار پتریکا" نے ۴ر مارچ ۱۹۲۶ء کے شمارہ میں اپنے نامہ نگار خصوصی کی طرف سے درج ذیل آرٹیکل شائع کیا:۔ (ترجمہ)

"حال ہی میں امام مسجد لنڈن نے ایک پمفلٹ شائع کیا ہے جس میں اس بات کا انکشاف کیا گیا ہے کہ یسوع مسیح کی قبر ہندوستان میں پائی گئی ہے جس کی وجہ سے برطانیہ کے مذہبی حلقوں میں غصہ کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ خاص طور پر کیتھولک چرچ میں بقول امام صاحب مسجد احمدیہ لندن حضرت مسیح کی پیشگوئی بعثت ثانی حضرت احمد قادیانی بانیٔ عالمگیر سلسلہ احمدیہ کی ذات میں پوری ہوئی۔ نیز آپ نے ٹھوس دلائل سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یسوع مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ اپنے جسم عنصری کے ساتھ غار سے نکل آئے تھے امام صاحب فرماتے ہیں انجیل کی روایت کے مطابق یسوع مسیح دریائے تائبریس کے کنارے اپنے حواریوں سے آخری بار ملے۔ نیز اپنے حواری "پیٹر" کو ہدایت کی کہ "میری بھیڑوں کی پرورش کرنا" اس ہدایت کے بعد وہ اپنے حواریوں سے جدا ہوئے اور ایک نامعلوم علاقہ کی طرف چلے گئے۔ یہ مشہور واقعہ ہے کہ یسوع مسیح کے بارہ حواریوں میں سے ایک حواری مسمّٰی طامس" ہندوستان آئے اور یہیں فوت ہوئے آج انکا مقبرہ مدراس میں موجود ہے

حضرت احمد قادیانی مسیح موعودؑ کا یہ انکشاف کہ "مسیح ابن مریم کی قبر کشمیر میں موجود ہے" عیسائیوں کے آسمان کی طرف یسوع مسیح کے اٹھائے جانے کے عقیدہ کو بالکل باطل کر دیتا ہے اور یقینی طور پر ثابت کرتا ہے کہ یہ قبر عیسیٰ بن مریم کی ہے اور وہی اس میں مدفون ہیں"

---

[1] الفضل ۲۲ر وفا ۱۳۰۵ہش ۲۲ (جولائی ۱۹۲۶ء)

یہ قبر سری نگر محلہ خانیار میں موجود ہے جس کے قرب و جوار میں گم شدہ بنی اسرائیل پہلے بھی آباد تھے اور آج بھی آباد ہیں۔ اگر اس قبر کی محکمہ آثار قدیمہ والے تحقیق کریں تو کئی ایسے کتبے وغیرہ مل سکتے ہیں جو اس بات کا یقینی پتہ دیں گے ۔۔۔۔۔۔۔
کہ اس قبر میں وہی شخص مدفون ہے جس کی صدیوں سے خدا کی طرح پرستش کی جاتی ہے
اس پمفلٹ میں ایک تصویر بھی ہے جس میں پانچ مسلمان قبر کی حفاظت کر رہے ہیں۔
کیتھولک چرچ کے ہفتہ وار اخبار "یونی ورس" نے اس خبر کے متعلق ناراضگی کا اظہار کیا ہے
(بحوالہ الفضل ۲۶ مارچ ۱۹۴۶ء مطابق ۲۶ امان ۱۳۲۵ھش)

۲۔ ۲۶ ظہور/اگست ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء کو حافظ قدرت اللہ صاحب نے لنڈن مشن کی تاریخ میں پہلی بار نماز تراویح میں قرآن مجید ختم کیا۔[1]

۳۔ ویدانتا سوسائٹی لنڈن کے زیر اہتمام ۵ تا ۱۲ ظہور/اگست ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء کو ایک مذاہب کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں اسلام کی نمائندگی چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ امام مسجد لنڈن نے کی ایک نہایت کامیاب لیکچر دیا جس سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔[2]

۴۔ لنڈن کی "انڈین کلچرل یونٹی" نے ۲ ماہ نبوت/نومبر کو اپنا ایک خاص پروگرام ہندوستان کے مسئلہ اتحاد پر مقرر کیا تھا جس میں ہندو، سکھ، پارسی، عیسائی اور مسلمان مقررین نے حصہ لیا۔ مسلمانوں کی طرف سے چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ امام مسجد لنڈن نے کامیاب اور مؤثر نمائندگی کی۔[3]

مشرقی افریقہ مشن

(۱) ٹبورا کے عیسائی مشن نے "یسوع یا محمدؐ" کے عنوان سے ایک رسالہ شائع کر رکھا تھا۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے خلاف اعتراضات کئے گئے تھے۔ مشرقی افریقہ کے احمدیہ مشن کی طرف سے اس رسالہ کا مدلل جواب سواحیلی میں شائع کیا گیا۔ جسے ملک بھر کے مسلمانوں نے بہت سراہا

---

[1] الفضل ۱۴ تبوک/ستمبر ۱۳۲۵ھش/۱۹۴۶ء صفحہ ۲ کالم ۱
[2] الفضل ۲۴ تبوک ۱۳۲۵ھش صفحہ ۴
[3] الفضل ۲۶ نبوت ۱۳۲۵ھش صفحہ ۱

متعدد افریقنوں نے لکھا کہ ہمارے ہاتھ میں یہ رسالہ ایک ایسا ہتھیار ہے کہ ہم عیسائیوں کو مسکت جواب دینے کے قابل ہو گئے ہیں[1]

۲۔ مشرقی افریقہ کے پرانے احمدی سیٹھ عثمان یعقوب صاحب نوری ۳۰ ماہ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء مرکز احمدیت میں تشریف لائے[2]

مولانا محمد صادق صاحب کی واپسی

مولانا جلال الدین صاحب شمس کے علاوہ جن کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے اس سال مولانا محمد صادق صاحب مجاہد سماٹرا بھی آٹھ سال تک تبلیغ احمدیت کا فریضہ انجام دینے کے بعد ۲۰ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء کو قادیان تشریف لائے[3]

مبلغین اسلام کی قادیان سے روانگی

اس سال مندرجہ ذیل مبلغین قادیان سے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے روانہ ہوئے۔[4]

(۱) مولوی صدر الدین صاحب فاضل ایران کیلئے (۱۱ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء)

(۲) مرزا منور احمد صاحب واقف زندگی برائے امریکہ (مورخہ ۵ ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء)[5]

(۳) چوہدری غلام یٰسین صاحب برائے امریکہ (۲۲ وفا/جولائی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء)[6]

(۴) مولوی غلام احمد صاحب برائے عدن (۵ ظہور/اگست ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء)[7]

(۵) مولوی رشید احمد صاحب چغتائی برائے فلسطین (۲۳ ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء)[8]

(۶) مولوی محمد زہدی صاحب برائے بورنیو (۲۸ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء)[9]

---

[1] الفضل ۲۳ امان/مارچ ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۷ کالم ۲-۳ [2] الفضل ۳ فتح ۱۳۲۵ہش صفحہ ۱
[3] الفضل ۲۰ شہادت ۱۳۲۵ہش صفحہ ۲ [4] الفضل ۱۲ احسان/جون ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ کالم ۲
[5] الفضل ۷ ماہ وفا/جولائی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱ [6] الفضل ۲۳ وفا/جولائی ۱۳۲۵ہش/۱۹۴۶ء صفحہ ۱
[7] الفضل ۷ ظہور ۱۳۲۵ہش صفحہ ۱ کالم ۲ [8] الفضل ۲۲ اخاء ۱۳۲۵ہش صفحہ ۱ کالم ۲۔ مولوی صاحب موصوف نے اپنی روانگی سے قبل حضرت مصلح موعود کی خدمت میں درخواست کی کہ ان کے غریب خانہ پر تشریف لائیں چنانچہ حضور علالت طبع کے باوجود ان کے مکان (واقع دارالرحمت) میں تشریف لے گئے اور دعا کرائی (الفضل ۲۲ اخاء ۱۳۲۵ہش صفحہ ۲) [9] الفضل ۲۹ نبوت/نومبر ۱۳۲۵ہش صفحہ ۱

۱۳۲۵ہش / ۱۹۴۶ء کی نئی مطبوعات

اس سال مرکز سے حسب ذیل لٹریچر شائع ہوا۔

۱۔ **طریقہ تعلیم**:۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے جامعہ احمدیہ میں ایک معلومات افزا لیکچر دیا تھا جو جامعہ احمدیہ کی طرف سے شائع کیا گیا۔

۲۔ **"ہندو اقتدار کے منصوبے یا اچھوت ادھار کی حقیقت"** (از جناب ملک فضل حسین صاحب احمدی مہاجر) اخبار "انقلاب" (۲۶ فروری ۱۹۴۶ء) نے اس کتاب پر حسب ذیل تبصرہ شائع کیا:۔

"ملک فضل حسین صاحب (قادیان) اپنی بعض مفید کتابوں کے سلسلہ میں کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ ان کی تازہ کتاب "اچھوت ادھار کی حقیقت یا ہندو اقتدار کے منصوبے" بھی ان کی دوسری کتابوں کی طرح نہایت قیمتی معلومات سے لبریز ہے ملک صاحب ایک موضوع تجویز کر کے اس کے متعلق نہایت صبر و استقلال سے اخبارات کے تراشے اور افراد کی تقریریں اور تحریریں جمع کرتے رہتے ہیں اور کچھ مدت کے بعد موضوع زیر بحث کے متعلق اتنا اچھا مواد مرتب کر دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس موضوع پر مختلف حلقوں کی آراء و تاثرات کا اندازہ کرنا چاہے تو صرف ایک کتاب پڑھ کر کر سکتا ہے اس کتاب میں کانگرسی اور ہندوؤں کے ان دعاوی کا تار و پود بکھیرا گیا ہے۔ جو وہ اچھوتوں کی اصلاح کے متعلق کرتے رہتے ہیں اور بتایا ہے کہ ہندوؤں کا یہ تمام شور و شغب محض اپنی سیاسی طاقت کو بڑھانے کے لئے ہے۔ ورنہ انہیں اچھوتوں سے کوئی خاص ہمدردی نہیں ضخامت ڈھائی سو صفحے سے زیادہ ہے۔ قیمت کتاب پر لکھی نہیں لیکن ملک صاحب کی کتابیں چونکہ عام طور پر ارزاں ہوتی ہیں اسلئے غالباً ایک روپے سے زیادہ نہ ہوگی۔"[1]

۳۔ **لطائف صادق** ——— (مرتبہ جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی)

اس کتاب میں وہ تمام دلچسپ اور پر لطف باتیں جمع کر دی گئیں۔ جو حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو ہندوستان انگلستان اور امریکہ میں پیش آئیں۔

---

[1] اخبار انقلاب ۲۶ فروری ۱۹۴۶ء

۴۔ تعلیم البنات حصہ اوّل پارہ اوّل مترجم بطرز جدید مع نماز مترجم (از مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر)
۵۔ سکھوں اور مسلمانوں کے خوشگوار تعلقات (از گیانی واحد حسین صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ)
۶۔ "گزشتہ اور موجودہ جنگ کے متعلق پیشگوئیاں" (تالیف مولانا محمد یعقوب صاحب طاہر ومولانا جلال الدین صاحب شمس)

مباحثہ دہلی اس سال دہلی میں دو بادو گار مناظرے ہوئے جن کی تفصیل یہ ہے کہ آریہ سماج دہلی نے اپنے سالانہ جلسہ کے موقع پر جملہ مذاہب کو مناظرہ کا چیلنج دیا اور ایک پوسٹر بھی شائع کیا کہ جس کا جی چاہے آکر ویدک دھرم کی صداقت آزمائے۔ جماعت احمدیہ نے یہ چیلنج قبول کر لیا اور "آریہ دھرم میں عورت کا مقام" کے موضوع پر مناظرہ قرار پایا جس میں مولوی ابو العطاء صاحب فاضل پرنسپل جامعہ احمدیہ نے کامیاب بحث کی۔ آپ کے زبردست دلائل اور شوکتِ بیان کے سامنے آریہ مناظر صاحب کے کمزور اور غیر معقول جوابات کا یہ اثر تھا کہ آریہ سماج کو مناظرہ کا ڈیڑھ گھنٹہ مقررہ وقت گذارنا مشکل ہو گیا اور ان کی کیفیت "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" کی مصداق تھی۔ اختتام مناظرہ پر مسلمانوں نے انبساط و مسرت کے جوش میں بے اختیار "اللہ اکبر" "اسلام زندہ باد" کے نعرے بلند کئے۔[1]

اس مناظرہ میں آریہ سماج کو زک اٹھانا پڑی اس کا داغ دھونے کے لئے آریہ سماج نے دوبارہ اس موضوع پر مباحثہ کی طرح ڈالی۔ چنانچہ ایک ہفتہ کے اندر نئی دہلی میں دوسرا مناظرہ ہوا اور اس میں کئی ہزار تعلیم یافتہ لوگ شامل ہوئے جماعت احمدیہ کی طرف سے حسب سابق مولوی ابو العطاء صاحب نے بحث کی اور آریہ سماج کی طرف سے پنڈت پریم لال صاحب پیش ہوئے جو عمر رسیدہ ہونے کے باوجود بد زبانی میں بہت مشاق تھے۔ یہ مناظرہ بھی پہلے کی طرح نہایت کامیابی سے ختم ہوا خود پنڈت رام چندر صاحب دہلوی نے جو صدر تھے اعلان کیا کہ جناب مولوی ابو العطاء صاحب نے نہایت تہذیب و شرافت سے مناظرہ کیا ہے اور کوئی ایسی بات نہیں کہی جو ہمارے مسلمات کے خلاف ہو۔ مسلمانوں نے مناظرہ کے اختتام

---

[1] الفضل ۲۱ امان / مارچ ۱۳۲۵ ہش ۱۹۴۶ء صفحہ ۶

پر تکبیر اور اسلام زندہ باد کے نعرے بلند کئے۔ بعض آریہ سماجیوں نے کہا کہ نیوگ کا بیان ستیارتھ پرکاش میں سے نکال دینا چاہیئے اس کی وجہ سے ہمیں ذلیل ہونا پڑتا ہے۔

مناظرہ کے بعد کئی معزز مسلمان مولوی ابوالعطاء صاحب کی قیامگاہ پر تشریف لائے اور مبارکباد دی۔ [1]

فصل سوم

خلافت ثانیہ کا چونتیسواں سال ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء

حضرت مصلح موعود کی زریں ہدایات ایک واقف زندگی کو

ایک واقف زندگی تجارت کی غرض سے ۱۹ ماہ صلح / جنوری ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء کو قادیان سے روانہ ہوئے تو حضرت مصلح موعود نے اُن کو اپنے قلم مبارک سے حسب ذیل ہدایات لکھکر عطا فرمائیں۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَالنَّاصِرُ

آپ وقف زندگی ہیں۔ تعلیم یافتہ ہیں ایک فن جانتے ہیں نوکری کرتے یا اپنا کام کرتے تو اپنی حد کے اندر دنیا کماتے۔ رشتہ داروں کی ترقی کا موجب ہوتے لیکن اب آپ نے خدا تعالیٰ کے لئے اپنے ارادوں کو قربان کر دیا ہے۔ یہ نازک مرحلہ ہے ایک قدم اِدھر سے اُدھر ہو کر

---

[1] الفضل ۳۰ امان ۱۳۲۵ہش صفحہ ۹

قعر مذلت میں گرا سکتا ہے۔ اپنے عہد پر قائم رہیں تو دین و دنیا آپ کی ہے۔ اس میں ذرا سی لغزش ہو تو تباہی اور بربادی ہے آپ نے دین کے لئے زندگی وقف کی ہے لیکن آپ کو تجارت کے لئے بھجوایا جا رہا ہے۔ یہ عجیب بات نہیں۔ ساری فوج لڑے تو شکست یقینی ہے۔ کچھ لوگ گولہ بارود بناتے ہیں۔ کچھ روٹی پکاتے ہیں۔ کچھ بندوقیں تیار کرتے ہیں۔ کچھ کپڑے، کچھ بوٹ، کچھ موٹر بناتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنے کام پر خوش نہ ہوں اور جوش سے حسب ضرورت بلکہ زائد از ضرورت کام نہ کریں تو لڑائی میں شکست یقینی ہے ان کے بغیر سپاہی قیدی ہے۔ مقتول ہے۔ فاتح اور غالب نہیں۔ پس آپ کا کام مبلغوں سے کم نہیں۔ مبلغ اپنی جگہ پر لڑتا ہے۔ آپ لوگ ساری دنیا میں تبلیغ پھیلانے کا ذریعہ بنیں گے۔ پس اپنے کام کو وسیع کریں۔ سالانہ نفع کو کروڑوں اربوں اور پھر کھربوں تک پہنچائیں تا سینکڑوں سے ہزاروں، ہزاروں سے لاکھوں مبلغ مقرر ہوں اور کروڑوں کے بعد اربوں ٹریکٹ اور کتب ہر سال شائع اور تقسیم ہوں

اپنے حوصلہ کو بلند کریں۔ چھوٹی کامیابیوں پر خوش نہ ہوں۔ دنیا کی فتح اپنا مقصود بنالیں۔ دنیا کو دنیا نے اپنے لئے ہزاروں سال لگایا ہے۔ اب کیوں نہ سب تجارت اور صنعت دین کے لئے فتح کر لی جائے۔ تاکہ یہ ذاتی جھگڑے بالکل ختم ہو جائیں کمیونسٹ قوم کے لئے لیتے ہیں اور اس طرح ذاتی لڑائی کو قومی لڑائی میں بدل دیتے ہیں اور چونکہ قومیں نہیں بدلتیں۔ لڑائی کی بنیاد ہمیشہ کے لئے قائم کر دیتے ہیں۔ لیکن ہم اگر تجارت و صنعت کو مذہب کے لئے جیت لیں گے تو لڑائی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ مذہب بدل سکتا ہے اور اسلام تبلیغی مذہب ہے جب سب لوگ ایک مذہب کے ہو جائیں گے اور تجارت مذہب کے ہاتھ میں ہو گی تو دین و دنیا ایک ہی ہاتھ میں جمع ہو کر لڑائی کا خاتمہ کر دیں گے۔

مطالعہ وسیع کریں۔ صرف ایک تاجر نہیں ایک ماہر اقتصادیات کا درجہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

صرف ہندوستان اور انگلستان کے درمیان ہی تجارت وسیع کرنے کا سوال

نہیں اپنے مغربی مشنوں سے تبادلہ خیالات کرکے وہاں تجارت کو وسیع کیا جا سکے تو اسے بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ ہماری غرض عقل کے ساتھ سوچ کر ساری دنیا کی تجارت پر قبضہ کرنا ہے اور کوشش کرنا ہے کہ تبلیغ اسلام اور بنی نوع انسان کی بہتری کے لئے اس قدر روپیہ کمالیں کہ روپیہ اور مال کی وجہ سے کسی کو تکلیف نہ ہو صرف سماوی آفات رہ جائیں ارضی آفات کا خاتمہ ہو جائے اور سماوی آفات دل کی اصلاح سے دور ہو سکتی ہیں ان کا دور کرنا آسان ہے کہ اس کا دکنا رحیم و کریم خدا کے ہاتھ میں ہے۔

افسروں کی ماتحت باقاعدہ رپورٹ کام کے اہم جزو ہیں جو اس میں غفلت کرتا ہے اس کا سب کام عبث جاتا ہے۔ دعا۔ عبادت۔ دیانت۔ امانت۔ محنت تعاون باہمی ضروری امور ہیں۔ ان کے بغیر دین نہیں دین کا چھلکا انسان کے پاس ہوتا ہے۔ اور چھلکا کوئی نفع نہیں دیتا۔ والسلام

خاکسار (دستخط مبارک)

مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی)[1]

فسادات پنجاب اور مسلمانانِ امرتسر کیلئے جماعت احمدیہ کا ریلیف کیمپ

جوں جوں انتقال اقتدار کے ایام قریب سے قریب تر آ رہے تھے ملک فرقہ وارانہ کشیدگی کے نئے سے نئے خونی چکر میں پھنستا جا رہا تھا۔ احمد آباد۔ بمبئی۔ کلکتہ بہار اور گڑھ مکتیسر کے لرزہ خیز واقعات ۱۹۴۷ء کے شروع میں جبکہ ۳ر مارچ ۱۹۴۷ء کو خضر وزارت مستعفی ہو گئی۔ پنجاب میں بھی دوہرائے جانے لگے اور لاہور، امرتسر ملتان، گوجرانوالہ اور گوڑگانواں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ خصوصاً امرتسر میں آتشزدگی کی ایسی خوفناک وارداتیں ہوئیں کہ ایک انگریز افسر نے (جو دوسری جنگ کے دوران لنڈن میں تھا) بیان کیا کہ امرتسر کی حالت لنڈن کے ہر اس حصہ کی نسبت جس پر جنگ میں ہتھیاروں کا مجموعی حملہ کیا گیا ہو بدتر تھی۔[2]

---

[1] الفضل ۱۴ر صلح ۱۳۲۶ ہش/جنوری ۱۹۴۷ء صفحہ ۳ [2] "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور ۱۱ر جون ۱۹۴۷ء

ان فسادات سے امرتسر کے پچاس ہزار مسلمانوں پر گویا ایک قیامت ٹوٹ پڑی۔ اس دردناک صورت حالات سے حضرت مصلح موعود بہت مضطرب اور مشوش ہوئے اور حضورؓ نے خدام الاحمدیہ مرکزیہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ ایک ہزار مسلمانوں کے خور و نوش کا انتظام کرنے کے لئے فوری طور پر امرتسر میں ایک ریلیف کیمپ کھول دے اور اپنے مظلوم اور بے بس بھائیوں کی مدد و اعانت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔

چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ قادیان کی زیر نگرانی امرتسر میں یہ امدادی کیمپ قائم کیا گیا جو کئی ماہ تک نہایت اہم خدمات انجام دیتا رہا۔

حضرت مصلح موعود نے صوبہ کے سربرآوردہ احمدی اصحاب کو اپنے قلم مبارک سے اس کیمپ کی اعانت کے لئے ایک خاص مکتوب تحریر فرمایا جس سے جماعت احمدیہ کی امدادی سرگرمیوں کی نوعیت و اہمیت کا اندازہ بھی لگ سکتا ہے۔ حضورؓ نے لکھا:۔

"برادرم مکرم سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امرتسر میں مسلمانوں پر جو سختی ہوئی ہے وہ ناقابل بیان ہے پچاس ہزار مسلمان بے گھر بے در ہیں اور نوکری سے محروم۔ کھانے کو آٹا تک نہیں ملتا اگر ان کی امداد نہ کی گئی تو سب شہر چھوڑ کر دوڑ جائیں گے اور مسلمانوں کا سخت نقصان ہوگا۔ ان حالات کو دیکھکر میں نے خدام الاحمدیہ کے سپرد یہ کام کیا ہے کہ مسلم لیگ سے شہر کا ایک حصہ لیکر اس کے ریلیف کا انتظام کریں۔

یہ مصیبت اتنی بڑی ہے کہ شہر والوں کی طاقت سے باہر ہے اصل میں پنجاب کے سب ضلعوں اور انجمنوں کو چاہیئے تھا کہ مقامی لیگ کا اس امداد میں ہاتھ بٹائیں اور شہر کے مختلف حصوں کی امداد کا کام اپنے ذمہ لیں مگر اب تک اس طرف توجہ نہیں ہوئی۔ اب خدام الاحمدیہ نے میری ہدایت سے سردست ایک ہزار آدمی کے لئے ریلیف کی ذمہ داری تین ماہ کے لئے لی ہے۔ ارادہ ہے کہ سامان میسر آجائے تو سال بھر کے لئے اس ذمہ داری کو ادا کیا جائے گا اور اگر جماعت کا تعاون زیادہ ہو تو ایک ہزار سے بڑھا کر ڈیڑھ دو ہزار یا اس سے بھی

زیادہ آدمیوں کی امداد کا کام کیا جاوے ۔

اس سلسلہ میں یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں کہ آپ اپنی جماعت کے علاوہ دوسرے ہمدردی رکھنے والوں سے سارے ضلع میں غلہ جمع کریں اور پھر اُسے وہیں فروخت کرکے امرتسر ریلیف فنڈ کے نام بھجوا دیں ۔ یہ فنڈ صدر انجمن احمدیہ کی نگرانی میں قائم کر دیا گیا ہے "امرتسر ریلیف فنڈ" کے نام رقوم بھجواتے رہیں ۔

اگر صرف ایک ہزار آدمی کے ریلیف کا انتظام کیا جائے تو سال میں سوا تین ہزار من غلہ خرچ ہوگا چونکہ امرتسر میں غلہ کی قیمت گیارہ سے بارہ روپے تک ہے اسلئے اس کی قیمت چالیس ہزار روپے تک ہوگی چونکہ اضلاع میں غلہ آٹھ روپے سے نو روپے من تک بکے گا اس لئے پانچ ہزار من غلہ امرتسر میں سوا تین ہزار من پہنچے گا ۔ اگر کام دوگنا ہو جائے تو دس ہزار من چاہیئے ہم نے گورداسپور میں یہ کام شروع کروا دیا ہے اور اب سیالکوٹ ۔ شیخوپورہ ۔ گوجرانوالہ لائل پور ۔ سرگودہا منٹگمری اور ملتان کی جماعتوں کو تحریک کی جاتی ہے کہ وہ اس بارے میں جلد سے جلد روپیہ بھجوانا شروع کر دیں ۔

یہ بات یاد رہے کہ اس قسم کے لفظ نہ بولے جائیں کہ ہم لیگ کی طرف سے یہ کام کر رہے ہیں ۔ ہاں یہ بے شک بتایا جائے کہ لیگ کے کام کو ہلکا کرنے کے لئے ہم نے یہ کام شروع کیا ہے جو لوگ اس میں ہمارے ساتھ تعاون کرنا چاہیں کر سکتے ہیں اور اس میں اُن کو بھی ثواب مل جائیگا ۔ ۔ ۔ ۔ اگر یہ کہا گیا کہ یہ تحریک لیگ کی طرف سے ہے تو اس سے فتنہ پڑنے کا امکان ہے اور لیگ اعتراض کرے گی کہ ہمارے نام سے ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے ۔

میں تجویز کرتا ہوں کہ ملتان منٹگمری لائل پور اور سرگودھا کی جماعتیں تمام علاقہ میں تین تین ہزار من غلہ جمع کرنے کی کوشش کریں اور شیخوپورہ گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کی جماعتیں دو دو ہزار من ۔ اس طرح حساب کی رُو سے اٹھارہ ہزار من ہو جاتے ہیں لیکن چونکہ بعض جماعتیں شاید پوری طرح کامیاب نہ ہو سکیں اسلئے اس قدر حصہ مقرر کر دیا گیا ہے تا کہ اگر کسی جماعت کو پوری کامیابی نہ ہو تب بھی نقصان نہ ہو ۔ والسلام

مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی

ماہ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے فسادات اور قادیان

شروع ماہ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے فسادات کی وجہ سے قادیان بیرونی علاقوں سے بالکل کٹ گیا تھا کیونکہ نہ ریل آتی تھی نہ ڈاک نہ تار نہ ٹیلی فون یہ وہ ایام تھے جن میں حضرت امیرالمومنین المصلح الموعودؓ سندھ تشریف رکھتے تھے۔ مختلف مقامات سے تار دلوا کر حالات سے مطلع رکھنے کی کوشش کی گئی مگر بعد کو معلوم ہوا کہ بہت کم تار حضور تک پہنچ سکے ہیں اسی طرح جو تار بیرونی جماعتوں کی خیریت دریافت کرنے اور مرکز سلسلہ کی خیریت کی خبر پہنچانے کے لئے دیئے گئے، وہ بھی بہت کم پہنچ سکے البتہ گاہے گاہے لاہور اور امرتسر کی جماعت کے ساتھ بعض ذرائع سے رابطہ قائم کرنے کا موقعہ ملتا رہا اس دوران میں آٹھ روز کے لئے الفضل کو بھی یک ورقہ صورت میں بدل دیا گیا کیونکہ اس کے باہر بھجوانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اور نہ باہر سے خبریں موصول ہونے کا کوئی انتظام تھا۔ ماہ امان/مارچ کے تیسرے ہفتے میں حالات وقتی طور پر معمول پر آگئے اور تانگوں سے ڈاک بھی آنے لگی پھر روزانہ ڈیزل کار کی ایک سروس بھی قائم ہوگئی۔ اطلاع پہنچی کہ نہ صرف حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود بخیریت ہیں بلکہ لاہور ملتان اور امرتسر میں بھی احمدی جماعتیں بخیریت ہیں۔ البتہ امرتسر کے احمدیوں کا کچھ مالی نقصان بھی ہوا اور ایک احمدی کو خفیف سی ضربیں آئیں۔

قادیان میں فسادات کے ابتداء میں ہی ایک امن کمیٹی بنا دی گئی تھی جس میں احمدیوں کے علاوہ دوسرے مسلمانوں اور سکھوں اور ہندوؤں نے بھی شرکت کی جس کی وجہ سے قادیان اور اس کے ماحول میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ اور فضا پُرسکون رہی [1]

---

[1] الفضل ۲۰ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳ (نوٹ رقم فرمودہ حضرت قمر الانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ) اس کمیٹی کے اٹھارہ ممبر تھے جن میں سات احمدی چھ غیر احمدی اور پانچ ہندو یا سکھ تھے۔

۱۰ ماہ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو کمیٹی کی طرف سے ایک اشتہار بھی شائع کیا گیا جس کا عنوان تھا "ہندو مسلمانوں اور سکھوں سے دردمندانہ اپیل آؤ ہم سب اکٹھے ہو جائیں" ۱۷ ماہ امان کو اس کمیٹی کے زیر اہتمام حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی صدارت میں ایک جلسہ عام بھی ہوا۔ جس میں اتحاد و اتفاق سے رہنے کی تلقین کی گئی۔ کمیٹی کے سیکرٹری مولوی برکات احمد صاحب بی اے راجیکی تھے۔

متحدہ پنجاب میں آگ کی خوفناک لڑائی کی نسبت رویاء

حضرت مصلح موعود کو ۲۵/۲۶ تبلیغ ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو عالم رویاء میں دکھایا گیا۔

"دوزخ میں بچھو ہیں لیکن وہ بچھو اس دُنیا کی طرح نہیں۔ یہاں تو بچھو عام طور پر انگلی سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ لیکن وہاں جو میں نے بچھو دیکھے ہیں وہ چھ سات گز کے قریب لمبے ہیں ہیں۔ پہلے مجھے صرف دو بچھو نظر آئے جو علاوہ سات آٹھ گز لمبے ہونے کے موٹے بھی ہیں۔ جیسے ہوائی جہاز ہوتا ہے۔ ایسے لگتے ہیں۔ مگر ہوائی جہاز جتنے جسم نہیں جو کہ ایک دوسرے کے قریب ہوتے جا رہے ہیں ان میں سے ایک دوسرے پر گرا ہے جس طرح جانور جفتی کیلئے جمع ہوتے ہیں۔ جب ایک دوسرے پر کودنے کی کوشش کرتا ہے تو میں نے دیکھا کہ دوسرے نے اوپر گرنیوالے بچھو کو زور سے ڈنگ مارا اور وہ اچھل کر سامنے جا پڑا پھر اس نے دوسرے کی طرف منہ کر کے آگ کا شعلہ نکالنا شروع کیا جو کہ دور اوپر تک جاتا ہے اور دوسرے نے بھی اس کے جواب میں آگ کا شعلہ نکالنا شروع کر دیا اور وہ دونوں شعلوں کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی کرتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ اور بچھو پیدا ہو گئے ان کے تن بھی اسی طرح سات آٹھ گز کے قریب ہیں۔ پھر انہوں نے بھی آگ کے شعلوں سے لڑائی شروع کر دی اور ان کے شعلوں کا نظارہ نہایت ہیبتناک تھا میں نے دیکھا کہ یکدم ایک بچھو نے پلٹا کھایا اور آدمی کی شکل اختیار کر لی اور اس نے اسی کمرہ کی طرف بڑھنا شروع کیا جہاں میں بیٹھا تھا۔ میں گھبرا کر وہاں سے چل پڑا ہوں۔ اس وقت مجھے پیچھے سے آواز آتی ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ فرشتے کی آواز ہے یا کسی کی۔ "قرآن پڑھو۔ قرآن پڑھو" اس آواز کے آتے ہی میں نے قرآن شریف بلند اور سُریلی آواز سے پڑھنا شروع کر دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری آواز بہت سُریلی اور بلند ہے۔ اور میں جس طرف سے گذرتا ہوں میری آواز پہاڑوں اور میدانوں میں گونج پیدا کر دیتی ہے۔ گویا ساری دُنیا میں پھیل رہی ہے اور جس کے کانوں میں وہ آواز پڑتی ہے وہ بھی قرآن کریم پڑھنے لگ جاتا ہے میں چلتا جا رہا ہوں اور قرآن کریم

پڑھتا جا رہا ہوں چاروں طرف سے قرآن کریم پڑھنے کی صدائیں میرے کانوں میں آرہی ہیں"۔ [1]

حضرت مصلح موعود کی زبان مبارک سے رویاء کے پورا ہونے کی تفصیل

حضرت مصلح موعود نے ۱۴ر وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے خطبہ میں اس آسمانی نشان کے لفظاً لفظاً پورا ہونے کی تفصیل مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمائی:۔

"اب دیکھو بعینہٖ یہی نقشہ گذشتہ فسادات میں دیکھنے میں آیا۔ پہلے ہندوؤں اور سکھوں نے لاہور میں جلسہ کیا اور اس جلسہ میں انہوں نے بڑے زور کے ساتھ اعلان کیا کہ ہم مسلمانوں کو تلوار کے زور سے سیدھا کر دیں گے۔ یہاں تک کہ ایک لیڈر کے متعلق میں نے ہندو اخبارات میں پڑھا کہ تقریر کرتے ہوئے جوش سے دروازہ کے پاس آگیا اور اپنی تلوار ہوا میں گھما کر کہا کہ اس تلوار کے ساتھ ہم مسلمانوں کو سیدھا کر دیں گے۔ گویا لڑائی کی ذہنیت کو اللہ تعالیٰ نے بچھو سے مشابہت دی۔ بچھو کے متعلق مشہور ہے کہ ؎

نیش عقرب نہ از پئے کیں است　　مقتضائے طبیعتش ایں است

یعنی یہ جانور حملہ کرتے وقت کوئی وجہ نہیں دیکھتے بلکہ بلا وجہ حملہ کرتے ہیں اور کوئی بھی ان کے آگے آجائے اُسے ڈنگ مار دیتے ہیں پس خواب میں بچھو دکھا کر اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ ملک کے ایک طبقہ کے لوگوں کی ذہنیت ایسی ہو چکی ہے کہ وہ بلا وجہ ایکدوسرے کو نقصان پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں اور وہ لوگ نقصان پہنچانے کے لئے کوئی وجہ اور دلیل مدنظر نہیں رکھیں گے بلکہ بلا وجہ ہی وہ بچھو کی طرح ڈنگ ماریں گے اور ایسے لوگ ہندوؤں میں بھی ہیں اور مسلمانوں میں بھی۔ پھر خدا تعالیٰ نے رویاء میں اسی طرف بھی اشارہ کیا تھا کہ جو لوگ حملہ میں ابتداء کریں گے انہیں مخالف فریق اٹھا کر پرے پھینک دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہندوؤں اور سکھوں نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کرنے میں ابتداء کی مگر وہ کامیاب نہ ہوئے اور مسلمانوں نے انہیں اٹھا کر پرے پھینک دیا۔ پھر دونوں فریق کی آپس میں لڑائی شروع ہوگئی اور جیسا کہ خواب میں دکھایا گیا تھا آگے کے

---

[1] الفضل ۲۰ر امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱ تا ۲

شعلوں سے لڑائی ہوئی اور یہ نظارہ لاہور۔ امرتسر اور کئی دوسری جگہوں میں دیکھنے میں آیا اور آگ کے ساتھ ایک دوسرے کو اس قدر نقصان پہنچایا گیا کہ اس کی کوئی مثال ہی نہیں مل سکتی۔ ایک انگریزی اخبار کا ایک انگریز نامہ نگار جس نے لاہور اور امرتسر کے تباہ شدہ علاقوں کا دورہ کیا تھا اس نے بیان کیا کہ پانچ سال کی جرمنوں کی وحشیانہ گولہ باری کے نتیجہ میں جتنے مکانات لنڈن میں تباہ ہوئے تھے اس سے زیادہ مکانات لاہور اور امرتسر کے دو تین ماہ کے فسادات میں تباہ ہو گئے ہیں۔ گویا پانچ سال کے لمبے عرصہ میں جتنا ظلم جرمنوں نے انگلینڈ کے سب سے بڑے شہر لنڈن پر کیا تھا اُس سے زیادہ ظلم دو تین ماہ کے قلیل عرصہ میں لاہور اور امرتسر میں ہوا۔ اِن فسادات کی ابتداء ۱۲؍ مارچ سے ہوئی گویا ان فسادات سے چھ یا سات دن پیشتر خدا تعالےٰ نے مجھے بتا دیا تھا کہ اب عنقریب آگ کی لڑائی شروع ہونے والی ہے چنانچہ یہ لڑائی اتنی شدّت کے ساتھ ہوئی کہ بعض شہروں میں تو محلوں کے محلے خالی ہو چکے ہیں اور جہاں بڑی بڑی عمارتیں تھیں وہاں اب ملبہ کے ڈھیروں کے سوا کچھ نہیں رہا۔ لاہور کے متعلق ایک خبر ملی ہے کہ شاہ عالمی دروازہ کے اندر دو دو سو گز تک بازار کے دو رویہ مکانات بالکل بھسم ہو چکے ہیں گویا صرف ایک جگہ ایک بڑے گاؤں یا ایک چھوٹے قصبہ کے برابر مکانات تباہ ہوئے ہیں پھر ان فسادات میں ایک ایک محلہ میں کروڑوں کروڑ روپیہ کا نقصان ہوا ہے۔ بعض جگہیں تو ان شہروں میں تباہی کا عجیب منظر پیش کرتی ہیں اور کوئی شخص انہیں دیکھکر پہچان ہی نہیں سکتا کہ یہ وہی جگہیں ہیں جہاں چار چار پانچ پانچ منزلہ مکانات ہوا کرتے تھے۔ پھر ان فسادات کے دوران میں ایسے ایسے دردناک اور جگر پاش واقعات ہوئے ہیں کہ ان کو سُنکر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ ایسے ہیں کہ سنگدل سے سنگدل انسان بھی اُن کو سُنکر اپنے آنسوؤں کو روک نہیں سکتا مجھے پرسوں ہی کسی دوست نے بتایا کہ جب آگیں لگی تھیں تو جن کے گھروں کو آگیں لگائی جاتی تھیں ان کے بچّے اور عورتیں ہاتھ جوڑ کے کھڑے ہو جاتے تھے اور نہایت عاجزانہ طور پر آگ لگانے والوں سے کہتے تھے کہ ہم تو پانچ چھ سو سال سے یہاں رہ رہے ہیں

ہمیں کیوں بے در اور بے گھر کرتے ہو نگے اُس وقت غصہ کی وجہ سے کسی کو اُن درد بھرے الفاظ کی پرواہ نہ ہوتی تھی اور یہ صرف اس لئے ہوتا رہا کہ خدائی فیصلہ صادر ہو چکا تھا کہ آگ کی لڑائی لڑی جائے اور یہ ایک اٹل فیصلہ تھا جو بچھوؤں کی سی ذہنیت والوں کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ پس آگ کی لڑائی ہوئی اور ایسی ہوئی کہ اس نے بہت سے شہروں کو بھسم کر کے رکھدیا۔ محلوں کے محلے اور گاؤں کے گاؤں تباہ و ویران ہو گئے اور خدا تعالیٰ کی پیشگوئی نہایت عظیم الشان طور پر پوری ہوئی۔ [1]

نیز فرمایا

"ہندوستان کی گذشتہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے بلکہ دُنیا کی تاریخ بھی اس آگ کی کوئی نظیر نہیں پیش کر سکتی دُنیا کے کسی انسان کے وہم و گمان اور خیال میں بھی نہ آسکتا تھا کہ اتنی آگ لگے گی کہ وہ شہروں کے شہر اور محلوں کے محلے تباہ کر دے گی۔

جماعت احمدیہ کیلئے ایک اہم سبق

اس خواب میں جماعت احمدیہ کو بھی ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی گئی تھی

چنانچہ حضرت مصلح موعود نے اپنے اس خطبہ جمعہ کے آخر میں فرمایا کہ :۔

"خدا تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ یہ لڑائیاں اور فتنے اور فسادات سوائے قرآن کریم کی تعلیم کو دُنیا میں پھیلانے کے دُور نہیں ہو سکتے۔ قرآن پڑھو کا صرف یہی مطلب نہیں کہ قرآن کریم کھولکر تلاوت کر لی جائے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کیا جائے اور اس کے حکمت بھرے احکام کی تمام دُنیا میں اشاعت کی جائے کیونکہ یہ آگیں اس وقت تک بجھ نہیں سکتیں جب تک فطرتوں کے اندر تبدیلی پیدا نہ ہو جائے اور بنی نوع انسان کی صحیح معنوں میں اصلاح نہ ہو جائے اور ان کی فطرتوں کے اندر نرم دلی اور رحمدلی نہ پیدا ہو جائے"۔ [2]

---

[1] الفضل ۷ر وفا/جولائی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲-۳ [2] الفضل ۲ر وفا/جولائی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳

حضرت مصلح موعود کی طرف سے حفاظت مرکز اور سلسلہ کیلئے مالی قربانیوں، روزوں اور دعاؤں کی تحریک خاص

جناب الٰہی کی طرف سے سیدنا المصلح الموعود کو کئی سال قبل مستقبل میں ہونے والے ایک اہم ملکی اور جماعتی تغیر و انقلاب کی نسبت خبر دی جا چکی تھی اور وہ یہ کہ دعوئے مصلح موعود کے پانچ سال کے عرصہ میں جماعت احمدیہ ایک خطرناک طوفانی دور میں سے گذرنے والی ہے۔ چنانچہ حضور نے ماہِ امان/مارچ ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء میں بذریعہ رؤیا دیکھا کہ

"ایک وسیع سمندر ہے اس میں کچھ بوائے ہیں (بوائے وہ صندوق سا ہوتا ہے جو سمندروں میں جہازوں کو خطرات سے آگاہ کرنے کے لئے پانی پر تیرتا رہتا ہے) ایک بوائے کے ساتھ کوئی لمبی سی چیز بندھی ہوئی ہے جس کا بہت سا حصہ سمندر میں غائب ہے میں اس کو کھینچتا جاتا ہوں اور دل میں خیال کرتا ہوں کہ اس کا میری زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے اور اس میں کسی اہم واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو پانچ سال میں ہوگا"۔ [1]

اس اہم انکشاف کی تفصیلات میں حضور کو متعدد ایسے نظارے بھی دکھائے گئے جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا تھا کہ مشرقی پنجاب میں بڑی خوفناک تباہی آئے گی، اور قادیان اور اس کے گرد و نواح میں دشمن یکایک حملہ کر کے آجائیگا اور حلقہ مسجد مبارک کے سوا شہر کے سب حصوں پر اس کا قبضہ ہو جائے گا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود اپنی جماعت کو اس طوفان میں سے صحیح سالم پار نکالتے اور پہاڑی کے دامن میں ایک نیا مرکز بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے جیسا کہ اخبار الفضل ۲۱ فتح/دسمبر ۱۳۲۰ہش/۱۹۴۱ء کے حوالہ سے "تاریخ احمدیت" جلد نہم (صفحہ ۲۷۰ - ۲۷۲) پر ذکر آچکا ہے۔

۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے شروع میں برطانوی حکومت نے ۲۰ فروری کو جب یہ اعلان کیا کہ وہ جون ۱۹۴۸ء تک ملک کا اقتدار ہندوستانیوں کو سونپ دے گی تو حضرت مصلح موعود کی توجہ یکایک ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء کے مندرجہ بالا خواب کی طرف منتقل ہو گئی جس میں جماعت کے

---

[1] الفضل ۱۲ شہادت ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء صفحہ ۲ [2] الفضل ۲۷ تبلیغ/فروری ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲

ایک ہنگامی دَور میں داخل ہوتے پانچ سال کے اندر اندر ایک اہم جماعتی تغیر کا انکشاف کیا گیا تھا[1] چنانچہ حضور نے ۲۵ ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو فرمایا کہ جماعت احمدیہ "حفاظت مرکز" کے چندہ میں نمایاں قربانی کا نمونہ پیش کرے اور آنے والے پُرخطر ایام کے لئے تیار ہو جائے اس تعلق میں حضور نے فرمایا :-

"ان ہولناک ایام کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی بچائے تو بچائے مسلمانوں کی وہ تیاری نہیں ہے اور نہ ہی وہ قربانی کا جذبہ ان میں پایا جاتا ہے جو ایک زندہ رہنے والی قوم میں ہونا چاہیئے۔ عام مسلمانوں کو جانے دو ابھی آپ لوگوں میں بھی وہ بیداری پیدا نہیں ہوئی جو مومن کے شایانِ شان ہے۔ مومن اپنے کاموں میں بہت محتاط ہوتا ہے اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں بھی اپنے ہزاروں روپے صرف کرنے سے دریغ نہیں کرتا مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جماعت نے اس ضمن میں ایمان کا مظاہرہ نہیں کیا اور مرکز احمدیت کی حفاظت کے لئے جس رقم کا جماعت سے مطالبہ کیا گیا تھا اس میں جماعت نے بہت کم حصہ لیا ہے بلکہ اکثروں نے تو بالکل اس کی اہمیت کو ہی نہیں سمجھا اگر ایک شخص کو کوئی مقدمہ آپڑے تو وہ ہزاروں روپیہ خرچ کر دیتا ہے۔ بیماری گھر میں آجائے تو سینکڑوں صرف ہو جاتے ہیں مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ تم اپنی حفاظت کے لئے اور اپنے عزیزوں کے لئے تو ہزاروں روپے صرف کر دو لیکن دین کی حفاظت کے لئے چند سو بھی قربان نہ کر سکو۔

مجھے حیرت آتی ہے کہ قادیان کے بعض لوگوں سے جب چندہ مانگا گیا تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا۔ کہ ہمیں حفاظت کی ضرورت نہیں حالانکہ یہ جھوٹ تھا وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب یہ اپنی حفاظت کریں گے تو ہماری خود بخود ہو جائے گی یہ منافقت کی علامت ہے"

اس ضمن میں زبردست انتباہ کرتے ہوئے مزید فرمایا۔ "آپ لوگوں کو آنے والے خطرناک ایام کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے اور بجائے اس کے کہ دشمن سب کچھ تباہ کر دے خود اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے مومن کا کام

---

[1] الفضل ۲۷ تبلیغ/فروری ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء۔

تو کام کرنا ہوتا ہے انجام سے غرض نہیں ہوتی بعض وقت محنت رائیگاں جاتی ہوئی معلوم ہوتی ہے مگر قربانی کبھی ضائع نہیں جاتی ۔ خدا تعالیٰ قربانی کا اجر ضرور دیتا ہے۔[1]

حضرت مصلح موعود نے اس تاکیدی فرمان کے تین روز بعد ۲۸ تبلیغ / فروری کو ملکی حالات کے پیش نظر تحریک فرمائی کہ تمام احمدی ۲۰ رماہ امان / مارچ سے لیکر یکم ماہ ہجرت مئی تک ہر جمعرات کو روزہ رکھیں اور باقاعدگی اور تعہد کے ساتھ دعاؤں میں لگ جائیں چنانچہ فرمایا :-

"ان دنوں تمام جماعت کو چاہیئے کہ خصوصیت کے ساتھ دعاؤں میں لگ جائے کہ اللہ تعالیٰ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے انصاف سے پیش آنے کی توفیق دے اور وہ آپس میں تعاون اور مفاہمت کے ساتھ کام کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور ہر ایک قوم دوسری قوم کے متعلق عفو، درگذر سے کام لے تاکہ ہمارا ملک کامل آزادی کا منہ دیکھ سکے اور ہمارا ملک بھی آزاد ممالک کی صف میں کھڑا ہو سکے ۔ اور تبلیغ کے لیے جو آسانیاں اور سہولتیں اب ہمیں میسر ہیں ان میں جھگڑے اور فساد کی وجہ سے کوئی روک واقع نہ ہو جائے .... روزہ رکھو دعائیں کرو تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہندوستان کو لڑائی اور جھگڑے سے بچائے اور تمہاری دعائیں لوگوں کے دلوں میں تبدیلی کا باعث بن جائیں اور ان کے دلوں کی میل دھو دی جائے وہ رات کو غم و غصہ کے خیالات لے کر سوئیں اور صبح اٹھیں تو ان کے خیالات میں تبدیلی پیدا ہو چکی ہو .... پس ایسے طور سے خشوع اور خضوع کے ساتھ دعائیں کی جائیں کہ اللہ تعالیٰ کا عرش ہل جائے اور اس کے فرشتے ہماری تائید میں لگ جائیں ۔ اور جس کام کو دوسری طاقتیں نہیں کر سکتیں ہم اسے کر لیں"[2]

پراونشل ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کا قادیان میں سالانہ اجلاس اور حضرت مصلح موعود کا پیغام

قادیان کو ملک میں علمی حیثیت سے جو نمایاں مقام حاصل تھا اسکے مدنظر پراونشل ایجوکیشنل ایسوسی ایشن

---

[1] الفضل ۲۷ تبلیغ / فروری ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ کالم ۴ [2] الفضل ۱۹ امان / مارچ ۱۳۲۵ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۳، ۴

کا دوسرا سالانہ اجلاس اس سال ۱۹۳۶ء کے شروع میں قادیان میں منعقد ہوا جو ۲۰ ماہ تبلیغ/فروری سے لیکر ۲ ماہ امان/مارچ تک جاری رہا۔ جس میں پنجاب کے سکولوں کے ہیڈ ماسٹر، منیجر اور چند کالجوں کے پرنسپل اور بعض تعلیمی اداروں سے وابستہ دیگر افراد کم و بیش ایک سو کی تعداد میں شریک ہوئے۔ مندوبین کے قیام و طعام کا انتظام سید محمود اللہ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی اسکول کے ذمہ تھا جو ایسوسی ایشن کے وائس پریذیڈنٹ[1] اور مجلس استقبالیہ کے صدر تھے جنہوں نے اپنے عملہ اور طلبہ کے ساتھ اس فرض کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا فرمایا۔

کانفرنس میں شامل ہونے والے بعض نمائندگان نے آتے ہی اس خواہش کا اظہار کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس کانفرنس کا افتتاح حضرت امام جماعت احمدیہ کریں۔ چنانچہ ایسوسی ایشن کے سیکرٹری مسٹر ادم پرکاش چیدہ چیدہ ممبران کا ایک نمائندہ وفد لیکر (جس میں مولانا محمد یعقوب خان صاحب ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی سکول لاہور بھی شامل تھے) حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

لیکن حضور نے فرمایا کہ ایسی مجالس میں شریک ہونا ہماری روایات کے خلاف ہے اور اگر ہم ایسی دعوتوں کو قبول کرنا شروع کر دیں تو پھر یہ سلسلہ کبھی ختم ہونے میں نہ آئے۔ اور اس طرح ہمارے اصل کام میں حرج واقع ہو۔ تاہم حضور نے اس خواہش پر کہ اس کانفرنس کی کارروائی حضور کے الفاظ اور دعا سے شروع کی جائے اپنا ایک پیغام لکھکر بھجوا دیا۔ جو خان بہادر میاں افضل حسین صاحب سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کی صدارت میں پنڈت شام نرائن بی۔اے۔ پی ٹی آرگنائزنگ سیکرٹری نے پڑھکر سنایا۔ پیغام حسب ذیل تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نمائندگان پنجاب پراونشل ایجوکیشنل ایسوسی ایشن السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

---

[1] ایسوسی ایشن کے پریذیڈنٹ پی ایل ربیارام تھے

مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ لوگ صوبہ کی تعلیمی حالت کی درستی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ کی یہ کوششیں ملک میں اچھی فضا پیدا کرنے کا موجب ہونگی اور ایسے نوجوان ہمارے قومی اداروں سے نکلیں گے جو نہ صرف اپنے ملک کے لئے مفید ہوں گے۔ بلکہ ساری دُنیا میں نیک نامی پیدا کرنے والے ہوں گے۔ مجھے افسوس ہے کہ انگلستان کی شہرت کے خلاف جہاں گورنمنٹ تعلیمی سکول پبلک سکولوں سے بہت ادنیٰ سمجھے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک کے پبلک سکول گورنمنٹ سکولوں سے گھٹیا سمجھے جاتے ہیں یا انہیں ایسا ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ پرائیویٹ سکولوں کے کارکن قومی خدمت کے جذبہ سے معمور ہوتے ہیں اور یقیناً ملک اور حکومت کے شکریہ کے مستحق۔ میری دعا ہے کہ اگر ہمارے قومی اداروں میں کوئی نقص ہے تو اللہ تعالےٰ آپ لوگوں کو اس کے دور کرنے کی توفیق بخشے اور اگر محض رقابت کی روح ایسے اداروں کو بدنام کر رہی ہے تو اللہ تعالےٰ حکومت کو ان سکولوں کے بنانے والوں اور چلانے والوں کے نیک جذبات کی قدر کرنے کی توفیق بخشے۔

بہرحال چونکہ آپ لوگ ملکی ترقی کے ایک اہم کام میں مصروف ہیں۔ کوئی شخص آپکے کام کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا اور میں اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کے کام کے چلانے، بڑھانے اور کامل کرنے میں آپ کی مدد فرمائے۔ آمین۔

خاکسار

مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ قادیان ۴۷/۳/۱ [1]

---

[1] الفضل ۱۴ امان / مارچ ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء ص۳

فصل چہارم

حضرت مصلح موعود کا متحدہ ہندوستان میں آخری سفر سندھ

سیدنا حضرت مصلح موعود قریباً ہر سال سندھ تشریف لے جایا کرتے تھے ۱۳۲۶ھش / ۱۹۴۷ء میں حضور سفر سندھ کے لئے یکم امان / مارچ کو (حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو امیر مقامی مقرر فرما کر) ڈیڑھ بجے بذریعہ کار قادیان سے روانہ ہوئے اور ۴½ بجے لاہور پہنچے۔ حضور کے ہمراہ حضرت ام المؤمنین، حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ، حضرت ام متین صاحبہ، حضرت ام وسیم صاحبہ، حضرت سیدہ بشریٰ بیگم صاحبہ، صاحبزادی امۃ الرشید صاحبہ، صاحبزادی امۃ الجمیل صاحبہ، صاحبزادی امۃ المتین صاحبہ، صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب، حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب، چوہدری مظفر الدین صاحب پرائیویٹ سیکرٹری کے علاوہ دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے بہت سے کارکنان اور دیگر دفاتر کے متعدد ارکان بھی تھے۔

حضور دوسرے دن ۲ / امان / مارچ کو بذریعہ کراچی میل روانہ ہوئے۔ اسٹیشن پر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب، شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت لاہور اور دیگر بہت سے دوستوں نے حضور کو الوداع کہا۔

لاہور کے بعض دوست رائے ونڈ تک ساتھ گئے۔ اوکاڑہ کی جماعت حضور کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئی۔ اس کے بعد منٹگمری سٹیشن پر صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب، میاں عبدالرحیم احمد صاحب، چوہدری محمد شریف صاحب وکیل اور دیگر افراد جماعت منٹگمری حضور سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ گاڑی چلنے سے پیشتر حضور نے دعا فرمائی۔ ملتان کے اسٹیشن پر ملک عمر علی صاحب کھوکھر رئیس ملتان اور شیخ فضل الرحمان صاحب اختر امیر جماعت ملتان مع دیگر دوستوں کے موجود تھے جماعت ملتان کی طرف سے چار بجے شام کی چائے اور ملک عمر علی صاحب کی طرف سے

شام کا کھانا پیش کیا گیا۔ اس کے بعد لودھراں۔ سمہ سٹہ۔ بہاولپور۔ ڈیرہ نواب۔ خانپور۔ رحیم یار خاں۔ سکھر۔ روہڑی وغیرہ میں جماعت کے دوست ملاقات کے لئے آتے رہے۔

ایک بجکر ۳۵ منٹ پر گاڑی کراچی شہر کے سٹیشن پر پہنچی۔ جماعت احمدیہ کراچی کے احباب کے علاوہ حضرت نواب محمد عبداللہ خانصاحب بھی اپنے آقا کے استقبال کے لئے سٹیشن پر آئے ہوئے تھے۔ جماعت کی طرف سے مہمانوں کو قیام گاہ تک پہنچانے کے لئے کاروں کا انتظام تھا اور سامان وغیرہ بذریعہ ٹرک قیامگاہ پر پہنچایا گیا۔ حضور دو بجے اپنی قیامگاہ پر پہنچ گئے۔ اس طرح حضور کا یہ مبارک سفر بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا[1]

کراچی میں اہم دینی مصروفیات

حضور قریباً ایک ہفتہ تک کراچی[2] میں قیام فرما رہے حضور کی رہائش کا انتظام جماعت کراچی کے ذمہ تھا جو ایک بنگلہ میں سٹیشن سے تین میل دور کیا گیا تھا۔ وسیع صحن میں سائبان نصب کر کے با جماعت نمازوں کا انتظام کیا گیا کراچی شہر کے علاوہ مضافات کے احمدی دوست بھی بکثرت شرکت کرتے رہے۔

قیام کراچی کے ایام میں حضرت سیدنا المصلح الموعود تقریباً ہر روز نمازوں کے بعد مجلس عرفان منعقد فرماتے رہے۔ جس میں احمدی احباب کے علاوہ انفرادی ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

۵ مارچ کو حضور نے جماعت کے عہدیداران کو ضروری نصائح فرمائیں اور صوبہ سندھ میں تبلیغ کو وسیع کرنے کے لئے ضروری ہدایات دیں۔

۷ مارچ کو احمدی احباب بہت سے غیر احمدی دوستوں کو اپنے ہمراہ لائے ہوئے تھے جنہیں حضور نے مجلس عرفان میں قیمتی ارشادات سے مستفیض فرمایا۔ جماعت کے نابود کو بھی حضور نے ضروری نصائح فرمائیں اور اپنی تنظیم کو مضبوط بنانے کی طرف توجہ دلائی۔

---

[1] الفضل ۷ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ [2] قیام کراچی کے دوران حضور کے قیمتی ارشادات الفضل ۲۱-۲۲-۲۴-۲۷ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں شائع شدہ ہیں۔

اس روز میر غلام حسین ہدایت اللہ صاحب وزیر اعظم سندھ نے حضور کو دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا۔ جس میں حضور نے بھی شرکت فرمائی۔

۷ر امان/ مارچ کو جمعہ تھا نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے مزید سائبان نصب کئے گئے۔ جس میں ساڑھے تین سو کے قریب احمدی مرد و زن شامل ہوئے۔ خطبہ جمعہ میں حضور نے جماعت پر تبلیغ کی اہمیت واضح کی اور کراچی میں اس غیر معمولی ترقی پر اظہار خوشنودی فرمایا اور تبلیغی مہم کو وسیع کرنے کی تحریک فرمائی۔

۸ر امان/ مارچ کو حضور نے ضروری مشاغل کے علاوہ احمدیہ دار التبلیغ اور مسجد وغیرہ کے لئے زمین کا معائنہ فرمایا۔ اسی روز شام کو ایک احمدی دوست نے دعوت طعام کا اہتمام کیا تھا جسے حضور نے قبول فرمایا۔ مغرب اور عشاء کے بعد مجلس عرفان منعقد فرمائی۔ اور اس سے فارغ ہو کر حضور نے واپسی کا عزم فرمایا اور کار میں سوار ہو کر اسٹیشن پر مع قافلہ تشریف لے گئے۔ جہاں سے دس بجے شب کی ٹرین سے ناصر آباد کے لئے روانہ ہو گئے اسٹیشن پر احمدی احباب بکثرت موجود تھے۔ اور انہوں نے اپنے پیارے آقا کو نعرہ ہائے تکبیر کے درمیان رخصت کیا۔ حضور نے روانگی سے قبل خدام کو شرف مصافحہ بخشا اور دعا کی۔

حضور کے قیام کراچی کے دوران جماعت کے احباب نے نہایت مخلصانہ خدمات سرانجام دیں اور شبانہ روز مختلف فرائض نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہے اور باوجود دنیوی مصروفیات کے حضور کی مصاحبت کا زیادہ سے زیادہ شرف حاصل کرتے رہے۔ ان ایام میں چھ اصحاب حضور کے ہاتھ پر بیعت کر کے مشرف بہ احمدیت ہوئے [1]

ناصر آباد، کنری، احمد آباد اور محمد آباد میں قیام کے مختصر کوائف

حضرت مصلح موعود مع قافلہ ۹ر امان/ مارچ کو ناصر آباد میں پہنچے جہاں حضور اسٹیٹ کے باغ اور ملحقہ اراضیات کا ملاحظہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور عملہ کو ضروری ہدایات دیں ۱۰ر امان/ مارچ کو صبح گیارہ بجے

---

[1] الفضل ۱۱ شہادت/ اپریل ۱۳۲۶ہش/ ۱۹۴۷ء ص ۳

سے ۳ بجے بعد دوپہر تک اسٹیٹ کے معاملات کا جائزہ لیا نیز شام سے کچھ پہلے اسٹیٹ کے باغ میں سیر کے لئے تشریف لے گئے[1] ۲ امان/مارچ کو ناصر آباد میں باغ اور ارافنیات کا ملاحظہ فرمایا اور ضروری ہدایات دیں اس کے علاوہ کنری جننگ فیکٹری کی توسیع سے متعلق بھی تبادلہ خیالات فرمایا[2] ۵ امان/مارچ کو حضور (مع افراد خاندان وحضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب) بذریعہ کار دس بجے صبح کنری پہنچے باقی خدام بذریعہ ریل آئے۔ حضور نے فیکٹری کا ملاحظہ فرمایا اور کارکنوں کو اہم ہدایات سے نوازا۔ دوپہر کا کھانا جماعت کنری نے پیش کیا جس کے بعد نماز ادا کی گئی اور پھر تمام قافلہ محمود آباد اسٹیٹ کے لئے روانہ ہوگیا[3] اور شام تک بخیریت پہنچ گیا۔ حضور نے شام سے قبل اسٹیٹ کی ارافنیات کا ملاحظہ فرمایا اور رات کو اسٹیٹ کے معاملات کی پڑتال فرمائی۔ حضور سٹیٹ کے معاملات کا معائنہ فرما کر اور ضروری ہدایات دے کر ۸ امان/مارچ کو بارہ بجے دوپہر احمد آباد روانہ ہوئے تھوڑی دیر کنری ٹھہرے اور ۲ بجے احمد آباد پہنچ کر ارافنیات کا معائنہ فرمایا اور وہاں کے ضروری معاملات نپٹا کر بذریعہ کار ساڑھے سات بجے شام محمد آباد میں وارد ہوئے[4] ۲۰ امان کو حضور روز کے بادبو گھوڑے پر سوار ہو کر دوپہر کے وقت تین گھنٹہ تک اسٹیٹ کا معائنہ فرماتے رہے اور نماز کے بعد مجلس علم و عرفان میں بھی رونق افروز رہے۔ اگلے تین دنوں میں حضور نے محمد آباد خاص، روشن نگر، لطیف نگر، کریم نگر، نور نگر کی ارافنیات کا معائنہ فرمایا۔ ۱۴ امان مارچ کو حضور نے خطبہ جمعہ میں احباب کو سندھ میں منظم تبلیغ کرنے کی اور پوری طاقت سے اپنے فرائض ادا کرنے کی تحریک فرمائی۔ نماز جمعہ کے بعد بارہ اصحاب نے اور نماز عشاء کے بعد چار اصحاب نے بیعت کی۔ نماز جمعہ کے لئے ناصر آباد، کنری، نصرت آباد، محمود آباد اور دیگر مقامات سے احباب آئے ہوئے تھے۔ میاں عبدالرحیم احمد صاحب اسٹیٹ کے دوسرے کارکنوں کے ساتھ اسٹیٹ کے مختلف معاملات حضور کی خدمت میں پیش

---

[1] الفضل ۴ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ صفحہ ۱ [2] الفضل ۵ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ صفحہ ۱

[3] الفضل ۷ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ صفحہ ۱ [4] الفضل ۱۲ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ صفحہ

کرتے رہے اور حضور نیز حضور کے اہل بیت اور دیگر خدام کی مہمان نوازی میں مصروف رہے۔[1]

اگلے روز ۲۷ ؍امان/مارچ کو حضور مع قافلہ محمد آباد سے بھارہ ناصر آباد میں رونق افروز ہوئے[2] اور ۲۸ ؍امان/مارچ تک قیام پذیر رہے۔ سفر میں شروع ہی سے حضور کو دانت درد کی تکلیف تھی جو ۲۸ ؍امان کو بہت شدت اختیار کر گئی۔ مگر اس کے باوجود حضور اس روز تین گھنٹہ تک سندھ اسٹیٹ کے معاملات کے انتظام اور ترقیات کے متعلق مینیجر صاحبان اور دیگر کارکنوں سے تبادلہ خیالات کرنے اور ہدایات دینے میں مصروف رہے پھر خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں دین کے لئے قربانی کرنے پر بہت زور دیا۔ نماز جمعہ کے بعد چار اصحاب داخل احمدیت ہوئے۔ نماز جمعہ میں کنری محمود آباد اور دیگر اسٹیٹ کے احمدی احباب نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔[3]

کنجیجی سے سکھر تک

۲۹ ؍امان/مارچ ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء واپسی کا دن تھا۔ اس روز حضور مع خاندان کار میں سوار ہو کر پونے چار بجے کے قریب کنجیجی سٹیشن پر تشریف لائے اور مسافر خانہ میں نماز ظہر و عصر جمع کیں۔ نمازوں کے بعد حضور خدام کے درمیان رونق افروز ہو کر مختلف معاملات کے متعلق اظہار خیال فرماتے رہے۔ اس موقعہ پر دو دوستوں نے بیعت بھی کی۔ دوران گفتگو میں سندھ میں بسنے والی نیچ اقوام میں تبلیغ کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ نیچ اقوام مثلاً بھیل، کوہلی وغیرہ ہندوستان کی پرانی اور اصلی قومیں ہیں جو ہندوؤں کے ظلم و تعدی کی وجہ سے اس ذلت کو پہنچی ہیں۔ اس وقت انہیں اٹھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مسلمان اگر ان میں تبلیغ کریں۔ اور حسن سلوک سے پیش آئیں۔ تو وہ بہت جلد اسلام کو قبول کر سکتی ہیں۔ ان کا اپنا مذہب کچھ بھی نہیں ہے۔ ہندو صرف سیاسی فوائد حاصل کرنے کے لئے انہیں اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں حالانکہ وہ ان کے دھتکارے ہوئے ہیں۔ اور ان کے مظالم کی بدولت ہی اس حالت تک پہنچے ہیں۔ سندھ میں مسلمانوں کے اکثر مزارعین یہی لوگ ہیں۔ اگر وہ ان پر ذرا سا بھی دباؤ

---

[1] الفضل ۲۴ ؍امان/مارچ ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱ [2] الفضل ۲۵ ؍امان/مارچ ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱
[3] الفضل یکم شہادت/اپریل ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱

ڈالیں تو وہ مسلمان ہو سکتے ہیں۔ اور اس وقت سندھ میں ہندوؤں کی جو آبادی نہایت سرعت سے بڑھ رہی ہے وہ رُک جائے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ جب یہ قومیں باہر سے آتی ہیں۔ تو ہندو انہیں ہتھیا لیتے ہیں۔ حالانکہ وہ شاملات زمین کی طرح ہیں۔ ہر مذہب ان پر آسانی سے قبضہ کر سکتا ہے۔ مگر ہندو فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور مسلمان توجہ نہیں کرتے اسی وجہ سے ہندوؤں کی آبادی روز بروز سندھ میں بڑھتی جاتی ہے۔ اگر مسلمانوں نے اس خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے اس کا تدارک نہ کیا۔ تو سندھ میں بھی مسلمان اقلیت ہو جائیں گے۔

ان اقوام کے ساتھ کھانا کھانے کے ذکر میں حضور نے فرمایا کہ اگر یہ مسلمان ہو جائیں پھر ضرور کھانا چاہیئے۔ بلکہ نمایاں طور پر ایسے مواقع پیدا کرنے چاہئیں تاکہ دوسروں کو بھی ہمدردی حاصل ہو اور تبلیغ میں آسانی ہو۔

سلسلہ گفتگو کے دوران ہندو مسلم فسادات کا بھی ذکر آیا جس پر حضور نے فرمایا مسلمانوں میں تنظیم کی بہت کمی ہے اور اس موقعہ پر ان کی کوئی تیاری نہ تھی۔ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ انہیں زندہ رکھنا چاہتا ہے باوجود اسکے کہ سکھوں اور ہندوؤں کی بہت تیاری تھی انہوں نے امرتسر میں جو ان کا مرکز تھا مسلمانوں سے بہت زک اٹھائی۔ اصل بات یہ ہے کہ مسلمان ایمان اور تنظیم کی طرف توجہ نہیں کرتے ورنہ خدا نے انہیں طاقت دی ہے۔ تقریباً ہر جگہ فسادات میں پہل سکھوں یا ہندوؤں کی طرف ہوئی ہے۔ جس سے پتہ لگتا ہے انہیں اپنی طاقت کا بہت زعم تھا۔

گاڑی آنے پر حضور مع خاندان و خدام ان میں سوار ہو گئے شام کے قریب گاڑی بدلتہ پہنچوؤ میرپور خاص پہنچی جہاں احمدی احباب استقبال کے لئے موجود تھے کار پر سوار ہو کر حضور مع قافلہ جناب مہدی حسین شاہ صاحب کے بنگلہ پر تشریف لے گئے جہاں طعام و رہائش کا خاطرخواہ انتظام تھا بنگلہ کے وسیع احاطہ میں نماز مغرب و عشاء جمع کرنے کے بعد حضور خدام کے درمیان ہی تشریف فرما رہے اور دیر تک مقامی امور کے متعلق گفتگو فرماتے رہے اور سندھ میں نئی زمینوں کے متعلق مبادلہ خیالات فرماتے رہے۔

۳۰ مارچ کو علی الصبح حضور مع خاندان بذریعہ کار سٹیشن پر پہنچے گاڑی میں سوار

ہوکر سوا دس بجے صبح حیدرآباد پہنچے ۱؎

یہاں سے ساڑھے بارہ بجے کے قریب مع قافلہ سندھ ایکسپریس میں سوار ہوئے۔ پڈعیدن اسٹیشن پر کمال ڈیرہ۔ جمال پور۔ بشیر آباد۔ فارم دلہیہ، ماکھنڈ۔ دہیہ موتی۔ باندھی اگرہ۔ کنڈی، مصرجی واہ۔ وغیرہ کے مخلصین جماعت کے علاوہ متعدد غیر احمدی دوست بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ جماعت کی طرف سے معزز مہمانوں کی خدمت میں سوڈا واٹر پیش کیا گیا۔ بعض دوستوں نے حضرت امیرالمومنین کا تبرک حاصل کرنے کے لئے شربت کے گلاس پیش کرنے شروع کئے۔ یہ سلسلہ لمبا ہوتا چلا گیا۔ مگر حضور نے ہر پیشکش کو نہایت خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ گاڑی روانہ ہونے کو تھی مگر خدام اپنے آقا کے گرد گھیرا ڈالے بدستور کھڑے تھے وہ اس تھوڑے سے وقت میں اپنے پیارے آقا کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنا چاہتے تھے گاڑی کے روانہ ہوچکنے پر اس مختصر سی ملاقات کو ناکافی سمجھ کر انہوں نے ساتھ ساتھ دوڑنا شروع کر دیا مگر ان کی خواہشات اور ان کے جذبات کے خلاف گاڑی بہت جلد آگے نکل گئی۔ والہانہ عقیدت کا یہ منظر قریباً ہر سٹیشن پر جہاں گاڑی کھڑی ہوتی، نظر آتا۔ نواب شاہ کے اسٹیشن پر بھی اردگرد کی جماعتوں کے بہت سے دوست موجود تھے۔ چوہدری محمد سعید صاحب نے حضور کی خدمت میں دوپہر کا کھانا پیش کیا۔ ۶ بجے کے قریب گاڑی روہڑی پہنچی ۲؎ جہاں سے موٹر کار دل سکھر تشریف لائے اور سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب ایگزیکٹو انجینئر کے بنگلہ پر قیام فرمایا۔

سکھر میں باڈھ، کنیٹ، روہڑی، صوبو دیرو، کمال دیرو، آگرہ، شریف آباد فارم ریاض اسٹیٹ اور کوئٹہ سے احباب جماعت (مرد اور عورتیں) ڈیڑھ سو کے قریب حضور کی زیارت اور ملاقات کے لئے حاضر ہوئے

رات کو جماعت سکھر کی طرف سے ایک دعوت طعام کا انتظام کیا گیا۔ جس میں شہر کے معززین اور سرکاری عہدیداران خاص طور پر مدعو تھے۔ حضور نے اس موقعہ پر تقریباً

۱؎ الفضل ۱۱ شہادت ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء ۲؎ الفضل ۵ شہادت / اپریل ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲

تین گھنٹے تک علمی مذاکرہ فرمایا اور سوال کرنے والوں کو شافی جوابات ارشاد فرماتے رہے

اگلے روز ۱۳ امان / مارچ کو گیارہ بجے کے قریب حضور مع اہل بیت لائڈ جارج بیراج دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے اور کافی وقت تک ٹیکنیک کے متعلق گفتگو فرماتے رہے۔

بعد ازاں اپریٹنگ بیراج کو حضور نے ٹرالی پر عبور فرمایا۔ اس کے بعد کشتیوں پر سوار ہو کر دریا کی سیر کو تشریف لے گئے۔ اسی دوران میں حضور نے ہندوؤں کے مشہور مندر سادھ بیلے کو جو دریا کے درمیان ایک جزیرہ کی صورت میں ہے اندر جا کر دیکھا۔

اس دن دوپہر کو جناب حسین صاحب ایکسائز سپرنٹنڈنٹ نے حضور کو مع قافلہ و احباب جماعت دعوت طعام پیش کی۔ جس میں کئی معززین شہر مدعو تھے اور تقریباً اڑھائی گھنٹہ تک حضور نے مختلف مذہبی۔ سیاسی اور اقتصادی سوالات کے متعلق حقائق و معارف بیان فرمائے۔ ان تقریبوں سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت فائدہ ہوا اور حضرت امیر المومنین کی بلند پایہ شخصیت اور تبحر علمی کا گہرا اثر معززین کی طبائع پر ہوا جس کا بعد میں انہوں نے اظہار بھی کیا۔

حضور کے قیام سکھر کے دوران میں احباب جماعت سکھر خصوصاً صوفی محمد رفیع صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب ایگزیکٹو انجینئر چوہدری محمد عبداللہ صاحب ایمپلائمنٹ ایکسچینج نہایت اخلاص سے کام کرتے رہے حضور کے قیام کے دوران میں آٹھ موٹر کاریں بیک وقت بنگلہ پر موجود رہتیں اور آنے والے مہمانوں کے کھانے اور رہائش کا انتظام بھی جماعت سکھر نے کیا۔[1] جناب سید غلام مرتضیٰ صاحب ایگزیکٹو انجینئر نے حضور کے اعزاز میں عشائیہ اور ظہرانہ کا انتظام کیا جس میں بہت سے عمائدین شہر بھی شامل ہوئے۔[2]

۱؎ الفضل ۸ شہادت / اپریل ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۵ ۔ ۲؎ الفضل ۹ شہادت / اپریل ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲

سکھر سے قادیان تک

سکھر میں مختصر قیام کے بعد حضور ۱۳ امان/مارچ کو ساڑھے چھ بجے شام بذریعہ سندھ ایکسپریس قادیان کے لئے روانہ ہوئے ۹ بجے شب کے قریب گاڑی رحیم یار خاں پہنچی جہاں ارد گرد کی احمدی جماعتیں آئی ہوئی تھیں۔ احباب کی طرف سے چائے پیش کی گئی۔ اس کے بعد چیچا وطنی سٹیشن پر کچھ دوست موجود تھے منٹگمری میں بہت سے دوست موجود تھے جنہیں حضور نے شرف معانقہ بخشا۔ چوہدری محمد شریف صاحب وکیل نے چائے پیش کی۔ اوکاڑہ سٹیشن پر بھی بہت سے دوست جمع تھے پتوکی سٹیشن پر کھر بیپڑ۔ علی پور۔ شمس آباد کے متعدد دوست آئے ہوئے تھے۔

دوسرے روز یکم شہادت/اپریل ساڑھے گیارہ بجے دوپہر گاڑی لاہور پہنچی۔ جہاں جماعت لاہور کے بہت سے احباب حضور کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ حضور مع اہل بیت کاروں میں سوار ہو کر جناب شیخ بشیر احمد صاحب کی کوٹھی پر تشریف لے گئے۔ جہاں کھانا تناول فرمانے کے بعد دو بجے دوپہر روانہ ہوئے اور سات کاروں پر مشتمل یہ قافلہ ۵ بجے کے قریب قادیان پہنچ گیا۔[1]

متحدہ ہندوستان کی آخری مجلس مشاورت اور مخلصین احمدیت کی شاندار قربانی کا ایمان افروز منظر

متحدہ ہندوستان کی آخری مجلس مشاورت ۴ - ۵ - ۶ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کو منعقد ہوئی جس میں ہندوستان کے طول و عرض سے ۱۰۴۸ نمائندگان نے شرکت فرمائی۔[2] اس مشاورت کا اہم ترین واقعہ حضرت مصلح موعود کی طرف سے حفاظت مرکز کے لئے مالی تحریک اور اس پر مخلصین جماعت کا شاندار رنگ میں لبیک کہنے کا ایمان افروز نظارہ ہے۔ جو مشاورت کے دوسرے دن ۵ ماہ شہادت/اپریل کو نماز مغرب وعشاء کے بعد دیکھنے میں آیا۔

اس روز تیسرا اجلاس ۹ بجے شب شروع ہوا جس کے آغاز میں حضرت مصلح موعود نے جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "حفاظت مرکز کے لئے جماعت سے دو لاکھ کی رقم کا

---

[1] الفضل ۲ ماہ شہادت ۱۳۲۶ھش/اپریل ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ [2] الفضل ۹ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳ کالم ۲

مطالبہ کیا گیا تھا۔ مگر اس وقت تک صرف ۴۶ ہزار کے قریب رقم جمع ہوئی ہے۔ میں حیران ہوں کہ موجودہ ہولناک تباہیوں اور خونریزیوں کے دیکھتے ہوئے جماعت نے کس طرح اتنی رقم پر اکتفا کیا۔ کیا کوئی عقلمند یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ یہ حقیر رقم شعائر اللہ کی حفاظت کے لئے کافی ہے اور ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ اس سے سینکڑوں گنا زیادہ تو تم سال بھر میں اپنے بیماروں پر خرچ کر دیتے ہو۔ کیا شعائر اللہ کو اتنی اہمیت بھی حاصل نہیں؟

اب آپ مجھے بتائیں کہ بقیہ رقم کس طرح پوری ہو سکتی ہے؟ حضرت مصلح موعود کے اس ارشاد پر حسب ذیل دوستوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ کریم الدین صاحب ۔ محمد شریف صاحب نمائندہ لجنہ اماء اللہ۔ شیخ صاحب دین صاحب گوجرانوالہ فیض احمد صاحب غلام مصطفٰے صاحب نذر محمد صاحب۔ نورالدین صاحب شیخ بشیر احمد صاحب حافظ نور الٰہی صاحب۔ مولوی غلام قادر صاحب ۔ میاں عطاء اللہ صاحب وکیل ان میں سے بعض دوستوں نے مختلف تجاویز پیش کیں اور اکثر اصحاب نے اپنی کوتاہی اور غفلت کا اقرار کرتے ہوئے حضرت امیرالمومنین کے حضور معافی کی درخواست کی۔ اس موقعہ پر جناب شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت لاہور نے جماعت کے خیالات کی نہایت عمدہ پیرایہ میں ترجمانی کی چنانچہ آپ نے فرمایا:۔

"پیارے آقا! یہ درست ہے کہ ہم نے حفاظت مرکز کی اہمیت کو نہیں سمجھا اور اس طرف توجہ نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی اول تو ہمیں صحیح طور پر آگاہ نہیں کیا گیا۔ دوسرے ہمیں وہ بصیرت اور پیش بینی حاصل نہیں جو حضور کو حاصل ہے۔ حضور نے بے شک ہمیں قبل از وقت خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ مگر ہم سے کوتاہی ہوئی کہ ہم نے اس کی اہمیت کو نہیں سمجھا اور غفلت سے بیدار نہ ہوئے۔ اب جبکہ خطرہ ہماری آنکھوں کے سامنے آگیا ہے تباہیوں اور خونریزیوں کا ہولناک منظر ہماری آنکھوں کے سامنے سے گذر چکا ہے تو آج ہماری حالت وہ نہیں ہے جو پہلے تھی۔ آج ہم محسوس کر چکے ہیں کہ ہم اور ہمارے عزیزوں کی جانیں اور ہماری مقدس و محبوب ترین چیزیں خطرہ میں ہیں۔ ہمیں یہ یقین ہو گیا ہے کہ قربانی کا وقت آن پہنچا ہے اور اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے مال و دولت کو نثار

کرنے کی گھڑی آ پہنچی ہے ہم سے جو غفلت اور کوتاہی ہوئی اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔ اور آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آئندہ ہم آپ کے ادنیٰ اشارے پر اپنا سب کچھ لٹا دینے کیلئے تیار ہیں اور انشاء اللہ آئندہ کبھی شکایت کا موقعہ پیدا نہ ہونے دیں گے موجودہ وقت ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنی ساری آمدنیں اور جائیدادیں حضور کے قبضہ میں دیدیں اور حضور ہمیں معمولی سا گذارہ دیکر باقی قوم کو جہاں چاہیں خرچ کر دیں ہمیں کوئی عذر نہ ہو گا۔"

احباب اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر چکے تو سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے فرمایا:۔ "اگر یہ سلسلہ انسانی ہاتھوں کا بنایا ہوتا۔ تو میں یہ سمجھتا کہ جماعت کی اس معاملہ میں عدم توجہی حقیقی کمزوریٔ ایمان کے نتیجہ میں ہے۔ لیکن جبکہ یہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہے اور وہ خود اس کا محافظ ہے تو میں یہ نہیں خیال کر سکتا کہ موجودہ سستی حقیقی غفلت کے نتیجہ میں ہوئی ہے جیسا کہ آپ میں سے اکثر نے اپنی عدم توجہی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے احساس ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔ میرا مقصد بھی یہی تھا کہ اس نازک وقت کا احساس ہو۔ اور آپ اپنی غفلت کو چھوڑ کر آنے والی مصائب کے لئے تیار ہو جائیں۔ قبل از وقت میں آپ کو جو کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے علم کی بناء پر تھا۔ اور خدا کی باتیں جھوٹی نہیں ہو سکتیں۔ اس کی طرف سے دی ہوئی غیب کی خبریں۔ ایک ایک کر کے پوری ہو رہی ہیں۔ اور جس جس طرح بدلنے والے حالات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ وہ بعینہٖ پورے ہوئے ہیں

دنیا میں ہر شخص کے لئے آزادی ہے سوائے ہمارے کہ ہم اپنے مقدس مقامات کو نہ چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ ایک عمارت جو مٹی اور اینٹوں کی بنی ہوتی ہے اس سے ایک مومن کی جان کہیں قیمتی ہوتی ہے لیکن جب وہ عمارت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے لگے اور شعائر اللہ بن جائے تو اس کی حفاظت کے لئے سینکڑوں مومنوں کی جان بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور انہیں خوشی سے قربان کیا جا سکتا ہے۔ پس جماعت نے اگر ان باتوں کو مدنظر نہیں رکھا تھا تو میرا فرض تھا کہ میں انہیں احساس ذمہ داری دلاؤں اور ان کے مونہوں سے کہلواؤں کہ ہم سے غفلت ہوئی۔ سو میں سمجھتا ہوں کہ وہ غرض پوری ہو گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کمی کس طرح پوری کی جائے۔ ہمارے عام چندے تو ان اخراجات

کے متحمل نہیں ہو سکتے ہمیں کوئی اور ہی طریق اختیار کرنے ہوں گے۔ سو اس کے لئے جماعت سے میرا سب سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ وہ دوست جن کی رقوم باہر بنکوں میں جمع ہیں وہ بطور امانت قادیان بھجوا دیں۔ تاکہ سلسلہ کو اگر کوئی فوری ضرورت پڑے تو اس میں سے خرچ کر سکے۔ اور پھر آہستہ آہستہ اس کمی کو پورا کر دے۔ یہ رقوم بطور امانت کے ہوں گی اور بوقت ضرورت واپس مل سکیں گی۔ اس طرح سلسلہ کی ضرورت بھی پوری ہو جائیگی۔ اور آپ لوگوں کے ایمان کا امتحان بھی ہو جائے گا۔ جو دوست اس تحریک پر لبیک کہنے کے لئے تیار ہوں۔ وہ اپنے نام اور رقوم لکھا دیں"۔

حضور کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا ہی تھا کہ مخلصین نے نہایت ذوق و شوق سے اپنے نام لکھانے شروع کر دئے۔ ہر چہرہ سے یہی اضطراب ظاہر ہوتا تھا کہ وہ دوسروں سے سبقت لینا چاہتا ہے اور ہر دل مضطر تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ رقوم اپنے آقا کے قدموں میں ڈال دے۔ قریباً نصف گھنٹہ کے عرصہ میں ۳۷۱۰۰/- روپے کے وعدے ہوئے۔ جس کا حضور نے کھڑے ہو کر اعلان کیا اور فرمایا "ابھی کچھ دوست رہتے ہیں۔ جو سوچ رہے ہونگے اور اکثر ایسے بھی ہیں جنہوں نے مشورہ وغیرہ کرنا ہوگا۔ اور ابھی ہزاروں ہزار دوست ایسے ہیں جو ہم سے کسی طرح اخلاص میں کم نہیں ہیں مگر وہ اس وقت دور بیٹھے ہیں۔ جب آپ لوگ جا کر ان کو اطلاع دیں گے تو وہ کبھی بھی آپ سے پیچھے نہ رہیں گے اور ممکن ہے مطلوبہ رقم سے بہت زیادہ روپیہ جمع ہو جائے"۔

اس کے بعد فرمایا "سب سے پہلے میں جائداد کے وقف کو لیتا ہوں جو خدا تعالےٰ کے الہام کے ماتحت جاری کیا گیا ہے۔ مگر میں نہایت افسوس سے کہتا ہوں کہ جماعت نے اس طرف پوری توجہ نہیں کی۔ اور صرف دو ہزار آدمیوں نے سوائے بنگال اس میں حصہ لیا ہے۔ حالانکہ لاکھوں کی جماعت ہے اور لاکھوں کی جماعت میں سے لاکھوں ہی کو وقف کرنا چاہیئے تھا۔ آپ میں سے جن دوستوں نے اپنی آمد یا جائداد وقف کی ہوئی ہے وہ کھڑے ہو جائیں"۔ (اس پر ۵۵۴ میں سے جو ہال میں تھے صرف ۱۹۷ کھڑے ہوئے) فرمایا "یہ تعداد ہے جو ۳۵ فیصدی کے قریب بنتی ہے۔ اس پر دوسری جماعت کا بھی اندازہ کر لیں۔ آپ میں سے جو لوگ اس وقت وقف

کرنا چاہئیں وہ بھی اپنے نام اور جائداد کی قیمت وغیرہ لکھا دیں ۔ اس پر ہر طرف سے ناموں کی آوازیں آنے لگی اور کارکنوں نے نام لکھنے شروع کئے ۔

اس سلسلہ کے ختم ہونے پر حضور نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ اب آپ لوگوں کا کام ہے کہ جاعتوں میں جا کر دوسرے لوگوں کو بھی اس کارِ خیر میں شریک کریں ۔ ہم اس بات سے خوش نہیں ہو سکتے کہ ہم میں سے اتنے لوگوں نے حصہ لیا ۔ بلکہ ہمیں تبھی خوشی ہو سکتی ہے کہ جب جماعت کے ہر فرد نے اس میں شرکت کی ہو اور کوئی بھی اس سے باہر نہ رہا ہو ۔ یہی زندہ جماعتوں کی علامت ہے

اس ضمن میں فرمایا " اس وقت میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ وقف جائداد والے دوست اپنی جائداد کی کل قیمت کا ایک فیصدی چھ ماہ کے اندر اندر مرکز میں جمع کرا دیں اور وہ جنہوں نے ایک ماہ یا دو ماہ کی آمد وقف کی ہوئی ہے وہ ایک ماہ کی آمد بھجوا دیں ۔ اور جن لوگوں نے وقف نہیں کی وہ بھی اس چندہ میں حصہ ضرور لیں ۔ وہ اپنی کل جائداد کی قیمت کا $\frac{1}{2}$ فی صدی اور اپنی ایک ماہ کی آمد کا نصف چھ ماہ کے اندر اندر یہاں بھیجدیں ۔"

بالآخر حضور نے نہایت پُرجوش کلمات میں نمائندگان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ۔

" پس جاؤ اور کوئی فرد باقی نہ رہنے دو جو اپنی جائیداد یا آمد وقف نہ کرے اور وہ لوگ جو انکار کریں ان سے کہدو کہ ہم تمہارے حرام مال سے اپنے پاکیزہ مال کو ملوث نہیں کرنا چاہتے ۔

تیسری تجویز یہ ہے کہ وصیتوں کی تحریک کی جائے اور جماعت کا کوئی فرد نہ رہے جس نے وصیت نہ کی ہو ۔ وصیت بے شک طوعی چیز ہے ۔ مگر اب وقت آ رہا ہے جب طوعی چیزیں بھی فرضی بن جاتی ہیں ۔

چوتھی تجویز یہ ہے کہ جو لوگ پہلے ہی موصی ہیں وہ اپنی وصیتوں کو بڑھائیں ۔ جو $\frac{1}{10}$ کے موصی ہیں وہ $\frac{1}{9}$ دیں ۔ اور جو $\frac{1}{9}$ دیتے ہیں وہ $\frac{1}{8}$ دیں وعلیٰ ہذا ۔

چوتھی تجویز قادیان کی جائیدادوں کے متعلق ہے کہ جب وہ بیچی جائیں ۔ تو جو نفع ہو اس نفع کا $\frac{5}{100}$ سلسلہ کو دیا جائے ۔ اور جن کے پاس پہلی جائیدادیں ہیں وہ منافع کا $\frac{1}{2}$ فی صدی سلسلہ کو دیں ۔ میں آئندہ کے لئے یہ قانون مقرر کرتا ہوں کہ کوئی جائیداد امورِ عامہ کے علم اور مرضی کے خلاف فروخت نہ ہو ۔ اس حکم کا اطلاق آج سے شروع ہو گا " ۔ سلسلہ تقریر

جاری رکھتے ہوئے حضور نے فرمایا "اب رہا یہ سوال کہ اگر ان تجاویز کے باوجود مطلوبہ رقم جس کی اس وقت سلسلہ کے کام چلانے اور مرکز کی حفاظت کے لئے ضرورت ہے پوری نہ ہو تو میری کوٹھی دار الحمد کو بیچ کر کمی پوری کی جائے۔ کوٹھی کے ساتھ بہت سی زمین اور باغ بھی ہے جس کی مالیت چند لاکھ کے قریب ہے۔ میرے پاس نقد روپیہ نہیں ہے۔ جماعت کے دوست یہ کریں کہ اسے خرید لیں"

اپنے پیارے آقا کی قربانی کا یہ فقید المثال جذبہ دیکھکر ہر مومن نے یہی سمجھا کہ جس طرح اپنے پیارے امام کے مقابلہ میں ہماری جانوں کی کوئی قیمت نہیں اسی طرح اس کی جائیداد کے مقابلہ میں ہماری جائیدادوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہر طرف سے اس قسم کی صدائیں آنے لگیں یہ نہیں ہوگا بلکہ پہلے ہماری جائدادیں فروخت ہونگیں۔ پہلے ہمارا سب کچھ قربان ہوگا۔ اس پر حضور نے فرمایا "اگر آپ لوگ قربانی کرنا چاہیں تو میرے ساتھ شامل ہو جائیں مجھے قربانی سے کیوں محروم کرتے ہیں۔ سب سے مقدم فرض میرا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں سب کچھ قربان کروں۔ آپ لوگ جائیں اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی شریک کریں صرف چند افراد میں یہ روح فائدہ نہیں دے سکتی۔ جبکہ ساری قوم میں یہ روح ہونی چاہیئے۔ چند افراد تو مشرکوں اور عیسائیوں میں سے بھی غیر معمولی قربانیاں پیش کر دیا کرتے ہیں لیکن اصل چیز یہ ہے کہ قوم کا ہر فرد اس میں شریک ہو" اس خطاب کے بعد حضور نے دعا کرائی اور مشاورت کا آخری اجلاس گیارہ بجے شب ختم ہوا۔[1]

تحریک وقف جائیداد و آمد کی کامیابی اور اس کے مفید نتائج

ملکی حالات چونکہ بد سے بدتر ہو رہے تھے اور مرکز احمدیت کے خطرات میں اضافہ ہو رہا تھا اسلئے جماعت احمدیہ کے اولوالعزم قائد اور امام حضرت مصلح موعود نے مجلس مشاورت کے بعد بھی بار بار جماعتوں کو تحریک وقف جائداد و آمد میں حصہ لینے اور جلد از جلد فہرستیں مکمل کر کے بھجوانے کی تحریک مسلسل جاری رکھی اور ان کو بتایا کہ یہ تحریک آئندہ عظیم الشان اسلامی عمارات کی بنیاد بنے گی۔ چنانچہ ۱۷/ ہجرت (مئی) ۱۳۲۶ھش/ ۱۹۴۷ء کے

---

[1] الفضل ۹ ماہ شہادت/ اپریل ۱۳۲۶ھش/ ۱۹۴۷ء صفحہ ۱ و ۲

خطبہ جمعہ میں فرمایا" میں سمجھتا ہوں کہ یہ تحریک بھی ہمارے سلسلہ کی اور تحریکوں کی طرح اپنے اندر خدا تعالیٰ کی بہت بڑی حکمتیں رکھتی ہے اور اس کی خوبیاں صرف اس کی ذات تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ ایک بنیاد ہے آئندہ بہت بڑے اور عظیم الشان کاموں کو سرانجام دینے کی۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ کوئی اتفاقی تحریک نہیں بلکہ اس تحریک کے ذریعہ ہماری جماعت کی ترقی اور سلسلہ کے مفاد کے لئے بعض نہایت ہی عظیم الشان کاموں کی بنیاد رکھی جا رہی ہے گو ابتک لوگ اس تحریک کی اہمیت کو نہیں سمجھے لیکن دو چار سال تک اس کے کئی عظیم الشان فوائد جماعت کے سامنے آنے شروع ہو جائیں گے جیسے تحریک جدید کو جب شروع کیا گیا تھا تو اس تحریک کی خوبیاں جماعت کی نگاہ سے مخفی تھیں مگر اب نظر آ رہا ہے کہ اس تحریک کے ذریعہ دنیا بھر میں تبلیغ اسلام کا کام نہایت وسیع پیمانے پر جاری ہے"۔" اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور رحم سے جتنے کام مجھ سے لئے ہیں ان تمام کاموں کے متعلق میں دیکھتا ہوں کہ درحقیقت وہ بنیاد ہوتے ہیں بعض آئندہ عظیم الشان کاموں کی۔ اسی طرح یہ تحریک بنیاد ہو گی آئندہ تعمیر ہونے والی عظیم الشان اسلامی عمارات کی جس طرح میں نے وقف جائیداد کی تحریک کی تھی جو درحقیقت بنیاد تھی آج کی تحریک کے لئے مگر اس وقت لوگ اس تحریک کی حقیقت کو نہیں سمجھے تھے۔ کچھ لوگوں نے تو اپنی جائیدادیں وقف کر دی تھیں مگر باقی لوگوں نے خاموشی اختیار کر لی اور وہ لوگ جنہوں نے اپنی جائیدادیں وقف کی تھیں وہ بھی بار بار مجھے لکھتے تھے کہ آپ نے وقف کی تو تحریک کی ہے اور ہم اس میں شامل بھی ہو گئے ہیں لیکن آپ ہم سے مانگتے کچھ نہیں۔ انہیں میں کہتا تھا کہ تم کچھ عرصہ انتظار کرو۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وہ وقت بھی آ جائے گا۔ جب تم سے جائیدادوں کا مطالبہ کیا جائیگا۔ چنانچہ دیکھ لو اس تحریک سے خدا تعالیٰ نے کتنا عظیم الشان کام لیا ہے۔ اگر عام چندہ کے ذریعہ اس وقت جماعت میں حفاظت مرکز کے لئے تحریک کی جاتی تو میں سمجھتا ہوں کہ لاکھ دو لاکھ روپیہ کا اکٹھا ہونا بھی بہت مشکل ہوتا مگر چونکہ آج سے تین سال پہلے وقف جائیداد کی تحریک کے ذریعہ ایک بنیاد قائم ہو چکی تھی۔ اسلئے وہ لوگ جنہوں نے اس تحریک میں اس وقت حصہ لیا تھا وہ اس وقت مینار کے طور پر ساری جماعت کے سامنے آ گئے۔ اور انہوں نے اپنے عملی نمونہ سے جماعت کو بتایا کہ جو کام ہم کر سکتے ہیں وہ تم کیوں نہیں کر سکتے۔ چنانچہ جب ان کی قربانی پیش کی گئی تو ہزاروں ہزار لوگ ایسے نکل آئے جنہوں نے ان

کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی جائیدادیں وقف کر دیں۔ پس جس طرح وہ تحریک جدید بنیاد تھی بعض اور عظیم الشان کاموں کے لئے اسی طرح حفاظتِ مرکز کے متعلق جو تحریک چندہ کے لئے کی گئی ہے یہ بھی آئندہ بعض عظیم الشان کاموں کا پیش خیمہ ثابت ہو گی اور جس وقت یہ تحریک اپنی تکمیل کو پہنچے گی اس وقت مالی لحاظ سے جماعت کی قربانیاں اپنے کمال کو پہنچ جائیں گی درحقیقت جانی قربانی کا مطالبہ وقفِ زندگی کے ذریعہ کیا جا رہا ہے اور مالی قربانی کے ایک بہت ہی بلند مقام پر کھڑا کیا جا رہا ہے پھر شاید وہ وقت بھی آ جائے کہ سلسلہ ہر شخص سے اس کی جان کا بھی مطالبہ کرے اور جماعت میں یہ تحریک کی جائے کہ ہر شخص نے جس طرح اپنی جائداد خدا تعالیٰ کے لئے وقف کی ہوئی ہے اسی طرح وہ اپنی زندگی بھی خدا تعالیٰ کے لئے وقف کر دے تا کہ ضرورت کے وقت اس سے کام لیا جا سکے۔" [1]

اس کے بعد ایک اور خطبہ میں دوبارہ یاد دہانی کراتے ہوئے فرمایا:۔

"جن خطرات میں سے اس وقت ہمارا ملک گذر رہا ہے اور جن خطرات میں سے اس وقت ہماری جماعت گذر رہی ہے ان میں سے جو خطرات ظاہر ہیں وہ سب دوستوں کو معلوم ہیں مگر بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جو آپ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اور میں ان باتوں کو اسلئے ظاہر نہیں کرتا کہ کہیں کمزور لوگ دل نہ چھوڑ بیٹھیں ورنہ ان دنوں ہماری جماعت ایسے خطرات میں سے گزر رہی ہے کہ ان کے تصور سے مضبوط سے مضبوط انسان کا دل بیٹھ جاتا ہے اور اس کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔ صرف جماعت کے کمزور لوگوں کا خیال رکھتے ہوئے اور بعض دوسرے مصالح کی وجہ سے میں وہ باتیں پردۂ اخفاء میں رکھتا ہوں ورنہ ان دنوں میں بعض اوقات اس طرح محسوس کرتا ہوں جیسے کسی عظیم الشان محل کی دیواریں نکل جائیں اور اس کی چھت کے سہارے کے لئے ایک سرکنڈا کھڑا کر دیا جائے۔ تو جو حال اس سرکنڈے کا ہو سکتا ہے۔ یہی حال بسا اوقات ان دنوں میں اپنا محسوس کرتا ہوں وہ بوجھ جو اس وقت مجھ پر پڑ رہا ہے۔ اور وہ خطرات جو جماعت کے مستقبل کے متعلق مجھے نظر آ رہے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان کا اظہار بھی مشکل ہے اور ان کا اٹھانا بھی کسی انسان کی طاقت میں نہیں۔ محض اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے ان خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے میں اس بوجھ کو اٹھائے ہوئے ہوں ورنہ کوئی انسان ایسا نہیں ہو سکتا جس کے کندھے اتنے مضبوط ہوں کہ وہ اس بوجھ کو سہار سکیں اور ان

---

[1] الفضل ۲۲ ہجرت / مئی ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲

تفکرات کا مقابلہ کر سکیں ہماری جماعت کے حصے میں تو صرف چندے ہی ہیں تفکرات میں اس کا کوئی حصہ نہیں بلکہ تفکرات اُن تک پہنچتے ہی نہیں جیسے خطرہ کے وقت ماں اپنے بچے کو گود میں سلا لیتی ہے اور سارا بوجھ خود اٹھا لیتی ہے ایسی ہی حالت اِسوقت میری ہے کہ اُن خطرات سے جو اسوقت مجھے نظر آ رہے ہیں جماعت کو آگاہ نہیں کر سکتا اور سارا بوجھ اپنے دل پر لے رہا ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ جماعت کے کام تو بہر حال خدا تعالےٰ نے ہی سرانجام دینے ہیں میں جماعت کے لوگوں کو کیوں پریشان کروں۔ اللہ تعالیٰ جس رنگ میں چاہے گا اُس کی مشیّت پوری ہو کر رہے گی۔ درحقیقت جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جو رتبہ مجھے عطا کیا گیا ہے اس کے لحاظ سے سب سے پہلا اور آخری ذمہ وار میں ہی ہوں اور جماعت کے بوجھ اٹھانے کا حق میرا ہی ہے جیسے قرآن کریم میں ذوالقرنین کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس نے کہا تھا اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ یعنی لوہے کے ٹکڑے میرے پاس لاؤ وہی بات میں نے بھی پیش کر دی ہے کہ تم اپنی جائیدادوں کا ایک فی صدی قربانی میں پیش کر دو۔ وہ خود جماعت کی حفاظت کے سامان پیدا کر دیگا۔ اس وقت تمہارا کام صرف زبر الحدید پیش کرنا ہے ورنہ اصل اور اہم کام تو خدا تعالےٰ اور اس کے مقرر کردہ افراد نے ہی کرنا ہے بلکہ افراد نے بھی کیا کرنا ہے خدا نے خود ہی کرنا ہے جماعت تو ان مصائب اور مشکلات کے مقابلہ کی طاقت ہی نہیں رکھتی کیونکہ اُن کو دور کرنا انسانی طاقت سے بالا ہے۔ پس سوائے خدا تعالےٰ کی ذات کے اور کوئی ہستی اُن کو دُور کر ہی نہیں سکتی لیکن جو چھوٹا سا کام ہماری جماعت کے ذمہ ہے اگر جماعت اس میں بھی سستی اور غفلت سے کام لے تو یہ نہایت ہی افسوسناک امر ہوگا۔"[1]

تفسیر القرآن انگریزی کی اشاعت

جماعت احمدیہ کی طرف سے قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ اور تفسیر کی ایک عرصہ سے جو مخلصانہ کوششیں جاری تھیں اُس کا پہلا شیریں پھل احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں تفسیر القرآن انگریزی جلد اوّل کی شکل میں ظاہر ہوا جو سورۃ فاتحہ سے لیکر سورۃ کہف تک کے مطالب پر مشتمل اور ساڑھے بارہ سو صفحات پر پھیلی ہوئی تھی اور اس کے ابتداء میں حضرت مصلح موعود کے قلم سے لکھا ہوا ایک نہایت پُر معارف دیباچہ

---

[1] الفضل ۱۲ وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء ص۳-۴

بھی شامل تھا جس میں دوسرے صحف سماوی کی موجودگی میں قرآن مجید کی ضرورت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور جمع القرآن اور قرآنی تعلیمات پر بالکل اچھوتے اور دلآویز پیرایہ میں روشنی ڈالی گئی تھی یہ دیباچہ مستقل کتابی صورت میں انگریزی کے علاوہ اردو، انڈونیشی، جرمن اور ڈچ زبانوں میں بھی چھپ چکا ہے۔ حضرت مصلح موعود نے اس دیباچہ کے آخر میں "شکریہ و اعتراف" کے زیر عنوان تحریر فرمایا کہ "میں اس دیباچہ کے آخر میں مولوی شیر علی صاحب کی اُن بے نظیر خدمات کا اعتراف کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے باوجود صحت کی خرابی کے قرآن کریم کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کے متعلق کی ہیں ۔۔۔ اسی طرح ملک غلام فرید صاحب۔ خان بہادر چوہدری ابو الہاشم خان مرحوم اور مرزا بشیر احمد صاحب بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ترجمہ پر تفسیری نوٹ میری مختلف تقریروں اور کتابوں اور درسوں کا خلاصہ نکال کر درج کئے ہیں۔ مجھے ان انگریزی نوٹوں کے دیکھنے کا موقعہ نہیں ملا مگر ان لوگوں کے تجربہ اور اخلاص پر یقین کرتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ انہوں نے صحیح طور پر ان مضامین کی ترجمانی کی ہوگی جو میں نے براہِ راست خدا تعالیٰ کے افضال کے ماتحت قرآن کریم سے یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بانی سلسلہ احمدیہ کے افاضات سے حاصل کئے ہیں میں اس موقعہ پر قاضی محمد اسلم صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور اور سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب جج فیڈرل کورٹ آف انڈیا کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جن دونوں نے اس دیباچہ کو انگریزی زبان کا جامہ پہنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب دوستوں کو اپنی برکات کے عطر سے ممسوح کرے اور دین و دنیا میں ان کا حافظ و ناصر ہو۔

میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کا شاگرد ہونے کی وجہ سے کئی مضامین میری تفسیر میں لازماً ایسے آئے ہیں جو میں نے ان سے سیکھے اس لئے اس تفسیر میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفسیر بھی حضرت خلیفہ اوّل کی تفسیر بھی اور میری تفسیر بھی آجائیگی اور چونکہ خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی روح سے ممسوح کر کے ان علوم سے سرفراز فرمایا تھا جو اس زمانہ کے لئے ضروری ہیں اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ یہ تفسیر بہت سے بیماروں کو شفاء بخشنے کا موجب ہوگی۔ بہت سے اندھے اس کے ذریعہ سے آنکھیں پائیں گے۔ بہرے سننے لگ جائیں گے گونگے بولنے لگ جائیں گے۔ لنگڑے اور اپاہج چلنے لگ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ

کے فرشتے اس کے مضامین کو برکت دیں گے اور یہ اُس غرض کو پورا کرے گی جس غرض کے لئے یہ شائع کی جا رہی ہے۔[1] اللّٰھم اٰمین۔

حضرت امیر المومنین سیدنا المصلح الموعود نے ۲۰ احسان/جون ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کے خطبہ جمعہ میں یہ خوشخبری سنائی کہ:۔ "قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کی پہلی جلد چھپ کر آگئی ہے۔ یہ جلد آج سے کچھ عرصہ پہلے آجانی چاہیئے تھی۔ مگر لاہور کے فسادات کی وجہ سے پریس بند رہے۔ یا بہت کم کام ہوتا رہا۔ اس لئے بجائے اپریل میں مکمل ہونے کے یہ جلد جون میں مکمل ہوئی ہے۔ یہ جلد ساڑھے بارہ سو صفحات کی ہے۔ ابتدائی مضامین کا دیباچہ جو کہ میں نے لکھا ہے وہ ۲۷۲ صفحات کا ہے یعنی یہ مضمون اردو کے عام کتابی سائز کے لحاظ سے پانچ چھ سو صفحات میں آجائیگا اس دیباچے کے کچھ حصہ کا ترجمہ پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب نے کیا ہے۔ اور کچھ حصہ کا ترجمہ چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے کیا ہے۔ یہ دونوں احباب ہماری جماعت میں انگریزی کی اچھی قابلیت رکھتے ہیں اور نہایت عمدہ طور پر لکھنے والے ہیں جس کی وجہ سے ترجمہ بہت اعلیٰ ہوا ہے۔ گو میں اس دیباچہ کے ترجمہ کی نظر ثانی نہیں کر سکا۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر نظر ثانی ہو جاتی تو نظر ثانی میں بعض جگہ ترجمہ زیادہ سادہ ہو سکتا تھا۔ جو کہ اب نسبتاً پیچیدہ ہو گیا ہے لیکن پھر بھی ترجمہ نہایت لطیف ہے۔ کتاب کے چھپنے کے بعد میں نے اُسے پڑھنا شروع کیا۔ تو وہ مجھے ایسا دلچسپ معلوم ہوا۔ کہ باوجود غیر زبان میں ترجمہ ہونے کے بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ مضمون ہی انگریزی میں لکھا گیا ہے ... میں اس کی یہ تقسیم کر چکا ہوں کہ آدھی ہندوستان کے لئے اور آدھی غیر ممالک کے لئے۔ جو دوست یہ کتاب خریدیں انہیں چاہئیے کہ خود پڑھنے کے بعد دوسروں کو بھی پڑھوائیں۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ اس کتاب کا دیباچہ ایسا شاندار لکھا گیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت سے لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب بن سکتا ہے اور میرا ارادہ ہے کہ ایک بہت بڑی تعداد میں اس دیباچہ کو الگ چھپوایا جائے نہ صرف انگریزی بلکہ اردو۔ ہندی۔ گورمکھی اور دوسری زبانوں میں اس کے تراجم شائع کئے جائیں۔ اس دیباچہ میں اسلام کی صداقت کے ایسے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ کہ ان کے ذریعہ قرآن کریم اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گی۔ اور

[1] دیباچہ تفسیر القرآن (اردو) صفحہ ۵۰۲، ۵۰۳ طبع دوم دسمبر ۱۹۵۳ء۔ ناشر صیغہ تالیف و تصنیف ربوہ مطبع لاہور آرٹ پریس انارکلی لاہور۔

پھر دیباچہ کے ساتھ جو شخص قرآن کریم کا ترجمہ اور اس کے نوٹ بھی پڑھے گا۔ تو یہ سونے پر سہاگہ اور موتیوں میں دھاگہ والی مثال ہوگی"۔ ؎۱

دوسری جلدوں کی اشاعت

اس پہلی جلد کے تیرہ سال بعد فتح/دسمبر ۱۳۳۹ھش/۱۹۶۰ء میں دوسری جلد شائع ہوئی جو سورۃ ھا یسم سے سورۃ جاثیہ تک کی سورتوں پر مشتمل تھی ازاں بعد تیسری اور آخری جلد امان/مارچ ۱۳۴۲ھش/۱۹۶۳ء میں اشاعت پذیر ہوئی اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے ۲۲ امان/مارچ ۱۳۴۲ھش/۱۹۶۳ء کو چوبیسویں مجلس مشاورت کی کارروائی کے آغاز میں فرمایا "میں دوستوں کو یہ بشارت دینا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم کی انگریزی تفسیر جو آج سے اکیس سال پہلے شروع ہوئی تھی اور جس کے ابتدائی حصہ میں مجھے بھی کچھ خدمت کا موقعہ ملا ہے اور حضرت مولوی شیر علی صاحب بھی اس کام کو کرتے رہے ہیں درد صاحب مرحوم بھی یہ کام کرتے رہے۔ مگر زیادہ کام ملک غلام فرید صاحب کے ذمہ رہا ہے اور اب تو کلیتہً ان کے ذمہ ہے اس تفسیر کا آخری حصہ جو باقی تھا اب مکمل ہو کر آگیا ہے اور اس طرح خدا کے فضل سے یہ کام تکمیل کو پہنچ گیا ہے"۔ ؎۲

تفسیر القرآن انگریزی کی تاریخ پر ایک نظر

مکرم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی نے اپنی کتاب "سیرت قمر الانبیاء" میں تفسیر القرآن انگریزی پر ایک مختصر مگر جامع نوٹ سپرد قلم کیا ہے جو درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"صدر انجمن احمدیہ قادیان نے ہزاروں روپیہ خرچ کر کے قرآن کریم کا جو انگریزی ترجمہ شروع کرایا تھا وہ تو جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے ۱۹۱۴ء میں لے کر لاہور آگئے اور یہاں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے اسے اپنے طور پر شائع کر دیا۔ اس کے بعد حضرت امیر المومنین نے حضرت مولوی شیر علی صاحب کو نیا ترجمہ مع تفسیری نوٹوں کے مرتب کرنے کا حکم دیا۔ ۱۹۳۲ء میں حضرت امیر المومنین نے اس کام میں حضرت میاں بشیر احمد صاحب کو بھی شامل فرما دیا۔ اب دونوں نے مل کر اس خدمت کو سرانجام دینا شروع کیا ....۔

حضرت میاں صاحب، حضرت مولوی شیر علی صاحب کے ساتھ مل کر قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ

؎۱ اخبار الفضل ۲۸ احسان/جون ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ ؎۲ رپورٹ مجلس مشاورت ۲۲، ۲۳، ۲۴ امان/مارچ ۱۳۴۲ھش/۱۹۶۳ء صفحہ ۱۰۹

وتفسیر کا کام کرتے رہے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے جن کو اس کام سے بے حد دلچسپی تھی مناسب سمجھا کہ اس کام کی تکمیل کے لئے مولوی شیر علی صاحب کو کچھ عرصہ کے لئے لندن بھجوا دیا جائے وہاں چونکہ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے بعض ایسی کتابیں موجود ہیں جو یہاں نہیں مل سکتیں لہٰذا وہاں یہ کام نسبتاً آسانی سے ہو سکیگا۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین کے ارشاد کے ماتحت حضرت مولوی شیر علی صاحب لندن جانے کے لئے قادیان سے ۲۶ فروری ۱۹۳۶ء کو روانہ ہو گئے[1] اور وہاں تقریباً تین سال تک وہ یہ کام کرتے رہے۔ اس عرصہ میں بے شمار نوٹ ترجمۃ القرآن کے متعلق انہوں نے جمع کئے جو بعد کے ایام میں اپنی اپنی جگہ تفسیر القرآن انگریزی میں درج کئے گئے۔

وہاں سے واپسی کے بعد بھی حضرت مولوی صاحب اسی کام میں مشغول رہے مگر چونکہ حضرت امیر المومنین کو اس کام کی تکمیل کی بڑی فکر تھی اور آپ چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو یہ ضروری کام جلد سے جلد ختم ہو جائے اسلئے آپ نے کام کے مسلسل اور باقاعدہ جاری رہنے اور جلد تر پایۂ تکمیل تک پہنچنے کے لئے یہ انتظام کیا کہ مئی ۱۹۴۲ء میں جماعت کے قابل اور فاضل حضرات کا ایک بورڈ مقرر فرمایا جو سرعت۔ تیزی۔ روانی۔ عمدگی۔ خوبی اور انتہائی احتیاط کے ساتھ ایک دوسرے کے تعاون سے اس کام کو انجام تک پہنچائے۔ بہرحال یہ کام ۱۹۴۲ء میں شروع ہوا اور مسلسل ہوتا رہا۔ قادیان میں کوٹھی دارالحمد ترجمۂ قرآن کا دفتر تھا۔ یہاں راقم الحروف نے بارہا حضرت مرزا بشیر احمد صاحب حضرت مولانا شیر علی صاحب اور حضرت ملک غلام فرید صاحب کو نہایت انہماک اور محنت کے ساتھ ایک میز پر یہ کام کرتے ہوئے دیکھا ہے ایک ایک لفظ پر بحثیں ہوتی تھیں۔ ایک ایک فقرہ بڑی احتیاط کے ساتھ بار بار تبادلہ خیال کے بعد لکھا جاتا تھا۔ ایک ایک آیت کے متعلق دیکھا جاتا کہ قدیم مفسرین نے اسکے کیا معنی کئے ہیں؟ احادیث میں اس کے متعلق کیا لکھا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی کیا تفسیر فرمائی ہے؟ حضرت خلیفہ اول نے اس کی کیا تشریح کی ہے؟ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اس کا کیا مطلب بیان کیا ہے؟ پھر الفاظ کے متعلق بڑی بحث ہوتی تھی یعنی لغت میں اس لفظ کے کیا کیا معنی ہیں؟ محاورہ میں یہ لفظ کس طرح استعمال ہوا ہے؟ زیر بحث آیت میں اس کے کون سے معنی نسبتاً زیادہ درست بیٹھتے ہیں؟ آیت کا مطلب قدیم اور جدید مفسرین نے کیا بتایا ہے؟ اور ان میں

---

[1] تفصیل "تاریخ احمدیت" جلد ہشتم صفحہ ۳ تا ۳ میں آچکی ہے۔

ترتیب پر صحت کونسا مطلب ہے؟ آئندہ پر مخالفین کی طرف سے کیا کیا اعتراض ہوتے ہیں۔ اور اُن کے کیا کیا جواب ہیں؟ آیت کا تعلق اُس کی ماسبق اور بعد آیتوں سے کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کن کن معارف کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا ہے؟ یہ آیت کہاں اور کس وقت اتری؟ اور اس کا شانِ نزول کیا ہے؟ اس آیت یا اس سورۃ کے متعلق یورپین تحقیقات کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ہر بات کے متعلق بہت طویل طویل بحثیں ہوتی تھیں جب جا کر ایک آیت کا ترجمہ اور تفسیر لکھی جاتی تھی۔ اور پھر اس میں ملک غلام فرید صاحب آخر وقت تک برابر ترمیم و تنسیخ کرتے رہتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ جو کچھ لکھا جائے انتہائی تحقیق کے بعد لکھا جائے۔ اور ایسا لکھا جائے کہ دل کو اطمینان اور سکینت سے بھر دے۔ اکثر اوقات چھپے چھپائے فرمے ردّی کرنے پڑے ہیں۔ بہت دفعہ پریس ہی جا کر مشین پر غلطیاں درست کرنی پڑی ہیں اور ہر قسم کی دقّت، صعوبت اور تکلیف اس کے ترجمہ اور اس کی طباعت میں برداشت کی ہے تب جا کر ۲۸ فروری ۱۹۴۷ء[1] کو اس کی پہلی جلد جو بڑی تقطیع کے ۹۶۸ صفحات پر مشتمل ہے بہت اعلیٰ ٹائپ اور نہایت نفیس کاغذ پر سول اینڈ ملٹری گزٹ پریس لاہور میں چھپ کر شائع ہوئی

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے کمال تحقیق کے ساتھ جو عالمانہ اور بسیط مقدمہ اس پر لکھا وہ اصل کتاب کے علاوہ ۲۷۶ صفحات پر محیط ہے اور بجائے خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پہلی جلد میں سورۃ فاتحہ سے سورۃ توبہ تک کی تفسیر بیان کی گئی ہے یعنی اس میں دس مکمل پارے آگئے ہیں۔

ابھی پہلی جلد کے فرموں کی جز بندی نہیں ہوئی تھی اور سارے فرمے سول اینڈ ملٹری پریس لاہور میں رکھے ہوئے تھے کہ ملک کے سیاسی حالات بڑے مخدوش ہو گئے ... حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ارشاد فرمایا کہ احتیاط اور حفاظت کا اقتضاء یہ ہے کہ قرآن مجید کے فرموں کو لاہور سے قادیان لے آیا جائے اور وہیں ان کی جز بندی اور جلد سازی ہو۔ چنانچہ حضور کے حکم کے مطابق فوراً قرآن مجید کے فرمے قادیان آگئے اور خاکسار راقم الحروف کے سپرد کر دیئے گئے۔ میں اس زمانہ میں بکڈپو تالیف و اشاعت مرکزیہ کا نگران اعلیٰ تھا۔ میں نے ان تمام فرموں کو کوٹھی دارالحمد میں رکھوا دیا اور ایک دفتری سے اس کی جز بندی شروع کرا دی۔

---

[1] یہ سہو ہے ۲۰ ماہ احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو حضرت مصلح موعود نے اس کی اشاعت کا اعلان فرمایا تھا۔ ملاحظہ ہو الفضل ۲۲ احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء

اب ملکی حالات اور بھی زیادہ مخدوش اور خطرناک ہو گئے تھے اور قادیان میں خطرہ ہر لحظہ بڑھتا جا رہا تھا اس لئے حضرت امیر المومنین نے پھر حکم دیا کہ غیر معمولی عجلت کے ساتھ تمام قرآن شریف فوراً لاہور پہنچا دیا جائے چنانچہ میں نے یہ تمام فرمے ایک بڑی لاری میں بھر کر لاہور بھجوا دئے اور فرمے محترمی شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی کوٹھی کے ایک کمرہ میں امانتاً رکھ دیئے گئے۔ میں ۸ ستمبر ۱۹۴۷ء کو قادیان سے لاہور پہنچا اور فرمے شیخ صاحب کے ہاں سے لیکر جلد بندی کے لئے کشمیر آرٹ پریس کو دیدیئے اور جب سارے قرآن مجید کی جلدیں بندھ گئیں تو پھر ۱۹۴۸ء کے شروع سے اُن کی فروخت شروع کی تقسیم کے بعد حضرت مرزا بشیر احمد صاحب حضرت مولوی شیر علی صاحب اور حضرت ملک غلام فرید صاحب بھی لاہور آ گئے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رتن باغ میں رہنے لگے حضرت مولوی شیر علی صاحب کو ڈیوس روڈ پر ایک کوٹھی میں جگہ ملی۔ ملک غلام فرید صاحب ٹمپل روڈ کی کوٹھی ۸ میں آباد ہوئے۔ اور ترجمہ قرآن مجید کا دفتر جودھامل بلڈنگ میں بنایا گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی ذاتی نگرانی میں دوسری جلد کی تیاری کا کام شروع ہو گیا مگر صد ہزار افسوس کہ بورڈ ترجمۃ القرآن کے سب سے سینئر ممبر حضرت مولانا شیر علی صاحب کا ۱۳ نومبر ۱۹۴۷ء کو انتقال ہو گیا۔

اب صرف دو آدمی رہ گئے ایک حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور دوسرے حضرت ملک غلام فرید صاحب۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب قادیان سے آتے ہی حفاظت مرکز اور خدمت درویشان کے کاموں میں ایسے مصروف ہوئے کہ انہیں دن رات میں کسی لمحے بھی فرصت نہ ملتی۔ اب اس عظیم الشان اور نہایت ہی مشکل کام کا سارا بار صرف حضرت ملک غلام فرید صاحب پر آ پڑا اور حضرت امیر المومنین نے بھی ان سے یہ فرمایا کہ "اب صرف آپ ہی کلیتہً میرے سامنے ترجمۃ القرآن کے تمام کام کے جوابدہ اور ذمہ دار ہیں اور مجھے امید ہے کہ آپ اپنی ذمہ داری کو پورے طور پر محسوس کرتے ہوئے اس کام کو جلد سے جلد ختم کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔ جو بے حد ضروری اور نہایت اہم ہے"۔

اگرچہ مشکلات بے حد تھیں اور ایک اکیلے شخص سے اس عظیم الشان کام کا سرانجام پانا بظاہر ناممکن نظر آ رہا تھا مگر حضرت ملک غلام فرید صاحب نے اس پیرانہ سالی اور مختلف عوارض میں مبتلا ہونے کے باوجود اس خالص مذہبی خدمت کو بجا لانے کا عزم بالجزم کر لیا اور ہمہ تن

اس کام کی تیاری میں منہمک ہو گئے اور دن رات کی لگاتار محنت کے بعد ۱۹۴۹ء میں ترجمۃ القرآن کی دوسری جلد کا پہلا حصہ مرتب کر لیا جس میں سورۃ یونس سے سورۃ کہف تک تفسیر آگئی ہے ان ایام میں ترجمۃ القرآن انگریزی کے متعلق حضرت ملک صاحب کو چار قسم کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا پڑتا تھا۔

(۱) کتاب کی ترتیب و تدوین جس میں بے انتہا محنت کرنی پڑتی تھی۔

(۲) پروف ریڈنگ جو کئی کئی مرتبہ بڑی احتیاط کے ساتھ کرنی پڑتی تھی۔

(۳) طباعت کی نگرانی جو بڑی ہی بھاگ دوڑ اور مصیبت کا کام تھا۔

(۴) طباعت اور تیاری کے بعد قرآن کریم کی فروخت اور تقسیم کی نگرانی جو بڑے جھمیلے کا کام تھا

ظاہر ہے کہ اکیلے ملک صاحب کے لئے ان چاروں کاموں کی سرانجام دہی کس قدر دردسری کا باعث تھی لیکن میں نے دیکھا ہے کہ جناب ملک صاحب نے ان ایام میں بڑے ہی استقلال اور مستعدی اور محنت کے ساتھ تمام کاموں کو سرانجام دیا اور قطعاً شکایت نہیں کی۔

اگرچہ اس تمام عرصہ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سلسلہ کے بہت سے متفرق کاموں میں سخت مشغول رہے تاہم نہایت عدیم الفرصتی کے باوجود بھی ترجمہ انگریزی کی نظر ثانی کے کام میں برابر جناب ملک صاحب کے شریک رہے۔ مگر جبکہ جنوری ۱۹۵۱ء میں حضرت میاں صاحب رتن باغ سے مستقل طور پر ربوہ تشریف لے گئے تو آخری مراحل پر حضرت مولوی محمد دین صاحب ناظر تعلیم نظر ثانی کے کام میں حضرت ملک صاحب کی مدد فرماتے رہے لیکن جب وہ بھی سلسلہ کی ضرورت اور سلسلہ کے تعلیمی اداروں کی نگرانی کے لئے ربوہ چلے گئے تو تنہا ملک صاحب نے سارے کام سرانجام دئے۔ ملک صاحب نے اکیلے رہ جانے پر بھی ہمت نہ ہاری اور خاموشی کے ساتھ کام میں مصروف رہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی مدد کی اور یہ مہتم بالشان کام آہستگی کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ دسمبر ۱۹۶۰ء میں قرآن کریم کی انگریزی تفسیر کی جلد دوم کا دوسرا حصہ شائع ہو گیا۔ یہ سورۃ مریم سے سورۃ جاثیہ تک ہے۔

اس دوران میں حضرت ملک صاحب کے لئے ایک آسانی یہ پیدا ہو گئی کہ تفسیر انگریزی کی تقسیم اور فروخت کا کام اورینٹل اینڈ ریلیجس پبلشنگ کارپوریشن لمیٹڈ ربوہ نے اپنے ہاتھ میں

لے لیا اور حضرت ملک صاحب کو اس بڑے جھمیلے کے کام سے نجات ملی اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ تصنیفی دماغ آنے پائیوں کا حساب کتاب رکھنے اور ایک ایک کتاب کو بار بار گن کر رکھنے سے بڑا گھبراتا ہے۔ حضرت ملک صاحب نے اس نئے انتظام کو نہایت غنیمت سمجھا اور اطمینان اور سکون کے ساتھ تصنیفی کام میں مشغول ہو گئے جو ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

دیکھئے مختلف اور متعدد ذمہ داریوں کی موجودگی میں کام کی رفتار کتنی سست رہی کہ تفسیر کی دوسری جلد کا پہلا حصہ ۱۹۴۹ء میں چھپا تھا مگر اس کا دوسرا حصہ گیارہ سال بعد ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا لیکن جب کام کی ذمہ داریاں ہلکی ہوئیں اور حضرت ملک صاحب کو اطمینان کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا تو تفسیر القرآن انگریزی کی تیسری اور آخری جلد ۱۹۶۳ء میں چھپ گئی۔ جو سورۃ احقاف سے سورۃ الناس تک کے مضامین پر مشتمل تھی۔ اس جلد کے ساتھ تمام قرآن مجید کی انگریزی تفسیر ختم ہو گئی جو بڑی تقطیع کے ۲۹۱۷ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور عجیب و غریب قرآنی معارف کا حسین و دلفریب مرقع ہے۔ حضرت امیرالمومنین نے تمام تفسیر پر جو نہایت فاضلانہ اور محققانہ مقدمہ لکھا ہے اس کے صفحات ۲۷۶ اصل کتاب کے صفحات سے علیحدہ ہیں یعنی کل تفسیر القرآن انگریزی کے صفحات کی مجموعی تعداد ۳۱۹۳ ہے۔

حضرت میاں بشیر احمد صاحب کا حصہ اس مقدس کام میں بہت کافی تھا تفسیر القرآن کی پہلی جلد جو ابتدائی پندرہ پاروں پر مشتمل تھی ساری کی ساری حضرت میاں صاحب کی نگرانی میں مرتب ہوئی اور اس میں کسی نہ کسی شکل میں ان کی شرکت اور تعاونت اور امداد شامل رہی لیکن قادیان سے آنے کی پریشانیوں اور بہت سی مختلف مصروفیتوں کے باعث جو اس دور ابتلاء میں وقتاً فوقتاً پیش آتی رہیں حضرت میاں صاحب مجبوراً تفسیر القرآن انگریزی کے کام کی طرف اپنی پوری توجہ منعطف نہ کر سکے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ترجمہ کی نظر ثانی کا کام آپ حضرت ملک غلام فرید صاحب کے ساتھ مل کر ان کے صلاح مشورے سے آخر تک کرتے رہے۔ اس کا اظہار ملک صاحب نے بھی ترجمۃ القرآن کے متعلق اپنے ایک بیان میں جو خاکسار راقم الحروف کو لکھ کر دیا صاف طور پر کیا ہے۔

خدا کا ہزار شکر و احسان اور فضل و کرم ہے کہ یہ مہتم بالشان کام حضرت مولوی شیر علی صاحب

نے ۱۹۱۵ء میں شروع کیا تھا وہ قریباً پچاس سال کی مسلسل سعی و کوشش کے بعد ۱۹۶۳ء میں حضرت ملک غلام فرید صاحب کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔[۱]

مغربی مفکّرین کے تاثرات

انگریزی تفسیر قرآن کے دینی اور ادبی محاسن نے یورپ اور امریکہ کے چوٹی کے اہل علم کو متاثر کیا ہے اور انہوں نے اس پر شاندار ریویو کئے ہیں۔ مثلاً مسٹر اے جی آربری نے لکھا:

"قرآن شریف کا یہ نیا ترجمہ اور تفسیر ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ موجودہ جلد اس کارنامہ کی گویا پہلی منزل ہے۔ کوئی پندرہ سال کا عرصہ ہوا جماعت احمدیہ قادیان کے محقق علماء نے یہ عظیم الشان کام شروع کیا اور کام حضرت اقدس مرزا بشیر الدین محمود احمد کی حوصلہ افزا قیادت میں ہوتا رہا۔ کام بہت بلند قسم کا تھا۔ یعنی یہ کہ قرآن شریف کے متن کی ایک ایسی ایڈیشن شائع کی جائے۔ جس کے ساتھ ساتھ اس کا نہایت صحیح صحیح انگریزی ترجمہ ہو اور ترجمہ کے ساتھ آیت آیت کی تفسیر ہو۔ پہلی جلد جو اس وقت سامنے ہے۔ قرآن شریف کی پہلی نو سورتوں پر مشتمل ہے۔ شروع میں ایک طویل دیباچہ ہے جو خود حضرت مرزا بشیر الدین نے رقم فرمایا ہے اس دیباچہ میں حضرت اقدس نے لکھا ہے۔ کہ جو کچھ اس تفسیر میں بیان ہوا ہے۔ وہ ان معارف کی ترجمانی ہے۔ جو بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتابوں اور مواعظ میں بیان فرمائے یا پھر آپ کے خلیفہ اوّل یا خود حضرت ممدوح نے جو بانی سلسلہ کے خلیفہ ثانی ہیں بیان فرمائے۔ اسلئے ہم کہہ سکتے ہیں ـــ کہ یہ ترجمہ اور یہ تفسیر جماعت احمدیہ کے فہم قرآن کی صحیح ترجمانی کرنے والی ہے۔ موجودہ جلد کے بعد دو جلدیں اور شائع ہوکر یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیگا، اگر ہم اس کام کو اسلام کے ذوقِ علم تحقیق کی عظیم یادگار لکھکر پیش کریں تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ اس کی تیاری کے ہر مرحلہ پر مستند کتب تفسیر و لغت و تاریخ وغیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کتب کی طویل فہرست پڑھنے والے کو متاثر کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس ترجمہ و تفسیر کے تیار کرنے والوں نے نہ صرف تمام مشہور عربی تفسیروں کو زیر مطالعہ رکھا ہے۔ بلکہ ان کے ساتھ ساتھ یورپین مستشرقین

---

[۱] "حیات خیر الانبیاءؐ" صفحہ ۱۱۰ تا ۱۲۲ مؤلفہ مولانا شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی ناشر محمد احمد اکیڈمی رام گلی نمبر ۳ لاہور طبع اوّل ۱۹۶۲ء

نے تنقیدی رنگ میں جو کچھ لکھا ہے۔ اسے بھی مدنظر رکھا ہے۔ اگر صرف ترجمہ پر نظر ڈالی جائے تو کہنا پڑتا ہے۔ کہ ترجمہ کی انگریزی غلطیوں سے پاک اور بڑی پُر زور ہے۔

تفسیر سے پہلے جو دیباچہ ہے۔ ۲۷۵ ۵۰ بڑے سائز کے صفحات کا ہے اس کی چھپائی باریک ٹائپ کی ہے اس میں نبی اسلام حضرت محمدؐ کی پوری سوانح عمری درج ہے۔ قرآن شریف کس طرح نازل ہُوا۔ اور پھر کس طرح موجودہ شکل میں جمع ہُوا۔ اس کی تاریخ دی گئی۔ اصولی تعلیمات قرآن کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ غیر مسلم معترضین کے اعتراضوں کا رد بھی اس میں ہے۔ اور دوسرے مذاہب پر مناسب تنقید بھی۔ غیر مسلم پڑھنے والوں کو اس کے کئی حصے یکطرفہ اور متعصبانہ رنگ لئے ہوئے معلوم ہونگے۔ لیکن یاد رہے یہ حصے بھی خلوص نیت سے لکھے گئے ہیں۔ اور نہایت توجہ سے پڑھے جانے کے لائق ہیں۔ ان سے پتہ لگتا ہے کہ متقی اور اہل علم مسلمان جب دوسرے مذاہب کی روائتی تعلیموں پر اعتراض کرتے ہیں۔ تو ایسا کیوں کرتے ہیں ؟

اس ترجمہ اور تفسیر کی پہلی جلد ایسے وقت میں منظر عام پر آئی ہے۔ جبکہ جماعت احمدیہ ہندوستان میں شدید آلام و مصائب کا شکار ہو رہی ہے۔ ان مجنونانہ مظالم کی داستان زیادہ لوگوں کو معلوم ہونی چاہیئے۔ ہندوستان میں اقتدار کی منتقلی کا بھیانک پہلو یہی مظالم ہیں۔ لیکن جس طرح جماعت احمدیہ نے ان مظالم کا مقابلہ کیا۔ اس سے اُس صبر اور ثبات اور شجاعت کا ثبوت ملتا ہے جو اس جماعت کا شروع ہی سے طرۂ امتیاز رہا ہے دُنیا بھر کے نیک خیال لوگ دل سے چاہیں گے۔ کہ یہ شاندار ترجمہ و تفسیر جلد تکمیل کو پہنچے۔ علم اور تحقیق اور للہیت کے اس شاہکار کو کون ہے جو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھے گا؟

یہ شاندار کام حضرت مرزا البشیر الدین محمود کی زیر نگرانی سرانجام پایا ہے۔ جن کو مسیح موعود کا دوسرا جانشین اور خلیفہ کہا جاتا ہے اسے صدر انجمن احمدیہ قادیان ہندوستان نے شائع کیا ہے۔ ہمارے سامنے اس کی پہلی جلد ہے دو جلدیں اور شائع ہوں گی۔ اس پہلی جلد میں ۲۷۶ صفحات کا دیباچہ ہے۔ جس میں قرآن شریف کا تعارف کرایا گیا ہے۔ دیباچہ کے بعد ۹۷۰ صفحات میں آمنے سامنے کالموں میں متن قرآن اور اس کا انگریزی ترجمہ اور تفسیری نوٹ (حل لغات اور معانی دونوں پر مشتمل) درج کئے گئے ہیں۔ گویا ناظرین کے لئے قرآن فہمی کا بیش بہا سامان مہیا کیا گیا ہے

لیکن پھر بھی اس میں سے اکثر عربی نہ جاننے کی وجہ سے اس سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ اس لئے وہ تحریک اور تنظیم جس کی ہمت سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے ان کے لئے زیادہ کشش اور دلچسپی کا موجب ہوگی۔ سو مختصراً یہ کہہ دینا کافی ہے۔ کہ احمدیہ تحریک کی بنیاد حضرت مرزا غلام احمد نے پنجاب میں ۱۸۹۰ء میں رکھی۔ احمدی عقیدہ کے مطابق مرزا صاحب موصوف نے دعوے کیا کہ وہ وہی مہدی ہیں۔ جس کی آمد کی پیشگوئی نبی اکرم حضرت محمدؐ نے کی۔ اور وہ وہی مسیح ہیں جس کی آمد کی خبر بائبل میں اور اسلامی کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ خلیفہ ثانی (جن کی نگرانی میں یہ ترجمہ و تفسیر شائع ہوئی ہے) بانی احمدیت کے بیٹے ہیں۔ آپ خود ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے اور اب پاکستان میں آچکے ہیں۔ اور پاکستان میں رہتے ہیں۔ آپ کو بانی احمدیت کی پیشگوئیوں میں کلمۃ اللہ کہا گیا ہے۔ احمدیہ جماعت کا ایمان ہے کہ یورپ کا اکثر حصہ مسلمان ہو جائیگا۔ اور حضرت احمد مسیح موعود و مہدی معہود پر ایمان لے آئیگا۔ دوسرے مذاہب اپنا موجودہ مقام کھو بیٹھیں گے۔ ان کی جگہ اسلام اور احمدیت کا دور دورہ ہوگا حضرت احمد کے ماننے والے دنیا پر چھا جائیں گے۔ اور دوسرے مذاہب کے ماننے والے کمزوری اور کسمپرسی کی حالت میں آجائیں گے۔

احمدیہ جماعت کے کئی مرکز قائم ہو چکے ہیں۔ اور قرآن شریف کا یہ شاندار ایڈیشن اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے پاس کام کرنے کے وسائل کی کمی نہیں۔

ڈاکٹر چارلس ایس بریڈن امریکہ

ڈاکٹر چارلس ایس بریڈن صدر شعبہ تاریخ و ادب مذہبیات نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی ایونسٹن امریکہ نے لکھا:۔

"کتاب کی طباعت نہایت عمدہ ہے ٹائپ بھی اعلیٰ ہے اور سہولت سے پڑھا جا سکتا ہے بحیثیت مجموعی انگریزی زبان کے اسلامی لٹریچر میں یہ ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ جس کے لئے دنیا جماعت احمدیہ کی از حد ممنون ہے"۔

پروفیسر ایچ اے آر گب

پروفیسر ایچ اے آر گب نے لکھا:۔

"اس کے پڑھنے کے بعد میں نے اس کے ترجمہ کا مطالعہ کیا۔ یہ ترجمہ قرآن مجید کو انگریزی زبان کا جامہ پہنانے کی ہر سابقہ کوشش کے مقابلے میں زیادہ قابل تحسین ہے"۔

رچرڈ بیل رچرڈ بیل نے لکھا :۔ "زبان کے لحاظ سے اس کی انگریزی نقائص سے پاک ہے اور طباعت کی غلطیاں غیر معمولی طور پر کم ہیں ۔ یہ امر ظاہر ہے کہ جس حد تک ممکن ہوسکتا تھا قرآن کو مکمل طور پر پیش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا ۔ یقیناً قرآنی تعلیمات کو جامعیت کے ساتھ پیش کرنے کا یہ انداز جدت کا حامل اور ہر طرح تحسین کے قابل ہے ۔ اگر انجمن اقوام متحدہ اسمیں بیان کردہ اصولوں پر عمل پیرا ہوسکے تو یقیناً کسی حد تک وہ اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کرسکتی ہے ۔ تفسیر جامع ہے اور بہت حد تک روحانی افکار اور ان کی احسن تفہیم کی آئینہ دار ہے اگرچہ بعض تفصیلات ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں اختلافی بحث کا دروازہ کھل سکتا ہے تاہم اس امر کا اعتراف نہ کرنا احسان ناشناسی ہوگی کہ ایک عظیم اور قابل تحسین کوشش کا یہ پہلا ثمرہ ہے جو ہمیں (اس ترجمہ اور تفسیر کی شکل میں) میسر آیا ہے ۔ یہ کوشش مصنفین کے حق میں بلا شبہ ایک محبت آمیز شفقت کا درجہ رکھتی ہے ۔ قرآنی تعلیمات کو ایک ایسی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کہ جو موجودہ زمانہ کی ضروریات کے مناسب حال ہو روحانی زندگی اور تبلیغی جدوجہد کی آئینہ دار ہے اور مجموعی لحاظ سے روشن خیالی اور ترقی پسندی پر دلالت کرتی ہے"۔

ریجس بلاشہر پروفیسر ادبیات عربی ریجس بلاشہر پروفیسر ادبیات عربی مدرسۃ السنۃ شرقیہ پیرس نے مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا :۔ "یہ ترجمہ جیساکہ فرانسیسی زبان کی ایک مثال ہے "متن کا ہو بہو چربہ ہے"۔ ترجمہ کی یہ صحت جس سے قرآن کے مبہم اور مشکل مقامات کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے ۔ تعریف سے بالا ہے ۔ اس ترجمہ کے بارے میں یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اس سے قبل قرآن کریم کے یورپی زبانوں میں جس قدر تراجم ہوئے ہیں وہ اس اہتمام سے عاری ہیں کہ وہ لوگ بھی جو عربی متن کے ظاہری اور باطنی مطالب سے نابلد ہوں اس سے فائدہ اٹھاسکیں ۔ ہماری یہ خواہش ہے کہ ایسی کتاب (تفسیر) جو یورپ میں صحیفۂ اسلام کو مقبول بنانے میں تاریخی حیثیت اختیار کرے گی جلد سے جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے"

شامی پریس اور اکابر دمشق کا خراج تحسین مشہور مسیحی اخبار النصر نے لکھا کہ :۔ "جماعت احمدیہ نے امریکہ اور یورپ کے بڑے شہروں میں ثقافت اسلامیہ کی اشاعت کا نمایاں کام کیا ہے اور یہ کام لگاتار مبلغین کی روانگی سے

ہو رہا ہے اور مختلف کتب و اشتہارات کی اشاعت سے بھی جن کے ذریعہ فضائل اسلام اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو بیان کیا جاتا ہے۔

ہمیں قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ دیکھکر بہت ہی خوشی ہوئی ہے یہ ترجمہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ کی زیر نگرانی کیا گیا ہے۔ ترجمہ قرآن مجید جاذب نظر اور ناظرین کے لئے قرۃ العیون ہے۔ یہ ترجمہ بلند پایہ خیالات کا حامل ہے۔ کاغذ نہایت عمدہ ہے۔ قرآنی آیات ایک کالم میں درج ہیں اور دوسرے کالم میں بالمقابل انکا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ بعد ازاں مفصل تفسیر کی گئی ہے مطالعہ کرنے والا ان تفاسیر جدیدہ میں مستشرقین اور یورپین معاندین کے اعتراضات کے مفصل جوابات پاتا ہے . . . . یہ امر قابل ذکر ہے کہ امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب نے اس ترجمہ کے ساتھ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بھی تحریر فرمائی ہے اور یہ سیرت و ترجمہ بے نظیر ہیں"[1]

۳۔ "الاخبار" (دمشق) نے مندرجہ ذیل عنوان سے خبر شائع کی:۔

"جماعت احمدیہ کی طرف سے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ اپنی مثال آپ ہے"[2]

ملک میں جھوٹی افواہیں اور حضرت مصلح موعود کی طرف سے اس کا تجویز فرمودہ علاج

ملک کے سیاسی تغیرات کے باعث حکومت نے اعلانوں اور خبروں کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی تھی جس سے ملک میں ہر طرف جھوٹی افواہیں پھیلنا شروع ہو گئی تھیں جس پر حضرت مصلح موعود نے ۲۲ ہجرت / مئی ۱۳۲۶ہش / ۱۹۴۷ء کے خطبہ جمعہ میں ہی حکومت کو مشورہ دیا کہ بجائے اس کے کہ گورنمنٹ اخباروں پر خبروں کی اشاعت کے متعلق کوئی پابندیاں عائد کرے اسے چاہیئے کہ وہ ایسے موقع پر غلہ کو زیادہ دے بڑھا دے اور اخبارول میں جو جھوٹی خبریں شائع ہوں وہ عملہ ان جھوٹی خبروں کی تردید کرتا رہے . . . یا اس کا ایک طریق یہ تھا کہ گورنمنٹ خود سچی خبروں کو شائع کرا دیتی . . . یا پھر تیسرا طریق یہ تھا کہ واقعات اور خبریں تو حسب سابق اخبارات میں شائع ہوتی رہیں مگر ہندو اور مسلمان اخبارات کے متضاد بیانات کی موزو

---

[1] روزنامہ "النصر" ۱۲ ستمبر ۱۹۴۸ء اس اخبار کے ایڈیٹر الاستاذ ودیع فیلادی ہیں جو امریکن یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں۔ [2] الفضل ۲۸ نبوت / نومبر ۱۳۲۷ہش صفحہ ۵ سے ماخوذ (مضمون شیخ نور احمد صاحب منیر مبلغ بلاد عربیہ)

میں جو بھی سچا واقعہ ہوتا گورنمنٹ اس کی تصدیق کر دیتی اور اگر دونوں کی باتیں غلط ہوتیں تو گورنمنٹ دونوں کی تردید کر دیتی اس طریق سے یقیناً افواہیں اپنا بُرا اثر نہ پھیلا سکتیں ۔ ۔ ۔ جمہوری حکومتوں کا یہ طریق ہے کہ وہ ایسی خبروں کو نہیں روکتیں بلکہ جو خبر غلط ہوتی ہے اس کی تردید کر دیتی ہیں لیکن اصل مصلحت بھی اس بات میں ہوتی ہے کہ گورنمنٹ اخبار والوں سے کہہ دے کہ جو مرضی ہے شائع کرو لیکن اگر جھوٹی خبر شائع کی تو ہم تمہیں سزا دیں گے ۔ ۔ ۔ سزا کے لئے یہ ضروری نہیں کہ چھ ماہ یا سال یا دو سال کی قید ہی ہو بلکہ قید کی سزا دینے میں یہ نقص ہوتا ہے کہ اس طرح سزا بھگتنے سے ایک شخص قوم کا لیڈر اور سردار بن جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس نے قوم کی خاطر قید کاٹی میرے نزدیک ایسے اخبار کیلئے صرف یہی سزا کافی ہے کہ اس کے متعلق عدالت یہ فیصلہ کرے کہ اس نے فلاں جھوٹ بولا ۔ اور پھر اخبار والوں کو مجبور کیا جائے کہ تم اپنے اخبار میں یہ شائع کرو کہ میں نے فلاں معاملہ میں جھوٹ بولا تھا ۔ اصل خبر یہ تھی ۔ پس میرے نزدیک اخبارات کو پورا موقع دینا چاہیئے کہ وہ خبروں کو شائع کریں ۔ جب لوگوں کے پاس ساری خبریں پہنچ جائیں گی تو جھوٹی افواہیں فساد نہیں پھیلا سکیں گی ۔"[۵]

قادیان کے غیر احمدیوں اور غیر مسلموں کی حفاظت کا عہد

حضرت مصلح موعود نے اپنے بابرکت زمانہ خلافت میں ہمیشہ کوشش کی کہ قادیان میں امن قائم رہے اور دشمنوں کی اشتعال انگیزیوں اور فتنہ سامانیوں کے باوجود آپ کی یہ کوششیں ہمیشہ کامیاب رہیں اب جبکہ جلد ہی انگریز جا رہے تھے اور ملک کی باگ ڈور ملکی باشندوں کو سپرد ہونے والی تھی فرقہ وارانہ تلخیوں نے پورے ملک کی فضا کو مکدر کر دیا تھا ۔ ظاہر ہے کہ قادیان اور اس کا ماحول اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے ۲۳ ہجرت / مئی ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو ایک مفصل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں واضح لفظوں میں اعلان فرمایا کہ قادیان کے غیر احمدی ، سکھ اور ہندو ہماری امانتیں ہیں ہم اپنے عزیزوں سے بڑھ کر ان کی حفاظت کریں گے ۔ چنانچہ فرمایا :-

"یہ ایک حقیقت ہے کہ قادیان کے امن کی ذمہ داری درحقیقت مجھ پر عائد ہوتی ہے کیونکہ قادیان کی

؎۵ الفضل ۲۹ ہجرت / مئی ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء

۸۵ فیصدی آبادی احمدی ہے یعنی انہوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہوئی ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر حکم میں میری اطاعت کریں گے۔ اِن حالات میں قادیان کے امن کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور میں ایک انسان ہوں۔ غیب کا علم نہیں رکھتا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جماعت کا کوئی فرد کسی وقت اشتعال میں آکر کوئی غلطی کر بیٹھے اور اگر کوئی شخص ایسا کرے تو یہ اس کا ذاتی فعل ہوگا جماعت اس کے اس فعل سے بیزار ہوگی۔ ہماری جماعت کی انتہائی کوشش یہی ہوگی کہ قادیان میں کلی طور پر امن رہے لیکن اگر کوئی شخص میری ہدایات کے باوجود غلطی کرتا ہے تو یہ اس کی جزدی اور انفرادی غلطی ہوگی جماعت اس سے بری الذمہ ہوگی۔ ہاں چونکہ میں امن کی تعلیم دیتا ہوں یہ نہیں ہو سکتا کہ جماعت کی اکثریت فساد میں مبتلا ہو جائے لیکن اس کے ساتھ ہی جو باقی پندرہ فی صدی لوگ ہیں ان کا بھی فرض ہے کہ وہ اردگرد کے لوگوں کو سمجھائیں کہ وہ فساد نہ کریں اور اگر ان تمام باتوں کے باوجود خدانخواستہ باہر کے لوگ کوئی فساد کھڑا کریں تو اس فساد کی ذمہ داری ہم پر نہیں بلکہ دوسروں پر ہوگی۔ جو شخص کسی کے منہ پر تھپڑ مارتا ہے وہ اس کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کے منہ پر تھپڑ مارا جائے مگر ظالم کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ ایک طرف ظلم بھی کرتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی توقع رکھتا ہے کہ میرے منہ پر تھپڑ نہ مارا جائے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا تو کرتے ہیں کہ وہ ہمیں فساد سے محفوظ رکھے لیکن اگر خدانخواستہ فساد ہو گیا تو شرعاً اور اخلاقاً جماعت احمدیہ کا حق ہوگا کہ ظالم کے منہ پر اسی طرح تھپڑ مارے جیسا کہ اس نے مارا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مواقع پر ہم نے امن کو قائم رکھنے کے لئے بہت زیادہ نرمی اختیار کی ہے۔ احرار کی شورش کے ایام میں بھی میں نے کہا تھا کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ اسکے باپ یا بھائی کو مارا جا رہا ہے تو وہ بھی چپ کر کے گذر جائے لیکن اسلامی قانون یہ تقاضا نہیں کرتا کہ ہر موقع پر تم ایک ہی طریق اختیار کرو۔ نہ ہی اسلامی تمدن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر موقع پر خاموشی اختیار کی جائے بلکہ اسلام یہ کہتا ہے کہ مناسب حال جو موقع ہو ویسا کرو۔ پس میرا فرض ہے کہ میں قادیان میں امن قائم رکھوں لیکن اگر دشمن کی طرف سے حملہ ہو اور جماعت اس کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرے تو اس کا ذمہ دار دشمن ہوگا نہ جماعت احمدیہ۔ اور اس فساد کی ذمہ داری اس پر ہوگی نہ کہ جماعت احمدیہ پر۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اَلْبَادِیُ اَظْلَمُ اصل ظالم وہ ہوتا ہے جو فساد کی ابتداء کرتا ہے۔ پس تو ہم کوشش کر رہے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے صلح اور امن

کو قائم رکھا جائے اور ہم ارد گرد کے علاقہ میں بھی یہی کوشش کر رہے ہیں اور دو ڑنز دیک کے سب لوگوں کو سمجھا رہے ہیں کہ کوئی فریق ابتداء نہ کرے لیکن اس امر کو ہندو سکھ سب کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر فساد ہؤا تو صرف ہمارے لئے نہیں ہوگا بلکہ سب کے لئے ہوگا اور سب کو مل کر امن قائم رکھنے کی کوشش کرنا چاہیئے لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود ہم وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ فساد نہیں ہوگا اور ہماری کوششیں ضرور کامیاب ہوں گی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی جوشیلا فریق اشتعال میں آکر اخلاق اور روحانیت کا ظلم و استبداد کے استھان پر چڑھاوا چڑھا دے ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ قادیان فساد کی لپیٹ میں آجائے ہم اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ایسا وقت نہ آئے لیکن اگر خدانخواستہ فساد ہو جائے تو میں قادیان کے احمدی سے کہوں گا کہ بہادری اور جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے جان دیدو اور یہ ثابت کردو کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان کی قربانی سب سے آسان قربانی ہے۔ ہم کسی سے لڑنے کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ کبھی اس قسم کا خیال ہمارے دل میں آنا چاہیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ۔ تم دشمن سے لڑائی کی خواہش بھی نہ کرو اپنے خیالات امن اور صلح والے رکھو کیونکہ جس شخص کے دل میں لڑائی کے خیالات موجزن ہوں گے وہ ذرا سی بات سے ہی مشتعل ہو جائیگا اور جس شخص کے دل میں صلح و آشتی کے خیالات ہوں گے وہ جلدی مشتعل نہیں ہوگا۔ یہ قدرت کا ایک قانون ہے کہ انسان اپنی حالت کو یکدم نہیں بدل سکتا۔ فرض کرو کوئی شخص قہقہہ مار کر ہنس رہا ہو اور اسے یہ خبر دی جائے کہ تمہارا بیٹا مر گیا ہے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ اسی وقت یکدم رونا شروع کردے بلکہ اس کی ہنسی تھوڑی دیر میں رُکے گی۔ پھر وہ کچھ دیر کے بعد افسردہ ہوگا۔ پھر آنسو بہانا شروع کر دے گا اسی طرح جس شخص کے دل میں صلح و آشتی کے خیالات ہوں وہ یکدم مشتعل نہیں ہو سکتا۔ جب ریل اپنا کانٹا بدل لیتی ہے تو وہ بھی آہستہ ہو جاتی ہے اور سست رفتار ہو کر اُس جگہ سے گذرتی ہے۔ اگر وہ تیزی سے کانٹا بدلے تو اس کے الٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے فطرت انسانی کیلئے یہ قانون بنایا ہے کہ وہ اپنی حالت کو آہستہ آہستہ بدلتی ہے۔ اگر فوراً حالت بدل جاتی تو ہسٹیریا یا جنون ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ پس جو دماغ پہلے سے لڑائی کے خیالات میں منہمک ہوتا ہے وہ فوراً مشتعل ہو جاتا ہے۔ لیکن جس دماغ میں صلح اور امن کے خیالات ہوتے ہیں وہ کچھ دیر کے بعد مشتعل ہوتا ہے اور اتنی دیر میں مجرم کا جرم ثابت ہو جاتا ہے پس میں جماعت کو نصیحت

کرتا ہوں کہ فساد ہی سے نہ بچو بلکہ جھگڑے ذرا سے خیالات بھی اپنے دماغ میں پیدا نہ ہونے دو۔ لیکن ہماری تمام کوششوں کے باوجود جو ہم صلح اور امن کے قیام کے لئے کر رہے ہیں اگر کوئی ایسا واقعہ ہو جائے جو فساد کی بنیاد رکھنے والا ہو تو یاد رکھو کہ اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ یہ حرام اور ناجائز ہے کہ جرم کوئی کرے اور سزا کسی کو دی جائے ہماری شریعت ہمیں یہ حکم دیتی ہے کہ جہاں تم رہتے ہو وہاں تم ایک دوسرے کے لئے امانت ہو۔ اس لحاظ سے قادیان کے ہندو۔ سکھ اور غیر احمدی ہمارے لئے بمنزلہ امانت ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ان کی حفاظت کریں اور ہندو سکھ اور احمدی غیر احمدیوں کے لئے بمنزلہ امانت ہیں اور ان کا فرض ہے کہ ان کی حفاظت کریں اسی طرح جہاں ہندو یا سکھ زیادہ طاقت ور ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کی حفاظت کریں کیونکہ مسلمان ان کے پاس بطور امانت ہیں۔ اسلامی شریعت کے لحاظ سے ہر شریف انسان کا فرض ہے کہ وہ امانت کو دیانتداری سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔ پس اگر خدانخواستہ قادیان خطرے میں پڑے تو میں قادیان کے ہندوؤں اور سکھوں کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم ان کی اپنے عزیزوں سے بڑھ کر حفاظت کریں گے اور اپنی طاقت کے مطابق ہر ممکن ذریعہ سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں گے"۔[1]

مسلمانانِ ہند کو تدبیر کامل اور یقین کامل سے کام لینے کی پُر زور تلقین

حضرت مصلح موعود ایک طرف جماعت احمدیہ کو اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلا رہے تھے۔ تو دوسری طرف دوسرے مسلمانانِ ہند کو "نذیر مبین" کی حیثیت سے بیدار کر رہے تھے چنانچہ ۹ ہجرت ۱۳۲۶ ہش / ۹ مئی ۱۹۴۷ء کو حضور نے مجلس علم و عرفان میں مسلمانانِ ہند کو جھنجھوڑا کہ وہ اپنی ملّی زندگی کے نازک ترین دور میں داخل ہو چکے ہیں۔ انہیں شدید خطرے کے ان ایام میں تدبیر کامل اور یقین کامل سے کام لینا چاہیئے چنانچہ حضور نے فرمایا:۔

"ان ایام میں مسلمان ایک نہایت ہی نازک دَور میں سے گذر رہے ہیں اور ان کے اندر موجودہ حالات کی نزاکت کا اتنا احساس نہیں پایا جاتا جتنا کہ پایا جانا چاہیئے ...... ان ایام میں ہم دیکھتے ہیں کہ چاہے مسلمان پنجاب اور بنگال میں اکثریت رکھتے ہیں مگر جب کبھی حقوق کا سوال اٹھتا ہے یورپین قومیں دشمن کے حق میں اور ان کے خلاف رائے رکھتی ہیں اور انگلستان اور امریکہ وغیرہ سے بھی جو آواز اٹھتی ہے وہ عام

---

[1] الفضل ۹ ہجرت ۱۳۲۶ ہش (۲۹ مئی ۱۹۴۷ء)

طور پر مسلمانوں کے خلاف ہوتی ہے .... اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت انگلستان کے لوگوں کے مدِ نظر کوئی مصلحت ہے یا حکومت کی طرف سے انہیں ایسا کرنے کیلئے کوئی اشارہ ہے ... ادھر ہندوستان کے اندر انگریز افسر عام طور پر ہندوؤں اور سکھوں کی تائید کرتے ہیں مسلمانوں کی نہیں کرتے جہاں تک زیادتی اور ظلم کا سوال ہے اس کا دونوں قوموں نے ارتکاب کیا ہے ہم بُرے فعل کو ضرور بُرا کہیں گے مگر ہم ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ جہاں مسلمانوں پر ظلم ہوا ہے اس کے خلاف بھی آواز اٹھنی چاہیئے ... جو اٹھتا ہے وہ کہتا ہے نواکھلی کے مظالم کو دیکھو راولپنڈی اور ملتان کے مظالم کو دیکھو مگر یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ کبھی بہار، گڑھ مکتیسر، احمد آباد، امرتسر اور لاہور کے مظالم کو بھی دیکھو۔ یہ تمام چیزیں ایسی ہیں جو مسلمانوں کی آنکھ کھولنے کے لئے کافی ہیں اور وہ مسلمانوں کو اس خطرہ اور مصیبت سے آگاہ کر رہی ہیں جو اُن پر آنیوالا ہے مگر مسلمان ہیں کہ خواب خرگوش سے بیدار ہونے کا نام ہی نہیں لیتے زمانہ اُن کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا رہا ہے لیکن وہ جاگنے کا نام نہیں لیتے مصائب کے سیاہ بادل اُمڈے چلے آتے ہیں لیکن مسلمان اپنی آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں مخالفت کے طوفان ان کے سفینے پر بار بار تباہ کر دینے والی لہریں اچھالتے ہیں لیکن وہ ابھی تک یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ یہ سب کچھ خواب ہے... وہ اپنے وعدوں کی جھوٹی امید لگائے بیٹھے ہیں اور جب انہیں سمجھایا جائے کہ اس وقت مسلمانوں کو سخت خطرہ درپیش ہے تو کہیں گے نہ نہ نہ اس بات کا نام نہ لینا ورنہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائینگے اور ان کی دلیری جاتی رہے گی ...

میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلمان اپنے اندر ایک دوسرے کی ہمدردی کا جذبہ پیدا کرتے اور جہاں کہیں کسی مسلمان کو دکھ پہنچتا وہ جتھوں کی صورت میں اس کے پاس پہنچتے اس کے نقصان کی تلافی کرتے اور اس کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کرتے تو دشمن کبھی بھی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکتا مگر افسوس کہ وہ اپنی اصلاح کی طرف سے بالکل غافل بیٹھے ہیں اور دعووں پر دعوے کرتے جا رہے ہیں ... اب دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مسلمان ایسے ہیں جن پر کلی طور پر خوف کی حالت طاری ہے اور وہ امید کے راستہ سے بھٹک چکے ہیں وہ لوگ کانگرس کے سامنے ہاتھ جوڑ رہے ہیں اس ڈر سے کہ اگر کانگرس ہم سے ناراض ہوگئی تو خدا جانے ہم پر کونسی آفت ٹوٹ پڑے گی اور کانگرس کی مخالفت سے نہیں کیا کیا نقصانات برداشت کرنے پڑیں گے۔ پس ایک طبقہ مسلمانوں کا ایسا ہے

جو غلط خوف کی طرف جھکا ہوا ہے اور دوسرا طبقہ ایسا ہے جو غلط امیدیں لگائے بیٹھا ہے۔ حالانکہ مومن کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو راستہ تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس پر بیک وقت خوف و رجا کی حالت طاری رہے۔ ایک طرف اس کے دل میں دشمن کی طرف سے یہ خدشہ ہے کہ کب وہ اچانک اس پر حملہ کر دیتا ہے اور وہ اس کے لئے تدبیریں سوچتا رہے۔ دوسری طرف وہ اپنی طرف سے تمام تدبیریں کر چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل کا منتظر ہو جائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ سے ہجرت کی تو رات کے وقت کی اور آپ دشمن کی نظروں سے بالکل چھپ کر نکلے حالانکہ آپؐ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے آپؐ کو دشمن کے منصوبوں سے بچانے کے بے شمار وعدے تھے اور آپؐ نے ان وعدوں کے ہوتے ہوئے بھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضرور دشمنوں سے محفوظ و مصئون رکھے گا۔ حتی الامکان دشمن کی نظروں سے بچکر نکلنے کی کوشش کی۔ یہ نہیں کہا کہ آجاؤ مکے والو! مجھے پکڑ لو مگر اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آپ ڈرتے تھے بلکہ آپ نے صرف احتیاطی پہلو اختیار کیا تھا ورنہ آپ کی دلیری کا یہ عالم تھا کہ جب آپؐ اپنے رفیق حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ غار ثور کے اندر تھے تو دشمن عین غار کے منہ پر پہنچ گیا اور اس کے ساتھ کھوجی بھی تھے جو پاؤں کے نشانوں کا کھوج لگاتے وہاں تک پہنچے تھے مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ماتحت جب آپؐ غار کے اندر داخل ہو گئے تو ایک مکڑی نے غار کے منہ پر جھٹ جالا تن دیا۔ دشمنوں نے یہ دیکھکر کہ غار کے منہ پر تو مکڑی کا جالا ہے اس میں سے کسی آدمی کے گزرنے کا امکان نہیں ہو سکتا یہ خیال کر لیا کہ آپؐ کسی اور طرف چلے گئے ہیں حالانکہ مکڑی دو یا چار منٹ کے اندر نہایت تیزی کے ساتھ اپنا جالا تیار کر لیتی ہے اور میں نے خود مکڑی کو جالا تنتے دیکھا ہے مگر چونکہ خدا تعالیٰ پردہ ڈالنا چاہتا تھا اس لئے دشمن کی سمجھ میں ہی یہ بات نہ آسکی اور انہوں نے کہدیا کہ یا تو وہ غار کے اندر ہیں یا آسمان پر چلے گئے ہیں کیونکہ پاؤں کے نشانات غار تک پہنچکر ختم ہو جاتے تھے اس وقت جبکہ دشمن یہ کہہ رہے تھے کہ یا تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اس کا ساتھی غار کے اندر ہیں یا آسمان پر چلے گئے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اندر ان کی باتیں سن رہے تھے۔ ان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور آہستہ سے آپ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دشمن تو سر پر آپہنچا ہے۔ اس واقعہ کو قرآن کریم نے بھی بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

ابوبکرؓ ڈرتے کیوں ہو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے پس ایک طرف تو آپ نے اتنی احتیاط کی کہ آپؐ مکہ سے چھپ کر نکلے اور دوسری طرف آپ کی امید کا یہ عالم تھا کہ باوجود اس کے کہ دشمن ہتھیاروں سے مسلح تھا اور اگر وہ ذرا بھی جھک کر غار کے اندر دیکھتے تو وہ آپؐ کو دیکھ سکتے تھے کیونکہ غار ثور کا مُنہ بڑا چوڑا ہے اور زمین کے قریب ہے۔ آپ نہایت دلیری اور حوصلہ کے ساتھ فرماتے ہیں ابوبکرؓ ڈرتے کیوں ہو اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا جب خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے تو ہمیں کس بات کا ڈر ہے۔ ادھر حضرت ابوبکرؓ کے اخلاص کی یہ حالت تھی کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنے لئے تو نہیں ڈر رہا میں تو اس لئے ڈر رہا ہوں کہ اگر آپ خدانخواستہ مارے گئے تو خدا تعالیٰ کا دین تباہ ہو جائے گا۔" نیز فرمایا "پس آپ کو ایک طرف تو خدا تعالیٰ کے وعدوں پر پورا اور کامل یقین تھا اور دوسری طرف یہ سمجھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ غنی بھی ہے۔ آپ کو خوف بھی تھا مگر اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ احتیاط کی طرف سے کلی طور پر پہلو تہی کرتے ہوئے صرف امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرماتے ہیں مومن کو امید کی بھی اور احتیاط کی بھی سخت ضرورت ہے مگر مسلمان کہتے ہیں دیکھا جائیگا آجکل کے مسلمان دونوں حدود کے سر پر پہنچے ہوئے ہیں حالانکہ اصل طریق جو اُن کو اختیار کرنا چاہئیے وہ یہ ہے کہ خوف اور امید کی درمیانی راہ تلاش کریں اور خدا تعالےٰ کے بتائے ہوئے راستوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تجویزوں پر عمل کریں۔ ایک طرف انہیں انتہا درجہ کی تنظیم کرنی چاہئیے اور دوسری طرف خدا تعالےٰ پر کامل یقین رکھنا چاہئیے۔"[سلہ]

تمام احمدی بالغ مردوں اور عورتوں کو باقاعدہ تہجد پڑھنے کی تحریک

حضرت مصلح موعود نے ۱۳/احسان/جون ۱۳۲۶ہش ۱۹۴۷ء کے خطبہ جمعہ میں احباب جماعت کو ملک کی تشویشناک صورت حال کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:- "آجکل ہمارے ملک پر ابتلا کے بعد ابتلا آرہا ہے ہر آنے والا معاملہ پہلے کی نسبت زیادہ سنگین اور شدید صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اسوقت تقسیم ملک کا سوال درپیش ہے اور اس کے متعلق جس جس رنگ میں تجویزیں پیش ہو رہی ہیں۔ اُن کو دیکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ ہمارا ملک کہیں ایسی شکل نہ اختیار کر جائے جیسا کہ ہزار پائے کے پاؤں ہوتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ ملک کے چھوٹے چھوٹے حصے کر دیئے گئے تو کوئی حصہ بھی آزادی کے

سلہ الفضل ۱۷/احسان/جون ۱۳۲۶ہش

ساتھ ترقی نہیں کر سکے گا۔ اگر یہی جوش و خروش رہا تو ملک کا چھوٹے چھوٹے حصّوں میں تقسیم ہو جانا کوئی بعید از قیاس بات نہیں۔ درحقیقت یہ تقسیم ایسے رنگ میں ہونی چاہیئے کہ ملک کے باشندوں کے لئے آرام دہ اور نفع مند ثابت ہو لیکن جیسا کہ میں نے اس سے قبل کئی دفعہ بتایا ہے ان باتوں میں ہمارا کوئی دخل نہیں کیونکہ ہم تو ایک اقلیت ہیں اور فیصلہ اکثریت نے کرنا ہے ۔۔۔ ہم جو بات سیاسی مشورہ کے طور پر بیان کرتے ہیں وہ محض لوگوں کی بہتری اور بہبودی کے لئے بیان کرتے ہیں ورنہ سیاسی طور پر ہم اسے جاری نہیں کر سکتے کیونکہ اگر ہماری جماعت سیاسی کاموں میں لگ جائے تو دین کا خانہ خالی رہ جائے اور مذہب کا پہلو کمزور ہو جائے"

ازاں بعد حضور نے احمدی بالغ مردوں اور عورتوں کو باقاعدہ تہجد پڑھنے اور دعائیں کرنے کی خصوصی تحریک کی چنانچہ فرمایا:۔ "ان حالات میں ہمارے لئے صرف ایک ہی صورت رہ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے دن رات دعائیں کریں جیسا کہ آج تک ہماری جماعت ایسے نازک موقعوں پر ہمیشہ دعائیں کرتی رہی ہے اور اکثر اوقات اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کی دعاؤں کو قبول فرمایا ہے یہ موقع بھی نہایت نازک مواقع میں سے ہے اس لئے تمام جماعت کو التزام کے ساتھ یہ دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو ان ناقابل برداشت فتنوں سے بچائے عام طور پر ہمارے ملک کے لوگ جغرافیہ سے ناواقف ہیں اور اس وجہ سے وہ ایسی باتوں کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے اب بھی جو صورت حالات پیدا ہونے والی ہے آپ لوگ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ کیونکہ آپ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے نقشے نہیں لیکن میری آنکھوں کے سامنے سب نقشے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں کہ کس میدان میں لڑائی لڑی جا رہی ہے اگر اس قسم کے خطرناک اقدام کئے گئے تو اس سے دونوں فریق ہی نقصان اٹھائیں گے میں سمجھتا ہوں کہ ملک کے بٹوارے سے زیادہ مصیبت ان حد بندیوں کی وجہ سے پیدا ہو گی اور ملک کی آزادی پہلی غلامی سے بھی بدتر ہو گی ۔۔۔ حکومتوں کی تبدیلی عوام الناس پر اتنی اثر انداز نہیں ہوتی جتنی کہ سرحدوں کی تبدیلی ان پر اثر انداز ہوتی ہے اس قسم کے بٹوارے کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسا کہ دو ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کر دیا جائے ۔۔۔ پس ان تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہماری جماعت کو خصوصیت کے ساتھ دعائیں کرنی چاہئیں بلکہ تمام بالغ مرد اور عورتوں کو تہجد کیلئے اٹھنا چاہیئے اور اگر زیادہ نہیں تو دو نفل ہی پڑھ لینے چاہئیں اور جو مرد اور عورتیں اس سے پہلے تہجد نہیں پڑھتے انہیں باقاعدگی کے ساتھ تہجد پڑھنی شروع کر دینی چاہیئے اور نہایت تضرع اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان مشکلات کا حل پیدا کرے اور یہ مصیبت ہمارے ملک کے لئے باعث رحمت بن جائے" (الفضل ۱۲ / احسان ۱۳۲۶ ہش / ۱۲ جون ۱۹۴۷ء)

فصل ششم

چار ممتاز اور مشہور بزرگوں کی المناک رحلت

اس سال (تقسیم ہند سے قبل) جماعت احمدیہ کو یکے بعد دیگرے چار ایسے ممتاز اور مشہور بزرگوں کی مفارقت کے پے در پے صدمات سہنے پڑے جن کی پوری زندگی اسلام اور احمدیت کی بے لوث خدمت میں گذری اور جن کا وجود سلسلہ احمدیہ کے لئے آیۂ رحمت تھا۔ ان بزرگوں کے نام یہ ہیں:۔

۱۔حضرت سیٹھ محمد غوث صاحب رضؓ حیدر آبادی (وفات ۲۸ تبلیغ/فروری ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء بعمر قریباً ۷۰ سال)[1]

۲۔حضرت بابو عبدالرحمٰن صاحب رضؓ امیر جماعت احمدیہ انبالہ (وفات ۱۱ امان/مارچ ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء)[2]

۳۔حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب رضؓ (وفات ۳ احسان/جون ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء)[3]

۴۔حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضؓ (وفات ۱۸ وفا/جولائی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء)[4]

ان بزرگوں کے مختصر سوانح ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

حضرت سیٹھ محمد غوث صاحب حیدر آبادی

حضرت سیٹھ صاحب ایک تجارت پیشہ خاندان میں پیدا ہوئے آپ حضرت سیٹھ شیخ حسن صاحب احمدی (صحابی) یادگیر کے چچازاد بھائی تھے اور انہی کی تحریک و تبلیغ سے خلافت اولیٰ میں احمدیت سے منسلک ہوئے۔

حضرت سیٹھ صاحب نے بیعت کے بعد جس احساس و اضطراب کو اپنے اندر پایا وہ حضرت مسیح موعود کے عصر سعادت کو پانے کے باوجود اس کی برکات سے محروم رہ جانے کا کرب تھا۔ یہ احساس انہیں ہر وقت بیقرار رکھتا۔ یہی عاشقانہ جذبہ ان کو صحابہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کرتے وقت بیتاب کر دیتا۔ اور جیسا کہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضؓ نے ان کے مفصل سوانح میں لکھا ہے اس خصوص میں ان کی حالت حضرت منشی اروڑے خاں صاحب رضی اللہ عنہ سے ملتی ہے جو بعد وصال مسیح موعود ہونے کے سکے نذر پیش

---

[1] "الفضل" ۹ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۵؛ [2] "الفضل" یکم شہادت/اپریل ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴ کالم ۳-۴؛
[3] " ۱۴ احسان/جون " صفحہ ۸؛ [4] " ۱۹ وفا/جولائی " صفحہ ۱؛

کرنے کے لئے آئے اور بیتاب ہو گئے۔[1]

حضرت سیٹھ صاحبؓ نے اپنے ایمان کی ترقی اور اس متاعِ گم گشتہ کو پانے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اہلبیت خصوصاً حضرت مصلح موعود سے محبّت و اخلاص اور فدائیت و شیدائیت میں یہانتک ترقی کی اور اپنے مخلصانہ تعلق کو اس قدر بڑھایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود اور دوسرے افراد خاندانِ مسیح محمدی علیہ السلام نے انہیں اپنے خاندان ہی کا فرد سمجھا اور بارہا اپنی تقریروں اور مختلف تقریبوں میں اس کا اظہار بھی فرمایا۔[2]

حضرت مصلح موعود نے ۴؍ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کو نماز جمعہ کے بعد آپ کا جنازہ غائب پڑھایا اور خطبہ ثانیہ میں آپ کی نسبت فرمایا:-

"حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں میری ان سے واقفیت ہوئی اور مَیں جب حج کے لئے گیا تو مَیں نے ان کو بمبئی میں دیکھا کہ اس وقت انہوں نے ایسے اخلاص اور محبت کا ثبوت دیا کہ اس وقت سے اُن کے تعلقات میرے ساتھ خانۂ واحد کے تعلقات ہو گئے مَیں اپنے سامان کی تیاری کے لئے جہاں جاتا وہ سائے کی طرح میرے ساتھ لگے رہتے اور جہاز تک انہوں نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اُن کا اخلاص اتنا گہرا تھا۔ کہ عبدالحی صاحب عرب نے (جن کو مَیں اپنے ساتھ بطور ساتھی لے گیا تھا) ایک دفعہ پانی پینے کے لئے ایک خوبصورت گلاس نکالا۔ مَیں نے اُن سے پوچھا کہ یہ پہلے تو آپ کے پاس نہیں تھا اب آپ نے کہاں سے لیا ہے۔ تو انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے سیٹھ صاحب نے لے کر دیا تھا کہ جب اس میں پانی پیو گے تو مَیں یاد آجاؤں گا اس وقت ان کو میرے لئے دُعا کے لئے یاد کرا دینا۔ دوسری دفعہ جب مَیں بمبئی گیا تو سیٹھ صاحب پھر حیدر آباد سے بمبئی پہنچ گئے حالانکہ حیدر آباد سے بمبئی بارہ چودہ گھنٹے کا راستہ ہے لیکن پتہ چلتے ہی فوراً وہاں پہنچ گئے اور آخر دن تک ساتھ رہے بلکہ مجھے اُن کا ایک لطیفہ اب تک یاد ہے۔ وہ ایسے ساتھ ہو لئے کہ ان کا ساتھ دینا گراں گذرنے لگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم جہاں جاتے کھانے کا وقت آتا وہ اسی جگہ کسی اچھے سے ہوٹل میں تمام قافلہ

---

[1] "الفضل" ۱۱؍ شہادت/اپریل و ۵؍ وفا/جولائی ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء (مضمون حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی)۔

[2] ملاحظہ ہو تاریخ احمدیت جلد ششم صفحہ ۶۱۹ و تاریخ احمدیت جلد نہم صفحہ ۲۴۲۔

کے لئے کھانے کا انتظام کر دیتے اور کھانا کھانے پر مجبور کرتے۔ آخر میرے دل میں خیال آیا کہ اب تو حد سے زیادہ مہمان نوازی ہو گئی ہے۔ ایک دن میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آپ لوگ سیٹھ صاحب کو کیوں ساتھ لے لیتے ہیں۔ وہ جہاں جاتے ہیں وہیں کھانے کا انتظام کر دیتے ہیں اور اب تو مہمان نوازی بہت لمبی ہو چکی ہے۔ چنانچہ یہ طے ہوا کہ آج وقت سے دو گھنٹے پہلے ہی یہاں سے نکل جائیں تاکہ جب سیٹھ صاحب آئیں تو اُن کو ہمارے متعلق علم نہ ہو سکے۔ ہم لوگ موٹروں میں بیٹھ کر دو گھنٹے پہلے ہی گھر سے روانہ ہو گئے۔ کچھ دُور جا کر پھر ہم ریل میں سوار ہوئے۔ جب ریل اس سٹیشن پر جا کر کھڑی ہوئی جہاں ہم نے اُترنا تھا تو ہم نے دیکھا کہ سیٹھ صاحب بھی وہاں کھڑے ہیں۔ جب ہم اُترے تو انہوں نے آتے ہی السّلام علیکم کہا اور کہا چلئے کھانا تیار ہے۔ ہم حیران ہوئے کہ ان کو ہمارے پروگرام کا کس طرح علم ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے جب بھی بمبئی جانے کا اتفاق ہوا سیٹھ صاحب بھی بمبئی پہنچ جاتے اور قیام کے دوران میں میرے ساتھ رہتے۔ اس عرصہ میں ان کی بیویوں کے میری بیویوں سے اور ان کی بچیوں کے میری بچیوں سے اور میرے بچوں کے اُن کے بچوں سے تعلّقات ہو گئے اور آہستہ آہستہ یہ تعلّقات ایک گھر کی مانند ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُن کے بچّوں اور بچیوں میں بھی بہت اخلاص ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کو سلسلہ کی خدمت کرنے کی توفیق دے رہا ہے۔ ان کے بڑے لڑکے محمد اعظم صاحب سکرٹری مال ہیں اور جماعت کے معیار کو بلند کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے بیٹے معین الدین صاحب ہیں۔ وہ حیدر آباد میں خدام الاحمدیہ کے قائد ہیں اور تیسرا بچہ ابھی چھوٹا ہے اور تعلیم حاصل کر رہا ہے اور ان کی لڑکیوں کے میری بیوی امۃ الحیٔ مرحومہ سے بھی بہت تعلقات تھے۔"[1] [2]

---

[1] "الفضل" ۲۔ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ ۵

[2] حضرت سیدنا المصلح الموعود نے آپ کے بارے میں ۱۲۔ تبلیغ/فروری ۱۳۳۰ ہش/۱۹۵۱ء کے خطبہ جمعہ میں یہ واقعہ بھی بیان فرمایا تھا:۔

"ایک جلسہ پر میں نماز پڑھانے لگا۔ عموماً لوگوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ نماز میں میرے ساتھ کھڑے ہوں۔ سیٹھ غلام غوث (محمد غوث) مرحوم جو حیدر آباد دکن کے رہنے والے تھے نہایت مخلص احمدی تھے۔ ان کے بیٹے سیٹھ محمد اعظم صاحب بھی نہایت مخلص نوجوان ہیں اور جماعت حیدر آباد دکن کے سکرٹری مال ہیں سارا خاندان ہی مخلص ہے۔ ان کا وطن قادیان سے ضرور بارہ سو میل فاصلہ پر ہے۔ وہ جب جلسہ پر آتے تو نماز میں میرے ساتھ کھڑے ہوتے تاکہ انہیں دعائیں کرنے کا زیادہ موقعہ مل سکے۔ اس جلسہ پر کے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت بابو عبد الرحمٰن صاحبؓ امیر جماعت احمدیہ انبالہ

حضرت بابو عبد الرحمٰن صاحب انبالوی اپنی سوانح اور قبول احمدیت کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجھ کو میرے والد مرحوم و مغفور سے معلوم ہوا کہ اندازاً یہ عاجز ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوا یعنی غدر دہلی ۱۸۵۷ء سے نو سال بعد . . . حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام جب انبالہ چھاؤنی تشریف لائے تھے تو والد صاحب مرحوم بھی حضور کی زیارت کو گئے تھے۔ اس وقت حضرت صاحب نے دعویٰ نہیں کیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ والد صاحب نے آکر فرمایا کہ مرزا صاحب اہلِ حدیث کے بڑے جیّد عالم ہیں . . ."

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے حضرت بابو صاحبؓ کا جنازہ غائب بھی ۷؍ ماہ شہادت/اپریل ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو نماز جمعہ کے بعد پڑھایا اور خطبہ ثانیہ میں سب سے اول آپ کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"بابو عبد الرحمٰن صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے صحابی تھے اور نہایت نیک اور مخلص انسان تھے۔ منشی رستم علی صاحب کی تبلیغ سے آپ احمدی ہوئے اور پھر اس کے بعد تمام عمر جماعت کی تربیت میں مصروف رہے۔ ان کی زندگی نیکی اور تقویٰ کی ایک مثال تھی۔ ایسے لوگوں کا گذر جانا قوم کے لئے ابتلاء کا موجب ہوتا ہے اور آنے والی نسلوں کا فرض ہوتا ہے کہ ان کی یاد کو اپنے دلوں میں تازہ رکھیں اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور ان کے روحانی وجود کو دنیا میں قائم رکھیں" [۱]

غضنفرِ احمدیت حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ

حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب جنہیں حضرت مسیح موعودؑ نے اعجاز احمدی میں "غضنفر" (شیر) کے لقب سے ملقب فرمایا حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ اس خاندان کی شاخیں خانیار (کشمیر)، داتہ، سچی کوٹ، پیر کوٹ، پشاور، مظفر آباد،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) موقعہ پر بھی وہ میرے ساتھ کھڑے تھے کہ گجرات کے ایک احمدی آگے بڑھے اور انہیں پیچھے دھکیل کر کہنے لگے کہ آپ لوگوں کو تو یہ موقع روز ملتا ہے۔ ہم لوگ دور سے آتے ہیں ہمیں بھی حضور کے ساتھ کھڑا ہونے کا موقع دیں۔ اب گجرات قادیان سے ۷۰۔ ۸۰ میل پر واقعہ ہے اور حیدر آباد دکن اور قادیان کے درمیان ہزار بارہ سو میل کا فاصلہ ہے لیکن انہوں نے بغیر تحقیقات کے اسے اپنا حق سمجھ لیا"
("الفضل" ۲۹ شہادت/اپریل ۱۳۴۰ ہش/۱۹۶۱ء)

[۱] "الفضل" ۲؍ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲ ۞ ایضاً "الفضل" ۹؍ جنوری ۱۹۲۴ء

حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ
سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار مبارک پر
دعا کر رہے ہیں (آپ کے ساتھ چوہدری محمد طفیل
صاحب کھڑیانوالہ ضلع لائل پور)

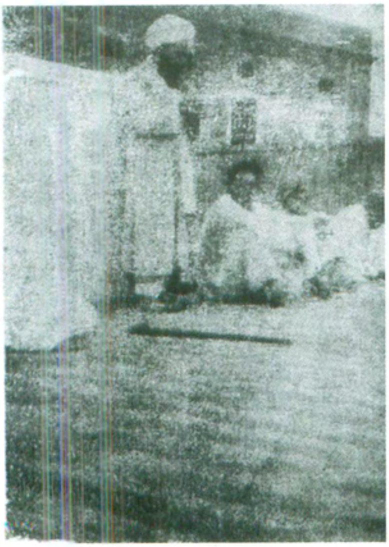

حضرت مولانا صاحبؓ مسجد اقصیٰ قادیان میں درس دے رہے ہیں۔
(پیچھے حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی قبر ہے)

جہانگیر آباد (دکن)، گھنڈی، نورسیری، کٹھائی۔ لباسی، سندگراں، بوئی، دہنی، انبور اور سیالکوٹ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس خاندان کے ایک درخشندہ گوہر اور مشہور بزرگ حضرت سیّد شاہ محمد غوث صاحب کا مزار لاہور میں ہے۔

حضرت مولانا محمد سرور شاہ صاحب ستمبر ۱۸۷۳ء کے لگ بھگ موضع گھنڈی ضلع مظفر آباد میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ دینی تعلیم ہندوستان کی مشہور درسگاہ دیوبند سے حاصل کی۔ دوم مدرّس مولوی خلیل الرحمٰن انبیٹھوی نے آپ کو سند دی جس میں مولوی محمود حسن صاحب اوّل مدرّس نے تحریر کیا تھا کہ مَیں تیس سال سے اس مدرسہ میں پڑھا رہا ہوں۔ اس عرصہ میں تین بے مثل طالب علم میرے پاس آئے ہیں۔ ایک مولوی محمد بنگالی کہ اسے اعتراض پیدا کرنے میں بہت کمال حاصل تھا جس بات کے متعلق ہمارے وہم میں بھی یہ بات نہ آتی ہو کہ اس پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے اس میں بھی وہ کوئی اعتراض پیدا کر لیتے تھے۔ دوسرے پنجابی مولوی کہ مشکل اور پیچیدہ عبارت کو بھی بہت صحیح طور پر حل کر لیتے تھے اور تیسرے سرور شاہ صاحب کہ ان کا ذہن کبھی غلط بات کی طرف جاتا ہی نہیں جو نئی بات کہتے ہیں وہ نہایت معقول ہوتی ہے۔ لیکن حضرت مولوی صاحب نے یہ سند واپس کر دی اور کہا کہ آپ یہ دُعا کریں کہ جو سند اللہ تعالیٰ نے مجھے دی ہے وہ سند قائم رہے اور زبان پکڑ کر بتایا کہ یہ میری سند ہے۔

ایبٹ آباد میں ایک دوست بابو غلام محی الدین احمدی تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے زمانہ میں وفات پا گئے تھے۔ حضرت مولوی صاحب نے ان سے بیعت پر آمادگی کا اظہار کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ سردست آپ بیعت نہ کریں۔ اس علاقہ کے لوگ ہنوز احمدیت سے بکلّی ناآشنا ہیں اور اگر آپ نے بیعت کر لی تو یہ لوگ آپ سے فائدہ نہیں اُٹھا سکیں گے بلکہ مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ لیکن اگر آپ اسی حالت پر رہ کر انہیں سمجھاتے رہیں گے تو جب آپ بیعت کریں گے۔ سب نہیں تو اکثر آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں گے مگر حضرت مولانا صاحب کی طبیعت اسے پسند نہ کرتی تھی اور تاخیر برداشت سے باہر تھی۔ آخر آپ نے مناسب سمجھا کہ حضور سے مشورہ لے کر اس پر عمل کریں۔ چنانچہ آپ نے لکھا کہ یہ امر یقینی ہے کہ میرے اعلان احمدیت پر یہ لوگ میرے مخالف ہو جائیں گے اور اس ملازمت سے برخاست کر دیں گے۔ برخاستگی مجھے ناپسند ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ پہلے استعفیٰ دوں اور پھر اعلان کروں۔ احمدی احباب مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ دو تین ماہ تک اسی حالت میں رہوں اور اس کے بعد بیعت کروں۔ لیکن مَیں چاہتا ہوں کہ حق اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھول دیا ہے اور مَیں بیعت کر لوں۔ آپ کو حضرت مولوی عبدالکریم رضی اللہ عنہ کے قلم سے حضور علیہ السّلام کا جواب ملا کہ احمدی احباب کا مذکورہ مشورہ صحیح نہیں کیونکہ اپنے نفس کا حق اپنے اُوپر دوسروں سے زیادہ ہوتا ہے اس لئے اپنی اصلاح

لہ اصحاب احمد جلد پنجم حصہ دوم صفحہ ۱۰۱

دُوسروں کی اصلاح سے مقدم ہوتی ہے۔ پس آپ فوراً بیعت کا اعلان کر دیں اور استعفیٰ کے متعلق خیال صحیح نہیں۔ شریعت کا حکم ہے اَلْاِقَامَۃُ فِیْمَا اَقَامَ اللّٰہُ۔ اور اگر کوئی اس کے خلاف کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے گذارہ کو خود چھوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو میں نے دیا تھا وہ تم نے چھوڑ دیا اب تم خود اپنے لئے کچھ کرو اور انسان ابتلاء میں پڑ جاتا ہے۔ لیکن اگر خدا خود چھڑا دیتا ہے تو پھر وہ خود کفیل ہوتا اور اس کے لئے کوئی صورت نکال دیتا ہے۔ پس آپ استعفیٰ مت دیں اور جب وہ نکال دیں گے تو اللہ تعالیٰ کوئی اور انتظام کر دیگا۔

چنانچہ ظہر کی نماز پڑھا کر آپ حنفی طریق پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ پڑھ رہے تھے کہ کسی نے حضور کا مذکورہ خط آپ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ پہلا لفظ یہ تھا کہ آپ فوراً بیعت کا اعلان کر دیں۔ آپ نے اتنا پڑھ کر اگلا حصہ پڑھے بغیر کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دیا کہ میری بیعت کی قبولیت کا خط قادیان سے آگیا ہے اور آج سے مَیں احمدی ہوگیا ہوں۔ اور مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ تم لوگوں نے میری امامت میں جتنی نمازیں پڑھی ہیں اُن میں سے زیادہ قابل قدر اور لائق قبولیت وہ ہیں جو میرے احمدی ہونے کے بعد آپ نے میرے پیچھے پڑھی ہیں۔ لیکن اگر تعصب کی وجہ سے کسی کو نماز دوہرانے کا شوق ہو تو وہ اپنی نماز دُہرا سکتا ہے۔

آپ کے اعلان بیعت کے بعد ایبٹ آباد بلکہ علاقہ بھر میں شور پڑ گیا۔ یہ ۶ مارچ ۱۸۹۷ء سے قبل کا واقعہ ہے ایبٹ آباد میں آپ جامع مسجد کے مدرسہ میں پڑھاتے تھے اور پچیس روپے اور کھانا معاوضہ ملتا تھا۔ لیکن جب آپ پشاور میں آگئے تو مشن کالج سے ایک سَو روپیہ اور پادری ڈے سے اسّی روپے ماہوار یعنی کُل ایک سَو اسّی ۱۸۰ روپے ملتے تھے۔ اس کے بعد آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت سے اپریل یا مئی ۱۹۰۱ء میں مستقل طور پر قادیان ہجرت کر کے آگئے اور نہایت قلیل گذارہ پر قانع ہو کر نہایت درجہ خلوص، فدائیت کے ساتھ سلسلہ کی اہم علمی خدمات بجالانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے خلوص میں بے اندازہ برکت ڈالی اور آپ کو مسلسل چھیالیس سال تک نہایت جلیل القدر اور بے شمار خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا ہوئی مثلاً سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے عہد مبارک میں آپ نے مدرسہ تعلیم الاسلام میں تدریس کے فرائض انجام دیئے اور موضع مُدّ میں مولوی ثناء اللہ صاحب سے کامیاب مناظرہ کیا۔ قائمقام نائب ناظم بہشتی مقبرہ، رسالہ تعلیم الاسلام اور رسالہ تفسیر القرآن کی ادارت میں مصروف عمل ہوئے

خلافتِ اولیٰ میں مدرّس و پروفیسر کے فرائض کے علاوہ تبلیغ احمدیت کی۔ ہندوستان کی مختلف اسلامی

درسگاہوں کا معائنہ و مطالعہ کیا۔ امام الصلوٰۃ و خطیب جمعہ کی حیثیت سے کام کیا ۔ مجلس برائے نصاب مدرسہ احمدیہ کے رُکن منتخب ہوئے۔ رسالہ تفسیر القرآن کے بدستور مدیر رہے۔

خلافتِ ثانیہ میں رُکن مجلس معتمدین و افسر مدرسہ احمدیہ، پروفیسر اعلیٰ، سیکرٹری بہشتی مقبرہ، جنرل سیکرٹری، ناظر تعلیم و تربیت، سیکرٹری مجلس منتظمہ جلسہ سالانہ، ناظم جلسہ اندرونِ شہر، افسر بیت المال، رُکنِ شوریٰ، ۱۹۲۴ء کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبر، افسر مساجد مرکزیہ، مفتی سلسلہ، پرنسپل جامعہ احمدیہ اور پرنسپل جامعۃ الواقفین۔ غرضیکہ متعدد شعبوں کے انچارج کی حیثیت سے مثالی کام کیا اور ہر شعبہ کو اپنے ایثار خلوص، محنت اور دُعاؤں سے نمایاں ترقی دی اور آنے والی نسلوں کے لئے خدمت دین کا ایسا فقید المثال شاندار نمونہ قائم کیا جو رہتی دُنیا تک مشعلِ راہ کی حیثیت سے یادگار رہے گا۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین سیّدنا المصلح الموعود نے حضرت مولانا صاحب کے وصال کے تیسرے روز ۱۲ احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو ایک مفصل خطبہ دیا جس میں آپ کے سنہری کارناموں پر نہایت شرح و بسط سے روشنی ڈالی اور فرمایا:۔

”اُس زمانہ میں ہماری جماعت میں کوئی اچھے پایہ کا فلسفی اور منطقی دماغ رکھنے والا آدمی نہ تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے مولوی سیّد محمد سرور شاہ صاحب کو ہدایت دے دی اور وہ آپ پر ایمان لے آئے اس کے بعد آپ پشاور میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد قادیان کی محبت نے غلبہ کیا۔ اور آپ قادیان تشریف لے آئے اور دستی بیعت کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی صاحب سے فرمایا۔ آپ یہیں رہ جائیں چنانچہ آپ یہیں رہنے لگ گئے۔ بعض لوگوں نے زور دیا کہ مولوی صاحب کالج میں پروفیسر ہیں اور اچھی جگہ کام کر رہے ہیں ان کی ملازمت سے سلسلہ کو فائدہ ہوگا اور ان کے ذریعہ تبلیغ ہوگی چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد مولوی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اجازت لے کر واپس آگئے اور قادیان میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں مولوی صاحب کا مُدّ کا مباحثہ مشہور چیز ہے۔

اس زمانہ میں مولوی صاحب مدرسہ احمدیہ میں پڑھایا کرتے تھے۔ آپ نے کالج کی پروفیسری چھوڑ کر سکول کی مدرسی اختیار کی۔ اس وقت آپ کو پندرہ بیس روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ مَیں بھی اُن دنوں سکول میں پڑھتا تھا اور کچھ عرصہ مَیں نے بھی مولوی صاحب سے تعلیم حاصل کی ہے .....

. . . جب مدرسہ احمدیہ کالج کی شکل اختیار کر گیا تو آپ کو اس کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ یہ حالت ان کی قابلیت کے معیار کے کسی حد تک مطابق تھی۔ظاہری لحاظ سے مدرسی تعلیم میں مولوی صاحب سب سے زیادہ ماہر فن تھے۔ میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ درسی کتب کے بعض مشکل مقامات کے متعلق مولوی سید سرور شاہ صاحب سے فرماتے کہ آپ اس کا مطالعہ کر کے پڑھائیں مجھے اس کی مشق نہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب وہ مشکل مقامات طالب علموں کو پڑھاتے۔ مجھے یاد ہے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے سیبویہ کتاب کے متعلق بھی مولوی صاحب کو فرمایا کہ اس کے بعض مقامات مجھ پر حل نہیں ہوئے۔ اس لئے آپ یہ کتاب طالب علموں کو پڑھائیں ایسی ایک دو اور کتابوں کے متعلق بھی حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ یہ طالب علموں کو پڑھا دیں۔ اور جب مولوی صاحب طالب علموں کو پڑھاتے تو حضرت خلیفہ اوّل رض بھی سُنا کرتے۔"

"غرض مولوی صاحب نے مدرسی تعلیم کو کمال تک پہنچا دیا تھا اور قدرتی طور پر ان کا دماغ بھی فلسفیانہ تھا۔ جس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا جاتا خواہ وہ عام مسئلہ ہی ہوتا مولوی صاحب اسے فلسفیانہ رنگ میں خوب کھول کر بیان کرتے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ پوچھنے والے کو ان کے بیان کردہ فلسفہ سے اتفاق ہو یا نہ ہو۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی ان سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا ہو اور انہوں نے اس کا فلسفیانہ رنگ میں جواب نہ دیا ہو۔ آپ صرف یہی نہیں بیان کرتے تھے کہ فلاں نے اس کے متعلق یہ لکھا ہے اور فلاں کی اس کے متعلق یہ رائے ہے بلکہ یہ بھی بتاتے تھے کہ اس مسئلہ کی بنیاد کس حکمت پر مبنی ہے اور اس کے چاروں کونے خوب نمایاں کرتے تھے اور پھر اس مسئلہ کی جزئیات کی بھی تشریح کرتے۔"

"حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت کے آخری ایام میں ایک وفد باہر گیا۔ اس وفد نے بعض ایسی باتیں کیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان اور آپ کے درجہ کے منافی تھیں۔ چنانچہ جب وہ وفد واپس آیا تو یہ سوال میں نے اُٹھایا کہ وفد کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان کے متعلق جو بیانات باہر دیئے گئے ہیں وہ آپ کی شان کے منافی ہیں اور آپ کے درجہ میں کمی کی گئی ہے۔ مولوی سیّد سرور شاہ صاحب بھی اس وفد میں شامل تھے۔ جب انہوں نے

اس بات کو سُنا تو انہوں نے کہا کہ واقعہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں کمی کی گئی ہے اور ہم سے چُوک ہوئی ہے۔ لیکن اس دن سے لے کر وفات تک مولوی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہمیشہ ہی صحیح مقام بیان کرتے تھے اور آپ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقام بیان کرتے تو آپ کی طبیعت میں ایک خاص قسم کا جوش پیدا ہو جاتا تھا یہاں تک کہ اُن کی آخری ملاقات جس کو آٹھ دس دن ہوئے ہیں مجھ سے اس سلسلہ میں ہوئی تو مولوی صاحب نے مجھے کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں کمی کی جاتی ہے اور آپ کو صرف مسیح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حالانکہ مہدی کی شان مسیح کی شان سے کہیں بلند ہے جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا ذکر کئی جگہ اپنی کتب میں کیا ہے۔ صرف مسیح موعود لکھنے کا کہیں یہ نتیجہ نہ ہو کہ آہستہ آہستہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حقیقی مقام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ مَیں نے مولوی صاحب کو کہا کہ آپ یہ بات مجھے لکھ کر بھیج دیں مَیں اس پر غور کروں گا۔ چنانچہ اس کے تیسرے یا چوتھے دن مولوی صاحب کی طرف سے ایک تحریر اسی مضمون کی مجھے مِل گئی۔ گویا مولوی صاحب کو اپنی وفات کے قریب بھی یہی فکر رہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان میں کہیں کمی نہ ہو جائے۔

جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے مَیں مولوی صاحب کا شاگرد رہا ہوں۔ عمر کے لحاظ سے مولوی صاحب مجھ سے بہت بڑے تھے اور مَیں ان سے بہت چھوٹا تھا۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ وہ میرے اُستاد تھے، باوجود اس کے کہ وہ عمر میں مجھ سے بڑے تھے، باوجود اس کے کہ وہ مدرسی تعلیم میں بہت زیادہ دسترس رکھتے تھے مَیں نے اکثر دیکھا کہ مولوی صاحب کاغذ پنسل لے کر بیٹھتے تھے اور باقاعدہ میرا لیکچر نوٹ کرتے رہتے تھے۔ ان میں محنت کی اتنی عادت تھی کہ مَیں نے جماعت کے اَور کسی شخص میں نہیں دیکھی۔ اگر مجھے کسی کی محنت پر رشک آتا تھا تو وہ مولوی صاحب ہی تھے۔ بسا اوقات مَیں بیماری کی وجہ سے باہر نماز کے لئے نہیں آسکتا تھا اور اندر بیٹھ کر نماز پڑھنا شروع کر دیتا تھا۔ لیکن مسجد سے مولوی صاحب کی قرأت کی آواز کانوں میں آتی تو میرا نفس مجھے ملامت کرتا کہ مَیں جو عمر میں ان سے بہت چھوٹا ہوں مَیں تو گھر میں بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہوں اور یہ اسّی سال کا بڈھا مسجد میں نماز پڑھا رہا ہے۔ میرے زمانۂ خلافت میں میری جگہ اکثر مولوی صاحب ہی نماز پڑھاتے تھے۔ صرف آخری سال سے مَیں نے ان کو نماز پڑھانے سے روک دیا تھا کیونکہ

گرمی کی شدّت کی وجہ سے وہ بعض دفعہ بیہوش ہو جاتے تھے اور مقتدیوں کی نماز خراب ہو جاتی تھی اس لئے مَیں نے اُن کو جبراً ہٹا دیا ورنہ وہ کام سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ سینکڑوں آدمیوں نے دیکھا ہوگا کہ وہ روزانہ بلاناغہ مجلسِ عرفان میں شامل ہوتے تھے حتیٰ کہ وفات سے صرف دو راتیں پہلے وہ مجلس میں آئے اور بیٹھے رہے۔ ان کو مجلس میں ہی بے ہوشی شروع ہو گئی اور مَیں نے دیکھا کہ مولوی صاحب بیٹھے ہوئے نیچے کو جُھکے جا رہے ہیں۔ مَیں نے اُن کے بعض شاگردوں سے کہا مولوی صاحب بیمار معلوم ہوتے ہیں ان کا خیال رکھنا۔ اسی دن سے آپ پر بیہوشی طاری ہوئی اور آپ تیسرے دن فوت ہو گئے۔

ایسے عالم کی زندگی نوجوان علماء کے لئے بہت ہی کار آمد تھی۔ نوجوان علماء کی وہ نگرانی کرتے تھے اور نوجوان علماء اُن سے اپنی ضرورت کے مطابق مسائل پوچھ لیتے تھے۔ مجھے کئی سال سے یہ فکر تھا کہ جماعت کے پُرانے علماء اب ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یکدم جماعت کو مصیبت کا سامنا کرنا پڑے اور جماعت کا علمی معیار قائم نہ رہ سکے۔ چنانچہ اس کے لئے مَیں نے آج سے تین چار سال قبل نئے علماء کی تیاری کی کوشش شروع کر دی تھی۔ کچھ نوجوان تو مَیں نے مولوی صاحب سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے مولوی صاحب کے ساتھ لگا دیئے اور کچھ نوجوان باہر بھجوا دیئے تاکہ وہ دیوبند وغیرہ کے علماء سے ظاہری علوم سیکھ آئیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور قدرت کی بات ہے کہ ان علماء کو واپس آئے صرف ایک ہفتہ ہوا ہے جب وہ واپس آ گئے تو مولوی صاحب فوت ہو گئے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت تک وفات نہ دی جب تک کہ علم حاصل کر کے ہمارے علماء واپس نہیں آ گئے اتنی دیر تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ رکھا تاکہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کی تائید و نصرت کرتا ہے اور خود اس کا قائم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس دن تک ہماری جماعت کے ایک چوٹی کے عالم کو فوت نہیں ہونے دیا جب تک کہ نئے علماء کی بنیاد نہیں رکھی گئی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نوجوان ابھی اس مرتبہ کو نہیں پہنچے۔ لیکن وہ جوں جوں علمی میدان میں قدم رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں گے اتنا ہی وہ ان علماء کے قائم مقام ہوتے جائیں گے مولوی صاحب جب کالج سے فارغ ہو کر آئے تھے تو اس وقت ان کی اَور حالت تھی اور جب انہوں نے یہاں آ کر لمبی لمبی دُعائیں کیں اور رُوحانیت سے اپنا حصّہ لیا تو وہ بالکل بدل گئے اور

ایک نیا وجود بن گئے۔ اسی طرح ہمارے نوجوانوں کو علم تو حاصل ہو گیا ہے۔ مگر اب وہ جتنا جتنا رُوحانیت کے میدان میں بڑھیں گے اور اپنے تقویٰ اور نیکی کو ترقی دیں گے اتنا ہی وہ بلند مقام کی طرف پرواز کریں گے۔

جہانتک کام کرنے کا تعلق ہے مولوی صاحب میں کام کرنے کی انتہائی خواہش تھی۔ لیکن تنظیم کے معاملہ میں وہ زیادہ کامیاب نہ تھے۔ ہاں ایک کام ہے جو اُن کے سپرد ہوا اور انہوں نے اس میں کمال کر دیا اور وہ کام ان کی ہمیشہ یادگار رہے گا۔ جس طرح لنگرخانہ اور دارالشیوخ میر محمد اسحاق صاحب کے ممنونِ احسان ہیں اسی طرح وصیّت کا انتظام مولوی سیّد سرور شاہ صاحب کا ممنون احسان ہے۔ مولوی صاحب نے جس وقت وصیّت کا کام سنبھالا ہے اس وقت بمشکل وصیّت کی آمد پچاس ساٹھ ہزار تھی مگر مولوی صاحب نے اس کام کو ایسے احسن طور پر ترقی دی کہ اب وصیّت کی آمد پانچ لاکھ روپیہ سالانہ تک پہنچ گئی ہے۔ آپ کو وصیّت کے کام میں اس قدر شغف تھا کہ آپ بہت جوش و خروش کے ساتھ اس کام کو سرانجام دیتے تھے کیونکہ نظامِ وصیّت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قائم کردہ ہے اور آپ نہیں چاہتے تھے کہ اس میں کوئی کمزوری واقع ہو جائے۔ یہ آپ ہی کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے کہ اب ہمارے چندہ عام سے چندہ وصیت زیادہ ہے۔ یہ کام ہمیشہ کے لئے آپ کی یادگار رہے گا۔ . . . . .

بہرحال مولوی صاحب کی وفات سے جماعت کا ایک بہت بڑا نقصان ہوا ہے اور ان کی اولاد کا تو دوہرا نقصان ہوا ہے بلحاظ اولاد ہونے کے بھی اور بلحاظ احمدی ہونے کے بھی ان کو دوھرا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔ مولوی صاحب باوجود ۸۴ سال عمر پانے کے آخری دم تک کام کرتے رہے۔"[1]

حضرت مولانا سیّد محمد سرور شاہ صاحب نے مندرجہ ذیل لٹریچر بطور علمی یادگار چھوڑا۔

۱۔ القولِ المحمود فی شان المحمود ۲۔ خلافت حقّہ ۳۔ کشف الاختلاف ۴۔ الفارُوق
۵۔ تفسیر سروری ۶۔ شمائل شریف مترجم[2]

---

[1] "الفضل" ۱۳؍احسان/جون ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳ تا ۵ ؎
[2] نرینہ اولاد: (۱) سیّد محمد ناصر شاہ صاحب سکول ٹیچر آزاد کشمیر۔ (۲) سیّد مبارک احمد شاہ صاحب سرورد انسپکٹر وصایا ربوہ۔

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب ۱۸؍جولائی ۱۸۸۱ء کو پیدا ہوئے۔[۱] آپ حضرت ام المؤمنین سیدہ نصرت جہاں بیگم رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحب نے ۵؍جون ۱۸۹۱ء کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی اور اس طرح آپ اُن کے ساتھ داخلِ احمدیت ہوئے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کا نام ۳۱۳ اصحاب کبار میں نمبر ۷۰ پر درج فرمایا۔[۲]

۴؍اپریل ۱۹۰۵ء کو جب کانگڑہ کا زلزلہ آیا تو آپ ان دنوں میڈیکل کالج لاہور میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اس روز لاہور سے کئی دوستوں کے خط حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے کہ ہم کو خداوند تعالیٰ نے اس آفت سے بچا لیا مگر حضرت میر صاحب سے متعلق کوئی خیریت نامہ تین دن تک موصول نہ ہوا جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دُعا کی تو الہام ہوا "اسسٹنٹ سرجن"[۳] خدا کی قدرت! آپ اسی سال میڈیکل کالج لاہور کے آخری امتحان میں پنجاب بھر میں اوّل نمبر پر پاس ہو کر اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوئے اور ۱۹۲۸ء میں سول سرجن لگ کر ۱۹۳۶ء میں ریٹائر ہوئے۔

جنوری ۱۹۰۶ء میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کا قیام عمل میں آیا تو حضرت اقدس علیہ السلام نے آپ کو بھی مجلس معتمدین کا ممبر نامزد فرمایا۔[۴]

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے آپ کو سفر یورپ (۱۹۲۴ء) کے دوران ناظر اعلیٰ تجویز فرماتے ہوئے ۱۱؍جولائی ۱۹۲۴ء کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:-

"ان کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبّت بلکہ عشق خاص طور پر پایا جاتا ہے۔ اس محبت کی وجہ سے رُوحانیت کا ایک خاص رنگ ان میں پیدا ہو گیا ہے اس لئے مَیں سمجھتا ہوں ایسی ٹھوکر سے جو دوسروں کو لگ جاتی ہیں یا لگ سکتی ہیں خدا نے اُن کو محفوظ کیا ہوا ہے اور مَیں امید کرتا ہوں کہ اس تعلق کی وجہ سے جو برکات اُن پر نازل ہوتی ہیں ان کے باعث جماعت کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گے"[۵]

حضرت میر صاحب پنشن لینے کے بعد قادیان تشریف لے آئے تھے اور آپ حضرت مولوی شیر علی

---

[۱] "الفضل" ۲۲؍وفا؍جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱، "سیرت نصرت جہاں بیگم" حصہ اوّل صفحہ ۱۷۶ (از شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مدیر "الحکم") ٭
[۲] "ضمیمہ انجام آتھم" صفحہ ۴۲ ٭ [۳] "بدر" ۲۰؍جولائی ۱۹۰۵ء صفحہ ۷ ٭ [۴] "بدر" ۲۳؍فروری ۱۹۰۶ء صفحہ ۶-۷ ٭
[۵] "الفضل" ۲۲؍جولائی ۱۹۲۴ء صفحہ ۶ ٭

صاحب کے مکان (واقع دارالعلوم) سے متصل اپنے مکان "دارالصفہ" میں رہائش پذیر ہو گئے تھے[۱]۔ یوں تو آپ پنشن کے بعد قریباً بیمار ہی چلے آ رہے تھے مگر ماہ امان۔ شہادت/ مارچ۔ اپریل ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں آپ کو دمہ کے شدید دورے شروع ہو گئے اور وسط ماہ احسان/ جون میں آپ کی حالت بہت زیادہ نازک ہو گئی اور نیم بیہوشی کی حالت طاری ہو گئی۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود نے ۴/ وفا/ جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے خطبہ جمعہ میں احباب جماعت کو آپ کے لئے تحریک دُعا کرتے ہوئے فرمایا:۔

"ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب قریباً ایک ماہ سے سخت بیمار ہیں اور اب وہ بہت ہی کمزور ہو چکے ہیں اور دو دن سے ان پر قریباً بیہوشی کی سی حالت طاری ہے۔

ہماری جماعت ابھی تک بہت سی تربیت کی محتاج ہے اور تربیت کے لئے صحابہ کا وجود بہت ضروری ہے۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت تھوڑے صحابہ باقی رہ گئے ہیں خصوصاً ایسے صحابہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی زمانہ کے حالات سے واقف ہیں اور جنہوں نے آپ کے ابتدائی ایام سے ہی آپ کی صحبت سے فیضان حاصل کئے تھے ان کی تعداد بہت ہی کم رہ گئی ہے اس لئے ایسے لوگوں کا وجود جماعت کی ایک قیمتی دولت ہے اور جتنا جتنا یہ لوگ کم ہوتے چلے جاتے ہیں اتنا ہی جماعت کی رُوحانی ترقی بھی خطرہ میں پڑتی چلی جاتی ہے۔ اور چونکہ صحابہ کا وجود ایک قومی دولت اور قومی خزانہ ہوتا ہے۔ اس لئے جماعت کے افراد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسے موقعہ پر خاص طور پر دُعائیں کریں تاکہ یہ خزانہ ہمارے ہاتھوں سے جاتا نہ رہے اور اللہ تعالیٰ صحابہ کے وجود کو ایک لمبے عرصہ تک قائم رکھے تاکہ جماعت ایسے مقام پر پہنچ جائے کہ وہ رُوحانی طور پر اپنے پاؤں پر آپ کھڑی ہو سکے اور جماعت کے اندر ایسے نئے وجود پیدا ہو جائیں جو اپنی قربانی اپنے اخلاص اور اپنے تقویٰ کے لحاظ سے صحابہ کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہوں۔ جہانتک جانی اور مالی قربانیاں کرنے والے ہیں اور اس کے لئے ان کے اندر بہت زیادہ جوش بھی پایا جاتا ہے مگر رُوحانی رنگ ظاہری قربانیوں سے پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

۱؎ حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ شروع میں دارالمسیح اور اس کے قرب وجوار میں رہتے تھے۔ ۱۹۱۳ء کے آخر میں آپ نے دارالعلوم میں اپنے رہائشی مکان کی بنیاد رکھی اور اس کے بعد جلد ہی نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے حضرت ڈاکٹر صاحبؓ کا مکان "دارالصفہ" بنوایا جہاں پہلے پہل حضرت ڈاکٹر صاحب کے بسلسلہ ملازمت باہر رہنے کے ایام میں آپ کے چھوٹے بھائی حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ اپنے خاندان سمیت لمبے عرصہ تک قیام فرما رہے۔

"الفضل" ۲۲/ وفا/ جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱ کالم ۱؎

سے دُعائیں کرنا، اس کے کلام پر غور کرنا، اس کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنا اور دُوسروں کے اندر بھی ان صفات کو پیدا کرنا اس کا نام رُوحانیت ہے۔ محض قربانیاں تو غیر اقوام اور غیر مذاہب کے لوگوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ جو چیز دُنیا کی دوسری قوموں کے اندر نہیں پائی جاتی اور صرف الٰہی جماعتوں میں ہی پائی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی محبّت اور صفات الٰہیہ کو اپنے اندر جذب کرنا اور لوگوں کو ان چیزوں کی طرف توجہ دلانا ہے اور یہی اصل رُوحانیت ہے۔ اس کے بعد دوسری چیزوں کا نمبر آتا ہے" [1]

حضرت میر صاحبؓ کے علاج معالجہ کی ہر ممکن کوششیں جاری تھیں۔ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب، کیپٹن ڈاکٹر شاہنواز صاحب اور صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب شب و روز اس خدمت پر متعین تھے ڈاکٹر عبدالحق صاحب ڈینٹل سرجن لاہور سے اور ڈاکٹر محمد یعقوب صاحب ماہر ایکس رے امرتسر سے بُلوائے گئے۔ مگر منشاء الٰہی کچھ اَور تھا۔

۶-۷/ وفا (جولائی) کو آپ پر نمونیہ کا سخت حملہ ہوا جس سے پھیپھڑے بھی بہت متاثر ہو گئے اور غشی میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اسی عالم میں ۱۸/ وفا/ جولائی جمعہ کا دن آگیا اور حالت تیزی سے بگڑنے لگی اس تشویشناک مرحلہ پر حضرت مُصلح موعود ان کی کوٹھی (دارالصفّہ) میں تشریف لے گئے۔ نُورہسپتال کے تمام ڈاکٹر بھی پہنچ گئے معائنہ کے بعد علاج کا مشورہ ہوا۔ حضور نے سب سے پہلے فرمایا کہ آکسیجن دی جائے جو لاہور کے سوا نہ مِل سکتا تھا۔ آخر معلوم ہوا کہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے کارخانہ میں کمرشل آکسیجن ہے وہ لا کر شروع کر دی گئی جس سے چہرہ کی نیلاہٹ سُرخی میں تبدیل ہو گئی۔ پھر پنسلین کا ایک لاکھ یونٹ دیا گیا اور ساتھ ہی کونین کا ٹیکہ بھی۔ مگر بے ہوشی میں کمی نہ ہوئی اور ساتھ ہی ۱۰۴- ۱۰۵ تک بخار ہو گیا۔ اس موقعہ پر حضرت امیرالمومنین نہایت صبر اور اطمینان سے ڈاکٹروں کو ضروری ہدایات دیتے رہے۔ ساڑھے چھ بجے شام کے قریب حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب نے سورۂ یٰسین کی تلاوت نہایت سوز اور درد میں ڈوبی ہوئی آواز کے ساتھ شروع کر دی۔ خاندانِ مسیح موعودؑ کی قریباً سب خواتین اور بزرگان اور صاحبزادگان خاموشی سے اپنا اپنا آخری حقِ خدمت ادا فرما رہے تھے جن میں پیش پیش حضرت میر صاحبؓ کی اہلیہ ثانی تھیں۔ ساڑھے سات بجے کے قریب جبکہ حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود اور ڈاکٹر شاہنواز خاں صاحب صحن میں حضرت میر صاحب کی

---

[1] "الفضل" ۷/ وفا/ جولائی ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۱-۲

حالت پر تبصرہ کر رہے تھے کہ اچانک اندر سے آواز آئی کہ جلدی آئیں حالت خطرناک ہے۔ اس پر حضور مع ڈاکٹر صاحب اندر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ حضرت میر صاحب کا سانس اُکھڑ رہا ہے اور نبض بالکل بند ہے سات بجکر چالیس منٹ پر آپ نے آخری سانس لیا۔ آہ! وہ سانس کیا تھا، صرف مبارک اور پیارے لبوں کی آخری معمولی سی جنبش تھی اور قلب کی حرکت ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

اس سانحہ ارتحال کے بعد حضرت مصلح موعود نے وضو فرما کر خدام کو نماز مغرب پڑھائی اور حضور نے آپ کی وصیّت کے مطابق فیصلہ فرمایا کہ آپ کو حضرت نانی امّاںؓ کی قبر اور دیوار کے درمیان قطعہ خاص میں جگہ دی جائے۔ پھر حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "مَیں شام کے قریب ڈاکٹر (شاہنواز خاں۔ ناقل) صاحب کو ساتھ لے کر ٹہل رہا تھا کہ میری نگاہ سامنے کے مکان پر پڑی جہاں زرد سی دھوپ نظر آرہی تھی گویا تین چار منٹ سُورج غروب ہونے میں تھے۔ اس وقت مَیں نے اس خیال سے کہ شاید میر صاحب کی طبیعت پر کسی خواب کی بناء پر یہ اثر ہو کہ جُمعہ وفات کا دن ہے اور اگر یہ تین چار منٹ خیریت سے گذر جائیں تو ایک ہفتہ (یعنی اگلے جمعہ تک) زندگی اَور بڑھ سکتی ہے دُعا کرنی شروع کی مگر جلد ہی اندر سے بلاوا آگیا کہ میر صاحب کا سانس اُکھڑ رہا ہے۔"[1]

حضرت میر صاحبؓ کی المناک وفات کی خبر آناً فاناً قادیان کے گوشے گوشے میں پھیل گئی اور بہت سے احباب آپ کی کوٹھی پر جمع ہونا شروع ہو گئے۔ آپ نے عرصہ ہوا اپنی تجہیز و تکفین سے متعلق خود مفصل ہدایات وصیت کے طور پر تحریر فرما دی تھیں حتیٰ کہ اپنے کفن کا بھی انتظام فرما لیا تھا۔ چنانچہ رات ہی کو آپ کی وصیّت کے مطابق حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب قادیانی، جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب پانی پتی اور جناب حکیم عبداللطیف صاحب گجراتی نے آپ کو غسل دیا اور تجہیز و تکفین کی۔ اگلے دن (۱۹ر وفا/جولائی) کو صدر انجمن احمدیہ کے تمام دفاتر اور تعلیمی اداروں میں تعطیل کر دی گئی۔ صبح ہی سے احباب اور خواتین آپ کی کوٹھی پر جمع ہونا شروع ہو گئے۔ آٹھ بجے کے قریب سیّدنا حضرت امیرالمومنین بھی تشریف لے آئے۔ اور ایک بڑے مجمع کے درمیان آپ کا جنازہ اُٹھایا گیا۔ راستے میں مجمع ہر لمحہ بڑھتا چلا گیا۔ ہر شخص جنازہ کو کندھا دینے اور اس طرح ایک ایسے وجود کا آخری حق الخدمت ادا کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو عُمر بھر نہایت بے نفسی کے ساتھ بنی نوع انسان کی دینی اور دنیوی خدمت کرتا رہا۔ جب جنازہ حضرت مسیح موعود

---

[1] "الفضل" ۹ر ظہور/اگست ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴-۵ (ملخصًا از مضمون ڈاکٹر کیپٹن شاہنواز خانصاحب)۔

علیہ السلام کے باغ میں پہنچا تو حضرت امیر المومنین نے اپنی نگرانی میں صفوں کو درست کرایا اور پھر ایک بہت بڑے مجمع کے ہمراہ جو انیس لمبی صفوں پر مشتمل تھا نماز جنازہ ادا فرمائی۔ نماز جنازہ میں شامل ہونے والے افراد کی تعداد کا اندازہ چھ اور سات ہزار کے درمیان ہے۔

نماز جنازہ کے بعد حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے اپنے دستِ مبارک سے کفن کا مُنہ کھولا اور حضرت میر صاحب کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ پھر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اور پھر خاندانِ مسیح موعود کے دیگر افراد نے باری باری بوسہ دیا۔ اس کے بعد حضور جنازہ کے قریب ہی زمین پر خدام کے ہمراہ تشریف فرما ہوگئے اور احباب کو تنظیم کے ماتحت حضرت میر صاحب کا چہرہ آخری بار دیکھنے کا موقعہ دیا گیا۔ آپ کا چہرہ باوجود طویل علالت کے بہت بارونق شگفتہ اور نورانی نظر آتا تھا۔ بعد ازاں جنازہ اُٹھایا گیا۔ حضرت امیر المومنین نے قبر تک نعش کو کندھا دیا۔ حضور خود قبر میں اُترے اور میر داؤد احمد صاحب ابن حضرت میر محمد اسحٰق صاحب اور میر سیّد احمد صاحب ابن حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب نے نعش کو لحد میں اُتارا۔ حضرت میر صاحب کی قبر میں حضور نے اپنے دستِ مبارک سے مٹی ڈالی۔ قبر تیار ہو جانے پر حضور نے دعا فرمائی اور پھر واپس تشریف لے آئے۔"[۱]

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب سلسلہ کے چوٹی کے بزرگ ولی اللہ، نہایت بلند پایہ صحابی اور ایک زبردست ستون کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کا انتقال ایک زبردست قومی صدمہ تھا جس کو جماعت احمدیہ نے عموماً اور صحابہ مسیح موعود نے خصوصاً بہت محسوس کیا اور آپ کی وفات پر نہایت گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ بطور مثال صرف تین اکابر صحابہ کے تاثرات درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب نے تحریر فرمایا:۔

"حضرت ڈاکٹر میر صاحب مرحوم کے ریٹائر ہو کر قادیان آنے کے وقت سے باقاعدہ آپ کی ہمسائیگی بندہ کو میسّر آئی۔ اس عارضی اور مستعار زندگی کے دوران میں آپ نے ہمسائیگی کے تعلق کو جس خوبی اور عمدگی سے نباہا ہے بندہ اس کے بیان سے اپنے آپ کو عاجز پاتا ہے۔ آپ ان تمام حقوق کی ادائیگی میں جن کو کہ اسلامی شریعت ایک مسلمان ہمسایہ پر واجب قرار دیتی ہے نہایت ہی اعلےٰ، بلند پایہ اخلاق پر قائم تھے یہانتک کہ بندہ نے دیکھا کہ آپ کی طرف سے ہمسائیگی کا تعلق

---

[۱] "الفضل" ۲۱ جولائی ۱۹۴۷ء / ۲۱ وفا ۱۳۲۶ ہش صفحہ ۴۔

یگانگت اور شفقت اور محبّت میں تبدیل ہو گیا تھا اور اس پاک وجود نے دُوئی کے تمام پردوں کو چاک کر کے رکھ دیا تھا۔ آپ بلا تکلف بلا احساس غیریت نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے مشفقانہ اور برادرانہ رنگ میں بندہ کے مکان پر تشریف لاتے۔ گھریلو قسم کے ادنیٰ ادنیٰ معاملات پر گفتگو فرماتے اور ہر چھوٹے بڑے امر میں دلچسپی لیتے۔

آپ کی ذات میں مَیں نے بہترین قسم کا ساتھی، ہر کام کا عمدہ مُشیر اور ہر دُکھ میں بہترین غمگسار پایا بندہ کو علمی رنگ میں بھی آپ سے دو دفعہ خصوصیت کے ساتھ استفاضہ حاصل کرنے کا موقع پیش آیا۔ دو مضمونوں کی تیاری کے لئے مَیں نے آپ سے امداد چاہی۔ آپ نے نہ صرف بغیر سوچنے کے ان مضمونوں کے لئے مجھے ضروری مصالح بہم پہنچا دیا (گویا ان مضمونوں کے متعلق تمام معلومات پہلے ہی سے ان کے دماغ میں موجود تھیں) بلکہ جو مصالح انہوں نے بہم پہنچایا وہ صرف عام باتوں پر مشتمل نہیں تھا بلکہ نہایت ہی قیمتی اور نادر نکات پر مشتمل تھا"[1]

۴۔ حضرت حافظ سیّد مختار احمد صاحب مختار شاہجہانپوری نے فرمایا:۔

"حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب اور حضرت میر محمد اسحٰق صاحب دونوں بھائی اپنے رنگ میں بے نظیر تھے اور سلسلے کے آفتاب و ماہتاب تھے۔

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب نہایت متقی اور نہایت متواضع تھے۔ مخلوقِ خدا کی دینی و دُنیوی مدد کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اپنی تکلیف نظر انداز کر کے بھی دوسروں کا کام کر دینا اُن کی عادت تھی۔ جو شخص ایک بار آپ سے ملتا تھا ہمیشہ آپ سے دوبارہ ملنے اور باتیں کرنے کی خواہش رکھتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ آپ کو ایک خاص قسم کا تعلق تھا آپ کی نظر بہت باریک بین تھی۔"[2]

۳۔ ابو البرکات حضرت مولانا غلام رسول صاحب قدسی راجیکی نے آپ کے فضائل و مناقب پر ایک مفصّل مضمون لکھا جس میں تحریر کیا کہ

"حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کے وجود با جود میں دونوں طرح کے نمونے اس اعلیٰ مقصدِ حیات کے بشان اجلی نمایاں طور پر پائے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور

---

[1] "الفضل" ۲۲؍ وفا/ جولائی ۱۳۲۶ہش/ ۱۹۴۷ء صفحہ ۴
[2] " " ۲۳؍ " " " "

عبادت اور معرفت کے لحاظ سے آپ کے اندر عبد مسلم کا بہترین نمونہ پایا جاتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی شفقت کی رُو سے آپ کے ڈاکٹری معالجات کا فن جو انواع واقسام کے مریضوں اور بیماروں کے علاج کے طور پر شب و روز مسلسل فائدہ بخش ہوتا رہتا شفقتِ علیٰ خلق اللہ کے معنوں میں احسانات کا ایک وسیع سلسلہ تھا جس کے رو سے آپ کا عبدِ مُحسن ہونا نمایاں شان رکھتا تھا۔ چنانچہ جس جس علاقہ میں بھی آپ نے اپنے اوقات کو اس طرح گذارا وہاں کے بیمار اور تیماردار اب تک آپکے حد درجہ مدّاح پائے جاتے ہیں۔ اور حدیث نبوی کی رُو سے علاوہ اَور لوگوں کے صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا خصوصیت کے ساتھ آپ کا مدّاح ہونا علاوہ برکات وصیت کے بیان فرمودہ علامات کے یہ بھی آپ کے جنّتی ہونے کی ایک بیّن علامت ہے . . . . . . آپ قرآنی حقائق اور لطائف سے خاص طور پر لُطف اندوز ہوا کرتے تھے اور مجھ سے زیادہ تر آپ کی محبّت قرآن کریم کی وجہ سے ہی تھی۔ گو آپ میرے محبوبوں میں سے ایک محبوب ہستی تھے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ خدا تعالیٰ کے پیارے بندوں کی نظرِ محبّت و نگاہِ شفقت کبھی نہ کبھی مجھ جیسے غریب اور حقیر پر بھی پڑ جایا کرتی۔

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

قرآنی حقائق کا فہم دقیق آپ کو عطا کیا گیا تھا۔ آپ قرآنی معارف کے غوّاص تھے اور آپ کا فہم رسا دقائق کی گہرائیوں میں دُور تک نکل جاتا تھا . . . . . . رُوحانی تعلّقات کے لحاظ سے بھی مجھے آپ سے ایک گہرا تعلّق تھا جس کا ثبوت ذیل کے ایک واقعہ سے بھی ملتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خاکسار کو دو ہفتہ سے کچھ زائد عرصہ تک درد گردہ کا شدید دورہ رہا جس کا سلسلہ کسی قدر اب بھی چلا جا رہا ہے۔ ہاں نسبتاً آجکل کچھ افاقہ ہی ہے اور یہ مضمون بھی بحالت علالت لکھا جا رہا ہے۔ ۱۲ - ۱۳ جولائی کی درمیانی شب کو بوجہ شدید دورۂ دردِ گردہ کے مَیں سو نہ سکا اور شدتِ درد کے باعث آنکھ نہ لگی۔

اسی سلسلہ میں مجھ پر اچانک ایک ربودگی اور غنودگی کی کیفیت طاری ہوئی۔ اس وقت مجھے

ایسا معلوم ہوا کہ میرے کانوں کے بالکل قریب ہو کر کوئی کلام کرنے لگا ہے۔ نہایت فصیح اور موثر لہجہ میں کلام کا طرز ہے۔ اس وقت مجھے یہی محسوس کرایا جا رہا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آواز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی حلم اور رحم کے پیرایہ میں یُوں کلام فرمایا :-

"میر محمد اسماعیل ہمارے پیارے ہیں۔ ان کے علاج کی طرف فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ ہم خود ہی ان کا علاج ہیں"

. . . . . اس مبشرہ میں ایک امر تو حضرت میر صاحب کے لئے بطور بشارت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا پیارا اور محبوب قرار دیا ہے۔ دوسرے حضرت میر صاحب طبّی اور ڈاکٹری علاج سے بالا اپنے لئے علاج کے خواہاں معلوم ہوتے تھے جس کے جواب میں خدا تعالیٰ نے دوسرے علاجوں سے ان کے استغنار کا اظہار فرما کر اس اصل علاج کا ذکر فرما دیا جس کی طبعی طور پر بلحاظ جذباتِ محبّت و ذوقِ فطرت ان کو شدید خواہش تھی اور وہ علاج اللہ تعالیٰ نے خود ہی ذکر فرما دیا کہ ہم خود ہی ان کا علاج ہیں۔ گویا وہ بقول حضرت امیر خسرو ؎

از سر بالینِ من برخیز اے ناداں طبیب
دردمندِ عشق را داروُ بجُز دیدار نیست

حضرت میر صاحب جیسے عاشقِ وجہ اللہ کا علاج اللہ تعالیٰ کا دیدار اور وصال ہی ہو سکتا تھا جو بالآخر آپ کو حسب پسند خاطر نصیب ہو گیا۔ رزقنا اللہ مَا رزقہٗ عشقاً و وصلاً "[1]

حضرت میر صاحب کے مزار کا کتبہ

حضرت میر صاحب رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کا کتبہ حضرت سیدنا المصلح الموعود نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا جو یہ تھا

" میر محمد اسمٰعیل صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٰ سے پہلے پیدا ہوئے حضرت ام المومنین سے سولہ سال چھوٹے تھے۔ حضرت ام المومنین کی پیدائش کے بعد پانچ بچے تولّد ہوئے جو سب کے سب چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد میر محمد اسماعیل صاحب پیدا ہوئے اور زندہ رہے۔

حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ نے جب پنشن لے کر قادیان میں رہائش اختیار کی تو بوجہ اس

---

[1] "الفضل" ۶ ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳-۴

سکے کہ قادیان میں کوئی سکول نہیں تھا انہوں نے ان کو لاہور پڑھنے کے لئے بھجوا دیا اور ساری تعلیم انہوں نے لاہور میں ہی حاصل کی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سے بہت محبت تھی اور ان کے تمام کاموں میں آپ دلچسپی لیتے تھے۔ اسی طرح حضرت میر صاحبؓ کا بھی آپ کے ساتھ عاشقانہ تعلق تھا۔ بھائیوں میں حضرت امّ المؤمنین کو میر محمد اسماعیل صاحبؓ سے زیادہ محبت تھی نہایت ذہین اور ذکی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب خطبہ الہامیہ دیا۔ تو آپ نے اس ارشاد کو سُن کر کہ لوگ اسے یاد کریں انہوں نے چند دنوں میں ہی سارا خطبہ یاد کر کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سُنا دیا تھا۔ باوجود نہایت کامیاب ڈاکٹر ہونے کے اور بہت بڑی کمائی کے قابل ہونے کے زیادہ تر پریکٹس سے بچتے تھے اور غرباء کی خدمت کی طرف اپنی توجہ رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے ملازمت کے بعد کئی اچھے مواقع آپ نے کھوئے کیونکہ گو اُن میں آمدن زیادہ تھی اور رتبہ بڑا تھا مگر خدمتِ خلق کا موقعہ کم تھا۔ میری بیوی مریم صدیقہ ان کی سب سے بڑی بیٹی تھی جو توام پیدا ہوئیں۔ پنشن کے بعد قادیان آگئے لیکن بوجہ صحت کی خرابی کے کوئی باقاعدہ عہدہ سلسلہ کا نہیں لے سکے بلکہ جب طبیعت اچھی ہوتی "الفضل" میں مضامین لکھ دیا کرتے۔ بہرحال میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ میں سے تھے اور آپ کے منظورِ نظر تھے۔ آپ کی وفات کے بعد تمام ابتلاؤں میں سے محفوظ گذرتے ہوئے سلسلہ کی بہت سی خدمات بجا لانے کا آپ کو موقعہ ملا۔ اللہ تعالےٰ اُن کے رُوحانی مدارج کو بلند فرمائے" آمین "[1]

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کی تالیفات

حضرت میر محمد اسماعیل صاحبؓ نے مندرجہ ذیل لٹریچر بطور یادگار چھوڑا:۔

۱۔ تاریخ مسجد فضل لنڈن ۲۔ کرنہ کر ۳۔ مقطعاتِ قرآنی ۴۔ اربعین اطفال
۵۔ تحفہ احمدیت ۶۔ جامع الاذکار ۷۔ بخار دل حصہ اوّل و دوم ۸۔ مذہب کی ضرورت
۹۔ حفاظتِ ریش ۱۰۔ آپ بیتی ۱۱۔ دُکھ سُکھ [2]

[1] "الفضل" ۲۳ احسان/جون ۱۳۳۱ہش/۱۹۵۲ء

[2] منقول از کتابچہ "دارالصحف نشرت" صفحہ ۲۲۔

ناشر میاں عبدالعظیم صاحب پروپرائٹر احمدیہ بکڈپو قادیان

فصل ہفتم

جماعت احمدیہ کو دُعاؤں کی بار بار تحریک

حضرت مصلح موعود اگرچہ اس سال ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے شروع ہی سے جماعت کو بار بار اپنے خطبات اور ملفوظات میں دُعاؤں کی طرف توجہ دلاتے آرہے تھے مگر ماہ اگست/ظہور کے آتے ہی حضور پہلے سے بھی زیادہ زور دُعاؤں پر ہی دینے لگے۔

اوّل۔ چنانچہ یکم ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:۔

"خدا ہی کی طرف توجہ کرو اور اس سے دُعائیں کرو کہ اس نازک موقعہ پر تم اسلام کے لئے شرمندگی کا موجب نہ بنو بلکہ تمہارے دلوں میں ایسی طاقت پیدا ہو جائے کہ موت تو کیا چیز ہے۔ بڑے سے بڑے ابتلاء کو بھی تم کھیل سمجھنے لگ جاؤ تاکہ اگر ہم نے مرنا ہے تو خدا تعالےٰ کی راہ میں ہنستے ہوئے مریں اور اس کے نام کا نعرہ بلند کرتے ہوئے مریں اور ہماری موتیں اسلام کی آئندہ ترقی کی بنیادیں نہایت مضبوطی سے گاڑ دینے والی اور اس کے جھنڈے کو دُنیا میں بلند کرنے والی ہوں۔"[1]

دوم۔ چار روز بعد حضرت مصلح موعود کی خدمت میں ۵ راگست ۱۹۴۷ء کو لاہور سے یہ اطلاع پہنچی کہ ریڈ کلف ایوارڈ کے سامنے ہندو وکیل مسٹر سیتلواد نے اس بات پر زور دیا ہے کہ گورداسپور کو ہندوستان میں شامل کیا جائے۔ اس تشویشناک اطلاع پر حضرت مصلح موعود نے اس روز نماز مغرب کے فرض پڑھانے کے معاً بعد احباب کو خاص طور پر دُعا کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا:۔

"حد بندی کمیشن کے سامنے ہندوؤں کے وکیل نے تین چار گھنٹے اس امر پر زور دیا کہ ضلع گورداسپور کو ہندوستان میں شامل کیا جائے۔ سکھوں کے وکیل نے بھی اپنا آدھا وقت اسی موضوع پر صرف کیا حالانکہ ہندوؤں اور سکھوں کا کوئی اقتصادی اور تمدنی مفاد اس ضلع سے وابستہ نہیں۔ اقتصادی اور تمدنی لحاظ سے انہوں نے اپنے مفاد کو لاہور، لائل پور، منٹگمری وغیرہ سے وابستہ بتلایا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ضلع گورداسپور کا مطالبہ کرنا بتلاتا ہے کہ ان کی کوئی خاص غرض ہے۔

---

[1] "الفضل" ۸ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۳۔

اس لئے ان ایام میں دوستوں کو خاص طور پر دُعائیں کرنی چاہئیں۔ حد بندی کمیشن نے مورخہ ۴، ۵، و ۶/ اگست کو اپنے دلائل صدر کمیشن کی خدمت میں پیش کرنے ہیں۔ دو روز گذر چکے ہیں۔ صرف ۶/ اگست کا دن باقی ہے اس دن دوست خاص طور پر دُعائیں کریں۔ صدر کمیشن نے ۱۱ اگست تک فیصلہ کرنا ہے۔ اس لئے گیارہ اگست تک بھی خاص طور پر دُعائیں کی جائیں۔ اگرچہ صدر کمیشن ممبرانِ کمیشن کی آراء و دلائل سُن کر ۶/ اگست تک اپنا ارادہ قائم کرلے گا۔ لیکن دلوں پر تصرف تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ بعد میں بھی تصرّف کر کے صدر سے فیصلہ تبدیل کرا سکتا ہے۔ اس لئے دوستوں کو گیارہ اگست تک خاص طور پر دُعائیں کرنی چاہئیں کہ جو بھی فیصلہ ہو ہمارے لئے مفید ہو اور شماتتِ اعداء کا باعث نہ ہو۔ سب دوست جو موجود ہیں اپنے اپنے محلّوں میں جا کر اس کا اعلان کرا دیں"

(حضور کے حکم کی تعمیل میں اسی وقت محلّوں میں دوستوں کو بھجوا کر اعلان کرا دیا گیا) [1]

سوم۔ پنجاب حد بندی کمیشن کی کارروائی کے خاتمہ کے دوسرے دن ۸/ اگست/ظہور کے خطبہ جمعہ میں حضور نے درد و سوز اور تضرّع اور ابتہال میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں فرمایا:۔

"موجودہ ایام میں ہماری جماعت ایسے سخت خطرات میں سے گذر رہی ہے کہ اگر تمہیں ان خطرات کا پُوری طرح علم ہو اور اگر تمہیں پوری طرح اس کی اہمیت معلوم ہو تو شاید تم میں سے بہت سے کمزور دل لوگوں کی جان نکل جائے۔ لیکن تم کو وہ باتیں معلوم نہیں اس لئے تم اپنی مجلسوں اور گلیوں میں ہنستے کھیلتے نظر آتے ہو۔ تمہاری مثال اس بچے کی سی ہے جس کی عمر دو اڑھائی سال کی تھی اور اس کی ماں رات کے وقت مر گئی۔ جب وہ صبح کو اُٹھا تو وہ اپنی ماں کے ساتھ چمٹ گیا۔ لوگوں نے جب دروازہ کھولا تو انہوں نے دیکھا کہ بچہ اپنی ماں کے مُنہ پر تھپیڑ مار کر ہنس رہا تھا۔ وہ خیال کر رہا تھا کہ اس کا نہ بولنا مذاق کی وجہ سے ہے حالانکہ وہ مَری پڑی تھی۔ جس قسم کی حالت میں سے اور جس قسم کی بے وقوفی اور نادانی کی کیفیات میں سے وہ بچہ گذر رہا تھا اسی قسم کی حالت میں سے تم بھی گذر رہے ہو۔ مَیں نے دو دن ہوئے جماعت کے دوستوں کو توجہ دلائی تھی اور آج پھر اسی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ آج بیسویں رمضان کی ہے اور حضرت خلیفہ

---

[1] "الفضل" ۸/ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴۔

اوّل رضی اللہ عنہ کے عقیدہ کی رُو سے اعتکاف صبح سے شروع ہو چکا ہے لیکن عام حنفی عقیدہ کی رُو سے جس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بھی عمل تھا۔ اعتکاف آج شام کو شروع ہو گا۔

جہاں تک نوجوانوں کا تعلق ہے جن کو آج کل کام پر لگایا جانا ضروری ہے اُن کو مَیں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس دفعہ اعتکاف نہ بیٹھیں۔ ان کا اعتکاف نہ بیٹھنا زیادہ ثواب کا موجب ہو گا بہ نسبت اعتکاف بیٹھنے کے۔ ایک دفعہ جہاد کے موقعہ پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آج روزہ داروں سے بے روزہ بڑھ گئے ہیں کیونکہ بے روزہ تو میدانِ جہاد میں پہنچتے ہی کام کرنے لگ گئے اور روزہ دار لیٹ کر ہانپنے لگے۔

آجکل پہرے کے دن اور اِدھر اُدھر گھومنے کے ایام ہیں۔ اس لئے ان دنوں نوجوانوں کا اور نوجوانوں کی طرح کام کر سکنے والوں کا اعتکاف نہ بیٹھنا بہ نسبت اعتکاف بیٹھنے کے زیادہ ثواب کا موجب ہے۔ پس ایسے لوگوں کو جن کی سلسلہ کو ہنگامی کاموں کے لئے ضرورت ہے اعتکاف نہ بیٹھنا چاہیئے۔ اگر وہ اعتکاف بیٹھیں گے تو یہ ان کی نیکی نہ ہو گی بلکہ ان کے نفس کا دھوکہ ہو گا۔ لیکن جو لوگ اس عُمر کے نہیں اور نوجوانوں کی طرح پہرہ وغیرہ کا کام نہیں کر سکتے ان سے مَیں کہتا ہوں کہ وہ جتنے زیادہ اعتکاف میں بیٹھ سکیں اتنے ہی زیادہ بیٹھ جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور اتنی دُعائیں کریں اتنی دعائیں کریں کہ جیسے محاورہ میں کہتے ہیں کہ اس ناک رگڑے جائیں اور ان کے ماتھے گھِس جائیں تمہیں چاہیئے کہ آج یونس[۳] نبی کی قوم کی طرح تمہارے بچے اور تمہاری عورتیں اور تمہارے نوجوان اور تمہارے بُوڑھے سب کے سب خدا تعالیٰ کے سامنے روئیں تا کہ خدا تعالیٰ ہماری جماعت کو تباہی سے بچالے اور اپنے فضل سے ہماری دست گیری کرے۔ دنیا میں ہر شخص کا کوئی نہ کوئی سفارش کرنے والا موجود ہے۔ کسی کی تجارتیں اس کی سفارش کر رہی ہیں۔ کسی کے بنک اس کی سفارش کر رہے ہیں کسی کے اعداد و شمار اس کی سفارش کر رہے ہیں۔ لیکن اگر کوئی جماعت دُنیا میں زندہ رہنے کی مستحق ہے تو اگر کوئی جماعت دنیا میں پُرامن کام کر رہی ہے تو وہ ہماری جماعت ہے مگر تمہاری پُشت پر کوئی نہیں جو تمہاری سفارش کرنے والا ہو سوائے خدا تعالیٰ کی ذات کے۔ اس لئے اگر ہم اپنی دُعاؤں اور گریہ و زاری سے خدا تعالیٰ کے فضل کو کھینچ لیں تو یقیناً دُنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی ہمارے حقوق کو تلف نہیں کر سکتی۔ لیکن

اگر ہم خدا تعالیٰ کے فضل کو نہ کھینچ سکیں تو ہم سے زیادہ بے یار و مددگار دُنیا میں اور کوئی نہیں ہوگا۔ محض عقلی دلائل پر انحصار رکھنا نادانی اور حماقت ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عقلی طور پر ہماری بات معقول ہے اس لئے ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ ہماری بات مانی جائے گی۔ لیکن اس دھینگا مشتی کے زمانہ میں عقل کو کون پوچھتا ہے۔ اگر لوگ عقل کو پوچھتے تو آج خدا اور اس کا رسُول بیکسی کی حالت میں کیوں ہوتے۔ اور اگر لوگ عقل کی بات کو پوچھتے تو آج محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حکومت کی جگہ مشرکوں کی حکومت کیوں ہوتی؟ تمہاری تائید میں جو دلائل ہیں ان سے بہت زیادہ دلائل قرآن کریم اور خدا تعالےٰ کی تائید میں ہیں۔ اسی طرح تمہارے تائیدی دلائل سے بہت زیادہ دلائل محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تائید میں ہیں۔ لیکن آج عقل کو کوئی نہیں پوچھتا۔ آج لوگ لٹھ کو دیکھتے ہیں اور لٹھ تمہارے ہاتھ میں نہیں بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے تم خدا تعالیٰ سے دُعائیں کرو۔ خدا تعالیٰ اگر آج بھی چاہے تو وہ آسمان سے صرف ایک کُنْ کہہ کر ساری دُنیا کے نقشوں کو بدل سکتا ہے۔ اس لئے ہر شخص دُعاؤں میں مشغول ہو جائے۔ خصوصاً پہلے ایک دو دن ایسے ہیں جن میں دُعاؤں کی زیادہ ضرورت ہے۔ آج یا کل یا حد سے حد پرسوں کا دن ایسا ہوگا جس میں فیصلے ہو جائیں گے اور خدا تعالےٰ کی یہ سُنّت ہے کہ وہ ماضی میں تغیر نہیں کیا کرتا بلکہ مستقبل میں تغیر کرتا ہے۔ ماضی کے متعلق تو وہ کہتا ہے کہ جد و جہد کرو اور پھر ہم سے مدد طلب کرو اور آئی ہوئی چیز کے بدلنے میں خدا تعالےٰ کا قانون جو وقت چاہتا ہے وہ ضرور لگتا ہے۔ پس خدا جانے اس پر کتنا وقت لگے اور کتنی تکلیفوں میں سے ہمیں گذرنا پڑے لیکن ہمیں اپنی تکلیفوں کا بھی اتنا احساس نہیں جتنا سلسلہ کی تکالیف کا احساس ہے۔ اگر ہماری زندگیوں کا ہی سوال ہوتا تو ہم میں سے بہت سے اپنی اور اپنے بیوی بچّوں کی جانیں پیش کر دیتے اور کہتے کہ ہماری جانیں اس غرض کے لئے حاضر ہیں لیکن یہاں جانوں کا سوال نہیں بلکہ سلسلہ کی عزت کا سوال ہے۔ مَیں نے اس دفعہ مصلحتاً عورتوں کو اعتکاف بیٹھنے سے منع کر دیا ہے کیونکہ ہم ہنگامی کاموں میں بہت زیادہ مصروف ہونے کی وجہ سے ان کی حفاظت کا صحیح طور پر انتظام نہیں کر سکتے۔ لیکن مَردوں میں سے جو بڑی عُمر کے ہیں انہیں چاہیئے کہ اگر ہو سکے تو ساری ساری رات جاگیں اور خدا تعالےٰ

کے حضور گریہ وزاری کریں، اکیلے بھی اور مشترکہ طور پر بھی۔ اسی طرح عورتوں کو چاہیئے کہ وہ گھروں میں بیٹھ کر دُعائیں کریں اور اتنی تضرع اور گریہ وزاری سے دُعائیں کریں کہ خدا تعالیٰ کا عرش ہل جائے۔ بلکہ یونس نبی کی قوم کی طرح اگر وہ اپنے دُودھ پیتے بچوں کو بھُوکا رکھ کر انہیں بھی دُعاؤں میں شامل کر لیں تو یہ بھی کوئی بڑی قربانی نہیں ہوگی۔ ہمارے خدا میں سب طاقتیں ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ ہوگا آخر سلسلہ کے لئے بہتر ہوگا۔ لیکن آخر سلسلہ کے لئے بہتر ہوگا اور اب بہتر ہو جائے، اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آخر میں تو ضرور ایسا ہوگا کہ ہمارے سلسلہ کو کامیابی حاصل ہو۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ ہماری غفلت اور کوتاہیوں کی وجہ سے درمیانی عرصہ میں ہزاروں جانوں کو دُکھ برداشت کرنا پڑے اور ہزاروں عزتوں کو برباد کرنا پڑے اور ہزاروں نوجوانوں کو قربان ہونا پڑے۔ پس دُعائیں کرو۔ دُعائیں کرو اور دُعائیں کرو۔ کیونکہ اس سے زیادہ دُنیوی طور پر نازک وقت ہماری جماعت پر کبھی نہیں آیا۔ خدا ہی ہے جو اس گھڑی کو ٹلا دے اور اپنے فضل سے ایسے راستے پیدا کر دے کہ جن سے جلد سے جلد ہماری کامیابی کی صورتیں پیدا ہونے لگ جائیں" [1]

امرتسر کے مُسلمان پناہگزین قادیان میں اور اُن کے قیام و طعام کا مرکزی انتظام

۳؍ جُون ۱۹۴۷ء کی سکیم کے مطابق ضلع گورداسپور مغربی پنجاب (پاکستان) میں شامل کیا گیا تھا اس لئے جونہی مشرقی پنجاب کے دوسرے اضلاع یعنی امرتسر، ہوشیارپور، لُدھیانہ وغیرہ میں مسلمانوں پر منظم حملے شروع ہوگئے۔ مُسلمان اس ضلع میں پناہ گزین ہوگئے اور بالخصوص امرت سر کے پناہ گزینوں کی ایک بھاری تعداد بٹالہ اور قادیان میں آپہنچی۔

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے ۱۲؍ اگست ۱۹۴۷ء کو مولانا جلال الدین صاحب شمس مبلغ بلاد عربیہ و انگلستان کو انچارج مہاجرین مقرر فرمادیا تا آنے والے مظلوم، بے بس اور نہتے مسلمان بھائیوں کے کھانے اور رہائش کا بہتر انتظام کیا جاسکے۔

قادیان کے غیر مُسلم باشندوں کا وفد حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں

۱۳؍ اگست ۱۹۴۷ء کو قادیان کے غیر مسلم باشندوں کا ایک وفد

[1] "الفضل" ۱۱؍ ظہور / اگست ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء صفحہ ۲ تا ۳۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ پناہگزینوں کی داستانیں سُن کر یہاں کوئی فساد ہی نہ ہو جائے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کی اس وفد سے کیا گفتگو ہوئی؟ اس کی تفصیل آپ نے وفد کے جانے کے معاً بعد حضرت مصلح موعود کی خدمت میں بھجوا دی جو مندرجہ ذیل الفاظ میں تھی :-

"ابھی ابھی قادیان کے ہندوؤں اور سکھوں کا وفد مجھے مل کر گیا ہے۔ یہ لوگ بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ مَیں نے انہیں تسلّی دلائی کہ جب حضرت صاحب اور ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ ہم کسی کے خلاف پہل نہیں کریں گے بلکہ اگر قادیان کے غیر مُسلم ہمارے ساتھ وفادار رہیں گے تو اُن کی بھی حفاظت کریں گے تو گھبراہٹ کیسی؟ انہوں نے کہا کہ حالات کی خرابی کے باعث ہم تسلّی کیلئے دوبارہ ملنے آئے ہیں۔ دوسری بات انہوں نے یہ کہی کہ قادیان میں باہر سے بہت سے پناہگزین آ رہے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ اُن کی وجہ سے اور ان کی باتوں کو سُن کر کوئی فساد کی صورت نہ پیدا ہو جائے۔ مَیں نے کہا جہانتک احمدی پناہ گزینوں کا تعلّق ہے وہ ہماری جماعت کا حصّہ ہیں اور ہمارے نظام کے ماتحت ہیں۔ باقی رہے غیر احمدی پناہ گزین تو وہ تو خود بیچارے ظلموں سے بھاگے ہوئے ہیں اُن سے کسی کو کیا ڈر ہو سکتا ہے؟ اور ہم نے اُن کے انتظام کے لئے پہلے سے ایک افسر مقرر کر دیا ہے تا کہ ایک طرف انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو اور دوسری طرف اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ان کی وجہ سے اشتعال کی صورت نہ پیدا ہو۔
بہرحال یہ وفد تسلّی پا کر گیا ہے اور یہ بھی کہہ کر گیا ہے کہ ہم آپ کے ساتھ ہر طرح وفادار رہیں گے"

گورداسپور کے مُسلمانوں کا حوصلہ بلند رکھنے کی جدوجہد

علاقہ بھر میں سخت ابتری اور افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ ان حالات میں ضرورت اس بات کی تھی کہ ضلع گورداسپور اور بالخصوص قادیان کے ارد گرد کے علاقہ میں مسلمانوں کے حوصلے بلند رکھے جائیں اور انہیں آنے والے حالات میں ثابت قدم رہنے اور اپنے اندر تنظیم اور یک جہتی پیدا کرنے کی تلقین کی جائے۔ اس اہم ملّی تقاضا کے پیش نظر اگست کے وسط میں کئی ایسی پارٹیاں ارد گرد کے علاقہ میں بھجوائی گئیں۔ اس سلسلہ میں پہلی پارٹی موضع تلونڈی جھنگلاں میں بھیجی گئی۔ موضع تلونڈی قادیان سے شمال مغربی جانب پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں اکثریت احمدیوں کی تھی۔ سولہ گھر سکھوں اور

بیس کے قریب مہتروں کے تھے۔ کُل آبادی دو ہزار کے قریب تھی۔ گڑبڑ کے دنوں میں ہی تین ہزار مسلمان پناہ گزین ہو کر یہاں آ گئے تھے۔ جب ہنگامے اُٹھنا شروع ہوئے تو تلونڈی کے باشندوں کی درخواست پر قادیان سے ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو چودہ[۱۴] نوجوان بھجوائے گئے اور انہیں کھُلے لفظوں میں ہدایت کی گئی کہ اُن کا مقصد مسلمانوں کے حوصلہ کو بلند رکھنا اور ان کی تنظیم کرنا ہے۔

دوسری پارٹی ۱۶ اگست ۱۹۴۷ء کو آٹھ بجے شام جو بارہ[۱۲] افراد پر مشتمل تھی، کڑی، بھیٹ، بیری وغیرہ مسلمان علاقوں کی طرف بھجوائی گئی۔ جب یہ پارٹی روانہ ہوئی تو رات سخت اندھیری اور تاریک تھی اور بارش ہونے کے باعث دلدل کا یہ حال تھا کہ ایک ایک فٹ تک پاؤں دھنستے جاتے تھے مگر یہ پارٹی حکم کی تعمیل میں آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئی۔ کڑی، بھیٹ کے تین مسلمان گھڑسوار پارٹی کی راہ نمائی کر رہے تھے اور پارٹی پیدل جا رہی تھی۔ خدا خدا کر کے دو بجے شب کڑی، بھیٹ کی زمین نظر آئی جہاں دوسرے دن صبح گاؤں کے معتبر افراد کو اکٹھا کیا گیا اور انہیں خود حفاظتی کی نہایت موثر رنگ میں تلقین کی گئی مگر انہوں نے کہا کہ سکھوں کے ساتھ ہمارے پُرانے تعلقات ہیں اُن سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے شام کو پارٹی بیری وغیرہ کی طرف روانہ ہونے لگی تو بھیٹ والوں نے ان کا راستہ روک لیا اور اُنھیں نہایت بھولے پن سے یہ مشورہ دیا کہ آج کی بجائے صبح چلے جانا۔ پارٹی نے اپنا ارادہ صبح پر ملتوی کر دیا۔ اور سمجھا کہ شاید انہیں ہماری گذارشات کے متعلق کچھ احساس پیدا ہو گیا ہے مگر اُن کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے اُن کی زبان سے یہ بات سُنی کہ ہم اپنے گاؤں کے کچھ جوہڑے آپ کے ساتھ بھیج رہے ہیں تا آپ راستہ میں سکھ دیہات پر حملہ کر کے انہیں بھگا دیں اور ہمارے مسلمان بھائی گندم کی لُوٹ سے "فیض یاب" ہو سکیں۔ پارٹی کے افراد نے جھنجلا کر کہا کہ ایسا کرنا شرافت کے صریح خلاف ہے اور یہ کہہ کر ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا اور دوسرے دن علی الصبح ۵ بجے بیری کی طرف روانہ ہو پڑے۔ راستہ میں اولکھ اور سونچ (دو سکھ دیہات) میں یہ عجیب خبر مشہور ہو گئی کہ کوئی جتھہ آ رہا ہے جس پر اولکھ وغیرہ کے سکھوں نے بیری کے مسلمان نمبردار اور دو تین معتبرین کو اپنے پاس بُلا کر اصل کیفیت پوچھی۔ اُن میں سے ایک مسلمان نے جواب دیا کہ یہ قادیان والے ہیں جو عوام کو پُرامن طور پر رہنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ ان کا قیام میرے ہاں ہے اس لئے آپ کو کسی قسم کا فکر نہ کرنا چاہیئے۔ یہ سُن کر سکھوں نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے اگر قادیان والے ہیں تو وہ یہاں رہیں، ان سے کسی قسم کی خرابی کی ہرگز کوئی توقع نہیں ہو

سکتی۔ مگر یہ پارٹی جب ۱۷؍اگست کو ایک بجے شب کے بعد واپس قادیان آرہی تھی تو بیری اور قادیان کے رستہ میں نہر کے پُل پر سکھوں کا ایک جتھہ ان کا راستہ روکنے کے لئے موجود تھا مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت! جب پارٹی کے افراد پُل پر پہنچے تو پہلی ڈیوٹی والے دوسری ڈیوٹی والے سکھوں کو نزدیک کے باغ میں جگانے کے لئے چلے گئے اور پارٹی خاموشی سے پُل پار کر کے چار بجے صبح مرکز میں پہنچ گئی۔

حضرت مُصلح موعود کا ایک الہام

حضرت مصلح موعود ۱۲؍ظہور/اگست کو نمازِ عشاء کے لئے تشریف لائے تو حضور نے احباب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"جس امر کے متعلق مَیں دوستوں کو پہلے بھی دُعا کی طرف توجہ دلا چکا ہوں۔ اس امر کے متعلق آج پھر دُعا کی تحریک کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت تک جو خبریں آرہی ہیں وہ تشویشناک ہیں۔ دوستوں کو دُعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسے سامان پیدا فرمائے جن سے ہماری مشکلات دُور ہوں اور جماعت کو ترقی حاصل ہو"

اس کے بعد حضور نے اپنے بعض تازہ الہامات و رؤیا کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:۔

"اسی طرح آج عصر کے بعد مجھے الہام ہوا کہ

"اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یَاْتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا"

اس الہام میں تبشیر کا پہلو بھی ہے اور انذار کا بھی۔ تفرقہ تو ایک رنگ میں پہلے ہو گیا ہے۔ یعنی ہماری کچھ جماعتیں پاکستان کی طرف چلی گئی ہیں اور کچھ ہندوستان کی طرف۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اُن کے اکٹھا ہونے کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ اگر ہمارا قادیان ہندوستان کی طرف چلا جائے تو اکثر جماعتیں ہم سے کٹ جاتی ہیں کیونکہ ہماری جماعتوں کی اکثریت مغربی پنجاب میں ہے۔ اس لئے دوستوں کو اس معاملہ میں خاص طور پر دُعاؤں سے کام لینا چاہیئے۔ جب کسی شخص کا بچہ بیمار ہوتا ہے تو اُسے دُعا کا کتنا بڑا احساس ہوتا ہے اور یہ معاملہ کسی ایک شخص سے نہیں بلکہ جماعت کے لاکھوں آدمیوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے تمام دوستوں کو نہایت تضرّع اور انکسار کے ساتھ دُعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں ہماری مدد فرمائے اور ایسے سامان پیدا فرمائے جو ہماری بہتری اور ترقی کا موجب ہوں" [1]

---

[1] "الفضل" ۱۸؍ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۲

پاکستان اور بھارت کے قیام پر حضرت سیدنا المصلح الموعود کی دُعا

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان انگریزی اقتدار سے آزاد ہو کر پاکستان اور بھارت کی دو آزاد حکومتوں میں تقسیم ہو گیا اور ساتھ ہی وسطی پنجاب میں خونریز فسادات شروع ہو گئے۔ حضرت سیدنا المصلح الموعودؓ نے آزادی کے دوسرے روز ۱۵ اگست (ظہور) کو خطبہ جمعہ میں اس تغیر عظیم کا ذکر کرتے ہوئے پہلے تو مشرقی پنجاب میں قتل و غارت اور فساد پر نہایت درجہ غم و اندوہ کا اظہار کیا اور فرمایا :-

"اس آزادی کے ساتھ ساتھ خونریزی اور ظلم کے آثار بھی نظر آتے ہیں خصوصاً ان علاقوں میں جن کے ہم باشندے ہیں۔ وسطی پنجاب اس وقت لڑائی جھگڑے اور فساد کا مرکز بنا ہوا ہے ان فسادات کے متعلق روزانہ جو خبریں آ رہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سینکڑوں آدمی روزانہ موت کے گھاٹ اُتارے جا رہے ہیں اور ایک بڑی جنگ میں جتنے آدمی روزانہ مارے جاتے تھے اتنے آجکل اس چھوٹے سے علاقہ میں قتل ہو رہے ہیں اور ایک بھائی دوسرے بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ پس ان حالات کے ماتحت جیسے عید کے دن اس عورت کے دل میں خوشی نہیں ہو سکتی جس کے اکلوتے بچے کی لاش اس کے گھر میں پڑی ہوئی ہے اور جیسے کسی قومی فتح کے دن ان لوگوں کے دل فتح کی خوشی میں شامل نہیں ہو سکتے جن کی نسل فتح سے پیشتر اس لڑائی میں ماری گئی۔ اسی طرح آج ہندوستان کا سمجھدار طبقہ باوجود خدا تعالےٰ کا شکر ادا کرنے کے اپنے دل میں پوری طرح خوش نہیں ہو سکتا"

اس اظہار تاسف کے بعد حضور نے فرمایا :-

"یہ دو حکومتیں جو آج قائم ہوئی ہیں ہمیں ان دونو سے ہی تعلق ہے کیونکہ مذہبی جماعتیں کسی ایک ملک یا حکومت سے وابستہ نہیں ہوتیں۔ ہماری جماعت کے افراد پاکستان میں بھی ہیں اور ہماری جماعت کے افراد انڈیا میں بھی ہیں۔ . . . گو ہماری جماعت کے افراد پہلے بھی غیر ملکوں میں رہتے تھے مگر وہ تو پہلے ہی ہم سے الگ رہتے تھے۔ مگر اب جو ہمارے بھائی ہم سے الگ ہو رہے ہیں وہ ایک عرصہ سے اکٹھے رہتے آ رہے تھے۔ اب ہم ایک دوسرے سے اس طرح مِلا کریں گے جیسے غیر ملکی لوگ آپس میں ملتے ہیں۔

پس ہم امن آزادی اور جدائی کے موقعہ پر خدا تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ دونوں ملکوں ہی کو ترقی بخشے ان دونوں ملکوں کو عدل و انصاف پر قائم رہنے کی توفیق بخشے اور ان دونوں ملکوں کے لوگوں کے دلوں میں محبت اور پیار کی رُوح بھر دے۔ یہ دونوں ملک ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں مگر بیدردانہ طور پر اور ہمدردانہ طور پر اور مخلصانہ طور پر اور جہاں ان میں رُوحِ مقابلہ پائی جائے وہاں ان میں تعاون اور ہمدردی کی روح بھی پائی جائے اور یہ ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ میں شریک حال ہوں۔ خدا تعالیٰ انہیں ہر شر سے بچائے اور اپنے فضل سے امن اور صلح اور سمجھوتے کے ذریعہ سے ایسے سامان پیدا کر دے کہ ہم . . . . اس کو اسلام کی روشنی کے پھیلانے کا مرکز بنا سکیں۔ اللّٰھُمَّ اٰمِیْن" [1]

قادیان میں یوم آزادی کی تقریب

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو قادیان میں پُورے وقار سے یوم آزادی کی تقریب منائی گئی۔ قادیان کی سرکاری عمارتوں، ڈاک خانہ، ایکسچینج آفس، پولیس چوکی وغیرہ پر پاکستان کا جھنڈا لہرایا گیا اور اُسے سلامی دی گئی۔ نیز غرباء میں مٹھائی تقسیم کی گئی اور کھانا کھلایا گیا۔

علاوہ ازیں نماز جمعہ کے بعد مسجد اقصیٰ میں حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے (ایم۔ایل۔اے) کی صدارت میں ایک جلسہ بھی منعقد ہوا جس میں حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ اور حضرت چوہدری صاحب نے تقریریں فرمائیں اور ان اہم ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی جو آزاد ہونے کے بعد اہلِ ملک پر عائد ہوتی ہیں۔ اجتماعی دعا پر یہ جلسہ برخاست ہوا۔ [2]

فصل ہشتم

قادیان کے ہندوستان میں شامل کئے جانے کا فیصلہ اور حضرت سیدنا المصلح الموعود کا پُر شوکت اعلان

اب ہم تاریخ احمدیت کے ایک ایسے سنگین اور پُر فتن موڑ میں داخل ہو رہے ہیں جس کی ہولناکیوں کا تصور آج بھی لرزہ براندام

---

[1] و [2] "الفضل" ۱۶ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱ و ۲ ۔

کر دیتا ہے اور جس دَور کے اثرات صدیوں تک قائم رہیں گے۔

جماعت احمدیہ کے مقدس امام اور خدا کے پیارے مصلح موعود آنے والے خوفناک خطرات کو اپنی بصیرت کی آنکھ سے دیکھ رہے تھے اور ان پرفتن ایّام میں مجسم گریہ و بکا بنے ہوئے تھے۔ حضرت مصلح موعود کی انتہائی خواہش تھی کہ قادیان پاکستان میں شامل ہو اور اس کی تکمیل کے لئے آپ نے ایک فقید المثال اور سرفروشانہ جدّوجہد بھی کی اور بے شمار اقتصادی مشکلات اور محدود ذرائع کے باوجود ہزاروں روپے اس سلسلہ میں قربان کر ڈالے۔ بہترین علمی قابلیتیں اور فنّی صلاحیتیں صرف کیں اور ریڈکلف ایوارڈ کے سامنے حق وصداقت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا مگر خدائی تقدیر جس کے اندر بے شمار مصلحتیں اور حکمتیں مضمر تھیں بہرکیف پوری ہو کے رہی یعنی ریڈکلف ایوارڈ میں ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء (مطابق ۱۷ ظہور ۱۳۲۶ ہش) کو نہایت ظالمانہ طور پر بٹالہ، گورداسپور اور پٹھانکوٹ کی مُسلم اکثریت کی تحصیلیں ہندوستان کا حصہ بنا دی گئیں جس کے نتیجہ میں قادیان کی مقدس بستی بھی بھارت میں شامل کر دی گئی۔

اس فیصلہ کا اعلان سُن کر قادیان کے احمدیوں پر کیا گذری؟ اس کا اندازہ آج نہیں لگایا جا سکتا۔ اس دن ہر آنکھ اشکبار، ہر چہرہ اُترا ہوا، ہر سینہ زخم رسیدہ، ہر جسم نڈھال اور ہر رُوح لرزہ براندام تھی۔ اس ہوشرُبا قیامت کے دوران شام ہوئی تو حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود مسجد مبارک میں تشریف لائے۔ نماز مغرب پڑھائی اور پھر مجلسِ علم وعرفان میں رونق افروز ہو کر نہایت تفصیل سے بتایا کہ ہم کئی دنوں سے قادیان کے پاکستان میں شامل ہونے کے لئے دُعائیں کر رہے تھے اور بعض کو اس سلسلہ میں مبشر خوابیں بھی آئی تھیں۔ اس ضمن میں فرمایا:-

> "جن دوستوں نے اپنی کی ہوئی تعبیروں کے خلاف ہوتے دیکھا ہے انہیں گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اور نہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ ان کی خوابیں شیطانی تھیں۔ جنہوں نے اپنی خوابوں کی تعبیر کی تھی کہ قادیان پاکستان میں شامل ہوگا۔ ان کی تعبیریں ابھی غلط نہیں ہوئیں اور اپنے وقت پر سچّی ثابت ہوں گی"

اس سلسلہ میں مزید فرمایا:-

> "ہم تم تو شطرنج پر ایک مُہرے کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ سلسلہ احمدیہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک لمبی اور نہ ختم ہونے والی تاریخ کا مالک ہے اور اسلام قیامت

تک کی تاریخ کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اگر اس دُنیا کے دو پرت فرض کر لئے جائیں تو یُوں سمجھنا چاہیئے کہ ایک پرت قبل از اسلام اور احمدیت کا ہے اور ایک پرت اسلام اور احمدیت کا ہے گویا ورقِ عالم کا ایک صفحہ قبل از اسلام اور احمدیت کا ہے اور دوسرا صفحہ اسلام اور احمدیت کا ہے اور اس صفحہ پر ہماری حیثیت زیر اور زبر بلکہ نقطہ کی بھی نہیں کیونکہ کروڑوں کروڑ احمدیوں کے مقابلہ میں چند لاکھ کی کیا حیثیت ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ آئندہ کیا نتائج نکلنے والے ہیں اور ہم میں سے کون زندہ رہ کر دیکھے گا اور کون مر جائے گا لیکن **فتح بہرحال احمدیت کی ہوگی۔**

پس خدا تعالیٰ کے اس فعل کو اپنے لئے مُضر نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ خدا تعالیٰ کا کوئی فعل ہمارے لئے مُضر نہیں ہو سکتا بلکہ **وہ ہماری ترقیات کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اور اللہ تعالیٰ مخالف حالات میں ہماری تائید اور نصرت فرما کر یہ بات واضح کر دے گا کہ وہ ہماری جماعت کے ساتھ ہے۔** ممکن ہے خدا تعالیٰ ہمارے ایمانوں کی آزمائش کرنا چاہتا ہے اور ہمیں ابتلاؤں میں ڈال کر یہ دیکھنا چاہتا ہو کہ ہم میں سے کون اپنے ایمان میں کچے ہیں اور کون ہیں جو مجھ پر اور میری نصرت پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہر حال میں ہمارا حامی و ناصر ہو اور اپنے فضل کے دروازے ہم پر کھول دے اور ہمیں ہر ابتلاء میں ثابت قدم رہنے کی توفیق بخشے۔" [1]

حضرت مصلح موعود کا ولولہ انگیز خطبہ عید الفطر

دوسرے دن ۱۸ ظہور/اگست کو عید الفطر تھی عید کے اس اجتماع میں فسردگی طاری تھی۔ ہر احمدی احمدیت اور قادیان کے مستقبل کے متعلق مشوش اور پریشان خاطر تھا کہ حضرت مصلح موعود رونق افروز ہوئے، نماز عید پڑھائی اور اپنے پُرشوکت خطبہ سے اسلام اور احمدیت کی ترقی اور غلبہ پر ایک زندہ ایمان اور زندہ ولولہ پیدا کر دیا۔ اور زخم رسیدہ بلکہ مُردہ دلوں میں پھر سے زندگی کی زبردست رُوح پھونک دی۔ حضور نے فرمایا :-

"جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے اور جب سے اللہ تعالیٰ کے رسُول دُنیا میں آنے شروع ہوئے ہیں یہ الٰہی سنّت چلی آتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے لگائے ہوئے درخت ہمیشہ آندھیوں اور طوفانوں

[1] "الفضل" ۵ تبلیغ / فروری ۱۳۲۷ہش / ۱۹۴۸ء صفحہ ۵ کالم ۲ تا ۴۔

کے اندر ہی ترقی کیا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جماعت کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ ان آندھیوں اور طوفانوں کو صبر سے برداشت کرے اور کبھی ہمّت نہ ہارے۔ جس کام کے لئے الٰہی جماعت کھڑی ہوتی ہے وہ کام خدا تعالیٰ کا ہوتا ہے بندوں کا نہیں ہوتا۔ پس وہ آندھیاں اور طوفان جو بظاہر اس کام پر چلتے نظر آتے ہیں درحقیقت وہ بندوں پر چل رہے ہوتے ہیں اس کام پر نہیں چل رہے ہوتے اور یہ محض نظر کا دھوکہ ہوتا ہے۔ جیسے تم نے ریل کے سفر میں دیکھا ہوگا کہ چل تو ریل رہی ہوتی ہے مگر تمہیں نظر یہ آتا ہے کہ درخت چل رہے ہیں۔ اسی طرح جب آندھیاں اور طوفان الٰہی سلسلوں پر آتے ہیں تو جماعتیں یہ خیال کرتی ہیں کہ یہ آندھیاں اور طوفان ہم پر نہیں بلکہ سلسلہ پر چل رہے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ سلسلہ پر نہیں آرہے ہوتے بلکہ افراد پر آرہے ہوتے ہیں۔ اُن افراد پر جو اس سلسلہ پر ایمان لانے والے ہوتے ہیں۔ ان آندھیوں اور طوفانوں کو بھیج کر اللہ تعالیٰ مومنوں کے ایمان کا امتحان لیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے کلام اور خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیم کا امتحان لینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ امتحان تو انسانوں کا لیا جاتا ہے۔ پس یہ آندھیاں اور یہ طوفان انسانوں پر آتے ہیں۔ مگر انسان کم عقلی سے یہ سمجھتا ہے کہ کسی اَور پر آرہے ہیں اور وہ طوفان جو اس کو ہلا رہے ہوتے ہیں ان کے متعلق وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ خدائی سلسلہ کو ہلا رہے ہیں۔ . . . .

پس ہماری جماعت کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ پودا جو خدا تعالیٰ نے لگایا ہے وہ بڑھے گا، پھلے گا اور پھُولے گا اور اس کو کوئی آندھی تباہ نہیں کرسکتی۔ ہاں ہماری غفلتوں یا ہماری سُستیوں یا ہماری لغزشوں کی وجہ سے اگر کوئی ٹھوکر آجائے تو وہ ہمارے لئے ہوگی سلسلہ کے لئے نہیں ہوگی۔ جب ہم اپنے توازن کو درست کرلیں گے اور اپنے ایمانوں کو مضبوط کرلیں گے تو وہ حوادث خود بخود دُور ہوتے چلے جائیں گے **بلکہ وہ حوادث ہمارے لئے رحمت اور برکت کا موجب بن جائیں گے۔**

رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے ہجرت کی تو لوگوں نے سمجھا کہ ہم نے ان کے کام کا خاتمہ کردیا ہے اور یہ حادثہ محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے لئے زبردست حادثہ ہے لیکن جس کو لوگ حادثہ سمجھتے تھے کیا وہ حادثہ ثابت ہوا یا برکت ؟ دنیا جانتی ہے کہ

وہ حادثہ ثابت نہ ہوا بلکہ وہ الٰہی برکت بن گیا اور اسلام کی ترقیات کی بنیاد اسی پر پڑی۔ پس ہماری جماعت کو اپنے ایمانوں کی فکر کرنی چاہیئے۔ اگر تم اپنے ایمانوں کو بڑھا لوگے اور اپنے ایمانوں کو مضبوط کرلوگے تو تمہارے لئے سال میں **صرف دو عیدیں ہی نہیں آئیں گی بلکہ ہر نیا دن تمہارے لئے عید ہوگا اور ہر نئی رات تمہارے لئے نیا چاند لے کر آئے گی۔** تم خدا تعالےٰ کی برگزیدہ جماعت ہو اور خدا تعالےٰ اپنی برگزیدہ جماعت کو اُٹھانے اور بڑھانے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔" [1]

حضرت مصلح موعود نے اپنے اس خطبہ عید کے آخر میں جماعت احمدیہ کے ہر فرد کو یہ نصیحت بھی فرمائی کہ

"تم اپنے متعلق صرف یہ سمجھو کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں قربانی کا بکرا بنایا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ عیدان بکروں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ عید بالکل الگ چیز ہے اور بکرے الگ چیز ہیں۔ پس تم اپنے دلوں کے اندر یہ یقین رکھو کہ تم صرف قربانی کے بکرے ہو اور جو کچھ ہے وہ تمہارا خدا ہی ہے تم کچھ بھی نہیں۔ جس دن تم اس انکسار کے مقام پر کھڑے ہو جاؤ گے اور جس دن تم اعترافِ نصرت باری کا مقام حاصل کر لوگے تو گو نصرتِ الٰہی اب بھی تمہارے شاملِ حال ہے مگر اس وقت جو اللہ تعالےٰ کی نصرت تمہارے لئے آئے گی وہ اس سے کہیں بالا ہوگی، پس تم اپنے آپ کو الٰہی قدرتوں کا آلہ بنا لو . . . . . تم خدا تعالےٰ کی تلوار بن جاؤ۔ ہتھیار بے شک ایک بے جان چیز ہے مگر یہ نہ سمجھو کہ تم بے جان ہو کر گر جاؤ گے۔ اگر ایک بادشاہ کی جُوتی یا کسی بادشاہ کا قلم یا شکسپیئر کی کتابیں کچھ حیثیت رکھتی ہیں تو تم سمجھ لو کہ جو شخص خدا تعالےٰ کا ہتھیار بن جائے اُس کی کیا حیثیت ہوگی۔ پس مَیں دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ تکبّر اور بڑائی کا خیال چھوڑ دو اور اپنے نفسوں پر ایک موت وارد کر لو تا کہ اللہ تعالےٰ تمہیں اپنا ہتھیار بنالے" [2]

---

[1] "الفضل" ۲۵ ظہور / اگست ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء ص ۳۶ [2] ایضاً

فصل نہم

قادیان کے ماحول میں فسادات اور قتل و غارت، اغوا اور آتشزنی کا خطرناک سلسلہ

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے اوائل ماہ امان/مارچ ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں لاہور، امرت سر اور ملتان وغیرہ میں فرقہ دارانہ فسادات اُٹھ کھڑے ہوئے جن کی وجہ سے پنجاب بھر میں خوف و ہراس پھیل گیا اور سکھوں کی طرف سے آئندہ فسادات کے لئے زبردست تیاریاں شروع ہوگئیں۔ چنانچہ کتاب "سکھوں کا منصوبہ" میں ماہ مئی ۱۹۴۷ء کے واقعات کی ذیل میں مستند معلومات کی بناء پر لکھا ہے:۔

"مہینے کے آخر میں سکھوں کی تیاریاں موگا، مالوہ اور دوآبہ میں مکمل ہوگئیں۔ ماجھا ابھی تیار نہ تھا۔ لیکن علاقہ تھانہ سرہالی، ترنتارن، بیاس اور ڈیرہ دوال کے باشندوں کو مسلح کرنے کی طرف توجہ کی گئی۔ **قادیان کے آس پاس رہنے والے سکھ بالکل تیار ہو چکے تھے** لیکن تحصیل بٹالہ میں ان کی تیاری اب تک پوری نہ ہوئی تھی" [۱]

قادیان کے ماحول میں فساد کا پہلا واقعہ ۲۴-۲۵ جولائی ۱۹۴۷ء (وفا ۱۳۲۶ہش) کی درمیانی شب کو پیش آیا۔ پچیس تیس سکھوں نے وڈالہ گرنتھیاں سٹیشن پر قادیان کی طرف جانے والی گاڑی کو روک کر اس پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے ڈرائیور اور پانچ چھ اشخاص زخمی ہو گئے۔ فائرمین نے نہایت ہوشیاری سے گاڑی چلا دی اور اس طرح گاڑی کو قادیان لے آنے میں کامیاب ہو گیا۔[۲]

۱۲ اگست (ظہور) ۱۹۴۷ء کو قادیان کی ریل بند کر دی گئی اور اس کے ساتھ ہی ڈاک کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا اور پھر جلد ہی تار کا سلسلہ بھی عملاً کٹ گیا

۱۷ اگست/ظہور ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء ریڈ کلف ایوارڈ کے فیصلہ کے مطابق قادیان کو ہندوستان یونین میں شامل کر دیا گیا۔ اور قادیان "بھاری خدائی امتحان" میں داخل ہو گیا۔ چنانچہ اگلے روز ہی

۱۸ اگست/ظہور ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو ضلع گورداسپور کے مسلمان دیہات پر سکھوں کے حملوں کا آغاز ہوا جس

---

[۱] صفحہ ۱۶۔ ناشر سول ملٹری گزٹ لمیٹڈ لاہور۔ [۲] "الفضل" ۲۰ وفا/جولائی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۸۔

کے ساتھ قتل وغارت، لُوٹ مار، اغوا اور آتشزنی کے بھیانک حادثات شامل تھے اور یہ سلسلہ روز بروز نیادہ وسیع اور زیادہ خطرناک ہوتا گیا حتی کہ بالآخر ضلع بھر کے سب مسلمان دیہات قتل وغارت کے ذریعہ خالی کرائے گئے۔ انہی ایام میں سکھوں نے قادیان کے اردگرد سب راستے اور نہروں کے پُل مسدود کرنا شروع کر دیئے اور آمد و رفت پُر خطر اور سخت مخدوش ہوگئی۔

۲۱ اگست (ظہور) کو قادیان سے غربی جانب واقع احمدی گاؤں ونجواں پر سکھوں نے حملہ کیا جس کے نتیجہ میں قریباً ۵ آدمی شہید اور ۳۹ زخمی ہوئے اور لُوٹ مار سے گاؤں خالی کرا لیا گیا۔

۲۲ اگست (ظہور) کو میجر چوہدری شریف احمد صاحب باجوہ بی۔اے، ایل ایل بی سیفٹی آرڈی نینس کے تحت گرفتار کر لئے گئے۔[1]

محاسب صدر انجمن احمدیہ کے دفتر کا قیام پاکستان میں

ریڈکلف ایوارڈ کے فیصلہ کے بعد سیدنا حضرت المصلح الموعود نے سب سے پہلا اور اہم قدم یہ اُٹھایا کہ جماعت احمدیہ کا خزانہ پاکستان میں منتقل کرنے کا فوری انتظام فرمایا۔ اور ۲۳ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو دفتر محاسب صدر انجمن احمدیہ کی ایک شاخ ۲ ٹمپل روڈ لاہور میں کھول دی گئی اور راجہ علی محمد صاحب ناظر بیت المال نے بذریعہ مطبوعہ سرکلر (مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۴۷ء) تمام امراء و صدر صاحبان کو اطلاع دی کہ

> "آئندہ تمام جماعتیں جو مغربی پنجاب اور صوبہ سرحد اور سندھ میں واقع ہیں وہ تا اطلاع ثانی صدر انجمن احمدیہ کے ہر قسم کے چندے اور حفاظتِ مرکز کی تحریک کے متعلق تمام رقمیں بنام محاسب صاحب صدر انجمن احمدیہ ۲ ٹمپل روڈ لاہور بھیجیں اور ہر مقامی جماعت کے ذمہ جس قدر چندے اور وعدے قابلِ ادائیگی ہیں وہ فوراً ادا کئے جائیں"[2]

---

[1] "الفضل" ۴ صلح/جنوری ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۴۔

[2] قریشی محمد عبداللہ صاحب (حال سپرنٹنڈنٹ تعلیم الاسلام کالج) کا بیان ہے کہ

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد تھا کہ محاسب صدر انجمن احمدیہ (مرزا عبدالغنی صاحب) فوراً لاہور بذریعہ ہوائی جہاز چلے جائیں اور اپنے ساتھ کوئی ہوشیار کارکن جسے وہ پسند کریں ساتھ لے جائیں اور وہاں دفتر محاسب و امانت شروع کریں اور اپنے ساتھ روپیہ بھی لیتے جائیں۔

چنانچہ مرزا عبدالغنی صاحب ۱۹ اگست ۱۹۴۷ء کو جمعہ کی نماز کے بعد مسجد سے دفتر خزانہ صدر انجمن احمدیہ سے خزانہ کا روپیہ لے کر دارالانوار پہنچ گئے اور بذریعہ ہوائی جہاز لاہور روانہ ہو گئے۔ آپ نے روانگی سے قبل خاکسار کو جو اس وقت دفتر محاسب و امانت کا ہیڈ کلرک تھا، ہدایت فرمائی کہ کل صبح نماز فجر کے معاً بعد حضرت صاحبزادہ مرزا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت سیدنا المصلح الموعود کا پہلا پیغام بیرونی احمدی جماعتوں کے نام

قادیان کا تعلق باقی دنیا سے کٹ چکا تھا جس کی وجہ سے بیرونی جماعتوں کا مشوش اور پریشان ہونا لازمی امر تھا حضرت سیدنا المصلح الموعود نے ان حالات کو دیکھ کر بیرونی احمدیوں کے لئے اپنے قلم مبارک سے بعض پیغامات لکھے تا دوسری احمدی جماعتیں نہ صرف مرکز کی مخدوش صورت حال سے باخبر ہوں بلکہ نئے تقاضوں کے پیش نظر اپنی ذمہ داریوں کو مومنانہ جرأت سے نباہنے کے لئے سراپا عمل ہو جائیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ سے ہدایات لے کر لاہور پہنچ جاؤں جس کی تعمیل میں خاکسار دوسرے دن ۲۰؍ اگست کو ہفتہ کے روز نماز فجر مسجد اقصیٰ میں ادا کرتے ہی حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اندر چٹ اپنے نام کی بھیج کر ہدایت چاہی جس پر حضرت میاں صاحب نے سرخی سے نوٹ فرمایا:۔

"لاہور ابھی چلے جائیں۔ جہاز دارالانوار میں تیار ہوگا۔ اپنے ساتھ صرف دفتر کا ضروری سامان دفتر چلانے کے لئے جو دس سیر سے زائد نہ ہو لے جا سکتے ہیں"

میں بجائے اس کے کہ گھر جاتا جو وہاں سے صرف پانچ چھ منٹ کا راستہ تھا دفتر محاسب پہنچا اور وہاں سے کچھ رسیدات اور دو ایک ضروری رجسٹر ساتھ لئے اور خزانہ کے پہرہ دار کو کہا کہ میرے گھر پیغام دے دیں کہ میں حضور کے ارشاد کی تعمیل میں لاہور جا رہا ہوں۔ میں بھاگا بھاگا دارالانوار پہنچا۔ وہاں مسجد دارالانوار کے پاس جہاز اڑان کے لئے سٹارٹ ہو چکا ہوا تھا۔ اس کے پائلٹ سید محمد احمد صاحب تھے۔ میں نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کی چٹ سید محمد احمد صاحب کو دی۔ انہوں نے جو آدمی پہلے جہاز میں لاہور جانے کے لئے بیٹھا تھا اُسے اُتار دیا۔ اور مجھے اس میں بیٹھنے کو فرمایا۔ میں نے رجسٹر وغیرہ جہاز میں رکھے اور جہاز میں بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھتے ہی جہاز لاہور کے لئے اڑان کر گیا اور میں نے جہاز میں بیٹھے بیٹھے وطن کو آخری سلام کیا۔ اس دن بارش ہو رہی تھی۔ راستے میں سید صاحب موصوف مختلف جگہوں پر سکھوں اور ہندو حملہ آوروں کے ہجوم بھی دیکھتے تھے تاکہ وہ اس کی اطلاع حضرت امیرالمومنین رضی اللہ عنہ کو دے سکیں۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا۔ میں جہاز کی کھڑکیاں مذکورہ اطلاع لینے کے لئے کھول رہا ہوں جم کر بیٹھے رہو۔ کھڑکیاں کھل گئیں۔ نیچے جگہ جگہ حملہ آوروں کے ہجوم مختلف دیہات میں دیکھے گئے۔ کئی جگہ آگ لگ رہی تھی۔

ہمارا جہاز امرتسر کے بالکل اوپر سے نہیں گذرا کیونکہ امرتسر میں تو ہمارے جہاز کو اُڑا دینے کے پورے سامان موجود تھے۔ اس لئے جہاز امرتسر سے ذرا ہٹ کر گذرا۔ قادیان سے لاہور ہم صرف نصف گھنٹہ میں پہنچ گئے۔ یہاں ہوائی اڈہ پر مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ تشریف لائے ہوئے تھے۔ وہی اس وقت لاہور میں مقامی امیر تھے۔ میں نے انہیں اپنی آمد اور آمد کے مقصد سے اطلاع دی۔ مجھے انہوں نے اپنی کار میں بٹھایا۔ اور کوٹھی ۱۳ ٹمپل روڈ لاہور میں (جو صدر انجمن کی ملکیتی ہے) پہنچے۔ یہاں اس وقت لاہور شہر اور بیرونجات سے احمدی احباب فسادات کے سلسلہ میں محلوں اور شہر میں جو لوٹ مار ہو رہی تھی کے باعث مکرم شیخ صاحب سے مشورے کرنے آ رہے تھے۔ مجھے تو حکم ہوا کہ میں وہاں کوٹھی میں دفتر قائم کر لوں اور جو احباب چندہ جات وغیرہ دیتے ہیں لینے شروع کر دوں۔ میں نے باوجودیکہ کوٹھی میں تل دھرنے کو بھی جگہ نہ تھی ایک کونے میں کرسی لگا کر کام

اس ضمن میں حضور نے سب سے پہلا پیغام ۲۲ ظہور / اگست ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو تحریر فرمایا اور بذریعہ ہوائی جہاز شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور کو بھیجا کہ وہ اسے چھپوا کر پاکستان اور اس سے باہر ممالک کی جماعتوں کو پہنچا دیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کی پوری تعمیل کی۔ اس اہم پیغام کا متن یہ تھا:۔

"بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

خدا کے فضل اور رحم کیساتھ

برادران جماعت احمدیہ! اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

فسادات بڑھ رہے ہیں۔ قادیان کے گرد دشمن گھیرا ڈال رہا ہے۔ آج سُنا گیا ہے۔ ایک احمدی گاؤں پوری طرح تباہ کر دیا گیا ہے۔ اس گاؤں کی آبادی چھ سَو سے اُوپر تھی۔ ریل، تار، ڈاک بند ہے۔ ہم وقت پر نہ آپ کو اطلاع دے سکتے ہیں اور نہ جو لوگ قادیان سے باہر ہوں اپنے مرکز کے لئے کوئی قربانی ہی کر سکتے ہیں۔

مَیں نے احتیاطاً خزانہ قادیان سے باہر بھجوا دیا ہے۔ پھر بھی اگر ان فسادوں کی وجہ سے بعض کو روپیہ ملنے میں دیر ہو تو انہیں صبر سے کام لینا چاہیئے کہ یہی وقت ایمان کی آزمائش کے ہوتے ہیں۔

مجھے بعض لوگ مشورہ دیتے ہیں کہ مَیں قادیان سے باہر چلا جاؤں۔ ان لوگوں کے اخلاص میں شُبہ نہیں لیکن میری جگہ قادیان ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ تفسیر کا کام اور کئی اور کام پڑے ہیں۔ لیکن ان کاموں کے لئے خدا تعالےٰ اَور آدمی پیدا کر دے گا یا وہ مجھے قادیان میں ہی دشمن کے حملہ سے بچالے گا۔ لیڈر کو اپنی جگہ نہیں چھوڑنی چاہیئے۔ یہ خدا تعالےٰ پر بدظنّی ہے۔ مجھے یقین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) شروع کر دیا۔

چونکہ ابھی قادیان کی حفاظت کے سلسلہ میں سامان اور رضاکار بھجوائے جا رہے تھے جس کے لئے شیخ صاحب مکرم پہلے پرچی جاری کرتے اور محاسب صاحب کی تصدیق سے مَیں ادائیگی کر دیتا تھا۔ مذکورہ ضروریات کے لئے حضور رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق حبیب بنک لمیٹڈ لاہور میں صدر انجمن احمدیہ پاکستان لاہور کے نام سے اکاؤنٹ کھولا گیا جس کے آپریٹر شیخ بشیر احمد صاحب اور مرزا عبدالغنی صاحب محاسب قرار پائے تھے۔

مجھے بنک سے حسب ضرورت پچاس ساٹھ ہزار روپیہ نکلوا دیا گیا۔ مَیں روزانہ جو آمد چندہ جات وصول ہوتی اُسے بنک مذکور میں جمع کرا دیتا اور بنک سے برآمد شدہ رقم ہر دو افسران کی ہدایات کے تحت خرچ کرتا اور اس کا حساب رکھتا جاتا۔

لاہور میں اس وقت مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خانصاحب (جو اس وقت پاکستان کے وزیر خارجہ تھے) اور جماعت احمدیہ کی ہر طرف تعریف ہو رہی تھی کہ یہی ایک مسلمانوں کی جماعت ہے جو ہندو سکھوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہی ہے"

ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا اور ہمیں فتح دے گا مگر پھر بھی حضرت مسیح موعودؑ کی عزت اور احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض مستورات کو باہر بھجوانے کا ارادہ ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ نے انتظام کر دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے وعدوں کے مطابق آگئی تو یہ سب خدشات صرف ایک احمقانہ ڈر ثابت ہوں گے۔ لیکن اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے سمجھنے میں غلطی کی ہے تو یہ احتیاطیں ہمارے لئے ثواب کا موجب ہوں گی۔

آخر میں مَیں جماعت کو محبت بھرا اسلام بھجواتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہو۔ اگر ابھی میرے ساتھ مل کر کام کرنے کا وقت ہو تو آپ کو وفاداری سے اور مجھے دیانت داری سے کام کرنے کی توفیق ملے اور اگر ہمارے تعاون کا وقت ختم ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہو اور آپ کے قدم کو ڈگمگانے سے محفوظ رکھے۔ سلسلہ کا جھنڈا نیچا نہ ہو۔ اسلام کی آواز پست نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کا نام ماند نہ پڑے۔ قرآن سیکھو اور حدیث سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ اور خود عمل کرو اور دوسروں سے عمل کراؤ۔ زندگیاں وقف کرنے والے ہمیشہ تم میں سے ہوتے رہیں اور ہر ایک اپنی جائداد کے وقف کا عہد کرنے والا ہو۔ خلافت زندہ رہے اور اس کے گرد جان دینے کے لئے ہر مومن آمادہ کھڑا ہو۔ صداقت تمہارا زیور، امانت تمہارا حُسن، تقویٰ تمہارا لباس ہو۔ خدا تعالیٰ تمہارا ہو اور تم اُس کے ہو۔ آمین۔

میرا یہ پیغام ہندوستان کے باہر کی جماعتوں کو بھی پہنچا دو اور انہیں اطلاع دو کہ تمہاری محبت میرے دل میں ہندوستان کے احمدیوں سے کم نہیں۔ تم میری آنکھ کا تارا ہو۔ مَیں یقین رکھتا ہوں کہ جلد سے جلد اپنے ملکوں میں احمدیت کا جھنڈا گاڑ کر آپ لوگ دوسرے ملکوں کی طرف توجہ دیں گے اور ہمیشہ خلیفۂ وقت کے جو ایک وقت میں ایک ہی ہو سکتا ہے فرماں بردار رہیں گے اور اس کے حکموں کے مطابق اسلام کی خدمات کریں گے۔ والسّلام

خاکسار مرزا محمود احمد ۲۲-۸-۴۷ء

پاکستان اور بیرونی مُلکوں میں حضرت مُصلح موعُود کا پیغام اور دُوسری مرکزی اطلاعات پہنچانے کا انتظام

حالات کے تبدیل ہوتے ہی امیر جماعت احمدیہ لاہور (شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ) نے جماعت کراچی سے رابطہ قائم کر لیا جہاں جماعت احمدیہ

کے ناظر امور عامہ مولانا عبدالرحیم صاحب درد مقیم تھے اور قادیان کی صورتِ حال کے متعلق پاکستان کے وزراء سے ملاقاتیں کر رہے تھے۔ کراچی کی جماعت غیر ملکی جماعتوں تک اطلاعات پہنچا دیتی تھی۔ یورپ کے تمام مشنوں تک اطلاعات کے ارسال کرنے کا طریق یہ اختیار کیا گیا کہ لندن مشن کو کراچی سے اطلاعات موصول ہوتیں اور یہاں سے اُسے یورپ کے دوسرے مشنوں تک پھیلا دیا جاتا۔ اسی طریق کے مطابق سیدنا حضرت مصلح موعود کا یہ پیغام بھی پہلے لاہور پہنچا جہاں سے جماعت احمدیہ لاہور نے بذریعہ فون اُسے کراچی تک پہنچا دیا اور جماعت کراچی نے اسے بیرونی جماعتوں تک پہنچانے کا انتظام کیا اور دہلی اور رنگون دونوں سے بذریعہ سرکلر یہ پیغام نشر کیا گیا۔ پاکستان اور پاکستان کے باہر دوسرے ممالک تک اطلاعات پہنچانے کا جو طریق اختیار کیا گیا وہی طریق ہندوستان کی جماعتوں کے لئے معرضِ عمل میں لایا گیا۔ یعنی کراچی سے براہِ راست دلی کو اطلاعات دی جاتی رہیں۔ جب فسادات شروع ہوئے تو جناب صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب مقیم دریا گنج دہلی میں تھے اور مجلس خدام الاحمدیہ کے قائد تھے۔ آپ نے یہ دیکھ کر کہ قادیان کی اطلاعات جماعتوں تک نہیں پہنچ رہیں، ۲۱ اگست ۱۹۴۷ء سے مندرجہ ذیل امراء جماعت کو سرکلر لیٹر بھجوانے کا انتظام فرمایا:۔

آگرہ ۔ انبالہ ۔ بمبئی ۔ بھوپال ۔ بریلی ۔ پٹیالہ ۔ پانی پت ۔ جالندھر ۔ حیدر آباد دکن ۔ ڈیرہ دون منصوری ۔ رہتک ۔ شاہجہان پور ۔ کلکتہ ۔ کانپور ۔ کراچی ۔ کوئٹہ ۔ لکھنؤ ۔ لدھیانہ ۔ کپورتھلہ مالیر کوٹلہ ۔ امرتسر ۔ اٹک ۔ نوک کنڈی ۔ بنگلور ۔ بھاگلپور ۔ پشاور ۔ پٹیالہ ۔ جے پور ۔ رانچی حیدر آباد سندھ ۔ راولپنڈی ۔ جہلم ۔ چمن ۔ چٹاگانگ ۔ سکندر آباد ۔ سرگودھا ۔ سیالکوٹ سورت ۔ سرینگر ۔ کرنال ۔ کاٹھیاواڑ گجرات ۔ قصور ۔ لاہور ۔ مدراس ۔ میانوالی ۔ مالابار ۔ وزیر آباد

چنانچہ دہلی کے پہلے سرکلر لیٹر میں تحریر کیا گیا کہ ہمیں مرکز سے کوئی اطلاعات نہیں موصول ہو رہیں۔ مگر احباب کو چاہیئے کہ حضور کے خطبہ جمعہ کے ارشاد کے مطابق بار بار دُعائیں کریں۔

دوسرے سرکلر میں بتایا گیا کہ ہم ایک خادم کو ہفتہ میں ایک بار بذریعہ ہوائی جہاز لاہور بھجوایا کریں گے نیز لکھا کہ ہم مرکز سے بالکل بے خبر ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ ہر وقت تعلق رکھیں۔ جس جماعت کو بھی کوئی قابلِ اعتبار خبر ملے وہ دوسری جماعتوں تک فوراً پہنچائے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کی جماعتوں کے لئے مندرجہ ذیل سات مرکز تجویز کئے گئے جن کے ذریعہ فرض عائد کیا گیا کہ وہ روزانہ دہلی سے اطلاعات حاصل کر کے اپنے قرب و جوار کی جماعتوں تک پہنچائیں۔

۱۔حیدرآباد (برائے جنوبی ہند) ۲۔ بمبئی (برائے صوبہ بمبئی۔گجرات۔کاٹھیاواڑ)
۳۔ناگپور (" راجپوتانہ) ۴۔ بنگال (" بنگال۔آسام۔اُڑیسہ)
۵۔پٹنہ (" صوبہ بہار) ۶۔ لکھنؤ (" صوبہ یو۔پی)
۷۔کراچی (" سندھ بلوچستان)

یہ دوسرا سرکلر لیٹر لکھا جاچکا تھا کہ مولانا عبدالرحیم صاحب دردؔ کی طرف سے کراچی سے ۲۴ اگست کو مندرجہ ذیل پہلا تار موصول ہوا (اس مضمون کے مختلف تار کراچی سے دیگر ممالک کی جماعتوں کو بھی دیئے گئے)

"COMMUNICATIONS WITH QADIAN COMPLETELY CUT OFF. BEING SURROUNDED WITH HOSTILE POPULATIONS ATTACK FEARED BY ANY MOMENT. IMPRESS UPON LORD MOUNTBETTON BY URGENT WIRES NEED OF TAKING DECISIVE AND IMMEDIATE MEASURES FOR RESPECT AND SECURITY OF OUR HEADQUARTERS AND RESTORE COMMUNICATIONS. INFORM U.P. AND BIHAR SIMMILAR ACTION. DARD.

۲۸ اگست ۱۹۴۷ء کے سرکلر میں بتایا گیا کہ حال ہی میں چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے گورنر جنرل انڈین یونین سے ملاقات کرکے قادیان کی حفاظت کے سلسلہ میں فوری انتظام کا مطالبہ کیا ہے۔مولوی محمد سلیم صاحب (مبلغ کلکتہ) نے پنڈت نہرو، سردار بلدیو سنگھ اور مولانا آزاد سے ملاقات کی اور درخواست کی کہ قادیان سے سلسلہ مواصلات جاری کیا جائے۔نیز جماعتوں سے کہا گیا کہ وہ لارڈ مونٹ بیٹن، قائداعظم جناح، پنڈت نہرو اور لیاقت علی خان کو درخواست کریں کہ ہمیں اپنے پیارے امام اور مرکز کی کوئی اطلاع نہیں مل رہی۔ براہِ کرم انتظام فرمایا جائے۔

اس سے قبل ایک اور سرکلر میں بتایا گیا کہ احباب سے بذریعہ سرکلر ہم نے وعدہ کیا تھا کہ مرکز سے متعلقہ تمام معلومات جُوں جُوں ہمیں معلوم ہوں گی فوراً دوستوں تک پہنچا دی جائیں گی۔اب تک حسب ذیل اطلاعات موصول ہوچکی ہیں۔(اس کے بعد کچھ معلومات درج ہیں، اور پھر لکھا) مولوی محمد سلیم صاحب مبلغ اپنے ہیڈکوارٹر

سے بذریعہ ہوائی جہاز کل یہاں پہنچے تاکہ مرکز سے متعلقہ خبریں جماعت کلکتہ کو بھیجیں (اس کے بعد کلکتہ، بمبئی، کراچی اور حیدر آباد کی جماعتوں کے پتے درج کئے گئے)۔

صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء کو بذریعہ ہوائی جہاز لاہور تشریف لے آئے تو دھلی کی مجلس خدام الاحمدیہ کے سکرٹری رشید احمد ملک نے یہ ڈیوٹی اپنے ذمہ لے لی کہ وہ ہندوستان کی جماعتوں کو مرکزی اطلاعات سے ضرور باخبر رکھیں گے اور متعدد سرکلر بھجوائے۔

غرضکہ قادیان کی مقدس بستی ریڈکلف ایوارڈ کے فیصلہ سے قبل ہی باقی دنیا سے منقطع ہو چکی تھی مگر اس کے فدائی اور شیدائی اس صورتِ حال کو نہایت اضطراب کی نظر سے دیکھتے ہوئے ہر اس ممکن کوشش میں مصروف تھے کہ ہمیں اپنے محبوب آقا اور محبوب مرکز کے حالات کا علم ہو جائے۔

شیخ بشیر احمد صاحب کے نام پہلا اہم مکتوب

پریس میں مسٹر غضنفر علی خاں وزیر خوراک پاکستان کے متعلق یہ خبر شائع ہوئی کہ آپ ۲۲ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی سے لاہور آرہے ہیں اور وہ جالندھر میں پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم بھارت سے مشرقی پنجاب کے فسادات کے سلسلہ میں مشورہ کریں گے نیز شائع ہوا کہ دونوں اصحاب نے مشرقی پنجاب میں قیام امن کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور وہ فساد زدہ علاقوں کا دَورہ کریں گے اور اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک امن قائم نہیں ہو جاتا۔[1]

سیدنا حضرت المصلح الموعود نے اس اطلاع پر شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لاہور کے نام اپنے قلم مبارک سے مندرجہ ذیل مکتوب تحریر فرمایا:-

"مکرمی شیخ بشیر احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بار بار باتیں لکھی جاتی ہیں۔ ایسا نہ ہو مشوش ہو جائیں۔ ایک کاپی بنا کر اس پر لکھوا لیا کریں۔ کراچی سے راجہ غضنفر علی آرہے ہیں ان سے ضرور مل کر مندرجہ ذیل باتیں کریں:-

۱۔ سارے مشرقی پنجاب میں صرف گورداسپور ہی مسلم اکثریت کا ضلع ہے اس لئے اسے تباہ کرنے کی طرف سکھ لگ گئے ہیں اور اس وقت تک پچاس ہزار آدمی بھاگ چکا ہے۔ اور عملاً یہ ضلع اقلیت کا

---

[1] "الفضل" ۲۵ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۴ کالم ۱۔

ہو گیا ہے۔ یہی ان لوگوں کا منشا رتھا۔ یہ حالت اس طرح پیدا ہوئی ہے۔

الف۔ فوراً ہی سب مسلمان پولیس واپس چلی گئی۔

ب:۔ ملٹری بھی ہندو لگائی گئی۔

ج۔ افسر مسلمان سب چلے گئے۔

د۔ گاڑیاں، تار، ڈاک بند ہو گئے۔ عوام نے سمجھا، ہمیں بند کر کے مارنے لگے ہیں۔ اس لئے بھاگو۔ سکھوں نے پراپیگنڈا کیا کہ اب یا سکھ ہونا پڑے گا یا ملک چھوڑنا پڑے گا۔ مسلمانوں نے گاؤں چھوڑا تو گاؤں جلا دیئے۔ اب واپس بھی نہیں جا سکتے۔

ہ۔ مغربی و مشرقی حکومتوں کی طرف سے پے در پے اعلان ہوئے کہ تبادلہ آبادی کا انتظام کیا جا رہا ہے اس سے لوگ بالکل ہی دل ہار بیٹھے اور اب تو بزدلی کی یہ حالت ہے کہ ایک سکھ نیزہ والا نظر آجائے۔ چوڑھا دھمکی دے دے تو سارا گاؤں، گاؤں خالی کر کے بھاگ پڑتا ہے ظلم بھی بے انتہا کیا ہے۔ بوڑھے، بچے، عورتیں اس قدر مارے گئے ہیں کہ الامان! یہ لوگ دوسری جگہ جاتے ہیں تو اپنی داستانوں سے اَور لوگوں کے حوصلے پست ہوتے ہیں۔

آپ انتظام کرنے آئے ہیں۔ خدا کرے کامیاب ہوں۔ مگر اسلام اور مسلمانوں کی مدد کرنی ہے تو اسی طرح اسلام کی بے حرمتی کو روکئے۔ سکھوں کے آگے سے محمد رسول اللہ کے کے نام لیوا بھاگے جا رہے ہیں۔ اس سے دل سخت دکھی ہوتا ہے۔ ترکیب یہ ہے کہ

۱۔ فوراً تار، ڈاک اور ریل کے جاری کرنے پر زور دیجئے۔ یہ روک مشرقی پنجاب کی طرف سے ہے۔ اور مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے۔

۲۔ اوّل تو سارے مشرقی پنجاب کے متعلق کہہ دیجئے کہ اپنی اپنی جگہ مسلمانوں کو بساؤ۔ ہم ہندوؤں کو بسائیں گے۔ نہ اُن کو اُدھر جانے دیں گے نہ ان کو اِدھر آنے دیں گے۔ ہم ان لوگوں کو بے وطن نہیں کرنا چاہتے۔ اگر دوسری جگہ کے مسلمان ایسا نہیں کر سکتے تو گورداسپور کے متعلق ضرور ہی زور دیں۔ اس سے مسلمان بھی کچھ ٹھہرنے لگ جائیں گے۔ مَیں نے دیکھا ہے۔ پناہ گزینوں کے نکالنے میں ہندو سکھ افسر ایسی دلچسپی لیتے تھے کہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس میں وہ اپنا فائدہ سمجھتے ہیں۔

۳۔ فوراً ایک دو ہزار پولیس کا مسلمان فارغ کر کے ادھر بھجوائیے اور زور دیجئے کہ فوراً مسلمان علاقوں میں پھیلا دیں۔ اتنا ہی ہندو اپنی طرف لے کر ہندوؤں کے علاقے میں لگا دیں۔

۴۔ ملٹری اس وقت خطرہ کا موجب بن رہی ہے۔ فوراً مسلمان ملٹری خواہ ½ ہو پر زور دیجئے نیز اس پر کہ افسر غیر مسلم ہو تو نائب مسلمان ہو۔ نائب غیر مسلم ہو تو افسر مسلمان ہو

۵۔ ہوائی جہازوں کی سہولت پیدا کی جائے تا ادھر ادھر لوگ جا سکیں۔

۶۔ آپ گورداسپور میں ضرور آئیں۔ قادیان بھی ہو سکے تو، ورنہ گورداسپور بٹالہ ضرور، تا یہ اکثریت کا ضلع اقلیت کا نہ ہو جائے۔ والسلام خاکسار

مرزا محمود احمد" [۱]

فیض اللہ چک پر حملہ

۲۴ اگست کو قادیان سے شمالی جانب احمدی گاؤں فیض اللہ چک پر ہزاروں مسلح سکھوں نے پولیس اور ملٹری کی موجودگی میں حملہ کیا جس میں بہت سے احمدی اور غیر احمدی شہید ہوئے اور کئی مسلمان عورتیں اغوا کر لی گئیں اور سارا گاؤں معہ ملحقہ دیہات کے خالی کرا لیا گیا اور ایک احمدی جو فیض اللہ چک کی خیریت دریافت کرنے کے لئے موٹر پر جا رہا تھا اس کے ڈرائیور کو گولی کو زخمی کر کے موٹر ضبط کر لی گئی۔

شیخ بشیر احمد صاحب کے نام دوسرا اہم مکتوب

اس سانحہ ہوشربا کے معاً بعد حضرت مصلح موعود نے شیخ بشیر احمد صاحب کے نام حسب ذیل مکتوب تحریر فرمایا:-

"مکرمی شیخ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل رات سے فیض اللہ چک احمدی گاؤں پر حملہ ہوا۔ دو دفعہ وہ لوگ پسپا ہوئے۔ مگر پھر پولیس کی مدد سے جو جب بھی فیض اللہ چک کو غلبہ ملتا سکھوں کی مدد کرتی۔ آخر کل قصبہ تباہ ہوا۔ بہت آدمی مارے گئے۔ دو ہزار پناہ گزین قادیان رات کو آیا ہے۔ اس وقت قادیان کی حالت بالکل

---

[۱] مسٹر غضنفر علی خاں ۲۴ اگست کو لاہور میں پہنچے اور آپ نے مشرقی پنجاب کی صورت حال کی نسبت وزرائے مغربی پنجاب سے طویل ملاقات کی اور قائداعظم محمد علی جناح کے حکم کے مطابق اہم ہدایات دیں۔

بے بسی کی ہے کیونکہ ملٹری اور پولیس کا رویہ خطرناک ہو رہا ہے گو ظاہراً نہیں۔ اس وقت پیر احسن الدین پر زور دیں کہ ایک رفیوجی سنٹر قادیان بھی کھلوا دیں۔ جہاں چھ ہزار سے زائد پناہ گزین ہو چکا ہے اور اور لوگ آ رہے ہیں۔ اس طرح یہاں مسلمان ملٹری اور ایک مسلمان افسر رہ سکے گا۔ جبکہ گورنمنٹ خود مخالفت کر رہی ہے میں سوچ رہا ہوں کہ آیا مقامات سے زیادہ آدمیوں کی حفاظت کی ضرورت نہیں؟ حضرت صاحب کا ایک الہام بھی ہے کہ یَاْتِی عَلَیْکَ زَمَنٌ کَمَثَلِ زَمَنِ مُوْسٰی یعنی موسیٰ کی طرح تجھ پر بھی ایک زمانہ آنے والا ہے۔ سو ممکن ہے عارضی ہجرت اس سے مراد ہو۔ لیکن اب تک تو کنوائے ہی نہیں آیا۔ حالانکہ کل اطلاع آئی تھی کہ آ رہا ہے بٹالہ سے ہزاروں کی تعداد میں عورتیں بچے نکالے جا رہے ہیں۔ پیر احسن الدین صاحب کو کہہ کر کنوائیز کا انتظام کروا دیں تو قادیان سے بھی عورتوں بچوں کو نکلوا دیا جائے مگر نارووال کی طرف"

جماعت احمدیہ کے ہوائی جہازوں پر پابندی

۲۵ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو جماعت احمدیہ کے دونوں جہازوں کا قادیان میں آنا جانا ممنوع قرار دیا گیا جو قادیان اور پاکستان سے رابطہ کا واحد ذریعہ تھے۔

حضرت ام المومنینؓ اور خواتین مبارکہ کی پاکستان میں تشریف آوری

حالات چونکہ لحظہ بلحظہ تشویشناک ہو رہے تھے اور صاف نظر آ رہا تھا کہ دشمن عنقریب قادیان پر حملہ کرنے کا مصمم ارادہ کر چکا ہے۔ اس لئے حضرت سیدنا المصلح الموعود نے صحابہ مسیح موعود سے مشورہ طلب کیا کہ حضرت ام المومنین اور خاندان مسیح موعود کی دوسری مبارک خواتین کو پاکستان میں بھجوانا مناسب ہے یا نہیں؟ مولانا جلال الدین صاحب شمس نے ۲۶ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو حضرت مصلح موعود کی خدمت میں لکھا:-

"حضرت ام المومنین اور خواتینِ مبارکہ کے کسی محفوظ مقام پر پہنچانے کے لئے میں نے اپنے محلہ (دارالرحمت) کے ۴۲ صحابہ سے اپنی طرف سے تجویز پیش کر کے آج بعد نماز ظہر مشورہ کیا تھا۔ ان سب نے باتفاق یہی مشورہ دیا کہ حضرت سیدۃ النساء اور خواتین مبارکہ کو کسی محفوظ جگہ پہنچانا مناسب ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ اس مشورہ کے بعد دوسرے اشخاص سے بھی مشورہ کروں لیکن بھائی عبدالرحیم صاحب نے فرمایا کہ میرا مشورہ یہ ہے کہ اس کے متعلق مشورہ کی بجائے

صرف حضور ہدایت دے دیں۔ اسے اشاعت دینے کی ضرورت نہیں"

اس پر حضرت مصلح موعود نے فیصلہ فرمایا کہ خواتین مبارکہ کو جلد سے جلد قادیان سے پاکستان پہنچانے کا انتظام کیا جائے چنانچہ ۲۵ ظہور/اگست[1] کو یہ انتظام ہو گیا اور حضرت ام المومنین اور دوسری خواتین مبارکہ (باستثنائے حضرت سیدہ امّ متین صاحبہ و حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ) لاہور تشریف لے آئیں۔

حضرت سیدنا المصلح الموعود کا تیسرا اہم مکتوب شیخ بشیر احمد صاحب کے نام

ابھی جماعت احمدیہ کے ہوائی جہازوں پر پابندی کی اطلاع حضرت مصلح موعود تک نہیں پہنچی تھی کہ حضور نے اپنے قلم سے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو ایک اہم مکتوب لکھا جو پیش آمدہ حالات کے مدّنظر نہایت بیش قیمت ہدایات پر مشتمل تھا۔ اس مکتوب سے جو دراصل شیخ بشیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کے لئے لکھا گیا چونکہ ان پُرخطر اور پُرفتن ایام کی صحیح معنوں میں عکاسی ہوتی ہے اس لئے اُسے بجنسہٖ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

"یہ مضمون پڑھ لیں[2]۔ جب بھی موقع ملے یہ مضمون شیخ بشیر احمد صاحب کو چھپوا کر شائع کروانے اور اخباروں کو اطلاع دینے کے لئے بھجوا دیا جائے۔ انہیں اطلاع دی جائے کہ (قادیان میں[3]) امن کی رپورٹ (جو بعض افسروں نے کی ہے[4]) بالکل غلط ہے، اس کی تردید کریں۔ کچھ دنوں سے فسادات کی صورت ترقی کی طرف ہے کمی پر نہیں۔ ہاں مُسلمان کچھ زیادہ مقابلہ کرنے لگے ہیں (یہاں حضور نے اپنے قلم سے حاشیہ میں لکھا " ہاں چوہدری سر ظفر اللہ خاں صاحب کو بھی کسی طرح تار دے کر بلوایا جائے تا وہ حالات خود دیکھ کر وائسرائے، نہرو، سردار پٹیل وغیرہ کو مل سکیں۔ حالات روبروز بگڑ رہے ہیں") پس اس وجہ سے اب سکھ ذرا سو چنے لگا ہے۔ دوسرے ایک دو دن سے سکھ کیزولیٹی CASUALTY بڑھ گئی ہے (قادیان میں[5]) مسلمان ملٹری آگئی ہے۔ (جس کا افسر ہندو ہے[6]) مگر کوئی خاص فائدہ ابتک نظر نہیں آتا۔ ہاں سکھ کچھ محتاط ہو گیا ہے مگر ساتھ اس کے حیلے سے زیادہ کام لینے لگ گیا ہے جو زیادہ خطرناک ہے۔ جماعت کو جھوٹے الزامات سے

---

[1] "الفضل" ۸ صلح/جنوری ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء ؛

[2] اس صفحہ پر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے یہ نوٹ دیا " مَیں نے پڑھ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر نتائج پیدا کرے ولاحول ولا قوۃ الّا باللہ العظیم۔ مرزا بشیر احمد ۸/۲۶" ؛

[3]، [4]، [5] و [6] حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے قلم سے اضافہ ؛

نقصان پہنچانے کی تدبیریں ہو رہی ہیں . . . . ہمارے سپرد قافلہ کو فوراً واپس کرنے کا انتظام کیا جائے۔ ڈاکٹر احد کو بھی۔ (ہمارے مَردوں کے جانے کی وجہ سے سخت ضعف ہو رہا ہے۔ کام کرنے والے کم ہو گئے ہیں۔ ان لڑکوں نے سخت غلطی کی ہے کہ مل کر باہر چلے گئے سلسلہ کی عظمت اپنی ذاتی خواہشات پر مقدّم ہونی چاہیئے۔ اب اگر اُن کی عدم موجودگی میں حملہ ہوا تو یہ لوگ ثواب سے اس طرح محروم رہ جائیں گے۔

مظفّر سے فون یا خط وغیرہ سے باقاعدہ تعلق رکھیں۔ وہ پولیس کے چند آدمی حسب فیصلہ بھجوا دیں۔ بہت ہوشیار ہوں۔ وہ ڈیرہ بابا نانک سے قادیان تک کا مناسب راستہ دیکھتے آئیں اور قادیان آ کر اطلاع دیں۔ ڈیرہ کے دوسری طرف یا جہاں سے سیالکوٹ کو راستہ ہے ایک باقاعدہ چوکی لگوا دیں مسلّح پولیس کی تا جانے والوں کی حفاظت ہو سکے۔ ڈیرہ کا تھانیدار شرارتی ہے وہ ضرور شرارت کرے گا۔ اگر کسی بہانے سے ملٹری کا کوئی نہ کوئی سپاہی ادھر آتا رہے تو اس کا بھی فائدہ ہو سکتا ہے۔ ملٹری کے اسکورٹ سے سیالکوٹ سے بھی کنوائے CONVOY آ سکے تو مفید ہے۔ آنے والوں کے لئے رہائش کی جگہ ایک علاقہ کے مختلف گاؤں میں ہو جائے۔ داتہ زید کا کے آس پاس کے گاؤں میں احمدی زیادہ ہیں۔ اگر وہاں کئی درجن مکان لئے جائیں کچھ نئے احمدیوں سے گارے کے تعمیر کروائے جائیں تو کام چل سکتا ہے ۲۶ ۹/۴۷

نیز آپ ایک سوسائٹی سیاسی کام کے لئے فوراً بنا لیں۔ اس کا اعلان ہو۔ چند مخلص نوجوانوں کو شامل کر لیں۔ ان کی طرف سے آمدہ اطلاعات کی بنا پر جن لوگوں سے شرارت کا شبہ ہو انہیں تنبیہہ ہوتی رہے تاکہ ان کی اصلاح ہو جائے۔ مثلاً پٹیالہ، فرید کوٹ اور کپور تھلہ نے فوجیں بھجوا دی تھیں اور اعلان کر دیا ہے کہ فوجیں بھاگ گئی ہیں۔ انہیں اس سوسائٹی کی طرف سے خط چلے جائیں کہ اگر آپ اپنی سَو دو سَو یا ہزار فوج کو نہیں سنبھال سکے تو چار کروڑ مسلمان کو کون سنبھال سکتا ہے۔ اس کا خمیازہ پھر آپ ہی کو بھگتنا پڑے گا۔ اسی طرح مسلمانوں کو ادھر کے حالات کی خبر ملتی رہے مگر فساد نہ ہو۔

عزیزم مظفّر احمد کو کہیں ایک اسکورٹ اپنی کار کے نام پر لا دیں۔ پھر وہاں سے بھجوا کے وہ سیالکوٹ کا قریب ترین راستہ اور محفوظ دیکھ کر قادیان آئے اور معلومات دے جائے وگرنہ اگر وسیع پیمانے

پیچیدہ ہجرت کا سوال ہوا تو ناقابل برداشت مشکلات ہوں گی اور اس صورت میں ملٹری اسکورٹ ضروری ہے ورنہ یہاں کی ملٹری راستہ میں حملہ کرے گی۔ غالباً اتنا بڑا قافلہ کوئی چار دن میں نارووال باڈر کو پار کرسکے گا۔ کوئی پینتالیس میل کا فاصلہ ہے یا پچاس میل کا۔ کیا ایسا اسکورٹ وہاں سے آسکتا ہے۔ اصل غرض یہ ہے کہ خود ملٹری اور پولیس شرارت نہ کرے۔ عورتوں اور بچوں پر جو آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ ادھر ادھر سے فائرنگ نہ ہو۔ خطرہ ہے کہ جہاز بھی ضبط کئے جائیں گے تب آپ لوگوں کو وہاں سے جہاز لاکر روزانہ خبر لانی ہوگی۔ والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد"

حضرت امیر المومنین کی ضروری ہدایات احباب قادیان کیلئے

حضرت مصلح موعود نے ۲۹ ظہور (اگست) ۱۳۲۶ ہش/ ۱۹۴۷ء کو مسجد مبارک میں خطبہ جمعہ پڑھایا۔

یہ حضور کا قادیان میں آخری خطبہ تھا جس میں حضرت اقدس نے اہل قادیان کو خصوصیت سے مندرجہ ذیل ہدایات دیں۔

۱۔ حالات خواہ کچھ ہوں مومن کو بہرحال انصاف، انکسار، محبت، شفقت اور رحم پر قائم رہنا چاہیئے اور اپنے دلوں کو بغضوں اور کینوں سے پاک رکھنا چاہیئے کہ نیک نمونہ دشمن کو بھی خیرخواہ بنا سکتا ہے۔ ہمیں ہر ہندو اور سکھ عورت اور بچے کی اپنی بہن اور بچے کی طرح حفاظت کرنی چاہیئے۔

۲۔ ایک خاص حد تک ظلم برداشت کرنے کے بعد اسلام نے ظُلم کا مقابلہ کرنے کی اجازت دی اور دُنیا کی کوئی حکومت اسے ناجائز قرار نہیں دے سکتی ظالم کے مقابلہ کے وقت ایک مومن دس دس اشخاص پر بلکہ بعض اوقات ساٹھ ساٹھ، ستّر ستّر اشخاص پر غالب ہوتا ہے۔ پس ظلم کا بہادری کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیئے۔ خطرے کے وقت بھاگنا خود ہلاکت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔

۳۔ قادیان میں پناہ گزینوں کی کثرت ہے۔ اس لئے ضروریاتِ زندگی گندم، لکڑی، مٹی کے تیل کو چاندی کی طرح سنبھال کر رکھنا چاہیئے اور کم سے کم استعمال کرنا چاہیئے۔

۴۔ دُعاؤں میں کمی نہیں آنے دینی چاہیئے۔ حالات خواہ کچھ ہوں لیکن بندے کا کام یہی ہے۔

کہ وہ دُعا مانگتا چلا جائے اور پھر خدا تعالیٰ جو کچھ کرے اس پر راضی رہے"[۱]
اس تعلق میں حضور نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مندرجہ ذیل اہم دُعاؤں[۲] کو خصوصیت سے پڑھنے کا ارشاد فرمایا:۔

۱۔ اَعُوْذُ بِکَلِمٰتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۔ مَیں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامّہ کے ذریعہ مخلوق کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔

۲۔ بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے جس کے ہوتے ہوئے نہ زمین میں کوئی چیز ضرر پہنچا سکتی ہے اور نہ آسمان میں اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

۳۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ جَھْدِ الْبَلَاءِ وَدَرَکِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَ

---

[۱] "الفضل" یکم تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱ ۔ [۲] حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ان ایام میں بعض بزرگوں کو خاص طور پر تحریک فرمائی کہ وہ حضرت مصلح موعود، مرکز سلسلہ اور جماعت کی حفاظت کے لئے دُعائیں کریں اور آگے دوسرے اصحاب اور اپنے اہل و عیال میں بھی یہی تحریک کریں اور اگر کوئی امر ظاہر ہو تو اس سے مطلع فرمائیں۔ ان احباب کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب	۱۷۔ حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب
۲۔ " ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب	۱۸۔ " میاں محمد دین صاحب کھاریاں
۳۔ " بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی	۱۹۔ " مرزا محمد اشرف صاحب
۴۔ " میاں خیر دین صاحب سیکھوانی	۲۰۔ " صوفی غلام محمد صاحب مدارشینی
۵۔ " پیر منظور محمد صاحب	۲۱۔ " مولوی غلام رسول صاحب راجیکی
۶۔ " پیر افتخار احمد صاحب	۲۲۔ " مولوی عبدالرحیم صاحب نیّر
۷۔ " بابا حسن محمد صاحب	۲۳۔ " حافظ محمد ابراہیم صاحب
۸۔ " منشی محمد اسمٰعیل صاحب سیالکوٹی	۲۴۔ " سید محمود عالم صاحب
۹۔ " ماسٹر محمد دین صاحب	۲۵۔ " مولوی غلام نبی صاحب مصری
۱۰۔ " قاضی محمد عبداللہ صاحب	۲۶۔ " شیخ فضل احمد صاحب
۱۱۔ " چوہدری فتح محمد صاحب	۲۷۔ " ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب کوئٹہ
۱۲۔ " میاں محمد شریف صاحب	۲۸۔ " عبدالسمیع صاحب امروہی
۱۳۔ " قاضی ظہورالدین اکمل صاحب	۲۹۔ " ملک مولا بخش صاحب
۱۴۔ " ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب	۳۰۔ " چودھری غلام محمد صاحب سابق ہیڈ ماسٹر
۱۵۔ " مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری	۳۱۔ " مولوی عبدالقادر صاحب*
۱۶۔ " مولوی جلال الدین صاحب شمس	

خاکسار مرزا بشیر احمد ۲۹-۸-۴۷

* ایم ۔اے بھاگلپوری مراد ہیں (ناقل)

شَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ ✦ اے اللہ میں بلاء کی شدت سے، شقاوت کا شکار بننے سے، تقدیر کے برُے مقدر سے اور دشمنوں کے خوش ہونے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

۴۔ اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَ اٰمِنْ مِنْ رَوْعَاتِنَا ✦ اے اللہ ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمارے خطرات کو امن سے بدل دے۔

۵۔ اَللّٰھُمَّ سَجَدَ لَکَ سَوَادِیْ وَ خَیَالِیْ وَ اٰمَنَ بِکَ فُؤَادِیْ وَ اَقَرَّ لَکَ لِسَانِیْ فِیْھِمَا اَنَا ذَا بَیْنَ یَدَیْکَ یَا عَظِیْمُ یَا غَافِرَ الذَّنْبِ الْعَظِیْمِ ✦ اے اللہ میرا جسم بھی اور میرا خیال بھی تیرے لئے سجدہ کر رہے ہیں اور میرا دل تجھ پر ایمان رکھتا ہے اور میری زبان تیرے احسانوں کی مقر ہے۔ اب میں تیرے سامنے ہوں۔ اے باعظمت بادشاہ۔ اے گناہِ عظیم بخشنے والے خدا۔[۱]

بیرونی جماعتوں کیلئے حضرت مصلح موعود کا دوسرا پیغام

حضرت مصلح موعود نے قادیان سے ۳۰ ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کو بیرونی جماعتوں کے لئے حسب ذیل دوسرا اور آخری پیغام دیا:۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کیساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

جماعت کو ہدایات جو فوراً شائع کر دی جائیں۔

باوجود بار بار زور دینے کے لاہور کی جماعت نے کنوائے نہیں بھجوائے جس کی وجہ سے قادیان کا بوجھ حد سے زیادہ ہو گیا۔ اگر کنوائے آتے تو شاید میں بھی چلا جاتا اور جب مسٹر جناح اور پنڈت جی آئے تھے اُن سے کوئی مشورہ کرتا مگر افسوس کہ فرض شناسی نہیں کی گئی۔

اگر قادیان میں کوئی حادثہ ہو جائے تو پہلا فرض جماعت کا یہ ہے کہ شیخوپورہ یا سیالکوٹ میں ریل کے قریب لیکن نہایت سستی زمین لے کر ایک مرکزی گاؤں بسائے مگر قادیان والی غلطی نہیں کہ کوٹھیوں پر زور ہو۔ سادہ عمارات ہوں۔ فوراً ہی کالج اور سکول اور مدرسہ احمدیہ اور جامعہ کی تعلیم کو جاری کیا جائے۔ دینیات کی تعلیم اور اس پر عمل کرنے پر ہمیشہ زور ہو۔ علماء بڑے سے بڑے

---

[۱] یکم تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء صفحہ ۱

پیدا کرتے رہنے کی کوشش کی جائے۔

۲۔ تبلیغ کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے۔ وقف کے اصول پر جلد سے جلد کافی مبلغ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ اگر میں مارا جاؤں یا اور کسی طرح جماعت سے الگ ہو جاؤں تو پہلی صورت میں فوراً خلیفہ کا انتخاب ہو اور دوسری صورت میں ایک نائب خلیفہ کا۔

۴۔ جماعت باوجود ان تلخ تجربات کے شورش اور قانون شکنی سے بچتی رہے اور اپنی نیک نامی کے ورثہ کو ضائع نہ کرے۔

۵۔ ہمارے کاموں میں ایک حد تک مغربیت کا اثر آگیا تھا یعنی حکمانہ کارروائی زیادہ ہو گئی تھی۔ اسے چھوڑ کر سادگی کو اپنانا چاہیئے اور تصوّف اور سادہ زندگی اور نماز و روزہ کی طرف توجہ اور دُعاؤں کا شغف جماعت میں پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

۶۔ قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر انگریزی و اردو جلد جلد شائع ہوں۔ میں نے اپنے مختصر نوٹ بھجوا دیئے ہیں اس وقت تک جو ترجمہ ہو چکا ہے اس کی مدد سے اور تیار کیا جا سکتا ہے۔ ترجمہ کرنیوالا دُعائیں بہت کرے

۷۔ ان مصائب کی وجہ سے خدا تعالیٰ پر بدظنی نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو کبھی ضائع نہ کریگا پہلے نبیوں کو بڑی بڑی تکالیف پہنچ چکی ہیں۔ عزت وہی ہے جو خدا اور بندے کے تعلق سے پیدا ہوتی ہے۔ مادی اشیاء سب فانی ہیں خواہ وہ کتنی ہی بزرگ یا قیمتی ہوں۔ ہاں خدا تعالیٰ کا فضل مانگتے رہو شاید کہ وہ یہ پیالہ ٹلا دے۔ والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد ۴۷-۸-۳۰"

قادیان کے تشویشناک ماحول کا ذکر اخبار "ڈان" (کراچی) میں

اخبار "ڈان" کراچی نے انہی دنوں قادیان کے تشویشناک ماحول کی خبر حسب ذیل الفاظ میں شائع کی:-

QADIAN SURROUNDED
by
HOSTILE SIKHS: HEAD'S LIFE IN DANGER

By Dawn staff Reporter: Qadian, the headquarter of Ahmadiyya Movement, is surrounded by a hostile mob of Sikhs during

the last few days. All Communications have been cut off from the outside world. There is a fear of attack at any moment. About 2000 muslims from the neighbouring villages had taken refuge in Qadian. In view of the grave situation it is now proposed to shift women and children to a safer place, says a telegram received by Dr. Ahmad acting Amir of the Ahmadiyya Jamaat Karachi from the Head of the Ahmadiyya Community in Qadian. Dr. Ahmad in an interview said that members of his community in Karachi and elsewhere were gravely perturbed and grave anxiety prevails about the safety of their Head and the Community in Qadian, several young members of community have decided to leave for Qadian immediately disregarding all dangers.

(ترجمہ)

قادیان سکھوں کے گھیرے میں

سربراہ کی زندگی خطرے میں

(ڈان کے سٹاف رپورٹر سے)

گزشتہ چند دنوں سے جماعت احمدیہ کے مرکز قادیان کو سکھوں کے ایک مخالف گروہ نے محاصرہ میں لے لیا ہوا ہے۔ باہر کی دُنیا سے سلسلہ مواصلات بالکل منقطع ہے۔ کسی گھڑی بھی حملہ ہو سکتا ہے گردونواح کے دو ہزار مسلمانوں نے یہاں پناہ لی ہوئی ہے۔ جماعت احمدیہ قادیان کے سربراہ نے ڈاکٹر احمد امیر جماعت احمدیہ کراچی کو بذریعہ تار اطلاع دی ہے کہ خطرے کے پیش نظر تجویز ہے کہ عورتوں اور بچوں کو کسی محفوظ مقام پر بھجوا دیا جائے۔

ڈاکٹر احمد نے ایک بیان میں کہا کہ ممبران جماعت کراچی و دیگر مقامات تشویش میں ہیں کہ مبادا حضرت امام جماعت احمدیہ کو کوئی گزند پہنچے جماعت کے سینکڑوں نوجوانوں نے فیصلہ کیا ہے کہ خطرات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ قادیان ضرور جائیں گے۔

قادیان اور اس کے ماحول کی المناک کیفیت ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء میں

اگست کے آخر میں قادیان اور اس کے ماحول کی کیفیت کیا تھی، اس کی تفصیل حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے مندرجہ ذیل مکتوب سے بآسانی معلوم ہو سکتی ہے جو آپ نے سیدنا حضرت مصلح موعود کے ارشاد پر حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے کے نام تحریر فرمایا:۔

"حضور کا ارشاد ہے کہ فوراً بٹالہ جائیں وہاں پنڈت جواہر لال صاحب نہرو اور نواب لیاقت علی خاں صاحب آئے ہوئے ہیں۔ آپ ان دونوں سے الگ الگ ملیں لیکن اگر الگ الگ ملنے کا موقعہ نہ ہو تو پھر بیشک اکٹھے مل لیں اور انہیں (قادیان) اور اس کے ماحول کے حالات بتائیں اور خصوصاً مندرجہ ذیل باتوں کا ذکر کریں:۔

۱۔ معلوم ہوا ہے کہ آپ ضلع گورداسپور کے حالات دیکھنے کے لئے گورداسپور جا رہے ہیں اور وہاں ڈی۔سی صاحب اور دوسرے افسروں سے مل کر حالات معلوم کریں گے۔ اصل کام یہ ہے کہ آپ تباہ شدہ علاقے یا خطرے والے علاقے کو دیکھیں اور میں آپ کو دعوت دینے آیا ہوں کہ آپ سلسلہ احمدیہ کے مرکز قادیان کو چل کر دیکھیں کہ اس کا ماحول کس طرح تباہ شدہ ہے اور خود قادیان کس طرح خطرات سے گھرا ہوا ہے۔ قادیان ایک ساری دُنیا میں پھیلی ہوئی جماعت کا مرکز ہے اور بہت سے علمی اور تحقیقاتی اداروں کا صدر مقام ہے اور ضلع میں سب سے زیادہ اہم جگہ ہے۔ اس کی حفاظت کا تسلی بخش انتظام ہونا چاہیئے۔ جو اس طرح ہو سکتا ہے کہ وہاں ہمدرد اور کافی تعداد میں ملٹری مقرر کی جائے اور اس ملٹری کو واضح ہدایت دی جائے کہ اس نے بہرحال قادیان اور اس کے ماحول میں امن قائم رکھنا ہے اور کہہ دیا جائے کہ امن شکنی ہوئی تو تم ذمہ دار ہو گے۔

قادیان جیسی جگہ پر تباہی کا آنا حکومت کے لئے ساری دُنیا میں بدنامی کا موجب ہو گا ورنہ ہم عارضی طور پر مرکز بھی دوسری جگہ بنا سکتے ہیں۔ گو اپنے مقدس مقامات کو بھی چھوڑا نہیں جا سکتا۔

۲۔ قادیان میں اس وقت سات آٹھ ہزار پناہ گزین ہے جو ارد گرد کے مسلمان دیہاتوں سے بے خانماں ہو کر یہاں بیٹھا ہوا ہے اس کے لئے نہ تو حکومت کی طرف سے پناہ گزینوں کا کیمپ ہے اور نہ ان پناہ گزینوں کو دوسرے علاقہ میں منتقل کرنے کا کوئی انتظام موجود ہے اس کے علاوہ

خود قادیان کی رہنے والی ہزاروں مستورات اور بچے ایسے ہیں جنہیں خطرے کے وقت میں دوسری جگہ منتقل کرنا ضروری ہے۔ پس اس تعلق میں دو قسم کے انتظامات فوری طور پر درکار ہیں۔ اوّل پناہگزینوں کے کیمپ کا قیام، دوسرے قادیان سے عورتوں، بچوں اور پناہ گزینوں کو لاہور یا سیالکوٹ منتقل کرنے کا انتظام۔

۳۔ قادیان میں ایک عرصہ سے ریل اور تار بند ہے اور ٹیلیفون گو چند دن بند رہنے کے بعد اب کھلا ہے مگر عملاً اس کا کنکشن نہیں ملتا اور چونکہ سڑک کا راستہ مسافروں کے لئے بغیر انتظام کے خطرناک ہے اس لئے ہمارا مرکز ایک عرصہ سے باہر کے علاقہ سے بالکل کٹا ہوا ہے اور ڈاک اور اخبارات کا سلسلہ بالکل بند ہے، ضروری ہے کہ پبلک میں اعتماد پیدا کرنے کے لئے ریل اور تار کو جلد تر کھول دیا جائے اور ٹیلیفون کے رستہ میں جو عملی روکیں ہیں کہ امرتسر کا ایکسچینج کنکشن نہیں دیتا اُسے دُور کیا جائے۔

۴۔ ہمارے پاس دو جہاز تھے [1] جن سے ہم اپنی ڈاک و تاریں لاہور بھجواتے تھے اور لاہور سے اپنی ڈاک اور تاریں منگوا لیتے تھے یا دوائیاں اور دیگر ضروریات زندگی لاہور سے منگوا لیتے تھے۔ یا کسی سواری کو کسی کام پر لاہور بھجوانا ہو تو اُسے بھجوا دیتے تھے۔ مگر چند دن سے مقامی افسروں نے ہمارے جہازوں پر بھی پابندی لگا دی ہے اور اب وہ لاہور میں بند پڑے ہیں۔ الزام یہ لگایا گیا ہے کہ یہ جہاز سکھ دیہات پر پھر کر ان میں دہشت پیدا کرتے تھے اور ہوا سے بم گراتے اور شوٹ کرتے تھے۔ ہم ایک مذہبی جماعت ہیں اور خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتے ہیں کہ یہ الزامات بالکل غلط ہیں اور ایک بہانہ بنا کر ہمارے اس آخری تعلق کو کاٹ دیا گیا ہے جو لاہور وغیرہ کے ساتھ ہمیں حاصل تھا۔ اور اب تو ہم ضلع کے حکّام کے ساتھ بھی کوئی ملاپ کی صورت نہیں رکھتے حالانکہ ہم نے اس بات کی آمادگی ظاہر کی تھی کہ ہمارے جہازوں کی حرکات پر جو بھی معقول پابندی لگائی جائے ہم اس کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ بہرحال ضلع کے عملی حالات اس بات کو واضح کر رہے ہیں کہ ظلم کس قوم پر ہو رہا ہے اور ہمارے جہازوں نے عملی نتیجہ کیا پیدا کیا ہے۔

۵۔ ہمیں یہ بھی دھمکی دی جا رہی ہے کہ قادیان جو جائز لائیسنس والا اسلحہ ہے اسے ضبط کر لیا جائیگا۔

---

[1] ان جہازوں کے پائلٹ میر سید محمد احمد صاحب (ابن حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ) اور محمد لطیف صاحب (ابن حضرت ڈپٹی میاں محمد شریف صاحب ریٹائرڈ ای-اے-سی) تھے جنہوں نے ان ایام میں نہایت درجہ اخلاص اور کمال فدائیت اور جانفروشی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی۔

ہم انصاف کے نام پر اپیل کرنا چاہتے ہیں کہ جب دوسری قوم کا ایک طبقہ ناجائز اسلحہ سے علاقہ میں قتل و غارت کر رہا ہے تو کیا مظلوم قوم کا جائز اسلحہ ضبط کرنا قرین انصاف ہے۔

۶۔ موجودہ حالات کو بہتر بنانے کے لئے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پاکستان اور انڈیا میں اوّل تو مستقل طور پر ورنہ کم از کم عارضی طور پر اقلیت والی قوم کے افسر اور فورس مناسب تعداد میں مقرر ہونے چاہئیں یعنی انڈیا میں سول اور پولیس مناسب تعداد مسلمان افسروں کی ہو اور پاکستان میں ہندو اور سکھ افسروں کی مناسب تعداد ہو جب تک کہ نارمل حالات پیدا نہیں ہو جاتے۔ بلکہ یہ انتظام مستقل طور پر قائم ہو سکے تو اَور بھی بہتر ہے۔ یہ افسر اور یہ پولیس جو مشرقی پنجاب میں ہوگی بیشک مشرقی پنجاب کی حکومت کے ماتحت ہوگی مگر پھر بھی اقلیت کو ایک سہارا ہوگا اور اعتماد کی صورت ہوگی۔

۷۔ اسی طرح موجودہ غیر معمولی حالت میں یہ ضروری ہے کہ مشرقی پنجاب میں کچھ مسلمان ملٹری ہو اور مغربی پنجاب میں کچھ غیر مسلم ملٹری ہو جو بے شک علاقہ کی حکومت کے ماتحت ہو مگر اس کا وجود اقلیت کے اندر اعتماد پیدا کرنے میں مفید ہوگا۔

۸۔ قادیان میں رسد ختم ہو رہی ہے اور ہمیں پناہ گزینوں اور مقامی آبادی کو رسد پہنچانے میں مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے۔ اس کے لئے بھی مناسب انتظام ہونا چاہئیے جن میں سے ایک یہ ہے کہ کم از کم پناہ گزینوں کے لئے حکومت جنس مہیا کرے۔

۹۔ چونکہ سارے انتظامات کے باوجود ایک حصہ آبادی کو قادیان سے لاہور۔ سیالکوٹ کی طرف منتقل کرنا ہوگا اس لئے کافی تعداد میں اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد کنوائے کا انتظام ہونا چاہئیے جس کے ساتھ مسلح گارڈ ہو جس میں کافی حصہ بلکہ موجودہ حالات میں سالم حصہ مسلمانوں کا ہو۔ اس کنوائے کے ذریعہ قادیان کی عورتوں اور بچوں اور کمزور بیمار مَردوں کے علاوہ پناہ گزینوں کو بھی باہر نکالنے کا انتظام ہوگا۔

۱۰۔ یہ بھی کہا جائے کہ احمدیہ جماعت ہندوستان اور پاکستان دونوں میں موجود ہے اور طبعاً ہم دونوں حکومتوں سے تعلق اور دلچسپی رکھتے ہیں اور دونوں پر حقوق بھی۔

خاکسار مرزا بشیر احمد ۸/۴۷ ۳۰ "

(افسوس حضرت چودھری صاحب پنڈت جواہر لال صاحب نہرو سے مل نہ سکے)

احباب قادیان کیلئے ضروری اعلان حضرت امیر المومنین المصلح الموعود کی ہدایت پر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی طرف سے ۱۳/ظہور/اگست ۱۳۲۶ھش/۱۹۴۷ء کو قادیان کے صدر صاحبان کو حسب ذیل اعلان بھجوایا گیا۔

"بخدمت صدر صاحبان! السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ موجودہ خطرے کے ایام میں جو احمدی عورتیں اور چھوٹی عمر کے بچے قادیان سے باہر پاکستان کے علاقہ میں جانا چاہیں انہیں اس کی اجازت ہے بشرطیکہ لاہور میں ان کی رہائش کا انتظام ہو سکے یا لاہور سے آگے جانے کا انتظام موجود ہو۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ قادیان سے باہر پاکستان کے علاقہ تک پہنچنے کے لئے مُسلم ملٹری گارڈ کا انتظام موجود ہو مگر قادیان کا کوئی احمدی مرد آجکل بغیر اجازت باہر نہیں جا سکتا جس شخص کو کوئی مجبوری پیش ہو وہ اپنی مجبوری بیان کر کے اجازت حاصل کرے۔

یہ بات بھی قابلِ وضاحت ہے کہ سلسلہ کی طرف سے مُسلم کنوائے کا انتظام کیا جا رہا ہے جو کبھی کبھی قادیان آیا کرے گا اور اس میں حسبِ گنجائش مستورات اور بچوں اور اجازت والے مردوں کو موقع دیا جائے گا۔ مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ چونکہ گنجائش محدود ہوتی ہے اس لئے باری باری ہی موقع مل سکتا ہے۔ جو غیر احمدی اصحاب باہر جانا چاہیں وہ بھی اس انتظام میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اگر گورنمنٹ کا کانوائے آئے تو وہ بلا کرایہ لے جائے گا۔ لیکن اگر اپنے کانوائے کا استعمال کیا جائے تو اس کے لئے مناسب کرایہ لگے گا مگر غرباء کو سہولت دی جائے گی۔

صدر صاحبان اپنے اپنے محلہ میں یہ بھی بتا دیں کہ ایسے بچوں، عورتوں، مردوں کی فہرست شیخ عبدالحمید صاحب عاجز بی۔ اے کی نگرانی میں تیار ہوتی ہے۔ پس تمام درخواستیں ان کے پاس جانی چاہئیں جو بعد منظوری نظارت، باری باری لوگوں کو موقعہ دیں گے۔

صدر صاحبان کو یہ بھی چاہیئے کہ اس کام میں گھبراہٹ کا رنگ نہ پیدا ہونے دیں بلکہ وقار اور انتظام کے ماتحت سارا کام سرانجام پائے۔ فقط والسلام

مرزا بشیر احمد ۳۱/۸/۴۷

محلوں میں اجتماعی دُعا

صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے بواسطہ مولوی ابوالعطا صاحب تجویز پیش کی تھی کہ ۱۳ ظہور/اگست کو محلوں کی مساجد میں اجتماعی طور پر دُعا کی جائے۔ چنانچہ اس روز ۸ ½ بجے سے ۹ بجے تک تمام مساجد میں دُعا کی گئی۔

قادیان کے مرکزی افسروں اور کارکنوں کا خلوص

ان تکلیف دہ ایام میں قادیان کے مرکزی احمدی افسروں اور کارکنوں نے نہایت درجہ خلوص کا ثبوت دیا۔ چنانچہ سیدنا المصلح الموعود فرماتے ہیں :-

"قادیان کے . . . کارکن . . . سب کے سب اپنی جانیں ہتھیلی پر لئے ہوئے خدا تعالیٰ کے شعائر کی حفاظت میں لگے ہوئے ہیں . . . وہاں بالعموم بائیس بائیس گھنٹے تک کام کرنا پڑتا ہے خود مجھ پر بہت راتیں ایسی گزری ہیں کہ صبح تک میں آنکھ بھی جھپک نہیں سکا کیونکہ ماتحت عملہ کی ڈیوٹی تو بدلتی رہتی ہے لیکن اوپر جو عملہ ہوتا ہے، اور جس کا فرض دوسروں سے کام لینا ہوتا ہے، اس کی ڈیوٹی بدل نہیں سکتی۔ رات کو کام کرنے والے آتے ہیں تو وہ کام بھی کرتے ہیں اور اپنے افسر کو بھی بتاتے ہیں کہ انہوں نے کیا کام کیا۔ اسی طرح دن کو کام کرنیوالے کام کرتے ہیں تو وہ اپنے افسر کو بھی کام کی رپورٹ دیتے اور اس کی ہدایات کے مطابق عمل کرتے ہیں" [۱]

فصل دہم

حضرت مُصلح موعُود کا سفرِ ہجرت اور پاکستان میں ورودِ مسعود

اب ہم متحدہ ہندوستان کے اس آخری یادگار اور اہم واقعہ تک آ پہنچے ہیں جس سے جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایک نئے اور انقلابی دَور کا آغاز ہوا۔ ہماری مراد سیدنا حضرت مُصلح موعود کے سفرِ ہجرت سے ہے جو حضور نے جماعتی مشورہ کے بعد ۳۱ ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کو اختیار فرمایا۔

---

[۱] "الفضل" ۳۰ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء کالم ۲-۳ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۲ تبوک/ستمبر ۱۳۲۶ ہش / ۱۹۴۷ء بمقام مسجد احمدیہ لاہور)۔

الوداعی پیغام

حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اپنی روانگی سے ایک روز قبل یعنی ۳۰ظہور/اگست ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء کی رات کو قادیان و جماعتہائے احمدیہ ضلع گورداسپور کے نام حسب ذیل الوداعی پیغام لکھا اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کو اپنے پیچھے امیر مقامی مقرر کرتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ حضور کے قادیان سے روانہ ہونے کے بعد جماعت تک پہنچا دیا جائے چنانچہ آپ نے اس کی نقلیں کروا کے مغرب اور عشاء کی نمازوں میں قادیان کی تمام احمدی مساجد میں بھجوا دیں جو پڑھ کر سُنا دی گئیں۔

پیغام یہ تھا:۔

"اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مَیں مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی تمام پریذیڈنٹان انجمن احمدیہ قادیان و محلہ جات و دیہات ملحقہ قادیان و دیہات تحصیل بٹالہ و تحصیل گورداسپور کو اطلاع دیتا ہوں کہ متعدد دوستوں کے متواتر اصرار اور لمبے غور کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قیام امن کے اغراض کے لئے مجھے چند دن کے لئے لاہور ضرور جانا چاہئیے کیونکہ قادیان سے بیرونی دُنیا کے تعلقات منقطع ہیں اور ہم ہندوستان کی حکومت سے کوئی بھی بات نہیں کر سکے حالانکہ ہمارا معاملہ اس سے ہے لیکن لاہور اور دہلی کے تعلقات ہیں۔ تار اور فون بھی جا سکتا ہے۔ ریل بھی جاتی ہے اور ہوائی جہاز بھی جا سکتا ہے۔ مَیں مان نہیں سکتا کہ اگر ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال صاحب پر یہ امر کھولا جائے کہ ہماری جماعت مذہباً حکومت کی وفادار جماعت ہے تو وہ ایسا انتظام نہ کریں کہ ہماری جماعت اور دوسرے لوگوں کی جو ہمارے اردگرد رہتے ہیں حفاظت نہ کی جائے۔ جہانتک مجھے معلوم ہے بعض لوگ حکام پر یہ اثر ڈال رہے ہیں کہ مسلمان جو ہندوستان میں آئے ہیں ہندوستان سے دشمنی رکھتے ہیں، حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ انہیں اپنے جذبات کے اظہار کا موقعہ ہی نہیں دیا گیا۔ ادھر اعلان ہوا اور ادھر فساد شروع ہو گیا ورنہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ مُسلمان مسٹر جناح کو اپنا سیاسی لیڈر تسلیم کرنے کے باوجود ان کے اس مشورہ کے خلاف جاتے کہ اب جو مسلمان ہندوستان میں گئے ہیں انہیں ہندوستان کا وفادار رہنا چاہئیے۔ غرض ساری غلط فہمی اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ یکدم فسادات ہو گئے اور صُوبائی حکام اور ہندوستان کے حکام پر حقیقت نہیں کھلی۔ ملن حالات

ہیں مَیں سمجھتا ہوں کہ مجھے ایسی جگہ جانا چاہیئے جہاں سے دہلی و شملہ سے تعلقات آسانی سے قائم کئے جاسکیں اور ہندوستان کے وزراء اور مشرقی پنجاب کے وزراء پر اچھی طرح سے معاملہ کھولا جاسکے۔ اگر ایسا ہوگیا تو وہ زور سے ان فسادات کو دُور کرنے کی کوشش کریں گے۔

اسی طرح لاہور میں سکھ لیڈروں سے بھی بات چیت ہوسکتی ہے جہاں وہ ضرورتاً آتے جاتے رہتے ہیں اور اس سے بھی فساد دُور کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

ان امور کو مدّنظر رکھ کر مَیں نے فیصلہ کیا ہے کہ مَیں چند دن کے لئے لاہور جاکر کوشش کروں۔ شاید اللہ تعالیٰ میری کوششوں میں برکت ڈالے اور یہ شور و شر جو اس وقت پیدا ہو رہا ہے دُور ہو جائے۔ میں نے اس امر کے مدّنظر آپ لوگوں سے پوچھا تھا کہ ایسے وقت میں اگر میرا جانا عارضی طور پر زیادہ مفید ہو تو اس کا فیصلہ آپ لوگوں نے کرنا ہے یا مَیں نے، اگر آپ نے کرنا ہے تو پھر آپ لوگ حکم دیں تو مَیں اسے مانوں گا لیکن مَیں ذمہ داری سے سبکدوش ہوں گا اور اگر فیصلہ میرے اختیار میں ہے تو پھر آپ کو حق نہ ہوگا کہ چون وچرا کریں۔ اس پر آپ سب لوگوں نے لکھا کہ فیصلہ آپ کے اختیار میں ہے۔ سو مَیں نے چند دن کے لئے اپنی سکیم کے مطابق کوشش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

آپ لوگ دعائیں کرتے رہیں اور حوصلہ نہ ہاریں۔ دیکھو مسیح کے حواری کتنے کمزور تھے مگر مسیح انہیں چھوڑ کر کشمیر کی طرف چلا گیا اور مسیحیوں پر اس قدر مصائب آئے کہ تم پر ان دنوں میں اس کا دسواں حصہ بھی نہیں آئے لیکن انہوں نے ہمت اور بشاشت سے ان کو برداشت کیا۔ ان کی جُدائی تو دائمی تھی مگر تمہاری جدائی تو عارضی ہے اور خود تمہارے اور سلسلہ کے کام کے لئے ہے۔ مُبارک وہ جو بدظنّی سے بچتا ہے اور ایمان پر سے اس کا قدم لڑکھڑاتا نہیں۔ وہی جو آخر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کا انعام پاتا ہے۔ پس صبر کرو اور اپنی عُمر کے آخری سانس تک خدا تعالیٰ کے وفادار رہو۔ اور ثابت قدمی اور نرمی اور عقل اور سُوجھ بوجھ اور اتحاد و اطاعت کا ایسا نمونہ دکھاؤ کہ دُنیا عش عش کر اُٹھے جو تم میں سے مصائب سے بھاگے گا وہ یقیناً دوسروں کے لئے ٹھوکر کا موجب ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ کی لعنت کا مستحق۔ تم نے نشان پر نشان دیکھے ہیں اور خدا تعالیٰ کی قُدرتوں کا منوّر جلوہ دیکھا ہے اور تمہارا دل دوسروں سے زیادہ بہادر ہونا چاہیئے۔ میرے سب لڑکے اور داماد اور دونوں بھائی اور بھتیجے قادیان میں ہی رہیں گے اور مَیں اپنی غیر حاضری کے ایام میں عزیز

مرزا بشیر احمد صاحب کو اپنا قائمقام ضلع گورداسپور اور قادیان کے لئے مقرر کرتا ہوں۔ ان کی فرماں برداری اور اطاعت کرو اور ان کے ہر حکم پر اس طرح قربانی کرو جس طرح محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ مَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَ مَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ یعنی جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ پس جو اُن کی اطاعت کرے گا وہ میری اطاعت کرے گا۔ اور جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اطاعت کرے گا وہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے گا اور وہی مومن کہلا سکتا ہے دوسرا نہیں۔

اے عزیزو! احمدیت کی آزمائش کا وقت اب آئے گا اور اب معلوم ہوگا کہ سچا مومن کونسا ہے۔ پس اپنے ایمانوں کا ایسا نمونہ دکھاؤ کہ پہلی قوموں کی گردنیں تمہارے سامنے جُھک جائیں اور آئندہ نسلیں تم پر فخر کریں۔ شاید مجھے تنظیم کی غرض سے کچھ اور آدمی قادیان سے باہر بھجوانے پڑیں مگر وہ میرے خاندان میں سے نہ ہوں گے بلکہ علماء سے ہوں گے۔ اس سے پہلے بھی میں کچھ علماء باہر بھجوا چکا ہوں۔ تم اُن پر بدظنی نہ کرو۔ وہ بھی تمہاری طرح اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن خلیفہ وقت کا حکم انہیں مجبور کرکے لے گیا۔ پس وہ ثواب میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہیں اور قربانی میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہیں۔ ہاں وہ لوگ جو آنوں بہانوں سے اجازت لے کر بھاگنا چاہتے ہیں وہ یقیناً کمزور ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کے گناہ بخشے اور سچے ایمان کی حالت میں جان دینے کی توفیق دے۔

اے عزیزو! اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ رہے اور مجھے جب تک زندہ ہوں سچے طور پر اور اخلاص سے تمہاری خدمت کی توفیق بخشے اور تم کو مومنوں والے اخلاص اور بہادری سے میری رفاقت کی توفیق بخشے۔

خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہو اور آسمان کی آنکھ تم میں سے ہر مرد ہر عورت اور ہر بچہ کو سچا مخلص دیکھے اور خدا تعالیٰ میری اولاد کو بھی اخلاص اور بہادری سے سلسلہ کی خدمت کرنے کی توفیق بخشے۔ والسلام

خاکسار
(دستخط حضرت) مرزا محمود احمد
خلیفۃ المسیح ۳۰ ہش ۷ " [1]

[1] "الفضل" ۸ احسان/جون ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳

اگلے روز (۳۱ ظہور/اگست ۱۳۲۶ ہش/۱۹۴۷ء کو) حضرت امیر المومنین المصلح الموعود نے روانگی سے قبل اپنے لختِ جگر صاحبزادہ مرزا منوّر احمد صاحب کو قصرِ خلافت کا بالائی کمرہ سپرد فرمایا۔ اور انہیں اپنے بعد اس میں قیام پذیر ہونے کی ہدایت فرمائی۔ ازاں بعد حضور کیپٹن ملک عطاء اللہ صاحب آف دوالمیال کی اسکورٹ میں قریباً ایک بجے احمدیہ چوک قادیان میں موٹر میں سوار ہوئے اور پھر سوا ایک بجے کوٹھی دارالسلام قادیان میں پہنچے جہاں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب اور نوابزادہ میاں عباس احمد خاں (جو حضور کے ساتھ ہی کوٹھی دارالسلام میں آئے تھے) اور ان کے علاوہ خاندان مسیح موعود کے بعض اَور افراد نے حضور کو الوداع کہا اور حضور یہاں سے بذریعہ موٹر روانہ ہو کر ۴ ۱/۲ بجے کے قریب شیخ بشیر احمد صاحب امیر مقامی جماعت احمدیہ لاہور کے مکان پر بخیر و عافیت پہنچ گئے۔ اس تاریخی سفر میں حضرت سیّدہ ام متین صاحبہ اور حضرت سیّدہ منصورہ بیگم صاحبہ (حرم حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب) بھی حضور کے ہمراہ تھیں۔[1]

حضرت مسیح موعودؑ کی ہجرت سے متعلق ایک اہم پیشگوئی کا شاندار ظہور

حضرت سیدنا فضل عمر خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی ہجرت پاکستان سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ۱۸۸۵-۸۶ء کی ایک خواب پوری ہوئی جس میں حضور پر انکشاف کیا گیا تھا کہ آپ خود یا آپ کا کوئی خلیفہ ہجرت کرے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"ایک دفعہ مَیں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک شخص میرا نام لکھ رہا ہے تو آدھا نام اس نے عربی میں لکھا ہے اور آدھا انگریزی میں لکھا ہے۔ انبیاء کے ساتھ ہجرت بھی ہے لیکن بعض رویا نبی کے اپنے زمانہ میں پورے ہوتے ہیں اور بعض اولاد یا کسی متبع کے ذریعے سے پورے ہوتے ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قیصر و کسریٰ کی کنجیاں ملی تھیں تو وہ ممالک حضرت عمر کے زمانہ میں فتح ہوئے"[2]

اس پیشگوئی کی تفصیل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بعض اَور الہامات بھی ہوئے جو حضور نے براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۱ پر درج کئے۔ اور "دافع البلاء" (مطبوعہ اپریل ۱۹۰۲ء) کے صفحہ ۲۱ پر ان کا ترجمہ مع تشریح مندرجہ ذیل الفاظ میں شائع فرمایا:-

---

[1] "الفضل" ۸ احسان/جون ۱۳۲۷ ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۳۔ [2] "بدر" ۷ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۲، "الحکم" ۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۳۔

"عیسائی لوگ ایذارسانی کے لئے مکر[۱] کریں گے اور خدا بھی مکر کرے گا اور وہ دن آزمائش کے[۲] دن ہوں گے اور کہہ کہ خدایا پاک زمین[۳] میں مجھے جگہ دے ۔ یہ ایک رُوحانی طور کی ہجرت ہے"

سفرِ ہجرت کے حالات حضرت مُصلح موعُود کی زبانِ مُبارک سے

حضرت امیر المومنین المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :-

"جماعتی طور پر ایک بہت بڑا ابتلاء ۱۹۴۷ء میں آیا اور الٰہی تقدیر کے ماتحت ہمیں قادیان چھوڑنا پڑا۔ شروع میں مَیں سمجھتا تھا کہ جماعت کا جرنیل ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ قادیان میں لڑتا ہوا مارا جاؤں ورنہ جماعت میں بزدلی پھیل جائے گی اور اس کے متعلق مَیں نے باہر کی جماعتوں کو چٹھیاں بھی لکھ دی تھیں۔ لیکن بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کے مطالعہ سے مجھ پر یہ امر منکشف ہوا کہ ہمارے لئے ایک ہجرت مقدر ہے اور ہجرت ہوتی ہی لیڈر کے ساتھ ہے۔ ویسے تو لوگ اپنی جگہیں بدلتے ہی رہتے ہیں مگر اسے کوئی ہجرت نہیں کہتا۔ ہجرت ہوتی ہی لیڈر کے ساتھ ہے۔ پس مَیں نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ کی مصلحت یہی ہے کہ مَیں قادیان سے باہر چلا جاؤں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کے مطالعہ سے میں نے سمجھا کہ ہماری ہجرت یقینی ہے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ مجھے قادیان چھوڑ دینا چاہئے تو اس وقت لاہور فون کیا گیا کہ کسی نہ کسی طرح ٹرانسپورٹ کا انتظام کیا جائے لیکن آٹھ دس دن تک کوئی جواب نہ آیا اور جواب آیا بھی تو یہ کہ حکومت کسی قسم کی ٹرانسپورٹ مہیا کرنے سے انکار کرتی ہے اس لئے کوئی گاڑی نہیں چل سکتی۔ مَیں اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کا مطالعہ کر رہا تھا۔ الہامات کا مطالعہ کرتے ہوئے مجھے ایک الہام نظر آیا "**بعد گیارہ**" میں نے خیال کیا کہ گیارہ سے مراد گیارہ تاریخ ہے اور مَیں نے سمجھا کہ شاید ٹرانسپورٹ کا انتظام قمری گیارہ تاریخ کے بعد ہوگا مگر انتظام کرتے کرتے عیسوی ماہ کی ۲۸ تاریخ آگئی لیکن گاڑی کا کوئی انتظام نہ ہو سکا۔ ۲۸ تاریخ کو اعلان ہو گیا کہ ۳۱ اگست کے بعد ہر ایک حکومت اپنے اپنے علاقہ کی حفاظت کی خود ذمہ دار ہوگی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انڈین یونین اب مکمل طور پر قادیان پر قابض ہو گئی ہے مَیں نے اس وقت خیال کیا کہ اگر مجھے جانا ہے تو اس کے

---

[۱] مکر عربی زبان میں باریک اور خفیہ تدبیر کو کہا جاتا ہے جس میں ریڈکلف ایوارڈ کے عیسائی منصوبے کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

[۲] حضرت مصلح موعود کی ہجرت کے ایام عام مسلمانوں کے لئے عموماً اور جماعت احمدیہ کے لئے خصوصاً ابتلاء اور آزمائش کے ایام تھے۔

[۳] "پاک زمین" یعنی پاکستان۔

لئے فوراً کوشش کرنی چاہیئے ورنہ قادیان سے نکلنا محال ہو جائے گا اور اس کام میں کامیابی نہیں ہوسکیگی ان لوگوں کے مخالفانہ ارادوں کا اس سے پتہ چل سکتا ہے کہ ایک انگریز کرنل جو بٹالہ لگا ہوا تھا میرے پاس آیا اور اس نے کہا مجھے ان لوگوں کے منصوبوں کا علم ہے۔ جو کچھ یہ ۳۱ اگست کے بعد مسلمانوں کے ساتھ کریں گے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ باتیں کرتے وقت اس پر رقت طاری ہوگئی لیکن اس نے جذبات کو دبا لیا اور منہ ایک طرف پھیر لیا۔ جب میں نے دیکھا کہ گاڑی وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں ہو سکتا اور میں سوچ رہا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام "بعد گیارہ" سے کیا مراد ہے تو مجھے میاں بشیر احمد صاحب کا پیغام ملا کہ میجر جنرل نذیر احمد صاحب کے بھائی میجر بشیر احمد صاحب ملنے کے لئے آئے ہیں۔ دراصل یہ ان کی غلطی تھی وہ میجر بشیر احمد صاحب نہیں تھے بلکہ ان کے دوسرے بھائی کیپٹن عطاء اللہ صاحب تھے۔ جب وہ ملاقات کے لئے آئے تو میں حیران تھا کہ یہ تو میجر بشیر احمد نہیں اُن کے چہرے پر تو چیچک کے داغ ہیں مگر چونکہ مجھے ان کا نام میجر بشیر احمد ہی بتایا گیا تھا اس لئے میں نے دورانِ گفتگو میں جب انہیں میجر کہا تو انہوں نے کہا میں میجر نہیں ہوں کیپٹن ہوں اور میرا نام بشیر احمد نہیں بلکہ عطاء اللہ ہے کیپٹن عطاء اللہ صاحب کے متعلق پہلے سے میرا یہ خیال تھا کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں سے زیادہ مخلص ہیں اور میں سمجھتا تھا کہ اگر خدمت کا موقعہ مل سکتا ہے تو اپنے بھائیوں میں سے یہی اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ میں نے انہیں حالات بتائے اور کہا کہ کیا وہ سواری اور حفاظت کا کوئی انتظام کر سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں آج ہی واپس جا کر کوشش کرتا ہوں۔ ایک جیپ میجر جنرل نذیر احمد کو ملی ہوئی ہے اگر وہ مل سکی تو دو اَور کا انتظام کر کے میں آؤں گا کیونکہ تین گاڑیوں کے بغیر پوری طرح حفاظت کا ذمہ نہیں لیا جا سکتا کیونکہ ایک جیپ خراب بھی ہو سکتی ہے اور اس پر حملہ بھی ہو سکتا ہے لیکن ضرورت ہے کہ تین گاڑیاں ہوں تا سب خطرات کا مقابلہ کیا جا سکے۔ یہ باتیں کر کے وہ واپس لاہور گئے اور گاڑی کے لئے کوشش کی۔ مگر میجر جنرل نذیر احمد صاحب کی جیپ انہیں نہ مل سکی۔ وہ خود کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ آخر انہوں نے نواب محمد دین صاحب مرحوم کی کار لی اور عزیز منصور احمد کی جیپ اسی طرح بعض اور دوستوں کی کاریں حاصل کیں اور قادیان چل پڑے۔ دوسرے دن ہم نے اپنی طرف سے ایک اَور انتظام کرنے کی بھی کوشش کی اور چاہا کہ ایک احمدی کی معرفت کچھ گاڑیاں مل جائیں۔ اس دوست کا وعدہ تھا کہ وہ ملٹری کو ساتھ لے کر آٹھ نو بجے قادیان پہنچ جائیں گے لیکن وہ نہ پہنچ سکے یہاں تک کہ دس بج گئے۔ اس وقت مجھے یہ خیال آیا کہ شاید

گیارہ سے مراد گیارہ بجے ہوں اور یہ انتظام گیارہ بجے کے بعد ہو۔ میاں بشیر احمد صاحب جن کے سپرد ان دنوں ایسے انتظام تھے۔ اُن کے بار بار پیغام آتے تھے کہ سب انتظام رہ گئے ہیں اور کسی میں بھی کامیابی نہیں ہوئی مَیں نے انہیں فون کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام "بعد گیارہ" سے مَیں سمجھتا ہوں کہ گیارہ بجے کے بعد کوئی انتظام ہو سکے گا۔ پہلے مَیں سمجھتا تھا کہ اس سے گیارہ تاریخ مراد ہے لیکن اب میرا خیال ہے کہ شاید اس سے مراد گیارہ بجے کا وقت ہے۔ میرے لڑکے ناصر احمد نے بھی جس کے سپرد باہر کا انتظام تھا۔ مجھے فون کیا کہ تمام انتظامات فیل ہو گئے ہیں۔ ایک بدھ فوجی افسر نے کہا تھا کہ خواہ مجھے سزا ہو جائے مَیں ضرور کوئی نہ کوئی انتظام کروں گا اور اپنی گارد ساتھ روانہ کروں گا لیکن عین وقت پر اُسے بھی کہیں اَور جگہ جانے کا آرڈر آ گیا اور اس نے کہا مَیں اب مجبور ہوں اور کسی قسم کی مدد نہیں کر سکتا۔ آخر گیارہ بج کر پانچ منٹ پر مَیں نے فون اُٹھایا اور چاہا کہ ناصر احمد کو فون کروں کہ ناصر احمد نے کہا کہ مَیں فون کرنے ہی والا تھا کہ کیپٹن عطاء اللہ یہاں پہنچ چکے ہیں اور گاڑیاں بھی آ گئی ہیں چنانچہ ہم کیپٹن عطاء اللہ صاحب کی گاڑیوں میں قادیان سے لاہور پہنچے۔ یہاں پہنچ کر مَیں نے پورے طور پر محسوس کیا کہ میرے سامنے ایک درخت کو اکھیڑ کر دوسری جگہ لگانا نہیں بلکہ ایک باغ کو اکھیڑ کر دوسری جگہ لگانا ہے ہمیں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ فوراً ایک نیا مرکز بنایا جائے اور مرکزی دفاتر بھی بنائے جائیں"۔ [1]

سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی ہجرت کے بعد کس طرح انتہائی زہرہ گداز اور جگر پاش حالات میں قادیان کے مخلص احمدیوں اور جانفروش درویشوں نے مشرقی پنجاب بلکہ پورے ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا بلند رکھا۔ نیز پاکستان میں خدا تعالیٰ کے پاک وعدوں اور بشارتوں کے عین مطابق اس کے اولوالعزم اور مقدس خلیفہ موعود کے مبارک ہاتھوں سے نئے سرے سے احمدیت کا باغ لگایا گیا یعنی ربوہ جیسا عالمگیر شہرت کا حامل، مثالی اور شاندار مرکز تعمیر ہوا۔ اور طیور ابراہیمی آسمانی قرنا کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے دوبارہ جمع ہو گئے!! ان سب ایمان افروز واقعات کی تفصیل انشاء اللہ العزیز وبتوفیقہٖ تعالیٰ اگلی جلد میں آئے گی۔

---

[1] "الفضل" ۱۳؍ وفا؍جولائی ۱۳۲۸ہش/۱۹۴۹ء صفحہ ۵-۶۔

ضمیمہ ۱

۱۔ تعلیم الاسلام کالج قادیان کا پہلا پراسپکٹس ۱۳۲۳-۲۴ ہش ۱۹۴۴-۴۵ ء

متعلقہ صفحہ ۲۵

(انگریزی سے ترجمہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید و تعارف

موجودہ دور میں اخلاقی انحطاط اور مادہ پرستی جس انتہا کو پہنچی ہوئی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ بدقسمتی سے مغربی تعلیم کا وہ نظام جو اس وقت ہمارے ملک میں جاری ہے باوجود اس کے کہ اس کے بعض پہلوؤں میں کچھ خوبیاں بھی موجود ہیں اس نے مغربی تہذیب کو ہوا دینے میں جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔ پس اس مقصد کے پیش نظر کہ ہمارے احمدی بچے مادہ پرستی اور موجودہ تہذیب کے سیلاب سے محفوظ رہیں نیز یہ کہ وہ دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلام اور احمدیت کی روحانی برکات سے بھی آراستہ ہوں۔ اور ایک خاص دینی اور اخلاقی ماحول میں پرورش پائیں۔ جماعت احمدیہ نے اپنے مقدس بانی حضرت احمد علیہ السلام کی زیر ہدایت قادیان میں تعلیم الاسلام ہائی سکول جاری فرمایا اور اب یہ ادارہ مئی ۱۹۴۴ء میں انٹرمیڈیٹ کالج (آرٹس اور سائنس) کی صورت میں ترقی پا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت جلد اسے ڈگری کالج کے معیار تک پہنچا دیا جائے گا جس میں آرٹس اور سائنس کے تمام مضامین (چار سالہ کورس) بالترتیب پڑھائے جائیں گے۔

کالج کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ ایسے بلند کردار نوجوان پیدا کئے جاویں جو نہ صرف موجودہ علوم اور زندگی کے موجودہ تقاضوں سے پوری طرح عہدہ برا ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ بلکہ اسلامی تمدن کی حقیقی رنگت کے حامل۔ اور احمدیت اور اسلام کی اخلاقی اور روحانی

اقتدار کا مجسمہ ہوں۔ اس کے علاوہ وہ بہترین شہری اور معاشرت کا عمدہ ترین نمونہ ہوں۔

یہ کالج صدر انجمن احمدیہ کے زیر انتظام ہوگا اور ایک بہت بڑے وسیع دیہاتی طبقے (کہ جس کا مرکز اس وقت قادیان ہے) کی تعلیمی ضروریات بھی پوری کرے گا اس میں تمام طلباء کو بلا تفریق مذہب و ملت داخلے کی اجازت ہوگی۔ اور ہر طالب علم اپنے ضمیر کے مطابق پوری دلجمعی کے ساتھ تمام علوم سے بہرہ ور ہو سکے گا۔ البتہ داخلہ گنجائش کے مطابق و نوعیت مضامین کے اعتبار سے کیا جا سکے گا۔

سٹاف

۱۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب ایم اے (پنجاب) بی اے (پنجاب) بی اے آنرز (ماڈرن گریٹس آکسن۔ انگلستان)
پرنسپل اور لیکچرار دینیات۔ اور اقتصادیات۔

۲۔ مکرم اخوند عبدالقادر صاحب ایم اے لیکچرار انگریزی

۳۔ مکرم عباس بن عبدالقادر صاحب ایم اے لیکچرار تاریخ

۴۔ مکرم خواجہ عبدالعزیز صاحب حقانی ایم اے۔ بی۔ ٹی۔ ایچ۔ (علیگ) لیکچرار فلاسفی۔

۵۔ مکرم عبدالرحمٰن صاحب ناصر ایم اے۔ لیکچرار ریاضی۔

۶۔ مکرم ذوالفقار علی صاحب غنی ایم ایس سی۔ لیکچرار فزکس اور کیمسٹری۔

۷۔ مکرم بشارت الرحمٰن صاحب ایم اے لیکچرار عربی۔

۸۔ مکرم قاضی محمد نذیر صاحب (ایم اے۔ ایچ پی) لیکچرار فارسی اور اردو۔

۹۔ مکرم صوفی محمد ابراہیم صاحب بی ایس سی بی ٹی ڈیمانسٹریٹر اور ٹیچر سائنس

۱۰۔ مکرم محمد ابراہیم صاحب بی اے ایس اے وی ٹیچر انگلش اور جنرل نالج۔

۱۱۔ مکرم محمد ابراہیم صاحب ناصر بی اے بی ٹی ٹیچر ریاضی۔

۱۲۔ مکرم ماسٹر محمد اسلام خان صاحب ڈرائنگ ماسٹر [۱]

۱۳۔ فزیکل انسٹرکٹر کی آسامی جلد پُر کی جاوے گی [۲]

---

[۱] نمبر ۹ تا ۱۲ یہ مندرجہ اساتذہ انٹرمیڈیٹ کالج کے باقاعدہ افتتاح سے قبل ہی تعلیم الاسلام ہائی سکول سے منسلک کر دیئے گئے۔

[۲] پہلے فزیکل انسٹرکٹر چوہدری محمد اسماعیل صاحب بنگوی تھے ۲۴ تبلیغ (فروری) ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء میں ان کی بجائے چوہدری محمد فضل داد صاحب مقرر ہوئے۔

۱۴۔ لائبریرین (آسامی جلد پُر کی جاوے گی)[۱]

۱۵۔ میڈیکل آفیسر۔ جناب خان صاحب ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب

۱۶۔ آفس کلرک[۲] اور خزانچی[۳] (آسامی جلد پُر کی جائے گی)

۱۷۔ لیبارٹری اسسٹنٹ دو کس (آسامیاں جلد پُر کی جائیں گی)[۴][۵]

مضامین

کالج میں موجودہ حالات میں مندرجہ ذیل مضامین پڑھائے جائیں گے۔

(۱) انگریزی (۲) عربی (۳) فارسی (۴) ریاضی (۵) اقتصادیات (۶) تاریخ (۷) فلسفہ (۸) فزکس (۹) کیمسٹری (۱۰) اردو اور دینیات زائد مضامین ہوں گے۔

طلباء مندرجہ ذیل مضامین کے گروپ میں سے اپنے لئے کسی مناسب گروپ کا انتخاب کر سکتے ہیں۔

(۱) انگریزی	عربی یا فارسی۔	ریاضی اور تاریخ
(۲) انگریزی	عربی یا فارسی	ریاضی اور اقتصادیات
(۳) انگریزی	عربی یا فارسی	ریاضی اور فزکس
(۴) انگریزی	عربی یا فارسی	تاریخ اور فلسفہ
(۵) انگریزی	عربی یا فارسی	ریاضی اور فلسفہ

۔[۱] کالج کے پہلے لائبریرین مولوی محمد دین صاحب ہیں۔ آپ نے وفا/جولائی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء سے اسسٹنٹ کے طور پر چارج سنبھالا۔

[۲] منشی حمید الدین صاحب بی اے بی ٹی منشی فاضل (برادر اکبر مولانا ابو العطاء صاحب جالندھری فاضل عربیہ دگیمبا) نے شروع میں بطور ہیڈ کلرک کام کیا منشی صاحب ۲۸ امان/مارچ ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء کو نیشنل گارڈز میں عملی ٹریننگ لیتے ہوئے گولی سے شہید ہوئے (الفضل ۲۴ شہادت مطابق اپریل ۱۳۲۷ہش/۱۹۴۸ء صفحہ ۱ کالم ۳۔ ماہ ہجرت/مئی ۱۳۲۶ہش/۱۹۴۷ء میں قاضی عبدالرحمٰن صاحب جنید ابن حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل گجراتی سپرنٹنڈنٹ آفس بنے۔

[۳] عبد المجید صاحب ناصر کلرک (تقرر ۹ وفا/جولائی ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء) [۴] اولین لیبارٹری اسسٹنٹ چوہدری غلام حیدر صاحب (تقرر ماہ اخاء/اکتوبر ۱۳۲۳ہش/۱۹۴۴ء) ۲۔ قاضی محمد بشیر صاحب (تقرر ماہ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء) ۳۔ شیخ فضل قادر صاحب (تقرر ۲ تبلیغ/فروری ۱۳۲۴ہش/۱۹۴۵ء) ۴۔ ملک عبد العزیز صاحب (تقرر ۸ امان ۱۳۲۵ہش مطابق ۸ مارچ ۱۹۴۶ء)

(۱) انگریزی	عربی یا فارسی	تاریخ اور اقتصادیات
(۲) انگریزی	عربی یا فارسی	اقتصادیات اور فلسفہ

الیف ایس سی (نان میڈیکل)

انگریزی فزکس کیمسٹری ۔ اور ریاضی ۔

طلباء کا داخلہ

یونیورسٹی کے قواعد کے مطابق ضروری ہے کہ کالج میں داخلے کے وقت طلبا خود حاضر ہوں چنانچہ فرسٹ ایر کلاس میں داخلے کے وقت طلباء کی حاضری اصالتاً ضروری ہے یہ داخلہ میٹرک کے نتائج کے دس دن کے بعد سے شروع کیا جاوے گا۔

داخلے کے وقت طلبا کو حسب ذیل سرٹیفکیٹ پیش کرنے ہوں گے ۔

۱ ۔ پرووژنل سرٹیفکیٹ جس میں تاریخ پیدائش درج ہو اور گزشتہ امتحان یونیورسٹی میں لئے گئے مضامین اور ان کے نمبروں کی تفصیل درج ہو۔

۲ ۔ عمدہ چال چلن کا سرٹیفکیٹ ۔ جو اس ادارے کے سربراہ کی طرف سے جاری کیا گیا ہو۔ جس میں طالب علم نے آخری مرتبہ تعلیم حاصل کی ہے

۳ ۔ والدین یا سرپرست کی طرف سے تصدیق کہ طالب علم مذکور کو کالج میں داخلے کی اجازت ہے

فیس

ایف اے کی کلاسوں کی فیس حسب ذیل ہوگی

فیس داخلہ	۲	
یونیورسٹی رجسٹریشن فیس	۴ ۔ ۰۰	(داخلے کے موقع پر ایک مرتبہ)
ٹیوشن فیس (۱۲ مہینوں کے لئے)	۶ ۔ ۰۰	(فی ماہ)
لائبریری فیس	۵ ۔ ۰۰	(قابل واپسی جب کہ کالج چھوڑا جائے)
میڈیکل فیس	۰ ۔ ۲۵	(فی ماہ)
یونین کلب فنڈ	۱ ۔ ۲۵	(فی ماہ)

ہوسٹل کی فیس

فیس داخلہ		۱—۰۰	(بوقت داخلہ)
رہائش		۲—۰۰	(فی ماہ)
	علیحدہ کمرہ	۳—۰	؍
روشنی		۱—۵۰	؍
پنکھا (اگر استعمال کیا جائے)		۴—۰۰	؍
ضمانت		۵—۰۰	(قابل واپسی)
کھانے کا پیشگی خرچ		۱۰—۰۰	(داخلے کے وقت ایک مرتبہ اور پھر قابل واپسی)

نوٹ:۔ بورڈنگ میں طلباء کو چارپائیاں مہیا کی جاویں گی لیکن روشنی کے لئے بلب اور پنکھے انہیں خود ہی حاصل کرنے ہوں گے۔

(مطبوعہ پنجاب ایجوکیشنل پریس لاہور)

۲۔ فوٹو برموقع رہائی از جیل (مارشل لاء) متعلقہ صفحہ ۱۰۶

(۱) پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب ایم اے (۲) پروفیسر مقبول احمد صاحب ایم اے (مرحوم) (۳) مولانا غلام احمد صاحب بدوملہی (۴) پروفیسر اخوند عبدالقادر صاحب ایم اے (ان کے پیچھے معین الرشید صاحب ہاشمی) (۵) چوہدری غلام حیدر صاحب سٹور کیپر فزکس (حال لیکچرار اسسٹنٹ) (۶) مولوی ابوالفتح عبدالقادر صاحب ایم اے قائم مقام پرنسپل تعلیم الاسلام کالج (۷) عبدالرحمن صاحب حنیف ہاشمی۔ آفس سپرنٹنڈنٹ (ان کے پیچھے افضل خان صاحب ترکی) (۸) چوہدری محمد فضل داد صاحب R. P. D. ان کے پیچھے غلام نبی صاحب لیبارٹری اسسٹنٹ (۹) حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب (ایدہ اللہ تعالیٰ) پرنسپل تعلیم الاسلام کالج۔ (۱۰) محمد احمد صاحب انور حیدرآبادی ایم اے۔ ان کی گود میں مرزا فرید احمد صاحب سلمہ تعالیٰ اور پیچھے لطیف الدین صاحب مددگار کارکن (۱۱) پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب ایم ایس سی (۱۲) پروفیسر

محمود احمد صاحب ایم ایس سی بیالوجی (۱۳) پروفیسر عباس بن عبدالقادر صاحب ایم اے ہسٹری (۱۴) پروفیسر میاں عطاء الرحمٰن صاحب ایم ایس سی فزکس (۱۵) پروفیسر صوفی بشارت الرحمٰن صاحب ایم اے عربی (۱۶) پروفیسر سید سجاد حیدر صاحب (حال ڈپٹی کمشنر) (۱۷) مولوی محمد الدین صاحب ایم اے لائبریرین۔

یہ فوٹو تعلیم الاسلام کالج لاہور (سابقہ ڈی اے وی کالج) میں کھینچی گئی۔

۳۔ فوٹو تقریب لیکچر "اسلام کا اقتصادی نظام"

سٹیج پر نیچے بیٹھنے والے (دائیں سے بائیں) ۱۔ مولوی صدرالدین صاحب واقف زندگی (مبلغ ایران) (۲) حضرت شیخ مشتاق حسین صاحب (والد مکرم شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ) (۳) مکرم عبدالحمید صاحب آصف۔ (۴) صاحبزادہ مرزا حفیظ احمد صاحب (۵) لطیف احمد صاحب طاہر (۶) مکرم حافظ قدرت اللہ صاحب واقف زندگی مبلغ ہالینڈ و انڈونیشیا (۷) چوہدری عبداللطیف صاحب واقف زندگی (مبلغ جرمنی۔) (۸) جناب محمد صدیق صاحب ثاقب زیروی (مدیر لاہور) (۹) مکرم ضیاء الرحمٰن صاحب ضیغمی ایم اے (۱۰) ملک عطاء الرحمٰن صاحب (مبلغ فرانس) (۱۱) خالد احمدیت ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم)

۴ ـ حضرت مصلح موعودؓ کے قلم مبارک سے
تاریخِ احمدیت سے متعلق بعض اہم سوالات کا جواب

(مؤلف کتاب ھذا نے ظہور/اگست ۱۳۳۳ہش/۱۹۵۴ء میں حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بذریعہ مکتوب عرض کیا کہ حضور ازراہ شفقت (۱) اپنے تاریخی سفر دہلی (۱۹۴۶) (۲) جون ۱۹۴۷ء کے امرتسر ریلیف کیمپ (۳) لٹریچر بابت باؤنڈری کمیشن اور (۴) احمدیہ میمورنڈم کی تفصیلی معلومات کے تعلق میں اختصار کی رہنمائی فرمائیں حضرت امیر المومنین نے (جو ان دنوں صوبہ سندھ میں تشریف فرما تھے) اپنے قلم مبارک سے ان استفسارات کا بالترتیب مندرجہ ذیل جواب تحریر فرمایا۔

1

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

2

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

3

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

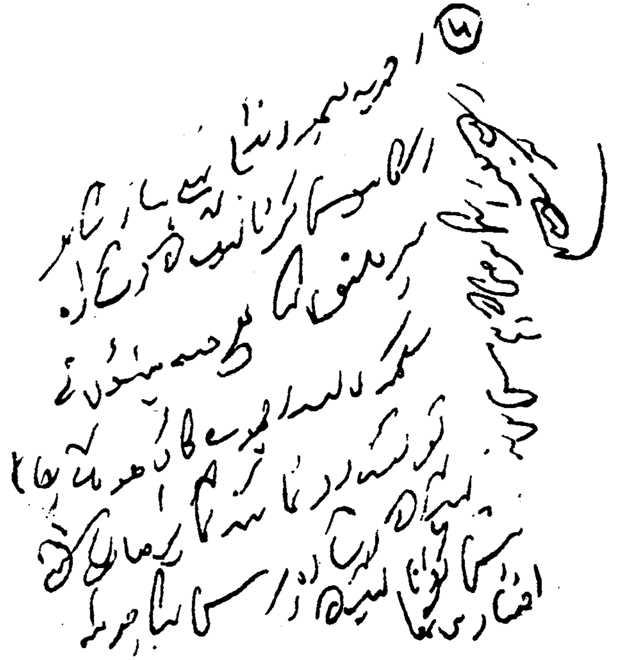

(۱) بہرحال سب امور اخبارات میں یا امور عامہ کی رپورٹوں میں آچکے ہوں گے مگر ربوہ آکر درد صاحب اور میاں بشیر احمد صاحب سے بات کر کے نوٹ لکھوائے جا سکتے ہیں۔

(۲) یہ کام دوسرے لوگ کرتے ہیں۔ مرزا ناصر احمد اور میاں بشیر احمد زیادہ بتا سکتے ہیں۔

(۳) لٹریچر امریکہ سے ہوائی جہاز میں ایک ہزار سے زائد خرچ ڈاک کا لگا۔

(۴) احمدیہ میمورنڈم پہلے تیار کیا اس کا پیش کرنا لیگ کے اشارہ پر ملتوی کیا۔ پھر جب ہندوؤں نے سکھوں اور اچھوت کا ڈھونگ رچایا تو تعداد نمائندگی بڑھانے کے لئے لیگ کے اشارہ پر پیش کیا چونکہ پیش کروانا لیگ کے اختیار میں تھا۔ اس لئے بغیر اس کی مرضی کے ہم پیش ہی نہ کر سکتے تھے۔

نوٹ: مندرجہ بالا جواب میں نمبروں کا اضافہ قارئین کی سہولت کے لئے کیا گیا ہے حضرت امیر المومنین کے الفاظ میں نمبر نہیں ہیں۔
(۲) جواب پر ۲۷ر اگست ۱۹۵۲ء کی مہر ثبت ہے۔

ضیاء الاسلام پریس ربوہ ٭ ناشر ادارۃ المصنفین ربوہ
۲۵ر دسمبر ۱۹۶۹ء
۱۲۳۲

ضمیمہ نمبر ۲

Comments on English Translation of THE HOLY QURAN

"The publication of this first volume of a new annotated translation of the Quran marks a stage in the accomplishment of a very great enterprise. It is now some fifteen years since the learned scholars of the Ahmadiyya Community of Qadian, under the inspiring leadership of H s Holiness Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad, embarked upon an ambitious plan to produce an edition of the text of the Quran, accompanied by a faithful English translation and a full commentary. This first volume comprises the first nine Suras, together with a long general introduction from the pen of His Holiness, who explains that the commentary is based on the interpretation of the Quran established by the Founder of the Ahmadiyya Movement, his first Successor, and himself, the second Successor. The translation and commentary may thus be accepted as the authentic voice of the Ahmadiyya Movement. It is to be completed in two more volumes.

It is no exaggeration to describe this work as a veritable monument of Islamic scholarship. A formidable list of authorities has been consulted at all stages of the undertaking, and the translators have taken into account the views not only of traditional Arab exegesis but also of European criticism. The translation is in faultless and dignified English.

The general introduction, in 275 large, closely-printed pages, comprises a biography of the prophet Muhammad, a history of the compilation of the Quran, and an account of the chief features of the Quranic teachings ; it contains incidentally a detailed refutation of views on Islam expressed by non-Muslims, and a

criticism of other religions. Much of the apologetics perhaps seems somewhat partisan and even captious to the non-Muslim reader; but it is sincerely animated, and merits careful study as throwing light on the reactions of pious and learned Muslims to what they find objectionable in the traditional doctrines of other faiths.

The appearance of this first volume at a time when the Ahmadiyya Community in India was suffering most grievously—the story of this senseless persecution needs to be more widely known, for it was a most disturbing feature of the transfer of power—is itself a symbol of the fortitude and devotion which have been such outstanding characteristics of the Movement since its inception. All men of good will must wish prosperity and good fortune to the enterprise in its remaining stages, and recognise the high importance of this fine product of pious endeavour and good learning."

(A. J. ARBERRY.)

"THE HOLY QURAN, WITH ENGLISH TRANSLATION AND COMMENTARY. Vol. I. Distributed by the Ahmadiyya Movement in Islam 220 S. State St., Chicago, $ 12. 50.

This impressive work is "published under the auspices of Hazrat Mirza Bashiruddin Mahmud Ahmad, Second Successor of the Promised Messiah, by the Sadr Anjuman Ahmadiyya, Qadian, India." It was produced in India. The present volume (the first of three) contains 276 pages of introduction to the Quran (Koran to most readers in English), and 968 pages of Arabic text with parallel English translation and commentary, linguistic and theological. Since perhaps few readers of this paper are sufficiently familiar with the Arabic language to avail themselves of the remarkable aids here offered to its study, the organisation which issues the book may be more interesting to them than the book itself. The Ahmadiyya Movement, the only active missionary movement now at work in Islam, was founded in 1890 by Hazrat Mirza Ghulam Ahmad, in the Punjab. "He claimed to be the Mahdi whose advent was foretold by the Holy Prophet Muhammad and the Messiah whose advent had been foretold in the Bible and in the

Moslem Scriptures." The "second successor," named above, is his son. This son, born in 1889 and now resident in Pakistan, was described in prophecy as "the Word of God." The expectation of his followers is: "The greater part of the people of Europe will believe in Hazrat Ahmad, the Promised Messiah and Mahdi. All other religions will give place to Islam and Ahmadiyyat, and will in the end almost cease to exist. The earth shall be inherited by Hazrat Ahmad's followers, and the followers of other religions shall be few in number and shall occupy humble positions." Many communities have been established, and the publication of this splendid edition of the Quran is evidence that they are not without resources."

(THE CHRISTIAN CENTURY)

"The book is very well printed. The type is good, easily readable. Altogether it is a very valuable addition to the literature of Islam in the English tongue. The world is greatly indebted to the Ahmadiyya Movement for it" (Dr. Charles S. Braden, Chairman, History and Literature of Religions Deptt. North western University Evanston, Ill).

"After reading it, I turned to the translation and for commending this edition as better than any previous attempt to present an English version." (H. A. R. Gibb).

"The English is faultless, and misprints are remarkably few. Evidently no pains have been spared to present the Quran in as perfect a form as possible."

"The characteristics of Quranic Teachings thus authoritatively expounded are certainly modern and in most respects admirable. If the United Nations could act up to the principles here laid down, it might regain some of its prestige."

"The Commentary is full and often shows a fine sense of spiritual values."

"There are many details which may weaken controversy. But it would be ungracious not to recognise that we have here the first part of a great and meritorious enterprise. It has no doubt been a labour of love to its authors."

"This attempt to present the teaching of the Quran

in a form adapted to the needs of the present, is a sign of spiritual life and Missionary enterprise, and is on the whole enlightened and progressive." (Richard Bell).

"The translation is—as we say in French—sticking to the text. No one could praise enough the merit of this exactitude that helps to elucidate any difficulties of the Quranic language." (Regis Blachere, Professor of Literary Arabic, School of Oriental Languages at Paris).

"I do not think I am going too far in saying that, up to now, no translation of the Quran in a European language has pushed its endeavours so far to instruct the reader who is no scholar of Arabic with regard to the explicit as well as implicit contents of the text translated. One would wish that the publication of a work that will be epoch-making in the popularization of the book of Islam in Europe may be completed soon" (Ibid)